

دیباچہ



اِس میں شک نہیں کہ طب اور اُس کی صناعت کو بے خلاف اشرف الصنائع تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کے درجہ کو بفحوائے "اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمُ الْاَبْدَانِ وَعِلْمُ الْاَدْیَانِ" (علم دو ہی ہیں بدنوں کا یا مذاہب کا) علم مذاہب کے دوش بدوش بلکہ مقدم رکھا گیا ہے۔ حکماء و فلاسفہ نے مطالب کو دو انواع یعنی لذّت اور خیر پر تقسیم کیا ہے اور یہ دونو مطلب کمال صحت کے سوا حاصل نہیں ہوتے۔ لذّت دُنیا سے مُستفاد ہوتی ہے اور خیر کی اُمید عقبےٰ کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ امر کسی دلیل کا محتاج نہیں کہ ان دونو نعمتوں کا میسّر آنا طاقت پر اور طاقت کا حصول صحّت پر منحصر ہے۔ اِس لئے صرف دُنیوی لحاظ سے ہی نہیں، بلکہ دینی اعتبار سے بھی اِس فنِ شریف کی عظمت مسلم ٹھہری۔ چنانچہ اس کی بے حد ضرورت مقتضی ہے کہ جس حد تک ممکن ہو انسانی جماعتوں میں اِس کے معالم و حقائق کی اشاعت کی جائے اور اُن کے دلوں میں ہر ایک امکانی تدبیر سے اس کے متعلق شوق و ولولہ پیدا کیا جائے۔

علم التاریخ کے جہاں اور سینکڑوں فائدے ہیں وہاں ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ ازمنہ ماضیہ کے مشاہیر کی نیک نامی اور شہرت کا علم ہونے سے زمانہ حال کے عقلمند اور حساس لوگوں کے دلوں میں بھی اُن فضائل کے حاصل کرنے کی خواہشیں اور اُمنگیں پیدا ہوتی ہیں۔ جن کی وجہ سے متقدمین نے اِس قدر شہرت اور ناموری پیدا کی ہے۔ پس اگر تھوڑی دیر کے لئے دوسرے فوائد کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو بھی یہ ایک ایسا مہتم بالشان نفع ہے جس سے انسانی زندگی میں حیرتناک انقلاب پیدا ہو سکتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں جبکہ مخرّب اخلاق فضول ناولوں اور قصّوں کی کثرت اشاعت کے باعث ملک کا عام مذاق نہایت قابل افسوس طور پر بگڑا ہوا ہے صحیح اور مفید مذاق کی تاریخیں اور سوانح عمریاں شائع کرنا لٹریچر کی ایک اہم ترین ضرورت کو پورا کرنا ہے۔

جہاں تک میں خیال کرتا ہوں آج تک اُردو اور خصوصًا طبّی اُردو لٹریچر میں کوئی اس قسم کی جامع تاریخی کتاب موجود نہیں تھی جس میں مشرقی و مغربی مشاہیر اطبّاء کے صحیح حالات زندگی مل سکیں اور اُن کے قابل قدر کارناموں کا علم ہو سکے۔ اِس لئے میں نے مختلف زبانوں کی کتب تاریخ و سیَر کے وسیع مطالعہ کے بعد اس کتاب میں عہد گذشتہ کے سر برآوردہ اور ماہر فن اطبّاء کے سوانح حیات سلیس اُردو زبان میں قلمبند کئے ہیں تاکہ اُس کے نتیجہ خیز مباحث سے بالعموم استفادہ ہو۔ اس کتاب کے دوران تالیف میں جن کتب سے فائدہ اُٹھایا

گیا ہے اُن کے نام حسب ذیل ہیں :-

(۱) عیون الانباء فی طبقات الاطباء - عربی ۔ (۲) منتخب التواریخ مؤلفہ ملا عبدالقادر بدایونی فارسی

(۳) "ایمی نینٹ ڈاکٹرز دیر لائیوز اینڈ دیر ورکس" مؤلفہ جی - ٹی - بیٹنی - انگریزی ۔ { "Eminent Doctors" Their lives and their works, by G. T. Bettani }

(۴) ہسٹری آف میڈیسن مؤلفہ - ڈی - اے گارٹن صاحب - ایم ڈی ۔ { "The History of Medicine" By David Allyn Gorton M.D. }

(۵) آیورویدک علم طب کی مختصر تاریخ مؤلفہ سر بھگونت سنگھ جی کے سی - آئی - ای - ایم - ڈی - انگریزی ۔ { "A short History of Aryan Medical Science." By Sir Bhagvat Sinh Jee K. C. I. E., M. D }

(۶) ہسٹری آف ہندو کیمسٹری مؤلفہ پی - سی - رائے (بنگالی) "History of Hindu Chemistry" By Professor P. C. Ray

(۷) میڈیسن آف اینشینٹ انڈیا - مصنفہ روڈلف ہرنل صاحب ۔ { "Medicine of Ancient India" By A. F. Rudolf Hoernle C. I. E., Ph. D. }

(۸) ہسٹورین ہسٹری آف دی ورلڈ (انگریزی) (Historian History of the World)

(۹) انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا - (انگریزی) (Encyclopaedia Brittanica)

(۱۰) انسائیکلوپیڈیا انڈیکا - (انگریزی) (Encyclopaedia Indica)

اس کتاب کے آغاز میں علم طب کی ابتدائی اور وسطی ترقیات کا ذکر کرتے ہوئے مصری یونانی اور ہندی دیوتاؤں مثلاً تھوطب (ابوطب مصری) اسقلی بیوس (ابوطب یونانی) وغیرہ کے حالات پر بھی روشنی ڈالی گئی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس فن شریف کی ابتدا محض خوش اعتقادی اور بت پرستی سے ہوئی تھی۔ اسی ضمن میں طب کے قدیم یا حادث ہونے اور الہامی یا قیاس و تجربہ پر مبنی ہونے کے متعلق مختلف مذاہب کے بیانات بھی درج کئے گئے ہیں۔ پھر نظام طب مصری، بابلی، ہندی، چینی، یونانی، عربی اور موجودہ نظام طب یورپی امریکی غرض کل دنیا کے انظمۂ طبیہ کا علی الترتیب مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ تسہیل تلاش کے لئے تمام طبیبوں اور ڈاکٹروں کے نام حروف تہجی کی ترتیب سے درج کئے گئے ہیں۔ اور ہر ایک طبیب کے مقام پیدائش تاریخ ولادت و وفات، تعلیم و تعلم، تصنیف و تالیف اور دیگر علمی خدمات و خصوصیات کے متعلق بخوبی توضیح کردی گئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ امر بھی اچھی طرح سے منکشف ہوگا کہ بعض مشاہیر نے علم طب پر کیا کیا احسانات کئے ہیں اور ہمیں ان کا کس قدر ممنون رہنا چاہئے ۔

ویدوں یعنی ہندی مشاہیر اطباء کے حالات نہایت تلاش کرنے پر بھی چونکہ دیر سے ملے اس لئے ان کو آخر کتاب میں یکجا تحریر کردیا ہے ۔ (مؤلف)

تاریخِ طب

نوٹ - جن حضرات نے اس مضمون پر مفصل معلومات حاصل کرنی ہوں وہ میری مؤلفہ کتاب تاریخ طب کا جو کہ عنقریب شائع ہوگی مطالعہ کریں۔

طب - لغت عرب میں اس لفظ کے معنے ہیں علاج کرنا یا جادو کرنا لیکن اصطلاح میں اُس علم کو کہتے ہیں جسکے ذریعے سے جسم انسان کی حالت صحت و مرض معلوم ہو اور غرض اس علم سے حفظ صحت ہے یعنی صحت کو بحال یا محفوظ رکھنا جبکہ وہ حاصل ہو اور اس کو واپس لوٹانا جبکہ وہ زائل ہوگئی ہو۔

نوٹ - چوپاؤں کے علاج کرنے کو عربی میں بیطرہ اور پرندوں کے علاج کرنے کو زردقہ کہتے ہیں۔

علم طب کی تاریخ کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے کیونکہ بعض اس علم کو قدیم مانتے ہیں اور بعض حادث جانتے ہیں لیکن چونکہ علم طب کا موضوع جسم انسان ہے جو کہ دیگر اجسام کی طرح حادث ہے پس علم طب بھی حادث ہے اور جس وقت سے کہ حضرت انسان پیدا ہوا اُسی وقت سے اس علم کی بھی ابتدا ہوئی لیکن اس کی ابتدا کے متعلق بھی دو مختلف خیال ہیں چنانچہ ایک فریق کا تو یہ خیال ہے کہ علم طب الہامی ہے اس لئے وہ اس علم کی ابتدا کو مختلف انبیاء علیہم السلام سے منسوب کرتا ہے مثلاً بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ علم معلوم ہوا اور ان سے حضرت شیثؑ کو معلوم ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کو الہام کے ذریعے یہ علم سکھلایا گیا۔ یہودی اس کو حضرت موسےٰؑ کی طرف۔ مجوسی اسے اپنے پیغمبر زرتشت کی طرف اور ہمارے ہندو بھائی اسے برھما جی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن دوسرا مخالف فریق یہ کہتا ہے کہ حضرت انسان جو کہ قدرت کا ماسٹر پیس یعنی اشرف المخلوقات ہے اس کو خداوند تعالیٰ حکیم مطلق نے اپنی حکمت کاملہ سے قوّت غور و فکر مرحمت فرمائی چنانچہ الٰہیات و طبیعیات و ریاضیات یہ سب علوم اسی قوّتِ غور و فکر کے کرشمے ہیں پس یہی ماننا پڑتا ہے کہ علم طب بھی جو کہ علم حکمت کی ایک شاخ ہے انسانی دماغ کی متواتر محنتوں کا ایک بہتر نمونہ اور قوّتِ تفکر و تحقیق کا ایک

قابل قدر کارنامہ ہے ✦

لیکن اس علم کی ابتدا کے متعلق پھر بھی بہت کچھ اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ اسکے بانی ہندی ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ کلدانی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اسکے موجد مصری ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یونانی ہیں غرضیکہ یہ بھی ایک عجیب رام کہانی ہے۔ لیکن جہاں تک دُنیا کی تاریخ پتا چلا سکتی ہے اقوام دُنیا میں سب سے قدیم مصری[1] قوم خیال کی جاتی ہے پس اس علم کی ابتدا کو بھی اسی سے منسوب کیا جاتا ہے ✦

نوٹ ۔ لیکن میں پہلے ہندی طب کا بیان کرتا ہوں اس کے بعد چینی ۔ بابلی ۔ مصری ۔ یونانی ۔ رومی ۔ عربی اور یورپی طبوں کا بہت مختصر مگر مسلسل بیان کرونگا ✦

ہندی طب یا آیورویدک

ہمارے ہندو بھائی جو کہ علم طب کو الہامی مانتے ہیں وہ اس کی ابتدا کو برہما جی سے منسوب کرتے ہیں چنانچہ بقول انکے برہما جی[2] رشی نے برہم سنگھتا بنائی۔ ان سے دکھش پرجاپتی نے اس علم کو سیکھا اور انہوں نے دکھش سنگھتا بنائی پھر ان سے ادِتی کے جوڑے بیٹوں اَشونی۔ کماروں نے یہ علم پڑھا چنانچہ وہ اس علم میں ایسے لائق فائق ہوئے کہ وہ دونوں ربانی حکیم مانے جاتے تھے پھر انہوں نے مہاراج اِندر کو یہ علم سکھلایا جن کے زمانہ میں اس علم کو بڑا عروج ہوا لیکن جب کچھ مدت بعد اس علم کو

[1] آریہ کہتے ہیں کہ مشرستھان یعنی مصر کو قدیم آریوں نے ہی آباد کیا تھا چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ منتر کے دیوتا نیل شکھنڈی (سیاہ کلغی والا) نے ملک مصر میں نیل تنتر (ایک مخفی علم جو کہ قدیم ہندوؤں کو معلوم تھا) کی تعلیم دی اور دریائے نیل جس کے کناروں پر ملک مصر آباد ہے غالباً اسی دیوتا نیل شکھنڈی کے نام سے نامزد ہے ✦

مہابھارت کے بیان کے مطابق ییاتی کے چاروں بیٹے جن کو کہ ان کے باپ نے سراپ دیا تھا ترک وطن کرکے مغرب کی طرف چلے گئے اور چند ملیچھ اقوام کے بزرگ ہوئے۔ چنانچہ مصر یعنی مخلوط انہیں کے خلط ملط سے منسوب کیا جاتا ہے۔ (آرین ہسٹری آف میڈی سن)

[2] برہما جی ہندو تثلیث کا رکن اور آیوروید (فن شفا) کا اولین پرچار کرنے والا مانا جاتا ہے (ہندو تثلیث کے یہ تین رکن ہیں ا۔ وشنو اوتار (دُنیا کا پیدا کنندہ) برہما جی (پرورش کنندہ) اور مہیش یا شوجی (فنا کنندہ) ✦

زوال آگیا تو بہت سے رشی ہمالیہ پربت پر اکٹھے ہوئے اور انہوں نے باہم مشورہ کرکے بھاردواج رشی سے یہ خواہش کی کہ وہ مہاراج اندر سے اس علم کو سیکھ کر اس کی پرچار کریں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا یعنی انہوں نے مہاراج اندر سے آیورویدک علم کو سیکھ کر باقی کے سب رشیوں کو سکھلایا۔ ان میں سے آترییہ رشی نے پھر آگے اپنے چھ شاگردوں (اگنی ویش۔ بھیل۔ جتوکرن۔ پراشر۔ ہاریت۔ کشار پانی) کو یہ علم سکھلایا چنانچہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے نام پر اس علم کی ایک ایک کتاب[1] لکھی جن کا کہ اس ملک آریہ ورت یعنی ہندوستان میں بہت مدت تک پرچار رہا +

لیکن پھر کچھ مدت بعد جب اس علم کو زوال آگیا تو مہارشی چرک[2] پیدا ہوئے جنہوں نے مذکورۂ بالا چھوں کتابوں کا مطالعہ کرکے چرک سنگھتا نام کی کتاب بنائی جو اس علم کی ایک نہایت مستند اور قدیمی کتاب مانی جاتی ہے +

چرک کے بعد کاشی کے مہاراج دیوداس[3] یا دھن ونتری[4] حضرت مسیحؑ سے تقریباً کئی سو برس پہلے ہوئے جن کے بہت سے شاگرد تھے جن میں سے سشرت[5] (یعنی دل لگا کر سننے والا)

---

[1] ان کتابوں کے لکھے جانے سے پہلے آیوروید صرف زبانی علم تھا لیکن اب کتابی علم ہوگیا۔ ان چھوں کتابوں میں سے صرف ہاریت سنگھتا ملتی ہے باقی کی کتابیں نہیں ملتیں +

[2] چرک فاضل منی وشدھ کا بیٹا ایک نہایت مشہور و اعلیٰ ترین ہندی طبیب ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ حضرت مسیحؑ سے ۳۲۰ برس قبل بنارس میں پیدا ہوا تھا۔ ہندو چرک کو شیش یعنی ہزار سر والے سرپ دیوتا (سانپ دیوتا) کا جو کہ تمام علوم خصوصاً علم ویدک کا سرچشمہ خیال کیا جاتا ہے اوتار سمجھتے ہیں +

[3] بھاؤ پرکاش کا مصنف بھاؤ مشر تو دیوداس ہی کا دوسرا نام دھن ونتری لکھتا ہے لیکن سر بھگونت جی تحریر کرتے ہیں کہ دیوداس دھن ونتری کا اوتار سمجھا جاتا ہے +

[4] دھن ونتری کو ہندو رب الشفا یعنی طبی دیوتا سمجھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ طوفان میں گم شدہ تیرہ رتنوں کے ساتھ سمندر سے برآمد ہوا۔ کہتے ہیں کہ دھن ونتری آبحیات (امرت) کا پیالہ ہاتھ میں لئے ہوئے سمندر سے باہر آئے تھے۔ ہندوؤں کے نزدیک دھن ونتری کا وہی رتبہ ہے جو کہ یونانیوں کے نزدیک اسقلی بوس کا +

دھن ونتری کی تصاویر یا مجسمات ہیں اسکے ایک ہاتھ میں جونک کھائی جاتی ہے اور دوسرے ہاتھ میں جڑ جس کا یہ مطلب ہے کہ جسم میں تمام امراض فساد ہضم اور فساد خون سے پیدا ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ علم الادویہ پر دھن ونتری کی بنائی ہوئی ایک کتاب ہے جس کو کرت راج نگھنٹو کہتے ہیں لیکن بعض کہتے ہیں کہ ایک اور دھن ونتری دوا برماجہ بکرماجیت کے عہد میں ہوگئے ہیں انہوں نے راج نگھنٹو کے نام سے ایک کتاب بنائی تھی +

[5] سشرت کے باپ کا نام وشوامتر ہے جسکی اجازت سے سشرت نے مع اپنے سات بھائیوں کے بنارس کے راجہ دیوداس سے آیورویدک علم کی کامل تحصیل کی +

ان کا شاگرد رشید ہوا اور اس نے سشرت[1] سنگھتا کے نام سے علم ویدک پر ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی ❊

سشرت کے بعد حضرت مسیح سے تقریباً دو سو برس پہلے واگ بھٹ ہوا جو کہ سندھ کا باشندہ تھا اس نے واگ بھٹ (جس کو اشٹانگ ہردے بھی کہتے ہیں) کے نام سے ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی ❊

پھر بارھویں صدی مسیحی میں بمقام گولکنڈہ مادھو اچاریہ پیدا ہوا جس نے مختلف علوم پر چند کتابیں لکھنے کے علاوہ علم ویدک پر مادھو ندان کتاب لکھی جو آج تک ایک نہایت مستند کتاب مانی جاتی ہے ❊

مادھو کے بعد ۱۵۵۰ء میں بھاؤ مشر[2] ہوا جس نے بھاؤ پرکاش کتاب لکھی جس میں بہت سی جڑی بوٹیوں کا بھی ذکر ہے ❊

بھاؤ مشر کے بعد شارنگ دھر ہوئے جنہوں نے علم الادویہ پر شارنگ دھر نامی کتاب لکھی۔ ان کے بعد نرہری پسر چند ریشور ساکن سنگھ پور کشمیر نے نجھ راستی یا راج نگھنٹو کے نام سے مفردات ویدک پر ایک نہایت بسیط کتاب لکھی جس کا بعض انگریزی کتب ادویہ ہند میں بھی حوالہ آتا ہے۔ اور اب اس زمانہ میں تو دھنا گرنگھنٹو۔ شالگ رام نگھنٹو وغیرہ مفردات ویدک کی کئی ایک عمدہ کتابیں موجود ہیں ❊

غرضیکہ آیورویدک یعنی ہندی علم طب ہر طرح سے مکمل مانا جاتا رہا ہے خصوصاً ان کا علم الادویہ تو بیشک وسیع معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے جڑی بوٹیوں کے افعال و خواص دریافت کرنے میں نہایت ترقی کی تھی اور معدنیات کا دواءً استعمال کرنا تو درحقیقت انہیں کی ایجاد ہے ❊

---

[1] بغداد کے خلیفہ ہارون رشید نے تین ویدوں منکہ اتنی کا، صالح (مالیہ) اور ابن دھن کو بغداد میں منگوایا چنانچہ منکہ نے سنسکرت کی اور طبی کتابوں کے سوا سشرت کا بھی عربی میں ترجمہ کرایا۔ اسی زمانے میں چرک کا بھی عربی میں ترجمہ ہوا۔ ابو محمد زکریا رازی نے اپنی کتاب الحاوی اور دیگر کتب میں چرک اور سشرت کا ذکر کیا ہے اور بعض مقام پر ان کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ چرک کا پہلے فارسی میں ترجمہ ہوا پھر عبداللہ بن علی نے اس کی ایک شرح لکھی اور اس فارسی ترجمہ سے اس کا عربی ترجمہ ہوا تھا۔ بقول ڈاکٹر ہنٹر آٹھویں صدی عیسوی میں چرک اور سشرت کا لاطانی و جرمنی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ اور اب تو ان کا انگریزی میں بھی ترجمہ شائع ہو چکا ہے ❊

[2] بھاؤ مشر کے باپ کا نام لٹک مشر ہے۔ یہ ہندی حکیم ۱۵۵۰ء میں زندہ تھا اور شمالی ہند میں اپنے زمانہ کا اعلیٰ ترین وید اور شاستروں کا فاضل خیال کیا جاتا تھا ❊

چینی طِبّ

چینی طبابت بھی روایتوں اور داستانوں سے شروع ہوتی ہے۔ اہل چین کے خیال میں ادویہ کے استعمال کو رواج دینے والا پہلا شخص شہنشاہ ہوانگ ٹی ہوا ہے جس کا زمانۂ سلطنت حضرت مسیح سے ۳۶۸۷ سال قبل تھا۔ اس سے دیگر اشخاص نے اس علم کو حاصل کر کے اور اسے ترقی دے کر خاص خاص قواعد تشخیص و اصول علاج اختراع کئے۔

قدیم چینی اطبا نبض شناسی اور تشخیص الامراض میں خاص واقفیت رکھتے تھے لیکن علم تشریح و جراحی سے وہ ناواقف تھے البتہ علم الادویہ سے ان کو خاص واقفیت تھی۔ چنانچہ علاوہ نباتی ادویہ کے وہ حیوانی اور جمادی ادویہ کا بھی استعمال کرتے تھے مگر علم طب کو بحیثیت مجموعی ملک چین میں کچھ ترقی نصیب نہیں ہوئی۔

بابلی طِبّ

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اہل بابل نے علم طب کی ابتدا کی تھی۔ چنانچہ بابل اور نینوا کے کھنڈرات سے جو زمانۂ قدیم کی تختی کتابیں نکلی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدا میں تو وہاں پر علاج کا طریق جھاڑ پھونک اور گنڈے تعویذ تک ہی محدود تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ وہاں پہ یہ رواج پڑ گیا کہ مریض کو کسی چوراہے پر لٹا دیتے تھے اور جو راہ رَو وہاں سے گزرتے تھے ان سے مریض کا حال کہہ کر علاج پوچھا جاتا تھا پس ان کو اگر کوئی علاج معلوم ہوتا تھا تو وہ بتا دیتے تھے پس اس طرح سے جو جو مؤثر دوائیں یا علاج ان کو معلوم ہوتے تھے وہ ان کو تانبے یا چاندی کی تختیوں پر لکھ کر انہیں اپنے ایک طبی دیوتا ربت کے گلے میں ڈالتے رہتے تھے۔

اس زمانہ میں طبیب وہ ہوتا تھا جس کو بعض تجارب معلوم ہوتے تھے اور ایک طبیب سوائے ایک مرض کے دوسرے مرض کا علاج نہیں کرتا تھا۔

پھر ان تجارب صحیحہ کے ساتھ انہوں نے کم کم اوہام فاسدہ اور قیاسات باطلہ

---

[1] بابل روئے زمین میں پہلا شہر تھا جو کہ طوفان حضرت نوحؑ کے بعد ظاہر ہوا تھا۔

کو مخلوط کر دیا لیکن رفتہ رفتہ وہاں پر علم طب کو ترقی ہوئی یہاں تک کہ پھر مختلف شہروں میں بڑے بڑے مطب اور طبی درسگاہیں قائم ہو گئیں +

لندن کے عجائب خانہ میں جو آسوریہ کی ایک خشتی کتاب ناتمکل حالت میں موجود ہے اور جو حضرت مسیحؑ سے سات سو سال پہلے کی لکھی ہوئی ہے وہ ایک قدیم اور مستند کتاب کی نقل ہے جسے بو آسیہ کے طبی مدرسہ کے بعض اساتذہ نے مرتب کیا تھا اس کتاب میں اکثر طویل نسخجات اور ایک ایک مرض کے کئی کئی نسخے لکھے ہوئے ہیں +

نوٹ۔ اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ قدیم مصریوں نے قدیم بابیوں سے علم طب کو سیکھا تھا +

عبرانیوں اور بنی اسرائیل میں حضرت داؤدؑ کا بیٹا حضرت سلیمانؑ جو ۱۰۱۴ سال قبل از مسیحؑ تخت پر بیٹھا وہ پہلا شخص مانا جاتا ہے جس نے کہ خواص نباتات و حیوانات کا بیان کیا +

پھر آسینہ میں حضرت مسیحؑ سے ۲۰۰ سال قبل ایک گروہ علم طب کی تعلیم و تعلم میں مشغول تھا جس نے کہ بعض نباتی و جمادی ادویہ کا بیان کیا +

مصری طب

مصر میں بعض قدیم شہروں کے دبے ہوئے کھنڈرات کو کھودنے سے ایسے ایسے کتبات و تحریرات برآمد ہوئی ہیں جن سے کہ قدیم مصریوں کے تمدن و معاشرت اور علمی ترقیات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ قدیم مصری پے پی رس[1] (بردی کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب) جن میں سے کہ اے برس پے پی رس (Ebers Papyrus) جو کہ حضرت مسیحؑ سے ایک ہزار چھ سو برس پہلے کی لکھی ہوئی ایک نہایت اہم اور مکمل تحریر ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک قدیم مصری بادشاہ آتھوسس نے جس کا کہ زمانۂ حیات حضرت مسیحؑ سے چھ ہزار سال قبل کا ہے علم طب پر ایک کتاب لکھی تھی لیکن اس تحریر سے

[1] پے پی رس (Papyrus) جسے عربی میں قصب البردی اور ہندی میں گوندل کہتے ہیں وہ ایک قسم کا نرسل ہے جس سے کہ زمانہ قدیم میں کاغذ بنایا کرتے تھے چنانچہ بردی کے نام سے مخزن الادویہ اور محیط اعظم وغیرہ کتب طبیہ میں بھی اس کا بیان ہے +

یہ بھی منکشف ہوتا ہے - کہ قدیم الایام میں ملک مصر میں طِبّ محض ایک علم تسخیر یا
جادوگری تھا اسی لئے طبّ کے لغوی معنی ہیں جادو یا جادو کرنا ٭

قدیم مصریوں کا یہ عام عقیدہ تھا کہ مرض اور موت قدرتی و لاعلاج ہیں وہ خیال
کرتے تھے کہ زندگی کا دَور جب ایک دفعہ شروع ہو جائے تو اسے کبھی ختم نہیں ہونا چاہیئے
جب تک کہ اسے کوئی حادثہ یا مانع پیش نہ آئے اس لئے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ کوئی شخص خود نہیں
مرتا بلکہ اسے کوئی اور شخص یا شے ہلاک کر دیتی ہے۔ وہ امراض کو جن یا بھوت پریت کا
سایہ سمجھتے تھے اس لئے وہ جنتر منتر یا جھاڑ پھونک سے ان کا علاج و معالجہ کیا کرتے
اور جہالت و وہم پرستی کے سبب جہاں دیگر حاجات کی برآری کے لئے اُنہوں نے
مختلف دیوتا مقرر کر رکھے تھے وہاں طبّ کا بھی ایک دیوتا معین کر رکھا تھا جس کا نام
اِمحوطِب[1] (Imhotep) یعنی رَبُّ الشفا تھا وہ اس کی صورت کی مورت بنا کر اس کی
پرستش کیا کرتے تھے چنانچہ ملک مصر کے بہت سے شہروں میں اس دیوتا کے مناور
بنے ہوئے تھے جہاں پر اس کی پرستش کی جاتی تھی لیکن شہر ممفس کا مندر دیگر سب
منادر سے بڑا تھا اور وہاں کے پجاریوں کو مریضوں کا علاج و معالجہ کرنے میں درجۂ امتیاز
حاصل تھا چنانچہ وہاں پر ہزاروں مریض بغرض علاج آتے تھے جن میں سے بعض کا علاج تو
جنتر منتر سے کیا جاتا تھا اور بعض کا علاج جڑی بوٹیوں وغیرہ سے ٭

اگرچہ ملک مصر میں علم طِب کی ابتدا تو محض باطل پرستی سے شروع ہوئی تھی لیکن
امتداد زمانہ سے اس میں رفتہ رفتہ ترقّی ہوتی گئی چنانچہ مصریوں میں تعلیم و تہذیب کی
ترقیات کے ساتھ ساتھ لوگوں کے توہمات بھی کم ہونے لگے اور دیگر علوم و فنون کی

---

[1] اِمحوطب در حقیقت ایک عالم اور مشہور حکیم تھا لیکن قدیم مصریوں کا اس کی نسبت یہ عقیدہ تھا کہ وہ دیوتاؤں اور بنی نوع انسان کا رَبُّ الشفا (طبّی دیوتا) تھا جو کہ مریضوں کا دُکھ درد دُور کر کے ان کو آرام کی نیند سُلاتا تھا۔ وہ تمام علوم میں کامل ہونے کے علاوہ علم سحر میں بھی ماہر تھا وغیرہ۔ اس دیوتا کی تصاویر یا مجسمات میں اس کا سر کسی قدر گنجا دکھایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں فضیلت علمی اور گنجا پن لازم و ملزوم خیال کئے جاتے تھے۔ اگرچہ یورپ کے بعض ممالک خصوصاً فرانس میں یہ نسبت کسی قدر اب بھی پائی جاتی ہے کہ بڑے بڑے فاضلوں کی چندیا پر بال نہیں ہوتے مگر بدقسمتی سے ہندوستان میں گنجے پن کے ساتھ بجائے فضیلت علمی کے شرارت کو نسبت ہے ٭

طرح علم طب کو بھی فروغ ہوا۔ رفتہ رفتہ علماء اور رؤساء نے اس کی سرپرستی کی اور نامور اطباء نے اس کو مدوّن کر دیا چنانچہ پھر اس علم کو وہاں پر ایسی ترقی ہوئی کہ شیخ المورخین یعنی ہیروڈوٹس یونانی جس نے حضرت مسیح سے چار سو سال قبل ایشیائے کوچک ایران شام اور مصر کا بہت بڑا سفر اختیار کیا تھا وہ مصریوں کے اس وقت کے نظام طب کی بہت تعریف کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ میں نے مصر میں سیکڑوں طبیب دیکھے جن میں سے بعض خاص خاص امراض کے علاج میں ممتاز تھے مثلاً کسی کو امراض دماغ کے علاج میں شہرت تھی۔ کوئی امراض چشم میں کامل تھا اور کوئی امراض دنداں میں ماہر تھا وغیرہ۔

یونانی طبّ

ملک یونان میں بھی طب کی ابتداء ویسے ہی ہوئی جیسے کہ ملک مصر میں چنانچہ قدیم یونانیوں کا ربّ الشفا یعنی طبی دیوتا اسقلی بیوس (Aesculapius) تھا جس کے مجسمات یعنی مورتوں کی اکثر منادر میں پرستش کی جاتی تھی۔ ان منادر کے پجاری مریضوں کا علاج و معالجہ اس طرح سے کیا کرتے تھے کہ مندر کے بڑے کمرے میں مریض کو سلا دیا جاتا تھا

ملہ اسقلی بیوس بھی امحوطب کی طرح اپنے وقت کا ایک مشہور حکیم تھا جس کو کہ قدیم یونانی موجد طب اور ربّ الشفا مانتے تھے۔ اس کی وفات کے بعد یونانیوں نے اس کی صورت کی مورت بنا کر بطور ربّ الشفا اس کی پرستش شروع کر دی چنانچہ اس وقت ملک یونان میں قریباً دو سو منادر میں اس دیوتا کی مورتی کی پوجا کی جاتی تھی لیکن اس کا سب سے بڑا مندر آپی ڈارس میں واقع تھا۔ اس مندر میں زرد رنگ کے بہت سے بے ضرر سانپ پائے جاتے تھے جن کو ایسا سدھایا گیا تھا کہ وہ مریض کے مقام مرض کو اپنی زبان سے چاٹا کرتے تھے یہی سبب ہے کہ اسقلی بیوس کے مجسمات یا تصاویر میں اس کے ایک ہاتھ میں ایک لکڑی پر سانپ لپٹا ہوا دکھایا جاتا ہے۔

حکایت۔ کہتے ہیں کہ اسقلی بیوس مرض ڈراپسی یعنی استسقا کے علاج میں بھی نہایت کامل تھا چنانچہ وہ ایسے مریض کی گردن اتار کر اور اس کو اوندھا کر کے اس کے جسم میں سے جمع شدہ پانی نکال دیتا تھا اور پھر اس کی گردن جوڑ دیتا تھا۔ نوٹ۔ تعجب ہے کہ یورپ کے ڈاکٹروں نے اس آسان آپریشن کو کیوں اب تک اختیار نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کوئی ایسا باحوصلہ مریض نہیں ملتا۔ شاید یہی سبب ہے کہ وہ بجائے سر قلم کرنے کے استسقاء زقی میں ناف کے نیچے سوراخ کر کے پانی نکالتے ہیں۔

اسقلی بیوس کے دو بیٹے بھی تھے جن میں سے ایک کا نام میکاؤن تھا اور دوسرے کا نام پوڈالی ریئوس جس نے سب سے پہلے فصد کا طریق جاری کیا تھا۔

جہاں پر وہ حالت خواب میں دیوتا کی زیارت سے مشرف ہوتا تھا اور اسی حالت میں وہ خود دیوتا سے اپنے درد دُکھ کا حال بیان کرکے اپنے لئے دوا تجویز کرا لیتا تھا۔ لیکن مریضوں کو علاج کے متعلق جو خواب آتے تھے وہ نہایت پیچیدہ ہوتے تھے جنکی تعبیر صرف مندر کے پجاری ہی کر سکتے تھے اور وہی مریضوں کے علاج و معالجہ کے ذمہ دار بھی ہوتے تھے۔

جب مریض تندرست ہوجاتا تھا تو وہ اپنے مرض کا کل حال ایک چاندی یا سونے کی تختی پر لکھکر اسے مندر میں رکھ دیتا تھا اور دیوتا کو نذر و نیاز چڑھا کر رخصت ہوجاتا تھا۔ اس طرح سے پجاریوں کو مختلف امراض کی کیفیت اور انکے علاج کا طریق معلوم ہوتا رہا اور بعد میں مندر کے کمرے میں سُلانا صرف ایک رسم اور حیلہ رہ گیا ورنہ پجاریوں نے باقاعدہ طبی علاج کرنا شروع کردیا تھا۔

اگرچہ فیثاغورث[1] (Pythagoris) نے علم طب کو یونان میں رواج دیا لیکن اسکی باقاعدہ تدوین بقراط کے زمانہ سے قبل نہیں ہوئی۔ بقراط[2] (Hippocrates) نے اوّل ہی اوّل دیگر علوم کی طرح علم طب کو بھی یکجا مدوّن کیا۔ اس کے بعد یونان میں ایک اور نامور حکیم ہوا جس کا نام کہ ارسطاطالیس[3] (Aristotle) ہے۔ چنانچہ اسکی علمی تحقیقات

[1] فیثاغورث ساکن ساموس حضرت مسیح سے ۵۰۸ سال قبل والس نے مصر کلدان۔ بابل اور دیگر ممالک میں سفر کرکے مختلف علوم (حکمت۔ ہندسہ۔ طبیعی وغیرہ) کی تحصیل کی اور پھر اپنے ملک یونان میں واپس آکر اہل وطن کو مختلف علوم اور ریاضت نفس و مجاہدہ کی تعلیم دینی شروع کی بالخصوص جس وقت کہ وہ یونان کے مندر کا محافظ اعلےٰ اور وہاں کے پجاریوں کا افسر اعلےٰ مقرر ہوا تو اس نے اپنی جاہل اور بت پرست قوم کو علم الٰہیات کی تعلیم دینے میں نہایت کوشش کی۔ آخرکار قولون نامی ایک امیر کبیر اس کا جانی دشمن بن گیا جس نے اس کو ایک مندر میں مع اسکے چالیس شاگردوں کے جلوادیا۔ افسوس!

[2] بقراط جسکے باپ کا نام ایر قلیدس ہے وہ ۴۶۰ سال قبل از مسیح جزیرہ قاس میں پیدا ہوا اور ۹۹ سال زندہ رہکر ۳۶۱ سال قبل از مسیح مرگیا۔ بقراط نے علم طب اپنے باپ اور ہیروکس سے اور فلسفہ جارجیاس اور دمقراط سے پڑھا۔ بقراط کے زمانہ سے پہلے فن طب شفاہی یعنی زبانی تھا لیکن اس نیک دل حکیم نے اس فن کے مسائل کو قلمبند کردیا اور باقاعدہ تعلیم دینی شروع کردی آخرکار بقراط نے یونان میں وہ نام پایا کہ وہم پرست یونانی اسے اپنا دیوتا ماننے لگے وغیرہ۔

[3] ارسطو جسکے باپ کا نام نیکوماخس ہے وہ حضرت مسیح سے ۳۸۴ سال قبل بمقام استاغیرا پیدا ہوا۔ اس نے ایتھنز میں علوم فلسفہ و حکمت وغیرہ حکیم افلاطون سے سیکھے۔ پھر وہ سکندر اعظم رومی کا اتالیق مقرر ہوا۔ یہ حکیم بتوں کی تعظیم و پرستش نہیں کرتا تھا۔ اسکے شاگردوں میں سے حکیم تاؤ فرسطس اس کا شاگرد رشید ہوا ہے۔

اور کوششوں سے علم طب میں بہت کچھ اضافہ ہوا۔ ارسطو کے بعد حکیم جالینوس[1] (Galinus Galen) نے اور سکندریہ کے بعض اور نامور اطباء نے درحقیقت علم طب پہ بہت بڑا احسان کیا ہے ✦

حکیم ثاؤفرسطس (Theophrastus) یونانی اور حکیم ویسقوریدوس (Dioscorides) یونانی نے علم الادویہ پر نہایت ہی قابل قدر کتابیں لکھی ہیں بلکہ ویسقوریدوس کو تو ادویہ مفردہ کی تحقیقات کا موجد اور بانی کہا جاتا ہے جو درحقیقت صحیح ہے ✦

رومی طبّ

ابتدا میں تو اہل روما بھی جھاڑ پھونک اور گنڈے تعویذ سے ہی امراض کا علاج کرتے تھے لیکن جب وہاں پر تہذیب میں ترقی ہوئی تو انہوں نے یونانیوں سے علم طب کو سیکھا چنانچہ حضرت مسیح سے ۲۱۸ سال قبل حکیم آرخغ طوس یونانی ترک وطن کرکے روم میں جا بسا تھا جس کے بعد اور بھی کئی ایک یونانی طبیب وہاں جا آباد ہوئے۔ لیکن سب سے پہلا رومی حکیم کلسوس (Celsus) ہے جو ایک نہایت فاضل شخص تھا اور جس نے علم طب کی تاریخ لکھی تھی۔ اس نے مختلف طبی اصول و قیاسات کا بڑی قابلیت سے مقابلہ کیا ہے ان کے عیب و صواب پر نقادانہ نظر ڈالی ہے اور بقراطی و اسکندری اطبا کے طبی لٹریچر پر نہایت خوبی سے بحث کی ہے ✦

کلسوس کے بعد دوسری صدی مسیحی میں ایک اور نامور رومی حکیم سرنوس ہوا ہے جس نے امراض النساء پر ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی تھی اور آلۂ سپنیکولم وسے جانچی کا

---

[1] حکیم جالینوس جو کہ یونانی النسل تھا برغموس Porgamos میں ۱۳۰ء میں پیدا ہوا اور اس نے اسکندریہ میں تعلیم پائی۔ علم تشریح کو جو کہ علم طب کی بنیاد ہے جالینوس نے نہایت محنت سے تقریباً مکمل کیا۔ اس نے ارسطو کے غلط مسائل تشریح کی تصحیح کی ✦

ادویہ مفردہ پر اس نے ایک مبسوط کتاب لکھی جس میں کہ نباتی، معدنی اور حیوانی سب قسم کی دواؤں کا مفصل بیان ہے لیکن فن دواسازی یعنی ترکیب الادویہ کا تو جالینوس موجد مانا جاتا ہے چنانچہ اسی کتاب کے صفحہ ۳۸ پر لکھا جا چکا ہے کہ برٹش فارماکوپیا کے آفیشل مرکبات بعض اوقات گے لینی کل مرکبات یعنی جالینوس مرکبات کہلاتے ہیں ✦

یہی حکیم موجد ہے ۰

سرنوس کا ہم عصر اور ایک خاص فرقۂ طب کا بانی حکیم اطی ثوس بھی پہلی صدی مسیحی کا ایک نامور رومی طبیب ہوا ہے۔ اس فرقہ کا عقیدہ تھا کہ تمام جسمانی حرکات و سکنات روح بسیط کے اثرات سے ہوتی ہیں وغیرہ۔ اُنہوں نے اس مسئلہ کو فلسفی پہلو سے لیکر اس میں بقراطی اصول کو خلط ملط کرنے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ اس زمانہ میں طبی فرقوں کی کچھ ایسی افراط و بہتات ہوئی کہ یونان و روم کے بعض مستند اطباء نے مل کر سب مسائل کا خلاصہ نکال لیا یعنی اچھی اچھی باتیں جمع کرکے ایک نئے فرقہ منتقین کی بنیاد ڈال دی چنانچہ اس فرقہ میں رُوفس اور آرخ جی نس جیسے نامور اطباء گزرے ہیں جن کا ذکر مشہور رومی شاعر جوفل نے اپنی کتاب میں کیا ہے ۰

لیکن تاریخ طب میں حکیم پلائنی[1] (Pliny) رومی کا نام محسنین طب کی فہرست میں درج ہے یہ شخص اگرچہ طبیب نہ تھا مگر اپنے وقت کا بے مثل عالم طبیعیات تھا۔ اس نے نیچرل ہسٹری یعنی تاریخ طبیعیات کے نام سے ایک ایسی عمدہ کتاب لکھی جو اپنی خوبیوں کے سبب شہرۂ آفاق ہوئی اور جسکے تمام یورپی زبانوں میں تراجم ہوچکے ہیں اور اکثر مطول ڈاکٹری علم الادویہ کے نباتی مفردات کے بیان میں اس کتاب کے حوالے آتے ہیں۔ اس محسن طب کا زمانۂ حیات ۲۳ء سے ۷۹ء تک ہے ۰

اسلامی طبّ

مسلمانوں کے عروج اور ترقیات کے زمانہ میں طبّ کو بہت ترقی ہوئی چنانچہ جہاں جہاں اسلامی حکومت کے مرکز تھے وہاں وہاں پر دیگر علوم کے ساتھ طب کا بھی مطالعہ ہونے لگا چنانچہ دمشق میں مسیحی اور یہودی اُستادوں کی مدد سے یونانی طب کی ترقی تعلیم میں بڑی کوشش ہونے لگی۔ بغداد میں خلیفہ ہارون رشید اور اس کے جانشینوں کی سرپرستی میں ایک بڑا دارالعلوم بنا جو مدتوں تک رونق اور سرسبزی کی حالت میں رہا۔ وہاں پہ

[1] حکیم پلائنی رومی پہلی صدی مسیحی میں گزرا ہے۔ اس کی شہرۂ آفاق تصنیف تاریخ طبیعیات ۳۷ جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ یکتائے زمانہ حکیم طبیعیات مع اپنی تصنیف کی چند جلدوں کے ۷۹ء میں کوہ ویسوویس کی آتش فشانی میں جل کر مر گیا ۰

اکثر یونانی طبی کتب کے بیز چند ہندی کتب کے عربی میں تراجم ہوئے۔ یحییٰ ابن ماسویہ ۸۵۷ء
جو علم الادویہ میں نہایت مشہور تھا اور حنین بن اسحٰق جس نے حکیم دیسقوریدوس یونانی
کی مطوّل کتاب علم الادویہ کے عربی ترجمہ کی نہایت غور سے اصلاح کی تھی اور جس نے بقراط
اور جالینوس کی کتب طبیہ پر بڑی بڑی عالمانہ محققانہ شرحیں لکھی تھیں وہ اسی عہد کی یادگار
تھے چنانچہ ان کی کتابیں قرون وسطیٰ میں بزبان لاطینی ترجمہ ہو کر شائع ہوئیں ٭

ہسپانیہ کے مسلمان حکمران بھی علوم و فنون کی ترقی میں اپنے مشرقی اسلامی بھائیوں
سے پیچھے نہیں رہے چنانچہ ہسپانیہ میں دسویں سے تیرھویں صدی مسیحی کے درمیان
اسلامی طب کو ترقی ہوئی ٭

اسلامی طب کا عروج ابوبکر محمد ابن زکریا الرازی (Rhazes) (زمانہ حیات ۸۵۰ء)
سے شروع ہوتا ہے جس نے بغداد میں تحصیل علوم کی اور علم طب کو حکیم ابوالحسن بن ربن طبری
صاحب کتاب فردوس الحکمت سے تحصیل کیا۔ رازی کی تصنیفات کوئی سو سے زیادہ ہیں
لیکن علم طب پر اسکی حاوی کبیر ایک نہایت ہی عمدہ کتاب ہے جسکی شہرت کہ آجتک قائم ہے اور قائم رہیگی ٭
ہارون نامی ایک عربی حکیم نے سب سے پہلے مرض چیچک کا بیان کیا تھا۔ رازی نے
چیچک اور خسرہ میں تفریق و تشخیص کی ٭

کہتے ہیں کہ علم طب معدوم تھا بقراط نے اس کو ایجاد کیا۔ مردہ تھا جالینوس نے
اسکو زندہ کیا۔ متفرق تھا رازی نے اسکو جمع کیا۔ ناقص تھا شیخ الرئیس نے اسکو مکمل کیا ٭

رازی کے بعد شیخ الرئیس ابوعلی حسین بن علی بن سینا (Avicenna) ۹۸۰ء
میں بخارا میں پیدا ہوئے اس بزرگوار حکیم کے نام نامی سے تقریباً ساری دنیا واقف ہے۔ انہوں نے
مختلف علوم پر بہت سی کتابیں لکھیں اور ان کی تصانیف کے سامنے بقراط اور جالینوس کی
شہرت بھی ماند پڑ گئی چنانچہ انکی طبی تصانیف میں سے قانون ایک ایسی جامع کتاب ہے کہ جسکی نظیر نہیں ٭

نوٹ۔ یہ اصل کتاب پہلی مرتبہ ۱۵۹۳ء میں روما میں شائع ہوئی اور پھر ۱۵۹۵ء میں اس کا لاطانی ترجمہ وینس
میں چھپا اور پھر فرانسیسی اور انگریزی میں بھی اس کے تراجم ہوئے ٭

دسویں صدی مسیحی میں ایک اور بہت بڑا طبیب ہوا جس کا نام کہ موسویہ Mesue دمشقی ہے

(دیکھو صفحہ ۱۲) اس کی کتاب علم الادویہ (میٹریا میڈیکا) پر صدیوں تک یورپ میں سند شمار ہوتی رہی چنانچہ پندرھویں سولھویں صدی تک یہ کتاب چھبیس ۲۶ مرتبہ طبع ہوئی اور جیمس اوّل شاہ انگلستان کے زمانہ میں جو فارما کوپیا (قرابادین) لندن کے شاہی طبّی دارالعلوم کی طرف سے شائع ہوئی تھی وہ درحقیقت یہی کتاب تھی ۔

ہسپانیہ کے مسلمان اطبّا میں سے بھی کئی ایک نہایت نامور ہوئے ہیں چنانچہ دسویں یا گیارھویں صدی مسیحی میں ابوالقاسم زہراوی جو کہ مقام الزہرہ واقع نزد قرطبہ (ہسپانیہ) کا باشندہ تھا ایک نہایت ہی مشہور طبیب گزرا ہے۔ اس نے التصرف کے نام سے ایک طبّی قاموس لکھی تھی جس کا بارھویں صدی مسیحی میں لاطانی زبان میں ترجمہ ہوا تھا۔ اس کتاب کے ایک حصّہ میں اُنہوں نے فنِّ جرّاحی کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جو مدّت تک یورپ میں بہت مستند شمار ہوتا رہا ۔

نوٹ - ان کی یہ کتاب الزہراوی گزشتہ سال لکھنؤ میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے جو صاحب چاہیں اسے منگوا کر دیکھ سکتے ہیں ۔

ہسپانیہ کے مسلمان اطباء میں سے ابو مروان عبدالملک بھی ایک نہایت خاندانی اور مشہور حکیم گزرا ہے اس کا زمانۂ حیات و وفات سنہ ۱۱۳۰/۱۱۶۲ء تک ہے۔ ان کی سب سے بڑی کتاب التیسیر ہے جس کا لاطانی زبان میں ترجمہ ہو کر شائع ہوا اور بعد میں اس کی دیگر طبّی تصانیف کا بھی لاطانی میں ترجمہ ہوا ۔

اس کی اختراعات طبیہ کا یورپ کے نظام طب پر بہت اثر پڑا کیونکہ اس نے اپنی کتابوں میں طب کے عملی پہلو پر بڑا زور دیا ہے ۔

اس کے بعد اس کا شاگردِ رشید ابو الولید محمد ابن احمد ابن رشد ساکن قرطبہ (ہسپانیہ) جس کا زمانہ حیات و وفات سنہ ۱۱۲۶/۱۱۹۸ء تک ہے ایک نہایت ہی نامور حکیم و طبیب ہو گزرا ہے وہ لاطانی زبان کا بھی بڑا عالم تھا۔ اس نے فلسفہ اور طب پر چند کتابیں لکھیں چنانچہ اسلامی فلسفہ کو اس کے نام کے ساتھ خاص تعلّق ہے ۔

ان کے علاوہ اور سیکڑوں نامی گرامی اسلامی اطبّا ہو گزرے ہیں مثلاً ابن بیطار۔ داؤد انطاکی۔ ابوعلی بن عیسےٰ۔ ابلاقی۔ علی بن عباس۔ قرشی۔ سمرقندی۔

ارزانی۔ مومن اور محمد حسین وغیرہ۔ جنھوں نے علم طب پر بہت بہت احسانات کئے ہیں۔

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ عربوں یا مسلمانوں نے اگرچہ علم طب یونانیوں سے لیا تھا لیکن انھوں نے اس پر نہایت مفید اضافے کئے ہیں جس کا یورپ اب تک معترف و متشکر ہے۔

یورپی طبّ یا ڈاکٹری

یورپ کے زمانۂ جاہلیت میں جو کہ پانچویں صدی سے دسویں صدی مسیحی تک شمار ہوتا ہے علم طب کے مطالعہ اور اسکی تحقیقات کے مراکز صرف خانقاہیں ہی تھیں۔ اس علمی تاریکی کے زمانہ میں یورپ میں بھی جھاڑ پھونک اور گنڈے تعویذ کا خوب چرچا تھا لیکن چھٹی صدی میں بنڈکت طبقے کے مجاورین نے طب کے مطالعہ پر توجہ کی اور انکے ایک سردار کی سفارش سے بقراط اور جالینوس کی شہرۂ آفاق تصانیف وغیرہ کا مطالعہ شروع ہوا اور مونٹ کسینوں میں جو سب خانقاہوں کا مرکز تھا طب کا مطالعہ خصوصیت سے ہونے لگا کیونکہ اس کا تعلق سلرنو[1] کے مدرسہ طبیہ سے تھا جو مدرسہ کہ سیکڑوں برس تک طبی تعلیمات و تحقیقات کے لئے مشہور رہا۔ نویں صدی میں سلرنو کے مدرسہ طبیہ کی شہرت دور و دراز تک پھیل گئی اور تیرھویں صدی تک اس کی خوب دھوم دھام مچی رہی۔ مگر اس زمانہ میں عربوں کی علمی ترقیات سے اسے نقصان پہنچا اور اس کا زوال شروع ہوگیا چنانچہ ۱۸۱۱ء میں اس کا عدم و وجود برابر ہوگیا۔

اس دارالعلوم کے مشاہیر اساتذہ کی اکثر کتابیں جو لاطانی میں تھیں ان میں سے بعض شائع ہوئیں جن میں سے ایک کتاب مرکبات طبی پر اور دوسری نبض و قارورہ پر عرصہ تک نہایت مستند مانی جاتی رہیں۔

گیارھویں صدی مسیحی میں کئی ایک عربی طبی کتب کے لاطانی زبان میں تراجم ہوئے

---

[1] صوبہ سلرنو اطالیہ میں نیپلز سے ۳۴ میل جانب جنوب مشرق واقع تھا۔ یہ مقام قدیم زمانے میں اپنی خوشگوار و صحت بخش آب و ہوا کے لئے بہت مشہور تھا۔
سلرنو کی درسگاہ تاریخ طب میں پل کا کام دیتی ہے جسکے رستے سے بقراط و جالینوس بزنطائن بغداد و دمشق اور قرطبہ میں عربی لباس پہن کر گردش کرتے ہوئے سرزمین فرنگستان تک پہنچے۔

جس سے عربی نظام طب یورپ میں پہنچا اور تیرھویں صدی میں عربی نظام طب کا یورپ بھر میں ڈنکا بجا۔ لیکن سلرنو کے مدرسہ طبیہ کے زوال کے وقت یعنی تیرھویں صدی کے آخر میں یورپ کے مختلف ممالک (اٹلی۔ پیرس۔ وائنا وغیرہ) میں طبی درسگاہیں بن گئیں اور ابن رشد کی وفات کے بعد اٹلی اور فرانس کے دارالعلوم میں خوب ترقی ہوئی۔ اس زمانہ میں کئی ایک طبی کتابیں لکھی گئیں مگر وہ بقراط۔ جالینوس اور شیخ الرئیس کی تصانیف کی صرف تفاسیر تھیں۔ اسی زمانہ میں چند انگریزی اطباء نے بھی کئی ایک عمدہ طبی کتابیں لکھیں جن کے فرانسیسی اور عبرانی میں تراجم کئے گئے۔ پھر اٹلی اور فرانس میں فن جراحی کو خوب ترقی ہوئی ؎

پندرھویں صدی میں یورپ والوں کو یونانی طب کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا چنانچہ بقراط اور جالینوس کی مستندات کا اصل یونانی زبان میں مطالعہ ہونے لگا پھر کلسوس کی لاطانی تصانیف کے پڑھنے اور نئے معانی نکالنے کی طرف لوگوں کی توجہ منعطف ہوئی جس سے محققین کے اشتیاق تجسس کو نئی تحریک پہنچی۔ وہ نزاع لفظی سے قطع نظر کرکے حقائق کی جستجو کرنے لگے جس سے اختراعات و اکتشافات کے وہ مہتم بالشان اصول وضع ہوئے جو بتدریج بڑھتے بڑھتے موجودہ صورت تک پہنچ گئے ؎

جالینوس کی مستند تصانیف پڑھنے سے اُنہیں تشریح کا از سر نو خیال پیدا ہوا نیز دیگر حکماے سلف کی کتابوں نے جڑی بوٹیوں کے خواص و فوائد دریافت کرنے کی ترغیب دی وقس علیٰ ہٰذا تشریح کی تحقیقات کی بدولت ہی ہاروے کا معرکۃ الآرا اکتشاف دوران خون کے متعلق وجود میں آیا اور علم الادویہ کے مطالعہ نے ادویہ کی ماہیت خواص اور فوائد کے بالتحقیق معلوم کرنے کی طرف بڑی توجہ دلائی۔ علاوہ ازیں براعظم امریکہ کے دریافت ہونے اور مغرب و مشرق کے ربط سے بیسیوں نئے پودے فرنگستان میں پہنچے جن کی وجہ سے علم نباتات اور فن دواسازی میں بہت کچھ اضافہ ہوا اور علم کیمسٹری کی ترقی سے ادویہ کے تجزیہ کرنے میں اور ترکیبی ادویہ کے بنانے میں حیرت انگیز کامیابی ہوئی ؎

اور اب تو تمام علوم طبیہ میں اہل یورپ و امریکہ نے اس قدر ترقی کی ہے کہ

ان کی داد دینی پڑتی ہے خصوصاً اسی صدی (انیسویں صدی) میں جس قدر طبی ترقیات واختراعات یورپ وامریکہ میں ہوئی ہیں ان کے بیان کرنے کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے لیکن جن لوگوں نے ہسٹری آف میڈیسن (تاریخ طب) کا مطالعہ کیا ہے یا جو لوگ ان علوم کی ترقیات کے متعلق ائیر بکس یعنی سالانہ ترقیات کی کتابیں دیکھتے رہتے ہیں وہ ان سے بخوبی آگاہ ہیں۔ مگر افسوس کہ یہاں پر اتنی گنجائش نہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے۔

اس مختصر تاریخ طب کے بیان کرنے کے بعد میں آپ کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ

ہندوستان کو اب کس قسم کے علم طب کی ضرورت ہے

جیسا کہ تاریخ سے ظاہر ہے ہندوستان کے قدیم زمانۂ عروج میں یہاں پر دیگر علوم کی طرح علم طب کو بھی بہت فروغ ہوا لیکن جب اہل ہند زمانہ کی رفتار کے ساتھ نہ چل سکے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تیز رو اقوام دنیا سے علوم و فنون میں پیچھے رہ گئے اور پھر رفتہ رفتہ ان کو ایسا زوال آیا کہ اب ان کے پاس علوم و فنون کی بجائے ان کی صرف حکایات و فسانے باقی رہ گئے ہیں۔ بقولے ؎

جن مکانوں میں فرش مخمل تھا	اب وہاں نقش بوریا دیکھا

علمی زوال کے اگرچہ بہت سے اسباب ہوا کرتے ہیں لیکن اس کا بڑا بھاری سبب یہ ہوتا ہے کہ جب کسی علم وفن کو بالکل مکمل و اکمل خیال کر لیا جاتا ہے تو اس غلطی کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس علم وفن کی آئندہ نہ صرف ترقی رُک جاتی ہے بلکہ رفتہ رفتہ اسکو زوال آنے لگ جاتا ہے۔ نیز علم کو اگر کسی خاص فرقہ یا قوم یا مذہب یا ملک سے منسوب و مخصوص سمجھ کر تعلیم و تعلم میں بخل و تعصب کو روا رکھا جائے تو یہ بھی ایک سخت غلطی ہوتی ہے کیونکہ

"علم کسی کا نہیں اور سب کا ہے"

جب ہم تاریخ پر نظر ڈال کر دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص یا قوم نے مذکورۂ بالا سنہری اصول کو مدنظر رکھا ہے اس نے تحصیل علوم و فنون میں ضرور ترقی کی ہے مثلاً دیکھئے ہندوستان کے ایک مشہور وید بھاؤ مشر نے اپنی کتاب بھاؤ پرکاش میں بعض ایسے امراض جیسے آتشک کا جو کہ اس وقت ہندوستان میں موجود تھے نیز ممالک غیر کی بعض ادویہ

کا بیان کرکے اپنی کتاب کو ایسا مفید و مستند بنایا کہ وہ اب تک مقبول خاص و عام ہے ⁂
اور جیسا کہ اسلامی طب کی تاریخ میں مذکور ہوا جب عربوں نے اس علم میں ترقی کرنی چاہی تو انہوں نے سب سے پہلے یونان۔ روم۔ ایران اور ہندوستان سے علم طب کی بہت سی عمدہ عمدہ کتابیں جمع کرکے ان کے عربی زبان میں تراجم کرائے اور پھر خود ان میں رفتہ رفتہ تالیف و تصنیف کا چرچا ہوا اور بالآخر ان میں بعض ایسے ایسے قابل مصنفین و مؤلفین پیدا ہوئے کہ جنکے بار احسان سے خود علم طب کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتا ⁂
اسی طرح سے یورپ والوں نے بھی تحصیل و تکمیل علم طب کے لئے تقریباً وہی وسائل اختیار کئے جو کہ عربوں نے کئے تھے یعنی انہوں نے بھی پہلے عربی و یونانی و ہندی کتب طبیہ کے تراجم کرائے اور پھر رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے آج وہ اس شاندار منزل پر جا پہنچے ہیں ⁂
لیکن گزشتہ دو تین سو سال سے یورپ میں علم طب کے ہر شعبہ میں جو ترقیات و اکتشافات ہوئے ہیں ان کا جزوی علم بھی اکثر ہندوستانی اطبا کو نہیں ہوا اور درحقیقت کسی علم و فن کے لوگوں کا اس علم یا فن کی ترقیات سے محروم رہنا ایک نہایت ہی قابل افسوس بات ہے اور اس تقصیر کے ذمہ دار ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو کہ اپنے ہم وطن اور ہم پیشہ بھائیوں کی علمی خدمت کر تو سکتے ہیں لیکن وہ اس تکلیف کو گوارا نہیں کرتے۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ باوجودیکہ یورپی طب یعنی ڈاکٹری کی انگریزی میں سیکڑوں مستند کتابیں موجود ہیں اور ہزاروں ہندوستانیوں نے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی ہے لیکن اردو یا ہندی میں سوا چند معمولی تراجم یا دو چار نہایت مختصر تالیفات کے کوئی مطول و مستند کتاب نہیں پائی جاتی ⁂
اور دوسرے اس تقصیر کے ذمہ وار وہ لوگ ہوتے ہیں جو کہ بیجا تعصب اور غلبہ جہالت کے سبب ان علمی ترقیات سے فیض یاب ہی ہونا نہیں چاہتے ⁂
مجھے اس بات سے نہایت تعجب آتا ہے کہ اہل ہند بیل گاڑیوں اور کشتیوں کی بجائے ریل اور جہاز میں سفر کرنا تو ضرور پسند کرتے ہیں (کیونکہ اگر کوئی پرانی وضع کا شخص بجائے ریل کے بیل گاڑی میں بیٹھ کر لاہور سے کلکتہ تک کا سفر کرے تو پھر اسے اپنی عقلمندی کی پوری کیفیت معلوم ہو جائے) پرانے فیشن کے چراغ کی بجائے وہ ولایتی لیمپ جلاتے ہیں

بلکہ برقی روشنی کے خواہاں ہیں غرضیکہ اور تو وہ ہر قسم کی ترقیات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان سے پورا فائدہ اُٹھا رہے ہیں لیکن علم طب میں وہ نہایت ہی قابل افسوس معکوس ترقی کر رہے ہیں چنانچہ آجکل ہندوستان میں جن نالائق اشخاص کو دنیا کا کوئی کام کاج نہیں آتا وہ فوراً خود بخود وید یا حکیم یا ڈاکٹر بن جاتے ہیں اور کچھ دنوں کے بعد امریکہ وغیرہ کی جھوٹی ڈگریاں (سندات) لیکر اپنے نام کے ساتھ طرّہ لگا لیتے ہیں اور پھر بعض ان میں سے ایسے لائق بن جاتے ہیں کہ ایک ہی دوا سے تمام امراض کا علاج کر دیتے ہیں اور ان میں سے بعض تو بازاروں میں لیکچر دے دے کر اور بعض اخباروں میں اشتہار چھپوا چھپوا کر مخلوق خدا کو بجائے فائدہ کے سخت نقصان پہنچا رہے ہیں اور اپنا اُلّو سیدھا کئے جا رہے ہیں۔

اب میں ایک نہایت نتیجہ خیز حکایت لکھ کر پھر آپ کو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کو اب کس قسم کے علم طب کی ضرورت ہے :-

حکایت[1]۔ منکہ کو بغداد میں آئے ہوئے کچھ دن گزرے تھے کہ ایک روز وہ بازار میں سیر کرنے گیا۔ راستہ میں اس نے دیکھا کہ ایک عطائی دوا فروش اپنی چادر بچھائے اور اس پر بہت سی جڑی بوٹیاں پھیلائے دوا فروخت کر رہا ہے۔ اس وقت وہ شخص ایک معجون کا مرتبان ہاتھ میں لئے ہوئے اسکے فوائد بیان کر رہا تھا اور کہتا تھا: "یہ دوا تپ ہر روزہ۔ دو جاری۔ تیجاری۔ چوتھیا۔ تپ دائمی۔ درد سر۔ درد چشم۔ درد شکم۔ درد پشت۔ درد کمر۔ نفخ شکم۔ بواسیر۔ ذیابیطس۔ فالج۔ لقوہ۔ رعشہ وغیرہ وغیرہ غرضیکہ تمام امراض میں جو کہ انسان کو لاحق ہوتے ہیں مفید ہے"۔ اس چرب زبان دوا فروش کا بیان منکہ خود تو سمجھ نہ سکا لیکن اپنے ساتھیوں سے اس کا مفہوم معلوم کر کے مسکرایا اور کہا "اس شخص نے یہ عجیب معاملہ حل کر دیا ہے کہ عرب کا بادشاہ جاہل ہے"! لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ کیونکر؟ منکہ نے کہا "اس لئے کہ اس نے ایسے ہمہ داں لائق حکیم کے اپنے یہاں موجود ہوتے ہوئے خواہ مخواہ بہت سا روپیہ خرچ کر کے اپنے علاج کے لئے مجھے بلوایا۔ میرا وطن۔ میرے بال بچے دوست احباب سب مجھ سے

[1] بغداد کے خلیفہ ہارون رشید نے منکہ وید کو ہندوستان سے اپنے علاج کے لئے طلب کیا تھا اور اسکے علاج و معالجہ سے ان کو آرام ہو گیا تھا۔ منکہ ہندی طبیب حاذق و حکیم کامل اور زبان سنسکرت و فارسی دونوں کا ادیب و ماہر تھا۔

چھڑ لئے اور اب ہزاروں روپے میری تنخواہ پر خرچ کر رہا ہے۔ اُس نے کیوں نہ اس فاضل حکیم کا علاج کیا جو کہ ایک ہی دوا سے تمام دُنیا کے امراض دُور کرنے کا دعویٰ کر رہا ہے !!! اور اگر یہ جھوٹا ہے تو بادشاہ کی بیوقوفی کا ثبوت یوں ملتا ہے کہ وہ اسکو قتل کر کے ہزاروں بندگان خدا کی جان کیوں نہیں بچاتا جو کہ اسکے جال میں پھنس کر ہلاک ہوتے ہیں بحالیکہ اس کا قتل کر ڈالنا اگر گناہ بھی ہو تو صرف ایک خون ہوگا مگر اسکی زندگی ہزاروں کا خون کر چکی اور کر رہی ہے اور آئیندہ بھی کریگی۔ اس سے بڑھکر دین اور حکومت میں خرابی اور کمزوری کا کیا نشان ہوسکتا ہے۔" (طبقات الاطباء)

ہندوستان کو اَب کس قسم کے علمِ طِبّ کی ضرورت ہے؟

چونکہ زمانۂ قدیم میں ہندوستان میں صرف ہمارے ہندو بھائی ہی آباد تھے اسلئے اس وقت آیُورویدک (جو کہ ہر طرح سے تقریباً مکمّل تھا) بالکل کافی تھا لیکن گزشتہ چند صدیوں سے جبکہ مسلمانوں نے بھی ہندوستان جنّت نشان کو اپنا مسکن بنالیا تو پھر ہندی اور اسلامی طبّیں بھی آپس میں مل گئیں اور پھر ۱۶۰۱ء میں جبکہ ہمارے موجودہ حکمران بغرض تجارت ہندوستان میں آئے تو وہ اپنے ساتھ ترقی یافتہ طِبّ یُورپی کو بھی لائے چنانچہ جیسا کہ تاریخ سے ظاہر ہے انگریزی تجارت کو ہندوستان میں ڈاکٹری کی بدولت ہی نہایت کامیابی حاصل ہوئی کیونکہ ۱۶۳۶ء میں شاہجہاں بادشاہ نے اپنی بیٹی کے علاج کے لئے انگریزی ڈاکٹر باٹن کو سورت سے دہلی بُلایا اور خدا نے اس ڈاکٹر کے ہاتھ سے شہزادی کو شفا بخشی جسکے صلے میں بادشاہ نے ڈاکٹر باٹن کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے بڑے بڑے تجارتی حقوق عطا کیئے۔ پھر ڈاکٹر موصوف نے صوبہ دار بنگالہ کو اپنی صداقت دکھا کر اس سے بھی ایسی ہی مراعات حاصل کیں۔

پس اب چونکہ ہندوستان میں ہندو مسلمان اور انگریز آباد ہیں اور ہندی و اسلامی اور انگریزی طبّیں بھی مروّج ہیں اس لئے موجودہ صورت میں ہندوستان کو طبّی اتحادِ ثلاثہ کی ضرورت ہے لہٰذا یہ نہایت مناسب بلکہ ضروری ہے کہ "خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ" پر عمل کر کے آیُورویدک (طب ہندی)، طب یونانی (طب اسلامی) اور ڈاکٹری (طبّ یُورپی) کو باہم ملا کر ایک نیا نظامِ طبّ بنایا جاوے جو کہ ہر طرح سے مکمّل ہو۔

(اس قسم کا نظامِ طبّ ہندوستان کے لئے یقیناً نہایت مفید ثابت ہوگا)

بر رسولاں بلاغ باشد و بس (جیلانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ الاطباء

نوٹ } اس کتاب میں تمام مشرقی و مغربی متقدمین و متاخرین مشاہیر اطباء کا حال بترتیب حروف تہجی تحریر کیا گیا ہے :۔

(۱) ابراہیم بن ایوب ابرش (حکیم)

فن طب کا اچھا ماہر تھا اور علاج میں دست شفا رکھتا تھا۔ خلیفہ متوکل کے بھائی معتز باللہ کا علاج اس نے نہایت کامیابی سے کیا تھا۔ جب معتز باللہ کو صحت ہوگئی تو خلیفہ متوکل کی ماں نے اس سے کہا کہ طبیب کو انعام دیں۔ متوکل نے جواب دیا۔ آپ کیوں نہیں دیتیں؟ جس قدر آپ انعام دینگی اسی قدر میں بھی دونگا۔ اس پر خلیفہ کی ماں نے ایک توڑہ روپیوں کا منگا کر ابراہیم کو عطا کیا اور خلیفہ نے بھی اتنی ہی رقم دی۔ پھر تو تار بندھ گیا۔ ایک توڑا خلیفہ کی ماں منگاتی اور دوسرا خلیفہ یہاں تک کہ ۱۳ توڑے ابراہیم کو مل گئے۔ اس وقت خلیفہ کی ماں نے ہاتھ روک لیا۔ جب خلیفہ معتز باللہ مسند خلافت پر بیٹھا تو ابراہیم کی قدر و منزلت دربار میں اور بڑھ گئی +

(۲) ابراہیم بن بکس (حکیم)

علم طب کا ماہر تھا۔ اس نے بہت سی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اخیر عمر میں

نابینا ہوگیا۔ مگر آنکھ کی روشنی جاتے رہنے کے بعد بھی علاج کیا کرتا تھا۔ اور بغداد کے بیمارستان عضُدی میں طب کا درس بھی دیتا تھا۔ انہی خدمات کی تنخواہ اُس کی گزر اوقات کا ذریعہ تھی۔ تصانیف اس کی یہ ہیں۔ بیاض مَطَب۔ قرابادین جو بیاض کے ساتھ مُلحق ہے۔ اور ایک مقالہ اس بیان میں کہ خالص پانی بہ نسبت آشِ جَو کے زیادہ بُرُودَت (سردی) رکھتا ہے۔ اور ایک مقالہ چیچک کے بیان میں ٭

(۳) اِبراہیم بن رئیس موسیٰ ابوعمران (حکیم)

ابوالمُنٰی ابراہیم بن رئیس موسیٰ بن میموں۔ مصر کے شہر فسطاط میں پیدا ہوا اور وہیں نشوونما پائی۔ فاضل طبیب اور اس فن کا اچھا عالم و عامل تھا۔ ملک الکامل محمد بن ابی بکر بن ایوب کی خدمت میں رہا۔ قاہرہ کے بڑے شاہی شفاخانہ کا مہتمم اور اعلےٰ طبیب تھا۔ ۶۳۰ھ کے بعد مصر میں فوت ہوا ٭

(۴) اِبراہیم بن عیسیٰ (حکیم)

اپنے زمانہ کا نامور اور فاضل طبیب تھا۔ بغداد میں یوحنا بن ماسَوَیہ کی صحبت اور اُس کے درس سے مستفید ہُوا اور وہیں مطب سے فراغت حاصل کی۔ امیر احمد بن طولون حاکم مصر کا طبیب رہا اور مقرّب ہوا۔ جب احمد بن طولون مصر کی حکومت پر مامور ہوا تو ابراہیم بن عیسیٰ بھی اُس کے ساتھ اس ملک میں آیا اور اُسی کی خدمت کرتا رہا۔ اس کا قیام مصر کے قدیم پایہ تخت اور مشہور شہر فسطاط میں رہا کرتا تھا۔ ابراہیم بن عیسیٰ نے ۲۶۰ھ کے قریب زمانہ میں وفات پائی ٭

(۵) اِبراہیم بن فزارون (حکیم)

غسان بن عباد نامی ایک مشہور جنرل کا طبیب تھا۔ وہ سپہ سالار ملک سندھ پر حملہ آور ہوا تو ابراہیم بھی اُس کے ساتھ آیا تھا۔ اور عرصہ تک یہاں مقیم رہا۔ وہ

سندھ میں گوشت سے پرہیز کرتا تھا نہ خود کھاتا تھا اور نہ اپنے امیر کو کھانے دیتا تھا۔ البتہ سُور کا گوشت اُسے پسند تھا اور وہ کہا کرتا تھا کہ سندھ کے سُور کا گوشت بہترین گوشت ہوتا ہے دریائے سندھ کی نسبت اس کا بیان ہے کہ اُس میں ایک عجیب طرح کی مچھلی ہوتی ہے۔ اگر اُس کے جسم پر گل حکمت کرکے صرف تھوڑا سا حصّہ کھلا رکھیں اور وہ حصّہ بھون کر کھالیں لیکن اس طرح سے کہ اس کی ہڈی نہ ٹوٹنے پائے بلکہ صرف گوشت نوچ لیں۔ اور پھر اُس کو پانی میں ڈال دیں تو وہ مچھلی زندہ ہو جاتی ہے اور اُس کا گوشت ازسرِنو جم آتا ہے۔ اُس نے اس بات کا تجربہ بھی کیا تھا ؂

(۶) اَبَرنِتھی { ABERNETHY John Abernethy } (ڈاکٹر)

ڈاکٹر اَبَرنِتھی لندن میں ۳- اپریل ۱۷۶۴ء کو پیدا ہوا تھا۔ وہ جان اَبَرنِتھی سوداگر کا دوسرا بیٹا تھا۔ جس کی رگوں میں آئرلینڈ اور سکاٹ لینڈ والوں کا خون تھا۔ اس خاندان کے کئی آدمی مشہور پادری گذرے ہیں جو عیسائیوں کے پروٹسٹنٹ فرقے سے متعلق تھے ؂

جان اَبَرنِتھی بچپن ہی میں وُل وَرہمٹن کے گرام سکول (مدرسہ صرف و نحو) میں بغرض حصول تعلیم داخل کرایا گیا۔ جہاں اس نے مطالعہ پسند۔ ذہین اور ظریف ہونے کی شہرت حاصل کی۔ مدرسہ کا انتظام بہت سخت تھا۔ جس کا اَبَرنِتھی پر بُرا اثر پڑا۔ اس سے اُس میں بےصبری اور چڑچڑاپن پیدا ہوگیا۔ مدرسے سے وہ ۱۵ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوکر نکلا اور اپنے باپ کے ایک ہمسایہ سر چارلس بلیک کے ہاں ملازمت کے لئے امیدواری کرنے لگا۔ اگرچہ اپنے تیز حافظے کے باعث اَبَرنِتھی کی خواہش یہ تھی کہ وہ وکالت میں نام پیدا کرے۔ لیکن اُس کے باپ نے اُسے پیشۂ طبابت اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اس لئے اُس نے یہ ارادہ کیا کہ حتّی الامکان ہر ایک بات کی کماحقہ تحقیق کرے۔ اُسے ابتدا ہی سے یہ شوق تھا کہ وہ علاج بالاغذیہ میں نام پیدا کرے۔ اس غرض سے جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے اُس نے کھانے پینے کی چیزوں کے

سب سے پہلے خود اپنے اوپر تجربے کئے۔ چنانچہ اُس نے لکھا ہے میں نے اپنے آپ کو نارنگیاں اور دیگر اشیائے خوردنی کے خریدنے میں قریب قریب برباد کر لیا۔ تاکہ میں مرض گردہ میں مختلف قسم کی اغذیہ کے نتائج اور اثرات کا پتہ لگا سکوں ''

اَبرنیتھی کو جو دلچسپی علم تشریح اور علم جراحی کے ساتھ تھی اس میں ایک با اثر تحریک سر ولیم بلیئرزڈ کے لیکچروں سے پیدا ہوئی تھی۔ جس کا اُس نے خود ہی اقرار کیا ہے۔ سر ولیم کے لیکچروں سے اس نے اس قدر فائدہ اُٹھایا کہ تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ اُس کے لیکچروں کا تجربہ کرنے کے لئے عمل جراحی کرنے لگا۔ مزید براں اُس نے ڈاکٹر پوٹ کے جراحی لیکچروں اور ڈاکٹر مارشل کے لیکچروں سے بھی بہت کچھ فائدہ اُٹھایا۔ مگر سب سے زیادہ فائدہ اُسے ڈاکٹر جان ہنٹر سے پہنچا جو اَبرنیتھی کو اپنے نہایت ذہین طالب علموں میں شمار کیا کرتا تھا۔

لندن کے سینٹ بارتھولومیو ہسپتال میں اسسٹنٹ سرجن کی اسامی اُن لوگوں کو دی جاتی تھی جو وہاں کے سرجن کے شاگرد ہوا کرتے تھے۔ جب جان ہنٹر اس ہسپتال کا سرجن مقرر کیا گیا تو جان اَبرنیتھی کو اُس نے ۱۵۔ جولائی ۱۷۸۷ء کو اسسٹنٹ سرجن کی اسامی پر مامور کرا دیا۔ اُس وقت اسکی عمر صرف ۲۳ سال کی تھی۔

اِس تقرر کے بعد ہی اُس نوجوان سرجن نے اپنی ذاتی قابلیتوں کو ظاہر کرنا شروع کر دیا۔ اور لیکچر دینے لگا۔ اُس سے پیشتر اس ہسپتال میں سوائے جراحی کے لیکچروں کے اور قسم کے لیکچر نہیں دئے جاتے تھے۔ یہ صرف اَبرنیتھی ہی کے لیکچروں کی طفیل تھا کہ ہسپتال میں ایک طبی مدرسہ کھولا گیا۔ اَبرنیتھی کے لئے ایک مدرسہ کی جان و دل سے خدمت کرنا اُس کو قبضہ اختیار و قابلیت سے بڑھ کر کام تھا۔ اور وہ بھی ایسی حالت میں جبکہ وہ بذات خود نوجوان تھا۔ اور اُس کی مختلف قسم کی قابلیتیں درجہ کمال کو نہیں پہنچی تھیں۔ لیکن اس کی خدمت میں وہ ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ اور اُسے اس قدر محنت اور جانفشانی کے ساتھ انجام دیتا رہا کہ ۵۰ سال کی عمر میں محنت شاقہ کے بارسے وہ بالکل بوڑھا ہو گیا۔

ابرنتھی نے اسی پر اکتفا نہیں کی کہ صرف خشک قسم کے لیکچر ہی دیا کرے۔ بلکہ اُس نے اُن میں ساختِ اعضاء اور امراض و حادثات متعلقہ وغیرہ کی چاشنی کا بھی اضافہ کیا اور ساتھ ساتھ علم تشریح کی مناسب مثالوں سے ان کی توضیح کرتا تھا۔ اُس نے مدت تک ایک ساتھ علم تشریح۔ علم افعال الاعضا۔ علم جراحی اور علم تشخیص الامراض پر لیکچر دیئے۔ مزید براں خود ڈاکٹر جان ہنٹر کے لیکچروں میں شریک ہوتا اور ہسپتال کے دیگر کاموں میں نمایاں حصہ لیتا رہا۔ اس کی اس زمانہ کی محنت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ وہ ۴ بجے صبح اُٹھ کر شہر سے باہر ایک مقام پر چلا جاتا تھا تاکہ وہ شور و غل اور رخنہ سے الگ اطمینان کے ساتھ مطالعہ کر سکے ٭

اگرچہ ابرنتھی شروع شروع میں لیکچر دینے میں جھجکتا تھا لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد اُس نے ان دونوں نقائص کی پوری اصلاح کر دی۔ اُس کے طالب علموں کی تعداد بہت جلد اس قدر زیادہ ہو گئی کہ ۱۷۹۱ء میں ہسپتال کے منتظموں کو اُس کے لیکچروں کے لئے ایک نئی عمارت بنوانا پڑی ٭

جن لوگوں کو ابرنتھی کے لیکچر سننے کا اتفاق ہوا ہے وہ ان لیکچروں کی بابت یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نہ صرف سامعین کے دل پر نقش ہی ہو جاتے تھے۔ بلکہ بیحد دلچسپ بھی ہوا کرتے تھے۔ اُس کا طرزِ تقریر یہاں تک مشہور ہوا کہ اُسے ایک خاص نام سے یاد کیا جانے لگا۔ وہ کمرۂ لیکچر میں عجیب انداز سے داخل ہوا کرتا تھا۔ دونو ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ڈالے ہوئے جسم آگے کو جھکائے ہوئے سیٹی بجاتا ہوا کمرہ میں داخل ہوتا تھا ٭

وہ اپنا لیکچر اکثر کسی واقع یا کہانی سے شروع کرتا تھا۔ مثلاً "ایک نواب کے بازو میں گولی لگی۔ جو گوشت کے اندر گھس گئی۔ گولی گوشت چیر کر نکال لی گئی اور اب وہ تندرست ہے" بعض اوقات وہ ایسے قصے اپنے طلبا کے سامنے بیان کرتا۔ کہ ہنستے ہنستے لڑکوں کے پیٹ میں بل پڑ جاتے تھے ٭

اُس کی دماغی قابلیت کا اظہار ایک لیکچر سے عجیب و غریب طریقہ میں ہوا تھا۔

جب وہ لیکچر دینے کے لئے لیکچر رُوم کے اندر داخل ہوا تو بڑا مجمع تھا۔ جس نے جوش و سرگرمی کے نعروں سے اُس کا استقبال کیا۔ اُس کی اُس نے مطلق پرواہ نہ کی لیکن خاموشی کے ساتھ اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑا کر یکایک زاہدانہ لہجہ سے بدیں الفاظ لیکچر شروع کر دیا کہ "خدا تم لوگوں پر رحم کرے۔ نہ معلوم تم سب پر کیا آفت آنے والی ہے" بعض اوقات اُس کے بیان میں سنجیدگی اور ظرافت دونوں ہی کی چاشنی ہوا کرتی تھی۔ حالانکہ نفس مطلب نہایت ضروری اور اہم ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک لیکچر میں اُس نے یوں بیان کیا تھا کہ" بڑی بڑی شرائین کا راستہ یاد رکھنے کے لئے لوگ بہت کچھ خیال نہیں رکھتے۔ لیکن میں تم کو ایک واقع بتانا چاہتا ہوں۔ بحری فوج میں ایک افسر تھا۔ جو بڑا بہادر تھا۔ ایک دفعہ بحری لڑائی میں اُس کے شانہ میں زخم کاری آیا جس سے اُس کی ایگزلری آرٹری (شریان الابطی۔ بغل کی رگ) کٹ گئی اور اُس سے بہت سا خون نکل گیا۔ لیکن زخم تھوڑی دیر کے لئے بند ہو گیا۔ اور سپاہی اُسے اُٹھا کر جہاز کے نچلے حصّہ میں لے گئے۔ اُسی وقت ایک ملّاح بھی وہاں لایا گیا۔ سرجن نے ملّاح سے پیشتر اس افسر کی مرہم پٹّی مناسب سمجھی۔ لیکن افسر نے باوجود اپنی بڑی تکلیف کے سرجن سے کہا "جناب آپ مہربانی فرما کر پہلے اُس شخص کی طرف توجہ فرمائیے۔ میں ذرا اور صبر کر سکتا ہوں۔ جب ڈاکٹر ملّاح کی مرہم پٹّی سے فارغ ہوا۔ تو اس زخمی افسر کی طرف رجوع ہوا۔ اور دیکھا کہ اُس کی ایک بڑی شریان کٹی ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ خون جاری نہیں تھا۔ اس لئے اُس نے زخم پر پٹّی باندھ دی۔ اور اپنے کسی کام کو چلا گیا۔ افسر کچھ دیر تو درماندہ اور بے ہوش پڑا رہا۔ آخر کار طبیعت نے سنبھالا لیا۔ مگر خون پھر جاری ہو گیا۔ اور سرجن کو فی الفور بلایا گیا۔ اُس نے آکر دیکھا۔ مگر شریان کو تلاش کرنے میں ناکام رہا۔ اور نہ اسے کوئی تجویز سوجھی اس لئے اُس نے افسر سے کہا کہ اپنا بازو شانہ کے جوڑ پر سے کٹوا ڈالو۔ چنانچہ افسر اس مزید تکلیف کو گوارا کرنے کے لئے استقلال کے ساتھ آمادہ ہو گیا۔ مگر عمل میں کچھ دیر لگی۔ تو اُس نے ڈاکٹر سے دریافت کیا۔ کہ

کیا اس میں زیادہ دیر لگے گی۔ اس کا جواب سرجن نے یہ دیا کہ ابھی ختم ہوا جاتا ہے" افسر نے کہا "جناب میں اس کے لئے خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ لیکن اس کے بعد اُس کی زبان ہمیشہ کے لئے بند ہوگئی" سامعین عالم سکوت میں تھے۔ اور ہر طرف موت کی سی خاموشی طاری تھی کہ ایبرنتھی نے لیکچر ان الفاظ کے ساتھ ختم کیا کہ میں امید کرتا ہوں کہ "آپ ایگزلری آرٹری (شریان الابطی۔ بغل کی رگ) کی نسبت کو ہرگز فراموش نہیں کریں گے"

(۷) ابنِ اَبی رَمْشہ تمیمی (حکیم)

یہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں علاج اور جراحی میں مشہور تھا۔ ایک بار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور دونو شانہ ہائے مبارک کے مابین مُہر نبوت کو دیکھ کر سمجھا کہ یہ کوئی مَسا یا داغ ہے۔ حضرت رسول پاک صلعم سے عرض کی کہ میں طبیب ہوں۔ اجازت ہو تو اِس داغ کا علاج کر دوں"۔ حضور انور نے فرمایا۔ "تم رفیق ہو اور طبیب اللہ جل جلالہ ہے" (سلیمان بن حسان کا بیان ہے کہ رسول خدا صلعم کو ابنِ اَبی رمشہ کی نسبت معلوم ہوگیا تھا کہ وہ صرف ہاتھ کی صفائی کے باعث جراحی کرتا ہے ورنہ علم تشریح کا ماہر کامل نہیں۔ چنانچہ حضور انور صلعم نے اپنے قول "اور اللہ طبیب ہے" سے اسی امر کو بیان فرمایا ہے۔

(۸) ابنِ اَبی صَادِق (حکیم)

ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن علی بن احمد بن ابی صادق۔ نیشاپور کا باشندہ اور علوم حکمیہ کا فاضل۔ اچھا طبیب اور اس فن میں صاحب نظر تھا۔ جالینوس کی کتابوں کا بہت غور سے مطالعہ کیا کرتا۔ اور اُن کے اندر جو باریکیاں اور راز طبابت کے متعلق موجود ہیں اُن کی موشگافی۔ اور اصول و فروع فن کی تلاش اُس کا شیوہ رہا۔ ابن اَبی صَادِق نہایت فصیح اور زباندان بھی تھا۔ اُس نے جالینوس کی جن کتابوں پر شرحیں لکھی ہیں حق یہ ہے کہ وہ نہایت اعلےٰ درجہ کی شروح ہیں۔ چنانچہ جالینوس کی کتاب "منافع الاعضاء"

پر اُس نے جو شرح لکھی ہے اُس کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس فاضل حکیم نے کتنی دماغ سوزی کے ساتھ کتاب کے کارآمد اور مشکل مقامات کو حل کیا۔ یہ کتاب اُس نے ۵۹ھ میں لکھی تھی۔

بعض اطباء کا بیان ہے کہ ابن ابی صادق شیخ الرئیس بوعلی بن سینا سے ملا اور اُس کی شاگردی سے مشرف ہوا تھا۔ یہ بات کچھ دور از قیاس نہیں ہو سکتی۔ بلکہ قریب بصحت ہے۔ کیونکہ ابن ابی صادق نے ابن سینا کا زمانہ پایا۔ اور وہ اُن دنوں ملک ایران میں ہی تھا۔ ابن سینا کی ناموری اور اُس کی بے مثل علمی قابلیت، شاگردوں کی کثرت۔ یہ سب باتیں اس امر کی تائید کرتی ہیں کہ ابن ابی صادق بھی اُس کے خرمن علم کا خوشہ چین بنا ہو۔ پھر ابن سینا بہ نسبت ابن ابی صادق کے مرتبہ اور عمر میں بھی بڑا تھا۔

تصانیف:۔ ابن ابی صادق کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حنین بن اسحٰق کی کتاب المسائل پر ایک بڑی مفصل شرح۔ (۲) اسی شرح کا اختصار۔ (۳) بقراط کی کتاب الفصول پر شرح۔ اس شرح کا ایک نسخہ خود ابن ابی صادق کے قلم کا لکھا ہوا پایا گیا تھا جس پر کسی طالب علم نے جو ابن ابی صادق سے اس کو پڑھ چکا تھا ۶ھ تاریخ قرأت لکھ دی تھی۔ (۴) بقراط کی کتاب تقدمۃ المعرفۃ کی شرح۔ (۵) جالینوس کی کتاب منافع الاعضاء کی شرح۔ اس کے اصل نسخہ پر تاریخ فراغت از تالیف ۵۹ھ درج ہے۔ (۶) رازی (طبیب) کے اُن شکوک کا حل جو اُس نے جالینوس کی کتابوں پر کئے تھے۔ اور (۷) کتاب التاریخ۔

(۹) ابن اثال (حکیم)

شہر دمشق کے نامور متقدم طبیبوں میں خاص طور پر ممتاز اور مذہب عیسوی کا پابند تھا۔ امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ دمشق پر حکمران ہوئے تو انہوں نے اس طبیب کو اپنا طبی مشیر مقرر کیا۔ وہ اُس کے ساتھ بہت کچھ سلوک کرتے اور اُس کے

بیحد معتقد بھی تھے۔ اکثر اوقات یہ اُن کی صحبت میں حاضر رہتا اور اس سے اُن کی گفتگو ہوا کرتی ۔

ابن اُثّال مفرد ادویات کا بڑا ماہر تھا خصوصاً زہریلی ادویات کی تیاری اور شناخت میں اُس کا ملکہ بیحد بڑھا ہوا تھا۔ امیر معاویہؓ کو اپنے عہد حکومت میں بعض دشمنوں سے سابقہ پڑا تھا۔ جن پر وہ بظاہر فوج وسپاہ سے قابو نہیں پاتے تھے۔ اُن کے لئے حیلہ وتدبیر سے کام لیکر اُنہیں معدوم کر دیتے تھے۔ ابن اُثال کے مقرب بارگاہ ہونے کی وجہ یہی تھی کہ اُس سے خطرناک دشمنوں کو چُپ چپاتے راہی ملک عدم بنا دینے کا نسخہ ہاتھ آتا تھا۔ اسی طرح مسلمان اُمرا اور عمائدین کی ایک کثیر جماعت معاویہؓ نے مروا ڈالی۔ جن میں صحابہؓ۔ اہل بیتؓ۔ اولاد صحابہؓ۔ اور بڑے بڑے عربی قبائل کے سردار شامل تھے۔ معاویہؓ نے ارادہ کیا کہ یزید کو اپنا ولیعہد بنائیں۔ انہوں نے اہل شام سے مشورہ کیا۔ اور کہا "میرا وقت آخیر ہے۔ قوت وطاقت جواب دے چکی ہے۔ خبر نہیں کب دنیا سے چل بسوں۔ اب تم بتاؤ کہ میرے بعد کس کی حکمرانی پسند کرتے ہو؟" اہل شام نے "عبدالرحمٰن بن خالد بن الولیدؓ" کا نام پیش کیا۔ معاویہؓ اُن کا یہ مشورہ سُن کر خاموش ہو رہے اور اس کے چند روز بعد۔ عبدالرحمٰن بن خالدؓ کی زندگی کا چراغ گُل کر دیا گیا۔ وہ کسی قدر بیمار تھے ابن اُثال اُن کے علاج پر مامور ہُوا اور دوا میں زہر ملا کر اُن کا خاتمہ کر دیا ۔

حضرت خالد بن الولیدؓ سیف اللہ کی جرأت وشجاعت کا اہل شام کے دل پر اس قدر گہرا نقش جم گیا تھا کہ وہ اُن کی اولاد کے ساتھ کمال ادب وتعظیم سے پیش آتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن خالدؓ نے امیر معاویہؓ کا بمقابلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ساتھ دیا تھا عبدالرحمٰن کے دوسرے بھائی مہاجر بن خالد بن الولیدؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طرفدار اور جان نثار تھے۔ اس واسطے دونو بھائیوں میں سخت اختلاف ونااتفاقی تھی عبدالرحمٰن کے وفات کی خبر مکہ میں پہنچی تو عُروہ بن الزبیرؓ نے مہاجر کے بیٹے خالد بن مہاجر سے کہا "تمہارے چچا عبدالرحمٰن کو ابن اُثال نے قتل کر دیا اور تم یہاں مکہ

میں چین سنا رہے ہو۔ انتقام نہیں لیتے۔" خالد مہاجر اگرچہ مذہب اور عقیدہ کے اعتبار سے اپنے چچا کا سخت مخالف تھا۔ لیکن ایک ہم چشم کی طعنہ زنی اُس کے دل کو گرما گئی اور وہ اپنے غلام آزاد کردہ "نافع" سے انتقام کشی کے بارہ میں امداد کا خواہاں ہوا دونوں تیار ہو کر دمشق کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور جب وہاں پہنچے تو ان کو معلوم ہوا کہ ابن اثال ہر روز شام کو امیر معاویہؓ کے پاس آیا کرتا ہے۔ نافع بڑا دلیر اور بہادر شخص تھا۔ خالد بن مہاجر اُس کو ساتھ لیکر دمشق کی مشہور جامع مسجد میں جا بیٹھا اور ایک ستون کی اوٹ میں خالد اور دوسرے ستون کی اوٹ میں نافع دونوں اس طرح چھپ رہے کہ کوئی اُن کو دیکھ نہ سکے۔ پہلے سے قرارداد ہو گئی تھی کہ ابن اثال کا قتل خالد بن مہاجر کا کام ہوگا۔ مگر خالد کے پیچھے سے نافع اُس کا محافظ رہیگا۔ جس وقت اثال کی سواری دارالامارۃ میں جاتی ہوئی خالد کی کمینگاہ کے برابر پہنچی۔ وہ شیر کی طرح جھپٹ کر ابن اثال پر ٹوٹ پڑا اور ایک ہی وار میں اُس کا ڈھیر کر دیا۔ ابن اثال کے ساتھی یہ حالت دیکھ کر خالد پر جھک پڑے اور اُس کے درپے قتل تھے کہ نافع نے نعرہ کر کے اُن پر حملہ کر دیا اور اس طرح حملہ آوروں کا گروہ گھبرا کر ہٹ گیا۔ نافع اور خالد بھاگ نکلے۔ اور لوگوں نے اُن کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ وہ ایک کوچہ میں گھس کر پیچھا کرنے والوں کا ناکہ روک کے کھڑے ہو گئے۔ یہ خبر امیر معاویہؓ کو ملی تو اُنہوں نے کہا کہ خالد بن مہاجر کے سوا یہ اور کسی کا کام نہیں۔ اُس کو گرفتار کر کے لاؤ۔ خالد اندھی گلی میں چلا گیا تھا۔ دوسری طرف نکلنے کا راستہ نہ تھا اور گلی کا نکڑ پیچھا کرنے والوں نے گھیر رکھا تھا۔ مجبوراً وہ گرفتار ہو کے معاویہؓ کے دربار میں آیا۔ معاویہؓ نے کہا "تیرا بُرا ہو۔ تو نے میرے طبیب کو کیوں مار ڈالا" خالد بن مہاجر نے جواب دیا "ابھی اصل حکم دینے والا تو باقی ہے وہ بیچارہ تو محکوم تھا" یعنی تمہارا قتل بھی مدنظر ہے۔ معاویہؓ سخت برہم ہوئے اور اُسے قید کر دیا۔ پھر نافع کو پکڑ منگایا اور اُسے ایک سو کوڑے مار کر چھوڑ دیا۔ خالد بن مہاجر کو قتل نہیں کیا بلکہ قید رکھا اور قبیلۂ بنی مخزوم سے ابن اثال کے خون بہا میں بارہ ہزار درہم وصول کر کے چھ ہزار ملکی خزانہ میں رکھ لئے اور باقی

چھ ہزار اُس کے ورثاء کو دے دئے۔ پھر خالد بن مہاجر بن خالد بن الولیدؓ کو بھی کچھ
عرصہ بعد رہائی دیدی۔

(۱۰) ابن الاصم (حکیم)

اشبیلیہ کا ایک نامور طبیب تھا۔ فن طب میں اس کی مہارت اور استدلال۔ امراض و
علاج میں اس کی قوت نظر کا معاصرین تک لوہا مان گئے تھے۔ صرف قارورہ اور نبض دیکھ کر
مریض کا حال یوں بیان کر دیتا کہ گویا شروع سے اخیر تک سب اُس کو معلوم ہی تھا۔ وہ
بلا تامل مریض کی شکایتیں۔ اور جو غذا اُس نے کھائی ہوتی۔ ایک ایک بات کا پتا دیدیتا
تھا۔ اُس کے علاج کا ایک نادر قصہ یہ ہے کہ۔ ایک روز ایک شخص کو لائے۔ مریض کو بہت سے
آدمی گھیرے اور پکڑے تھے۔ وہ گھوڑے پر سرنگوں پڑا ہوا تھا۔ جب مریض مطب کے
نزدیک آیا لوگوں نے دیکھا کہ اُس کی حلق میں ایک سانپ آدھا گھسا ہوا ہے اور نصف جسم
سانپ کا جو حلق سے باہر ہے وہ ایک مضبوط اون کی ڈوری سے کسا ہوا مریض کے بازو
سے باندھ دیا گیا ہے۔ مریض سانپ کے خوف سے جاں بلب اور بے حس و حرکت تھا۔
اُس کے ساتھیوں نے بیان کیا کہ اس شخص کی عادت مُنہ کھول کر سونے کی تھی شب کو
اس نے دہی کھایا اور بدستور سو گیا۔ یہ سانپ آیا۔ اس نے مُنہ سے لگا ہوا دہی چاٹ کر
اُسے کھلا ہوا پایا تو اندر منہ ڈال دیا۔ اور چاٹتا رہا۔ اسی اثناء میں کوئی اُس جگہ آپہنچا۔
سانپ پیروں کی آہٹ پاتے ہی جھٹ پٹ اس شخص کے مُنہ میں سما گیا اور حلق کے
اندر داخل ہو گیا۔ جو آدمی وہاں آیا تھا اُس نے تیزی کر کے سانپ کی دُم پکڑ لی اور شور
مچایا۔ کئی آدمی غل سُن کر آگئے اور مریض کو اس صورت سے آپکے پاس اُٹھا لائے ہیں۔

ابن الاصم یہ حال سُن کر ہنسا اور اُس نے لوگوں سے کہا "تم تو اس آدمی کو خواہ مخواہ
مار ڈالو گے۔ ٹھیرو اس کا علاج ہوا جاتا ہے۔" پھر چاقو لیکر وہ رسی کاٹ دی جس سے
سانپ کی دم بندھی تھی۔ سانپ اُس آدمی کے حلق میں سما کر پیٹ کے اندر اُتر گیا۔
ابن الاصم نے مریض کو بے حس و حرکت پڑے رہنے کی ہدایت کی۔ اور بہت سی دوائیں

پانی میں خوب جوش دیکر گرم گرم اُس کو پلوادیں۔ پھر اُس کے پیٹ کو ٹٹولنا شروع کیا اور جب سانپ گرم دوا کے اثر سے مرگیا تو دوسری دوائیں پلوائیں۔ اور دو گھنٹہ تک انتظار دیکھا۔ اس عرصہ میں معدہ کی گرمی اور ادویات کی تاثیر نے سانپ کو گلا بھی دیا۔ بعدازاں قے لانے والی دوا دیکر مریض کو قے کرنے کا اشارہ کیا اور اُس کی آنکھوں پر پٹی بندھوادی۔ سانپ کے گلے ہوئے ٹکڑے قے میں نکلنے لگے۔ اور ابنُ الاَ حکم تاکید کرتا رہا کہ خوب زور سے قے کرے۔ غرضیکہ چند منٹ میں تمام مواد سانپ کے گلے ہوئے جسم کا بیمار کے پیٹ سے باہر نکل آیا اور وہ تندرست ہو کر واپس چلا گیا۔

(۱۱) اِبنُ البَذُوخ (حکیم)

ابو جعفر عُمر بن علی بن البَذُوخ القلعی المغربی۔ مفرد اور مرکب ادویات کی شناخت میں نہایت فاضل واقفکار تھا۔ امراض کی شناخت اور دواسازی میں ماہر تھا۔ کئی سال تک دمشق میں مقیم رہا۔ بازار لبادین میں اُس کی عطر فروشی کی دکان تھی۔ جو بیمار آجاتا اُس کا علاج کمال توجہ سے کرتا تھا۔ دوائیں خود تیار رکھتا تھا اور مریضوں کو بقیمت دیا کرتا۔ طبی کتابوں کے مطالعہ کا نہایت شائق تھا۔ قدماء کے خیالات معلوم کرنے کی اُسے بیحد چاٹ تھی۔ نئے نئے تجربوں کا شوق تھا۔

اِبنُ البَذُوخ نے شیخ الرئیس بوعلی بن سینا کی کتاب القانون پر اُس کے حواشی بہت اعلےٰ درجہ کے لکھے ہیں۔ علم حدیث میں بھی خاص دستگاہ تھی۔ شاعر بھی تھا مگر نظم بے مزہ اور بے ربط ہوتی تھی۔ اخیر عمر میں نابینا ہو گیا تھا۔ اور چلنے پھرنے سے معذور۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ودھ بہت استعمال کرتا تھا جس نے رطوبت بڑھادی اور استرخا پیدا کر دیا۔

اِبنُ البَذُوخ نے بمقام دمشق ۵۷۶ھ میں وفات پائی۔ اُس کی تصانیف میں حسب ذیل کتابیں ہیں:۔

(۱) شرح کتاب الفصول بقراط۔ (۲) الارجوزہ۔ (۳) کتاب ذخیرۃ الالباء۔
(۴) المفرد فی التالیف عن الاشیاء۔ (۵) قانون شیخ پر حواشی۔

(۱۲) ابنُ البغونش (حکیم)

ابوعثمان سعید بن محمد بن البغونش طلیطلہ کا رہنے والا تھا۔ طلب علم کے شوق میں قرطبہ آیا۔ وہاں مسلمہ بن احمد سے علم العدد اور ہندسہ۔ اور محمد بن عبدون الجبلی، سلیمان بن جلجل، ابن الشناعۃ، اور اُن کے ہمعصر علماء سے علم طب حاصل کرکے پھر اپنے وطن شہر طلیطلہ کو واپس گیا۔ گھر پہنچ کر اُس کی علمی قابلیت آشکار ہوئی تو طلیطلہ کے امیر الظافر اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن نے اُسے اپنی خدمت میں رکھ لیا۔ ابنُ البغونش کو امیر الظافر کی خدمت میں خوب تقرب حاصل ہوا۔ وہ اُس کی سلطنت و ریاست کا ایک رکن رکین اور زبردست مدبر بن گیا۔ الظافر کے بعد اُس کے بیٹے المامون ذوالمجد یحییٰ بن ظافر کی بھی خدمت کرتا رہا۔ مگر کچھ زمانہ بعد دنیاوی علوم کے پڑھنے پڑھانے سے دست کش ہوکر قرآن کریم کی تلاوت اور خانہ نشینی میں مصروف ہوگیا۔ لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑا۔ قاضی صاعد کہتا ہے کہ اس گوشہ نشینی کی حالت میں میں اُس سے ملا تو دیکھا کہ وہ نہایت عاقل، نیکنام، خوش عقیدہ، خوش اخلاق اور خوش لباس شخص تھا، اقسام فلسفہ وحکمت میں اُس کی کئی جلیل القدر کتابیں ہیں میں نے اُس کی تصانیف سے معلوم کیا کہ علم ہندسہ میں اُس کا پایہ ایک سمجھدار عالِم کا ہے۔ منطق بھی اچھی جانتا تھا۔ جالینوس کی کتابوں کا غور سے مطالعہ کرتا رہا اور اُن کو جمع کرکے اُن کی تصحیح وتنقید میں مصروف ہوا۔ اس کام میں اُس کی نظر علم طب پر خوب وسیع ہوگئی۔ لیکن عملی طور پر معالجہ کرنے کی مشق بالکل نہ تھی۔ نہ امراض کی تشخیص سے طبیعت کو کچھ لگاؤ تھا۔

اُسکی ولادت ۳۶۹ھ میں اور وفات یکم رجب ۴۴۴ھ کو ہوئی۔ ۷۵ سال کی عمر پائی۔

(۱۳) ابن البیطار (حکیم)

ابو محمد عبداللہ احمد المالقی النباتی۔ معروف بہ "ابن البیطار"، ۱۱۹۷ء میں پیدا ہوا۔

دوست تھا کبھی کبھی چلا جاتا اور وہ بھی صرف جمعہ کو۔ ورنہ عموماً کسی سے نہیں ملتا تھا۔ ہر سال گرمی کا موسم بحرِ روم کے ساحل پر ایک متبرک خانقاہ میں بسر کیا کرتا تھا۔ اور سردی کا زمانہ شروع ہونے پر پھر افریقہ میں واپس آجاتا تھا۔

وہ کبھی کسی مریض سے کچھ نہیں لیا کرتا تھا۔ اپنے ایک غلام "رشیق" نامی کو اپنے مکان کے دروازہ پر دواؤں کی دُکان کھلوا دی تھی۔ مریض کو دوا بتا کر اُس کے پاس بھیج دیتا اور وہ اُس سے خرید لیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ شہر کے قاضی کا برادر زادہ علیل ہو کر اُس کے پاس علاج کے لئے آیا۔ ابو جعفر نے نہ تو اُس کی کچھ تعظیم و تکریم کی اور نہ بیٹھنے کی خاص جگہ دی۔ جس طرح تمام مریضوں کو دیکھتا تھا اُسے بھی دیکھ کر دوا لکھ دی۔ روزمرہ یہی طریقہ رہا۔ آخر جب قاضی کا بھتیجا بالکل تندرست ہو گیا تو قاضی صاحب نے ایک خط شکریہ کا اور ایک خلعت مع تین سو اشرفیوں کے ابی جعفر کو بھیجا۔ ابو جعفر نے شکریہ کا خط پڑھ کر اُس کا مناسب جواب لکھ دیا۔ اور خلعت و انعام واپس کر دیا۔ ایک کوڑی بھی نہ لی۔

ابو جعفر احمد بن الجزار نے اسّی سال سے زائد عمر پائی اور قیروان ہی میں کہن سال بوڑھا ہو کر فوت ہوا۔ وہ خلیفہ معتمد عباسی کے عہد میں تھا۔ وفات کے بعد اُس کے پاس ۲۴ ہزار دینار نقد اور ۲۵ گٹھے طبی اور دیگر علوم کی کتابوں کے نکلے۔ اُس کا ارادہ اخیر وقت میں اندلس جانے کا تھا لیکن اسے اس کا موقع نہ ملا۔

ابن الجزار کی تصانیف یہ ہیں:- (۱) کتاب علاج الامراض۔ اس کو زاد المسافر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ (۲) الاعتماد۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور اس میں مفرد دواؤں کا بیان ہے۔ (۳) البغیۃ۔ یہ کتاب مرکب دواؤں کی ہے۔ (۴) کتاب العدۃ لطول المدۃ۔ فن طب میں ابن الجزار کی یہ سب سے بڑی کتاب ہے۔ (۵) اور صاحب جمال الدین ابن القفطی کا بیان ہے کہ اُس نے مقام "قفط" اپنے وطن میں ابن الجزار کی ایک طبی کتاب اور بھی دیکھی تھی جس کا نام "قوت المقیم" تھا اور اُس کی بیس جلدیں تھیں۔ (۶) کتاب التعریف بصحیح التاریخ۔ یہ ایک مختصر سی تاریخ ہے۔

جس میں ابن الجزار نے اپنے زمانہ کے علماء کی وفات کی تاریخ اور اُن کے کچھ حالات درج کئے ہیں ÷ (۷) رسالہ در بیان نفس۔ اس میں نفس کے بارہ میں پچھلے اور قدیم علما کے اختلافات کا ذکر کیا ہے ÷ (۸) کتاب المعدہ۔ اس میں معدہ اور امراض معدہ کا ذکر ہے۔ پھر اُن بیماریوں کے علاج بھی لکھے ہیں ÷ (۹) طب الفقراء۔ یعنی علاج الغرباء ÷ (۱۰) رسالہ ادویہ کے بدل کے بیان میں ÷ (۱۱) کتاب اُن امراض کے فرق کے بیان میں جن کے اسباب باہم مشابہ مگر اُن کی علامات ایک دوسرے سے جداگانہ ہوتی ہیں اور اُن امراض کے معالجات میں ÷ (۱۲) رسالہ بلا ضرورت فصد لینے کے نقصانات میں ÷ (۱۳) رسالہ زکام اور اُس کے اسباب و علاج کے بیان میں ÷ (۱۴) رسالہ در بیان خواب و بیداری ÷ (۱۵) مجربات الطب ÷ (۱۶) مقالہ در بیان جذام اس میں جذام کے اسباب اور علاج کا مشرح بیان ہے ÷ (۱۷) کتاب الخواص ÷ (۱۸) کتاب نصائح الابرار ÷ (۱۹) کتاب المنبہات ÷ (۲۰) کتاب اُن اسباب کے بیان اور تشریح میں جو وبا کو پیدا کرنے والے ہیں۔ اس میں انہی اسباب سے بحث کی ہے جو ملک مصر میں تولید وبا کے لئے ثابت ہوتے ہیں۔ اور یہ بتایا ہے کہ کیونکر اُن وباؤں کو روکا اور دور کیا جا سکتا اور اُن میں سے خوفناک وباؤں کا کیا علاج ہے ÷ (۲۱) ایک رسالہ موت کو ناقابل خوف اور معمولی بات سمجھنے کے بیان میں یہ اپنے کسی بھائی کو لکھ کر دیا تھا ÷ (۲۲) رسالہ مقعد اور اُس کے امراض کے ذکر میں ÷ (۲۳) کتاب المکلل۔ ادب میں ÷ (۲۴) کتاب البالغۃ حفظان صحت کے بیان میں ÷ (۲۵) مقالہ حمامات کے ذکر میں ÷ (۲۶) کتاب اخبار الدولۃ۔ اس میں ملک مغرب میں مہدی کے ظہور کا ذکر ہے ÷ (۲۷) کتاب الفصول فی سائر العلوم والبلاغات۔ یہ بہت سے علوم کا مجموعہ ہے ÷

(۱۵) ابن الحلاء المرسی (حکیم)

اندلس کے ساحل شہر مرسیہ کا رہنے والا۔ طب کی اعلےٰ درجہ کی مہارت میں مشہور تھا۔

اور جب وہ کچھ دن کے واسطے خلیفۃ المنصور کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو اُس کا معالج بھی رہا تھا۔ دربار سے واپس جا کر اپنے وطن میں مطب کرتا رہا۔ اور وہیں وفات پائی ؎

(۱۶) ابوالخیر حسن بن سوار (حکیم)

ابوالخیر حسن بن سوار بن بابا۔ بن بہنام جو ابن الخمار کے نام سے مشہور تھا۔ یہ نام بمعنی نیک نام۔ مرکب کلمہ ہے۔ مذہبًا وہ عیسائی اور فنِ طب کے اصول کا عالم اُس کے فروعات کا ماہر اور اسرارِ طبیہ کا واقف کار تھا۔ فنِ طب وغیرہ میں اُس کی قابل قدر تصانیف موجود ہیں۔ مترجم بھی اچھا تھا۔ کئی کتابیں اُس نے سریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی ہیں اور اچھی ترجمہ کی ہیں۔ فنِ حکمت میں یہ بھی یحییٰ بن عدی کا شاگرد رشید تھا اور بیحد ذہین و ذکی۔ وہ ربیع الاول ۳۳۱ھ میں پیدا ہوا تھا فنِ طب میں اس کو وہ دستگاہ حاصل ہوئی کہ سلطان محمود بن سبکتگین غازی اُس کی عزت و عظمت کرتا تھا حالانکہ چوتھی صدی ہجری میں سلطان محمود سب سے زبردست مسلمان فرمانروا اور فاتح گزرا ہے۔ ابوالخیر حسن بن سوار المعروف بابن الخمار نیک نفس اور علم دوست تھا۔ جب کسی عبادت گزار یا ذی علم شخص کے علاج کو جاتا تو پیادہ پا جایا کرتا اور کمال عجز و تواضع سے توجہ کے ساتھ اُس سے ملتا اور علاج کرتا۔ لیکن سلاطین کے دربار سے بلاوا آتا تو شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ تین سو زرہ کمر مسلح غلاموں کے حلقہ میں سوار ہو کر جاتا اور تمکنت و وقار کا اظہار کیا کرتا وہ کہتا تھا۔ اہل اللہ اور علماء کے سامنے تواضع کر کے میں اُس تمکنت اور غرور کا بدلہ اتار دیتا ہوں جو سرکشاں زمانہ کے سامنے مجھے مصلحتًا برتنا پڑتا ہے ؎

ملک عجم میں ایک جماعت فنِ طب کی سخت منکر اور مخالف تھی۔ وہ کہا کرتے کہ طبابت ایک ڈھکوسلا ہے۔ اس سے کچھ ہوتا ہوا تا نہیں۔ اس گروہ کا سرغنہ ابوالخیر حسن بن سوار کا سخت دشمن اور بدخواہ تھا۔ اتفاق سے اُس کو درد سر کا مرض لاحق ہوا اور ایسا شدید کہ علاج کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اپنی غرض سے ابوالخیر کے پاس

معالجہ کے لئے کہلا بھیجا۔ ابوالخیر نے جواب میں کہلا بھیجا کہ "جو کتاب اُس نے فن طب کے لغو قرار دینے میں تالیف کی ہے اُس کو سر کے نیچے رکھ لے۔ بس درد جاتا رہیگا" اور یہ کہکر ٹال دیا اُس کا علاج نہ کیا ✤

ابوالخیر حسن بن سوار کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔ مقالہ ہیولے کے بیان میں ✤ کتاب الوفاق فلاسفہ کی آراء کا باہمی اتفاق ✤ شرح کتاب ایساغوجی ✤ دوسری شرح اسی کتاب کی مختصر ✤ مقالہ سچے دوست اور صادق دوستی کے باب میں ✤ مقالہ فیلسوف کے چال چلن کے ذکر میں ✤ مقالہ قوس قزح اور ہالہ وغیرہ کے بیان میں جو کہ خلاء میں بوجہ مائی ابخرات کے حادث ہوا کرتے ہیں ✤ مقالہ باری تعالےٰ کے بارہ میں قدماء کی رائے پر۔ اس میں مذاہب اور شریعتوں اور اُن کے لانے والوں کا بھی ذکر کیا ہے ✤ مقالہ امتحان الاطباء ✤ کتاب خلق الانسان و ترکیب اعضاء ✤ کتاب تدبیر المشائخ ✤ مقالہ مرض کاہنی کے ذکر میں یعنی مرگی کے بیان میں ✤ تقاسیم ایساغوجی وقاطیغوریاس مصنفہ الینوس اسکندرانی کا عربی ترجمہ مع شرح و حواشی از جانب خود ✤ اور چند دیگر کتب ✤ ✤

(۱۷) اِبْنُ الْخَیَّاط (حکیم)

ابوبکر یحییٰ بن احمد معروف بہ ابن الخیاط مسلمۃ بن احمد المرجیطی کا شاگرد تھا۔ اور اُس سے علم الاعداد اور ہندسہ کی تحصیل کی تھی۔ ازاں بعد احکام نجوم کا شوق دامنگیر ہوا اور اس میں خوب مہارت و نام پیدا کرکے اُندلس کے مشہور فساد کے ایام میں اور اُس کے بعد بھی امیر الحکم بن ناصر الدین اللہ اُموی اُندلسی کے دربار کا نجومی رہا۔ دیگر اُمرائے دولت اندلسیہ کی بھی خدمت کی سب سے اخیر میں امیر المامون یحییٰ بن اسمٰعیل بن ذی النون کے دربار میں رسوخ پایا۔ اگرچہ نجوم کے فن سے شوق زائد تھا اور اسی میں اُس کو ناموری حاصل ہوئی۔ لیکن اسی کے ساتھ فن طب کا شغل بھی رکھتا تھا اور بہت اچھا علاج کیا کرتا۔ خوش خلق۔ نیک دل۔ اور خوش اعتقاد مسلمان تھا۔ ۴۴۷ھ میں بمقام طلیطلہ

فوت ہوا۔ اسّی سال کے قریب عمر پائی ؂

(۱۸) ابنُ الذّہبی (حکیم)

ابو محمّد عبداللہ بن محمّد الازدی المعروف بہ "ابنُ الذّہبی" ایک ذی استعداد طبیب اور فیلسوف اِن عہدِ قدیم کی کتابوں کا واقف و ماہر تھا۔ اُس کو "کیمیا" کا بڑا خبط رہا۔ اس کے پیچھے اُس نے بڑی محنت برداشت کی ۔ ۴۵۶ھ میں بمقام "بلنسیہ" فوت ہوا۔ اس کی ایک کتاب اس بارہ میں ہے کہ "پانی غذا کا فائدہ نہیں دیتا" ؂

(۱۹) ابنُ السَّمح (حکیم)

ابوالقاسم کنیت۔ اَصبَغ بن محمّد بن السَّمح نام۔ غرناطہ کا رہنے والا۔ اور نہایت مشہور مہندس (انجنیئر) تھا۔ خلیفہ الحکم اَموی اَندلسی کا ہم عصر ہُوا ہے۔ علم الاعداد و ہندسہ یعنی مُساحت میں محقّق کامل اور علم ہیئت، فلکیات، و نجوم کا فاضل ماہر تھا۔ ان علوم کے ساتھ ہی طب میں بھی خاصہ دخل رکھتا تھا۔ کئی کتابیں بہت اچھی اس کی یادگار ہیں۔ جن کا ذکر آگے آئیگا۔ اس کے شاگرد رشید ابو مروان سلیمان بن محمّد بن عیسےٰ الناشی نے بیان کیا ہے کہ "ابنُ السَّمح" نے شہر غرناطہ میں وفات پائی۔ اُس کی وفات کی تاریخ ۱۸۔ رجب ۴۲۶ھ تھی۔ اور اُس وقت ابنُ السَّمح کی عمر ۵۶ سال کی تھی۔ اُس زمانہ میں زیری صنہاجی خاندان کے بادشاہ امیر حبّوس بن ماکسن کی حکومت تھی ؂

ابنُ السَّمح کی تصانیف یہ ہیں :۔ (۱) کتاب المدخل الی الہندسہ۔ یہ اقلیدس کی شرح ہے ؂ (۲) کتاب ثمار العَدَد۔ معروف بہ المعاملات ؂ (۳) کتاب طبیعۃ العَدَد ؂ (۴) ایک بڑی کتاب ہندسہ میں جس کے اندر خطِ مستقیم، مقوّس، اور منحنی کے اجزاء وغیرہ کا مفصّل بیان ہے ؂ (۵) رسالہ اصطرلاب کے متعلق دو کتابیں۔ ایک میں اس آلہ کے بنانے کی ترکیب درج ہے اور اس کے دو مقالے ہیں۔ اور دوسری میں اُس سے کام لینے کا ذکر ہے اور اُس سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اُن کا

جامع بیان ہے۔ اس کتاب کی تقسیم ایک سو تیس ابواب پر کی گئی ہے ۔ (۷) ایک زیج (زائچہ) جو کہ اس نے علمائے ہند کے ایک مذہب مشہور بہ "سندہند" کے مطابق لکھی ہے۔ یہ بہت بڑی کتاب اور دو حصوں پر تقسیم ہے ایک حصہ میں جدولیں ہیں۔ اور دوسری میں جدولوں کے رسائل ۔

(۳۰) ابنُ السَّمِینَہ (حکیم)

یحییٰ بن یحییٰ نام۔ ابنُ السَّمِینہ کے لقب سے مشہور۔ اور اُندلس کے حاکم نشین شہر قرطبہ کا رہنے والا تھا۔ طب کے علاوہ حساب و نجوم میں بھی کافی دخل رکھتا تھا دیگر علوم میں اُس کی دستگاہ قابل قدر تھی۔ نحو۔ زباندانی۔ عروض۔ معانی، شعر شناسی، فقہ، اور حدیث میں فاضل گنا جاتا تھا۔ اور مذہبا معتزلہ کے عقیدہ کا پابند تھا۔ اس نے مغرب سے مشرق یعنی ممالک شام و عراق وغیرہ کا سفر کیا اور ان ملکوں کی سیاحت سے فائدہ اٹھایا۔ ۳۱۵ھ میں وفات پائی۔ کوئی تصنیف اس کی یادگار نہیں ہے ۔

(۳۱) ابنُ السُّوَیدِی عزّالدّین (حکیم)

ابو اسحٰق بن ابراہیم بن محمدؐ۔ حضرت سعد بن معاذؓ اوسی انصاری کی اولاد سے اپنے زمانہ کا جلیل القدر حکیم اور علامۂ وقت تھا۔ ۶۰۰ھ میں بمقام دمشق پیدا ہوا۔ اور وہیں نشو ونما پائی۔ فضائل کا مجموعہ اور خوبیوں کا مجمع تھا۔ جوانمردی و سخاوت میں بے نظیر۔ علم وفضل میں کامل اکمل۔ اور فن طب کے علمی و عملی دونوں شعبوں کا پورا ماہر تھا اس علم کے کلیات و جزئیات پر اُس نے ایسا عبور حاصل کیا کہ اپنے عہد کے تمام اطباء پر سبقت لے گیا۔ ہر ایک فاضل طبیب جو اس کے زمانہ میں تھا کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور حاصل کرتا تھا۔ بڑے بڑے حکماء اور اطباء کی شاگردی کی۔ حکیم مہذب الدین عبدالرحیم بن علی اور اُس کے معاصرین کی خدمت میں رہ کر اس فن کو مکمل کیا۔ علم ادب اور فن شعر میں بھی دستگاہ کامل رکھتا تھا۔ نہایت اعلیٰ درجہ کی نظم فی البدیہہ کہنے میں اپنا

آپ نظیر تھا۔ اور اُس کے وقت میں کوئی شاعر حسن کلام و علم معانی و بیان و بدیع کی رعایات میں اس کا مقابل تو کیا اس کا پاسنگ بھی نہ پایا جاتا تھا۔

ابن سویدی کا باپ ابراہیم علاقہ حوران کی ایک بستی "سُوَیداء" نامی کا باشندہ اور تجارت پیشہ تھا۔ اُس کے حُسن اخلاق اور شیریں کلامی کی وجہ سے اس کا کام بہت خوبی کے ساتھ چلتا تھا۔ صاحب طبقات الاطبّاء ابن ابی اصیبعہ کے تعلقات مودّت بہت بڑھے ہوئے تھے۔ دونو ہمدرس بھی رہے تھے۔ اس لئے ان کی باہمی الفت و صداقت کی جڑ اور مضبوط ہو گئی تھی۔

حکیم عزالدین ابن السُّوَیدی کا مرتبہ علم طبّ میں نہایت ارفع و اعلےٰ تھا۔ اس کا بے مثل علاج تیزی ذہن۔ خوبی تشخیص امراض۔ اور خداداد دست شفا یہ باتیں ہی اُس کو مقبول انام بنانے کے لئے کیا کم تھیں پھر اُن پر خوش خلقی اور مریضوں کی دلجوئی اور بھی طرّہ تھی۔ وہ دمشق کے بڑے مشہور شفاخانہ نُوری۔ اور ایک اور دارالشفاء میں عرصہ تک علاج کی خدمت پر مامور رہا۔ اور قلعۂ دمشق کی طبّی خدمت بھی بجالاتا تھا۔ اسی کے ساتھ "دخواریہ" کے مدرسہ میں درس دینے کا کام بھی کیا کرتا۔ اور ان چاروں کاموں کی اُس کو الگ الگ تنخواہ ملتی تھی۔

عزالدین ابنُ السُّوَیدی بہت خوش نویس بھی تھا۔ اُس نے بہت سی کتابیں خاص اپنے قلم سے نقل کیں سنہ ۶۳۰ھ میں ایک ایرانی تاجر وارد دمشق ہوا جس کے پاس جالینوس کی کتاب منافع الاعضاء پر ابن ابی صادق کی تالیف کی ہوئی شرح کا ایک نسخہ نہایت صحیح اور خاص مولّف کے دستخطی نسخہ کی نقل تھا۔ اور ابنُ السُّوَیدی نے اُس کتاب کی جو دو ضخیم حصّوں میں تھی اپنے قلم سے نقل لی۔ یہ پہلا نسخہ اس کتاب کا تھا جو ملک شام میں ابنُ السُّوَیدی کی برکت سے پایا گیا۔

عزالدین ابن السُّوَیدی کی تصانیف حسب ذیل ہیں:- (۱) کتاب الباہر فی الجواہر (۲) کتاب التذکرۃ الہادیہ والذخیرۃ الکافیۃ طب میں۔ یہ کتاب تذکرہ ابنُ السُّوَیدی کے نام سے مشہور اور بڑے پایہ کی طبّی تصنیف ہے۔

(۲۲) ابن الشبل بغدادی (حکیم)

ابو علی کنیت۔ حسین بن عبداللہ بن شبل۔ نام۔ بغداد ہی میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش و تربیت پائی۔ تعلیم کے مراتب بھی اسی مرکز علم و معارف میں طے کئے۔ فیلسوف حکیم، فاضل متکلم۔ ادیب۔ و شاعر تھا۔ ۴۷۴ھ میں بمقام بغداد فوت ہوا۔ اس کا ایک قصیدہ علم حکمت میں بے نظیر ہے۔ اس سے ابن الشبل کی علوم حکمت میں معرفت کا پتا لگتا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم الٰہیات کے اسرار پر اُس کو کتنا اچھا عبور تھا۔ ہم اس جگہ قصیدۂ مذکورہ کے چند اشعار مع ترجمہ بطور نمونہ کے درج کرتے ہیں۔ کہتا ہے :-

بِرَبِّكَ أَيُّهَا الْفَلَكُ الْمُدَارُ   أَقَصْدٌ ذَا الْمَسِيرُ أَمِ اضْطِرَارُ

اے گردش کرنے والے آسمان تجھے اپنے پروردگار کی قسم ذرا یہ تو بتا کہ تیری یہ چال اور گردش قصداً ہے یا تجھے کوئی مجبوراً گردش کراتا ہے۔

مَدَارُكَ قُلْ لَنَا فِي أَيِّ شَيْءٍ   فَفِي أَفْهَامِنَا مِنْكَ انْبِهَارُ

اور بتا کہ تیرے دور کرنے کی جگہ کس چیز میں ہے کیونکہ تیری طرف سے ہماری عقلوں میں حیرانی سمائی ہوئی ہے۔

وَفِيكَ نَرَى الْفَضَاءَ وَهَلْ فَضَاءٌ   سِوَى هٰذَا الْفَضَاءِ بِهِ تُدَارُ

ہم دیکھتے ہیں کہ تجھی میں فضاء (کشادگی مابین زمین و آسمان) ہے اور کیا اس کے سوا کوئی اور فضاء بھی ہے جس میں تیری دوری گردش ہوتی ہے۔

اسی طرح تمام طویل قصیدہ علم فلکیات و ہیئت کی اصطلاحات سے بھرا ہوا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی بکثرت اشعار اُس کی فکر عالی اور طبع رسا پر واضح دلیل ہیں۔

(۲۳) ابن الصفار (حکیم)

ابو القاسم کنیت۔ احمد بن عبد اللہ بن عمر۔ نام۔ یہ بھی علم العدد اور ہندسہ و نجوم

میں محقق کامل تھا۔ شہر قرطبہ میں ان علوم کا درس دیا کرتا۔ اور اس امر میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ اس کی ایک علم زائچہ میں سندھ ہند کے طریقہ پر۔ اور ایک کتاب استعمال اصطرلاب کے بارہ میں نہایت نادر ہے۔ ان دونو کتابوں کی خوبی یہ ہے کہ ان کی عبارت بہت سلیس اور مطلب ادا کرنے کا طرز بیحد دلنشین ہے۔ ابن الصفار۔ ابی القاسم مسلمہ بن احمد المرجیطی کے ارشد تلامذہ میں سے تھا۔ اور قرطبہ سے اُس مشہور فساد کے بعد جو سرزمین اندلس میں برپا اور بہت ہی بربادی بخش ہوا تھا نکل کر شہر دانیہ میں چلا آیا جو امیر المجاہد عامری کا پایۂ تخت تھا۔ یہ شہر بلاد اندلس کے مشرقی ساحل پر واقع ہے ابن الصفار نے یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اور وہیں وفات پائی۔ اہل قرطبہ میں سے ابن الصفار نے کئی شخصوں کو اپنا شاگرد رشید بنا دیا تھا۔ خود اُس کا ایک بھائی "محمد" نامی اصطرلاب بنانے اور اُس سے کام لینے میں ایسا ماہر اور قادر تھا کہ اندلس میں اُس سے پہلے کوئی ایسا آدمی ہوا ہی نہ تھا۔

ابن الصفار کی تصنیف سے صرف دو ہی کتابیں ہیں:۔ (۱) کتاب زیج سندھ ہند کے مذہب وطریقہ پر۔ اور (۲) کتاب العمل بالاصطرلاب۔

(۲۴) ابن الصلاح (حکیم)

نجم الدین ابو الفتوح احمد بن محمد السری۔ امام زمانہ شیخ وقت اور نہایت ذی علم بزرگ تھا۔ علوم حکمیہ میں ماہر فصیح و زبان آور۔ عمدہ انشا پرداز۔ صاحب تصانیف۔ اور فن طب میں ممتاز درجہ رکھتا تھا۔ یہ اصل میں ایران کے شہر ہمدان کا باشندہ تھا لیکن بغداد میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ امیر حسام الدین تمرتاش بن ارتق کی خدمت میں عرصہ تک نہایت عزت و حرمت کے ساتھ رہا۔ پھر دمشق میں چلا آیا۔ جہاں آخر وقت تک قیام رکھا اور وہیں دنیا سے عالم آخرت کی طرف سفر کیا۔ ابن الصلاح ۵۴۸ھ میں فوت ہوا۔ اور مقبرۂ صوفیہ میں مدفون ہے۔

ابن العالمہ (دیکھو نجم الدین)

(۲۵) ابن العین زربی (حکیم)

شیخ موفق الدین ابو نصر عدنان بن نصر بن منصور۔ عین زربہ کا رہنے والا تھا۔ عین زربہ مصر کے نزدیک ایک گاؤں ہے۔ عرصہ تک بغداد میں رہا۔ وہیں علم طب اور علوم حکمیہ میں مہارت پیدا کی۔ خاصکر علم نجوم میں کمال حاصل کیا۔ اور تکمیل علوم کے بعد اپنے وطن ملک مصر میں چلا آیا۔ اور یہاں آکر شادی خانہ آبادی کی۔ پھر اخیر وقت تک برابر یہیں مقیم رہا۔ اور مصر کے خلفاء کی خدمت کیا کرتا تھا۔ فاطمی خلفائے مصر کے عہد میں اُن سے خوب رسوخ پیدا کیا اور بہت کچھ مال ومنال جمع کر لیا۔ اپنے زمانہ میں نہایت ذی علم طبیب اور اُستاد فن تھا۔ شناخت امراض میں اس کی شناسائی اور نظر نہایت عمیق تھی۔ معالجات اور قبل از ظہور مرض بیماری کی پیشنگوئیاں خوب کرتا تھا۔ مصر میں اس کی طبی تصانیف کا بڑا شہرہ ہے۔ منطق وغیرہ علوم میں بھی اس کی کتابیں موجود ہیں۔ کئی ہونہار شاگرد اس کے حلقۂ درس سے کامل اور فاضل ہوکر نکلے۔ ان میں سے ہر ایک اچھا ماہر طبیب ہوا ۔

ابن عین زربی شروع شروع میں نجوم کے مشغلہ سے روزی پیدا کیا کرتا تھا۔ مصر میں اس کی شہرت پھیلنے اور اس کے خلفاء کے دربار میں رسائی پانے کا سبب یہ ہوا کہ بغداد سے ایک قاصد ملک مصر میں آیا تھا۔ اور وہ ابن عین زربی کو بغداد میں دیکھ چکا اور اُس کا خوب شناسا تھا۔ بغدادی قاصد کو ابن عین زربی کے علم وکمال سے پوری آگاہی تھی۔ جبکہ یہ قاصد قاہرہ کے بازار میں سیر کرتا ہوا جا رہا تھا اُس نے ابن عین زربی کو ایک جگہ بیٹھا دیکھا۔ ابن عین زربی اُس وقت منجموں کا پیشہ کیا کرتا تھا۔ قاصد نے اُس کو پہچان کر سلام کیا اور دل میں سخت متاسف ہوا کہ ایسا عالم اور فاضل طبیب یوں کس مپرسی کی زندگی بسر کر رہا ہے ۔

بغدادی قاصد نے وزیر مصر سے ابن عین زربی کا ذکر کیا اور اُس کے علم وکمال کی اتنی تعریف کی کہ وزیر مصر کو ایسے جوہر قابل کی قدر نہ کرنے پر شرمندہ ہونا پڑا۔

اور فوراً ابن عین زربی کو بلوا کر اُس کے علم و فضل کا حال معلوم کیا۔ پھر یہ دیکھ کر کہ واقعی اس شخص کی قدر واجب ہے خلیفہ سے اُس کی سفارش کردی اور ابن عین زربی دربار کے اطباء میں شامل کر لیا گیا ؎

ابن عین زربی اُس وقت تک گُدڑی کا لعل تھا۔ جب وہ جوہری کے ہاتھ میں آیا اپنا جوہر دکھانے لگا۔ پھر تو زمانہ اُس کے کمال کا معترف بنا۔ اور دربار میں اس کے سامنے کسی کا رنگ نہ جم سکا۔ دولت و حشمت۔ انعام و اکرام سے مالامال ہو گیا۔ ذاتی اخلاق اور حسن سلوک نے اُس کو ہر دلعزیز بنا دیا۔ اور خلق خدا کو اُس سے خوب نفع پہنچا ؎

ابن عین زربی ادیب اور شاعر بھی تھا۔ اشعار بہت لطیف اور اعلےٰ درجہ کے کہتا تھا۔ وہ ۵۴۸ھ میں بمقام قاہرہ فوت ہوا۔ اس کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-

(۱) کتاب الکافی۔ طب میں ؎ (۲) جالینوس کی کتاب الصناعۃ الصغیرہ کی شرح ؎ (۳) الرسالۃ المقنعۃ منطق میں ؎ (۴) مجربات طبیہ بطور بیاض کے۔ اس بیاض کی ترتیب و تدوین ظافر بن تمیم نے ابن عین زربی کی وفات کے بعد مصر میں کی ؎ (۵) رسالہ فی الساتۃ (۶) رسالہ فی تعذر وجود الطبیب الفاضل و نفاق الجاہل ؎ (۷) مقالہ فی الحصےٰ و علاجہ ؎

ابن اللبودی (دیکھو نجم الدین)

(۲۶) ابن المارستانیہ (حکیم)

ابوبکر عُبَیدُ اللہ بن ابی الفرج۔ علی بن نصر۔ بن حمزہ۔ فنِ طبابت میں علمی و عملی دونوں پہلوؤں سے اچھا ماہر تھا۔ محدّث اور ادیب بھی تھا۔ علم مجلس میں ماہر اور خوش بیان خطیب تھا۔ بیمارستان عضدی میں معالجہ کی خدمت پر مامور تھا۔ کسی وجہ سے گرفتار آفت ہوا اور دو سال قید رہا۔ پھر رہائی پائی۔ قید سے رہا ہو کر شہر بغداد کی ایک مفصّل تاریخ لکھنی شروع کی مگر اُس کو تمام نہ کر سکا۔ ۵۹۹ھ کے ابتدا ہی میں دربار خلافت کی طرف سے ایلچی بنا کر شہر تفلیس کو بھیجا گیا۔ جہاں سے بکامیابی بغداد واپس آتا ہوا راستہ میں چچرخ بند نامی ایک موضع میں فوت ہوا اور وہیں مدفون ہوا۔ اُس کی وفات

اسی ۵۹۹ھ میں ہوئی تھی ؎

(۲۷) اِبْنُ النَّبَّاشْ (حکیم)

ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن حامد البجائی ۔معروف بہ ابنُ النّباش ۔ فن طب کا ماہر ۔ اچھا معالج ۔ اور علم طبیعیات کا فاضل تھا ۔ دیگر علوم حکمیہ میں بھی دخل رکھتا تھا ۔ اور اندلس کے ساحلی شہر "مرسیہ" میں سکونت رکھتا تھا ؎

(۲۸) اِبْنُ الوَسطی (حکیم)

خلیفہ مستظہر باللہ کا خاص طبیب اور اُس کے حضور میں نہایت باشوخ تھا ۔ اکثر بڑے بڑے اراکین سلطنت اس کے ذریعہ خلیفہ سے سفارش کراتے ۔ اور یہ نہایت خوش خلقی و تواضع کے ساتھ اُن کی خدمت انجام دیا کرتا تھا ؎

(۲۹) اِبْنُ الہیثم (حکیم)

ابو علی محمد بن الحسن بن الہیثم ۔ دراصل بصرہ کا رہنے والا تھا ۔ بعد میں ملک مصر کو چلا آیا اور تادم مرگ یہیں رہا ۔ نہایت شریف مزاج ذہین و ذکی ۔ پاک نفس ۔ اور اپنے زمانہ میں ریاضی کا یکتا عالم تھا ۔ کوئی اس علم میں اُس سے بڑھ کر تو کیا اُس کی ہمسری کا بھی دعوے نہیں کرسکتا تھا ۔ ہمیشہ علمی مشاغل اور تصنیف و تالیف میں سرگرم رہتا ۔ مزاج میں زہد بیحد تھا ؎

ابن الہیثم نے ارسطاطالیس کی بہت سی کتابیں علم حکمت میں اور جالینوس کی کتابیں طب میں ایسے مناسب خلاصوں کے قالب میں ڈھالیں کہ وہ بیحد کارآمد اور سریع الفہم ہوگئیں پھر ان پر نہایت ہی عمدہ شرحیں لکھیں ۔ ابن الہیثم طب کے جزئیات و کلیات کا بہت بڑا ماہر تھا ۔ اور گو اُس نے علاج معالجہ نہیں کیا پھر بھی وہ فن طب میں علمی حیثیت سے علامہ وقت ہوا ہے ۔ اُس کی عربی زباندانی اور خوشخطی بھی قابل ذکر تھی ؎

ابن الہیثم ابتدائے شعور سے کسب فضیلت کی طرف مائل تھا علم حکمت و فلسفہ کے مشاغل میں وقت بسر کیا کرتا۔ تمام ایسے مشغلے جو حصول علم میں مانع آئیں اُس نے ترک کر رکھے تھے۔ اس غرض سے کہ دُنیا کے جھگڑے اُس کے پیچھے نہ پڑ جائیں اُس نے یہ تدبیر کی کہ پاگل اور مخبوط الحواس بن گیا۔ اس طرح اُس کو مطالعہ اور اپنی علمی استعداد بڑھانے کا بہت اچھا موقع ملا۔ جب وہ دوسرے کاموں سے نجات پا گیا تو اپنے وطن بصرہ سے مصر میں آیا اور وہاں کے مشہور دار العلم جامع الازہر میں داخل ہو گیا۔ سال میں کسب معاش کے لئے ایک جلد اقلیدس اور ایک جلد مجسطی کی لکھتا اور اُس کو بیچ کر اُس کی آمدنی سے بسر اوقات کیا کرتا۔ تا دم مرگ اُس کا یہی طریقہ رہا۔ اور کبھی وہ کسی سے مدد کا خواہاں نہ ہوا۔

ابن القفطی۔ ابن الہیثم کے حالات میں لکھتا ہے کہ مصر کا علوی خلیفہ حاکم بامر اللہ نہایت فیلسوف اور حکیم تھا۔ اُس کو کسی طرح ابن الہیثم کے حالات معلوم ہو گئے اور اُس سے ملنے کا شوق اس قدر بڑھا کہ درپردہ سفر خرچ کی کثیر رقم ارسال کر کے ابن الہیثم کو مصر میں بلوایا اور اُس کے علم و فضل سے نفع اٹھانا چاہا۔ ابن الہیثم علم ہندسہ اور ریاضیات میں یکتائے دہر تھا۔ مصر کے دریائے نیل کے حالات پڑھنے اور سننے کے بعد اُس کو یہ خیال پیدا ہوا کہ کوئی تدبیر ایسی کرے جس سے باشندگان مصر اس دریا کے پانی سے ہر حالت میں نفع اٹھائیں۔ یہ نہ ہو کہ طغیانی آنے کے سال میں وہ مالا مال ہو جائیں۔ اور جس سال دریا نہ چڑھے یا کم چڑھے اس سال اُن کی زراعت میں نقصان رہے۔ ابن الہیثم کا خیال تھا کہ چونکہ یہ دریا ملک مصر کے ایک حصہ میں بلندی سے نشیب میں گرتا ہے۔ اس واسطے وہ سوچتا تھا کہ ایک عظیم الشان بند باندھ کر پانی کو روکے اور اُس سے آبپاشی کے وسائل بہم پہنچائے۔ حاکم بامر اللہ ابن الہیثم کے اس ارادہ کو معلوم کر کے اور بھی اُس کا مشتاق ہو رہا تھا۔ چنانچہ جب ابن الہیثم مصر میں داخل ہوا۔ اور دار الملک کے قریب پہنچا۔ تو خلیفہ حاکم بامر اللہ پایۂ تخت کے شہر قاہرہ کے دروازہ تک اُس کی پیشوائی کے لئے آیا۔ اور اُسے کمال عزت و احترام سے اپنا مہمان بنایا۔ کچھ دن

ابن الہیثم نے قاہرہ میں آرام لیا اور کلفت سفر دور ہونے کے بعد خلیفہ حاکم بامر اللہ اُس سے دریائے نیل کے بارہ میں اپنا ارادہ پورا کرنے کا خواہاں ہوا ﴿

ابن الہیثم کاریگروں اور انجینیروں کی ایک چیدہ جماعت ساتھ لیکر دریائے نیل کی تحقیقات اور اس سے نہریں نکالنے کا بندوبست کرنے چلا۔ مگر جب اُس نے ملک مصر میں سفر کرتے ہوئے وہاں کی قدیم عمارتیں اور فن انجینیری۔ سنگ تراشی۔ تعمیراتِ مصوری کے نادر نمونے دیکھے۔ تو اُسے خیال ہوا کہ قدیم اہل مصر جو ایسی شاندار اور عجائبات عالم میں شمار ہونے والی عمارتوں اور ہندسی کارناموں کے بانی تھے۔ اگر دریائے نیل سے آبپاشی کا اہتمام کرنا ممکن ہوتا تو وہ اس سے کیوں غافل رہتے۔ پس میرا خیال بھی خیال محال ہے۔ ابن الہیثم کی ہمت یہ تصور کر کے پست ہوگئی اور اُس کے خیال کی بلند پروازی جاتی رہی۔ چنانچہ شہر "اُسوان" کے بالمقابل مقام "جنادل" میں پہنچ کر اُس نے دریائے نیل کے آبشار کا بغور معائنہ کیا۔ اور بند باندھنے کا طریقہ بہت کچھ سوچتا رہا۔ پھر علمی تجربات بھی کئے اور دریا کے دونو کناروں پہ بند باندھنے کی بنا ڈالی۔ مگر اُس کو کامیابی کی کوئی شکل نظر نہ آئی اور وہ شکستہ خاطر و مجبور ہو کر اپنی رائے کی غلطی کا معترف ہوگیا۔ اُس[1] نے خلیفہ حاکم بامر اللہ کو نہایت ندامت کے ساتھ اپنی ناکامی سے اطلاع دی اور خلیفہ نے اُس کا عذر بظاہر معقول پا کر قبول کر لیا ﴿

حاکم بامر اللہ ابن الہیثم کی اتنی سخت ناکامی کے باوجود اُس کی طرف سے بدعقیدہ نہیں ہوا۔ بلکہ وہ اُس کے علم سے مستفید ہونے کا خواہاں رہا۔ چنانچہ اُسوان سے واپسی کے بعد خلیفہ نے ابن الہیثم کو کسی ملکی عہدہ پر مامور کرنا چاہا۔ ابن الہیثم کو معلوم

[1] ابن الہیثم نے اس معاملہ میں سخت دھوکا کھایا۔ اُس کی طبیعت کی کمزوری اُسے ناکام بنانے والی ثابت ہوئی ورنہ جو ارادہ اُس نے کیا تھا وہ ممکن الحصول تھا۔ کیونکہ آخر انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں خدیو اسماعیل پاشا کے عہد میں انہی اُسوان کے آبشارہائے نیل پر بند بنا کر مصر میں وسیع پیمانہ پر وسائل آبپاشی مہیا کر لئے گئے اور یورپ کے انجینیروں نے وہ کام کر دکھایا جس کو چھ صدی قبل ایک مسلمان مہندس ناممکن سمجھ کر باوجود عزم کرنے کے اُس کی تکمیل سے باز رہا تھا ﴿

تھا کہ خلیفہ حاکم بامر اللہ نہایت زود رنج اور تند مزاج ہے۔ جس کی طرف سے بد دل ہو جائے اُس کی جان کی خیر نہیں۔ لہذا اُس نے جبراً و قہراً خلیفہ کے حکم سے سرتابی نہ کی اور جو خدمت اُسے ملتی تھی وہ قبول کر لی۔ لیکن ابن الہیثم دل سے اس کام کو چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ آخر اُس نے یہاں بھی وہی اپنی پرانی چال چلی۔ یعنی دکھانے کے لئے پاگل اور باؤلا بن گیا۔ مجنونوں کی سی حرکتیں کرنے لگا۔ خلیفہ کو یہ خبر ملی تو اُس نے ابن الہیثم کی تمام املاک و دولت پر حکومت کی طرف سے نگرانی قائم کر دی اور ابن الہیثم کو پاگلوں کی طرح قید کر کے رکھا گیا۔ ابن الہیثم اپنے گھر سے باہر جامع الازہر کے دروازہ پر ایک قُبّہ میں جا رہا۔ اور وہاں عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گیا۔ ایک عرصہ تک اُس کی یہی حالت رہی۔ لیکن جس وقت خلیفہ الحاکم کا انتقال ہو گیا اُس وقت ابن الہیثم نے بھی مصنوعی جنون و دیوانگی کا لباس اُتار پھینکا۔ اور بدستور سابق عقل و ہوش کا جامہ پہن کر اپنے علمی مشاغل میں مصروف ہوا۔

اس مرتبہ ابن الہیثم نے تصنیف کتابوں کی نقل و کتابت۔ اور درس پر کمر باندھی۔ وہ اپنے تمام کام کرتا ہوا۔ سال کے عرصہ میں تین کتابیں بھی لکھ لیا کرتا تھا۔ اقلیدس۔ متوسطات۔ اور مجسطی۔ پھر اُن کو فروخت کر کے اُنہی کی قیمت سے بسر اوقات کیا کرتا۔ جب وہ یہ کتابیں لکھنا شروع کرتا اُسی وقت قدردان اشخاص اُس کے پاس پہنچ جاتے اور ۱۵۰ دینار مصری پیشگی قیمت نذر کر کے یہ کتابیں اپنے لئے لکھواتے تھے۔ یہ قیمت ایسی پختہ تھی کہ اس میں کبھی کوئی کمی زیادتی نہ ہوتی۔ ابن الہیثم نے اسی طرح قاہرہ میں رہ کر زندگی بسر کر دی اور وہ ۴۳۰ھ یا اُس کے قریب زمانہ میں فوت ہو گیا۔ اُس نے تریسٹھ سال کی عمر پائی۔

ابن الہیثم نے اپنی زندگی کو جیسا مفید اور کارآمد بنایا اُس کا ثبوت اُس کی بیشمار تصانیف و تالیفات ہیں جن کی مجمل فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ اور اُس فہرست میں صرف اُن کتابوں کو لیا گیا ہے جو کوئی خصوصیت رکھتی ہیں۔ ورنہ عام طور سے اُس کی تصانیف کی تقسیم دو حصص پر ہے۔

اوّل علوم ریاضیہ کی شرح۔ اس میں پچیس کتابیں۔ اقلیدس۔ ہندسہ۔ علم العدد حساب۔ مناظر و مرایا۔ جبر و مقابلہ۔ مساحت۔ اصول۔ علم آلۃ قبلہ نما۔ دھوپ گھڑی۔ عرض البلد و طول البلد۔ اور جغرافیہ وغیرہ کے متعلق ہیں۔ اور دوم علوم طبیعیہ اور الہیات کی شرح۔ اس میں ۴۴ کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں جو حسب ذیل ہیں:-

(۱) فرفوریوس کی کتاب المدخل اور ارسطوطالیس کی چار منطقی کتب کا خلاصہ۔

(۲) فرفوریوس کی اسی کتاب المدخل اور ارسطوطالیس کی سات کتب علم منطق کے اختصار کا بھی خلاصہ۔

(۳) رسالہ فن شاعری میں۔ اس میں یونانی و عربی ہر دو زبان کی شاعری کا ملا جلا حال بیان کیا ہے۔

(۴) ارسطوطالیس کی کتاب النفس کا خلاصہ۔ اس کے دیباچہ میں بشرط زندگی ارسطو کی کتاب السماع الطبیعی و کتاب السماء والعالم کی تلخیص کرنے کا بھی وعدہ کیا ہے۔

(۵) مقالہ عالم جزئی یعنی انسان کی عالم کلی کے ساتھ مشابہت کے بیان میں۔

(۶) قیاس اور شبہ قیاس میں دو مقالے۔

(۷) مقالہ برہان کے بیان میں۔

(۸) مقالہ عالم کی ابتداء۔ طبیعت اور کمال کے ذکر میں۔

(۹) مقالہ مبادی موجودات کے ذکر میں۔

(۱۰) مقالہ ہیئت عالم کے بیان میں۔

(۱۱) یحییٰ نحوی نے ارسطو وغیرہ حکماء کے اقوال دربارہ سماء والعالم پر جو اعتراضات وارد کئے تھے ان کی تردید میں ایک کتاب۔

(۱۲) رسالہ ان اشخاص کے نام جنہوں نے تردید یحییٰ نحوی پر کچھ شکوک وارد کئے تھے۔

(۱۳) ابی الحسن علی بن عباس بن فسانجس کی تردید میں ایک کتاب۔ جس نے نجومیوں کی آراء کو توڑا تھا۔

(۱۴) ابن فسانجس نے اپنے اعتراضات کا جواب دینے والوں پر جو اعتراضات کئے تھے اس کے جوابات میں ایک اور کتاب۔

(۱۵) مقالہ فعل و فاعل کے بیان میں۔

(۱۶) مقالہ اوائل زمانہ کے حکماء کے کلام کے مطابق انسان کو موت کا شوق دلانے پر۔

(۱۷) ایک رسالہ اور بھی اسی باب میں

باعتبار اقوال متاخرین ٭

(۱۸) رسالہ اس امر کو باطل ثابت کرنے میں کہ حکمائے متکلمین جو اللہ تعالیٰ کو بغیر فاعل مانکر پھر فاعل قرار دیتے ہیں۔ وہ قول درست ہے ٭

(۱۹) مقالہ اس بیان میں کہ آسمان سے باہر نہ خلاء ہے نہ ملاء ٭

(۲۰) ابی ہاشم سادہ معتزلہ کی تردید میں ایک مقالہ ٭

(۲۱) قول فی تباین مذہبی الحیثیین والمنجمین ٭

(۲۲) ارسطو طالیس کی کتاب المسائل الطبیعیۃ کا ملخص ٭

(۲۳) رسالہ اس بیان میں کہ امور طبیعیہ کے اعتبار سے مقام اہواز بغداد سے افضل جا ہے ٭

(۲۴) مشاغب شاغبت کے معنی میں ایک رسالہ تمام جمیع اہل علم ٭

(۲۵) مقالہ اس بیان میں کہ ادراک حقائق کی بہت ایک ہی ہے ٭

(۲۶) مقالہ اس بیان میں کہ دو برہان ایک ہی چیز ہے جو مختلف علوم میں متعدد لحاظ سے مستعمل ہوتا ہے۔ اور معنی اسکے بالکل ایک ہوتے ہیں ٭

(۲۷) مقالہ الم اور لذت کی طبیعتوں کے بیان میں ٭

(۲۸) مقالہ لذات حسیہ لا حقیقیہ اور معاد لہ کے بیان میں ٭

(۲۹) مقالہ حیوان ناطق کے متفق فی الصواب اور مختلف فی المقاصد والاشرار حق ہونے کے ذکر میں ٭

(۳۰) رسالہ اس بیان میں کہ برہان خلف ایک ہی حد و سے برہان استقامت ہو جاتا ہے ٭

(۳۱) کتاب فی تشبیہ احکام النجوم بجہۃ البرہان ٭

(۳۲) رسالہ فی الاعمار والآجال الکائنیۃ ٭

(۳۳) رسالہ فی طبیعۃ العقل ٭

(۳۴) کتاب فی النقض علی من رای ان الاولیۃ مشکک فیہا ٭

(۳۵) قول فی اثبات عنصر الامتناع ٭

(۳۶) نقض جواب مسائل سئل عنہا بعض المعتزلۃ بالبصرۃ ٭

(۳۷) کتاب فی صناعۃ الکتابۃ بخطوط اوضاع الاوائل و آخرالہم ٭

(۳۸) عہد الی الکتابیہ ٭

(۳۹) مقالہ فی ان فاعل ہذا العالم انما یعلم ذاتہ من جہۃ فعلہ ٭

(۴۰) جواب قول لبعض المنطقیین فی موازنہ

غالف فیہامن الامور الطبیعیۃ ۔ (۴۱) رسالہ فی تلخیص جوہر النفس الکلیۃ ۔

(۴۲) رسالہ ارسطوطالیس کی اس رائے کی تحقیق کے باب میں کہ انسان کے بدن کی قوت مدبرہ قلب میں ہوا کرتی ہے ۔

(۴۳) رسالہ ایک ایسے مسئلہ کے جواب میں جو کہ بغداد کے منطقی ابن السمح سے دریافت کیا گیا تھا اور وہ جواب معقول نہ دے سکا ۔

(۴۴) کتاب فی تقویم الصناعۃ الطبیۃ ۔ یہ کتاب جالینوس کی تقریباً تیس طبی کتابوں کا نچوڑ ہے ۔

(۳۰) ابن ام البنین (حکیم)

اَعَرجْ کے نام سے موسوم اور شہر قرطبہ کا رہنے والا تھا۔ امیر المومنین ناصر کا درباری طبیب رہا۔ اور مصاحب بھی۔ اس کے نادر نسخے جو امراض کی ہیئتیکا ڈی کے متعلق ہیں کئی ایک سُنے گئے۔ مغرور بہت تھا اور بسا اوقات خلیفہ اس کی دماغ داری سے چڑ جاتا تھا۔ لیکن چونکہ اس کی ذہانت اور حاضر جوابی نے اس کو اپنا گرویدہ کر رکھا تھا۔ اس لئے اس کو جُدا نہ کرتا ۔

(۳۱) ابن باجہ (حکیم)

ابوبکر محمد بن یحییٰ بن الصائغ معروف بہ ابن باجہ۔ اندلس کا باشندہ۔ علوم حکمیہ میں اپنے وقت کا بے مثل امام اور علامہ تھا۔ اہل یورپ اس کو "اَوَنپیس" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حافظ قرآن شریف اور عربی زباندانی کے علوم میں خوب ماہر تھا۔ اپنے عہد کے حاذق اطبا میں شمار ہوتا ہے علم موسیقی میں کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ نَے کے بجانے میں فرد تھا۔ اس کی جائے ولادت کے بارہ میں اختلاف ہے۔ کوئی "سرقسطہ" کی پیدائش بتاتا ہے۔ اور کسی نے "قرطبہ" کو اس کا مولد قرار دیا ہے۔ ابن باجہ کا ایک زبردست شاگرد ابوالحسن بن عبدالعزیز بن امام جو "غرناطہ" کا رہنے والا اور ایک فاضل انشا پرداز اور عالم تھا در عرصہ دراز تک ابن باجہ کی صحبت سے مستفید ہوا۔

اُس نے شہر "فاس" میں وفات پائی تھی۔ یہی ابوالحسن بیان کرتا ہے کہ ابن باجہ کے
زمانہ میں تمام اندلس کے اندر صرف دو فیلسوف اور علوم طبیعیات و فلسفہ کے ماہر کامل
موجود تھے۔ ایک تو یہی ابن باجہ تھا اور دوسرا مالک بن وہیب اشبیلیہ کا رہنے والا۔
دونوں ہم عصر اور علوم فلسفیہ و طبیعیہ میں سربرآوردہ عالم تھے۔ چونکہ ہر زمانہ میں جاہل عوام
روشن دماغ فیلسوفوں کے طبعی دشمن ہوتے رہے ہیں اس لئے ابن باجہ اور مالک بن
وہیب کو بھی دشمن علم جہال کی مخالفت سے سخت ترین مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔
مالک بن وہیب تو مرد میدان نہ نکلا وہ عوام کی شورش اور بیجا مخالفت کے خوف سے
علوم حکمیہ کو چھوڑ کر دینیات کی طرف جھک پڑا اور ان میں کامل و اکمل بن گیا۔ لیکن
ابن باجہ نے جان کی پرواہ نہیں کی اور نہایت جوانمردی کے ساتھ اپنے ارادہ پر
جما رہا۔ طوفان اختلاف کے سخت ترین تھپیڑوں کو سہتا اور فلسفہ و حکمت کے غوامض
دریافت کرنے میں منہمک رہتا تھا۔

ابن باجہ کو کئی مرتبہ جان کا خطرہ ہوا۔ جاہل عوام اُس کے درپئے آزار بلکہ قتل
کر دینے پر تیار ہو گئے۔ مگر وہ بچ گیا۔ اور اپنا کام کرتا رہا۔ ابن باجہ حکمائے اسلام میں
ابونصر فارابی کے بعد سب سے بڑا فیلسوف گنا جاسکتا ہے۔ گو ممالک مشرق میں ابن سینا
اور غزالی جیسے فیلسوف گزرے ہیں اور اُن کی ذہانت و طباعی کو زمانہ نے تسلیم کیا
ہے۔ لیکن مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو شاید ابن باجہ کا رتبہ علوم حکمیہ اور فنون فلسفیہ
میں اُن سے بڑھا ہوا نکلیگا۔ اور یہ نہ بھی ہو تو بھی کم از کم ان تینوں عالی مرتبت حکماء
کو ایک درجہ میں ضرور مانا جاسکتا ہے۔ ابن باجہ بارھویں صدی عیسوی کے آغاز
میں گزرا ہے۔ اُس کی تاریخ ولادت اور وفات کا ٹھیک پتا نہیں چلتا۔ بعض مؤرخین
وفات کی تاریخ ۵۳۳ھ لکھتے ہیں اور کئی ۵۳۵ھ بہرحال اسی مدت کے مابین
اُس نے دنیا سے رحلت کی ہے۔

جس طرح مشرق یعنی ممالک شام عراق وغیرہ کے مترجمین اور علماء میں بجز ابونصر
فارابی۔ بوعلی بن سینا۔ اور امام ابو حامد محمد بن غزالی کے اور تمام علماء و حکماء فلسفہ ارسطو

وحکمائے یونان کے مغز سخن سے ناواقف رہے ویسے ہی اندلس میں بھی ابن باجہ اور مالک بن وہیب کے قبل جس قدر علماء گزرے تھے وہ فلاسفۂ قدماء کے متعلق صرف مشرقی مسلمان حکماء کی تحقیقات ہی سے باخبر ہوتے تھے۔ یا بغداد وغیرہ میں جو عربی تراجم حکمائے یونان کی کتابوں کے ہوئے تھے۔ ان کو لفظی طور پر یاد کر لیا کرتے تھے۔ مگر ابن باجہ نے ان علوم میں بال کی کھال کھینچی اور وہ باتیں پیدا کیں جو آج حکمائے یورپ کے فلسفہ کی جان اور فلسفۂ جدید کی بنیاد ہیں ؞

ابن باجہ جیسا فلسفہ، حکمت، ہندسہ، ہیئت اور نجوم وغیرہ علوم کا ماہر تھا ویسا ہی طب میں بھی وسیع معلومات رکھتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ اس نے عمر بہت قلیل پائی اور عین عالم شباب میں جبکہ اس کی عمر ۳۲ سال سے متجاوز نہ تھی شہر فاس (پایۂ تخت مراکش) میں فوت ہوگیا۔ جہاں اس کو امام ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کی موت زہر خورانی سے واقع ہوئی۔ واللہ اعلم ؞

ابن باجہ کے حکیمانہ اقوال میں سے دو قول یہ ہیں:- (۱) جس چیز کو معلوم کرنا مدت دراز کے بعد بھی نفع دے اس کا یاد رکھنا ہرگز عبث نہیں ہوتا ؞ اور (۲) اپنا عمل اچھا رکھو خدا تم کو ضرور کامیاب کریگا ؞

تصانیف:- ابن باجہ کی تصانیف حسب ذیل کتابیں ہیں:-

(۱) ارسطو کی کتاب السماع الطبیعی کی شرح ؞
(۲) ارسطو کی کتاب الآثار العلویہ کے بعض مسائل پر کچھ کلام ؞
(۳) ارسطو کی کتاب الحیوان کے آخری حصہ پر کچھ کلام ؞
(۴) ارسطو کی کتاب الکون والفساد پر بعض رائیں ؞
(۵) ارسطو کی کتاب النبات پر کچھ خیالات و اشارات
(۶) تشوق الطبیعی اور اس کی ماہیت پر رسالہ زلی ؞
(۷) رسالۃ الوداع ؞
(۸) رسالۃ الوداع کا ضمیمہ ؞
(۹) کتاب اس بیان میں کہ عقل انسان سے اتصال رکھتی ہے ؞
(۱۰) قول علی القوۃ النزوعیہ ؞
(۱۱) تدبیر المتوحد ؞

(۱۲) کتاب تجیب النفس - یہ چند حواشی اور نوٹوں کا مجموعہ ہے۔ جو ابن باجہ نے ابونصر فارابی کی کتاب الصناعۃ الذہنیہ پر لکھے تھے۔

(۱۳) چند فصلیں سیاست مدنیہ کیفیت مدن اور حال اُن کے المتوحد کے باب میں۔

(۱۴) کتاب التجربتین علی ادویہ ابن وافد ملہ

(۱۵) ہندسہ اور ہیئت پر کچھ چھوٹے چھوٹے رسالے۔

(۱۶) رسالہ جو اپنے دوست ابوجعفر یوسف بن احمد بن حسدای کو اُس کے مصر جانے کے بعد لکھا تھا۔

(۱۷) کچھ علم حکمت کی کتابوں پر حواشی جو متفرق دستیاب ہوئے۔

(۱۸) جواب اُن سوالات کا جو ابن باجہ سے ابن سید مہندس کے ہندسہ کے متعلق دریافت کئے گئے تھے۔

(۱۹) جالینوس کی کتاب الادویہ المفردہ پر کچھ اظہار رائے۔

(۲۰) ابوبکر محمد بن زکریا رازی طبیب کی کتاب الحاوی کا اختصار۔

(۲۱) انسانی غایت کے بارہ میں کلام۔

(۲۲) اُن امور کے بارہ میں کچھ اظہار رائے جن کے ذریعہ سے عقل فعال کی واقفیت ممکن ہے۔

(۲۳) کلام اسم اور مسمی کے بارہ میں۔

(۲۴) کلام برہان کے ذکر میں۔

(۲۵) کلام مشتقات کے باب میں۔

(۲۶) کلام نفس نزوعیہ (نکلنے والے نفس) کے بارہ میں کہ وہ کیا ہے۔ کیوں نکالا جاتا ہے۔ اور کس ذریعہ سے نکلتا ہے۔

(۲۷) کلام مزاج کے بارہ میں کہ وہ طبی لحاظ سے کیا ہے۔

(۳۳) ابن بختویہ (حکیم)

ابوالحسین عبداللہ بن عیسی بن بختویہ۔ طبیب اور خوش بیان مقرر تھا۔ اس کا وطن اصلی عراق کا شہر واسط ہے۔ صاحب معرفت تھا۔ فن طب میں اس کا کلام ایسا ہوتا ہے جیسا کسی قدیم زمانہ کے حکماء کی تصانیف پر پوری طرح آگاہ شخص کا کلام ہونا چاہیے۔ ابن بختویہ کی نظر سے قدیم حکماء کی تمام کتابیں گزری تھیں اور وہ اُن میں

ملہ اس کتاب کی تالیف میں ابوہارون باجہ۔ اور ابوالحسن بن سفیان دونوں شریک تھے۔

اچھی سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ ابن بختویہ کا باپ بھی طبیب تھا۔ اُس کی تصانیف یہ ہیں:۔
کتاب الزہد فی الطب۔ کتاب المقدمات۔ اس کا نام کنز الاطباء بھی ہے۔ ابن بختویہ
نے یہ کتاب اپنے بیٹے کے لئے سنہ ۴۲۰ھ میں تالیف کی تھی۔ اور کتاب الفصد الی معرفۃ الفصد

(۳۳) اِبنِ بُطلان (حکیم)

ابو الحسن کنیت۔ مختار نام۔ حسن بن عبدون بن سعدون بن بُطلان۔ سلسلۂ
نسب۔ مذہباً عیسائی۔ بغداد کا رہنے والا تھا۔ ابی الفرج عبداللہ بن الطیب کا شاگرد
رشید ہے۔ اکثر کتابیں فلسفہ حکمت۔ اور طب کی اُس سے پڑھیں۔ ابا الحسن ثابت
بن ابراہیم بن زہرون الحرانی طبیب۔ کی خدمت میں بھی زانوے شاگردی تہ کیا تھا
طب کی کتابیں اُسی سے پڑھیں اور مطب بھی اُسی کے پاس بیٹھ کر کیا۔

ابن بُطلان مصر کے مشہور طبیب علی بن رضوان کا ہمعصر تھا۔ دونوں میں
معاصرانہ چشمک۔ بنی تھی۔ ایک دوسرے کی اُنہ پر نکتہ چینی کیا کرتا۔ تحریری مناظرہ
دونوں میں جاری رہا۔ ہر دو جانب سے نہایت لطیف خطوط کا سلسلہ جاری رہتا۔ یہ مراسلات
علمی حیثیت سے قابل دید ہیں۔ سنہ ۴۳۹ھ میں ابن بُطلان بغداد سے مصر کا عازم ہوا۔
مقصد یہ تھا کہ اپنے فاضل ہمعصر علی بن رضوان سے ملاقات کرے۔ راستہ میں جب
وہ شہر حلب میں پہنچا۔ وہاں کے امیر معز الدولہ ثمال بن صالح نے اُس کی نہایت
خاطر و مدارات کی۔ ابن بُطلان کچھ زمانہ تک حلب میں مقیم رہا اور پھر وہاں سے
مصر کی طرف چلا۔

سنہ ۴۴۱ھ کے نصف زمانہ میں اُس کا داخلہ مصر کے پایۂ تخت شہر فسطاط میں ہوا۔
وہ زمانہ مصر میں مستنصر باللہ علوی کی خلافت کا تھا۔ تین سال ابن بُطلان نے فسطاط
میں قیام کیا۔ علی بن رضوان سے اور اُس سے اس زمانہ میں کئی بار علمی مناظرہ ہوا۔
جن کا حال ابن بُطلان نے ایک خاص کتاب میں قلمبند کیا ہے۔ علی بن رضوان نے
بھی ابن بُطلان کی تردید میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ ابن بُطلان کے کلام میں شیرینی

الفاظ۔ چستی بندش۔ اور زباندانی کی چاشنی بہت لطیف ہے۔ اس لئے وہ تحریر و تقریر میں اپنے مناظر پر چرب ہو جاتا ہے۔ لیکن علی ابن رضوان کی علمی قابلیت اور خوبیٔ علاج ابن بُطلان پر فائق تھی۔ علی ابن رضوان کی رنگت سیاہ اور ہیئت بدنما تھی۔ ابن بُطلان اکثر اُسے بدصورتی کا الزام دیتا ہے۔ اور اُس کا خوب خاکہ اُڑاتا ہے۔ چنانچہ ابن بُطلان نے علی ابن رضوان کا لقب "تمسَاحُ الجِنّ" (جنات کا گھڑیال) رکھ چھوڑا تھا۔

مصر سے واپس ہو کر ابن بُطلان قسطنطنیہ چلا گیا۔ اور ایک سال وہاں مقیم رہا۔ اُس کے زمانۂ قیام قسطنطنیہ میں وہاں سخت وبائی امراض پھیلے اور بہت سی مخلوق تلف ہوئی۔ وہ اپنی ایک کتاب میں لکھتا ہے "ہمارے زمانہ کی سخت ترین وَبَاء وہ تھی جو ۴۴۶ھ میں بمقام قسطنطنیہ واقع ہوئی۔ اس سال صرف موسمِ گرما میں اتنی موتیں وباء سے ہوئیں کہ قسطنطنیہ کے سارے مقبرے بھر گئے اور محض ایک کنیسہ لوقا میں چودہ ہزار مُردے دفن کئے گئے۔ پھر اسی سال موسمِ بارش کے وسط میں دریائے نیل کی طُغیانی مقررہ پیمانہ سے کم رہی اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر میں بھی سخت وباء پھیل گئی شہر فُسطاط (مصر) اور ملک شام کے رہنے والوں میں سے اکثر آدمی موت کی نذر ہو گئے۔ امراض متعدیہ کے حملوں نے ان دونو ملکوں کو ویران بنا دیا۔ اور اس وباء کا اثر ملک عراق تک پہنچا۔ ۴۴۶ھ سے ۴۵۴ھ تک امراض کی بہی زیادتی رہی۔ ورم طحال۔ سوداوی پھوڑے اور پھنسیاں۔ اور نوبتی بخار نے ایک آفت برپا کر رکھی تھی۔ یہ آفت ۴۴۶ھ میں اُس وقت شروع ہوئی جبکہ دُم دار ستارہ بُرج جوزا میں طلوع ہوا۔ بطلیموس نے لکھا ہے کہ "جب دُم دار ستارہ کا بُرج جوزا میں طلوع ہوا۔ اُس وقت اہل مصر کی خیر نہیں۔ اور جس وقت ستارۂ زحل بُرج سرطان میں آئے وہ وقت ممالک عراق۔ موصل۔ اور الجزیرہ۔ کی بربادی کا ہے" چنانچہ مذکورہ بالا زمانہ میں یہی نوبت آئی۔ کہ براعظم ایشیا کی بہترین آبادی۔ یعنی ممالک مصر۔ شام۔ عراق۔ الجزیرہ۔ دیار بکر۔ دیار ربیعہ و مُضر۔ عرب۔ عمان۔ کرمان۔ فارس اور براعظم افریقہ کا

شمالی و مغربی حصہ مختلف قسم کی آفتوں کا شکار ہوا۔ وبا۔ گرانی۔ قحط۔ تمرد سرکشی۔ لوٹ مار وغیرہ واقع ہوئیں جنہوں نے دُنیا کی صورت بدل دی اور بطلیموس کا یہ قول کرسی نشین ہوگیا کہ ”جب برج سرطان میں زحل اور مریخ کا اقتران ہو اُس وقت دُنیا کے ارکان متزلزل ہو جاتے ہیں“

ابن بطلان لکھتا ہے کہ اس وبا نے بڑا غضب یہ کیا کہ علم و کمال کی شمع گل کر دی دس پندرہ سال کے زمانہ میں جب تک اس کا دورہ دورہ رہا۔ وہ وہ صاحبانِ فضل و کمال دُنیا سے رحلت کر گئے جن میں سے ہر ایک آسمان علم کا تابندہ اختر اور بزم معلومات پر جلوہ گستر تھا۔ امام اجل مرتضیٰ شریف۔ شیخ ابی الحسن بصری۔ فقیہ ابی الحسن قدوری۔ قاضی ماوردی۔ ابن الطیب طبری۔ جیسے آفتاب علم غروب ہو گئے اور قدیم حکماء کے علوم کے ماہرین میں سے علی بن الہیثم۔ ابو حیان۔ ابو علی بن ساعد طبیب۔ اور ابن الطیب۔ وغیرہ دُنیا سے چل بسے۔ اور ان کے علاوہ میدان ادب کے شہسوار انشا پردازان نامدار ابو العلاء المعری وغیرہ بھی فوت ہو گئے۔ غرضیکہ دُنیا میں شمع علم بے نور ہو گئی اور مدتوں پھر ویسے اہل کمال پیدا نہ ہو سکے۔

ابن بطلان نے زندگی بھر تو شادی کی اور نہ خانگی زندگی کا جھگڑا پالا یہی وجہ ہے کہ اُس کے کوئی اولاد نہ تھی وہ ایک شعر میں اپنی اس حالت کا یوں اظہار کرتا ہے:۔

وَلَا اَحَدٌ اِنْ مُتُّ يَبْكِيْ لِمَيْتَتِيْ　　　سِوٰى مَجْلِسِيْ فِي الطِّبِّ وَالْكُتُبِ بَاكِيَا

اگر میں مر جاؤں تو میری میت پر کوئی رونے والا نہ ملیگا۔ مگر ہاں میرا مطب اور میری کتابیں مجھ پر نوحہ و ماتم کرینگی۔

تصانیف:۔ بیاض مطب جس کا نام کناش الادویۃ والرہبان ہے۔ کتاب خریدارئے غلاماں۔ کتاب طریق تندرستی۔ مقالہ مسہل دوا پینے کے ذکر میں۔ مقالہ جسم میں غذا کے داخلہ اور اُس کے ہضم وغیرہ کی کیفیت کے بیان میں۔ مقالہ بنام علی بن رضوان۔ مقالہ استسقاء و فالج وغیرہ امراض میں سرد دوائیں استعمال کرنے والے اطباء کے حالات مع علاجات اس میں بتفصیل ذکر کئے ہیں۔ مقالہ اُس شخص پر اعتراض

کرنے کے لئے جو مرغ کے چھوٹے چوزوں کو بڑے چوزوں کی نسبت زیادہ گرم بتاتا ہے۔ کتاب المدخل الی الطب۔ کتاب دعوۃ الاطباء۔ مقالہ اس کمسن بچہ کے علاج میں جس کے مثانہ میں پتھری ہو گئی ہو۔ اور چند دیگر مذہبی کتابیں یا مناظرہ علمی کے متعلق رسائل بھی اس کی تصنیف ہیں جن کی تفصیل کا ہم موقع نہیں دیکھتے۔

(۳۴) ابن بگلارش (حکیم)

یہودی تھا یہ علمائے اندلس کے ممتاز طبقہ میں شمار ہوتا ہے۔ طب کے علم و عمل کا ماہر۔ مفرد دواؤں کی تحقیقات کا شائق۔ اور "بنی ہود" کے خاندان حکومت کا طبیب خاص رہا۔ اس کی تصانیف میں حسب ذیل ایک کتاب ہے۔

(۱) کتاب المجدولۃ۔ مفرد ادویات کے بیان میں۔ اس میں جدولوں کے اندر مفرد ادویات کا بیان کیا ہے۔

(۳۵) ابن جزلہ (حکیم)

یحییٰ بن عیسیٰ بن علی بن جزلہ۔ خلیفہ مقتدی بامر اللہ کے عہد میں۔ اور ابی الحسن سعید بن ہبۃ اللہ کا شاگرد رشید تھا۔ فن طب کے علم و عمل میں مشہور زمانہ اور اعلیٰ درجہ کا خوشنویس تھا۔ بلکہ ایک خاص خط اس کی ایجاد ہے۔ مصنف و مؤلف بھی تھا۔ اس نے اپنی اکثر تصانیف کو خلیفہ مقتدی بامر اللہ کے نام نامی سے معنون کیا ہے۔ تصانیف کے مطالعہ سے اس کی فضیلت و علمی معلومات کا پتا لگتا ہے۔ پہلے عیسائی تھا۔ پھر مسلمان اور با استقامت مسلمان ہوا۔ اس نے تردید نصاریٰ میں ایک رسالہ بھی لکھا۔ اور اس کی دیگر تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

کتاب تقویم الابدان۔ کتاب منہاج البیان فیما یستعملہ الانسان۔ یہ دونو کتابیں اپنے ولی نعمت خلیفہ مقتدی بامر اللہ کے لئے تصنیف کیں۔ کتاب الاشارۃ فی تلخیص العبارۃ۔ اور وہ قوانین طبیہ جو حفظان صحت میں مستعمل ہوتے ہیں۔ یہ اسی کی کتاب تقویم الابدان

کا ملخص ہے۔ رسالہ طب کی تاریخ میں او ر اُس کے مواقف شروع ہونے کے بیان میں ٭

(۳۶) اِبنِ جُلجُل (حکیم)

ابُوداؤد کنیت۔ سلیمان بن حسّان نام۔ ابن جلجل کے نام سے مشہور۔ بڑا فاضل طبیب، اور معالجات کا زبردست ماہر تھا۔ فن طب پر بخوبی قادر۔ اور خلیفہ ہشام بن المؤید اُموی کے عہد میں گزرا ہے۔ یہ اس کا درباری طبیب رہا۔ ابن جلجل مفرد دواؤں کی قوتوں کا اچھا واقف کار اور ان کے تجربہ کرنے میں خوب مشتاق تھا۔ دیسقوریدس کی کتاب سے مفرد دواؤں کے ناموں کو لیکر عربی زبان میں اُن کی تفسیر کی۔ غیر معلوم ادویات کے ناموں کی تشریح و توضیح۔ اور جن دواؤں کا استعمال بوجہ لاعلمی اُس زمانہ کے اطبا میں رائج نہ تھا اُن کی تعریف کی ٭

ابن جلجل اپنی اس شرح کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ کتاب دیسقوریدس کا ترجمہ خلیفہ جعفر المتوکل عباسی کے عہد میں بغداد میں کیا گیا اس کا مترجم اصطفن بن بسیل تھا۔ وہ یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا اور حنین بن اسحٰق اغلاط ترجمہ کی اصلاح میں مصروف رہتا۔ مترجم اور مصحح کو جتنی دواؤں کے عربی نام معلوم ہوئے وہ تو انہوں نے لکھ دئے اور باقی اصل یونانی نام بجنسہ لکھے۔ خیال یہ کیا کہ بعد میں آنے والے خود ہی تحقیقات سے کام لیکر ادویات کے صحیح نام اپنی زبان میں تلاش کر لینگے۔ یا اُن کے واسطے الفاظ لغت سے اشتقاق کر کے نئے نام وضع کرینگے۔ اس ترجمہ سے اہل مشرق اتنا ہی نفع اٹھا سکے کہ جن دواؤں کے عربی و فارسی نام انہیں معلوم ہوئے اُن کو برت لیا۔ باقی بھول کی تول غیر مستعمل رہیں۔ یہی ترجمہ اندلس کے اطباء میں بھی رائج۔ ۳۳۷ھ میں قسطنطنیہ کے رومی فرمانروا ارمانیوس نے امیر الناصر محمد بن عبدالرحمن کو دوستانہ تحائف میں دیسقوریدس کی اصل کتاب یونانی زبان میں۔ اور ایک تاریخی کتاب جو لاطینی زبان میں تھی اور اس میں قدیم بادشاہان روم کے حالات درج تھے ارسال کیں۔ دیسقوریدس کی کتاب میں یہ خوبی تھی کہ تمام ادویات کی تصاویر بھی بہت عمدہ دی

ہوئی تھیں۔ اور ارمانیوس نے امیر الناصر کو لکھا کہ آپ کے یہاں غالباً رومی (یونانی) اور لاطینی زبانوں کے ماہر ہونگے جو ان کتب کا عربی میں ترجمہ کرسکینگے۔ اور آپ ان سے فائدہ اُٹھائینگے۔ لیکن اندلس میں اُس وقت کوئی یونانی زبان کا ماہر نہ تھا چنانچہ الناصر کی خواہش پر ارمانیوس نے نقولا راہب کو قسطنطنیہ سے ارسال کیا اور وہ سنہ ۳۴۰ھ میں قرطبہ آیا اس زمانہ میں قرطبہ میں ایک گروہ تحقیق کے خواہشمند اطباء کا موجود تھا۔ ان میں حسدائے بن بشروط یہودی طبیب ملک الناصر کا نہایت مقرب اور سب سے بڑھ کر کتاب دیوسقوریدس کی ادویات کی معرفت کا شائق تھا۔ اُس نے نقولا راہب سے دوستی بڑھائی۔ اور بہت سی ادویات غیر معلومہ کا نام دریافت کرکے علمی دُنیا پر احسان کیا۔ نقولا راہب پہلا شخص تھا جس نے اندلس میں تریاق فاروق کا نسخہ تیار کیا اور اُس کی مفرد دواؤں کی تشریح کی۔ اُس وقت جو اندلسی اطباء دیسقوریدس کی کتاب ادویات مفردہ کی تحقیق اور اُس کے حل کرنے میں سرگرم تھے اُن کے نام یہ ہیں ؛

محمد شجار۔ بسباسی۔ ابو عثمان حزاز ملقب بہ پا لیسہ۔ محمد بن سعید طبیب۔ عبدالرحمن بن اسحق بن الہثیم۔ ابو عبداللہ الصقلی ؛

ان میں سے آخر الذکر یعنی ابو عبداللہ الصقلی یونانی زبان کا ماہر اور دواؤں کا واقف کار تھا۔ یہ تمام آدمی ایک زمانہ میں تھے۔ اور اُنھوں نے نقولا راہب سے مل کر جدوجہد کی کہ کتاب دیوسقوریدس کے یونانی اسماء کی جگہ عربی زبان اور اندلس کے مُلکی زبان کے نام دریافت کریں۔ اور ان کی کامیابی نے خاص شہر قرطبہ میں اور اُس کے نواح میں پائی جانے والی دواؤں کا اکتشاف کرکے اُن کے صحیح نام مع تلفظ قلمبند کئے۔ اب بہت کم ادویات ایسی رہیں جن میں کچھ شک رہ گیا تھا اور ان کی تعداد دس سے زیادہ نہ تھی ؛

ابن جلجل کہتا ہے کہ مجھ کو علم طب کے ہیولی یعنی مرکب ادویات کی اصل مفرد دواؤں کی تحقیقات کا نہایت شوق تھا۔ خداوند کریم نے مجھے توفیق دی۔ اور میں

جس قدر معلومات اس بارہ میں بہم پہنچا سکا اس کو میں نے اس شرح میں قلمبند کیا تاکہ خلق خدا اس سے نفع اٹھائے اور ایک مفید چیز ضائع ہونے سے بچ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی ابدان کے لئے امراض کا خاصۂ لازمہ ہونا قرار دیا تو اپنی قدرت سے ان کی شفا کا مادّہ زمین سے اگنے والی جڑی بوٹیوں میں ودیعت رکھا۔ تاکہ اس کے بندے مجبور و ناچار نہ ہوں۔ کیونکہ چرندو پرند، درند وغیرہ ہر قسم کے حیوانات اور تمام دھاتیں جو زمین کے شکم میں پیدا کی گئی ہیں ان میں سے کوئی بے فائدہ نہیں۔ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی خاصۂ موجود ہے۔ اور یہ مرحمت بڑی ہے کہ اس نے گھاس پھوس میں شفا اور رحمت کو ودیعت کیا ہے۔

ابن جلجل کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱) کتاب تفسیر ادویات مفردہ از کتاب دیوسقوریدس۔ یہ کتاب اس نے ۳۷۲ھ میں لکھی۔

(۲) مقالہ ان ادویات کے ذکر میں جن کو دیسقوریدس نے بیان نہیں کیا تھا۔ اور وہ فن طب میں استعمال ہوتی ہیں۔ یا جیں استعمال ہوئیں۔ مقصد یہ تھا کہ کسی دوا سے اہل فن ناواقف نہ رہیں۔ ابن جلجل کہتا ہے کہ ان ادویات کا ذکر دیوسقوریدس نے یا تو اس وجہ سے نہیں کیا کہ وہ ان کو دریافت نہ کر سکا تھا۔ اور یا وہ ان کو بیفائدہ سمجھنے کی وجہ سے چھوڑ گیا کیونکہ اس کے زمانہ میں ان کا استعمال نہ تھا۔

(۳) رسالہ التبئین فیما غلط فیہ بعض المتطببین۔ بعض اطباء کی غلطیوں کا بیان۔

(۴) کتاب تذکرہ جس میں اطباء و فلاسفہ کے کچھ کچھ حالات درج کئے ہیں۔ ابن جلجل نے یہ کتاب المؤید باللہ کے عہد میں تالیف کی تھی۔

(۳۷) ابن جمیع (حکیم)

شیخ موفق شمس الریاستہ ابو العشائر ہبتہ اللہ بن زین حسن بن افرائیم بن یعقوب بن اسمٰعیل بن جمیع۔ اسرائیلی (یہودی) مصر کا مشہور طبیب اور فاضل عالم تھا۔ تمام علوم میں دستگاہ کامل رکھتا تھا۔ اور فن طب میں مجتہدانہ نظر رکھتا تھا۔ معالجات اور

تدبیر مرض میں اس کا پایہ بہت بلند تھا۔ وہ صاحب تصانیف ہے اور اس کی تصنیف کردہ کتابیں اعلےٰ درجہ کی ہیں ٭

فن طب میں ابن عین زربی کا شاگرد رشید تھا۔ مدت تک اُس کے مطب میں رہ کر کمال حاصل کیا۔ ابن جمیع کا مولد و منشاء شہر فسطاط تھا۔ ملک الناصر سلطان صلاح الدین بن ایوب کا درباری طبیب رہا۔ اور اُس کے عہد میں خوب عزت و منزلت حاصل کی۔ سلطان ممدوح کے لئے اُس نے تریاق فاروق کبیر کا نسخہ تیار کیا تھا۔ ابن جمیع کو درس دینے کا خاص شوق تھا۔ نہایت شائق طلبہ اُس کے حلقۂ درس میں جمع رہتے تھے۔ اور اُس سے فیض حاصل کرتے۔ اس کا ایک شاگرد رشید الشیخ السدید بن ابی البیان بیان کرتا ہے کہ اُس کا استاد ابن جمیع بڑا فاضل طبیب اور اس علم کے علمی و عملی میدان دونو کا مرد تھا۔ اُس کی تصانیف سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ اُس کی کتابیں بہت اعلےٰ درجہ کی ہیں۔ مصر کے اطبائے متقدمین میں علی ابن رضوان اور متاخرین میں ابن جمیع فرد یگانہ گزرے ہیں ٭

ابن جمیع کی نادر المثال تشخیص کا ایک قصہ یہ مذکور ہے کہ ایک دن وہ اپنے مطب میں بیٹھا تھا۔ سامنے سڑک پر ایک جنازہ جا رہا تھا۔ ابن جمیع نے جنازہ کو دیکھتے ہی لوگوں کو روک لیا اور کہا کہ جس کو تم مردہ سمجھ رہے ہو وہ زندہ ہے۔ لوگ سخت متحیر ہوئے۔ اور بولے۔ ہم اِس طرح کب مان سکتے ہیں۔ اپنی بات کا ثبوت دیجئے۔ ابن جمیع نے اُن کو حکم دیا کہ لاش کو گھر لے جاؤ اور کفن وغیرہ اُتار کر اُس کے معمولی لباس میں اُس کو بستر پر لٹا دو میں آتا ہوں اور علاج کرونگا۔ پھر سامان لیکر چلا۔ میت کے عزیزوں نے کہا لاؤ اس کی بات تو آزما دیکھیں اس میں کیا مضائقہ ہے۔ جب ابن جمیع میت کے گھر پہنچا۔ اُس کا کفن وغیرہ اُتروا کے اُسے حمام میں لے گیا۔ اور خوب گرم پانی سے اُس کے جسم پر تڑیڑا دلوایا۔ تھوڑی دیر میں مردہ کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور چند ادویات کے استعمال سے وہ تندرست ہو گیا ٭

ابن جمیع اس علاج سے اتنا مشہور ہوا کہ اُس کا نام مصر میں ہر شخص کی زبان پر تھا۔

کیونکہ یہ علاج کیا تھا معجزہ تھا۔ ابن جمیع سے کسی نے دریافت کیا کہ لاش کو دیکھ کر تم نے یہ کیونکر پتا چلایا کہ اس میں جان ہے۔ ابن جمیع نے کہا کہ میت کے پیر پھیلے ہوتے ہیں اور میں نے اس لاش کے پیر سکڑے ہوئے اور استادہ دیکھے۔ اس لئے مجھے خیال گزرا کہ یہ مرا نہیں ہے بلکہ زندہ ہے اور تجربہ سے میرا قیاس درست ثابت ہوا۔

ابن جمیع کی تصانیف حسب ذیل ہیں:-

(۱) کتاب الارشاد لمصالح الانفس والاجساد۔ ۴ مقالوں میں۔
(۲) کتاب التصریح بالمکنون فی تنقیح القانون۔
(۳) رسالہ اسکندریہ کی آب و ہوا کے ذکر میں۔
(۴) رسالہ ذکر امراض و علاجات میں جو طبیب نہ ملنے کے وقت کام آئے۔
(۵) مقالہ لیموں کے فوائد کے بیان میں۔
(۶) مقالہ ریوند چینی کے فوائد کے بیان میں۔
(۷) مقالہ حدبہ کے بیان میں۔
(۸) الرسالۃ السیفیۃ فی الادویۃ الملوکیۃ درد قولنج کے معالجہ میں۔

(۳۸) ابن خطیب الرّے (یعنی) امام رازی (حکیم)

امام فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمر بن حسین رازی۔ پچھلے زمانہ کے علماء میں بے مثل اور زبردست حکیم تھے۔ اُن کی علمی قابلیت کا ان کے معاصرین اور بعد میں آنے والے تمام علماء نے اعتراف کیا۔ اُن کی تصانیف دنیا میں بہت کثرت سے پھیل گئیں۔ جب اُن کی سواری نکلا کرتی تو۔ صرف تین سو جید عالم شاگرد رکاب میں ہوتے۔ سلطان خوارزم شاہ ان کا اس قدر احترام کرتا کہ خود ان کی خدمت میں حاضر ہونا اپنی سعادت سمجھتا۔ علوم عقلیہ و نقلیہ دونوں میں اعلٰے درجہ کے ماہر تھے۔ طبیعت اور ذہن خداداد پایا تھا خوش بیانی ایسی کہ سامعین کے دل تسخیر کر لیتی۔ بیان نہایت فصیح و بلیغ ہوتا۔ فن طب میں بھی کمال حاصل تھا۔ اور قوت غور اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ فوراً بات کی تہ تک پہنچ جاتے۔ زباندانی اور شاعری کا بھی اچھا مذاق اور ملکہ تھا۔ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ان کا کلام موجود ہے۔ آواز بلند اور رعب دار تھی۔ تقریر کرتے تو سننے والوں

خاص اثر پڑتا۔ دُور دُور سے لوگ اُن کا وعظ سُننے کے لئے اُن کے وطن شہر "رے" میں آتے رہتے۔ اور ہر علم وفن کے شائق اُن کی صحبت و تعلیم سے حسب مراد فائدہ اُٹھاتے ◆

نام و نسب اور ولادت :۔ محمد بن عمر نام تھا۔ ابن خطیب الرے۔ کے لقب سے بھی مشہور تھے۔ علمی دُنیا میں امام فخرالدین رازی کے نام سے نامآور ہیں۔ ۵۴۴ھ مطابق ۱۱۴۹ء میں بمقام شہر "رے" (تبریز) پیدا ہوئے۔ ان کے باپ "ضیاء الدین عمر" شہر کے مستند عالم اور خطیب تھے ◆

ابتدائی تعلیم :۔ وطن ہی میں پہلے بزرگ باپ سے ابتدائی تعلیم پائی۔ ہوش سنبھالنے پر اپنے دوسرے اُستاد مجدالدین جیلی کے ہمراہ شہر "مراغہ" کو گئے جہاں علوم فلسفہ اور حکمت کی تحصیل تمام کی۔ تھوڑے ہی زمانہ میں اُن کی خداداد ذکاوت اور علمی قابلیت کا شہرہ دُور دُور تک پھیل گیا۔ اور ابھی تعلیم کا مشغلہ جاری ہی تھا کہ تصنیف و تالیف بھی شروع کر دی۔ دینی علوم اور فلسفہ و حکمت کے فنون میں کامل و اکمل تھے۔ تحصیل علم سے سند فراغت لے چکے تو وسط ایشیا کے شہروں میں سیاحت شروع کی۔ اور جہاں پہنچے وہاں درس کی مجلس گرم کی۔ ہر طبقہ اور درجہ کے علماء اور تشنگان علوم اُن کے سرچشمۂ تحقیق سے فیض پانے کے لئے اُن کی مجلس میں حاضر ہوتے اور فائدہ اُٹھاتے ◆

امام فخرالدین اسی سیاحت کے اثنا میں شہر ہرات کو بھی گئے۔ اس شہر میں اُن کا داخلہ جس شان و شوکت سے ہوا وہ کسی بڑے سے بڑے تاجدار کو بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ خدم و حشم اور شاگردوں کا گروہ کثیر رکاب میں تھا۔ سلطان حسین غوریؒ ہرات کا حکمران اُن کے استقبال کے لئے شہر سے باہر تک آیا۔ بڑی عزت و حرمت سے امام کو لیجا کر اپنا مہمان بنایا۔ ہرات کی عظیم الشان جامع مسجد میں امام علامہ کے وعظ کا سامان کیا گیا۔ شاندار منبر نصب ہوا۔ اُس پر امام جلوہ افروز ہوئے اور وعظ شروع کیا۔ حاضرین دُور دُور سے نہایت شوق سے تشریف لائے تھے۔ تمام مسجد بھر گئی۔ کہیں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ خود سلطان حسین بھی آیا اور سلام کے بعد

امام کے اشارہ سے اُن کے پاس ہی منبر کے بائیں میں بیٹھ گیا۔ سلطان شہاب الدین غوری حکمران فیروزکوہ کا بھانجا سلطان محمود بھی اس مجلس میں حاضر ہوا۔ وہ بھی سلام کے بعد امام کی اجازت سے اُن کے دوسرے پہلو میں آ بیٹھا۔ امام نے فضائل و رذائل نفس پر اس فصاحت و بلاغت سے تقریر کی کہ تمام حاضرین نقش بدیوار بن کر رہ گئے۔ مجلس پر ایسا سناٹا چھایا تھا کہ کہیں سے کسی قسم کی صدا تک نہیں اٹھتی تھی۔ ترک غلام زریں لباس پہنے اور تلواریں ٹیکے ہوئے بیٹھے تھے۔

عین اُس حالت میں کہ امام زور کے ساتھ تقریر فرما رہے تھے ایک کبوتر بہری کے پنجہ سے بھاگتا ہوا مسجد میں آیا اور جب اس کو موذی دشمن سے بچنے کا کوئی موقع نہ ملا تو امام کے قدموں پر آ گرا۔ شرف الدین بن عنین شاعر نے جو مجلس وعظ میں حاضر تھا اس واقع کو دو شعروں میں نظم کر کے پڑھا۔ امام اُس سے بیحد مسرور ہوئے۔ شاعر کو بلا کر اپنے پاس جگہ دی۔ اور ختم مجلس درس کے بعد گھر پہنچ کر ایک پورا خلعت مع زر نقد کے شاعر کو بطور انعام کے ارسال کیا اور ہمیشہ اس کے ساتھ سلوک فرماتے رہے۔

امام فخرالدین کا ایک بڑا بھائی کچھ سودائی مزاج تھا۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی کی شہرت و ناموری سے خار کھاتا اور لوگوں میں اُن کی برائیاں بیان کرتا رہتا۔ کبھی جنون کا زور زیادہ ہوتا تو یہ بھی کہہ گزرتا کہ "فخرالدین مجھ سے چھوٹا اور میں اُس سے بڑا ہوں۔ بجائے اس کے کہ لوگ اور وہ میری عزت و تکریم کریں۔ معلوم نہیں کیوں اُس کو اس قدر محترم رکھتے ہیں اور میری بات بھی نہیں پوچھتے" امام فخرالدین نے بہت کوشش کی کہ اُن کا بھائی ایسی خفیف حرکتوں سے باز آ جائے لیکن اُس خبطی پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ جس قدر امام اُس سے سلوک کرتے۔ اتنا ہی اُس کا حسد بڑھتا جاتا اور وہ نازیبا حرکتوں میں ترقی کرتا۔ آخرکار امام نے سلطان خوارزم شاہ سے کہہ کر اپنے حاسد اور دیوانہ بھائی کو ایک قلعہ میں نظر بند کرا دیا اور اُس کے لئے ایک ہزار دینار سالانہ رقم مقرر کر دی۔ چنانچہ وہ اُسی قلعہ میں زندگی کے دن بسر کر کے وہیں فوت ہو گیا۔

امام فخر الدین کی مجلس درس نہایت شاندار اور وسیع تھی۔ شاگردوں کی نشست اس ترتیب سے ہوا کرتی کہ بڑے بڑے نامی گرامی طلبہ مثلاً زین الدین کشی (کچھی)۔ قطب الدین مصری۔ اور شہاب الدین نیشاپوری وغیرہ امام کے نزدیک ہوتے۔ اور پھر درجہ بدرجہ ان سے کم رتبہ کے طلبا۔ ہر ایک علمی بحث اور سوال کا جواب پہلے یہی نامور طلبہ دیا کرتے۔ اور جس مسئلہ کا جواب ان سے نہ بن آتا اس پر امام فخر الدین تقریر فرما کر حاضرین کو اپنی خوبیٔ تقریر سے حیرت زدہ اور نقش بدیوار بنا دیا کرتے۔

امام فخر الدین کا حلیہ:- یہ تھا۔ متوسط بدن۔ نہ بہت موٹے اور نہ دبلے قاق۔ سینہ کشادہ۔ سر بہت بڑا۔ ڈاڑھی گھنی اور خوبصورت بڑھاپے تک بال بہت کم سفید ہوئے تھے۔

موت کو اکثر یاد کیا کرتے اور کہتے "جہاں تک انسانی طاقت کی حد ہے میں نے کوئی علم ایسا نہیں چھوڑا جس پر عبور نہ حاصل کیا ہو۔ بس اب صرف دیدار الٰہی کی آرزو باقی ہے اور اسی کا حق الیقین چاہتا ہوں"

امام کا قیام زیادہ تر اپنے اصلی وطن شہر رَے میں رہا کرتا تھا۔ جب وہ دربار خوارزم شاہی میں پہنچے۔ اور شہر خوارزم میں داخل ہوئے۔ تو وہاں ان کی صحت خراب ہو گئی اور علالت نے طبیعت کو مغلوب کر لیا۔ اگرچہ یہ مرض ابتدا میں سخت نہ تھا لیکن آخر کار یہی مرض الموت ثابت ہوا۔ امام نے غلطی یہ کی کہ بیماری کی حالت میں بھی سفر جاری رکھا۔ اور سفر ہی کے دوران میں شہر ہرات کے نزدیک بمقام "عقابیلہ" وفات پائی۔ مرض کو بڑھتے دیکھ کر ۲۱۔ محرم ۶۰۶ھ کو اپنے ایک شاگرد ابراہیم بن ابی بکر بن علی "اصفہانی" سے وصیت نامہ لکھوایا۔ خود املا کرتے جاتے تھے اور شاگرد لکھ رہا تھا۔ اس میں اپنے عقاید کی تشریح اور تصانیف کا حال بیان کرنے کے بعد آخر میں ہدایت کی تھی کہ "ان کی موت لوگوں پر ظاہر نہ کی جائے اور قواعد شرع کے مطابق غسل و کفن دیکر اُس پہاڑ کے دامن میں دفن کر دیا جائے جو "مزدوان خان" نامی قریہ کے نزدیک واقع ہے۔ لاش کو قبر میں اتار کر جس قدر ہو سکے قرآن کریم کی

ایسی آیتیں تلاوت کی جائیں جن میں خدا تعالےٰ کی عظمت اور قدرت کا بیان ہے۔ اور پھر یہ کہکر کہ " اے رب کریم یہ فقیر محتاج تیرے حضور میں آیا ہے۔ اس پر رحم فرما۔" مٹی ڈالدیں۔

مرض روز بروز ترقی کرتا گیا۔ صحت کی بحالی نہ ہو سکی۔ اور تحریر وصیت کے ۱۱ مہینہ بعد یعنی یکم شوال ۶۰۶ھ کو رحمت حق کے جوار میں پناہ لی اور دنیائے فانی سے کوچ کر کے منزل باقی کی راہ لی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

امام فخرالدین کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام ضیاالدین تھا اور وہ بھی اچھا عالم تھا۔ اور چھوٹا لڑکا شمس الدین بلا کا ذہین و طباع تھا۔ اس کی نسبت امام فخرالدین اکثر کہا کرتے کہ۔ اگر میرا یہ بیٹا زندہ رہا تو علم و کمال میں میری یادگار بلکہ مجھ سے بھی بڑھ کر ہوگا۔ اس لڑکے میں بچپن ہی سے لیاقت اور جوہر قابل ہونے کے آثار نظر آتے تھے۔

امام فخرالدین کی وفات کے بعد ان کی اولاد شہر ہرات میں مقیم رہی۔ ان کا چھوٹا بیٹا شمس الدین باپ کی مسند درس پر بیٹھا اور انہی کا لقب اختیار کیا۔ امام فخرالدین کی ایک لڑکی بھی تھی۔ یہ لڑکی خوارزم شاہ کے فاضل وزیر علاء الملک علوی سے بیاہی گئی۔

چنگیز خاں تاتاری فاتح نے وسط ایشیا کی اسلامی حکومتوں کو پامال کرتے ہوئے خوارزم شاہ کا بھی نام و نشان مٹا دیا۔ عظیم معرکہ کے بعد خوارزم شاہ کی فوج مغلوب ہوئی اور خوارزم شاہ کا کہیں پتہ بھی نہ ملا کہ وہ کیا ہوا۔ بادشاہ کے نہ رہنے سے ملک و سلطنت پر فاتح کا بآسانی قبضہ ہو گیا۔ وزیر علاء الملک نے بھی فاتح چنگیز خاں کی اطاعت اختیار کر لی۔ جس کی چنگیزی دربار نے اچھی قدر و منزلت کی اور چنگیز نے اس کو اپنے مصاحبین کے زمرہ میں داخل کر لیا۔ خوارزم شاہ کی سلطنت کا خاتمہ کرکے تاتاری حملہ آور۔ ایران و فارس کے شہروں پر جھک پڑے۔ قتل عام اور لوٹ کھسوٹ شروع کر دی۔ ایک تاتاری لشکر شہر ہرات کی طرف بھی چلا۔ علاء الملک

یہ خبر سُن کر گھبرایا اور بدحواس چنگیز خاں کے حضور میں جا کر امام فخرالدین رازیؒ کی اولاد کے لئے جان و مال کی امان کا طالب ہوا۔ چنگیز نے اُس کی درخواست منظور کر کے اپنے سپہ سالار کو حکم دیا کہ شیخ فخرالدین کی اولاد کو کچھ ضرر نہ پہنچایا جائے بلکہ اُنہیں عزت و احترام کے ساتھ دربار میں حاضر کیا جائے ۔

فاتح تاتاری شہر ہرات پر ایک ہی حملہ میں قابض اور بزور شمشیر شہر میں داخل ہو گئے۔ اُنھوں نے اعلان کر دیا تھا کہ شیخ فخرالدین کی اولاد کو امان دی گئی ہے۔ امام کا مکان سکونت پہلے شاہی محلسرا تھا اور خوارزم شاہ نے وہ محل خاص طور پر امام کی نذر کر دیا تھا۔ شہر کے لوگوں کو یہ خبر معلوم ہوئی تو علاوہ امام کے متعلقین و متوسلین کے بڑے بڑے علماء امرا۔ ارکان سلطنت۔ اور بہت سے عام و خاص بھی جان کی ڈر سے اُس مکان میں پناہ لینے کو جا پہنچے۔ حتّٰی کہ وہ تمام وسیع مکان آدمیوں سے بھر گیا۔ خونخوار تاتاری سپاہی قتل و غارت کرتے ہوئے وہاں پہنچے اور خلق کا ہجوم دیکھ کر امام کی اولاد کو اُن میں ممتاز نہ کر سکے تو اُنہوں نے کہا "ہم امام کے صاحبزادوں کی زیارت کرنا چاہتے ہیں" امام کے دو بیٹے اور ایک بیٹی اُن کے سامنے آئی۔ تاتاریوں نے ان تینوں کو اپنی حراست میں لیکر باقی آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ اور امام کی اولاد آرام کے ساتھ شہر سمرقند کو بھیج دی گئی جہاں اُس وقت چنگیز خاں کا قیام تھا۔ علاءُ الملک اُن سے مل کر خوشنود ہو گیا ۔

تصانیف :۔ امام فخرالدین رازی کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔

(۱) مفاتیح الغیب معروف بہ تفسیر کبیر۔ ۱۲ ضخیم جلدوں میں ۔

(۲) تفسیر سورۃ الفاتحہ ایک علیحدہ جلد میں ۔

(۳) تفسیر سورۃ البقرہ ایک جلد۔ اس میں عقلی دلائل کے سوا نقلی دلیلوں سے کچھ بھی مدد نہیں لی ہے ۔

(۴) امام غزالی کی کتاب وجیز پر ایک نا تمام شرح۔ اس کی تین جلدیں ہیں اور اُن میں صرف عبادات و نکاح ہی کا بیان تمام ہوا ہے ۔

(۵) الطریقۃ العلائیہ ۴ جلدوں میں ۔

(۶) لوامع البینات فی شرح اسماء اللہ والصفات ۔

(۷) المحصول۔ در علم اصول فقہ ◆

(۸) ابطال القیاس ◆

(۹) المفصل مصنفہ علامہ زمخشری کی ناتمام شرح۔ یہ کتاب علم نحو میں ہے ◆

(۱۰) کتاب سقط الزند کی ناتمام شرح ◆

(۱۱) نہج البلاغت کی ناتمام شرح ◆

(۱۲) فضائل الصحابۃ ◆

(۱۳) مناقب الشافعیؒ ◆

(۱۴) نہایۃ العقول فی درایۃ الاصول ۲ جلدوں میں ◆

(۱۵) المحصّل ◆

(۱۶) المطالب العالیہ تین جلدوں میں۔ مگر یہ کتاب ناتمام رہی۔ اور یہ امام کی آخری تصنیف تھی ◆

(۱۷) الاربعین فی اصول الدین ◆

(۱۸) المعالم۔ یہ چھوٹی تصانیف میں سب سے آخری تصنیف ہے ◆

(۱۹) تاسیس التقدیس۔ یہ کتاب سلطان ملک العادل ابی بکر بن ایوب کے لئے لکھی تھی۔ جس کے صلہ میں سلطان مذکور نے امام کو ایک ہزار اشرفیاں نذر کیں ◆

(۲۰) القضاء والقدر ◆

(۲۱) رسالۃ الحدوث ◆

(۲۲) تعجیز الفلاسفہ۔ یہ فارسی زبان میں ہے ◆

(۲۳) البراہین البہائیۃ۔ یہ بھی فارسی زبان میں ہے ◆

(۲۴) لطائف الغیاثیۃ ◆

(۲۵) شفاء العیی والخلاف ◆

(۲۶) الخلق والبعث ◆

(۲۷) الخمسین فی اصول الدین ◆

(۲۸) عمدۃ النظار وزینۃ الافکار ◆

(۲۹) الاخلاق ◆

(۳۰) رسالۃ صاحبیہ ◆

(۳۱) رسالۃ مجدیۃ ◆

(۳۲) عصمۃ الانبیاء ◆

(۳۳) الملخص ◆

(۳۴) المباحث المشرقیۃ ◆

(۳۵) الانارات فی شرح الاشارات ◆

(۳۶) لباب الاشارات ◆

(۳۷) کتاب عیون الحکمت کی شرح ◆

(۳۸) رسالۃ کمالیۃ در حقائق الٰہیہ بزبان فارسی یہ کتاب کمال الدین محمد بن میکائیل کے واسطے تالیف کی تھی۔ اور اُس کا عربی ترجمہ امام تاج الدین محمد ارموی نے ۶۲۵ھ میں بمقام دمشق کیا ◆

(۳۹) رسالۃ الجوہر الفرد ◆

(۴۰) الرعایۃ ۰
(۴۱) کتاب الرمل ۰
(۴۲) مصادرات اقلیدس ۰
(۴۳) ایک کتاب علم ہندسہ میں ۰
(۴۴) نفثۃ المصدور ۰
(۴۵) کتاب مذمتِ دُنیا کے بیان میں ۰
(۴۶) الاختیارات العلائیۃ ۰
(۴۷) الاختیارات السماویۃ ۰
(۴۸) احکام الاحکام ۰
(۴۹) الموسوم فی السر المکتوم ۰
(۵۰) الریاض المونقۃ ۰
(۵۱) رسالہ در بیان نفس ۰
(۵۲) رسالہ در بیان نبوّت ۰
(۵۳) منتخب کتاب الملل والنحل ۰
(۵۴) دنکلوشنا ۰
(۵۵) مباحث الوجود ۰
(۵۶) نہایت الایجاز فی دلائل الاعجاز ۰
(۵۷) مباحث الجدل ۰
(۵۸) مباحث الحدود ۰
(۵۹) آیات بنیات ۰
(۶۰) قرآن کریم کی بعض سورتوں کے اسرار پر ایک رسالہ
(۶۱) کتاب الجامع الکبیر یہ ناتمام رہی اور طب کبیر کے نام سے بھی مشہور ہے ۰
(۶۲) کتاب در بیان نبض ۰
(۶۳) شرح کلیاتِ قانون۔ ناتمام ۰
(۶۴) کتاب ثقۃ الدین۔ حکیم عبدالرحمٰن بن عبدالکریم السرخسی کیلئے لکھی تھی
(۶۵) کتاب التشریح۔ اس میں فقط سر سے حلق تک کی تشریح لکھ پائی تھی اور ناتمام رہ گئی ۰
(۶۶) کتاب الاشربہ۔ مسائل طب میں ۰
(۶۷) کتاب التربیہ ۰ اور (۶۸) کتاب الفراسۃ ۰

(۳۹) اِبنِ خَلّدُونَ (حکیم)

ابو مُسلم عمر بن احمد بن خَلّدُون الحضرمی۔ اندلس کے شہر اشبیلیہ کا سیّد خاندانی اور معزز شخص تھا۔ ابی القاسم مسلمۃ بن احمدؒ کے تلامذہ میں اس کا مرتبہ بہت بڑھا ہوا تھا۔ تمام علوم اور فلسفہ کا زبردست عالم۔ علم نجوم و ہندسہ کا ماہر کامل اور طب میں امام زمانہ تھا۔ حُسن اخلاق اور تہذیب نفس میں اُس کا مرتبہ قدیم حکماء اور فیلسوفوں کا ہم پایہ مانا گیا ہے۔ اس کی تصانیف میں سے اس کی

تاریخ اور اُس کا مقدمہ مشہور کتاب ہے۔ جس کی صحت روایت اور بے لاگ رائے نے فلسفۂ تاریخیہ اور فنِ درایت کی بنیاد رکھی۔ ابن خلدون کی تاریخ کو تمام مورخین عرب کی کتابوں پر جو امتیاز حاصل ہے وہ صرف اسی لحاظ سے کہ اس فیلسوف نے اصول درایت کو مدنظر رکھا ہے۔ اور واقعات کے کھرے کھوٹے کو الگ بتایا ہے۔

ابن خلدون نے ۸۰۹ھ میں بمقام اشبیلیہ وفات پائی۔ اُس کے مشہور شاگردوں میں ابوجعفر احمد بن عبداللہ معروف بہ ابن الصفار طبیب تھا۔

(۴۰) ابن دینار (حکیم)

میا فارقین کا رہنے والا۔ امیر نصیر الدولہ بن مروان کے عہد میں ایک فاضل طبیب تھا۔ علاج کرنے میں اس کی مہارت قابل تعریف تھی۔ دواؤں کی ترتیب اور نسخہ نویسی میں فرد تھا۔ اس کی مرتبہ دواؤں میں سے "شربت دینا" ایک مشہور مرکب ہے۔ اور بالعموم تمام اطبا اس کو استعمال کرتے ہیں۔ اس کی تصنیف ایک قرابادین ہے اور وہ اپنی ترتیب ابواب و انتخاب ادویات نفیسہ میں بے مثل گنی جاتی ہے۔

(۴۱) ابن ربن الطبری (حکیم)

ابوالحسن علی بن سہل بن ربن الطبری۔ اور ایک قول کے مطابق ابن زبل حرف لام کے ساتھ بھی آیا ہے۔ مگر اول صحیح ہے۔ پہلے ایک عالم طبیب مازیار بن قارن کے پاس کتابت کیا کرتا تھا۔ لیکن جب اُس نے علاج و طبابت میں شہرت پاکر خلیفہ معتصم باللہ عباسی کے حضور میں بار پایا اور اس کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہُوا تو دربار میں اس کی عزت بہت بڑھ گئی۔

ابن ربن کی ولادت اُس کے اصلی وطن طبرستان ہی میں ہوئی تھی۔ اُس نے وہیں پرورش اور ابتدائی تعلیم و تربیت پائی۔ علم طب تو اُس کے گھر کا علم تھا۔ وہ اپنے باپ دادا سے اس فن کو حاصل کرتا رہا اور اس میں خوب کامل ہوگیا

جالینوس اسلام ابو بکر محمد بن زکریا رازی طبیب کا فن طب میں بھی اُستاد تھا۔
ابن ربن کا قول ہے" جاہل طبیب موت کا ذریعہ ہے"
اس کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔
کتاب فردوس الحکمۃ۔ اس کی سات قسمیں اور تیس مقالے ہیں۔ پھر سب مقالوں کے مجموعی طور پر ۳۶۰ باب ہیں۔ کتاب ارفاق الحیاۃ۔ کتاب تحفۃ الملوک۔ کتاب کناش الحضرۃ۔ کتاب منافع الاطعمۃ والاشربۃ والعقاقیر۔ کتاب حفظ الصحۃ۔ کتاب تعویذات کے بیان میں۔ کتاب پچھنوں کے بیان میں۔ کتاب ترتیب الاغذیۃ۔[1]

(۴۲) ابنِ سُدیر (حکیم)

ابو الحسن علی بن محمد بن عبداللہ۔ مدائن (عراق عجم) کا باشندہ اور "ابن سدیر" کے لقب سے معروف تھا۔ سدیر اُس کے باپ کا نام ہے بلکہ لقب۔ طب میں اچھا عالم اور معالجہ کا مشاق تھا۔ شاعر بھی تھا۔ ماہ رمضان ۶۰۱ھ کے اخیر عشرہ میں مرگ ناگہانی کا شکار ہوا۔ اُس نے مدائن ہی میں وفات پائی تھی۔

(۴۳) ابنِ سَمجُون (حکیم)

ابو بکر حامد بن سمجون۔ فن طب کا فاضل۔ مفرد ادویات کی قوتوں کی معلومات میں سربرآوردہ اور اُن کے افعال کا ماہر۔ اس کی کتاب مفرد ادویات کے بیان میں اچھی مشہور ہے۔ اُس کی تالیف میں اس نے بڑی محنت اُٹھائی تھی۔ یہ کتاب اُس نے منصور الحاجب محمد بن ابی عامر کے عہد میں تالیف کی تھی۔ محمد بن ابی عامر ۳۹۲ھ میں فوت ہوا ہے۔ ابن سمجون کی تصنیف میں دو کتابیں پائی جاتی ہیں۔
(۱) کتاب الادویہ المفردہ۔ اور (۲) کتاب قرابادین۔

---

[1] ابن رفیقہ۔ دیکھو سدید الدین محمود۔
ابن ساعاتی۔ دیکھو فخر الدین۔

(۴۴) ابنِ شَہدی کَرخی (حکیم)

یہ ترجمہ کرنے میں باپ کی مانند تھا۔ اور گو آخر عمر میں باپ سے بڑھ گیا۔ لیکن پھر بھی اوسط درجہ ہی کا مترجم رہا۔ یہ سُریانی سے عربی زبان میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ بقراط کی "کتاب الأجنّة" (جنین یعنی ماں کے پیٹ میں ہونے والے بچوں کے ذکر میں) کا یہی مترجم ہے۔

(۴۵) ابنِ صُفیّہ (حکیم)

اَبُو غالب بن صُفیّہ۔ مذہبًا عیسائی اور لائق طبیب و مُعالج تھا۔ خلیفہ مُستنجد باللہ کے دربار میں باریاب ہوا۔ اور شاہی طبیب رہا۔ خلیفہ مذکور نہایت تند مزاج۔ بیدار مغز اور سخت خونخوار تھا۔ ابو المظفر یحییٰ بن ہُبیرہ اُس کا پہلا وزیر تھا اُس کو برطرف کر کے مُستنجد باللہ نے شرف الدین ابن البلدی کو اپنا وزیر بنایا۔ یہ وزیر خلیفہ کا بالکل ہم مشرب تھا۔ خیر سے دونوں کی ایک روش تھی۔ درباری اُمراء اُن سے دبتے رہتے۔ مگر ایک امیر کبیر قطب الدین قائماز بڑا صاحب شوکت تھا۔ وہ ارمنی الاصل ہونے کے باوجود اس قدر رسوخ و اقتدار پکڑ گیا تھا کہ تمام ملک میں کوئی اس کی ہمسری نہ کر سکتا تھا اُس نے بڑے بڑے امراء سے رشتہ قائم کر لیا تھا۔ اپنی لڑکیاں اُن کو منسوب کر دی تھیں اور خود اُن کے گھرانوں سے تعلق پیدا کر لیا تھا۔ وزیر ابن البلدی خلیفہ کے کان قطب الدین کی طرف سے بھرتا اور اُس کو ہلاک کرنے کے درپے رہتا۔ طبیب ابن صُفیّہ اس بات سے آگاہ ہو گیا۔ اُس نے قطب الدین کو متنبہ کر دیا۔ اور قطب الدین خلیفہ کو قتل کرنے کی فکر میں مصروف ہوا۔ آخر ابن صُفیّہ کی سازش سے خلیفہ کو گرم حمام میں زبردستی بند کر کے مار ڈالا اور بناوٹی طور پر اُس کا بہت کچھ ماتم کر کے اُس کے بیٹے کو مستضئ باللہ کے لقب سے تخت پر بٹھایا۔ مستضئ باللہ کے دل میں تمام امیروں کی طرف سے کینہ بھرا تھا۔ وہ اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینا ضروری خیال کرتا تھا

جب تک حکومت کی باگ قابو میں نہ آئی چپ رہا۔ لیکن جب تمام اختیارات ہاتھ میں آ گئے اُس وقت اپنا ارادہ پورا کرنا چاہا۔ وزیر ابن البلدی اور خلیفہ سے اس بارہ میں جو مشورہ ہوتا کہ قطب الدین اور دیگر منحرام امیروں کو سزا دی جائے۔ وہ ابن صُفیہ کو درباری طبیب ہونے کی وجہ سے معلوم ہو جاتا۔ یہ قطب الدین کو ہوشیار کر دیتا۔ اور خلیفہ اور اُس کے وزیر کی تدبیریں بگڑ جاتیں۔ آخر خلیفہ پر طبیب کی غمازی کا حال کھل گیا۔ اُس نے ایک دن ابن صُفیہ سے کہا۔ جبکہ اُس کو خاص طور سے خلوت میں بلایا تھا۔ "ابن صُفیہ! میں ایک شخص کو کسی طرح نہیں دیکھ سکتا اور اُسے اپنے دربار سے دور کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس ترکیب سے کہ بدنامی اور بدمعاملگی کا ثبوت بھی نہ ہو اور وہ یہاں سے دفعۃً بھی ہو جائے۔" طبیب نے خوش ہو کر کہا "امیر المومنین! یہ کیا بات ہے۔ ایک مزہ دار شربت بنائے دیتا ہوں بس حلق کے نیچے اُترتے ہی دشمن کو عدم آباد پہنچا دیگا۔" خلیفہ نے انعام و خلعت دیکر دوا بنانے کا حکم دیا اور ابن صُفیہ نہایت خوشی کے ساتھ گھر سے وہ دوا رات ہی کو بنا کر فوراً خلیفہ کے پاس لے گیا۔ خلیفہ نے دوا دیکھ کر ابن صُفیہ سے کہا "حکیم صاحب! آپ اس دوا کو پی کر بھی دکھائیں تاکہ ہمیں تجربہ ہو جائے۔"

ابن صُفیہ۔ (کانپ کر) "توبہ! توبہ!! امیر المومنین کو اس زہر کا تجربہ بھی پرکرنا ہے"

خلیفہ "حکیم صاحب! اس میں کوئی ہرج نہیں۔ بات یہ ہے کہ جب درباری طبیب اپنی حد سے آگے بڑھ جائے تو اُس کا یہی علاج ہو سکتا ہے۔ تم شربت نہ پیوگے تو شربت تیغ موجود ہے وہ پینا پڑیگا۔"

مجبوراً ابن صُفیہ نے زہر کا پیالہ پی لیا۔ اور جو کنواں اُس نے دوسرے کے واسطے کھودا تھا خود ہی اُس میں گرایا گیا۔ وہ شبستان خلافت سے بھاگتا ہوا باہر نکلا۔ فوراً ایک رقعہ قطب الدین کو لکھا کہ "مجھ پر تو یہ شامت آئی ہے۔ اب تمہاری باری آئیگی۔" پھر وہ گھر پہنچتے ہی مر گیا۔

قطب الدین خلیفہ کو قتل کرنے کی فکر میں مبتلا ہوا لیکن اُس کی شرارت سے

خدا نے خلیفہ کو بچایا۔ پھر ایسا انقلاب ہوا کہ سپاہ نے قطب الدین کا گھر لوٹ لیا۔ وہ بھاگ کر ملک الناصر صلاح الدین حکمران شام کے پاس گیا۔ مگر وہاں بھی اُس کو پناہ نہ ملی۔ آخر صحرا کی خاک چھانتا شہر موصل کو چلا گیا۔ راستہ ہی میں سخت بیمار ہوا۔ اور موصل پہنچ کر مر گیا۔

(۴۶) اِبنِ صہار بخت (حکیم)

اس کا نام "عیسیٰ" تھا۔ یہ شہر "جُندی سابور" کا باشندہ تھا۔ اس کی تصنیف صرف ایک کتاب ہے۔ جس کا نام "کتاب قوی الادویۃ المفردہ" یعنی مفردہ دواؤں کی قوتیں ہے۔

(۴۷) اِبنِ قاضی بعلبک (حکیم)

بدر الدین بعلبک کے قاضی کا بیٹا۔ امام یگانہ عالم یکتائے زمانہ اور کامل اکمل تھا۔ بدر الدین بن قاضی بعلبک کے باپ کا نام مجد الدین عبد الرحمٰن بن ابراہیم تھا اور وہ شہر بعلبک میں قاضی تھا۔ بدر الدین نے شہر دمشق میں نشو ونما پائی۔ اور وہیں ابتدائی تعلیم پانے کے بعد علوم و فنون کی تحصیل پر مائل ہوا۔ طبیعت فطرۃً علم کے مناسب واقع ہوئی تھی۔ ذہن خداداد اور طبع رسا کی مدد سے بہت جلد ادراک علوم میں ترقی کی۔ فن طب حکیم شیخ مہذب الدین عبد الرحیم بن علی سے حاصل کیا۔ فاضل اُستاد بدر الدین کی نکتہ رسی اور جوہر قابل ہونے کو دیکھ کر دل سے اُس کی تعلیم و تربیت میں سعی کرتا تھا۔ حکیم مہذب الدین نے ایک مقالہ استفراغ کے بیان میں نہایت عمدہ لکھا تھا اُس کے تمام شاگردوں نے خود اُستاد اور مصنف سے اس کو سبق سبق کر کے پڑھا مگر بدر الدین نے بغیر مدد اُستاد کے آپ مطالعہ کر کے تمام مقالہ کا مطلب سمجھا اور حل کر لیا۔ پھر اُسے زبانی یاد کر کے اُستاد کو سُنا دیا۔ حکیم مہذب الدین اس بات کو دیکھ کر کمال متحیر اور بدر الدین پر تہ دل سے متوجہ ہو گیا۔ اور اس کو علم طب کی باریکیاں بکوشش تمام بتایا کرتا۔ حکیم مہذب الدین کی شفقت سے بدر الدین کو یوماً فیوماً علم طب

کے فروع و اصول پر بخوبی حاوی ہوتے جانے کا موقع ملا۔ اور وہ بھی شفیق اُستاد کے پیچھے ہی پڑ گیا۔ حتیٰ کہ جس وقت حکیم مہذب الدین ملک الاشرف موسیٰ بن ملک العادل کے ہمراہ مشرق قریبہ کو گیا تو بدرالدین وہاں بھی اُس کے ساتھ تھا اور مطب میں شریک ہوتا تھا۔

درس اور مطب سے فارغ ہو کر بدرالدین نے مقام "رقہ" میں شفاخانہ کی خدمت اختیار کر لی۔ وہ یہاں کئی سال رہا۔ اس عرصہ میں ایک کتاب رقہ کی آب و ہوا کے ذکر میں نہایت قابل قدر لکھی۔ اور اسی مقام میں شیخ زین الدین الاعلےٰ سے علوم حکمیہ کی تحصیل کی۔ رقہ کی ملازمت سے آسودہ ہو کر بدرالدین نے وہ جگہ چھوڑ دی اور دمشق میں آ گیا۔ اور یہاں ملک الجواد مظفر الدین یونس بن شمس الدین ممدود بن ملک العادل کے دربار میں ملازمت کر لی۔ یہ واقعہ ۶۳۶ھ کا ہے۔ سلطان مذکور کے دربار میں حکیم بدرالدین کو خوب رسوخ اور فروغ حاصل ہوا۔ بیش قرار وظیفہ کے علاوہ خلعت و انعام سے اُس کو بہت کچھ آمدنی ہوتی رہتی تھی۔ سلطان کو اُس کے طبی مشوروں پر اعتماد تھا۔ اور اُس نے بدرالدین کو رئیس الاطباء بنا دیا تھا۔

بدرالدین کو ۶۳۶ھ کے ماہ صفر میں فرمان افسر الاطبائی حاصل ہوا اور وہ اب علم طب کو رونق تازہ دینے پر آمادہ ہوا۔ بدرالدین بڑا مخیر اور رفاہ خلق کے کاموں کا شائق تھا۔ اُس نے بڑی کوشش سے دمشق کے شفاخانۂ اعظم تعمیر کردہ ملک العادل نورالدین محمود بن زنگی کے گرد و پیش بہت سے مکانات قیمتاً اپنے پاس سے خرید کے اور پھر انہیں شفاخانہ پر وقف کر دیا۔ چند مکانوں کو مریضوں کی رہائش کے کمروں کے لئے خاص کر دیا یعنی انہیں منہدم کرا کے اُن کی جگہ بیماروں کے کمروں کا اضافہ اور اُن کی توسیع عمل میں لایا۔ پھر شفاخانہ کی تمام عمارتوں میں پانی کے نل لگوائے اور یوں شفاخانہ کے نقائص دور کر کے اُس کا تکملہ کر دیا۔

بدرالدین نے ملک الصالح نجم الدین ایوب بن ملک الکامل کی طبی خدمات بھی انجام دی تھیں۔ اس سلطان کے عہد میں بدرالدین کو شاہی محلات اور قلعۂ دمشق میں معالجات کرتے رہنے کا کام سپرد ہوا تھا۔ بدرالدین اپنے مطب اور فرائض کی

ادائگی سے فارغ ہوکر باقی اوقات میں سے کچھ نہ کچھ وقت توسیع معلومات علمیہ کے لئے بھی ضرور دیا کرتا تھا۔ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ اس قدر کثیر مشاغل کے ساتھ ہی علم فقہ۔ اور فنون ادبیہ کا بھی تکملہ کرنے میں کامیاب ہوا اور قرآن شریف الگ حفظ کر لیا تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ کس بلا کا آدمی تھا +

بدرالدین عالی حوصلہ۔ نیکدل۔ فیاض اور مسکین مزاج شخص تھا۔ دینداری اور عبادت گزاری میں لاثانی تھا۔ اور ساتھ ہی تصنیف و درس کے مشاغل بھی جاری رکھتا تھا۔ چنانچہ اُس کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مقالہ رقہ کی آب وہوا اور وہاں کی مزاج کے ذکر میں +

(۲) مفرح النفس۔ اس کتاب میں حکیم بدرالدین نے ادویات قلبیہ کا ذکر کمال تحقیق و جستجو کے ساتھ کیا ہے۔ اور قلب کے بارہ میں کوئی مفید بات ایسی نہیں چھوڑی ہے جو اس کتاب میں درج نہ کی ہو +

(۳) کتاب الملح۔ طب میں۔ اس کے اندر اچھی طبی باتیں اور جالینوس کی کتابوں سے اکثر فوائد لیکر بیان کئے ہیں +

(۴۸) ابن قوسین (حکیم)

اپنے زمانہ میں مشہور طبیب۔ اور فن طب میں اچھی سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ مُوصل کا باشندہ اور وہیں رہتا تھا۔ پہلے مذہباً یہودی تھا بعد میں مشرف باسلام ہوگیا۔ قبول اسلام کے بعد اُس نے ایک رسالہ یہودیوں کی تردید میں لکھا۔ اس کی تصنیف بس اسی ایک رسالہ پر منحصر ہے +

(۴۹) ابن کرنیب (حکیم)

ابو احمد کنیت۔ حسین نام۔ ابی الحسین ابراہیم بن زید کاتب کا بیٹا۔ اور "ابن کرنیب" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بڑا متکلم تھا اور فلاسفۂ طبیبین کے

مذہب کا پابند۔ قدیم علوم طبیعیہ کا زبردست عالم اور یگانہ فاضل شمار ہوتا تھا۔ اسکی تصانیف حسب ذیل ہیں :-
کتاب ابی الحسن ثابت بن قرّہ کی تردید میں۔ جس نے کونین بلکہ ہردو متساوی حرکتوں کے وجود کے واجب ہونے کا انکار کیا تھا ⁂ مقالہ اجناس و انواع کے بیان میں جو کہ امور عامّہ ہیں ⁂ کتاب اس بیان میں کہ ارتفاع سے پہلے دن کے گھنٹوں کی کیفیت کیونکر معلوم ہو سکتی ہے ⁂

(۵۰) ابن ماہان (حکیم)

اس کا مشہور نام "یعقوب السیرافی" ہے "کتاب السفر و الحضر فی الطب" اسکی تالیف ہے ⁂

(۵۱) ابن مقشر (حکیم)

خلیفہ حاکم کے دربار کا ممتاز طبیب اور خلیفہ کا مقرّب خاص تھا۔ اپنے پیشہ میں ماہر ہونے کے علاوہ دیگر علوم مروّجۂ زمانہ اور علوم حکمیّہ کا فاضل اور اعلےٰ درجہ کا عالم تھا۔ دربار میں اس کی عزّت اور اطبّاء سے بہت بڑھی رہی۔ جس وقت یہ بیمار ہوا ہے خلیفہ حاکم خود اس کی عیادت کے لئے گیا۔ اور اس کی وفات کے بعد خلیفہ نے اس کے وارثوں کو بہت کچھ مالی اعانت دی ⁂

(۵۲) ابن مندویہ اصفہانی (حکیم)

ابو علی کنیّت۔ احمد بن عبد الرحمٰن بن مندویہ۔ نام۔ ملک عجم کا ایک مشہور اور سربرآوردہ طبیب تھا۔ بہت سے امرا اور بادشاہوں کی خدمت کی۔ فن طب میں اُس کے کارنامے عزّت و شکرگزاری سے یاد کئے جانے کے قابل ہیں۔ اصفہان میں ابن مندویہ کا گھرانا ایک معزز علمی خاندان شمار ہوتا تھا۔ اُس کا باپ عبد الرحمٰن خود بھی علم ادب کا زبردست فاضل اور عمدہ شاعر تھا ⁂

ابو علی احمد بن عبدالرحمن بن مندویہ کی علمی جلالت اور دماغی جدوجہد کی شاہد اُس کی حسب ذیل تصانیف ہیں :-

(۱) متعدد رسائل جن میں سے یہ چالیس طبی رسائل زیادہ مشہور ہیں جو اُس نے اپنے اصحاب اور شاگردوں کے لئے لکھے تھے :-

(۱) رسالہ تدبیر جسمانی کے بیان میں بنام احمد بن سعد ؟

(۲) اسی قسم کا ایک اور رسالہ بنام عباد بن عباس ؟

(۳) تیسرا رسالہ تدبیر جسد میں بنام ابی الفضل العارض ؟

(۴) رسالہ بنام ابی القاسم احمد بن علی بن بحر۔ مُسافر کے علاج اور تدبیر کے بیان میں ؟

(۵) رسالہ بنام حمزہ بن حسین۔ ترکیب طبقات چشم کے بیان میں ؟ .

(۶) رسالہ بنام ابی الحسین وارد۔ انتشار چشم (آنکھ پھٹ کٹنے) کے علاج میں ؟

(۷) رسالہ بنام عباد بن عباس۔ کھانا ہضم ہونے کے ذکر میں ؟

(۸) رسالہ بنام احمد بن سعد۔ معدہ کے بیان اور اُس کے علاج کے ذکر میں ؟

(۹) رسالہ جو کہ ایک استسقا کے مریض کو اُسکے مرض کے علاج کے لئے لکھکر دیا تھا ؟

(۱۰) رسالہ قولنج یہ رسالہ احمد بن محمد بن حسن کے واسطے لکھا گیا ؟

(۱۱) ایک اور رسالہ اسی احمد بن محمد بن حسن کے لئے لکھا جس میں قولنج میں مبتلا ہونے والوں کے علاج کی ہدایتیں۔ اور جس کو مرض قولنج ہوچکا ہو اُس کے متعلق اس امر کی ہدایات درج کی ہیں جن سے وہ صحت کے دنوں میں مرض سے محفوظ رہنے کی پیش بندی کرسکے ؟

(۱۲) ابی محمد بن ابی جعفر کے نام ایک رسالہ لکھا جس میں ایسے شخص کے منتفخ کردہ کا طریق علاج بتایا ہے جو کہ حقنہ لینے سے پرہیز کرتا اور اُسکو برا سمجھتا ہو ؟

(۱۳) رسالہ بنام رئیس الاساتذہ شقاق بواسیر کے علاج میں ؟

(۱۴) رسالہ بنام ابی الفضل علاج مثانہ کے ذکر میں ؟

(۱۵) رسالہ اسباب بادہ پر ؟

(۱۶) رسالہ اس بیان میں کہ وہ کونسا سبب ہے جس سے انجیر کی لکڑی کو آگ میں جلاتے وقت بچنا لازم ہے۔ ورنہ کانوں میں سنسناہٹ پیدا ہوجاتی ہے ؟

(۱۷) رسالہ علاج دردِ زانو کے بیان میں بنام دشائی ؏

(۱۸) رسالہ بڑھاپے میں خشکی کے باعث جو خارش لاحق ہو جاتی ہے اُس کے علاج میں۔ یہ رسالہ ابی الحسن بن دلیل کے نام سے لکھا ہے ؏

(۱۹) رسالہ اس بیان میں کہ پینے کی چیزیں جسم میں کیا فعل کرتی ہیں ؏

(۲۰) رسالہ نشہ اور شرابوں کے ذکر اور اُن کے فوائد و نقصانات میں ؏

(۲۱) رسالہ بنام حمزہ بن حسن اس بیان میں کہ پانی غذا کا فائدہ نہیں دیتا ؏

(۲۲) رسالہ نبیذ کے وصف۔ اور اُس کے افعال و فوائد و نقصانات کے ذکر میں ؏

(۲۳) رسالہ اپنے بیٹے کے نام جس کے کم سنی میں بکثرت پھنسیاں جسم میں نکل آئی تھیں۔ اس رسالہ میں ماءالجبن کے ذریعہ علاج کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے ؏

(۲۴) رسالہ فُقّاع کے فوائد و نقصانات میں ؏

(۲۵) رسالہ بنام ابی الحسین احمد بن سعید۔ فندیوں اور فُقّاع کے بارہ میں۔ اس کے ساتھ احمد بن سعید کا جواب بھی شامل ہے ؏

(۲۶) رسالہ تمر ہندی (املی) کے بیان میں ؏

(۲۷) رسالہ کافور کے ذکر میں ؏

(۲۸) رسالہ بنام حمزہ بن حسن اس میں یونانی حکماء کی رائیں دربارۂ نفس و روح درج کی ہیں ؏

(۲۹) اسی حمزہ کے نام ایک اور رسالہ جس میں طبیبوں کے لیت و لعل کرنے کا عذر پیش کیا ہے ؏

(۳۰) رسالہ جاحظ کی کتاب "نقض الطب" کی تردید میں ؏

(۳۱) رسالہ اُس شخص کی تردید میں جو طبیب کے لئے زباندانی اور علم لغت کی ضرورت نہیں سمجھتا ؏

(۳۲) رسالہ اُن لوگوں کے نام جو اصفہان کے بیمارستان میں مریضوں کے علاج اور اُن کی تیمارداری پر مامور تھے ؏

(۳۳) رسالہ بنام ابی الحسن بن سعید۔ اُن اقوال سے بحث کرنے کے بارہ میں جو ابی حکم اسحٰق بن یوحنا رازی نے اپنے ایک خاص مرض کے متعلق کہے تھے ؏

(۳۴) یوسف بن یزداد طبیب کے نام ایک رسالہ اس بارہ میں لکھا کہ وہ حُقنہ کی دواؤں میں لعابِ تخم کتان کو داخل کرنا ٹھیک نہیں سمجھتا ؏

(۳۵) رسالہ بنام ابی محمد عبداللہ بن اسحٰق طبیب اس میں اُس کے کئی ایک علاج کے طریقوں پر ناپسندگی کا اظہار ہے ٭

(۳۶) رسالہ اسی طبیب کے نام اُس مرض کے بیان میں جس سے رکن الدولہ کا بیٹا امیر شبیہ زیل فوت ہوا تھا ٭

(۳۷) ابی محمد مدینی کے نام ایک رسالہ۔ تجاویف سے رنگین بہنے کے بیان میں ٭

(۳۸) ایک اور رسالہ بنام ابی مسلم محمد بن تجبر منجانب ابی محمد مدینی ٭

(۳۹) رسالہ احمد بن اسحٰق بُرجی کو ملت الاثرل ہو جانے کے بیان میں اور اُس غلطی کے ذکر میں جو یوسف بن اسطفن طبیب کے وقت سے جاری چلی آتی ہے ٭

(۴۰) رسالہ بچوں کو لاحق ہونے والے دردوں کے بیان میں ٭

اور ان رسائل کے علاوہ یہ کتابیں بھی ابن مندویہ کی یادگار ہیں ٭

(۱) کناش ٭

(۲) کتاب المدخل الی الطب ٭

(۳) کتاب الجامع المختصر من علم الطب اس کے دس مقالے ہیں ٭

(۴) کتاب المغیث فی الطب ٭

(۵) کتاب الشراب ٭

(۶) کتاب الاطعمۃ والاشربۃ ٭

(۷) کتاب نہایۃ الاختصار فی الطب ٭

(۸) کتاب الکافی۔ طب میں اس کا نام القانون الصغیر بھی ہے ٭

(۵۳) ابن مَلُوکہ (حکیم)

مذہباً عیسائی اور امیر عبداللہ الاوّل کے عہد میں تھا۔ امیر عبدالرحمٰن الناصر اُموی کا عہد حکومت بھی اُس نے پایا۔ خود دوا سازی کیا کرتا۔ اور فصد کھولنے میں اچھا چابک دست تھا۔ اس کے مکان کے دروازہ پر مریضوں کی نشست کے لئے تیس پچیس پٹّی رہتی تھیں۔ اور اسی سے اُس مرجوعہ کا پتا چلتا ہے جو اس کی طرف ہوتا تھا ٭

ابنِ وَافِد

وزیر ابو المطرف عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالکبیر بن یحییٰ بن وافد بن محمد اللخمی

اُندلس کے جلیل القدر شرفاء میں سے نہایت عالی خاندان اور بزرگ باپ دادا کی اولاد سے تھا اس کے اجداد کی ملکی خدمتیں اور قومی ہوا خواہیاں مشہور زمانہ تھیں۔ جالینوس کی کتابیں پڑھنے اور اُن کے سمجھنے میں بڑی محنت کی۔ ارسطو کی کتب اور دیگر فیلسوفوں کی تصانیف پر بھی غائر نظر ڈالی اور فلسفہ میں کامل اکمل ہو گیا۔ مفرد دواؤں کے علم میں بے نظیر مہارت پیدا کی اور اتنی دوائیں یاد کر لیں کہ اُس کے زمانہ میں اور کوئی شخص اُتنی دواؤں کا واقف نہ تھا۔ پھر اس خاص شعبہ میں ایک اعلےٰ پایہ کی کتاب تالیف کی جس میں دیوسقوریدس اور جالینوس کی کتب دربارۂ ادویہ مفردہ کا کوئی نقطہ تک نہیں چھوڑا جو جمع نہیں کر دیا۔ پھر اُس کی ترتیب اتنی عمدہ رکھی ہے کہ یہ کتاب اپنے باب میں واقعی بے نظیر بن گئی ہے۔ خود ابن وافد کا بیان ہے کہ اُس نے بیس سال کی سخت کاوش اور محنت کے بعد اس کتاب کو مکمل کیا۔ پہلے وہ لکھتا۔ پھر اصل ماخذوں سے اس کا مقابلہ کرتا۔ بعد ازاں عبارت کو درست اور چسپت کرتا رہتا ہر ایک دوا کا صحیح نام تلاش کرکے درج کرتا۔ اُس کی خاصیتیں۔ شناخت کی علامتیں اُس کی طبیعی قوتیں، مزاج کے درجے، غرضیکہ کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی جو اس کتاب میں نہ درج کی ہو۔

ابن وافد فن طب میں بہت اعلےٰ پایہ رکھتا ہے۔ اُس کا ایک عجیب مذہب علاج کے بارہ میں یہ تھا کہ جب تک کسی مرض کا علاج بذریعہ غذا ہو سکے دوا ہرگز نہ دی چاہیئے۔ اور کم از کم غذا ایسی ہو جو دوا ہی کا فائدہ دے۔ لیکن اگر ایسی ضرورت آپڑے کہ دوا دینا لازمی ہو جائے تو جہاں تک امکان میں ہو مفرد ادویات کا استعمال کرنا چاہیئے اور مرکبات سے پرہیز رکھنا لازم ہے اور مرکب دوا کے استعمال سے چارہ نہ ملے تو اس قسم کی مرکب دوائیں استعمال کی جائیں جن کی ترکیب سادہ اور آسان ہو اور اُن میں بہت ہی کم دوائیں ملائی گئی ہوں۔

ابن وافد کے بہت سے نادر علاج مشہور ہیں جن میں اُس نے سخت ترین اور مہلک امراض کا علاج نہایت سادہ طور پر اور بہت جلد کر دیا۔ وہ شہر طلیطلہ میں سکونت

رکھتا تھا۔ اور ابن ذی النون کے عہد حکومت میں تھا۔ ابن وافد ماہ ذی الحجہ ۳۸۷ھ میں پیدا ہوا۔ اور ۴۶۰ھ تک زندہ رہا۔ اُس کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱) کتاب الادویۃ المفردہ ۔ (۲) کتاب الوساد۔ طب میں ۔ (۳) مجربات الطب ۔ (۴) تدقیق النظر فی علل حاسۃ البصر ۔ (۵) کتاب المغیث ۔

(۵۵) ابن وصیف صابی (حکیم)

اپنے زمانہ میں امراض چشم کا سب سے بڑا ماہر اور معالج تھا۔ اس خاص نوع میں اُس سے زیادہ نہ کسی کو معلومات تھی اور نہ کوئی اتنی کامیابی سے علاج کر سکتا تھا۔ پھر مشق بھی اس کی خوب بڑھی ہوئی تھی۔ ایک بار ایک ہی وقت میں سات آدمی اُس کے پاس آنکھیں قدح کرانے (بنوانے) کی غرض سے آئے۔ ان میں ایک خراسان کا باشندہ تھا۔ ابن وصیف نے اُس سے طے کیا کہ اسّی درم فیس دے تو اُس کا علاج کریگا۔ خراسانی قسم کھا کر کہنے لگا کہ "واللہ میری تو کل کائنات اتنی ہی ہے اس سے زیادہ دے سکنا محال ہے" ابن وصیف نے اُس کی قسم پر اعتبار کر لیا۔ اُس کو تھام کر بیٹھ گیا اور چاہا کہ عمل شروع کرے۔ اسی اثنا میں ابن وصیف کا ہاتھ اتفاق سے خراسانی بیمار کے بازو پر جا پڑا۔ اور اُسے معلوم ہوا کہ کچھ سخت چیز بازو سے لپٹی ہے۔ پوچھنے پر ظاہر ہوا کہ نو دیناروں کی تھیلی تھی۔ ابن وصیف نے دریافت کیا "کیوں یہ کیا ہے؟" خراسانی مارے شرم کے زرد پڑ گیا۔ ابن وصیف نے کہا۔ تم نے خدا کی جھوٹی قسم کھائی اور اللہ کو بھی دھوکا دینا چاہا۔ اس واسطے میں تمہارا علاج ہرگز نہ کرونگا۔ یہ کہکر اُس کے اسّی درم جو فیس میں لئے تھے واپس کر دئے اور ہر چند اُس نے منت سماجت کی لیکن اُس کا علاج نہ کرنا تھا نہ کیا۔

(۵۶) ابو اسحٰق ابراہیم الدانی (حکیم)

فن طب میں بڑی توجہ سے کام کرتا تھا۔ اس کی اصل ملک بجایہ سے تھی

پھر دربار مغرب میں بذریعہ نقل سکونت آرہا۔ شاہی شفاخانہ کا امین اور درباری طبیب تھا۔
اس کے دو بیٹے بھی اسی خدمت پر مامور رہے۔ بڑا بیٹا ابو عبداللہ محمد جنگ عقاب
میں الناصر کے ساتھ لڑکر شہید ہوا۔ یہ لڑائی اندلس میں نہایت زور کی ہوئی تھی اور
اس میں مسلمانوں کی آخری قوت نے عیسائیوں کو ہزیمت دی تھی۔ الدانی مراکش میں
بعہد خلیفہ المستنصر بن الناصر فوت ہوا۔[1]

(۵۷) ابو اسحٰق ابراہیم بن زہرون الحرانی (حکیم)

اپنے وقت کا مشہور طبیب اور بہت بڑا عالم تھا۔ فن طب میں کثرت معلومات
کے ساتھ ہی تجربہ و تشخیص کی وہ مہارت تھی کہ باید و شاید۔ اس کا سلوک نہایت
اچھا تھا۔ ہر شخص اس کے معاملہ سے خوش رہتا تھا۔ ۱۹۔ صفر یوم یکشنبہ کی شب کو
۳۶۹ھ میں بمقام بغداد فوت ہوا ؛

(۵۸) ابو اسحٰق ابراہیم بن سنان (حکیم)

ابو اسحٰق کنیت۔ ابراہیم نام۔ سنان بن ثابت بن قرہ کا بیٹا۔ علوم حکمت و
فلسفہ میں کامل۔ فن طب میں فاضل۔ اور اپنے زمانہ کا سر برآوردہ عالم تھا۔ خوشخطی
کا وصف اس میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ سمجھدار اور تیز فہم بلا کا۔ اور نہایت ذہین و ذکی
تھا۔ ۲۹۶ھ میں پیدا۔ اور یکشنبہ ۱۵۔ ماہ محرم ۳۳۵ھ میں بمقام بغداد فوت ہوا۔
اخیر وقت میں ورم جگر کا عارضہ ہوا تھا جو مرض الموت بن گیا اور کوئی علاج کارگر نہ ہوا ؛

(۵۹) ابو اسحٰق بن طملوس (حکیم)

صوبہ بلنسیہ (اندلس) کے جزیرہ "شقر" کا رہنے والا تھا۔ فن طب کے فضلاء
میں شمار ہوتا ہے۔ الناصر کے دربار میں طب کی خدمت پر مامور رہا تھا۔ اپنے وطن
میں وفات پائی ؛

[1] ابو اسحٰق (دیکھو ابراہیم بن بکس)

(۶۰) ابو البرکات بن القضاعی (حکیم)

اس کا لقب "موفق" تھا اور نہایت ماہر طبیب گنا جاتا تھا۔ علم و عمل کی دونو شقوں میں نامور اور معالجہ و خوش خلقی میں مشہور تھا۔ کی (داغ دینا) اور جراحی میں بھی ید طولے رکھتا تھا۔ مصر کے فرمانروا الملک العزیز بن ملک الناصر صلاح الدین کا درباری طبیب اور بہت معزز و محترم رہا۔ قاہرہ میں ۵۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۶۱) ابو البرکات بن شعیا (حکیم)

ملقب بہ الموفق۔ مشہور تجربہ کار، استاد فن اور اعمال طب میں نہایت نامور تھا۔ مذہباً یہودی تھا۔ ۸۶ برس کی عمر پائی۔ اور قاہرہ میں فوت ہوا۔ اس کا ایک بیٹا۔ سعید الدولہ ابو الفخر نامی بھی اچھا طبیب تھا۔ اُس نے باپ کا نام خوب مشہور کیا۔ اور وہ بھی باپ کی طرح قاہرہ ہی میں رہتا تھا۔

(۶۲) ابو البیان بن المدور (حکیم)

ملقب بہ "سدید" یہودی تھا اور نہایت اعلےٰ درجہ کا طبیب و عالم خلفائے مصریین کے آخری عہد میں اُن کا درباری طبیب رہا اور اُن کے بعد سلطان صلاح الدین کا خاص طبیب مقرر ہوا۔ سلطان موصوف اس پر بہت اعتماد کرتا تھا اور اُسے نہایت بیش قرار مشاہرہ عطا کرتا۔ اخیر عمر میں بوجہ ضعف پیری ۲۴ دینار مصری اُس کی پنشن مقرر کر دی جو برابر ملتی رہتی تھی۔ بیس سال تک ابو البیان خانہ نشین اور پنشن خوار رہا۔ اس عرصہ میں اُس کا مشغلہ درس و تدریس کے سوا کچھ نہ تھا۔ معالجات بہت کم کیا کرتا اور کسی امیر و رئیس کے گھر کبھی نہ جاتا مگر جبکہ کسی گہرے دوست کی طرف سے اصرار ہوتا تو مجبوراً جانا پڑتا تھا۔

ابو البیان بن المدور نے ۸۳ سال کی عمر پائی اور وہ ۵۸۰ھ میں بمقام قاہرہ فوت

ہوا۔ زین الحساب اُس کا شاگرد رشید تھا۔ اور تصانیف میں اُس کی کتاب المجربات اُسکی یادگار ہے۔

(۶۳) ابوالحجاج یوسف الاسرائیلی (حکیم)

اصل میں اقصائے مغرب کے شہر فاس کا باشندہ تھا۔ پھر وہاں سے ملک مصر میں چلا آیا۔ علم طب۔ ہندسہ۔ اور نجوم میں اچھا فاضل تھا۔ مصر میں رئیس موسلے بن میمون اسرائیلی سے علم طب کی تحصیل و تکمیل کی۔ پھر مصر سے ملک شام کی طرف سفر کیا اور شہر حلب میں قیام اختیار کیا۔ ملک الظاہر غازی ابن سلطان صلاح الدین کی خدمت میں رہا اور سلطان ممدوح اُس پر بہت اعتماد کیا کرتا تھا۔ امیر فارس الدین میمون القصری کی بھی طبی خدمات اُس نے انجام دیں۔ وہ حلب ہی میں سکونت پذیر رہا۔ اور فن طب کا درس دیتا تھا۔ اُس نے یہیں وفات پائی۔

ابی الحجاج یوسف کی تصانیف میں ایک رسالہ اغذیہ لطیفہ و کثیفہ کی ترتیب میں ہے۔ اور بقراط کی کتاب الفصول کی شرح۔

(۶۴) ابوالحجاج یوسف بن مُوراطیر (حکیم)

یہ طبیب اندلس کے مشرقی حصہ ملک کا باشندہ۔ اور ایک قریۂ مُوراطیر نامی کا رہنے والا تھا۔ یہ گاؤں شہر بلنسیہ کے نزدیک واقع ہے۔ فن طب میں اس کی فضیلت اور عملی پہلو سے اس کی واقفکاری قابل تعریف تھی۔ خوش اخلاق صاحب رائے صائب۔ شرع و دین کے علوم کا عالم۔ حدیث شریف کا سامع اور راوی تھا۔ ادیب شاعر بھی تھا۔ مذاق و ظرافت کو مزاج میں بہت دخل تھا۔ اس کی بذلہ سنجیاں مشہور ہیں۔ ابوالحجاج یوسف بن موراطیر نے خاندان موحدین کے کئی بادشاہوں کی خدمت ادا کی۔ پہلے وہ خلیفہ ابی یعقوب المنصور کے دربار میں داخل ہوا۔ پھر اُس کے فرزند الناصر اور ازاں بعد الناصر کے بیٹے المنصور دوم کا درباری طبیب بھی رہا۔ اُس نے عمر طویل پائی۔ اور المنصور دوم کے دربار میں وہ رسوخ حاصل کیا جو کسی اور طبیب کو بہت کم حاصل ہوا۔

وہ اکثر دربار خاص میں حاضر ہوا کرتا جہاں زبان دانی عرب پر علمی مذاکرہ ہوتا رہتا تھا۔

ابو الحجاج یوسف نے بمقام شہر مراکش نقرس کے مرض میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔ اُس کی وفات کا زمانہ خلیفہ المستنصر مہدوی خاندان موحدین کے آخری تاجدار کا عہد تھا۔ اُس کی کسی تصنیف و تالیف کا حال یا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ غالباً اُس نے ادھر توجہ نہ کی ہو۔

(۶۵) ابو الحسن احمد بن محمد طبری (حکیم)

شہر طبرستان کا باشندہ فن طب کا عالم۔ معالجات میں ماہر امیر رکن الدولہ کا طبیب خاص تھا۔ اس کی تصانیف میں ایک جامع بیاض معروف بہ المعالجات البقراطیہ نہایت عمدہ و مشہور کتاب ہے۔ طبی کتابوں میں فائدہ کے لحاظ سے اس کتاب کو خاص امتیاز دیا جاتا ہے۔ اس میں تمام امراض اور اُن کے معالجات کا بڑی تحقیق کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بہت سے مقالات ہیں۔

(۶۶) ابو الحسن ثابت بن سنان (حکیم)

ابو الحسن کنیت۔ ثابت نام۔ سنان بن ثابت بن قرہ کا فرزند بڑا فاضل طبیب اور اس فن میں اپنے باپ کا ہم پلہ تھا اس نے ایک عمدہ تاریخ لکھی ہے۔ اُس میں اپنے زمانہ حیات کے تمام حالات بہت صحت کے ساتھ درج کئے ہیں۔ یہ تاریخ خلیفہ مقتدر باللہ عباسی کے عہد سے خلیفہ الطائع للہ عباسی کے زمانہ حکومت تک تمام واقعات اور اہم تاریخی حادثات کی جامع تاریخ ہے۔ ثابت بن سنان اس کتاب میں لکھتا ہے کہ وہ خود اور اس کا باپ دونوں خلیفہ راضی باللہ کی خدمت میں رہے تھے اور پھر اپنی نسبت تحریر کرتا ہے کہ اُس نے خلیفہ مقتدر باللہ کے بیٹے خلیفہ متقی باللہ اور ابعد ازاں خلفائے مستکفی باللہ اور المطیع للہ کے دربار میں طبابت کی خدمات انجام دی تھیں ۳۱۳ھ میں دولت عباسیہ کے مشہور قدردان علم و فضل وزیر فتح بن خاقان نے اُس کو ابن الفرات کے شفاخانہ کی نگرانی پر مامور کیا۔

اُس کی تصانیف میں صرف مذکورہ بالا ایک تاریخ ہی پائی جاتی ہے۔ اور اُس میں اُس نے اپنے کئی ایک اہم معالجات کا بھی ذکر کیا ہے جو وقتاً فوقتاً اُسے کرنے پڑے مگر چونکہ اُن میں کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ اِس لئے اُن کے یہاں پر درج کرنے کی ضرورت نہیں ۔ ثابت بن سنان نے ۳۶۵ھ میں وفات پائی ۔

(۶۷) اَبُوالحَسَن ثَابِت بِن قُرّہ حَرّانی (حکیم)

یہ مذہباً صابی یعنی ستارہ پرست تھا اور حرّان میں رہا کرتا۔ صابی مذہب کے پابند وہ لوگ کہلاتے ہیں جو صابؔ موسوم بہ طاط کے پیرو ہیں۔ طاط حضرت ادریس علیہ السلام کا فرزند تھا ۔

ثابت کے باپ کا نام قُرّہ تھا۔ ابتدا میں ثابت اپنے وطن حرّان میں صرّافی کا کام کیا کرتا۔ اُس کو محمد بن موسٰی نے اپنی مصاحبت میں لے لیا جب محمد بن موسیٰ ملک رُوم پر حملہ کر کے بغداد واپس آ رہا تھا۔ حرّان میں ثابت قُرّہ پر اُس کی نظر پڑی ۔ چونکہ ثابت نہایت خوش بیان اور طلیق اللّسان تھا۔ محمد بن موسےٰ نے اُسے اپنے ساتھ لے لیا۔ اور اپنے گھر میں رکھ کر اُس کو پڑھایا لکھایا۔ پھر اُس نے خلیفہ معتضد کے دربار میں بزمرہ منجمین بھرتی کرا دیا۔ ثابت بن قُرّہ اپنی ذہانت و لیاقت کے جوہر دکھا کر جلد جلد ترقی کرتا اور شاہی تقرّب حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اُس نے دربار میں بہت کچھ رسُوخ بڑھا لیا۔ اور مذہب صابی کی ایک باضابطہ پیشوائی کا شہر بغداد میں سنگ بنیاد رکھا۔ حالانکہ دارالخلافہ میں پہلے مذہب صابیہ کا کوئی پیشوا موجود نہ تھا۔ اور اسی وجہ سے اِس مذہب کے پابند کچھ خاص امتیاز نہیں رکھتے تھے ۔

ثابت بن قُرّہ اپنے زمانہ کا بے مثل طبیب ہُوا۔ فلسفہ و حکمت کی شاخوں میں بھی بے نظیر تھا۔ اسکی تصانیف نہایت عمدہ اور بڑے پایہ کی ہیں اسکی خاص نسل اور خاندان میں بھی ایک گروہ علم و کمال میں اُس کا ہم رُتبہ ہُوا۔ ثابت بن قُرّہ دور کی کوڑی لانے اور علمی مہارت میں بہت مشہور تھا۔ گردش آفتاب کی رَصَد (دیکھ بھال) میں اُس نے

بڑی سخت کوشش کرکے اپنی تحقیقات کے نتائج ایک کتاب میں فراہم کردئے ہیں۔ اس میں اُس نے سالِ شمسی کی مقدار اور اُن امور کا انکشاف کر دیا ہے جو اُس کو رصدِ آفتاب کے ذریعہ اوجِ شمسی کی جگہوں اور سالِ شمسی کی مقدار کے بابت معلوم ہوئے تھے۔ اس کتاب میں ثابت بن قرّہ نے حرکتِ آفتاب کی مقدار۔ اور اُسکی تعدیل کی صورت کا بھی ذکر کیا ہے*

ثابت بن قرّہ مترجم بڑا اعلےٰ درجہ کا تھا۔ اُس کی عبارت بیحد دلچسپ ہوتی۔ عربی زبان میں اُس کے تراجم سب مترجموں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ وہ سُریانی اور دوسری کئی زبانیں نہایت عمدہ جانتا تھا*

خلیفہ موفق باللہ اپنے بیٹے ابی العباس معتضد باللہ سے ناخوش ہوا اور اُس کو اسمٰعیل بن بُلبُل نامی ایک سردار کے گھر میں نظر بند کرکے احمد حاجب کو اُس کا محافظ زندان خانہ قرار دیا۔ ابی العباس قیدِ تنہائی میں گھبراتا اور سخت پریشان رہتا تھا۔ اسمٰعیل بن بُلبُل نے ثابت بن قرّہ سے درخواست کی کہ وہ ابی العباس کی دلبستگی کا ذریعہ بنے اور اُس کی مصاحبت قبول کرے۔ عبداللہ بن اسلم نامی ایک مصاحب پہلے سے ابی العباس کے پاس موجود تھا۔ مگر ثابت بن قرّہ کی آمد و رفت شروع ہوتے ہی شہزادہ ابی العباس اس کے ساتھ کچھ ایسا مانوس ہوا کہ اس کی جدائی گوارا نہیں کرتا تھا۔ ثابت بن قرّہ نے معمول رکھا کہ وہ دن میں تین وقت شہزادہ سے ملنے جاتا۔ اُس کو قدیم فلاسفہ کے حالات سُناتا۔ علمی ونظری مسائل اُس کے روبرو بیان کرتا۔ اور ہندسہ و نجوم کے متعلق علمی تقریر کیا کرتا۔ ان مشاغل نے ابی العباس کی معلومات میں اضافہ کرنے کے علاوہ اُس کی دلچسپی بھی اپنی طرف کھینچ لی۔ اور وہ ثابت بن قرّہ کی عزت وتکریم کرنے لگا۔ ابی العباس اِس قید سے رہا ہوا تو اُس نے اپنے غلام بدر سے کہا "بدر! کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے بعد اور کس شخص نے مجھ کو معقول نفع پہنچایا ہے؟" بدر نے کہا "حضور والا! وہ کون ہے؟" ابی العباس نے جواب دیا "وہ ثابت قرّہ ہے" چنانچہ ابی العباس معتضد باللہ کے لقب سے مسندآرائے خلافت ہوا تو اُس نے ثابت بن قرّہ کی قدر افزائی بھی خوب کی۔ اُس کو بہت سی جاگیر بخشی

اور اپنا اتنا مقرب بنایا کہ دربار عام و خاص میں اُسے اپنے پاس بٹھایا کرتا تھا۔ حالانکہ دربار میں بدر جیسا معزز سپہ سالار امیر۔ اور وزیر کھڑا رہتا۔ مگر ثابت بن قرہ بے تکلف خلیفہ کے پہلو میں بیٹھتا تھا۔

ایک دن ثابت بن قرہ ایوان خلافت کے پائیں باغ "فردوس" میں خلیفہ معتضد کے ساتھ چہل قدمی کا لطف لے رہا تھا۔ خلیفہ ثابت کے ہاتھ پر سہارا لے کر چلتا تھا۔ مگر یکایک خلیفہ نے ثابت کے بازو پر سے اپنا ہاتھ جھٹک کر کھینچ لیا۔ ثابت اس حرکت سے سہم گیا۔ کیونکہ معتضد باللہ بڑا بدمزاج اور بیہودہ خلیفہ تھا۔ خلیفہ نے ہاتھ کھینچ کر ثابت سے کہا "ابی الحسن! (یہ ثابت کی کنیت ہے۔ خلیفہ خلوت میں اُس کی کنیت کے ساتھ اُسے مخاطب بناتا تھا۔ اور دربار میں اصلی نام کے ساتھ) معاف کرنا! میں بھول گیا تھا۔ اور میں نے غلطی سے تمہارے بازو پر سہارا لے لیا۔ یہ بیجا حرکت تھی۔ کیونکہ علماء کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اُن کی شان میں ایسی گستاخی واجب نہیں"

ثابت بن قرہ کے بعض معالجات ایسے عجیب و غریب ہوئے جن کو فن طب کا معجزہ کہنا روا ہوگا۔ از انجملہ اُس کا ایک مشہور معالجہ یہ ہے کہ ایک دن دربار خلافت میں جا رہا تھا۔ بازار میں شور وغل کی آواز سن کر رُک گیا۔ اور کسی سے دریافت کئے بغیر بتا دیا کہ اس دکان میں جو قصاب بیٹھا کرتا تھا وہ مر گیا ہے۔ جو آدمی اُس جگہ موجود تھے ثابت بن قرہ کی یہ بات کچھ سن کر حیران رہ گئے اور بولے "ہاں جناب! فی الواقع وہ رات اچانک فوت ہوگیا۔ دن کو بالکل اچھا بھلا تھا" ثابت بن قرہ نے کہا "نہیں وہ مرا نہیں۔ مجھے اُس کے گھر لے چلو۔ غرضیکہ وہ قصاب کے گھر گیا۔ وہاں اُس کی لاش کو غسل و کفن دینے کی تیاری ہو رہی تھی اور عورتوں کا حلقۂ ماتم بندھا تھا۔ ثابت بن قرہ نے مستورات کو گریہ وزاری کرنے سے روک دیا۔ اور اُس نے کہا کہ فوراً کھجور کا حریرہ تیار کریں۔ پھر اپنے ایک غلام کو حکم دیا کہ قصاب کے ٹخنوں پر خوب ڈنڈے رسید کرے۔ اور خود اُس کی نبض دیکھنے لگا۔ ثابت بن قرہ کا غلام مردہ قصاب کے ٹخنے پر لکڑی مارتا رہا یہاں تک کہ حکیم نے اُس کو منع کر دیا۔ اور ایک پیالہ پانی کا منگا کر اُس میں اپنے پاس

سے کچھ دوا ڈالی۔ بعدازاں اُسے گھول کر قصاب کا منہ چیر کے وہ سارا پانی اُس کی حلق میں ڈال دیا۔ دوا حلق سے اترتے ہی۔ ایک شور مچ گیا کہ "طبیب نے مردہ کو زندہ کر دیا ہے" مگر ثابت نے گھر کا دروازہ خوب مضبوط بند کرا دیا اور خود بیمار کی چارہ سازی میں مصروف ہو گیا۔ کچھ دیر میں قصاب نے آنکھ کھول دی۔ طبیب نے اُسے حریرہ پلوا دیا۔ اور اُسے اٹھا کر بٹھایا۔ پھر ایک گاڑی اور اُس کے پاس بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ گھر کے دروازہ پر خلیفہ کے چوبدار پہلے جو اُس کی طلب میں آئے تھے اور ایک دنیا طبیب کے اس معجزۂ مسیحائی کو دیکھنے کی غرض سے اُمنڈ آئی تھی ایوان خلافت تک آدمیوں کا ہجوم اُس کی سواری کو گھیرے رہا۔ جب وہ دربار میں پہنچا تو خلیفہ نے سخت حیرت کے لہجہ میں دریافت کیا *

"ثابت! یہ کیا مسیحائی ہے؟ میں نے سُنا کہ تم نے مردہ کو زندہ کر لیا!"

"امیرالمؤمنین! میں روز اسی راستہ سے دربار میں آتے ہوئے دیکھا کرتا تھا کہ وہ قصاب کلیجی کے کچے پارچے نمک چھڑک کر کھایا کرتا تھا۔ پہلے تو اس کی یہ گندہ حرکت مجھے سخت ناگوار معلوم ہوئی۔ اور پھر میں نے معلوم کیا کہ اس حماقت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک دن اُس کو سخت سکتہ کا مرض لاحق ہوگا۔ روزمرہ اُس کی عادت غور سے دیکھنے کے بعد میں نے یقین کیا کہ اب یہ ضرور سکتہ کے مرض میں مبتلا ہوگا۔ چنانچہ میں نے گھر جا کر سکتہ کی مجرب دوا تیار کی اور اپنے پاس رکھ لی۔ تاکہ ضرورت کے وقت بلا تامل اُس کا استعمال کرا سکوں۔ آج بازار میں آتے ہی رونے پیٹنے کی صدا سُن کر میں نے کہہ دیا کہ قصاب مر گیا۔ جو آدمی وہاں موجود تھے انہوں نے میرے قول کی تصدیق کی۔ میں نے قصاب کے گھر جا کر دیکھا تو اُس کی نبض کا پتا نہ تھا۔ وہ مردہ سا پڑا تھا۔ میں نے اُس کے ٹخنہ پر ضرب لگائی۔ اس طرح نبض حرکت میں آئی۔ پھر دوا پلا کر غذا کھلائی۔ اور اُسے سکتہ کے مہلک مرض سے نجات دلائی آج رات کو وہ تیتر کا شوربا اور پھلکہ کھائیگا۔ اور کل گھر سے نکل کر بدستور اپنے کاروبار میں مصروف ہو سکیگا *

ثابت بن قُرّہ کی ولادت مقام حرّان میں ہوئی۔ تاریخ ولادت روز پنجشنبہ ۲۱۔صفر ۲۱۱ھ ہے۔ اور اُس نے ۲۸۸ھ میں ۷۷ سال کی عمر پاکر وفات پائی ٭

ثابت بن قُرّہ کے شاگرد بکثرت تھے۔ مگر "عیسےٰ بن اُسید" اُن میں سب سے ممتاز تھا۔ یہ حکیم مذہبًا عیسائی تھا۔ اُس نے اپنے بزرگ اُستاد ثابت بن قُرّہ کے سامنے کئی نفیس کتابیں سُریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیں۔ خود اس کی تصنیف سے ایک کتاب پائی جاتی ہے۔ جس کا نام "جوابات ثابت بر سوالات عیسےٰ بن اُسید" ہے ٭

ثابت بن قُرّہ کے حکمت آمیز اقوال میں سے ایک قول یہ ہے :۔

"بڈھے آدمی کے لئے سب سے زیادہ نقصان رساں اَمر یہ ہے کہ اُس کے پاس کوئی اعلےٰ درجہ کا باورچی اور حسین و جمال لونڈی ہو۔ کیونکہ عمدہ غذا پائیگا تو حد سے زیادہ کھاکر بیماری کا ہدف بنیگا۔ اور حسین کنیزک پر زیادہ لٹّو ہو کر جلد تر سٹیا پھوس ہو جائیگا"

اُسی کا قول ہے "جسم کا آرام کم کھانے پر۔ نفس کی راحت کم گناہ کرنے پر۔ قلب کی آسائش کم فکر کرنے پر۔ اور زبان کی راحت تھوڑی باتیں کرنے پر منحصر ہے"

تصانیف :۔ ثابت بن قُرّہ حرّانی کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔

(۱) پہاڑ کس سبب بنتے ہیں۔ اور اُس کے متعلق طبی مسائل ٭
(۲) کتاب دربیان نبض ٭
(۳) کتاب وجع مفاصل و نقرس ٭
(۴) کتاب باریمنیاس کے اصول ٭
(۵) کتاب انالوطیقیا ےاوّل کے اصول ٭
(۶) اختصار المنطق یعنی طوبیقا (تصورات) کے محفوظ نوادر ٭
(۷) کتاب سمندر کا پانی کھارا کیوں ہوا ٭
(۸) کتاب مابعد الطبیعۃ کا مختصر ٭
(۹) مابعد الطبیعۃ کے شوق علم پیدا کرنے والے مسائل ٭
(۱۰) کتاب سوفسطائی حکماء کی غلطیاں ٭
(۱۱) کتاب مراتب علوم ٭
(۱۲) کتاب اُس شخص کے ردّ میں جو نفس کو مزاج کہتا ہے ٭
(۱۳) جالینوس کی کتاب ادویہ مفردہ کے اصول ٭
(۱۴) جالینوس کی کتاب مرۂ سوداء کے اصول ٭
(۱۵) جالینوس کی کتاب سوء المزاج المختلف کے ضروری مسائل ٭

(۱۶) جالینوس کی کتاب الامراض الحادۃ کے ضروری مسائل ۔

(۱۷) جالینوس کی کتاب تشریح الرحم کے مسائل کا انتخاب ۔

(۱۸) جالینوس کی کتاب "سات ماہ میں پیدا ہونے والے بچوں" کا اقتباس ۔

(۱۹) جالینوس کی کتاب میں فن طب کی شرافت پر جو بحث کی گئی ہے اسکی تحقیق ۔

(۲۰) کتاب اصناف الامراض ۔

(۲۱) کتاب تسہیل المجسطی ۔

(۲۲) کتاب المدخل الی المجسطی ۔

(۲۳) مجسطی کی تسہیل پر ایک بڑی کتاب جو ناتمام ہے ۔ یہ کتاب اپنے موضوع میں بہترین کتب کہی جا سکتی ہے ۔

(۲۴) کتاب اُن وقفات کے بیان میں جو دو متضاد شریانوں کی دو حرکتوں کے مابین ہوا کرتے ہیں ۔ اسکے دو مقالے ہیں ۔

(۲۵) جالینوس کی کتاب الفصد کے جوامع ۔

(۲۶) تفسیر جالینوس کے جوامع جو اس نے بقراط کی کتاب "آب و ہوائے ممالک" پر لکھی تھی ۔

(۲۷) کتاب وجع مفاصل اور نقرس کے بیان میں ۔ اس کا ایک مقالہ ہے ۔

(۲۸) کتاب العمل بالکرۃ ۔

(۲۹) مثانہ یا گردہ میں پیدا ہونے والی پتھری پر ایک بسیط کتاب لکھی ہے ۔

(۳۰) کتاب اُس سفیدی کے بیان میں جو بدن پر نمایاں ہوتی ہیں ۔

(۳۱) کتاب اس بیان میں کہ طبیب کو مریض سے کس طرح کے سوالات کرنا چاہئیں ۔

(۳۲) کتاب سوء مزاج مختلف ۔

(۳۳) کتاب تدبیر امراض حادۃ ۔

(۳۴) رسالہ جُدری و حصبہ ۔

(۳۵) جالینوس کی کتاب النبض الصغیر کا اختصار ۔

(۳۶) کتاب گول لمبوتری چیز کو کاٹنے کے بیان میں ۔

(۳۷) کتاب الموسیقی ۔

(۳۸) رسالہ بنام علی بن یحییٰ منجم ۔ اس میں ثابت بن قرۃ نے علم موسیقی کے ابواب بحکم صاحب تصنیف کے ثبت کئے ہیں ۔

(۳۹) رسالہ اپنے کسی بھائی کے نام ۔ یہ بھی ابواب موسیقی پر حسب فرمائش لکھا گیا ہے ۔

(۴۰) کتاب اُن اعمال و مسائل کے بیان میں جو کسی خط مستقیم کے دو خطوں پر واقع ہونے کی حالت میں واجب ہیں ۔

(۴۱) اسی بارہ میں ایک دو مقالہ بھی ہے ۔

(۴۲) کتاب مثلث قائم الزوایا کے بیان میں ٭
(۴۳) کتاب اعداد متحابہ کے بیان میں ٭
(۴۴) کتاب در بیان شکل قطاع ٭
(۴۵) کتاب حرکت فلک کے باب میں ٭
(۴۶) فزآبادین موسوم بہ ذخیرہ ٭
(۴۷) احمد بن الطیب کے رسالہ کا جواب ٭
(۴۸) کتاب اِس میں قیاس کی اشکال میں تفرقہ کا بیان ہے ٭
(۴۹) کتاب اس میں افلاک کی ترکیب اُنکی پیدائش۔ تعداد۔ اور اُن کے حرکات کی جہتوں کا بیان ہے ٭
(۵۰) رسالہ صابیوں کے مذہب پر ٭
(۵۱) کتاب تقسیم زمین کے بارہ میں ٭
(۵۲) کتاب الہیئت ٭
(۵۳) کتاب در علم اخلاق ٭
(۵۴) کتاب مقدمات اقلیدس ٭
(۵۵) کتاب اشکال اقلیدس ٭
(۵۶) کتاب اشکال مجسطی ٭
(۵۷) کتاب ہندسی مسائل کے استخراج میں ٭
(۵۸) کتاب اس بارہ میں کہ چاند کی رویت سمت جنوب میں ہوتی ہے ٭
(۵۹) کتاب جدولوں سے رویت ہلال کے ذکر میں ٭
(۶۰) رسالہ سال شمسی کے ذکر میں ٭
(۶۱) فلک البروج کی حرکت میں و رنگت توسط۔ اور سرعت کے بیان میں ایک بسیط کتاب۔ اِس میں دکھایا ہے کہ اس حرکت کی سستی۔ اِس کا اعتدال۔ اور اُس کی تیزی کے اسباب وہ مواضع ہیں جہاں بروج کا مقر ہے اور وہ جگہیں مرکز فلک سے خارج ہیں ٭
(۶۲) مقالہ اُس صفراء کے بیان میں جو کہ بدن کو لاحق ہوتا ہے۔ اس میں صفرائے مذکور کی قسمیں۔ اُس کے اسباب اور علاج بھی بیان کئے ہیں ٭
(۶۳) کتاب الخاصتہ اس میں فن طب کے شریف ہونے پر دلائل قائم کئے ہیں ٭
(۶۴) کتاب تدبیر الصحتہ ٭
(۶۵) کتاب حساب نجوم ٭
(۶۶) ایک رسالہ اس بیان میں کہ ہندسی علامتوں سے صحیح مدعا سمجھنے کی کیا تدبیر واجب ہے۔ اس میں تمام وہ مشاہدات درج کئے ہیں۔ جو خود ثابت بن قرۃ اور موسیٰ بن شاکر کے دو نامور مہندس بیٹوں احمد و محمد

نے رصدِ اجرامِ سماوی کے دوران میں مشاہدہ کئے ۔

(۶۷) کتاب البصر والبصیرۃ - یہ امراضِ چشم اور اُن کے معالجات پر بہترین کتاب ہے ۔

(۶۸) کتاب در بیانِ مربع اور اُس کے قطر کے ۔

(۶۹) کتاب علتِ چاند گرہن و سورج گرہن کے بیان میں - یہ کتاب ناتمام رہی کیونکہ ثابت بن قرہ کا اس کے تکملہ سے پہلے انتقال ہو گیا ۔

(۷۰) کتاب در بیانِ مساحتِ شکلِ مستطیلہ ۔

(۷۱) جالینوس کی کتاب ادویۂ مُنقیہ کے جوامع (اہم مسائل) ۔

(۷۲) جالینوس کی کتاب اعضائے لطیفہ کے جوامع ۔

(۷۳) جالینوس کی کتاب ایام البحران کا اختصار ۔

(۷۴) کتاب اُن امور کے بیان میں جن کو ثاون فیلسوف و ہیئت دان سورج و چاند گرہن کے حساب میں نظر انداز کر گیا تھا ۔

(۷۵) کتاب اجناس ادویہ جن میں اُن کی تقسیم ہوتی ہے - یہ کتاب سریانی زبان میں لکھی تھی ۔

(۷۶) کتاب اقسام اوزان ادویہ - یہ بھی سریانی زبان میں ہے ۔

(۷۷) مقالہ مسائل جبر و مقابلہ کی بدلائل ہندسی تصحیح پر ۔

اور ان کے علاوہ بہت سی اور کتابیں اور رسائل مختلف علوم و فنون پر تالیف و تصنیف کئے جن کی تفصیل موجب تطویل ہوگی - ہم نے صرف طبی تالیفات اور بعض دیگر مفید کتابوں کا ذکر کر دیا ہے ۔

(۶۸) ابوالحسن حرانی (حکیم)

ابوالحسن کنیت - ثابت نام - ابراہیم بن زہرون کا بیٹا - مقام حران کا باشندہ بڑی سوجھ بوجھ والا افاضل طبیب - نہایت ذی علم - اور اپنے فن میں کامل اکمل تھا دستِ شفا کا وصف خداداد پایا تھا - طب کے بہت سے مخفی راز اُس پر واضح ہو گئے تھے - مگر باوجود ان سب خوبیوں کے اُس میں ایک عیب بھی تھا - جو ان سب پر فائق تھا - وہ یہ کہ اُسے جو اچھی چیز معلوم ہوتی دوسرے کو مشکل سے بتاتا تھا

ابن بُطلان طبیب نے ایک مقالہ اِس بارہ میں لکھا ہے کہ قدیم زمانہ کے اطباء جن امراض میں گرم دوائیں استعمال کراتے تھے اُن کا علاج سرد دواؤں سے کرنے کی بنیاد کن ماہران فن نے ڈالی۔ اِس مقالہ میں ابن بُطلان نے ابوالحسنؒ حرّانی کا ایک مفید قصہ لکھا ہے جو حسب ذیل ہے:۔

وزیر ابوطاہر بن بقیہ ایک بار سخت بیمار ہُوا۔ وزیر کا گھر دریائے دجلہ کے کنارہ پر پُل کے نزدیک واقع تھا۔ اُسے سکتہ کا مرض لاحق ہُوا۔ امیر عزّ الدّولہ بختیار وزیر ابوطاہر کی بیماری کا حال سُن کر درباری اطبّاء کے ہمراہ خود اُس کو دیکھنے آیا۔ امیر کے ساتھ جتنے طبیب تھے سب کی رائے متفق ہوگئی کہ وزیر ابوطاہر فوت ہوگیا ہے۔ مگر ابوالحسنؒ نے آگے بڑھ کر امیر سے کہا "اعلےٰ حضرت! اگر وزیر مر گیا ہے تو اس کو کیا تکلیف محسوس ہوگی۔ آپ اجازت دیں تو میں اس کی فصد کھول دوں۔ نفع ہوا تو فبہا ورنہ مر تو چکا ہے۔ فصد سے نقصان ہی کیا ہوگا" امیر نے فرمایا۔ "اچھا جو تدبیر تم کو مناسب معلوم ہو اُسے کرو" ابوالحسنؒ نے فوراً وزیر کی فصد کھول دی۔ پہلے تو فصد سے تھوڑا تھوڑا خون برآمد ہُوا۔ مگر رفتہ رفتہ اخیر میں بافراط خون نکلا۔ جب خون بہنا شروع ہُوا اُس وقت وزیر نے آنکھیں کھول دیں۔ اور وہ اچھا ہوگیا۔ ابن بطلان کہتا ہے کہ پھر میں نے تنہائی میں ابوالحسنؒ سے اِس نادر علاج کی پوری تفصیل دریافت کی مگر اُس نے حسب معمول تجمّل سے کام لیا اور بڑی دیر کے بعد کہا تو یہ کہا کہ ہر موسم بہار شروع ہوتے ہی وزیر کے مقعدہ کی رگیں بہت سا خون استفراغ کیا کرتی تھیں۔ اس سال وہ خون رُک گیا اور اُسی کا اثر یہ تھا کہ اِس کو سکتہ لاحق ہوگیا۔ فصد کھولتے ہی جتنا فاسد خون جمع تھا نکل چکا تو مریض کی طبیعت روبراہ آگئی اور وہ موت کے مُنہ سے بچ گیا۔

ابوالحسنؒ کی حذاقت کا ایک قصہ اور بھی قابل ذکر تھا۔ سلطان عضدالدولہ بن بویہ دیلمی بغداد میں آیا۔ تو جہاں تمام وزیر و امیر اُس کے دربار میں باریاب ہوئے وہیں اطبّاء کی جماعت بھی نذریں گزراننے اور اظہار اطاعت و مبارکباد کا

فرض ادا کرنے کے لئے اُس کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ابوالحسن حرانی۔ اور سنان بن ثابت دونو ممتاز طبیب اور نہایت سن رسیدہ و تجربہ کار بھی اُس کے حضور میں گئے عضدالدولہ کو معلوم ہوا کہ یہ بغداد کے سربرآوردہ اور تجربہ کار طبیب ہیں۔ اُس نے اُن کی عزت و حرمت کی۔ مگر کہا کہ ہم بفضل خدا تندرست ہیں اور ہمیں کوئی ضرورت طبی مشیروں کے ملازم رکھنے کی نہیں۔ اُس کے یوں کہنے سے یہ اطباء سخت شرمندہ ہوئے اور دربار سے بے نیل مرام واپس آئے۔ گھر آکر سنان بن ثابت نے ابوالحسن سے کہا کہ "افسوس ہے کہ یہ شیر (عضدالدولہ) ہم کو بھی اپنا شکار بنانے لگا۔ حالانکہ بغداد میں ہماری حذاقت و طبابت کا سکہ جم رہا ہے۔ ہمیں اس کو رام کرنے کی تدبیر کرنا چاہئے" ابوالحسن نے کہا "میری سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں۔ اگر تم کوئی تدبیر کرسکتے ہو تو کرو" سنان نے جواب دیا "اچھا اب پھر دربار میں چلیں تو موقع دیکھ کر کوئی تدبیر کرینگے" چنانچہ دونو حکیم دربار شاہی میں حاضر ہوئے۔ اور دعا و ثنا کے بعد سنان نے سلطان عضدالدولہ سے کہا "ظل اللہ! ہم لوگ طبیب ہیں۔ اور طبیب کا صرف یہی کام نہیں کہ وہ بیماروں کا علاج کرے بلکہ تندرستوں کی تندرستی قائم رکھنے کا اہتمام بھی طبیب پر فرض ہے اور حضور والا کی تندرستی کا تحفظ سب باتوں پر مقدم ہے۔ اس لئے دربار کو ہماری خدمات سے چارہ نہیں" عضدالدولہ کو اُس کی بات بہت پسند آئی اور اُس نے ان دونو اطباء کا سالانہ وظیفہ مقرر کردیا +

ابوالحسن عضدالدولہ کی حالت کو کچھ دن غور سے دیکھتا رہا۔ وہ اُس کی خوراک لباس۔ طرز معاشرت اور ہر ایک بات کو جانچتا تھا۔ چند روز بعد وہ دربار میں آنے سے رُک گیا۔ بعض گہرے دوستوں نے اس ترک خدمت کا سبب دریافت کیا۔ پہلے تو اُس نے کچھ نہیں بتایا۔ مگر آخر میں بہت اصرار پر کہا کہ سلطان یہاں سے اپنے ملک واپس جائیگا اور پھر وہاں سے بغداد آکر فتور عقل و دیوانگی میں مبتلا ہوگا۔ چونکہ اس آفت کا آنا یقینی ہے لہذا میں نہیں چاہتا کہ اس کا معالج رہوں۔ اور اس خرابی کا ذمہ دار بنوں۔ اور ابوالحسن کی یہ پیشینگوئی بالکل ٹھیک اُتری +

سلطان کے حاجب کبیر کا ایک غلام تھا۔ حاجب اُس غلام سے بیحد محبت کرتا تھا۔ ایک دن حاجب نے ملک کے معززارکین سلطنت کی دعوت کا سامان کیا۔ وہ سامان دعوت میں غلام سے مدد لیتا تھا۔ اتفاق کی بات دعوت سے ایک دن قبل غلام کو سخت بخار آگیا۔ حاجب نے ابوالحسن کو بلوا کر کہا "میرے غلام کا علاج کرو اور اس کو تندرست کر دو تا کہ کل یہ میری خدمت ادا کر سکے۔ تم کو نہایت وافر انعام دونگا" ابوالحسن نے جواب دیا "جناب عالی! یہ ممکن ہے کہ آپ کا غلام آج ہی تندرست ہو جائے اور کل آپ کا کام کر سکے۔ لیکن اگر آپ اس کو چھوڑ دیں اور بیماری کی مدت طبعی طور پر گزرنے کے بعد اس کی صحت کا انتظار کریں تو یہ اچھا ہوگا۔ ورنہ میں اس کی آج روک تھام کر لونگا۔ یہ کل تندرست ہو جائیگا۔ مگر ایک سال بعد اس کو پھر یہی بیماری لاحق ہوگی اور اُس وقت ہزار علاج بھی سود مند نہ ہونگے"

حاجب نے خیال کیا کہ ابوالحسن آئندہ سال میں بیماری کا دورہ ہونے کی نسبت یونہی کہتا ہے۔ اور ہوا بھی تو پھر علاج ہو سکتا ہے۔ لہذا اُس نے حکم دیا "خیر۔ میں چاہتا ہوں کہ کل وہ کام کرنے کے قابل ہو سکے۔ اور آئندہ سال کا خدا مالک ہے" ابوالحسن نے علاج کیا اور غلام کو اُسی دن آرام ہوگیا۔ دوسرے روز وہ اپنے آقا کے ساتھ دعوت کے کاروبار میں مصروف نظر آتا تھا۔ پھر سال بھر وہ بالکل اچھا رہا اور اُس کے بعد یکایک سخت تپ میں مبتلا ہوا۔ سات دن بخار میں غافل پڑا رہا اور آٹھویں دن فوت ہوگیا۔

حاجب کو اس واقعہ سے ابوالحسن کا بہت عقیدہ ہوگیا اور اُس نے ابوالحسن کی عزت و حرمت پہلے سے دو چند کر دی۔ ابوالحسن کی یہ تشخیص حذاقت طبیہ کا ایک معجزہ مانی جاتی تھی۔

ابوالحسن حرانی ۳۶۵ھ میں بمقام بغداد فوت ہوا۔ تاریخ وفات ۱۱۔ ذی القعدہ تھی۔ اُس کی ولادت ۲۸۵ھ میں بمقام رقہ ہوئی تھی۔

تصانیف:۔ ابوالحسن حرانی کی تصانیف میں صرف دو کتابیں پائی گئی ہیں۔

ایک تو یوحنا بن سرابیون کی قرابادین کے چند مقالات کی اصلاح پر ہے۔ اور دوسری کتاب میں اُن چند سوالات کے جواب قلمبند کئے ہیں جو اُس سے دریافت کئے گئے تھے[۱]

(۶۹) ابوالحسن (حکیم)

ابوالحسن عبدالرحمٰن بن خلف بن عسا کر دارمی۔ اِس نے جالینوس کی اکثر کتابیں بڑی توجہ اور محنت کے ساتھ ابن البغونش سے پڑھی تھیں۔ ہندسہ اور منطق وغیرہ علوم و فنون کو بھی حاصل کیا تھا۔ زباندان و ادیب تھا۔ عبارت نہایت بلیغ لکھا کرتا۔ طبی تجربات اور معالجات میں طبیعت موزون پائی تھی۔ اس نے بہت سے لطیف کام اور باریک دستکاریوں میں بھی نام پایا ہے۔

(۷۰) ابوالحسن (حکیم)

ابوالحسن کنیت۔ علی بن سلیمان الزہراوی نام۔ علم العدد اور ہندسہ کا عالم اور طب میں بھی اچھا دخل رکھتا تھا۔ اُس نے بہت سے علوم ریاضیہ کی تحصیل ابی القاسم مسلمۃ بن احمد المجریطی سے کی تھی۔ اور مدت تک اُس کی صحبت سے مستفید ہوا۔

ابوالحسن کی تصانیف میں صرف ایک کتاب ہے۔ اِس کا نام "کتاب الارکان" ہے اور یہ برہان کے طریق پر المعاملات کے متعلق لکھی گئی ہے۔

(۷۱) ابوالحسین بن کشکرایا (حکیم)

عالم مشہور، صاحب فضیلت۔ اور اپنے فن میں کامل طبیب تھا۔ علاج میں خوب ہاتھ بیٹھا تھا۔ امیر سیف الدولہ بن حمدان کی خدمت میں رہا۔ جس وقت سیف الدولہ نے بیمارستان بنوایا اور اُسے اپنے نام سے موسوم کیا۔ ابوالحسین بن کشکرایا کو اس شفاخانہ کا طبیب مقرر کیا اور اُس کے اعزاز و مشاہرہ کو مزید کر دیا۔ ابوالحسین بن کشکرایا میں یہ عادت تھی کہ دوسرے اطباء پر غالب آنے کی

---

[۱] ابوالحسن (دیکھو سعید بن ہبۃ اللہ)

بڑی خواہش رکھتا۔ جہاں کوئی طبیب اس سے ملا اور اس نے اُس سے کوئی نہ کوئی مشکل علمی سوال کرکے اُسے بند کر دیا۔ یا اُس پر کوئی ایسا اعتراض جڑ دیا کہ وہ شرما کر رہ گیا۔ اُس کا ایک راہب بھائی تھا جس کو ایک نہایت عمدہ دوا حُقنہ کی معلوم تھی۔ سخت گرم اور تیز مواد کو نکالنے میں اُس کا حُقنہ بیحد کارگر پایا جاتا تھا۔ اسی لئے وہ "صاحب الحُقنہ" کے نام سے مشہور تھا۔

ابن کشکرایا۔ سنان بن ثابت بن قُرّہ کا شاگرد اور اُس کے ارشد و بہترین تلامذہ میں سے تھا۔ اس کی تصانیف میں ایک قرابادین جس کا نام "الحاوی" ہے بہت عمدہ کتاب ہے۔ اور ایک دوسری قرابادین اس نے کسی خاص شخص کی فرمائش سے لکھ کر اُسی کے نام سے موسوم کر دی تھی۔

(۷۲) ابوالحسین صاعد بن ہبۃ اللہ بن المؤمل (حکیم)

مذہبًا عیسائی اور اصل میں مقام "الخطیرہ" کا رہنے والا تھا۔ مگر بعد میں بغداد کی بود و باش اختیار کر لی۔ اُس کا نام "مرقس" بھی تھا اور یہ چنچ (گرجا) کا نام ہے عیسائی مذہب کے پیرو بپتسا دیتے وقت تبرکًا اپنے لڑکوں کا نام کسی ولی کے نام پر رکھ دیتے ہیں۔

ابوالحسین فاضل طبیب تھا۔ خلیفہ ناصرالدین کی خدمت میں رہا اور بہت کچھ عزت و دولت حاصل کی۔ عربی ادب کا اچھا ماہر۔ اور حکمت و فلسفہ کا زبردست عالم تھا۔ مزاج میں کچھ اکڑ۔ غرور۔ اور حماقت بھی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بدمزاجی حدِ کمال کو پہنچی ہوئی تھی جس سے بسا اوقات سخت ظلم کا مرتکب ہو جاتا۔

۵۹۱ھ میں بمقام بغداد فوت ہوا۔ اور وہیں عیسائیوں کی خانقاہوں میں دفن کیا گیا۔

(۷۳) ابوالحسین عمر بن عبداللہ الدحلی (حکیم)

خلیفہ مطیع للہ عباسی کا طبیب خاص اور اُس کا بیحد مقرب اور مُنہ لگا تھا۔

ایک طرح یوں کہنا صحیح ہوگا کہ خلیفہ بالکل اُس کی مٹھی میں تھا۔ جو چاہتا اُس سے منوا لیتا۔ اور کسی بات میں ذرا بھی خلیفہ سے نہیں دبتا تھا۔ خلیفہ نے اپنے بچ کے خاص منشی ابو محمد صلحی کو موقوف کر دیا تو اسی عمر بن عبداللہ طبیب نے اُس کی جگہ اپنا آوردہ آبی سعید وہب بن ابراہیم مقرر کرا دیا ❖

آبی سعید وہب بن ابراہیم خلیفہ طائع للہ کے عہد تک برابر اس منصب پر برقرار رہا۔ مگر خلیفہ مذکور نے کسی سبب سے ناخوش ہو کر اُسے قید کر دیا۔ پھر جس وقت سپہ سالار امیر بختیار اور امیر عضد الدولہ دیلمی بغداد میں آئے اور دارالخلافہ کو فتح کر کے اُس میں داخل ہوئے۔ اُس وقت خلیفہ طائع للہ تو بغداد سے بھاگ گیا۔ اور وہب بن ابراہیم مع دیگر قیدیوں کے جیل کے دروازے ٹوٹتے ہی اُس سے نکل کر آزاد ہو گیا ❖

(۷۴) اَبُوالحَکَم (حکیم)

یہ طبیب عیسائی المذہب ہر قسم کے علاج اور ادویہ کا اچھا ماہر تھا۔ یہ بنی امیہ معاویہ کا طبیب تھا۔ اور ابن اثال کی طرح اُن کی فرمائش دوائیں بنانے میں مشاق تھا۔ اُس نے ایک سو برس سے زیادہ عمر پائی۔ عبدالملک ابن مروان کے عہد حکومت تک دربار بنی اُمیہ میں اپنی خدمت انجام دیتا رہا۔ عبدالملک کو مرض الموت لاحق ہوا تو ابوالحکم ہی اُس کا معالج تھا۔ طبیب مذکور نے عبدالملک کو پانی پینے کی ممانعت کر دی تھی اور صاف کہہ دیا تھا کہ مرض کا مادہ پختہ ہو جانے سے پہلے تم نے پانی پیا تو جان کی خیر نہیں۔ چنانچہ عبدالملک نے ۲½ دن صبر کیا۔ لیکن تیسرے دن اُس کا ولی عہد ولید بن عبدالملک بن مروان باپ کی مزاج پرسی کو آیا اُس کا چہرہ اس خیال سے شگفتہ تھا کہ باپ کے مرتے ہی تخت و تاج کا مالک ہونگا۔ عبدالملک فرزند کے بُشرہ سے اُس کا دلی مدعا تاڑ گیا۔ اور اُسے اس قدر صدمہ ہوا کہ فوراً پانی منگا کر پی لیا اور جان دے دی ❖

(۷۵) ابو الحکم بن غلندو (حکیم)

اشبیلیہ میں پیدا ہوا اور وہیں نشو و نما پائی۔ ادیب و شاعر اعلےٰ درجہ کا تھا۔ فن طب میں دستگاہ کامل رکھتا تھا۔ چال چلن نہایت اچھا تھا۔ خلیفہ المنصور کا درباری طبیب اور اُس کے حضور میں معزز و صاحب رسوخ رہا۔ جب المنصور ۵۸۰ھ میں سریر آرائے جہانبانی ہوا تو وہ ابن غلندو کو اشبیلیہ سے اپنے ہمرکاب دارالخلافہ مراکش میں لیتا آیا۔ ابن غلندو بہت سی کتابوں کا مصنف ہے۔ اور وہ مراکش کے دو خطوط عربی۔ اور بربری بہت اچھے لکھ سکتا تھا۔ اُس نے مراکش میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوا۔

(۷۶) ابو الحکم (حکیم)

شیخ و حکیم ابو الحکم عبید اللہ بن مظفر بن عبد اللہ الباہلی الاندلسی المرئی علوم حکمیہ میں فاضل اور بے مثل ادیب و شاعر تھا۔ طب میں بھی نہایت اعلےٰ درجہ کی دستگاہ حاصل تھی۔ بذلہ سنج اور ظریف الطبع واقع ہوا تھا۔ اس کی نظم میں ہزلیات کا حصہ زائد ہے۔ مے خوار تھا اور سخت بدمست رہا کرتا تھا۔ موسیقی اچھی جانتا اور باجے وغیرہ بجانے اور گانے میں ماہر تھا۔

ابو الحکم دمشق کے بازار "جیرون" میں ایک دکان پر بیٹھ کر مطب کیا کرتا تھا۔ مکان سکونت اللبادین کے محلہ میں تھا۔ دمشق کے رئیس خاندان بنی الصوفی کی مدح میں اس کے بہت سے اشعار پائے جاتے ہیں۔ ابو الحکم نے بغداد اور بصرہ کی سیاحت کی تھی۔ مگر ان مقامات سے واپس آکر مستقل سکونت شہر دمشق (شام) میں اختیار کی اور اخیر وقت تک وہیں رہا۔ اور ۵۴۹ھ میں دمشق ہی میں فوت ہو گیا۔ اُس کی اپنے معاصر شعراء سے چشمک تھی۔ اور جانبین سے خوب ہجو بازی عمل میں آیا کرتی تھی۔ خصوصاً دمشق کے نامور شاعر "عرقلہ" نے ابو الحکم کی بہت سخت ہجو کی ہے۔

ابوالحکم کی تصانیف میں صرف اس کا ایک دیوان اشعار ہے اور کوئی علمی کتاب اس نے لکھی ہی نہیں ۔

(۷۷) ابو الخطاب (حکیم)

محمد بن محمد بن ابی طالب۔ بغداد کا رہنے والا۔ سعید بن ہبۃ اللہ کا شاگرد۔ علم طب اور معالجات میں سربرآوردہ تھا۔ زباندانی میں کمزور تھا۔ عربی عبارت پڑھتے ہوئے غلطیاں بہت کرتا۔ اس کی تصنیف فن طب میں کتاب الشامل نامی ۹۳ مقالات کی کتاب ہے۔ اس میں طب کے علمی مسائل اور عملی طریقے سوال و جواب کے طور پر درج کیے ہیں ۔

ابوالخیر حسن بن سوار۔ دیکھو ابن الخمار کا بیان

(۷۸) ابو الصلت (حکیم)

امیہ بن عبدالعزیز بن ابی الصلت۔ اندلس کے شرقی حصہ کے شہر دانیہ کا رہنے والا۔ علم طب اور دیگر علوم کا زبردست فاضل تھا۔ اس کی تصانیف نہایت مشہور اور اس کے کارنامے ہر زبان پر مذکور ہیں۔ فن طب میں اس نے وہ درجہ پایا کہ کوئی طبیب اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔ ادب اور عربی زباندانی میں بے مثل تھا۔ علم ریاضی اور موسیقی کا ماہر فن مانا گیا ہے۔ عود کے بجانے میں یکتائے وقت بذلہ سنج خوش کلام اور نازک خیال شاعر تھا۔ اپنے وطن اندلس سے مصر کی سیاحت کو گیا اور مدت تک پائے تخت قاہرہ میں مقیم رہ کر پھر اندلس میں واپس آیا۔ وہ ۵۱۰ھ میں مصر کے اندر داخل ہوا تھا۔ اور جس زمانہ میں وہ اسکندریہ میں رہتا تھا وہاں کے حاکم امیر افضل سپہ سالار نے ایک عرصہ تک قید رکھا۔ اس کے قید کیے جانے کی وجہ یہ تھی کہ بندرگاہ اسکندریہ کے نزدیک ایک جہاز جس پر تانبا بار تھا سمندر میں ڈوب گیا۔ ابوالصلت کو معلوم ہوا کہ جہاز کے مالک سخت پریشان ہیں اور اپنے مال

کے تلف ہونے پر مغموم۔ کیونکہ جہاں وہ جہاز ڈوبا تھا۔ پانی بہت گہرا تھا اور اُس کو دوبارہ تیرا لینے کی کوئی تدبیر نہیں بن آتی تھی۔ اُس نے غور کرنا شروع کیا کہ کیونکر یہ مشکل حل کرے۔ آخرش اُس کا نکتہ رس دماغ ایک تدبیر پر پہنچ گیا۔ اور اُس نے سپہ سالار افضل کے پاس جاکر دعوےٰ کیا کہ اگر اُس کی حسب ہدایت آلات و اسباب مہیا کر دئے جائیں تو غرق شدہ جہاز کو مع اُس سامان کے جو اُس کے اندر بھرا ہے پانی پر تیرا لائیگا۔ افضل بہت ہی خوش ہوا اور اُس نے کثیر رقم قرض لیکر ابی الصّلت کی ہدایت کے موافق جملہ سامان مہیا کر دیا۔ جب ہر چیز تیار ہو گئی تو ابو الصّلت تین چار جہازوں پر جملہ سامان بار کر کے سمندر میں اُس مقام پر لے گیا جہاں وہ جہاز ڈوبا تھا۔ مستحکم ریشمی رسیوں میں جو خود بخود لپیٹنے والی آہنی چرخیوں پر لپٹی تھیں فولادی انکڑے باندھ کر اُنہیں پانی میں لٹکایا اور غوطہ خوروں کو مقرر کیا کہ غرق شدہ جہاز کو ان رسیوں میں باندھ دیں۔ پھر مشینوں کو حرکت دی۔ اور چرخیاں آہستہ آہستہ رسی کو برابر لپیٹنے لگیں۔ جس قدر رسی لپٹتی جاتی تھی۔ ڈوبا ہوا جہاز اُبھرتا آتا تھا۔ اور خلقت یہ بے نظیر کارنامہ دیکھ کر مسرت کے نعرے بلند کرتی تھی۔ مگر اتفاق کی بات کہ جب جہاز پانی کی سطح کے اس قدر قریب آگیا کہ گویا وہ تیرا ہی لیا گیا ہے تو یکایک رسیاں ٹوٹ گئیں اور وہ پھر سمندر کی تہ میں چلا گیا۔ بلکہ وہ جہازات جو اُس کے نکالنے میں مصروف تھے اُن کو بھی اس اچانک صدمے سے بمشکل بچایا جا سکا۔

سپہ سالار امیر افضل اس ناکامی کی وجہ سے ابی الصّلت کا دشمن ہو گیا۔ کیونکہ اُس نے آلات وغیرہ کی تیاری میں قرض لے کر روپیہ خرچ کیا تھا اور وہ سب اِس طرح ضائع گیا۔ اُس نے ابی الصّلت کو قید کر دیا اور کہا کہ یا تو مصارف اپنے پاس سے ادا کرے ورنہ قید میں پڑا ہوا سڑتا رہے۔ مدت تک ابی الصّلت قید خانہ میں پڑا رہا۔ روپیہ اُس کے پاس کہاں تھا کہ ڈنڈ بھرتا۔ جب ایک عرصہ گزر گیا تو شہر کے کسی معزز امیر نے حاکم سے ابی الصّلت کے بارہ میں سفارش کی اور اُس کو رہائی دلوا دی۔ اسکندریہ کی قید سے چھوٹ کر ابی الصّلت نے مصر کی سیاحت میں کچھ دن

بسر کئے اور پھر اندلس واپس گیا۔ ابھی وہ اثنائے راہ ہی میں تھا کہ شہر المہدیہ میں پہنچ کر اُس نے وفات پائی۔ تاریخ وفات غرۂ محرم ۵۲۹ھ ہے۔ ابی الصلت کو مقام "منستیر" میں دفن کیا گیا اور اُس کی قبر پر خود اُسی کی یہ نظم حسب وصیت کندہ کر دی گئی:-

(۱) سَکَنْتُکَ یَا دَارَ الْفَنَاءِ مُصَدِّقًا	بِأَنِّیْ اِلٰی دَارِ الْبَقَاءِ أَصِیْرُ
(۲) وَأَعْظَمُ مَا فِی الْأَمْرِ أَنِّیْ صَائِرٌ	اِلٰی عَادِلٍ فِی الْحُکْمِ لَیْسَ یَجُوْرُ
(۳) فَیَا لَیْتَ شِعْرِیْ کَیْفَ أَلْقَاهُ عِنْدَهَا	وَزَادِیْ قَلِیْلٌ وَالذُّنُوْبُ کَثِیْرُ
(۴) فَإِنْ أَکُ مَجْزِیًّا بِذَنْبِیْ فَإِنَّنِیْ	بِشَرِّ عِقَابِ الْمُذْنِبِیْنَ جَدِیْرُ
(۵) فَإِنْ یَکُ عَفْوٌ ثَمَّ عَنِّیْ وَرَحْمَةٌ	فَثَمَّ نَعِیْمٌ دَائِمٌ وَسُرُوْرُ

(۱) اے دارِ فنا میں تجھ میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوا مقیم رہا کہ میں ضرور دار البقاء کو جانیوالا ہوں۔
(۲) سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ میں ایسے عادل کے روبرو جاؤنگا جو حکم میں ظلم و زیادتی نہیں کرتا۔
(۳) کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میں اُس کے حضور میں جا کر کیسا حکم سنوں گا۔ کیونکہ میرا توشہ تھوڑا ہے اور میرے گناہ بہت۔
(۴) اس لئے اگر مجھے خطاؤں کی سزا ملی تو اس میں شک نہیں کہ میں گنہگاروں کی سخت ترین سزا پانے کے لائق ہوں۔
(۵) اور اگر وہاں میری معافی ہو گئی اور مجھ پر رحمت ہوئی۔ تو پھر اس جگہ دائمی نعمت و مسرت ہے۔

تصانیف:- ابی الصلت اُمیّہ بن عبد العزیز کی تصانیف حسب ذیل ہیں:-

(۱) الرسالة المصریّة۔ اس میں سیاحت مصر اور وہاں کی اُن علمی اور قدیم یادگاروں کا بیان ہے جو قدماء کی ہندسہ دانی اور علم ہیئت و ریاضیات کی لاثانی معلومات پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر مصر کے اُن اطباء شعراء اور منجمین وغیرہ کا حال لکھا ہے جن سے وہ مصر میں ملا تھا۔ ابی الصلت نے یہ رسالہ اپنے مہربان ابی الطاہر یحییٰ بن تمیم بن معز بن بادیس کے نام لکھ کر ارسال کیا تھا۔

(۲) کتاب الادویة المفردة علی ترتیب الاعضاء المتشابهة الاجزاء والآلیة۔ یہ کتاب گو مختصر ہے لیکن اس کی ترتیب بڑی پیاری سی ہے۔

(۳) کتاب الانتصار لحنین بن اسحٰق علی ابن رضوان فی تتبعہ لمسائل حنین۔ مصر کے نامور طبیب علی بن رضوان نے حنین بن اسحٰق کی کتاب المسائل پر کچھ اعتراضات کئے تھے۔ اس کتاب میں ابی الصلت نے ابن رضوان کے اعتراضات کو رد کیا اور حنین بن اسحٰق کی تصدیق وتائید کی ہے۔

(۴) حدیقۃ الآدب۔

(۵) کتاب الملح العصریۃ۔ من شعراء اہل الاندلس والطارئین علیہا۔ نوادر اور لطائف کا مجموعہ ہے۔

(۶) دیوان اشعار۔ (۷) رسالہ فن موسیقی میں۔ (۸) کتاب علم ہندسہ (انجنیری) میں۔

(۹) رسالہ اصطرلاب سے کام لینے کے بیان میں۔ (۱۰) کتاب تقویم منطق الذہن۔

(۷۹) ابوالعباس الکنباری (حکیم)

ابوالعباس احمد بن ابی عبداللہ محمد۔ اشبیلیہ کا رہنے والا۔ فاضل وکامل طبیب۔ معالجات میں ماہر اور اپنے ہمعصروں میں ممتاز و مؤقر تھا۔ شروع میں اس نے علم طب عبدالعزیز بن مسلمۃ الباجی سے پڑھا۔ اور پھر ابی الحجاج یوسف بن موراطیر کے حلقۂ درس میں داخل ہوا۔ اس غرض سے اُس نے مراکش کا سفر کیا اور تا فراغت تکمیل وہاں مقیم رہا۔ کسب کمال کے بعد پھر اپنے وطن اشبیلیہ میں آکر وہاں قیام سکونت اختیار کی۔ "ابی النجا بن ہود" امیر اشبیلیہ کے دربار کا طبیب رہا اور اُس کے بھائی ابی عبداللہ بن ہود کی بھی خدمت گزاری کی۔

(۸۰) ابوالعباس بن الرومیۃ (حکیم)

ابوالعباس احمد بن محمد بن مفرج۔ النباتی۔ ابن الرومیۃ کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ اشبیلیہ کا معزز باشندہ تھا۔ اور وہاں کے سربرآوردہ علماء وفضلاء میں شمار ہوتا تھا۔ علم نباتات میں اُس نے وہ کمال حاصل کیا کہ باید وشاید۔ دواؤں کی شناخت۔ اُن کی شکل وصورت۔ قوتیں۔ فوائد اور خواص۔ اور اُن کے اختلاف حال و اوصاف

کا پورا علم اُس نے حاصل کیا۔ یہ بھی تحقیق کی کہ ہر ملک میں کون کون سی دوا پیدا ہوتی ہے۔ اور جو ادویات مختلف ممالک میں ایک سال پیدا ہوا کرتی ہیں اُن کے خواص و افعال میں کیا فرق ہے۔

ابن رومیہ کے نام اور اس کی نیک شہرت نے دنیا میں رواج پایا۔ وہ نہایت دیندار۔ مجتہد۔ طبعی امور کا محقق۔ اور اعلےٰ انسانی اوصاف کا جامع تھا۔ حدیث میں ابن حزم وغیرہ جیسے نامور اور فاضل محدثین کا شاگرد تھا۔ ادویات کی تحقیق اور دیکھ بھال کے شوق میں عالم نوردی اختیار کی۔ اندلس۔ مغرب۔ اور افریقہ کے جنگل اور کوہستانوں کی خاک اُڑاتا اور ہر جگہ کی نباتات کا مشاہدہ اور تجربہ کرتا ہوا ۶۱۳ھ میں ملک مصر میں پہنچا۔ اور دو سال کے قریب تک مصر۔ عراق۔ اور شام کے ملکوں میں مقیم رہ کر وہاں خلق خدا کو نفع پہنچاتا رہا۔ علاوہ اس کے کہ وہ ان ملکوں میں حدیث سُنایا کرتا تھا۔ اُن ادویات کا بھی معائنہ کرتا۔ جو بلاد مغرب میں پیدا نہیں ہوتیں ہر ایک نبات کو خاص اس کے اُگنے کی جگہ میں جا کر دیکھتا۔ اور اس کی تصویر الفاظ میں اس خوبی سے قلمبند کرتا کہ نقاش ویسی تصویر کیا بنا سکیگا۔

(۸۱) اَبُوالعَرَب (حکیم)

یوسف بن محمد۔ ایک محقق طبیب اور اس فن کا تجربہ کار ماہر تھا علمی حیثیت سے اپنے وقت کا امام فن مانا جاتا ہے۔ محمد بن عبدون کے بعد کوئی عربی النسل شخص ایسا ماہر طبیب اور عالم فن نہیں ہوا جیسا کہ ابوالعرب ہوا ہے بڑا صاحب شوخ تھا۔ افسوس ہے کہ پیچھے میں اس کو مے نوشی کی لت اس قدر پڑ گئی کہ ہر وقت نشہ میں غلطان رہا کرتا۔ اسی وجہ سے خلق خدا اسکی ذات سے نفع نہیں پا سکتی تھی۔ تقریباً نوّے سال عمر پا کر ۳۴۰ھ کے بعد فوت ہو گیا۔

(۸۲) ابوالعلاء بن ابی جعفر احمد بن حسّان (حکیم)

غرناطہ کا ایک معزز فرد اور سر برآوردہ شخص تھا۔ ذہین و ذکی۔ صاحب علم و فضل

اور بہت نیک مزاج وخوش خلق تھا۔ ادب میں خاص مہارت رکھتا تھا۔ طب میں بھی اعلےٰ پایہ حاصل کیا اور باپ کی طرح اُس کے بعد درباری طبیب رہا۔ اُس کو خلیفہ المستنصر کے دربار میں خاص رسوخ حاصل تھا۔ اشبیلیہ میں کوئی شخص فن طب میں اس کا مثل نہ تھا۔ اور لبلہ شہر میں اُس نے مستقل سکونت اختیار کر لی تھی ◆

(۸۳)　ابو العلاء بن زُہر　(حکیم)

ابو العلاء بن زُہر۔ بن ابی مروان عبد الملک بن محمد بن مروان نام، حذاقت اور معالجات کی معرفت میں مشہور تھا، اس کے ہاتھ سے بہت کچھ معرکۃ الآرا علاج ہوئے جن سے اس کی فن طبابت میں قوت نظر اور علمی لیاقت کا اظہار ہوتا تھا۔ مریضوں کے علاج میں اُس کی عجیب وغریب حکایات اور لطائف وظرائف مذکور ہیں۔ مریض کی صورت دیکھتے ہی اُس کی حالت سے واقف ہو جانا اس کا خاصہ تھا۔ وہ کبھی مریضوں سے اُن کا حال دریافت نہ کرتا تھا۔ صرف اُن کی نبض، تارورہ، اور صورت کو دیکھ کر مرض تشخیص کر لیتا تھا ◆

ابو العلاء بن زُہر۔ مغرب کے حکمران "ملثمین" کے عہد میں گزرا ہے جو "المرابطین" بھی کہلاتے تھے اور اُن کی سلطنت نہایت زبردست تھی۔ ابو العلاء بن زُہر نے اس خاندان حکومت کے ایام میں بہت بڑے بڑے رتبے حاصل کئے، اور ہر ایک کام میں جو اس کے سپرد ہوا نیکنامی پیدا کی۔ یہاں تک کہ قلمدان وزارت بھی اس کو تفویض ہوا۔ طب اور زباندانی کا مشغلہ کبھی نہیں چھوڑا۔ تالیف وتصنیف میں اعلےٰ پایہ رکھتا تھا۔ ممالک مغرب میں شیخ الرئیس ابو علی ابن سینا کی کتاب "القانون" ابو العلاء بن زُہر ہی کے زمانہ میں آئی تھی۔ کوئی تاجر جو شہر حلب کا باشندہ تھا ایک نسخہ اس کتاب کا مغرب میں لایا۔ اور ابو العلاء کو بطور تحفہ کے نذر دیا۔ ابو العلاء نے پہلے اس کتاب کا نام بھی نہ سنا تھا۔ جب اُس نے "قانون شیخ" کو دیکھا تو اُسے یہ کتاب کچھ پسند نہ آئی اور اُس نے اس کو اپنے کتب خانہ میں داخل نہیں کیا۔ بلکہ اُس کے سادہ حواشی کو کاٹ کاٹ کر اُن پر مریضوں کے نسخے لکھتا تھا ◆

ابو العلاء بن زُہر شاعری میں طبع عالی اور فکرِ رسا رکھتا تھا۔ بیحد چشم پوش، دوست نواز، عالی حوصلہ، صاحب عزت و جاہ، اور خوش خلق تھا۔ مگر ساتھ ہی بدزبانی کا عیب بعض اوقات اُس کی طبیعت کو تمام خوبیوں سے عاری بنا دیتا، اور وہ لوگوں کی نظر میں خفیف ہوا کرتا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ بے عیب محض ذاتِ خدا تعالیٰ ہے۔ انسان چاہے کیسا ہی خلیق و لائق کیوں نہ ہو وہ عیب و نقص سے خالی نہیں ہو سکتا۔ ابو العلاء بن زُہر کی مجلس درس بھی نہایت شاندار ہوتی تھی۔ ہر علم و فن کے طلبہ اُس کے فیض صحبت سے مستفید ہوتے۔ فن طب میں اُس کا شاگرد رشید ابو عامر بن ینق شاطبی مشہور طبیب اور شاعر تھا۔ ابو العلاء بن زُہر وفات کے بعد اندلس کے شہر اشبیلیہ میں باب الفتح کے باہر مدفون ہوا۔ ۵۲۶ھ میں وفات پائی یا اس سے ایک سال قبل +

تصانیف :- ابو العلاء بن زُہر کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-

(۱) کتاب الخواص +

(۲) کتاب الادویہ المفردہ +

(۳) کتاب الایضاح بشواہد الافتضاح۔ یہ کتاب مصر کے نامور طبیب علی بن رضوان کی تردید میں لکھی ہے جس نے حنین بن اسحٰق کی کتاب المدخل فی الطب پر کچھ شکوک وارد کئے تھے +

(۴) جالینوس کی کتابوں پر ابن زکریا رازی طبیب نے جو شکوک وارد کئے تھے اُن کے حل میں ایک کتاب لکھی ہے +

(۵) مجربات طبیہ +

(۶) مقالہ ابی علی بن سینا شیخ الرئیس کے رد میں۔ یہ تردید شیخ کی کتاب الادویۃ المفردہ کے بعض مقامات پر کی گئی ہے اور ابن زہر نے اس کتاب کو اپنے بیٹے ابی مروان کیلئے تالیف کیا تھا +

(۷) کتاب النکت الطبیۃ۔ بعض فن طب کی باریکیاں اس میں درج کی ہیں +

(۸۴) ابو العلاء صاعد بن الحسن (حکیم)

فن طب میں فاضل اور ممتاز طبیب تھا۔ نہایت تیز طبع۔ اعلےٰ درجہ کا خوش بیان

اور شہر رحبہ کا باشندہ تھا۔ کتاب التشویق الطبی " اس کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب اس نے ۴۶۴ھ میں بمقام شہر رحبہ تالیف کی تھی۔

(۸۵) ابو الغنائم ہبۃ اللہ بن علی بن الحسین الثردی (حکیم)

بغداد کا باشندہ حکمت میں ممتاز اور فن طب میں فاضل تھا۔ طبی علم و عمل کی اعلیٰ مہارت میں سر نام رہا۔ اس کی تالیفات میں حسب ذیل دو کتابیں ہیں:۔

(۱) چند تعلیقات طبی اور فلسفی۔

(۲) مقالہ۔ اس امر کے بیان میں کہ نیند کا مزا کس وقت سونے میں ملتا ہے۔

(۸۶) ابو الفتح گیلانی (اکبرشاہی) (حکیم)

شہنشاہ اکبر کی خدمت میں ابو الفتح کو اس قدر تقرب حاصل تھا کہ دیگر اہل دربار اس پر حسد کرتے تھے۔ وہ نہایت ذکی و فہیم اور نظم و نثر میں ممتاز تھا۔ ایسا ہی وہ بیدینی اور تمام اخلاق ذمیمہ میں بھی ضرب المثل تھا۔ ملا عبد القیوم بدایونی مؤلف منتخب التواریخ کہتے ہیں کہ میں نے ابو الفتح کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ امیر خسرو (مشہور شاعر) نے صرف بارہ بیت کہے۔ وہ مشہور شاعر انوری کو تحقیر سے انوریک کہا کرتا تھا۔ خاقانی کی نسبت وہ کہتا تھا۔ کہ اگر وہ اس زمانہ میں ہوتا تو اس کی خوب اصلاح ہوتی کیونکہ جب کبھی وہ میرے دروازہ پر آتا تو میں اس کے ایک چپت رسید کرتا اور یہاں سے جب وہ شیخ ابو الفضل کے مکان پر جاتا تو وہ ایک چپت رسید کرتے اور اس طرح سے ہم اس کے اشعار کی اصلاح کرتے۔

(۸۷) ابو الفتح (حکیم)

ابو الفتح منصور بن سہلان بن مقشر۔ مذہباً عیسائی اور مشہور طبیب تھا۔ جراحی میں بھی ماہر تھا۔ حاکم بامر اللہ فاطمی خلیفہ مصر کا طبیب خاص رہا اور اس کے حضور میں

نہایت بارسوخ۔ العزیز باللہ بھی اُس سے علاج کرایا کرتا تھا اور عزت و حرمت کرتا تھا
ابوالفتح نے الحاکم کے زمانہ میں وفات پائی۔ اور اس کی وفات کے بعد خلیفہ الحاکم نے
اسحق بن ابراہیم بن نسطاس کو اپنا طبیب مقرر کیا مگر وہ بھی چند عرصہ بعد فوت ہو گیا ۔

(۸۸) ابُوالفرج ابنُ القُف (حکیم)

امین الدولہ لقب و خطاب ابوالفرج۔ کنیت و نام۔ امام یگانہ فاضل نادر موفق الدین
یعقوب بن اسحٰق بن قف کا فرزند رشید اور قلعۂ کرک کا باشندہ اور مذہباً عیسائی تھا ۔
ابوالفرج کی ولادت ۶۳۰ھ میں قلعہ کرک کے اندر ہوئی۔ اور فاضل باپ کی
آغوش تربیت میں پرورش پاکر پروان چڑھا۔ ابوالفرج کا والد موفق الدین یعقوب
ملک الناصر یوسف بن محمد کے عہد میں مقام صرخد میں کاتب تھا۔ اور ایک حکمہ کا عامل
ابوالفرج کے بشرہ سے بچپن ہی میں بقول "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" ارجمندی
اور ہونہار ہونے کے آثار عیاں تھے۔ وہ بیوقوف بچوں کی طرح کھلاڑی اور بالونی
نہ تھا۔ خاموشی پسند۔ تیز طبع۔ اور علماء کی روش کا دلدادہ پایا جاتا تھا۔ باپ نے سعادتمند
بیٹے کے یہ اطوار دیکھ کر اُسے طب کی تعلیم دلانے کا قصد کیا اور حکیم ابن ابی اصیبعہ
مؤلف کتاب طبقات الاطباء کے سپرد کیا کہ وہ اس کو طب پڑھائے ۔
ابوالفرج فاضل اُستاد کی خدمت سے جُدا نہ ہوتا اور بڑے شوق سے مطالعہ
و درس میں مصروف رہا کرتا یہاں تک کہ اُس نے طب کی سب درسی کتب پڑھ لیں
اور خوب سمجھ کر پڑھیں۔ پھر مطب کے تجربات حاصل کئے۔ اس کے بعد ابوالفرج کا
باپ پایۂ تخت دمشق کو چلا گیا اور وہاں اعلیٰ سلطانی دفتر میں خدمت پر مامور ہوا۔
ابوالفرج بھی باپ کے ساتھ دمشق میں آیا۔ اور یہاں اُس نے دیگر علوم و فنون کی تحصیل
کی۔ علوم حکمیہ و فلسفیہ شیخ شمس الدین عبدالحمید خسروشاہی وغیرہ سے پڑھے۔ اور
طب میں حکیم نجم الدین ابن المنفاخ اور موفق الدین یعقوب السامری کے روبرو زانوے ادب
تہ کیا۔ شیخ مؤید الدین العُرضی سے کتاب اقلیدس پڑھی۔ اور اُس کو بخوبی سمجھ کر اُسکی

اشکال کو حل کیا۔

ابو الفرج بن القف نے فن طبابت میں بڑا نام پایا۔ اور تکمیل علوم سے فارغ ہوتے ہی اس کا تعلق قلعہ عجلون میں طبی خدمات کے عہدہ پر ہوگیا۔ ابو الفرج کئی سال قلعہ مذکورہ میں مقیم رہ کر پھر دمشق میں چلا آیا اور وہاں کے شاہی قلعہ کا طبیب خاص بنایا گیا۔ ابو الفرج بن القف اپنے کام میں بہت ہوشیار اور بیحد نیک چلن شخص تھا۔ اُس کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔

(۱) کتاب الشافی۔ طب میں۔
(۲) شرح کلیات ابن سینا۔ اسکی چھ جلدیں ہیں۔
(۳) شرح کلیات قانون شیخ۔
(۴) جالینوس کی کتاب الفصول پر شرح۔ دو جلدوں میں۔
(۵) مقالہ حفظ صحت کے بیان میں۔
(۶) کتاب العمدہ در فن جراحی جس میں تمام جراحی اعمال کا مفصل بیان کیا گیا ہے۔
(۷) کتاب جامع الغرض۔ ایک جلد میں۔
(۸) قانون کے تیسرے حصہ پر شرح۔
(۹) شرح اشارات کا ناتمام مسودہ۔
(۱۰) المباحث المغربیہ۔ یہ کتاب بھی ناتمام رہی۔

ابو الفرج بن القف۔ ماہ جمادی الاول ۶۸۵ھ میں دنیا سے عالم آخرت کا سفر کر گیا۔

(۸۹) ابو الفرج بن ابی سعید یمامی (حکیم)

فن طب میں اچھا فاضل اور فنون حکمت کا ممتاز عالم تھا۔ اس کی ملاقات شیخ الرئیس بوعلی بن سینا سے ہوئی اور ان دونو کے آپس میں فن طب وغیرہ کے متعلق بہت کچھ علمی سوال وجواب بھی ہوئے تھے۔ اس کی تصنیف صرف ایک رسالہ ہے جو کہ اُس طبی مسئلہ پر لکھا گیا جو ابو الفرج اور شیخ الرئیس ابن سینا کے مابین زیر بحث آیا تھا۔

(۹۰) ابو الفرج بن الطیب (حکیم)

امام زمانہ۔ فیلسوف عصر۔ علامۂ عہد ابو الفرج عبداللہ بن الطیب۔ مذہبًا عیسائی اور رومن کیتھلک فرقہ کے بڑے دینی پیشوا کا خاص منشی تھا۔ بغداد کے عیسائیوں میں

اس کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ بغداد کے بیمارستان عضدی میں فن طب کا مدرس رہا اور بیماروں کا علاج بھی کرتا تھا۔ جالینوس کی کتاب پر اس نے ایک عمدہ شرح لکھی ہے۔ جو مقام "اغلوقن" تک پائی جاتی ہے۔ اس کی یہ تصنیف لوگوں نے خود اس سے پڑھی بھی تھی۔ چنانچہ اس کے زیر درس ہونے کی یادداشت اس خاص نسخہ پر لکھی ہے جو پڑھایا گیا تھا۔ وہ تاریخ روز پنجشنبہ ۱۱۔ رمضان سنہ ۴۰۶ھ ہے۔ غالباً یہ درس ختم ہونے کی تاریخ ہے۔

ابوالفرج بن الطیب فن طب کا مشہور ماہر اور بڑا عظیم المرتبت وسیع العلم کثیر التصنیف اور فلسفہ کا اچھا عالم تھا۔ فلسفہ و حکمت کا بہت مشغلہ رکھتا۔ ارسطو کی اکثر حکمت کی کتابوں پر اس نے شرح لکھی ہے۔ اور اسی طرح بقراط و جالینوس کی کتابوں پر بھی جو فن طب میں ہیں نفیس شرحیں تحریر کیں۔ تصنیف و تالیف پر اس کو عجیب قدرت حاصل تھی۔ زیادہ تر کتابیں اس نے یوں تصنیف کی ہیں کہ خود عبارت بولتا جاتا اور لوگ لکھا کرتے تھے۔

ابوالفرج بن الطیب شیخ الرئیس بوعلی سینا کا ہمعصر تھا۔ شیخ اس کی طبی تصانیف کی تعریف کرتا اور ان کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا تھا مگر فلسفہ و حکمت میں اس پر معترض ہوا کرتا۔ چنانچہ وہ اپنے ایک رسالہ میں جو اس نے ابوالفرج بن الطیب کی تردید میں لکھا ہے کہتا ہے: "ہم کو بعض کتابیں شیخ ابوالفرج بن الطیب کی تصانیف سے ملی ہیں۔ ان میں سے جو کتابیں فن طب میں ہیں وہ صحیح و پسندیدہ پائی گئیں۔ مگر اس کے برخلاف وہ تصانیف جو منطق، حکمت طبیعیہ اور فلسفہ وغیرہ میں ہیں بالکل پوچ و لچر ہیں۔

دو ایرانی طالب علم ابن الطیب کے علم و فضل کا شہرہ سن کر بغداد آئے اور اس سے ملے۔ اتفاق سے جب یہ دونوں شخص ابن الطیب سے ملنے آئے وہ اس وقت گھر پر نہ تھا بلکہ گرجا میں نماز و عبادت ادا کرنے گیا تھا۔ یہ بھی پوچھتے پوچھتے وہیں جا پہنچے۔ دیکھا کہ ابن الطیب سر برہنہ، صوف کا لباس پہنے ہوئے، ننگے پیر قربان گاہ کے پاس کھڑا ہے۔ ہاتھ میں انگیٹھی تھی۔ اس پر خوشبو سلگاتا اور گرجا کے مقدس مقامات کو خوشبو دیتا پھرتا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر دونو ایرانی طالب علم متحیر ہوئے۔ باہم اپنی زبان میں

کہنے لگے " دیکھو تو! یہ آتنا زبردست فیلسوف ہو کر کیا کر رہا ہے۔ ہم نے دور دور اُسکے علم وکمال کا شہرہ سُنا اور معلوم کیا ہے کہ فلسفہ وطب میں اپنا مثل نہیں رکھتا" ابن الطیب دونو ایرانیوں کی حالت دیکھ کر تاڑ گیا کہ وہ اُس کی عبادت گزاری کو فیلسوف وحکیم ہونے کے منافی جانتے ہیں۔ وہ خاموش ہو رہا۔ نماز سے فارغ ہو کر گرجا سے باہر نکلا۔ لباس تبدیل کیا۔ سواری آئی۔ غلاموں کے حلقہ میں سوار ہو کر چلا تو اُن ایرانی طلبہ کو بھی ساتھ لے لیا۔ اور گھر پہنچ کر اُن سے آنے کا سبب دریافت کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ " ہم ایران سے آپ کے فضل وکمال کا شہرہ سُن کر آئے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ کچھ فیض حاصل کریں" ابن الطیب نے اُن کو حلقۂ درس میں بٹھالیا اور تعلیم دینا شروع کر دیا۔ ایک دن اُن سے دریافت کیا " کبھی تم نے حج بھی کیا ہے؟" ایرانی طلبہ نے جواب دیا " نہیں" ابن الطیب خاموش ہو رہا۔ پھر جب حج کا زمانہ آیا اور بغداد سے حاجیوں کا قافلہ روانہ ہونے کی تیاری شروع ہوئی۔ ابن الطیب نے اپنے دونو مسلمان ایرانی طلبہ سے کہا اگر تم کو یہ منظور ہے کہ میرے شاگرد ہو کر کچھ حاصل کرو تو جاؤ پہلے حج کر آؤ۔ جب وہاں سے واپس آؤ گے میں تم کو بہت جلد کامل بنا دونگا۔ ورنہ اپنے حلقۂ درس میں شریک بھی نہ ہونے دونگا" شائق علم طالب علم مجبور ہوئے اور اُن کو یہ شرط ادا کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ نظر آیا۔ بہرحال وہ حج کرنے گئے اور وہاں سے فارغ ہو کر بخیریت واپس آئے۔ اب جو وہ ابن الطیب سے ملے تو اُن کی رنگت سفر کی تکلیف سے بدل گئی تھی۔ دُبلے ہو رہے تھے۔ کچھ عبادت و پابندی مذہب کی بھی چاٹ لگ چکی تھی۔ ابن الطیب نے اُن سے ارکان ورسُوم حج کی نسبت دریافت کیا کہ کیوں جی! تم نے احرام باندھ کر سخت دھوپ میں طواف اور سعی کی تھی؟ منےٰ میں شیطانوں کو کنکریاں ماری تھیں؟ اور تمام ارکان ومناسک بجالائے تھے؟" اُنہوں نے کہا " جی ہاں" ابن الطیب نے کہا " یہی واجب تھا۔ اب تمہیں معلوم رہے کہ شرعی امور روایتی ہوتے ہیں عقلی نہیں ہوا کرتے۔ ہر ملت و مذہب میں رسُوم دین کی تم یہی حالت پاؤ گے۔ یاد رکھو کہ علم و حکمت اور چیز ہے اور دینداری اور چیز۔ اور علم کا مقصد یہ ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ انسان

اُس کے پھندے میں آکر اپنے مالک وخالق کو بھول جائے اور دین کی پابندیاں ترک کرکے خلیع العذار وشتر بے مہار بنا پھرے"۔ غرضکہ ابن الطیب کی یہ نصیحت دونوں ایرانی جوانوں پر کارگر ہوگئی۔ آئندہ کے لئے اُنہوں نے دین اور اُس کے شعائر کو بنظرِ حقارت نہ دیکھنے کا عہد کیا اور اس فاضل۔ دیندار۔ کریم النفس اُستاد کی صحبت سے فیض اُٹھا کر آخرکار اُس کے شاگردوں میں سب پر لائق وفائق ہوگئے ؛

ابن الطیب نے ابن الخمار کے روبرو زانوے شاگردی تہ کیا تھا۔ اور جو کچھ علم وفضل حاصل کیا زیادہ تر اسی ایک اُستاد سے حاصل کیا۔ خود ابن الطیب نے بھی متعدد نامور شاگرد اپنی یادگار چھوڑے جن کے نام حسب ذیل ہیں :۔

ابا الحسن بن بطلان ؛ ابن بذرج ؛ المروزی ؛ بنی حیون ؛ ابا الفضل کتیفات ؛ ابن اشروی ؛ غیدان ؛ ابن مسویسا ؛ اور ابن التلمیذ ؛

ابن الطیب کے معاصر نامی اطباء حسب ذیل تھے :۔

ساعد بن بشر ؛ ابن التلمیذ ؛ ابن طیب ؛ ابوسہل ؛ مسیحی جو بوعلی سینا کا اُستاد تھا ؛ ابو سعید فضل بن عیسے یمامی۔ اس کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ ابن سینا اس کا شاگرد تھا ؛ عیسے بن علی بن ابراہیم بن ہلال کاتب۔ جس کی کنیت ابوالحسن تھی ؛ علی بن عیسے کحال ؛ ابوالحسین بصری ؛ رجا طبیب خراسانی ؛ اور زنہرون طبیب ؛

تصانیف :۔ ابی الفرج ابن الطیب کی تصانیف یہ ہیں :۔

(۱) ارسطو کی حسب ذیل کتابوں پر شرحیں ؛
(۲) قاطیغوریاس ؛
(۳) باریمیاس ؛
(۴) انالوطیقا ؛
(۵) انالوطیقا دوم ؛
(۶) طوبیقا ؛
(۷) سوفسطیقا ؛
(۸) کتاب الخطابہ ؛
(۹) کتاب الشعر ؛
(۱۰) اور کتاب الحیوان ؛
(۱۱) بقراط کی ان کتابوں کی شرحیں
(۱۲) کتاب ابیذیمیا ؛
(۱۳) کتاب الفصول ؛
(۱۴) کتاب طبیعۃ الانسان ؛
(۱۵) کتاب الاخلاط ؛

(۱) اور کتاب الفرق ؛
(۲) کتاب الصناعۃ الصغیرہ ؛

(۳) کتاب النبض الصغیر ٭
(۴) کتاب اغلوقن ٭
(۵) کتاب الاسطقسات ٭
(۶) کتاب المزاج ٭
(۷) کتاب القوی الطبیعیّۃ ٭
(۸) کتاب التشریح الصغیر ٭
(۹) کتاب العلل والاعراض ٭
(۱۰) کتاب علل الاعضاء الباطنۃ ٭
(۱۱) کتاب النبض الکبیر ٭
(۱۲) کتاب الحمیات ٭
(۱۳) کتاب البحران ٭
(۱۴) کتاب ایام البحران ٭
(۱۵) کتاب حیلۃ البرء ٭
(۱۶) کتاب تدبیر الاصحّاء ٭

اِن ۱۶ سولہ کتابوں کی بھی شرحیں بہت عمدہ لکھی ہیں اور یہ کتابیں جالینوس کی تصنیف ہیں٭ اِن کے علاوہ جالینوس کی ۱۶ سولہ مشہور کتابوں کا نچوڑ جو کہ فن طب کی جامع کتابوں کا اختصار ہے - اور حنین بن اسحٰق کی کتاب المسائل کے خلاصہ کی شرح ۴۰۶ھ میں ترتیب کی - اور یہ کتابیں بھی ابن الطیّب کی اچھی یادگار ہیں ٭

(۱) کتاب النکت والثمار الطبیۃ والفلسفیۃ ٭
(۲) فرفوریوس کی کتاب ایساغوجی کی شرح ٭
(۳) مقالہ قوائے طبعی کے بیان میں ٭
(۴) مقالہ اِس علّت کے بیان میں کہ خلط کی استفراغ (خارج) کرانے والی دوائیں کیوں مقرر کی گئیں اور خون کو خارج کرنے کی دوائیں کس لئے نہیں قرار پائیں چاہئے تو یہ تھا کہ اور اخلاط کی طرح اس کا استفراغ بھی ادویات کے ذریعہ سے کیا جا سکتا ٭
(۵) تعلیقات آنکھ کے بیان میں ٭
(۶) مقالہ خوابوں کے بیان اور اُن میں سے صحیح و سقیم خوابوں کا فرق دکھانے میں حسب مذہب فلاسفہ ٭
(۷) جالینوس کی کتاب نافع الاعضاء کی شرح ٭
(۸) ایک مختصر مقالہ محبت کے بیان میں ٭
(۹) اور انجیل مقدس کی شرح ٭

(۹۱) اَبُوالفَرَج بِن ہِندُو (حکیم)

ابوالفرج علی بن حسین بن ہندو - علوم حکمیہ - طبیعیہ - اور ادب میں بڑا ممتاز فاضل

اور علامۂ وقت تھا۔ اس کی انشا پردازی اور نظم نہایت دلکش ہوتی تھی۔ وہ علوم حکمیہ اور طب میں ابوالخیر حسن بن سوار کا شاگرد رشید اور نام روشن کرنے والا ہوا۔ ادب و بلاغت کے علاوہ فن طب میں بھی اس کی دستگاہ بڑے پایہ کی تھی +

اُس کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-

(۱) مقالہ موسومہ بہ مفتاح الطب۔ یہ اُس نے اپنے شاگردوں کے لئے تالیف کیا تھا +
(۲) مقالہ شوق و ہائندہ بسوئے تحصیل فلسفہ +
(۳) کتاب الکلم الروحانیہ من الحکم الیونانیہ +
(۴) دیوان اشعار +
(۵) رسالہ ہزلیہ ظرافت +

(۹۲) ابوالفرج (حکیم)

صاعد بن ہبۃ اللہ بن توما (اور ایک قول ہے کہ صاعد بن یحییٰ بن ہبۃ اللہ بن توما نام تھا) مذہباً عیسائی اور اجداد کا سر برآوردہ طبیب۔ عراق میں مشہور تھا۔ وہ ابتدا میں خلیفہ کے آبار خاص نجم الدولۃ ابی الیمن نجاح۔ کا طبیب مقرر ہوا کہ رفتہ رفتہ نجم الدولہ کا مقرب خاص اور میر منشی بنکر دربار خلافت میں رسائی حاصل کی خلیفہ ناصر عباسی کے علاج کو جتنے طبیب آیا کرتے ابوالفرج بھی اُن کے ساتھ مشورہ میں شریک ہوتا۔ ہوتے ہوتے خلیفہ کے مزاج میں بھی دخیل بنکر کئی شاہی خدمتیں حاصل کیں اور بہت کچھ دولت کمائی۔ وہ سنہ ۶۲۰ھ میں قتل کر دیا گیا۔ اُس کے قتل کا سبب یہ ہوا کہ ایکبار اُس نے فوجی سپاہیوں کے کسی دستہ کو جو اُس کا ماتحت تھا سخت و سُست کہا۔ اُن میں سے دو شخصوں نے گھات لگا کر رات کے وقت حکیم ابی الفرج کو راستہ میں گھر جاتے ہوئے چھُروں سے قتل کر دیا۔ اس کی موت کے بعد خلیفہ نے اُس کی جائداد کا تعلیقہ کرا لیا۔ اور حکم دیا کہ زر نقد خزانۂ عامرہ میں لے لیا جائے اور املاک و سامان خانہ داری ابی الفرج کے بیٹے کو دے دیں۔ چنانچہ ۸ لاکھ ۱۲ ہزار دینار زر خالص نقد اُس کے ترکہ میں سے خزانہ میں داخل ہوئے۔ اور املاک و اثاث البیت جو اُس کے فرزند کو چھوڑ دیا گیا۔ اُس کی قیمت کا اندازہ پونے دو لاکھ دینار کے قریب تھا +

ابن القفطی اپنی کتاب تاریخ الحکماء میں حکیم ابی الفرج طبیب کے قتل کی وجہ یہ لکھتا ہے کہ خلیفہ ناصر لدین اللہ اس کو بہت معتمد سمجھ کر تمام اہم رازوں پر واقف کیا کرتا تھا۔ اخیر عمر میں خلیفہ کی بصارت کمزور ہوگئی اور یاد میں بھی فتور آگیا۔ اس خرابی کا سبب مختلف صدمات تھے جو اُس کو پیرانہ سالی میں برداشت کرنے پڑے۔ خلیفہ نے اس مجبوری سے بغداد کی ایک خوشخط عورت کو جو قریب قریب خلیفہ کی مانند لکھ سکتی تھی اور دونوں کے خط میں فرق کرسکنا بہت باریک بیں کا کام تھا اپنی پیشی میں مقرر کیا۔ اس عورت کا نام "ست نسیم" تھا وہ خلیفہ کی طرف سے خطوط۔ فرمانات۔ اور رقعے لکھا کرتی۔ خلیفہ پر چونکہ بھول کا غلبہ تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ یہ عورت خود ہی جواب لکھ دیا کرتی۔ پھر ایک خادم "تاج الدین رشیق" اور اس عورت سے سازباز ہوگیا۔ ایک بار وزیر اعظم مؤید الدین ابن القمی نے خلیفہ کو کسی ضروری معاملہ میں کچھ لکھا۔ اُس کا جواب آیا تو وزیر نے دیکھا کہ سوال کچھ تھا اور جواب کچھ ہے۔ وہ سخت حیران ہوا۔ آخر اُس نے طبیب ابی الفرج سے اس امر کا در پردہ ذکر کیا اور طبیب نے اُس کو "ست نسیم" اور "رشیق" خادم کے افعال سے آگاہ کردیا۔ وزیر اب تک دربار خلافت کے تمام احکام کی بے چون وچرا تعمیل کرتا رہتا تھا۔ لیکن آئندہ اُس نے احتیاط سے کام لینا شروع کیا "ست نسیم" اور "رشیق" کو وزیر کی رکاوٹ سے پتہ لگ گیا کہ ہو نہ ہو طبیب ابی الفرج نے اُن کا راز فاش کردیا ہے۔ اور اُن دونوں نے مل کر طبیب مذکور کو قتل کردیا۔ وہ شب پنجشنبہ ۱۸۔ جمادی الاولیٰ ۶۲۱ھ کو مقتول ہوا۔ گو اُس کے قاتلوں کو تحقیقات کے بعد سزائے موت ملی لیکن کیا ہو سکتا تھا کیونکہ اُس کی جان تو جا ہی چکی تھی ✦

(۹۳) ابو الفرج یحییٰ بن تلمیذ (حکیم)

فاضل اجل حکیم معتمد الملک ابو الفرج یحییٰ بن صاعد بن یحییٰ بن تلمیذ۔ امین الدولہ کے خاندان کا مشہور فرد علوم فلسفہ و حکمت۔ طب۔ و ادب میں بہت عالی مرتبہ اور نامور مُعالج تھا۔ امین الدولہ کے رشتہ داروں میں ایسے کئی زبردست فاضل اور بھی موجود تھے جن کی لیاقت علمی اور زباندانی مشہور عام ہوئی اور وہ مخلوق کو فیض پہنچاتے رہے ✦

(۹۴) ابو الفرج یحییٰ بن سعید بن یحییٰ (حکیم)

مشہور طبیب اور فن طب کا عالم تھا۔ علاج اعلےٰ درجہ کا کرتا۔ یہ بھی اُن اطباء میں سے ہے جنہوں نے سخت گرم امراض میں گرم۔ اور سرد امراض میں سرد یعنی بالمثل ادویات کا استعمال آزمایا اور اس میں کامیابی حاصل کی۔ ابن بُطلان اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ "ابو الفرج یحییٰ بن سعید اپنے زمانہ کا بے نظیر عالم و فاضل اور الفاظ کبیرہ کا رٹنے والا ہے۔ وہ ہمارے زمانہ کا سرآمد علماء۔ بڑا جوانمرد صاحب مروت۔ اور کئی قابل قدر کتابوں کا مصنف ہے"۔

(۹۵) ابو الفضائل بن ناقد (حکیم)

لقب مُہذّب تھا۔ یہودی اور اعلےٰ درجہ کا حاذق طبیب ہونے کے علاوہ مروجہ علوم میں بڑا پایہ رکھتا تھا آنکھوں کے معالجات میں زیادہ مصروف رہتا۔ آمدنی وافر تھی۔ درس کا اس درجہ شوق تھا کہ مریضوں کو دیکھنے سوار ہو کر جاتا تو طلبہ کا گروہ ساتھ ساتھ سبق پڑھتا چلتا تھا ۵۸۳ھ میں بمقام قاہرہ فوت ہوگیا۔ اس کا بیٹا ابو الفرج بھی بہت اچھا طبیب اور کمال تھا۔ وہ مشرف باسلام ہوگیا۔

ابی الفضائل بن الناقد کی آمدنی کا حال اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن اُس کے پاس کوئی اُس کا یہودی دوست آکر امداد کا طالب ہوا یہ شخص نہایت پریشان حال تھا۔ ابی الفضائل نے کہا۔ "تم میرے یہاں بیٹھ جاؤ میں مریضوں کو دیکھنے جاتا ہوں واپسی میں جس قدر نذرانہ مریضوں کے پاس سے آج میں لاؤنگا وہ سب تمہیں دیدونگا" یہ کہہ کر وہ چلاگیا اور بیماروں کو دیکھ کر گھر واپس آیا تو اپنے بستہ سے بہت سی کاغذ کی پڑیاں نکالیں اور انہیں اپنے دوست یہودی کو دیدیا کہ تمہاری قسمت کا جو کچھ ملا وہ یہ ہے۔ اکثر پڑیوں میں ناصری دینار تھے۔ اور تمام آمدنی کی میزان تین سو درہم تھی۔ اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ابن الناقد کی آمدنی کس قدر ہوتی رہی ہوگی۔

ابی الفضائل بن الناقد کی تصانیف میں سے صرف اُسکی ایک کتاب مجربات الطب پائی جاتی ہے

(۹۶) ابوالفضل بن ابی سلیمان (حکیم)

معالجہ و مداوات میں نہایت اعلیٰ دستگاہ رکھتا تھا۔ سنہ ۵۶۰ھ میں پیدا اور سنہ ۶۴۲ھ میں فوت ہوا۔ اپنے بھائیوں میں عمر کے لحاظ سے سب سے چھوٹا تھا۔ اس نے اپنے دیگر بھائیوں سے بہت زیادہ عمر پائی کیونکہ وہ ۸۴ سال جیا۔ ملک المعظم کا خاص طبیب اور قلعۂ کرک میں اُس کے ساتھ رہتا تھا۔ پھر ملک الکامل اُس کو اپنے ساتھ ملک مصر میں لے آیا اور اُس نے یہیں وفات پائی ؞

(۹۷) ابوالفضل بن ابی الوقار (حکیم)

ابوالفضل اسمٰعیل بن ابی الوقار۔ جلیل القدر اُستادِ وقت اور عالم تھا۔ اصل میں ملک شام کے شہر "معرّہ" کا باشندہ تھا مگر دمشق میں سکونت اختیار کر لی۔ اور تحصیل علم بغداد میں کی۔ بغداد کے نامور اطبّاء کی صحبت اور اُن کے حلقہ ہائے درس سے فیض حاصل کیا۔ اور علمائے بغداد کے ایک گروہ کثیر سے فیض پایا۔ فضیلت و کمال حاصل کر کے دمشق میں واپس آیا ؞

ابوالفضل بن ابی الوقار علم طب میں علمی اور عملی دونو پہلوؤں سے زبردست ماہر اور نہایت نیک مزاج۔ ملنسار خوش خلق سمجھدار۔ اور نیک چلن تھا۔ سلطان ملک العادل نورالدین محمود بن زنگی کا درباری طبیب اور خاص معالج رہا۔ سلطان مذکور ابوالفضل کو سفر و حضر ہر حالت میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اور انعام و اکرام سے مالامال کرتا رہتا۔ سلطان موصوف ہی کے ساتھ سنہ ۵۶۹ھ میں بمقام حلب دنیا سے گزر گیا۔ تالیفات کا پتہ نہیں چلتا۔ غالباً کوئی کتاب تصنیف نہیں ؞

(۹۸) ابوالفضل بن عبدالکریم المہندس (حکیم)

موئدالدین ابوالفضل محمدؐ ابن عبدالکریم ابن عبدالرحمٰن الحارثی۔ نام و نسب ہے۔

دمشق ہی میں پیدا ہوا اور وہیں نشو ونما پائی۔ چونکہ علم ہندسہ کا اعلےٰ درجہ کا ماہر تھا اس واسطے "مہندس" مشہور ہو گیا۔ اور اس سے قبل کہ فن طبابت میں نام و نمود حاصل کرے اسی لقب سے یاد کیا جاتا تھا ✽

ابوالفضل بن عبدالکریم۔ ابتدائی عہد میں نجاری اور سنگتراشی کا کام کیا کرتا تھا۔ اُس کی کسب معاش کا ذریعہ نجاری تھا۔ اور وہ اس کام میں ید طولیٰ رکھتا تھا اکثر آدمی اُس کے کام کے قدردان تھے۔ شفاخانہ نوری واقع دمشق کے دروازوں کے چوکھٹیں اور کواڑوں پر اکثر اُسی کے ہاتھ کا کام ہے ✽

ابوالفضل بن عبدالکریم کو پہلے پہل علم کا شوق یوں پیدا ہوا کہ اپنے پیشہ نجاری میں ترقی اور خوبی پیدا کرنے کے ارادہ سے اُس کو اقلیدس پڑھنے کا خیال آیا۔ تاکہ عمارت کے کام میں اُس کی نظر وسیع ہو۔ اور نئی نئی ایجادیں کر سکے۔ جس وقت ابوالفضل کو یہ خیال آیا ہے وہ دمشق کی ایک مسجد میں جس کا نام "مسجد خاتون" ہے کام کیا کرتا تھا۔ ہر صبح کو گھر سے مسجد تک پہنچتے پہنچتے وہ کچھ حصہ کتاب اقلیدس کا یاد کر ڈالا کرتا تھا اور راستہ ہی میں اشکال کو حل کرتا چلا جاتا تھا۔ چنانچہ جس وقت اُس مسجد کا کام ختم ہوا ہے ابوالفضل کتاب اقلیدس کو تمام اور بخوبی سمجھ کر حل کر چکا تھا اقلیدس کی کتاب پڑھنے کے بعد اُسے کتاب مجسطی پڑھنے کا شوق ہوا اور پھر وہ بالکل علم ہندسہ (انجنیئری) کی تحصیل میں منہمک ہو گیا ✽

ابوالفضل کو علم کا شوق دامنگیر ہو چکا تھا۔ ہندسہ کے ساتھ اُس نے نجوم اور زائچوں کا علم بھی حاصل کر لیا۔ اور جس زمانہ میں وہ تحصیل علم میں مصروف تھا اتفاق سے اُنہی دنوں دمشق میں طوس کا نامور عالم اور حکیم شرف الدین الطوسی آ گیا۔ اور ابوالفضل نے اس کی صحبت سے بہت کچھ فیض اُٹھایا۔ پھر محمد بن ابی الحکم سے فن طب پڑھا اور اُسی کے پاس بیٹھ کر مطب سے فراغت حاصل کی۔ اسی ابوالفضل نے دمشق کی جامع امویہ کا گھنٹہ گھر جبکہ وہ کچھ خراب ہو گیا تھا درست کیا اور اس کی گھڑی کو صاف و مرمت کر کے ٹھیک کر دیا۔ ابوالفضل کو اس گھنٹہ گھر کی نگرانی اور اصلاح کے بابت سلطنت کی طرف سے معقول وظیفہ ملتا رہتا تھا اور یہ وظیفہ مدامی تھا۔ اس کے علاوہ بیمارستان کبیر

کی طبی خدمت کے لئے بھی اُس کو بھاری تنخواہ ملا کرتی تھی۔ وہ تادم مرگ کہ بران خدمات پر مامور رہا۔

ابوالفضل بن عبدالکریم نہایت خوش خلق۔ نیک مزاج۔ ملنسار اور ذی علم تھا۔ وہ ملک مصر کو بھی گیا اور وہاں شہر اسکندریہ میں اُس نے کچھ حدیث نبوی صلعم کی سماعت کی۔ حدیث میں اُس نے شیخ رشید الدین ابی الثناء حمّاد بن ہبۃ اللہ بن حمّاد بن الفضیل الحرّانی۔ اور شیخ ابی طاہر احمد بن محمد بن ابراہیم السلفی الاصفہانی سے سندیں لی تھیں۔ ابوالفضل علم نحو کا ماہر اور ادیب و شاعر بھی تھا۔ ابوالفضل کی وفات کا سنہ ۵۹۹ھ ہے۔ اور وہ دمشق میں بعارضۂ اسہال فوت ہوا تھا۔ ستّر سال کے قریب عمر پائی۔

ابوالفضل بن عبدالکریم کی تصانیف حسب ذیل ہیں:-

(۱) رسالہ رمز تقویم کی معرفت میں۔
(۲) مقالہ رویت ہلال کے باب میں۔
(۳) ابی الفرج اصفہانی کی کتاب اغانی کا اختصار۔ اس کتاب کا ایک نسخہ دس جلدوں میں ابوالفضل نے خود اپنے قلم سے لکھ کر جامع دمشق کے کتب خانہ کو عطا کیا تھا۔
(۴) کتاب فی الحروب والسیاستہ۔
(۵) کتاب ادویۂ مفردہ کے بیان میں ترتیب ابجد۔

(۹۹) ابوالفضل (حکیم)

ابوالفضل حسدائے بن یوسف بن حسدائے۔ شہر سرقسطہ کا باشندہ اور یہود کے شریف ترین گھرانے کا فرد تھا۔ اس کا گھرانا حضرت موسےٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد شمار ہوتا اور اپنی قوم میں نہایت معزز و ممتاز تھا۔ ابوالفضل تمام رائج الوقت علوم کا متبحر عالم تھا۔ اُس نے عربی زباندانی۔ شاعری۔ اور بلاغت میں بہت بڑا رتبہ پایا۔ علم العدد۔ اور ہندسہ۔ اور علم نجوم و موسیقی میں کمال و فضل حاصل کیا۔ اور اُن علوم کو نہ صرف علمی و نظری طور پر حاصل کیا بلکہ عملاً بھی ان کی مشق میں کمال پیدا کیا۔ علم طبیعیات۔ علم مناظرہ۔ اور فن طبّ میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ ۴۵۸ھ میں وہ زندہ تھا اور ابھی اُس کی جوانی کا عالم تھا۔

(۱۰۰) ابوالقاسم (حکیم)

مسلمۃ بن احمد نام - ابوالقاسم کنیت - اور "المرجیطی" کے نام سے مشہور تھا ۔ الحکم بامر اللہ اُموی خلیفہ اندلس کے عہد میں گذرا ہے - قرطبہ میں رہتا تھا ۔ اپنے زمانہ میں مشہور اور یگانۂ عصر ریاضی دان اور اپنے تمام پیش رو مسلمان علما و حکماء سے بہت بڑھ کر علم فلکیات کا ماہر تھا ۔ رَصد اور نجوم کے متعلق اُس کا شوق بہت بڑھا ہوا تھا - بطلیموس کی کتابیں اس نے بخوبی سمجھ کر مطالعہ کیں خاصکر "مجسطی" کو اُس نے خوب ہی حل کیا ۔ علم العدد اور ہندسہ میں اُس کی ایک مکمل کتاب "المعاملات" نامی اس فن میں بے مثل ہے - اور دوسری کتاب فلکیات کے متعلق ہے جس میں اُس نے ستاروں کی تعدیل کا اختصار کیا ہے ۔ اس کتاب میں وہ "البتانی" کی زیج سے مدد لینے کے علاوہ "محمد بن موسیٰ الخوارزمی" کی زیج پر بھی نظر غائر ڈالنے والا پایا گیا ہے - چنانچہ "الخوارزمی" کی زیج میں جو فارسی تاریخ اور ماہ و سنہ کا حساب ہے اُس کو "ابوالقاسم" ہی نے عربی سنہ کے قالب میں ڈھالا - تاریخ ہجری کی پہلی تاریخ کا صحیح حساب بنا کر اُس میں کواکب کا توسط عیاں کیا اور اس حساب میں بہت معقول جدولیں بڑھائیں - مگر اسی کے ساتھ "الخوارزمی" نے جو غلطیاں کی تھیں ابوالقاسم بھی اُن سے بچ نہ سکا اور صحیح و ناقص میں اُس نے کوئی امتیاز نہ کیا ۔ ان غلطیوں کا حال امام فن ابن ابی اُصیبعہ نے اپنی کتاب "الموسف فی اصلاح حرکات الکواکب التعریف بخطاء الراصدین" میں بوضاحت بیان کیا ہے ۔

ابوالقاسم مسلمۃ بن احمد "المرجیطی" نے ۳۹۸ھ میں وفات پائی - اور کئی شاگرد نہایت لائق و فاضل اپنی یادگار چھوڑے جو اندلس کے علماء میں بے نظیر گزرے ہیں - مثلاً ابن السمح - الصفار - الزہراوی - الکرمانی - اور ابن خلدون نامور مؤرخ وغیرہ اُس کے اجل تلامذہ تھے - اور اپنے وقت کے بے نظیر عالم و فاضل ہوئے ۔

ابوالقاسم مسلمۃ بن احمد کی تصنیف سے صرف دو کتابیں پائی جاتی ہیں جن کا ذکر اوپر آگیا ہے:

(۱) کتاب المعاملات ۔ (۲) اختصار تعدیل الکواکب من زیج البتانی ۔

(۱۰۱) ابوالقاسم ہبتہ اللہ بن الفضل (حکیم)

بغداد ہی میں پیدا ہوا۔ وہیں پرورش اور تعلیم و تربیت پائی۔ طبیب اور اچھا معالج تھا۔ آنکھوں کا علاج بھی کرتا تھا۔ مگر شاعری اور انشا پردازی کا چسکا طبیعت پر غالب تھا۔ ظریف و بذلہ سنج تھا لیکن مُنہ پھٹ اور یاوہ گو۔ اُس کا دیوانِ اشعار پایا جاتا ہے۔

امیر ابی الفوارس سعد بن محمد بن الصیفی شاعر۔ جو "حیص بیص" کے نام سے مشہور تھا اُس کے اور ابی القاسم ہبتہ اللہ ابن الفضل کے مابین چشمک واَن بن تھی۔ کبھی اُن میں باہم صلح بھی ہو جاتی لیکن پھر بگاڑ ہو جایا کرتا اور ایک دوسرے کی بدگوئی پر اُتر آتا۔

ابی الفوارس سعد بن محمد کے "حیص بیص" کے نام سے شہرت پانے کا سبب یہ ہوا کہ ایک بار خلیفہ مقتفی لامر اللہ کے عہد میں بغداد کی سپاہ سلطان سلجوقی پر حملہ آور ہونے اور اُس سے بغاوت کرنے کی عازم ہو گئی۔ اہل شہر میں لشکر کی سرکشی پر چہ میگوئیاں ہُوا کرتی تھیں اور ایک ہلچل پڑی ہوئی تھی۔ کیونکہ فوج کی بغاوت شہر کی بربادی کا موجب ہوتی ہے۔ ابی الفوارس نے یہ حال دیکھ کر کہا "لوگ کس حیص بیص میں ہیں؟" بس اُسی وقت سے اُس کا یہ لقب پڑ گیا۔ اور ابی القاسم ہبتہ اللہ اس لقب کو زیادہ چمکانے کا سبب بنا۔ ابی الفوارس اپنے کلام اور رسائل وغیرہ میں غیر مانوس الفاظ اور بلیغ عبارت لانے کا بڑا دلدادہ تھا۔ اُس وقت کے تمام ادیب اور اہل قلم اُس کی بلاغت کا لوہا مانتے تھے۔ اور اُس کی تحریر کو آسانی سے سمجھ سکنے کے قابل نہ تھے۔

ابی القاسم بن الفضل ۵۵۵ھ میں فوت ہوا۔ اُس کی نظم کلام نہایت دلکش ہے۔ دیوان اشعار کے علاوہ دو طبی کتابیں بھی اُس کی یادگار ہیں۔ ایک چند طبی تعلیقات۔ اور دوسری کتاب مسائل طب پر بطور سوال و جواب کے۔

(۱۰۲) ابوالمجد بن ابی الحکم (حکیم)

افضل الدولہ ابوالمجد محمد بن ابی الحکم نہایت مشہور حکیم اور فاضل عالم تھا۔ فن طب

میں بہت اچھی مہارت رکھتا تھا۔ علم ہندسہ اور نجوم میں بے مثل اور ماہر زمانہ تھا۔ موسیقی اور عود نوازی میں ید طولیٰ رکھتا تھا اور گانے والا اعلیٰ درجہ کا گانے بجانے کے متعلق کوئی چیز اُس سے چھوٹی نہ تھی۔ فن طب میں اپنے باپ اور دیگر اساتذۂ وقت کا شاگرد تھا۔ اور علم و عمل کے لحاظ سے خوب ماہر و قادر ٭

ابو المجد سلطان نور الدین محمود بن زنگی کے عہد میں تھا اور سلطان مذکور اُس کی نہایت عزت و حُرمت کرتا تھا۔ چنانچہ جس وقت ملک العادل نور الدین نے بیمارستان کبیر (بڑا شفاخانہ) تعمیر کیا تو اس کو معقول مشاہرہ اور وظیفہ پر اس شفاخانہ کا اعلیٰ طبیب مقرر کیا۔ ابو المجد مریضوں کا علاج کمال توجہ سے کیا کرتا تھا۔ اور اُن کی تیمارداری اور مزاج پُرسی میں بہت کچھ دلی رغبت سے مصروف رہتا۔ مریضوں کی تیمارداری پر جو لوگ مامور تھے اُن پر ہمیشہ تاکید رکھتا کہ اپنے فرائض کے ادا کرنے میں ہوشیار رہیں۔ اور شفاخانہ کے مریضوں کی دوا وغیرہ سے فارغ ہوکر وہیں مجلس درس آراستہ کرتا اور طلبہ کو اپنے چشمۂ علم و فضل سے سیراب کیا کرتا۔ تین گھنٹے روزانہ اُسکے درس کی مجلس گرم رہتی تھی ٭

ابو المجد بن ابی الحکم نے بمقام دمشق پانچویں صدی ہجری کے وسط میں وفات پائی۔ اُس کی کوئی تصنیف نہیں ہے ٭

(۱۰۳) ابو المعالی بن تمام (حکیم)

ابو المعالی تمام بن ہبتہ اللہ بن تمام۔ یہودی المذہب۔ بڑا ذی علم اور اعلیٰ درجہ کا طبیب تھا۔ ملک الناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب کا شاہی طبیب رہا۔ اس کے معالجات بہت پایہ کے ہوتے تھے۔ شہر فسطاط میں مقیم رہتا تھا۔ اس کے بیٹوں میں سے بہت سے مسلمان ہو گئے ٭

ابو المعالی بن تمام نے ملک العادل ابی بکر بن ایوب کی خدمت بھی انجام دی تھی ٭ اس جید فاضل کی تصانیف میں طب کی بعض تعالیق اور مجربات پائے جاتے ہیں۔ جو ایک کتاب کی صورت میں مدوّن ہیں ٭

(۱۰۴) ابو المنصور حسن بن نوح القمری (حکیم)

اپنے زمانہ کا سید الاطباء اور یگانۂ وقت تھا۔ طبی اعمال میں اُس کا طریقہ بیحد قابل تعریف رہا۔ شاہانِ وقت کے درباروں میں عزت و منزلت پائی۔ خوب خوب معرکے کے علاج کیئے۔ شیخ الرئیس ابو علی بن سینا نے اخیر وقت میں اس کو دیکھا اور اس کی صحبت سے فیض حاصل کیا تھا۔ فن طب میں بہت سی باریک باتیں شیخ نے ابو منصور سے حاصل کیں۔ اس کی تصانیف میں سے کتاب "غنیٰ و منیٰ" نہایت عمدہ کتاب اور ایک مکمل طبی بیاض ہے۔ اس کتاب میں تمام بیماریوں کا تذکرہ مع علاجات کے بڑی خوبی کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ خاصکر ابن ذکریا رازی کے تمام متفرق اقوال جو اُس نے اپنی متعدد کتابوں میں لکھے ہیں اس کتاب میں سلسلہ وار جمع کیئے گئے ہیں۔ اور دوسری کتاب ابو منصور کی مصنفہ "علل العلل" نامی ہے۔ یہ بھی فن طب میں ہے۔

(۱۰۵) ابو الولید بن رشد (حکیم)

ابو الولید کنیت۔ محمد نام، احمد بن رشد کا فرزند تھا۔ اور اپنے دادا "رشد" کے نام سے شہرت پائی۔ سنہ ۵۲۰ھ مطابق سنہ ۱۱۲۶ء میں بمقام "قرطبہ" پیدا ہوا۔ قرطبہ ملک اندلس کے وسطی حصہ کا دارالحکومت اور علم و ہنر کا گھر تھا۔ ابن رشد کے باپ اور دادا دونو یہاں قضائت پر مامور رہ چکے تھے۔

تربیت اور ابتدائی تعلیم:- ابن رشد نے جس خاندان میں جنم لیا تھا اُس کی علمی اور دنیاوی حیثیت کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ قاضیوں کا خاندان تھا۔ علم و کمال کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ اکثر خود بھی عالم و کامل ہوا کرتا ہے۔ پھر وہ ہونہار اور بہر قابل جو فطرۃً علم و فضل کا اہل پیدا ہوا ہو۔ اُس کی تربیت کے لئے ایسے علمی گھرانے کا وجود سونے پر سہاگہ تھا۔ ذی علم اور صاحب کمال باپ کی گود میں پرورش پاکر تعلیم کی عمر تک پہنچا تو زمانہ کے دستور کے موافق قرآن شریف

اور زباندانی کے لئے اُستاد گھر ہی پر مقرر کر دیا گیا۔ اس فاضل اُستاد کا نام "ابی محمد بن رزق" تھا اور وہ نہایت خوش اخلاق، نیک صفات، اور عابد و زاہد حافظ قرآن تھا۔ ابن رُشد کو قدرت کے فیاض ہاتھوں سے وہ طبیعت اور ایسا دماغ عطا ہوا تھا جو علم کے لئے موزون تھا۔ ذہن، طبیعت کی رسائی، شوقِ علم، حافظہ، ذکا، تیز فہمی، خوش بیانی، غرضیکہ کسی ایسی چیز کی جو ایک اچھے عالم کے واسطے لازمی ہے اُس میں کمی نہ تھی۔ ابن رُشد نے تھوڑے ہی عرصہ میں زباندانی اور قرآن کریم کی تعلیم سے فراغت حاصل کر کے فقہ و حدیث میں مہارت بلکہ کمال پیدا کیا۔ اور ساتھ ہی عقلی علوم میں علامہ "ابن طفیل" کے روبرو زانوے شاگردی تہ کیا۔ تھوڑا ہی زمانہ گزرنے پر اندلس میں ابن رُشد کے علم و فضل کا چرچا ہو گیا۔ علم توحید یعنی فلسفۂ اسلام و عقائد، فقہ، فلسفۂ حکمیہ، طب، اور ریاضیات میں وہ اپنے زمانہ کا بے مثل عالم تسلیم ہونے لگا۔

مراکش اور اندلس کے مشہور خاندان حکومت یعنی موحدین فرمانرواؤں کے دربار میں ابن رُشد کو بڑا رسوخ حاصل تھا۔ اس خاندان کا بانی عبدالمومن بن علی محمد بن تومرت المہدی المغربی کا خلیفہ تھا۔ مہدی محمد بن تومرت وہ کامیاب شخص ہے جس نے مذہبی طاقت کے چلتے ہوئے جادو سے دنیاوی سلطنت و حشمت حاصل کی اور اس قسم کے دعویداروں میں یکتا ہوا۔ یہ شخص امام غزالی کا شاگرد تھا۔ وہ افریقہ کے ملک میں آیا اور اپنے مشن کے درپے ہوا تو عبدالمومن بن علی اُس کا دست و بازو بن گیا۔ اور اس رفیق کی قابل قدر کوشش نے محمد بن تومرت کو تاج کامیابی پہنایا۔ محمد بن تومرت نے مغرب الاقصیٰ اور مراکش میں اپنی زبردست سلطنت قایم کی اور چونکہ وہ لاولد فوت ہوا لہٰذا اُس کے بعد عبدالمومن بن علی اُس کا جانشین بنا اور یہ خاندان یا گروہ موحدین کے نام سے مشہور ہوا۔ اس خاندان حکومت میں ابو یعقوب یوسف، اور اُس کا بیٹا یعقوب المنصور، دو نہایت زبردست فاتح اور بادشاہ ہوئے۔ اُنہی دونوں کے درباروں میں ابن رُشد کا آفتاب علم و فضل چمکا۔ خصوصاً سلطان ابو یعقوب یوسف کے عہد میں اُسے کئی اہم ملکی عہدوں پر مامور رہنا پڑا۔ ابن رُشد ۵۶۵ھ میں اندلس کے جانشین شہر اشبیلیہ

کا قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مامور ہُوا۔ اس جلیل القدر عہدہ کے فرائض ادا کرتے ہوئے بھی علمی مذاق اُسے تصنیف و تالیف کے مشغلہ میں مصروف رکھتا تھا۔ گو اُس کی قیمتی کتابوں کا ذخیرہ اُس کے وطن قرطبہ میں تھا اور وہ کسی کتاب سے مدد نہیں لے سکتا تھا۔ اُس پر بھی اُس نے ارسطو کی کتاب "الحیوان" کی شرح محض اپنی یاد داشت سے لکھی جس کے دیباچہ میں وہ اس امر کا ذکر بھی کرتا ہے۔ اور کوئی غلطی ہوئی ہو تو اُس کی بابت معافی کا خواہاں ہے۔ اسی زمانہ میں ابنِ رُشد نے حکیم بطلیموس کی مشہور کتاب مجسطی کا بھی خلاصہ تیار کیا جو ایک قدر کے قابل کتاب ہے۔

ابنِ رُشد کو اس زمانہ میں اکثر دورہ پر باہر جانا پڑتا تھا۔ کبھی وہ مراکش میں ہوتا تو گاہے قرطبہ میں۔ اشبیلیہ میں جم کر رہنے کا موقع شاذ و نادر ہی ملا کرتا۔ اور جب وہاں قیام ہوتا تو مقدمات کی کثرت ہو جاتی۔ کچھ تو پچھلا باقی ماندہ کام جمع ہوا کرتا تھا اور بہت سے نئے مقدمات ہوتے جن کی سماعت اُسے کرنا پڑتی۔ لیکن باوجود اتنی کام کی زیادتی کے وہ تصنیف سے غافل نہ رہا۔ اُس نے اسی زمانہ میں ایک نادر کتاب "دینیات" میں لکھی جس کا آج نام بھی معلوم نہیں ہو سکتا۔ افسوس۔

ابنِ رُشد کے علم و کمال کا شہرہ اندلس کی سرزمین سے باہر نکل کر افریقہ کے ریگستانوں کو طے کرتا ہوا ممالک مشرق میں بھی جا پہنچا تھا۔ اور امام فخر الدین رازی کو جو اُس وقت مشرقی ممالک میں بے نظیر علامہ و امام تھے ابنِ رُشد سے ملاقات کا شوق دامنگیر ہوا تھا وہ یہ ارادہ کر کے مصر کے شہر اسکندریہ تک آئے تھے۔ لیکن یہاں اُنہیں خبر ملی کہ سلطان منصور نے اُس بے نظیر فیلسوف اور علامۂ دوراں کو چند غلط تہمتوں کی بنا پر قید میں ڈال دیا ہے۔ اور زمانہ نے ایسے صاحب کمال سے یوں بے مہری کا سلوک کیا ہے۔ لہٰذا امام فخر الدین مغرب جانے کا عزم فسخ کر کے اپنے وطن شہر رَے کو واپس چلے گئے اور دونو فیلسوفوں کو ایک دوسرے سے جسمانی ملاقات حاصل نہ ہو سکی۔

ابنِ رُشد کے قید ہونے کا واقعہ یہ تھا کہ اُس کے فلسفیانہ خیالات اور پُر زور عقلی دلائل کی کُنہ اندلس کے دیگر معاصر علماء کی سمجھ میں نہ آئی تو اُنہوں نے ابنِ رُشد پر کفر و الحاد

کے فتوے لگا دئے۔ اور مختلف طریقوں سے سلطان یعقوب المنصور کو ابن رُشد کی جانب سے اشتعال دلا کر بدظن بنایا۔ آخر کار سلطان اُس سے برہم ہوا۔ اور اُس نے حکم دیا کہ ابن رشد کو شہر بدر کر کے مقام "لوسینا" میں جو ایک یہودیوں کا گاؤں تھا مقید کیا جائے۔

ابن ابی اُصیبعہ کتاب طبقات الاطباء میں ابن رشد کے معتوب بارگاہ ہونے کا سبب یوں تحریر کرتا ہے کہ جس وقت ۵۹۱ھ میں سلطان یعقوب المنصور قرطبہ میں آیا۔ اور اُس وقت وہ کیسٹل کے عیسائی تاجدار "الفانسو" پر چڑھائی کا سامان کر رہا تھا۔ اُس نے ابن رُشد کو دربار میں طلب کیا اور اُس کی اتنی عزت و حرمت کی کہ خاص اپنے پہلو میں تمام اہل دربار سے بالاتر جگہ میں بٹھایا۔ یہاں تک کہ امیر ابو محمد عبدالواحد پر جو دربار موحدین کا سب سے بڑا رکن، اور اس فرقہ کا ایک معزز سردار تھا، ابن رشد کو برتری دیدی۔ ابن رُشد دربار سلطانی سے باہر نکلا تو علماء اور طلبہ کے جم غفیر نے جو اُس کے استقبال کی غرض سے بیرون دربار جمع تھا اُس نے التفات سلطانی حاصل کرنے کی مبارکباد دی۔ مگر ابن رشد نے اسی وقت اُن سے کہا "تم مجھے مبارکباد کیا دیتے ہو۔ میں تو سخت اندیشہ میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ سلطان کا ایک دم سے میری اتنی عزت افزائی کرنا جو میری توقع سے بدرجہا زائد ہے یقیناً دوسرے درباری امیروں اور علماء کو ناگوار ہوا ہے" ابن رُشد کا یہ گمان بیجا نہ تھا۔ اُس کے دشمنوں نے شہر میں افواہ اُڑا دی تھی کہ سلطان نے ابن رشد کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ دربار سے باہر آتے ہی ابن رُشد نے ایک خاص آدمی اپنے گھر بھیجا اور گھر والوں کو چوزہ کی یخنی تیار رکھنے کا پیام دیا۔ اس فرمائش کا مطلب یہ تھا کہ اُس کے عزیز اور متعلقین اُس کی سلامتی کا یقین کر کے مطمئن ہو جائیں۔ اور پریشان نہ ہوں۔

غرضیکہ ایسی ہی وجوہ نے درباری امراء اور علماء کو ابن رُشد کا دشمن بنا دیا اور وہ مذہب کی آڑ لیکر ابن رُشد کو جلا وطن کرا کے رہے۔ "لوسینا" شہر قرطبہ کے متصل ایک مختصر سا گاؤں تھا جس میں صرف یہودیوں کی آبادی تھی۔ ابن رشد کے دشمنوں نے سلطان سے کہا تھا کہ ابن رُشد یہودی الاصل ہے اور چونکہ ہر شے اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی ہے لہذا یہ بھی یہودیت کی جانب میلان رکھتا ہے اور خلاف مذہب عقائد کی اشاعت کرکے

مسلمانوں کو گمراہ بنانا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے سلطان نے ابن رشد کو یہودیوں کے گاؤں میں رکھا۔

ابن رشد "لوسینا" میں تین سال تک نظر بند رہا۔ یہ زمانہ اُس نے درس و تدریس اور تصنیف تالیف میں صرف کیا۔ اللہ اللہ اگلے زمانے کے مسلمان علما کا شوق علم ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن میں جتنے اعلےٰ درجہ کے فیلسوف گزرے ہیں سب کو قید و بند کے مصائب میں تصنیف و تالیف ہی ایک ایسا شغل ملا جو اُن کی پریشانی خاطر کو دور کرنے اور غم زمانی کا فائدہ دینے والا کام تھا۔ ایک آج کل کے مسلمان فضلا ہیں کہ باوجود ہر طرح کی راحت و آسائش مہیا ہونے کے اُن سے کوئی علمی خدمت نہیں بن آتی۔ بہرحال قیام "لوسینا" کے زمانہ میں یہودی طلبہ ابن رشد کی صحبت سے مستفید ہوئے اور کئی ایک ہونہار شخص فلسفہ و حکمت میں اُس کے شاگرد رشید نے۔ ابن رشد کا بے مثل فلسفہ یورپ کی دنیا میں اُنہی یہودی شاگردوں نے پھیلایا اور وُہی فلسفہ مغرب کے ممالک میں نور علم و عقل کے چمکانے کا ذریعہ بنا۔

اگرچہ ابن رشد کے شاگردوں میں مسلمان علما بھی ایک سے زائد تھے۔ لیکن حق یہ ہے کہ علوم حکمیہ کے متعلق جو نکتہ رس دماغ اور غیر معمولی فہم قدرت نے ابن رشد کو عطا کیا تھا ویسا دماغ اور فہم اُس کے کسی مسلمان شاگرد کو نصیب نہ ہوا۔ دوسرے مسلمانوں کا تو ذکر ہی کیا۔ وہ یونہی ابن رشد پر کفر و الحاد کا الزام رکھتے تھے۔ پھر اُس کے فلسفہ سے کیا فائدہ اُٹھاتے۔ یہی وجہ تھی کہ اندلس کے اُن یہودی حکماء کی جدوجہد کا نتیجہ تھا جنہوں نے ابن رشد کی صرف چند سالہ صحبت پائی تھی۔ اِنہی علماء کے اپنے فاضل اُستاد کی کتابیں عربی زبان سے عبرانی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ اور یورپ میں رائج کیں۔ ابن رشد کے علم و کمال کی جو خدمت اُس کے یہودی تلامذہ نے کی ہے وہی دراصل اُس کے بقائے نام کا سبب ہے۔

مسلمانوں میں اس نامور فلاسفر کے فلسفہ کا رواج اِس لئے نہ ہوسکا کہ خود اُس کے اور اُس کے شاگردوں کے عہد میں فلسفہ کا مشغلہ بے دینی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ فلسفی اشخاص کو طرح طرح سے ستایا جاتا۔ اُن کو لوگ حقیر و ذلیل سمجھتے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شخص فلسفہ اور عقلی علوم سے پہلو بچانے لگا۔ حتےٰ کہ ابن رشد کے فاضل تلامذہ بھی فلسفہ اور ریاضیات کے مشغلہ سے دست بردار ہوگئے۔

ابن رشد کے فلسفی مسائل نے یورپ پر نہایت گہرا اثر ڈالا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ تمام مسائل فلسفۂ ارسطاطالیس میں موجود تھے اور صرف عبارت کی دقت کی وجہ سے وہ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ ابن رشد نے ان کو اپنی زبان میں لیکر اس خوبی کے ساتھ شستہ طرز میں بیان کیا کہ وہ سمجھ میں آنے کے قابل ہوگئے اور خلق خدا نے ان سے پورا فائدہ اٹھایا۔

ابن رشد نے شیخ الرئیس ابن سینا کی کتابوں پر نہایت محققانہ شرحیں لکھی ہیں اور بہت جگہوں پر شیخ پر ایسے اعتراض کئے ہیں کہ شیخ کے نامی گرامی مقلد اور ماننے والے بھی ان اعتراضات کو تسلیم کرنے سے چارہ نہیں پاتے اور انہیں رفع کرنے میں عاجز رہ گئے ہیں۔ شیخ کا سب سے بڑا پیرو محقق خواجہ نصیر الدین طوسی اپنی کتاب شرح اشارات میں ایک اسی قسم کے موقع پر آخر کار مجبور ہوکر یہ کہہ اٹھا ہے کہ:۔

"علم حکمت کے کلی قواعد بھی دیگر علوم کے قواعد کی طرح اپنے اندر کچھ مستثنیات رکھتے ہیں اور ایسی صورتیں پیش آنے کے وقت حکماء کو یہ مان لینا پڑتا ہے کہ بعض امور ان کے مقرر کردہ عام اور کامل اصول کے تحت میں نہیں آتے۔"

ابن خلکان جو ایک نامور مؤرخ اور عالم ہے ابن رشد کے بارہ میں لکھتا ہے کہ "ابن رشد مسائل فلسفہ کو اصول شریعت سے مطابق کرنے کی سعی کرتا تھا" چنانچہ اس بارہ میں ابن رشد کا ایک مختصر رسالہ مصر میں چھپ کر شائع بھی ہوگیا ہے اور اس کا نام "فصل المقال فیما بین الفلسفہ والشریعۃ من الاتصال" ہے۔ اور یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ فلسفہ و شریعت میں تطبیق دینے والے علماء ہر زمانہ اور وقت میں پرانے خیال کے علماء کی طرف سے الحاد اور بے دینی کا خطاب پاتے رہے ہیں۔ خود ہمارے ملک ہندوستان میں مرحوم سید احمد خان پر اسی وجہ سے کفر و الحاد کا فتویٰ لگا۔ اور قدیم خیال کے علماء نے اپنے نزدیک ان کو بالکل اسلام سے خارج کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ اردو زبان میں جدید اسلامی علم کلام کے بانی و موجد ہوئے ہیں اور جس خوبی کے ساتھ انہوں نے یورپ کے مادی علماء و حکماء کے مسائل کی اصول شریعت اسلامیہ کے ساتھ تطبیق کی ہے وہ کچھ انہی کا حصہ تھا۔

ابن رشد طبیب بھی اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اور علم و عمل کی دونوں شقوں پر حاوی۔ گو اس کے

معالجات کم ہوئے لیکن جس قدر ہوئے وہ معرکۃ الآراء ہوئے تھے۔ علم طب میں اُس کی کتاب "الکلیات" بڑے پایہ کی تصنیف تھی۔ مگر افسوس کہ اس کتاب کا اصل نسخہ اب شائد ہی کہیں موجود ہو۔ کیونکہ بظاہر اُس کا کچھ پتہ نہیں ملتا۔ ہاں اس کتاب کا عبرانی ترجمہ موجود ہے۔ اور اسی ایک کتاب پر موقوف نہیں۔ ابن رُشد کی اکثر بلکہ زیادہ تر تصانیف اگر محفوظ رہ سکی ہیں تو صرف عبرانی اور لاطینی زبانوں میں ترجمہ ہو جانے کے سبب سے۔ ورنہ غیر ممکن تھا کہ دُنیا اِس نامور اور بے مانند فیلسوف و حکیم کی مغز سوزی کے نتائج پر مطلع ہو سکتی اور اُس کی قدر پہچانتی ۔

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ مُسلمان ابن رُشد کے فلسفہ سے کچھ ایسے بیزار ہوئے کہ اُنہوں نے اُس کو ہاتھ تک نہ لگایا لیکن ابن رُشد کے یہودی شاگردوں نے اُس کی کتابوں کا عبرانی زبان میں ترجمہ کیا اور اُن پر شرحیں لکھیں۔ چنانچہ جس زمانہ میں یورپ پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اُس وقت ابن رُشد کے یہودی شاگرد ہی عقلی علوم کے محافظ اور میدان علم و کمال کے شہسوار بنے تھے۔ اُنہوں نے لاطینی زبان میں اپنے کامل اُستاد کی کتابوں کا عمدہ ترجمہ کیا۔ اور اس طرح اَندلس کے مُسلمان اس فاضل متبحر کے مسائل حکمت اہل یورپ تک پہنچا سکے۔ اور علم و حکمت کی غیر فانی خدمت انجام دے گئے ۔

یورپ کا عہد جاہلیت مذہبی پیشواؤں کی مطلق العنان اور جابرانہ حکومت کا تختہ مشق تھا۔ ابن رُشد کے فلسفہ میں ایسے مسائل موجود تھے۔ جو دین عیسوی کے اصول کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ اس لئے یورپ کے بعض علماء اُن کی طرف مائل ہوئے اور اُنہوں نے ابن رُشد کا تتبع اختیار کیا۔ اِس سے اُن کے عقلی اور ذہنی قوٰے میں تازگی آگئی اور وہ کلیسا کے رواجی احکام کی مخالفت پر تُل بیٹھے۔ چرچ کے ارکین یہ رنگ دیکھ کر گھبرائے۔ اور اور اپنے حلوے مانڈے میں فرق آنے کے خیال سے علم و حکمت کی دشمنی اپنا ضروری فرض سمجھنے لگے۔ ابن رُشد کے فلسفہ کا پڑھنا اور پڑھانا ممنوع قرار دیا گیا۔ اور "رُشدائی" یعنی وہ علماء جنہوں نے فلسفۂ ابن رُشد سے استفادہ کیا تھا گردن زدنی ٹھہرائے گئے لیکن جن طبائع کو ابن رُشد کے فلسفہ کی چاٹ لگ گئی تھی۔ وہ اِس سے کسی طرح بھی باز نہ رہیں

اور پادریوں نے اس آگ کے بجھانے میں جتنا زیادہ زور لگایا اسی قدر یہ اور تیزی سے بھڑکی اور تمام ملک میں پھیل کر فرقۂ پروٹسٹنٹ (مصلح) کی بانی ہوئی۔ اور یہ گروہ ہمت کی کمر کس کر کلیسا کی اصلاح پر اُٹھا۔ چنانچہ آخر کار اُسے کامیابی حاصل ہوئی اور وہ یورپ کو ورطۂ جہالت سے نکال کر ساحل علم و تمدن تک پہنچا سکا۔ اور یوں ابن رُشد کا فلسفہ جدید مغربی فلسفہ اور سائنس کی بنیاد بن گیا۔

مسیحی حکماء نے ابن رُشد کے فلسفہ کو دین عیسوی کے مروجہ اصول و عادات کا برباد کن اور بے دینی و زمانہ پرستی کا بانی معلوم کرنے کے باوجود اس کو حاصل کیا اور دل و جان سے اُس کی اشاعت میں جدوجہد کی۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ یہ فلسفہ اُن کی دماغی اور ذہنی قوتوں کے اُبھارنے میں مفید ہے۔ اسی لئے انہوں نے ابن رُشد کو ارسطو کا ہمسر مانا۔ اور اُس کے مسائل حکمت کو اپنی مشعل راہ بنایا۔ مگر تعجب و تاسف اس بات کا ہے کہ مسلمانوں میں ایک بھی اس وحید العصر عالم کا نام لیوا نہ ہوا۔ اور انہوں نے ابن رُشد کو اپنے گوشۂ خاطر سے فراموش کر کے خود اپنی دماغی تباہی اور علمی بے مائگی کا سامان کر لیا۔

ابن رُشد سات سال تک "الیسانہ" یا "لوسینا" میں نظر بند رہنے کے بعد ۱۱۹۸ء میں آزاد اور قید سے رہا کیا گیا۔ سلطان "المنصور" پھر اُس پر مہربان بنا اور اُسے بڑی عزت و حرمت کے ساتھ دربار میں سابقہ رتبہ پر جگہ دی۔ مگر افسوس ہے کہ اب اس یادگار زمانہ فیلسوف کا وقت اخیر ہو چکا تھا اور زندگی کے آخری ایام میں اس کو پھر اپنا عروج پا نا رہ گیا تھا جو یوں پورا ہو گیا۔ چنانچہ وہ دربار سلطانی میں بمقام مراکش حاضر ہوا۔ اور چند ہی روز بعد ۱۹۔ صفر ۵۹۵ھ مطابق ۱۲۔ دسمبر ۱۱۹۸ء کو دُنیا سے آخرت کی طرف سفر کر گیا۔

ابن رُشد کے کئی بیٹے اُس کی یادگار رہے۔ ان میں سب سے بڑا لڑکا ابو محمد عبداللہ نہایت نامی اور حاذق طبیب تھا۔ اور اُس کے دوسرے بھائی دینی علوم کے زبردست عالم اور اچھے فقیہہ تھے جو خاندانی منصب قضاءت پر مامور ہوئے اور عزت و جاہ کے مالک بنے۔

ابن رُشد کا قول ہے کہ "علم تشریح کا عالم خدا پر خوب کامل ایمان رکھتا ہے"۔

منگوا کر اپنی زبانوں میں ترجمہ کرائیں۔ فریڈرک دوم نے اپنے دربار کو سلاطین اسلام کے دربار کا نمونہ بنایا۔ علاوہ اس کے کہ کئی عرب اور مسلمان علماء اس کے دربار کی زیب و زینت کا باعث تھے اس نے وضع و لباس میں بھی اسلامی تتبع کیا۔ کہاں آج گردش زمانہ سے یہ حال ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کی یادگاریں یورپ کی پیروی اور اندھی تقلید پر مر رہی ہیں اور اپنے اسلاف کا نام ڈبونے کی تیاریاں کی جاتی ہیں ؎

سترھویں صدی تک ملک ایطالیا کے بڑے دار العلوم میں ابن رشد کو ارسطو سے بڑھ کر مانا جاتا تھا۔ شائقین فلسفہ و حکمت اس کی کتابوں کے تراجم کا بشوق تمام مطالعہ کیا کرتے۔ ایطالی اور دیگر بلاد یورپ کے طلبہ ابن رشد کے تلمذ پر فخر و ناز کیا کرتے تھے۔ حالانکہ بالکل اسی وقت میں ہم مسلمانوں میں کوئی ابن رشد کا نام لیوا بھی نہ تھا۔ بڑے بڑے مورخین اسلام کی کتابیں اس بے مثل زمانہ حکیم کے ذکر سے خالی ہیں۔ اور اس کی یاد کو اس کی اپنی قوم نے مطلقاً بھلا دیا ہے۔ حتیٰ کہ یافعی نے صرف ابن رشد کی تاریخ وفات ۵۹۵ھ لکھی ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ اس کی چند تصانیف بھی ہیں۔ بہرحال گو اپنے مائہ ناز فضلا کی عدم قدر شناسی کے باعث ہم ان کے نام و پاکیزہ ذکر کو مٹا چکے تھے لیکن علم و فضل کی قدر دان دنیا انہیں نہیں بھولی اور اس نے یورپ میں ابن رشد کا ذکر جمیل زندہ رکھا۔ چنانچہ آج تک یورپ کے علماء اس استاد فلسفہ کا نام ادب سے لیتے اور اس کے علمی احسان کا اعتراف کیا کرتے ہیں ؎

(۱۰۶) ابو الولید بن الکتانی (حکیم)

ابو الولید کنیت، محمد بن حسین نام۔ اور ابن الکتانی کے نام سے معروف ہے۔ اچھا عالم۔ صاحب جاہ و عزت۔ شیریں گفتار۔ نیک کردار۔ اور سیر چشم و فیاض تھا۔ اس کی سخاوت کی وجہ سے عام و خاص سب اس کی منزلت کرتے۔ لاطمع تھا۔ مال جمع کرنے کو برا خیال کرتا۔ لوگوں کی اعانت و خبر گیری میں بہت سرگرم رہتا۔ الناصر اور المستنصر دونوں باپ بیٹوں کا درباری طبیب رہا۔ اور بالآخر خود مرض استسقاء میں مبتلا ہو کر فوت ہوا۔ اُنے اور

(۱۰۷) اَبُو بِشر (حکیم)

طبیب العظیمیہ۔ خلیفہ حاکم کے عہد میں سلطنت کا ایک نامور رکن اور بڑا دولت مند شخص تھا۔ خدا نے دولت کے ساتھ علم کا بھی وافی ذخیرہ بخش دیا تھا۔ فنِ طب میں فاضل شمار ہوتا تھا +

(۱۰۸) ابوبکر احمد بن جابر (حکیم)

طب میں فاضل اُستاد، نیک مزاج، اور پاک سیرت تھا۔ بغداد میں المستنصر باللہ کا شاہی طبیب رہا۔ اور اُس کے بیٹے المؤید کے عہدِ حکومت کے آغاز میں بھی کچھ عرصہ زندہ اور اسی خدمت پر مامور تھا۔ المستنصر کے تمام بیٹے ابوبکر احمد بن جابر کی نہایت تعظیم و توقیر کرتے اور اُس کو معتمد الیہ سمجھتے تھے۔ جب شاہزادوں اور بادشاہ کا یہ سلوک ہو تو دیگر امرا اور رؤسا کی خاطر مدارات کا اندازہ کرنا سہل ہے۔ صاحب تصنیف نہ تھا مگر اپنے ہاتھ سے بہت سی کتابوں کی تصحیح و تنسیخ کی ہے۔ خوب عُمر پا کر دنیا میں نیکنامی و عزت کی زندگی بسر کرتا رہا +

(۱۰۹) ابوبکر بن قاضی ابی الحسن الزّہری (حکیم)

ابوبکر۔ قاضی ابی الحسن زہری قرشی۔ اشبیلیہ کے قاضی کا فرزند ارجمند تھا۔ اشبیلیہ میں ہی پیدا ہوا اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ بڑا سخی۔ صاحب کرم۔ خوش خلق شریف مزاج۔ اور ادیب و عالم تھا۔ فن طب میں بھی اُس کو پوری فضیلت حاصل تھی۔ السید ابی علی بن عبد المؤمن گورنر اشبیلیہ کا طبیب خاص رہا۔ عام خلق اللہ کا علاج بالکل مفت کیا کرتا تھا۔ سب کو نسخے لکھ دیا کرتا۔ ابوبکر بن ابی الحسن شطرنج کھیلنے میں ایسا ماہر تھا کہ اشبیلیہ میں کوئی اس کا نظیر نہ تھا۔ وہ شطرنج باز مشہور ہو گیا۔ لیکن اس شہرت کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ آخر غیرت نے اُسے یہ سمجھایا کہ کسی علم میں کمال حاصل کرے

تاکہ اس بدنامی کا تدارک ہو۔ اور مسکین دوست تھا۔ اکثر بیماروں کے واسطے دوا، پرہیزی غذا
طب کا میدان موزون سے مہیّا کر دیتا اور تا صحت اُن کے ہر قسم کے اخراجات خود برداشت
حاضر ہونا اور طب کا درس لینا شروع کر دیا۔ پہلے خود رہتا۔ جب دیکھو مطب میں ہو۔ یا۔
لقب پر غالب آگیا اور وہ علاج میں خاص مہارت بہم ہوتا اور وہ کچھ نہ کچھ کھاتا ہی رہتا
ابوبکر بن ابی الحسن الزہری نے پچاسی برس کی عمر بکثرت کھانے سے اُس کی
میں فوت ہوا۔ اُس کا مدفن بھی شہر اشبیلیہ ہی میں ہے۔ میں اُس کو بالکل اندھا ہی بنا دیا

(۱۱۰) ابوبکر محمد بن زکریا رازی

(حکیم) لکھتے معلوم اُس نے

ابی بکر کنیت۔ محمد نام۔ زکریا کا فرزند اور ایران کے مردم خیز شہر رے نے ا کچھ کر مرض
تھا۔ ابتدائی عمر اور آغاز شباب کا زمانہ وطن ہی میں بسر کر کے تیس سال سے اُن کو اپنے عہد
آیا اور وہاں علوم حکمت و طب کی تکمیل کی۔ اُن کے فضل و کمال کی
محمد بن زکریا۔ اوائل عمر ہی سے علم کا شائق واقع بے نظیر طبیب اور جالینوس وقت مانا گیا۔
نہیں پہنچا تھا کہ ادب۔ منطق۔ اور فلسفہ میں اچھی مہارت رحکایتیں اپنی کتابوں میں جا بجا
تھا۔ اور طبیعت موزون واقع ہوئی تھی۔ علم طب کی طرف ان اخذ کرتے ہیں۔
پڑھا۔ لیکن جب وہ بغداد میں آیا تو ایک دن عضد الدولہ کو راستہ میں کھوک کے ساتھ
شفاخانہ میں گیا۔ وہاں اُس نے دوا سازوں سے اطباء کا علاج کارگر نہ ہوا تو ابن زکریا کی طرف
اور اُن کے جوابات دلچسپی کے ساتھ سُن کر خوش ہوا۔ پھر مریض سے حالات مرض و علامات کے
رہتا اور مختلف طبی امور کے متعلق معلومات اخذ کیا کرتا۔ جس دق۔ یا کسی ایسے اندرونی مرض گیا تو
فن طب کی تحصیل کی طرف مائل ہوا۔ اور اُس نے علی بن ربن سے مریض سے واپس
طب کی تحصیل شروع کر دی۔ یہاں تک کہ اس علم میں اُس نے وہ میں غور کرتا اُس کا
جو یونانی علمائے طب میں جالینوس کو حاصل ہوئی تھی۔ چنانچہ رازی بے مثل دریافت کیا تو
کا معزز لقب دیا گیا۔ دہ دار کوئی انسان
لیکن ایک قول کے اعتبار سے محمد ... لایا۔ جانب کے آنے اور

استفسار کیا کہ راستہ میں اُس نے پانی کس قسم کا پیا ہے۔ مریض نے بتایا کہ تالابوں اور حوضوں کا پانی پیتا رہا ہے۔ ابن زکریا کا دماغ فوراً اس طرف منتقل ہوا کہ ضرور ہے کہ اس نے پانی کے ساتھ کوئی جونک پی لی ہے۔ اور وہ معدہ میں پہنچ کر خون چوس رہی ہے جس سے اس کو یہ تکلیف لاحق ہے۔ اُس نے اس سے دوسرے دن کا، گر علاج کرنے کا وعدہ کیا۔ اور گھر آ کر دو گھڑے تازہ و سبز کائی کے منگوائے دوسرے دن بیمار اُس کے پاس آیا تو ابن زکریا نے کہا " آپ اپنے غلاموں کو حکم دیں کہ وہ میرے احکام کی تعمیل کریں اور آپ کی کوئی بات نہ سنیں اُس وقت میں علاج کرونگا " یہ بات مریض نے مان لی۔ ابن زکریا نے کائی کے گھڑے منگوائے اور مریض سے کہا کہ اس کو کھاؤ۔ مریض نے تھوڑی سی کائی تو کسی طرح کھالی۔ پھر وہ اُس کے کھانے سے منکر ہوا۔ ابن زکریا نے اس کے غلاموں کو حکم دیا کہ زبردستی اِس کو لٹا دو اور خوب مضبوط پکڑ لو پھر اپنے ہاتھ سے کائی اس کے منہ میں ٹھونسنے لگا۔ جب ایک برتن خالی ہو لیا اور دوسرے کی باری آئی تو مریض چلا اٹھا " بس۔ بس۔ اب میں نہیں برداشت کر سکتا۔ مجھے قے ہو رہی ہے۔ ابن زکریا یہ سن کر اور بھی خوش ہوا اور اُس نے جلد جلد تھوڑی سی کائی اور بھی اُس کی حلق میں زبردستی ٹھونس دی۔ پھر تو مریض کو زور سے استفراغ ہوا۔ اور تمام کائی خون و بلغم وغیرہ کی مقدار کثیر کے ساتھ اُس کے جسم سے باہر نکل آئی۔ ابن زکریا نے دیکھا کہ فی الواقع ایک بڑی سی جونک اس قے میں موجود ہے۔ اب مریض تندرست ہوگیا تھا اور اُس کو بجز ضعف کے کچھ شکایت نہ تھی جس کا مداوا قوت کی دواؤں سے دو چار دن میں ہوگیا ❖

اشبیلیہ شریف

السید ابی علی یہ بھی ایک بار وہ ترے سے ایک امیر کا بلایا ہوا خراسان گیا اور وہاں کسی سخت مشقت کیا کرتا ہ کا علاج بکامیابی کرکے وطن واپس آ رہا تھا۔ شہر نیشاپور کے علاقہ میں ایک عالم ظاہر تھا کہ اشبیلیہ وہاں ایک رئیس ابن زکریا کی آمد کی خبر سن کر اسے لینے آیا اور بڑی مدارات ابن سے پیش [illegible] کو گھر لیجا کر مہمان کیا۔ رئیس کا ایک لڑکا عرصہ سے مرض استسقاء میں

مبتلا تھا۔ وہ رازی کو اُسی کے علاج کی طمع سے گھر لایا تھا۔ ابن زکریا نے بیمار کو دیکھا اور لا علاج پایا۔ اپنے میزبان سے کہنے لگا کہ "بھائی میں تم سے سخت شرمندہ ہوں اس لڑکے کا علاج ہو نہیں سکتا۔ تم مجھے معاف کرو"۔ بیمار لڑکا اور اُس کا باپ دونوں ابن زکریا سے یہ مایوسی بخش بات سُن کر چپ ہو رہے۔ لڑکے نے خیال کیا کہ جب بیماری لا علاج ہے تو دوا اور پرہیز کس امر کا۔ اُس نے مطلق علاج ترک کر دیا۔ اور جس چیز پر دل چلا اُس کو کھانے لگا۔ اُس نے اپنے باپ سے کہا۔ "قبلہ و کعبہ! یہ نوجوان غلام جو میری خدمت کرتے ہیں ان کی تندرست صورتیں دیکھ کر میرا دل اپنی بیماری پر اور بھی کُڑھتا ہے۔ اُن کو میرے پاس سے ہٹا۔ اور میری بوڑھی دایہ کو میرے پاس بھیج دیجئے۔ بس اُسی کی خدمت میرے واسطے کافی ہے"۔ باپ نے اُس کے حسب منشا انتظام کر دیا۔ چند روز بعد جبکہ ابن زکریا وہاں سے جا چکا تھا بیمار لڑکے نے دایہ سے فرمائش کی کہ آج رائتہ بنائے اُس کا دل رائتہ کھانے کو چاہتا ہے۔ دایہ رائتہ بنا کر ایک بڑے سے پیالہ میں لے آئی اور ایسی جگہ جہاں اُس بیمار لڑکے کی نظر پڑ سکتی تھی رکھکر خود کسی اور کام سے باہر چلی گئی۔ اسی اثنا میں ایک کالا سانپ آیا اور رائتہ کے پیالہ میں مُنہ ڈال کر اُسے کھانے لگا۔ پھر تھوڑا سا رائتہ کھا کر سانپ نے قے کر دی اور خود بھاگ گیا۔ سانپ کا زہر جو کُلّے ہوئے رائتہ میں ملا تھا پیالہ میں پڑا تو اُس سے تمام رائتہ سیاہ ہو گیا۔ اور بیمار لڑکا اس بات کو دیکھکر اپنی جگہ سے اُٹھا۔ وہ پیالہ کے قریب آیا اور اُسی زہریلے رائتہ کو شوق سے کھا گیا۔ جب اُس کا دل بھر گیا تو وہ پھر اپنے بستر پر جا پڑا۔ ابھی وہ بستر پر بیٹھا ہی تھا کہ دایہ باہر سے واپس آئی۔ اُس نے پیالہ خالی دیکھا۔ تھوڑا سا رائتہ جو پیالہ میں رہ گیا تھا اُس کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ دایہ نے آکر لڑکے سے اس خرابی کا سبب دریافت کیا تو اُس نے کہا "تم یہ رائتہ پھینک دو بلکہ زمین کے نیچے دبا دو۔ خبردار کوئی انسان یا جانور اس کو نہ کھائے ورنہ یہ زہر ہے" اور پھر سارا قصہ سانپ کے آنے اور

اپنے رائتہ کھانے کا اسے سنا دیا۔ اور کہا میں زندگی سے تنگ آگیا ہوں۔ اس لیئے یہ زہر کھالیا کہ جلد کام تمام ہو جائے۔ دایہ نے یہ ماجرا اُس کے باپ سے جاکر کہا۔ اور وہ گھبرایا ہوا بیٹے کو دیکھنے آیا تو دیکھا کہ لڑکا غافل پڑا سو رہا ہے اور اس کے ہر بن مو سے پسینہ چل رہا ہے۔ اُس نے کہا اس کو سونے دو۔ کوئی جگائے نہیں۔ دیکھیں اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ دن بھر وہ بیمار سوتا رہا۔ شام کے قریب اُٹھا تو پسینہ میں نہایا ہوا تھا اور پاخانہ جانے کی حاجت تھی۔ چوکی پر گیا تو کھل کر دست ہوا۔ پھر تو دستوں کا تار بندھ گیا۔ اُس رات اور دوسرے دن میں ایک سو سے زیادہ دست اُس کو آئے۔ مریض کے باپ اور اہل خاندان کی ناامیدی اب حد کو پہنچ گئی تھی۔ بیمار کا کھانا پینا چھوٹ گیا تھا۔ تین چار دن یہی حال رہا۔ اور اُس کے بعد بیمار نے چوزوں کا شوربا طلب کیا جو اُس کو دیا گیا۔ رفتہ رفتہ اُس میں قوت آچلی۔ دستوں کی وجہ سے تمام پیٹ جو بسبب جلندھر کے بیحد بڑھا ہوا تھا گھٹ کر پیٹھ سے لگ گیا تھا۔ یہ کیفیت دیکھ کر اس کے باپ کو کچھ امید بندھی کہ اب اس کا بخت جلد تندرست ہو جائیگا۔ اُس نے غذا وغیرہ میں احتیاط کا انتظام کیا۔ اور بیمار لڑکا خدا کے فضل سے بہت جلد بالکل اچھا ہو گیا۔

کچھ عرصہ بعد ابن زکریا رازی پھر اُسی قریہ کی طرف سے گذرا۔ رئیس دیہ اس کی خبر سن کر دوڑا ہوا گیا اور اُس کو لاکر اپنا مہمان بنایا۔ جبکہ رازی کھانا کھا رہا تھا۔ ایک نوجوان بیا شمائل اُس کی خدمت میں استادہ تھا۔ میزبان رئیس نے رازی سے کہا "کیا آپ اس جوان کو پہچانتے ہیں؟" رازی نے جواب دیا نہیں۔ رئیس نے کہا "یہ وہی بیمار لڑکا ہے جس کے علاج سے آپ نے انکار کیا تھا اور اس کی زندگی کی نسبت مایوسی بخش الفاظ فرمائے تھے"۔ رازی کو حیرت ہوئی۔ اُس نے صحت کا سبب دریافت کیا۔ رائتہ اور سانپ کا قصہ سنا۔ وہ اپنے میزبان سے کہنے لگا "بیشک قدیم اطباء نے لکھا ہے کہ لاعلاج مرض استسقاء کا صرف یہی علاج ہے کہ دو سو برس کی عمر کا پرانا سانپ بیمار کو کھلایا جائے۔ اگر میں تم کو اس دوا کا پتا دیتا اور تم سینکڑوں سانپ منگا بھی لیتے تو اس امر کا علم و یقین کیونکر حاصل ہوتا کہ

سانپ کی عمر کیا ہے۔ اسی واسطے میں خاموش ہو رہا۔ مگر شافیِ مطلق کو اس کی صحت منظور تھی اُس نے خود ہی غیب سے وہ سامان کر دیا جو انسان کی دسترس سے باہر تھا۔ تم خدا کا شکر ادا کرو "

غرضیکہ ابن زکریا رازی کے تشخیص امراض اور نادر علاجات کے بے شمار قصے کتابوں میں مذکور ہیں۔ یہ مختصر کتاب اُن کی تفصیل کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ رازی کا قیام زیادہ تر ملک ایران ہی میں رہا کرتا تھا۔ کیونکہ یہ اُس کا وطن اور جائے ولادت تھا۔ اُس نے شاہان ایران کی خدمت میں عزت و رسوخ پایا۔ اور بہت سی طبی اور دیگر علوم کی کتابیں تصنیف کیں وہ فیلسوف حکیم طب کے علاوہ اور بہت سے علوم و فنون میں ماہر و کامل تھا۔ خاصکر فن کیمیاء سے اُس کو طبعی مناسبت تھی۔ وہ کہا کرتا کہ "حکیم و فیلسوف وہی ہے جو کیمیا جانتا ہو۔ کیونکہ اس کے علم سے انسان کو کمینہ اور بد سرشت آدمیوں کی محتاجی نہیں رہ جاتی اور وہ آرام کی زندگی بسر کر کے مطالعہ علوم و کتب پر وقت صرف کر سکتا ہے "

ابن زکریا رازی نے چند رومی تاجروں کے ہاتھ سونے کے پتّر فروخت کئے تھے جب سوداگر اپنے ملک کو گئے تو چند سال بعد اُنھوں نے دیکھا کہ اُن کا خرید کیا ہوا سونا کھوٹا اور بدروپ ہو گیا ہے۔ وہ شہر رَے میں واپس آئے اور تمام سونا ابن زکریا کو واپس کر دیا رازی کو چار و ناچار وہ مال واپس لینا اور اُس کی قیمت ادا کر دینا پڑی ؂

رازی کے سبب وفات کی نسبت ایک عجیب روایت یہ مشہور ہے کہ اُس نے کسی وزیر کی دعوت کی۔ وزیر کو رازی کے یہاں کا کھانا اتنا خوش مزہ معلوم ہوا کہ اُس نے کسی تدبیر سے وہ باورچن کنیز رازی کے یہاں سے بُلوا لی اور اُس کو اپنا کھانا پکانے پر مامور کیا۔ مگر جب لونڈی نے کھانا تیار کیا تو اُس میں وہ مزہ نہ ملا جو خاص رازی کے یہاں کے کھانے میں پایا تھا۔ وزیر نے لونڈی سے اس کی وجہ دریافت کی۔ لونڈی نے جواب دیا "جناب پکانے کی ترکیب بجنسہ ایک ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ رازی کے یہاں ہانڈیاں اور دیگچیاں سونے چاندی کی ہیں جو آپ کے یہاں نہیں " وزیر کو اِس بات سے یقین ہو گیا کہ رازی کیمیا گر ہے۔ اُس نے رازی کو بُلوا کر اُس سے کیمیا سیکھنے کا

اصرار کیا۔ مگر رازی کب بتانے والا تھا۔ وہ انکار کرتا رہا۔ جب وزیر نے دیکھا کہ رازی اس کی بات نہیں مانتا تو ناخوش ہو کر انتقام لینا چاہا اور خفیہ طور سے رازی کو گلا گھونٹ کر مروا ڈالا۔

رازی اسحٰق بن حنین عبادی کا معاصر تھا۔ وہ اخیر عمر میں نزول آب کی وجہ سے اندھا ہو گیا تھا۔ ہر چند لوگوں نے اس کو رائے دی کہ آنکھیں قدح کرائے لیکن رازی نے منظور نہ کیا اور کہا: "ان آنکھوں نے دنیا کا نیک و بد اس قدر دیکھ لیا ہے کہ اب آیندہ کچھ دیکھ سکنے کی نہ طاقت ہے اور نہ حاجت و آرزو۔"

اس کا سال وفات ۲۹۹ھ یا ۳۱۱ھ بتایا جاتا ہے۔

ابن زکریا رازی کے چند حکیمانہ اور مفید اقوال حسب ذیل ہیں:-

"طب کی حقیقت ناممکن الحصول غرض ہے۔ یہ بہت خطرناک امر ہے کہ کوئی ماہر حکیم اپنی رائے سے کام لئے بغیر محض کتابی نسخوں ہی کے ساتھ علاج کرے۔"

"حکما کی کتابوں کا بکثرت پڑھنا۔ ان کے مطالب کا معلوم کرنا، ہر حکیم کے لئے مفید اور بیکار آمد بات ہے۔"

"عمر دنیا کی تمام جڑی بوٹیوں کی آزمائش کرنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ اس واسطے جو مشہور اور مجرب دوائیں ہیں۔ انہی کے استعمال پر اکتفا کرنا لازم اور کمیاب یا غیر مستعمل ادویہ کو چھوڑ دینا واجب ہے۔"

"جو شخص علم طبیعیات فلسفہ اور منطق کا ماہر اور ان پر عامل نہیں بلکہ دنیاوی لذات میں منہمک ہو اس کو کبھی عالم نہ سمجھو۔ اور خاصکر طبیب تو بغیر ان علوم کی واقفیت و مہارت کے طبیب ہو ہی نہیں سکتا۔"

"جب ارسطو اور جالینوس کا کسی امر پر اتفاق رائے پایا جائے تو جان لو کہ وہ بات یقیناً درست ہے مگر جس بارہ میں ان کا باہم اختلاف ہو اس کی درستی کا پتا چلانا سخت دشوار ہے۔"

"گرم امراض بہ نسبت سرد بیماریوں کے زیادہ قاتل ہوتے ہیں اس لئے کہ آگ کی حرکت سریع ہے۔"

"شفاء یافتہ مریض کسی نقصان رساں غذا کی طرف مائل ہوں تو لائق طبیب کا فرض ہے کہ مناسب اصلاح کے ساتھ اُسے وہ غذا کھلائے۔ کیونکہ جن چیزوں سے مریض کو منع کیا جائے اُس کی طبیعت اُنہی پر زیادہ چلتی ہے۔"

"مریض کو ہمیشہ صحت کی امید دلاتے رہنا واجب ہے۔ کبھی اُس کے سامنے مایوسی کا اظہار نہ کیا جائے۔ اگر چہ مایوسی ہو چکی ہو۔ اس واسطے کہ جسم کی صحت اخلاقِ نفس کی تابع ہے اگر نفس میں مایوسی کا اثر ہو گیا تو پھر صحت ہونی ہو تو بھی نہ ہو گی۔"

"ان پڑھ طبیب۔ نو آموز طبیب جن کو ابھی تجربہ نہیں حاصل ہوا ہے۔ اور وہ اطبّاء جن کو علم کی طرف توجہ کم ہے۔ اور نفسانی خواہشوں کا غلبہ زیادہ۔ یہ سب قاتل اور ملک الموت کے نائب ہیں۔"

"طبیب پر واجب ہے کہ مرض کے ہر پہلو کو اچھی طرح سوچ لے۔ اُس کے ساتھ اندرونی اور بیرونی جتنی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں سب پر غور کرے اس کے بعد سب سے پہلے زیادہ قوی علّت کو دفع کرنے کی کوشش کرے۔"

"مریض کو مناسب ہے کہ ایک ہی طبیب کا علاج کیا کرے۔ اور طبیب بھی اُس کو بنائے جس پر عقیدہ رکھتا ہو۔"

"جو مریض متعدد اطبّاء کا علاج کرتا ہے ممکن ہے کہ وہ کسی نہ کسی معالج کی ایک نہ ایک غلطی کا شکار بنے۔"

"طبیب کا کتب بینی اور قیاس کو چھوڑ کر محض تجربات پر اکتفا کرنا اُس کی ناکامی کا سبب ہوتا ہے۔"

"علاج میں اچھی توجہ کرنے پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔ قابلِ اعتماد صرف یہ امر ہے کہ خوب تجربہ حاصل ہو گیا ہو۔"

"طبیب کی حالت معتدل ہونی چاہیئے۔ نہ وہ بالکل زر پرست اور بندۂ دُنیا اور نہ قطعاً آخرت کی فکر سے غافل وہ دین و دُنیا کو ساتھ ساتھ رکھے۔"

"اگر طبیب دواؤں سے کام لینے کی جگہ محض اغذیہ کے ذریعہ علاج کرنے کی توفیق

پا جائے تو وہ نہایت اعلےٰ درجہ کا طبیب اور سعید ہے"

"جس بات کو تمام اطباء باتفاق رائے مان چکے ہوں اور تجربہ و رائے بھی اُس کی تائید کرے۔ اُس کو ہر وقت اپنے پیش نظر رکھنا لازم ہے اور اسکے مخالف امر کو ترک کرنا چاہیے"

تصانیف:- ابی بکر محمد بن زکریا رازی کی تصانیف بکثرت ہیں جنکی تفصیل حسب ذیل ہے

(۱) کتاب الحاوی - یہ کتاب فن طب میں اور ابن زکریا رازی کی تصانیف میں سب سے بہتر و جلیل القدر کتاب ہے۔ اس میں متقدمین اطباء کے تمام مستند اقوال امراض و معالجات کے متعلق درج کئے ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ابن زکریا اس کتاب کے مسودات کو صاف اور اس کی عبارت کو زوائد سے پاک نہ کرسکا موت نے اُسے اس کی مہلت نہ دی لہذا یہ کتاب ترتیب و اسلوب بیان کے اعتبار سے ناقص رہ گئی ہے ●

(۲) کتاب البرہان - اسکے دو مقالے ہیں ●

(۳) طب الروحانی - یہ کتاب علم اخلاق و تہذیب نفس میں ہے ●

(۴) ایک کتاب جس میں بدلائل خالق جل و علا کا وجود ثابت کیا اور تشریح اور فوائد اعضا کے بیان سے وجود باری تعالےٰ پر دلیلیں قائم کی ہیں ●

(۵) منع الکیان - یہ علم طب کا ابتدائی رسالہ ہے ●

(۶) ایسا غوجی - منطق کا ابتدائی رسالہ ●

(۷) معانی قاطیغوریاس ●

(۸) معانی باری میناس ●

(۹) معانی انالوطیقیا - اول یہ کتاب مکمل یعنی قیاسات حملیہ کے بیان تک پہنچی ہے

(۱۰) ہئیۃ العالم - اس میں زمین کا کروی ہونا۔ اُس کے دو قطب ہونا جن پر وہ گردش کرتی رہتی ہے۔ آفتاب کا زمین سے بہت بڑا ہونا۔ چاند کا اُس سے چھوٹا ہونا۔ اور ایسے ہی علم ہیئت کے بہت سے مسائل درج ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان حکماء اور ہیئت دان اسلام کی تیسری ہی صدی میں گردش زمین کے قائل ہو چکے تھے ●

(۱۱) کتاب علم ہندسہ میں ●

(۱۲) مقالہ اس میں لو کے قاتل ہونے کا سبب بیان کیا گیا ہے کہ وہ کس وجہ سے اکثر جانداروں کو بیجان بنا دیتی ہے"

(۱۳) رسالہ مناظرہ۔ اس میں ابن زکریا رازی نے "بیسن الثانی" فلاسفر کے اور اپنے علمی مناظرات سات اہم مباحث پر بتفصیل درج کئے ہیں۔

(۱۴) کتاب اللذۃ۔ اس میں یہ بیان کیا ہے کہ لذت آرام کے تحت میں داخل ہے۔

(۱۵) مقالہ اُس مرض کے بیان میں جو گرمی میں بڑھتا اور سردی میں کم ہوجاتا ہے۔

(۱۶) کتاب الرویاء۔ اس میں ہر قسم کے خوابوں کا بیان ہے۔

(۱۷) کتاب الشکوک و المناقضات۔ اس میں جالینوس کی کتابوں کے مشکوک اور متناقض مقامات کی تشریح کی ہے۔

(۱۸) کیفیۃ نظر۔ اس کتاب میں یہ بیان کیا ہے کہ نظر کوئی آنکھ سے نکلنے والی شعاع نہیں۔ اس میں اقلیدس کی چند شکلیں علم مرایا و المناظر کی بابت اُس نے باطل ثابت کی ہیں۔

(۱۹) کتاب گنٹھیا اور نقرس وغیرہ کے امراض میں۔

(۲۰) ایک اور چھوٹی کتاب درد گنٹھیا کے بیان میں۔

بارہ کتابیں فن طب میں بتفصیل ذیل:-

(۲۱) کتاب المدخل التعلیمی۔ یہ ابتدائی رسالہ ہے

(۲۲) المدخل البرہانی۔

(۲۳) الاثبات۔

(۲۴) التدبیر۔

(۲۵) الحجر۔

(۲۶) الاکسیر۔ اس کے دس باب ہیں۔

(۲۷) شرف الصناعۃ۔

(۲۸) الترتیب۔

(۲۹) التدابیر۔

(۳۰) الشواہد۔

(۳۱) المحنۃ۔

(۳۲) الحیل۔ اس میں طبی چٹکلے اور لٹکے مذکور ہیں۔

(۳۳) کتاب اس بیان میں کہ کیمیا کی صنعت کا حصول ممکن ہے۔

(۳۴) کتاب الاثبات۔

(۳۵) کتاب الاحجار۔

(۳۶) کتاب الاسرار۔

(۳۷) کتاب سر الاسرار۔

(۳۸) کتاب التبویب۔

(۳۹) کتاب رسالۃ الخاصۃ۔

(۴۰) کتاب الحجر الاصفر۔

(۴۱) کتاب رسائل الملوک ۔

(۴۲) کتاب جس میں کندی کے قول عدم امکان کیمیا کا رد کیا ہے ۔

(۴۳) کتاب اس بیان میں کہ حد سے بڑھا ہوا پرہیز۔ دوا کے استعمال میں جلدی کرنا۔ اور غذا کم کھانا۔ حفظ صحت کا سبب نہیں ہوتا بلکہ اور بیماریاں پیدا کرتا ہے ۔

(۴۴) مقالہ اس بیان میں کہ جاہل طبیب بیماروں کو ان کی خواہشوں سے روکنے میں بیحد سختی کرتے ہیں چاہے آدمی کچھ سخت بیمار نہ بھی ہو ۔

(۴۵) کتاب سیرۃ الحکماء ۔

(۴۶) مقالہ چیچک اور خسرہ کے بیان میں ۔

(۴۷) مقالہ سنگ گردہ و مثانہ کے ذکر میں ۔

(۴۸) کتاب من لا یحضرہ الطبیب اس کتاب میں تمام امراض کا ایسا سہل علاج پیشتر درج ہے کہ خواندہ آدمی کوئی طبیب نہ ملنے کی حالت میں محض اسی کی مدد سے علاج کرسکتا ہے اس کو علاج الغربا بھی کہتے ہیں ۔

(۴۹) کتاب ان دواؤں کے بیان میں جو ہر جگہ پائی جاتی ہیں ۔

(۵۰) جاحظ کی کتاب مذمت فن طبابت کا رد ۔

(۵۱) جاحظ کی کتاب فضیلۃ الکلام کے متناقض اقوال اور فلاسفہ کی مذمت کی تشریح و تردید ۔

(۵۲) التقسیم والتشجیر۔ اس کتاب میں اقسام امراض اور ان کے علاج کا مفصل ذکر کیا ہے ۔

(۵۳) الطب الملوکی۔ اس کتاب میں تمام امراض کا علاج بذریعہ غذا ہائے مناسب اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ غذا میں دوائیں ملا دی جائیں کیونکہ دوا کا دیا جانا ضروری ہے مگر اس طرح دوا کو بخوشی استعمال کریگا ۔

(۵۴) کتاب فالج ولقوہ کے بیان میں ۔

(۵۵) کتاب آنکھ کی ہیئت کے بیان میں ۔

(۵۶) کتاب ہیئت جگر کے بیان میں ۔

(۵۷) کتاب انثیین ۔

(۵۸) کتاب القلب ۔

(۵۹) رسالہ پردۂ سماعت ۔

(۶۰) کتاب المفاصل ۔

(۶۱) قرابادین ۔

(۶۲) کتاب فرقۂ معتزلہ پر نکتہ چینی میں ۔

(۶۳) کتاب خیار تلخ (کڑوے کھیرے) کے بیان میں ۔

(۶۴) معدنی ادویات کے اہم فوائد ۔

(۶۵) مرکب دواؤں کے ثقل اور خواص اشیاء کے ذکر میں بھی جداگانہ کتابیں تالیف کی ہیں۔ اور ان مباحث پر بھی ابن زکریا کی تصانیف موجود ہیں ✤

(۶۶) ہیولیٰ کیا ہے؟ زمین مستدیر شکل میں وسط فلک میں کیوں ٹھیری ہے؟

(۶۷) دنیا اُس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی جیسے ہم دیکھتے ہیں ✤

(۶۸) حرکت کیا ہے۔ وہ مرئی نہیں بلکہ معلوم ہے

(۶۹) مقالہ اس بیان میں کہ جسم کی ایک طبعی حرکت خود اُس کی ذات سے ہوتی ہے اور حرکت کا مبدا بھی طبعی ہے ✤

(۷۰) تین قصائد مسائل منطق۔ علم الہیات۔ اور یونانی موعظات کے بیان میں ✤

(۷۱) کتاب الکرامی والمتادیر مختصر ✤

(۷۲) کتاب اعضاء کی شکستگی اور اُن کے علاجات میں ✤

(۷۳) مقالہ اس بیان میں کہ فاضل اطباء سے لوگوں کے دلوں میں کن اسباب سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور کیوں وہ معمولی اطباء کی طرف جھک پڑتے ہیں ✤

(۷۴) مقالہ اُن غذاؤں اور میوجات کے بیان میں جن کا کھانا مقدم اور جن کا استعمال موخر ہونا چاہیئے ✤

(۷۵) مقالہ احمد بن طیب سرخسی کی تردید میں جس نے جالینوس کے قول در بارۂ تلخی ذائقہ دہن کی تردید کی تھی ✤

(۷۶) کتاب المستمعی متکلم کے رد میں جس نے اصحاب ہیولیٰ پر اعتراضات کئے تھے ✤

(۷۷) کتاب مدت یعنی زمانہ کے بیان اور خلاء و ملاء یعنی مکان کے بیان میں ✤

(۷۸) مقالہ اس میں جریر طبیب کی غلطی کا اظہار کیا ہے جس نے ایک امیر کو خربوزہ کھانے کے بعد فوراً شہتوت کھانے سے منع کیا تھا ✤

(۷۹) فرفوریوس کی کتاب "اناپولی" کی تردید پر ایک کتاب لکھی ✤

(۸۰) کتاب ۔۔۔ الہیات میں ✤

(۸۱) کتاب المیا۔۔۔ مطلقہ کے ذکر میں ✤

(۸۲) علم الہیات النفس ایک اور کتاب جو مذہب افلاطون کے مطابق ہے ✤

(۸۳) کتاب ابی القاسم بلخی کی تردید میں جس نے ابن زکریا کی کتاب علم الہیات کے مقالہ دوم پر چند اعتراضات کیئے تھے ✤

(۸۴) کتاب سونا چاندی بنانے اور میزان طبعی کے بیان میں ✤

(۸۵) کتاب الثبوت فی الحکمۃ ۔

(۸۶) کتاب شطرنج کھیلنے والوں کی معذوری کے بیان میں ۔

(۸۷) کتاب نرد کی حکمت کے ذکر میں ۔

(۸۸) کتاب الباہ۔ اس میں مختلف مذاہبوں کا مفصل بیان اور باہ کے منافع و مضار بتائے ہیں ۔

(۸۹) کتاب الزیادۃ۔ اس میں چند مفید باتیں باہ کے معاملہ میں بیان کی ہیں ۔

(۹۰) کتاب المنصوری۔ یہ کتاب امیر منصور بن اسمٰعیل حاکم خراسان کے لئے لکھی تھی یہ فن طب کے علمی و عملی اصول و ضوابط میں مختصر مگر نہایت جامع و مانع تالیف ہے ۔

(۹۱) مقالہ امور طبیعیہ کے ذکر میں ۔ جسے کتاب المنصوری کے شانہ بشانہ بڑھایا گیا تھا۔

(۹۲) الجامع اس میں ابن زکریا نے قدیم و جدید فن طب کے تمام الطریات جن کا اس نے خود تجربہ کیا اور مفید پایا بڑی خوبی سے درج اور جمع کرتے ہیں۔ اور اس کتاب کی تقسیم بارہ اقسام پر کی گئی ہے۔ لیکن یہ تقسیم کوئی معقول و پسندیدہ نہیں اور نہ یہ کتاب ابن زکریا نے خاص طور پر لکھی تھی۔ بلکہ یہ ایسے الگ الگ مقالے تھے جن کے نا صاف مسودات کو اُس کی وفات کے بعد جمع کر کے ایک کتاب کی صورت دیدی گئی۔ اس کتاب کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوتا صرف فہرستوں میں اس کا نام نظر آیا۔ اور غالباً کتاب الحاوی کے مقابلہ میں اس کو کسی نے پسند نہ کیا ہوگا۔ اس لئے متروک و معدوم ہوگئی ۔

(۹۳) رسالہ برف سے سرد کئے ہوئے پانی کے بیان میں اور اس پانی کے بیان میں جو برف میں لگا کر سرد کیا جائے۔ یا پہلے جوش دیکر پھر برف یا شورہ میں ٹھنڈا کیا گیا ہو ۔

(۹۴) رسالہ اس بیان میں کہ کوئی غیر نشہ آور شراب ایسی نہیں جو نشہ آور شراب کے قائم مقام بن سکے ۔

(۹۵) کتاب علامات اقبال مندی کے بیان میں ۔

(۹۶) کتاب اس بیان میں کہ آنکھ کو دیگر حواس پر فضیلت ہے ۔

(۹۷) رسالہ اس امر کے ذکر میں کہ آفتاب اور تمام ستاروں کا طلوع و غروب حرکت زمین سے نہیں ہوتا بلکہ یہ حرکت فلک کی وجہ سے ہے ۔

(۹۸) کتاب علم منطق میں۔ اس میں تمام وہ اصطلاحی الفاظ اور مسائل جمع کئے ہیں۔ جو مسلمان متکلمین کے استعمال میں رہتے ہیں ۔

(۹۹) کتاب اس بیان میں کہ ستارے خوب گول ہیں اور جو اُن کو مستدیر نہیں خیال کرتا وہ غلطی پر ہے ۔

(۱۰۰) کتاب اس بیان میں کہ جاہل اور بے علم لوگوں کو زمین کا گول ہونا اور آدمیوں کا اُس کے گرد ہر حصہ میں آباد ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ اور نہ وہ اس کو بہ دلیل ثابت کر سکتے ہیں ۔

(۱۰۱) رسالہ اس بحث میں کہ طبیعی زمین مٹی کی ہے یا پتھر کی ۔

(۱۰۲) مقالہ اس بیان میں کہ عادت بھی طبیعت ہوتی ہے ۔

(۱۰۳) مقالہ اُس سبب کے بیان میں جس سے روشنی میں پتلیاں تنگ ہو جاتی ہیں اور تاریکی میں پھیل جاتی ہیں ۔

(۱۰۴) مقالہ اس بیان میں کہ جاہلوں کے اس خیال کا کیا سبب ہے کہ برف پیاس بڑھاتی ہے ۔

(۱۰۵) کتاب مریضوں کی غذاؤں کے بیان میں ۔

(۱۰۶) کتاب اس بیان میں کہ معمولی بیماریوں کے اندر بعض بیماریوں کا سمجھنا اور علاج کرنا دشوار ہوتا ہے ۔

(۱۰۷) رسالہ مشکل بیماریوں کے بیان میں ۔

(۱۰۸) رسالہ قاتل امراض کے ذکر میں جو کہ مرگِ ناگہانی کے موجب ہوتے ہیں ۔

(۱۰۹) رسالہ اس بیان میں کہ طبیب کیسا ہی حاذق کیوں نہ ہو وہ تمام امراض کے دفع کرنے پر ہرگز قادر نہیں ہوتا کیونکہ صحت اس کے بس کی بات نہیں ۔

(۱۱۰) رسالہ اس سبب کے بیان میں کہ کیونکر بعض جاہل اطبّاء اور قابلہ عورتیں بڑے بڑے شہروں میں کامیابی کے ساتھ علاج کر سکتی ہیں اور ذی علم اطبّاء پر انہیں فوقیت حاصل ہو جاتی ہے ۔

(۱۱۱) کتاب الممتحن طب میں ۔

(۱۱۲) کتاب النفس خرد و کلاں۔ دو الگ الگ ہیں ۔

(۱۱۳) کتاب ترکیب معدہ کے بیان میں ۔

(۱۱۴) رسالہ اس بیان میں کہ کس قدر احکام نجوم ممکن الاستدراک ہیں ۔

(۱۱۵) کتاب سبب حدوثِ زکام ۔

(۱۱۶) کتاب موسم بہار کے ذکر میں ۔

(۱۱۷) رسالہ اُس مرض کے بیان میں جو بعض آدمیوں کو لاحق ہوتا ہے اور زکام کے مشابہ مگر خواب آور ہوا کرتا ہے۔ اس کا نام "سبات" ہے ؛

(۱۱۸) کتاب دربیان ریاضت ۔

جالینوس کی حسب ذیل کتابوں کا اختصار

(۱۱۹) حیلۃ البرء ۔

(۱۲۰) النبض الکبیر ۔

(۱۲۱) العلل والاعراض ۔ اور اعضاء الآلیۃ ۔

(۱۲۲) ذاتی معتبر اور نکتہ چینی میں ایک رسالہ ۔

(۱۲۳) کتاب منافع الادویۃ و دفع مضارہا ۔

(۱۲۴) کتاب اس بیان میں کہ سنگ مقناطیس لوہے کو کیوں جذب کیا کرتا ہے ۔

(۱۲۵) کتاب الشراب المسکر ۔

(۱۲۶) مقالہ سکنجبین اور اس کے فوائد و مضار پر ۔

(۱۲۷) کتاب قولنج کے ذکر میں ۔

(۱۲۸) مقالہ گرم قولنج کے بیان میں ۔

(۱۲۹) رسالہ پیاس اور اس کی وجہ سے زیادتی حرارت کے بیان میں ۔

(۱۳۰) کتاب منافع الاعضاء ۔

(۱۳۱) کتاب الکافی طب میں ۔

(۱۳۲) قرابادین مختصر ۔

(۱۳۳) کتاب دفع امراض کے ذکر میں ۔

(۱۳۴) کتاب سر الطب ۔

(۱۳۵) کتاب فصد کی فضیلت کے بیان میں جبکہ امتلائی استفراغات کی ضرورت ہو ۔

(۱۳۶) رسالہ ان امراض کے ذکر میں جن کا حال خود مریض کو معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ تجربہ کار طبیبوں کا کام ہے کہ اپنی روشن دماغی سے کام لیکر ان کی تشخیص کریں اور علاج فرمائیں ۔

(۱۳۷) ایک مختصر کتاب دوالہ کے بیان میں ۔

(۱۳۸) فن طب کا ابتدائی رسالہ ۔

(۱۳۹) مقالہ ورموں کے ذکر میں ۔

(۱۴۰) مقالہ بہق اور برص کے بیان میں ۔

(۱۴۱) کتاب برء الساعۃ ۔

(۱۴۲) مقالہ بواسیر و شقاق مقعد کے بیان میں ۔

(۱۴۳) کلام امراض کے مابین فرق و امتیاز کرنے کے بیان میں ۔

(۱۴۴) مقالہ سوزش مجرائے بول و مثانہ کے ذکر میں ۔

(۱۴۵) علاج الغرباء ۔

(۱۴۶) رسالہ ان امراض پر جو ظاہر جسم میں نمایاں ہوتے ہیں ۔

(۱۴۷) کتاب دواہائے چشم و امراض چشم کے بیان میں *
(۱۴۸) کتاب جو اسلامی طب میں (۱۴۸ الف) کتاب جواہر الاجسام کے بیان میں *
(۱۴۹) مقالہ زکام اور نزلہ سر کے بیان میں *
(۱۵۰) مقالہ طب کی مستعمل دواؤں کو باہم بدلنے کے بیان میں *
(۱۵۱) کتاب صفات البیمارستان *
(۱۵۲) مقالہ مختصر اغذیہ کے بیان میں *
(۱۵۳) رسالہ حمام اور اُس کے فوائد و نقصانات کے بیان میں *
(۱۵۴) کتاب مسہل اور قے لانے والی دواؤں کے ذکر میں *
(۱۵۵) مقالہ لوہے کے ذریعہ آنکھوں کا علاج کرنے کے بیان میں *

اِن کتابوں کے علاوہ اور بہت سی کتابیں فن حکمت۔ نجوم۔ الٰہیات۔ طبیعیات۔ موسیقی۔ مناظرات۔ ادب۔ فلسفہ میں بھی ابن زکریا رازی کی یادگار ہیں جن کی مفصل فہرست اس مختصر کتاب کی طوالت کا موجب ہونے کی وجہ سے ترک کر دی گئی *

(۱۱۱) ابو جعفر احمد بن حسّان (حکیم)

حاجی ابو جعفر احمد بن حسّان۔ غرناطہ کا باشندہ تھا۔ وہیں پیدا ہوا اور نشوونما پائی۔ فن طب کی تحصیل و تکمیل کے بعد اس میں نام پیدا کیا تو خلیفہ المنصور کے دربار میں رسائی ہوئی اور اُس کا شاہی طبیب مقرر ہو گیا۔ ابو جعفر بن حسّان نے سفر حج میں اندلس کے نامور سیاح اور سفرنامہ نویس "ابن جُبیر" کے ساتھ شرکت کی تھی۔ چنانچہ "ابن جُبیر" اس کا ذکر اپنے سفرنامہ میں کرتا ہے۔ ابو جعفر نے شہر فاس میں وفات پائی۔ اُس کی تصانیف میں سے ایک کتاب "تدبیر الصحۃ" نامی ہے۔ جو اُس نے خلیفہ المنصور کے واسطے تالیف کی تھی *

(۱۱۲) ابو جعفر (حکیم)

ابو جعفر بن خمیس طلیطلی۔ اس نے جالینوس کی تمام کتابیں باقاعدہ پڑھی تھیں۔ فن طب کو پوری طرح حاصل کیا تھا۔ علم ریاضی کی مہارت میں بہت ذوق رکھتا تھا اور اکثر اُس کی مشق کیا کرتا *

(۱۱۳) ابوجعفر احمد بن سابق (حکیم)

اصل میں قرطبہ کا باشندہ تھا۔ نہایت ذکی۔ ذہین۔ اور اعلےٰ درجہ کا طبیب و معالج تھا۔ علم و عمل دونوں میں سربرآوردہ گنا گیا ہے۔ قاضی ابی الولید ابن رشد کا شاگرد تھا اور فن طب کو اُسی کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا تھا۔ الناصر کا درباری طبیب رہا۔ اور المستنصر کے عہد میں فوت ہوگیا۔

(۱۱۴) ابوجعفر الذہبی (حکیم)

ابوجعفر احمد بن جرج۔ فن طب کا فاضل واقفکار اور اُس سے خوب ماہر تھا۔ طب کی نظریات و اعمال میں اُس کی نظر نہایت غائر تھی۔ المنصور کے دربار کا طبیب رہا۔ اُس کے فرزند الناصر کی بھی خدمت کرتا رہا تھا۔ طب کے علاوہ ادب میں بھی اُس کی لیاقت قابل ذکر تھی۔ جس وقت ۶۰۰ھ میں الناصر نے تلمسان (اوسط مغرب) پر فوج کشی کی ہے اسی زمانہ میں یہ وہاں فوت ہوگیا۔ الناصر تلمسان میں ہوکر افریقہ پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا۔ مگر اس جنگ میں اُسے پوری کامیابی نہ ہوسکی۔

(۱۱۵) ابوجعفر بن الغزال (حکیم)

قنجیرہ۔ علاقۂ المریۃ (مغرب) میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش و تربیت پاکر سن تمیز کو پہنچا۔ ابتدائی علوم کی تحصیل وطن اور قرب و جوار میں کرتا رہا۔ اور سن جوانی میں بمقام اشبیلیہ آکر الحفید ابی بکر بن زُہر کے حلقۂ درس میں شریک ہوا۔ فن طب کا تکملہ اسی کی خدمت میں کیا اور نہایت شوق و محنت سے کتابیں پڑھیں۔ اشبیلیہ اُس زمانہ میں مخزن علم و فضل تھا۔ ہزاروں شائقان علوم اطراف ملک سے وہاں آیا کرتے تھے۔ ابن الغزال نے حفید ابی بکر بن زُہر کے علاوہ دیگر علماء فن اور اطبّاء عصر کی صحبت سے بھی فیض اُٹھایا۔ تکمیل و نامورآوری کے بعد دربار منصوری کا طبیب مقرر ہوا۔ ترکیب ادویات اور مفرد ادویہ کی

خاصیتوں سے پوری طرح واقف تھا۔ خلیفہ المنصور کے لئے جتنی مرکب دوائیں از قسم معجون وغیرہ بنتی تھیں وہ ابن الغزال ہی کی نگرانی میں تیار ہوا کرتی تھیں۔

المنصور چونکہ نہایت دیندار موحد فرمانروا تھا لہٰذا اُس نے اپنے پایۂ تخت میں شراب کا داخلہ روک دیا اور اس کی ایسی سخت نگرانی کی کہ اُس کے پایہ تخت اور اطراف ملک میں کہیں شراب کا وجود تک نہ رہ گیا۔ ایک بار اُس نے ابن الغزال کو "تریاق کبیر" کا نسخہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ اس نسخہ کی تیاری میں شراب کی ضرورت پڑتی تھی۔ ابن الغزال نے خلیفہ سے عرض کیا کہ بغیر شراب کے دوا بن نہیں سکتی۔ خلیفہ نے اُسے اجازت دی کہ ملک میں تلاش کریں شاید کسی کے پاس کچھ مل جائے۔ لیکن باوجود کمال تگ و دو کے کہیں ایک قطرہ بھی شراب کا نہ مل سکا۔ المنصور کو اس امر کا علم ہوا تو اُس نے خوش ہو کر خدا کا شکر ادا کیا اور کہا: "واللہ! اس وقت اس دوا کی تیاری کا حکم دینے سے مدعا ہی یہ تھا کہ میں شراب کے اپنے ملک سے قطعی معدوم ہو جانے کا علم حاصل کروں۔ الحمد للہ کہ میرا قلمرو اس نجاست سے پاک ہو گیا ہے۔"

ابو جعفر بن الغزال نے عرصہ تک عزت و آرام کی زندگی بسر کرکے خلیفہ الناصر کے عہد حکومت میں دُنیا سے رحلت کی۔

(۱۱۶) ابُو جعفر بن ہارُون (حکیم)

ابو جعفر بن ہارون الترجالی۔ اشبیلیہ کے معززین میں سے تھا۔ علوم حکمیہ کا محقق اور ماہر۔ ارسطو طالیس کی کتابوں اور دیگر حکمائے متقدمین کی تصانیف پر پوری طرح نظر رکھتا اور فن طب کا فاضل، اُس کے فروع و اصول کا دانا، اچھا معالج، نیک چلن اور خوش اخلاق شخص تھا۔ خلیفہ منصور کے باپ ابی یعقوب کا شاہی طبیب رہا۔ علم حدیث میں مغرب کے نامور علامہ اور شیخ زمانہ ابن العربی کا شاگرد رشید تھا۔ علامۂ نادر المثال اور فیلسوف اسلام ابی الولید ابن رشد نے طب اور دیگر علوم میں اسی ابو جعفر بن ہارون کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا تھا۔

یہ فاضل متبحر اصل میں مقام ترجالہ کا باشندہ تھا جو اندلس کا ایک بندرگاہ ہے

یہ مقام ویران پڑا تھا۔ مسلمانوں نے اس کو آباد کیا اور نہایت بارونق مقام بنا دیا۔

ابوجعفر بن ہارون کحّال یعنی آنکھوں کے امراض کا بھی بہت اچھا معالج تھا۔ اشبیلیہ میں عرصہ تک خانہ نشینی کی زندگی بسر کرتا رہا۔ کیونکہ اخیر عمر میں اُس کے اعضاء میں ایک طرح کا ضعف پیدا ہوگیا تھا۔ اور ہاتھ پیر سُن سے ہوگئے تھے۔ اس لئے کہیں آنے جانے کے قابل نہ رہا تھا۔ گھر ہی پر مطب کیا کرتا۔ اُس نے اشبیلیہ ہی میں وفات پائی۔

(۱۱۷) ابوجعفر یوسف بن احمد بن حسدائی (حکیم)

صناعت طب کا بہترین فاضل نیز بقراط اور جالینوس کی کتابوں کا باخبر عالم تھا۔ اُس نے اندلس سے بلاد مصر کی طرف سیاحت کی اور اُن میں خوب شہرت پائی۔ خلفائے مصر میں سے خلیفہ آمر باحکام اللہ کے عہد میں اس کو وہاں عروج حاصل ہوا۔ تین سال نو ماہ تک خلیفہ کے وزیر مامون ابوعبداللہ محمد بن نور الدولہ ابی شجاع الآمری کا خاص معالج رہا۔ کیونکہ اُس نے ذی الحجہ ۵۱۵ھ میں قلمدان وزارت کو سنبھالا تھا اور رمضان ۵۱۹ھ کو نماز مغرب کے بعد معزول کر دیا گیا۔ اس کے بعد رجب ۵۲۲ھ میں قتل کرا کر قاہرہ کے باہر دار پر کھینچا گیا۔

مامون اپنے منصب وزارت کے دوران میں نہایت عالی ہمت اور علم دوست رہا۔ اُس نے یوسف بن احمد بن حسدائی کو حکم دیا تھا کہ وہ بقراط کی کتابوں کی جو اس فن میں بہترین تصانیف ہیں شرحیں تحریر کرے۔ چنانچہ اُس نے سب سے پہلے حکیم بقراط کی کتاب الایمان کی نہایت مفصل شرح لکھی اور کتاب الفصول کے بعض مقامات کو بھی حل کیا۔ اس فاضل طبیب کی ابی بکر محمد بن یحییٰ (ابن ماجہ) سے نہایت گہری آشنائی تھی اور اُسے ہمیشہ قاہرہ سے خطوط لکھا کرتا تھا۔

یوسف بن احمد شراب کا عادی تھا، چنانچہ اُس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک صوفی کے ساتھ اسکندریہ سے قاہرہ کو آرہا تھا۔ اثنائے راہ میں وہ باہم بہت کچھ مانوس ہوگئے تھے۔ لہذا جب قاہرہ میں پہنچے تو صوفی نے پوچھا کہ آپ کہاں اتریں گے، مجھے بتائیے تاکہ میں آپ سے مل سکوں۔ یوسف نے کہا کہ میرا ارادہ تو یہ ہے کہ کسی شراب خانہ میں ڈیرا جما دوں

تاکہ شراب کے ملنے میں دقت نہ ہو۔ اگر تم وہاں آنے کو معیوب نہ خیال کرو تو بڑی خوشی سے آیا کرو۔ صوفی کو اُس کی یہ بات بہت ناگوار ہوئی اور وہ ناراض ہو کر اپنی فرودگاہ (یعنی ایک خانقاہ) کو چلا گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد ابن حسدائی بازار میں گذر رہا تھا کہ اُس نے ایک جگہ پر لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی دیکھی اور درمیان میں وہی صوفی عذاب تازیانہ میں مبتلا ۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ شراب سے بدمست پایا گیا ہے۔ اِس سے یوسف بن احمد کو تعجب ہوا اور اُس صوفی کے قریب جا کر کہا کہ تمہیں جو کچھ سزا ملی ہے یہ اُس گندم نمائی اور جو فروشی کے عوض میں ہے جو تم اپنی شراب خواری کی نسبت عمل میں لاتے تھے۔ اس حکیم کی تصنیفات حسب ذیل ہیں:-

(۱) الشرح المامونی، جو اُس نے مامون کے لئے لکھی اور اُسی کے نام سے معنون کی۔

(۲) بقراط کی کتاب الفصول کے مقالہ اوّل کی شرح۔ یہ کتاب اندلس سے اسکندریہ میں آکر لکھی تھی۔

(۳) اُس شرح سے بعض فوائد کا استخراج جو علی بن رضوان نے جالینوس کی کتاب "اغلوقن" پر لکھی۔

(۴) جالینوس کی کتاب الصناعۃ الصغیرہ کی شرح و دیباچہ۔

(۵) کتاب الاجمال یہ منطق کے بیان میں ہے۔

(۶) کتاب الاجمال کی شرح۔

(۱۱۸) ابوزکریا یحییٰ البیاسی (حکیم)

امین الدین ابوزکریا یحییٰ بن اسمٰعیل اندلسی البیاسی۔ اپنے وقت کا مشہور عالم و فاضل، اور طب میں ممتاز درجہ رکھتا تھا۔ علوم ریاضیہ کا ماہر تھا۔ اس کا اصل وطن بلاد مغرب یعنی اندلس تھا۔ وہاں سے ملک مصر میں آیا۔ ایک مدت تک قاہرہ میں مقیم رہا۔ اور بعد ازاں دمشق کو چلا گیا۔ جہاں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ طب میں تہذیب الدین ابن النقاش کا شاگرد رشید تھا۔ جالینوس کی سولہ تصانیف کا نصاب پورا اُسی سے پڑھا

طب وغیرہ علوم و فنون کی بہت سی کتابیں اپنے ہاتھ سے نقل کیں ؂

ابوزکریا یحییٰ البیاسی کو نجاری میں خوب مہارت تھی۔ اپنے استاد ابن النقاش کے لئے اُس نے علم ہندسہ سے تعلق رکھنے والے آلات خود بنائے تھے۔ عُود (باجا) خوب بجاتا تھا۔ ارغنون (باجا) بجانے کی بھی کوشش تو بہت کی اور خود اُس کا نمونہ بھی تیار کیا۔ مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ علم موسیقی کا مدرس تھا۔ بہت سے طلبہ اُس سے یہ فن سیکھتے تھے ؂

ملک الناصر صلاح الدین بن ایوب کا درباری طبیب تھا۔ اور عرصہ تک میدان جنگ میں اُس کے ہمرکاب رہا۔ لیکن چونکہ اس طرح اُس کو سخت مصیبت کا سامنا رہتا تھا اور آرام لینے کی مہلت نہیں ملتی تھی۔ اس لئے استعفیٰ دیکر علیحدگی چاہی۔ سلطان نے حسن خدمات کا لحاظ فرماکر وظیفہ مقرر کردیا اور ابوزکریا نے دمشق میں باقی زندگی اسی وظیفہ سے بآرام بسر کی اُس نے دمشق ہی میں وفات پائی ؂

(١١٩) ابوسعید بن ابی سلیمان (حکیم)

حکیم مہذب الدین ابوسعید بن ابی سلیمان بن ابی المنّیٰ بن ابی فا... فن طب میں بہت بڑا صاحب فضیلت اور زبردست عالم تھا دربار ایوبی میں ممتاز اور نامور طبیب رہا۔ علم طب میں اپنے باپ اور دیگر اعلیٰ درجہ کے اطباء کا شاگرد تھا سلطان ملک العادل ابوبکر بن ایوب نے ابوسعید کو اپنے بیٹے ملک المعظم کا خاص طبیب مقرر کردیا تھا اور اُس کی اتنی عزت تھی کہ ملک المعظم کے قلعہ جات میں اس کے سوا اور کسی کو سوار ہوکر داخل ہونے کی اجازت نہ تھی ؂

ابوسعید ملک الناصر صلاح الدین اور ملک العادل دونوں کا درباری طبیب رہا اور ان سلاطین کے ساتھ مصر میں بھی آیا۔ چنانچہ اُس نے مصر ہی میں سکونت اختیار کرلی۔ اور تادم مرگ وہاں سے پھر کہیں نہ گیا۔ ابوسعید کی وفات ٦١٣ھ میں ہوئی اور وہ قاہرہ کے نزدیک ایک عیسائیوں کے دیر میں جس کا نام دیر الخندق ہے مدفون ہُوا ؂

(۱۲۰) ابُوسعید سنان بن ثابت بن قرہ (حکیم)

علم وفضل میں باپ کا ہم پلّہ تھا۔ فن طب کی مہارت میں بھی اعلےٰ مرتبہ رکھتا تھا۔ علم ہیئت میں اس کی معلومات بیحد وسیع ہیں۔ اس علم کا امام وقت گنا جاتا تھا۔ خاندان عباسیہ کے تین خلفاء کی خدمت میں رہا۔ مقتدر باللہ۔ اور القاہر باللہ کا پُورا عہد دیکھا اور کسی قدر راضی باللہ کی خدمت بھی ادا کی۔ خلیفہ قاہر باللہ نے "سنان بن ثابت" کو قبول اسلام کا حکم دیا تو وہ بغداد سے بھاگ گیا۔ مگر بعد میں خود اپنی خوشی سے مسلمان ہو کر اچھا صاحب ایمان بنا۔ چونکہ اُس کو خلیفہ قاہر باللہ کا خوف دامنگیر تھا اس واسطے پہلے اُس نے خراسان کے صوبہ میں پناہ لی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد جب اسلام لے آیا تو پھر بغداد واپس آیا۔ اور وہیں بحالت سچے مسلمان ہونے کے وفات پائی۔

سنان بن ثابت "ذرب" کی بیماری سے فوت ہوا۔ اُس کی وفات شب جمعہ ذی القعدہ ۳۳۱ھ کی چاندرات کو واقع ہوئی۔

سنان بن ثابت کے بیٹے ثابت بن سنان نے اپنے باپ کی سوانح عمری لکھی ہے اُس میں وہ تحریر کرتا ہے کہ جس زمانہ میں میرا باپ بغداد کے سرکاری شفاخانوں کا اعلےٰ مہتمم او نگراں تھا۔ ایک سال ملک میں سخت بیماریاں پھیل گئیں۔ ایسی وبائی کیفیت تھی کہ جدھر دیکھو بیمار ہی بیمار تھے۔ تندرست بہت کم دکھائی دیتے تھے۔ علی بن عیسےٰ بن الجراح۔ وزیر اعظم نے میرے باپ کو ایک فرمان کے ذریعہ سے قیدیوں کی خبرگیری کا انتظام کرنے پر توجہ دلائی اور اس کے لئے دوا و غذا وغیرہ کے مصارف ملکی خزانہ سے عطا کئے۔ حکم تھا کہ ہر روز جیلخانوں میں جا کر قیدیوں کی دیکھ بھال کی جائے۔ اور اُن میں سے بیماروں کا علاج بڑی توجہ سے ہو۔ چنانچہ میرے باپ نے بہت سے ماتحت اطبّاء جیلخانجات کی دیکھ بھال پر متعیّن کر دئے۔

اس کے کچھ دن بعد وزیر کا ایک حکمنامہ اور آیا۔ اس میں تحریر تھا کہ دار الخلافہ میں ہر درجہ اور حیثیّت کے بکثرت اطبّاء موجود ہیں۔ لیکن مضافات کے علاقہ میں خصوصًا

عراق عرب کا وہ حصہ جو مابین دریائے دجلہ و فرات واقع اور سواد کے نام سے موسوم ہے بہت کم کوئی طبیب پایا جاتا ہوگا۔ غریب رعایا اور دہقان بیماری سے ہلاک ہو رہے ہیں ان کو طبی مشورہ حاصل کرنے کی کوئی راہ نہیں ملتی۔ تم فوراً ایک جماعت لائق اور تجربہ کار اطباء کی مع سامان ادویات بیرو دنجات میں روانہ کر دو۔ یہ اطباء دورہ لگا کر رعایا کے بیکس افراد کا علاج کریں۔ اور ضرورت دیکھیں تو اطلاع دیں تاکہ اُن کی مدد کے واسطے مزید اشخاص اور سامان دوا و غذا ارسال کیا جائے ۔

ان سفری اطباء کی تحریروں سے معلوم ہوا کہ رعایا میں مسلمان اور غیر مسلم ہر مذہب کے آدمی شامل ہیں اور انہیں یہ حکم نہیں ملا کہ سب کے ساتھ یکساں سلوک ہو یا کسی کو امتیاز دیا جائے۔ نیز چوپائے جو بیماری میں مبتلا ہیں اُن کا معالجہ کرنا چاہئے یا نہیں۔ وزیر اعظم نے اس یادداشت پر حکم لکھا کہ گو مسلمانوں کی خبر گیری مُقدم ہے۔ لیکن یہ کبھی نہ ہونا چاہئے کہ غیر مسلم رعایا کی طرف کوئی توجہ نہ ہو۔ اُن کا علاج ضرور کیا جائے اور بہائم کے علاج کیلئے وقت بچنے کی شرط ہے کیونکہ انسان کی ہمدردی پہلے اور بہائم کی اس کے بعد واجب ہے۔

بغداد میں شاہی عام شفاخانہ کے علاوہ اور بھی کئی شفاخانے موجود تھے۔ اُن کے مصارف اوقاف کی آمدنی سے پورے کئے جاتے تھے۔ خلیفہ معتضد باللہ کے نامور سپہ سالار بدر نے جو شفاخانہ بنوایا تھا۔ اُس کا خرچ خلیفہ متوکل علی اللہ کی والدہ خاتون شجاع کے وقف سے ملتا تھا۔ ابی الصقر وہب بن محمد کلوذانی۔ اس وقف کا مہتمم تھا۔ وقف کی آمدنی کا نصف حصہ بنی ہاشم کی امداد اور پرورش کے لئے مخصوص تھا اور باقی نصف شفاخانہ بدری کے واسطے۔ مگر ابی الصقر شفاخانہ کے اخراجات کی رقم دینے میں طرح طرح کے حیلے کرتا اور اس بارہ میں بیحد تاخیر روا رکھتا۔ سنان بن ثابت نے اس امر کی شکایت وزیر علی بن عیسے کو لکھی۔ اور اطلاع دی کہ سردی کے موسم میں بیماروں کو گرم کپڑے اور کوئلہ کی بیحد ضرورت ہے۔ مگر وقف کا مہتمم خرچ دینے سے انکار کرتا ہے۔ وزیر نے فوراً ابی الصقر کو ایک طویل فرمان کے ذریعہ ہدایت کی کہ جس طرح ممکن ہو شفاخانہ کا خرچ پہلے ادا کرے اور دیگر اخراجات ملتوی کر دے ۔

یکم محرم ۳۰۶ھ کو سنان بن ثابت نے ایک نیا شفاخانہ بنام "بیمارستان السیدہ" کھولا۔ یہ شفاخانہ بغداد کے مشہور بازار سوق یحییٰ میں بنایا گیا تھا۔ اور اس کا ماہوار خرچ چھ سو دینار (اشرفی) تھا۔ شفاخانہ کی عمارت دریائے دجلہ کے کنارے بنی تھی۔ اسی سال سنان بن ثابت نے خلیفہ مقتدر باللہ سے عرض کر کے ایک اور شفاخانہ بنام "بیمارستان مقتدری" محلۂ باب الشام میں بنوایا۔ اور خلیفہ نے اُس کا خرچ جیب خاص کی مد سے دو سو دینار ماہوار مقرر کیا۔ خلیفہ مقتدر باللہ کو شفاخانوں کی طرف خاص توجہ تھی۔ اور اطبّاء کا بھی وہ خاص خیال کیا کرتا۔ ایک بار اُسے معلوم ہوا کہ کوئی مریض طبیب کی غلطی سے ضائع ہو گیا ہے۔ فوراً حکم دیا کہ سنان بن ثابت تمام اُن طبیبوں کا جو غیر مشہور ہیں امتحان لے۔ جس کو وہ سند عطا کرے اُس کے سوا کوئی طبیب علاج نہ کرنے پائے۔ سنان بن ثابت نے بغداد کے تمام معمولی اور غیر مشہور اطبّاء کو جانچا۔ جو شخص جس مرض کے علاج میں ہوشیار نکلا اُس کو اُسی مرض میں دست اندازی کرنے کی سند دی۔ ساتسو کے قریب آدمی اُس کے امتحان میں آئے اور یہ سب شہر بغداد کے ایسے اطبّاء تھے جو نہ مشہور تھے اور نہ اُن کا تعلق شاہی دربار سے پایا جاتا تھا۔ اس حساب سے اگر دیکھا جائے تو اُس وقت تنہا دارالخلافہ بغداد میں ایک ہزار سے زائد طبیب موجود تھے۔

خلیفہ راضی باللہ کی وفات کے بعد سنان بن ثابت کو شہر واسط (عراق) کے امیر ابوالحسین نے اپنے دربار میں بلا لیا۔ اور نہایت عزت و احترام سے رکھا۔ ابوالحسین نے حکیم سنان سے کہا کہ آپ کو بلانے کی غرض صرف جسمانی علاج نہیں بلکہ آپ میرا باطنی علاج بھی کریں۔ مجھے غرور۔ ظلم۔ سفاکی۔ بدمزاجی۔ اور دیگر عیوب سے جو مجھ پر بہت غالب ہیں نجات دلائیں۔ اور میں آپ کو اختیار دیتا ہوں کہ جہاں کوئی امر خلاف اخلاق آپ کو مجھ سے سرزد ہوتا نظر آئے فوراً مجھے روک دیا کریں۔ اس لطف کا شکر گذار رہونگا۔

سنان بن ثابت نے کہا "بسر و چشم۔ مگر ایک بات پہلے ہی آپ کے گوش گزار کرتا ہوں۔ یہ فوری تدبیر اور تمہیدی علاج ہے۔ پھر رفتہ رفتہ جیسی طبیعت کی حالت نظر آئیگی ویسا معالجہ کیا جائیگا۔

امیر والاجاہ! آپ اس امر کو ملحوظ رکھیں کہ اس وقت آپ کو اپنے ملک میں وہ قدرت
واختیار حاصل ہے کہ کوئی شخص آپ کے حکم سے سر نہیں پھیر سکتا۔ آپ کا ہاتھ سب ہاتھوں
پر غالب ہے۔ جو آپ کریں کر سکتے ہیں۔ کوئی آپ کا ہاتھ پکڑنے کی مجال نہیں رکھتا۔ مگر
اسی کے ساتھ یہ بھی واضح خاطر رہے کہ غصہ اور جوش غضب انسان کی طبیعت میں ایک
طرح کا نشہ پیدا کر دیتا ہے جو شراب کے نشہ سے بھی سخت اور خطرناک تر ہے۔ جس طرح
آدمی نشہ میں متوالا ہو کر یہ نہیں سمجھتا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور ہوش آتے ہی اپنے کرتوت
پر پشیمان ہوتا ہے بجنسہٖ غیظ و غضب میں بھی یہی کیفیت ہو جاتی ہے اور آدمی وہ کام
کر گزرتا ہے جو اسے نہ کرنا چاہئے۔ لہذا جیسے ہی آپ کو محسوس ہو کہ اب مجھے غصہ آنے لگا
ہے اور قریب ہے کہ میں جوش غضب میں بےخود ہو جاؤں۔ پس فوراً حکومت کے کام ملتوی
کر دیں اور جو کام کر رہے ہوں اس کو بھی دوسرے وقت پر اٹھا رکھیں۔ کیونکہ جو آپ آج
کر رہے ہیں یقیناً کل بھی اس کے کرنے کی قدرت آپ کو حاصل ہوگی۔

مشہور مثل ہے کہ "[illegible]" پس
جب آپ رات کو آرام کر لیں گے۔ تو آپ کا غصہ بھی دور ہو جائیگا۔ علماء کہتے ہیں کہ انسان کی
عقل پچھلی رات اور صبح کے وقت بہت صحیح ہوتی ہے۔ اس وقت میں آپ کا دماغ سکون
پذیر ہوگا۔ آپ غور کریں۔ کہ کس امر نے آپ کو غضبناک بنایا تھا۔ اور یہ معلوم کرنے کے
بعد کہ وہ فلاں بات تھی آپ کو سوچنا چاہئے کہ اس میں کیا قباحت ہے۔ اگر خلاف حکم خدا و
رسول ہے تو یہ خیال کیجئے کہ گو اس دنیا میں آپ حاکم و مختار مطلق ہیں۔ لیکن آخرت میں
حضرت ایزد تعالےٰ کے سامنے کسی کی شاہی و شہریاری نہیں چل سکتی۔ وہاں احکم الحاکمین
کا دربار ہوگا۔ ہر شخص مجبور و ناچار ہوگا۔ اگر خطا کار ہے تو اپنی غلطی کے وبال میں گرفتار
ہوگا۔ مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلایا جائیگا۔ کمزور کو زور آور پر قابو دیا جائیگا۔ ایسے کٹھن وقت
کے لئے یہی سامان اچھا ہے کہ دنیا میں لوگوں پر رحم کیا جائے۔ اور سوچا جائے کہ آخر
آدمی ہی غلطی کرتا ہے۔ اگر کسی نے خطا کی تو یہ اس کی سرشت کا قصور ہے اور انسانی کمزوری
پس اسے معاف کرنا اپنے لئے بارگاہ حق تعالےٰ میں عفو و رحمت حاصل کرنے کا راستہ صاف کرنا ہے۔

مصلحت وقت کے خیال سے اگر اُس شخص کی غلطی جس پر آپ ناراض ہوئے قابل معافی ہے اور کوئی نقصان اُس کے معاف کر دینے میں نہیں ہوتا تو اُس کو بخش دیجئے۔ ورنہ جیسی خطا ہو اُس کے موافق نرم سزا۔ ملامت۔ جھڑکی گھُرکی۔ قید و بند۔ اور جرمانہ کی قسم سے دیجئے۔ غرضیکہ رفتہ رفتہ اسی طرح طبیعت کی اصلاح ہوتی جائیگی اور آپ بجائے اس کے کہ ناواجب حد تک سزا میں سختی کرنے یا ظلم روا رکھنے کی وجہ سے خلق میں بدنام اور نفرت کے ہر دلعزیز ہوں محبوب خلائق نرم دل۔ منصف مزاج اور صاحب عدل و داد ہو جائینگے۔ اور پھر میری نصائح کا بھی آپ کے دل پر اثر ہوگا اور مجھے یہ جرأت ہوسکیگی کہ وقتاً فوقتاً آپ کو آپ کی غلطیوں پر آگاہ کرسکوں ؀

امیر ابوالحسین نے سنان بن ثابت کی نصیحت پر عمل کیا۔ بہت جلد اُس کے اخلاق میں تغیر عظیم ظاہر ہوا۔ اور اُس کی بدمزاجی نیکدلی و مہربانی سے بدل گئی۔ عدل و انصاف میں مشہور اور رعایا میں ہر دل عزیز ہوگیا۔ مگر افسوس ہے کہ اُس کی زندگی نے وفا نہ کی۔ وہ تھوڑے ہی عرصہ بعد قتل کر دیا گیا ؀

تصانیف:۔ ابی سنان بن سعید ثابت بن قرۃ کی تصانیف یہ ہیں:۔

(۱) رسالہ سُریانی بادشاہوں کی تاریخ پر ؀
(۲) رسالہ ستارۂ سہیل کے بیان میں ؀
(۳) دو رسالے بحکم ابن رائق اور اُسکے نام پر ؀
(۴) ایک رسالہ بنام ابی الحسن علی بن عیسیٰ ؀
(۵) رسائل سلطانیات و اخوانیات وغیرہ۔ اِس کے کئی حصّے ہیں۔ اور یہ کتاب کتاب التاجی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کو سلطان عضد الدولہ بن بُویہ کے لئے تالیف کیا تھا۔ اس میں عضد الدولہ کی اور قوم دیلم کی تعریف و صفات درج ہیں۔ اُن کے خاندانوں اور اگلے بزرگوں کا مفصل حال لکھا ہے ؀
(۶) رسالہ نجوم کے علم میں ؀
(۷) رسالہ دربیان تفصیل مذہب صابئین ؀
(۸) رسالہ اپنے آباواجداد کے حالات میں ؀

اِن کے علاوہ چند مفید کتابیں اور رسائل علم ہیئت۔ ہندسہ اور علم مثلثات میں بھی اُس کے یادگار ہیں ؀

(۱۲۱) زاہد العلماء (حکیم)

ابو سعید منصور بن عیسٰے نام۔ مذہباً نسطوری فرقہ کا عیسائی تھا۔ اس کا بھائی بڑا عالم فاضل اور مقام "نصیبین" کا مطران (ایک مذہبی عہدہ) تھا۔ زاہد العلماء حلب کے حاکم نصیر الدولہ بن مروان کا خاص طبیب رہا۔ نصیر الدولہ اس کی بہت عزت و تکریم کرتا تھا۔ انعام و عطایا سے شاد و خرم رکھتا۔ "دمیا فارقین" کا بیمارستان اسی مخیر بزرگ نے بنوایا تھا۔ باعث تعمیر یہ ہوا کہ نصیر الدولہ کی ایک لڑکی سخت علیل تھی۔ نصیر الدولہ کو یہ لڑکی بہت پیاری تھی۔ وہ اُس کی علالت سے سخت مغموم رہتا۔ اُس نے نذر مانی کہ اگر اُس کی پارۂ جگر تندرست ہو جائے تو وہ اُسی کے ہموزن روپیہ خیرات کریگا۔ زاہد العلماء کے علاج سے خداوند کریم نے مریضہ کو صحت عطا فرمائی۔ نصیر الدولہ کی نذر کا حال معالج کو معلوم تھا اُس نے تحریک کی کہ روپیہ متفرق خیرات میں ضائع کرنے کی جگہ اگر اُس سے ایک شفاخانہ بنوایا جائے تو بندگان خدا کو آرام پہنچے اور ہمیشہ سلسلہ خیر جاری رہے۔ نصیر الدولہ کو بھی یہ تجویز پسند آگئی۔ اُس نے موعود رقم کے علاوہ اور بھی بہت کچھ خرچ کرکے "میافارقین" میں وہ شفاخانہ بنوا دیا۔ ہر قسم کا عمدہ ترین سامان اور آلات وہاں فراہم تھے۔ اخراجات کے لئے بہت وسیع جائداد وقف کردی تھی۔ اور اس طرح زاہد العلماء کی تحریک سے ایک نیک کام کی بنیاد پڑی ✦

تصانیف:- زاہد العلماء کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-

(۱) کتاب شفاخانجات ✦
(۲) کتاب الفصول المسائل والجوابات جو دو حصوں میں ہے ✦
(۳) کتاب خوابوں کے بیان میں ✦
(۴) کتاب اس ذکر میں کہ علم طب کے مبتدیوں کو پہلے کن امور کا جاننا لازم ہے ✦
(۵) کتاب آنکھوں کے امراض اور اُن کے علاج میں ✦

(۱۲۲) ابو سعید یمامی (حکیم)

علم و فضل میں مشہور۔ اور فن طب کا عمدہ ماہر تھا۔ اعلٰے درجہ کی معلومات اور علم طب کے

جزئی و کلی تمام مسائل پر حاوی ہونے میں اپنا آپ نظیر تھا۔ اس کی تصانیف بھی اچھی اور مقبول ہیں۔ اس نے حسب ذیل کتابیں تالیف کیں :-

(۱) حنین کی کتاب المسائل کی شرح ۔

(۲) مقالہ دربیان امتحان اطباء اور اس امر کی تشریح میں کہ اطبّاء کے طبقات میں باہمی امتیاز کیونکر ہوسکتا ہے ۔

(۱۲۳) ابوسلیمان سجستانی (حکیم)

ابوسلیمان کنیت ۔ محمد نام ۔ طاہر بن بہرام کا بیٹا ۔ سجستان کا باشندہ ۔ فاضل منطقی اور علوم حکمت میں نہایت زبردست ماہر تھا ۔ بغداد میں یحییٰ بن عدی کا تلمذ کیا ۔ اور اس سے علوم حکمیہ حاصل کئے ۔ ادب اور شاعری سے بھی بہرہ ور تھا ۔ نظم لطیف کہتا تھا ۔

اس کی تصانیف میں حسب ذیل کتابیں ہیں :-

(۱) مقالہ انسانی قوتوں کے مراتب میں ۔

(۲) منطق کے چند مسائل پر کلام جو اس سے دریافت کئے گئے تھے ۔

(۳) حکمت کی کتابوں کے کچھ حاشئے اور لطائف و ظرائف ۔

(۴) مقالہ اس ذکر میں کہ اجرام علویہ کی طبیعت طبیعت خامسہ ہے اور وہ ذی نفس ہیں ۔

(۱۲۴) ابوسلیمان داؤد بن ابی المنیٰ بن ابی فانتہ (حکیم)

خلفائے مصر کے عہد میں ان کے دربار کا طبیب اور عیسائی المذہب تھا ۔ مصری خلفائے کے دربار میں خاص رسوخ پیدا کیا ۔ پہلے اس کا وطن شہر قدس شریف میں تھا ۔ پھر وہاں سے مصر میں آرہا ۔ ابوسلیمان بن داؤد کو علم نجوم میں بھی بہت اچھی مہارت تھی ۔ جس زمانہ میں صلیبی مجاہدین یورپ مصر و شام پر حملہ آور ہوئے ہیں ۔ اور مرفس شاہ فرنگ نے مصر کے بندرگاہ دمیاط پر قبضہ کرلیا تو یہ سن کر کہ ابوسلیمان داؤد خلفائے مصر کے دربار کا نامور طبیب ہے ۔ مصری فرمانرواؤں سے اس کو طلب کیا اور اپنے ساتھ بیت المقدس میں لے جا کر رکھا ۔

اس عیسائی فاضل کے پانچ لائق بیٹے تھے۔ شاہ مرقس کا ایک بیٹا مرض جذام میں مبتلا تھا۔ ابی سلیمان داؤد نے اُس کا علاج کیا اور وہ تندرست ہو گیا۔ مرقس نے طبیب موصوف کو بہت کچھ انعام دیا اور اپنا مقرب بنا لیا۔ اس کامل و ماہر طبیب کا بڑا بیٹا شاہ فرنگ کے مجذوم فرزند کے ساتھ فن شہسواری اور حرب و ضرب میں خوب مشاق ہو گیا تھا۔ جب وہ لڑکا سلطنت کا مالک ہوا تو اُس نے اپنے دوست طبیب زادہ کو علمی مشاغل سے الگ کر کے جنگ و پیکار میں اپنا بازو بنایا۔ ابوسلیمان داؤد کو علم نجوم کے رو سے معلوم تھا کہ شہر بیت المقدس ملک الناصر صلاح الدین بن ایوب کے ہاتھوں فلاں تاریخ فتح ہو گا۔ اُس نے اپنے بیٹے کے ہاتھ یہ بشارت سلطان صلاح الدین سے کہلا بھیجی۔ اس فاضل منجم کا مژدۂ فتح سلطان کو مقام "غزہ" میں پہنچا جو مصری سرحد پر ملک شام کا پہلا شہر ہے۔ سلطان نے خوشخبری لانے والے کو انعام و اکرام بخشا اور قدس شریف کو فتح کر کے بجز حکیم ابوسلیمان داؤد کے تمام عیسائی باشندوں کا گھر لوٹ لیا۔ حکیم مذکور اور اُس کے بیٹوں سے بڑی رعایت کی۔ انہیں دربار کا طبیب اور مقرب خاص بنایا اور اپنے ساتھ پھر مصر میں لایا۔

ابی سلیمان داؤد نے فقیہ عیسے کو شاہ فرنگ کی قید سے رہائی دلا کر اُس کا علاج کیا۔ اور اُس کے زر فدیہ میں سے ہزار دینار کی کثیر رقم جو شاہ فرنگ نے طبیب مذکور کو عطا کی تھی فقیہ کو بخش کر اُسے بعزت تمام دربار ایوبی میں ارسال کر دیا۔ فقیہ اور سلطان ابی سلیمان کے اس احسان کو نہیں بھولے۔ چنانچہ بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے بعد تمام عیسائی باشندوں سے بہت کچھ زر فدیہ وصول کیا مگر ابی سلیمان اور اسکی اولاد کو کسی نے نہ چھیڑا۔

ابوسہل مسیحی (حکیم) (۱۲۵)

ابوسہل عیسے بن یحیی مسیحی۔ جرجان (گورگان) کا باشندہ۔ فن طبابت میں سرآوردہ ماہر۔ اور علم و عمل دونوں باتوں میں کامل تھا۔ اس کی تصانیف اعلےٰ پایہ کی ہیں۔ عربی زباندانی میں ادیب وقت تھا۔ اسکی کتاب "خدا نے انسان کی آفرینش میں کیا حکمت رکھی ہے"

بڑی مفید اور قابل قدر ہے۔ اس میں اُس نے جالینوس وغیرہ قدیم فاضل اطباء کے تمام وہ اقوال درج کئے ہیں جو اُنہوں نے منافع اعضاء کے بیان میں لکھے تھے اور پھر اُن پر اپنی طرف سے مفید اضافہ کیا ہے ٭

کہا جاتا ہے کہ شیخ الرئیس بوعلی سینا کا فن طب میں یہی اُستاد تھا۔ اور اگرچہ بعد میں شاگرد اُستاد پر فوقیت لے گیا بلکہ سر آمد اطبائے عہد اور امام فن بنا لیکن ابتدا میں اُس نے جو باتیں حاصل کیں وہ اسی حکیم کے فیض صحبت سے ٭

عبیداللہ بن جبرائیل کا قول ہے کہ المسیحی خراسان میں تھا اور وہاں کے سلطان کا افسر الاطباء رہا۔ اُس نے چالیس سال کی عمر میں وفات پائی ٭

المسیحی کے بعض طبی مقولے مشہور ہیں۔ وہ کہتا ہے :۔

روزن کو کھانا کھانے کے بعد ذرا سا سو رہنا بہ نسبت کسی مفید دوا پینے کے بہتر ہے اور مفید ہے٭

اُس کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔

(۱) کتاب المائۃ" طب میں۔ اُس کی تصانیف میں یہ سب سے بہتر کتاب ہے۔ ابن الدولہ بن تلمیذ نے اس پر ایک حاشیہ تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "فن طب میں یہ کتاب بیحد قابل اعتماد ہے کیونکہ اس میں ہر مسئلہ کی خوب تحقیق کی گئی ہے تکرار بہت کم ہے اور عبارت آسان اور زود فہم ہے۔ علاج جس قدر لکھے ہیں سب چیدہ چیدہ ٭

(۲) کتاب اظہار حکمۃ اللہ فی خلقۃ الانسان ٭

(۳) کتاب علم الطبیعی ٭

(۴) کتاب الطب الکلی ٭

(۵) مقالہ جُدری کے بیان میں ٭

(۶) اختصار کتاب مجسطی ٭

(۷) کتاب تعبیر الرؤیا ٭

(۸) کتاب وبا کے ذکر میں ٭

(۱۲۶) ابوشاکر بن ابی سلیمان (حکیم)

اِس کا لقب حکیم موفق الدین تھا۔ طب میں باپ اور بھائی کا ہم پلہ اور بڑا اچھا معالج تھا۔ سلاطین ایوبیہ کے دربار میں معزز و مکرم رہا۔ طب میں اپنے بھائی ابی سعید کا

شاگرد تھا۔ ملک العادل نے اس کو اپنے بیٹے ملک الکامل کا خاص طبیب مقرر کر دیا تھا۔ اور ابو شاکر نے ملک الکامل کے دربار میں نہایت رسوخ پیدا کیا۔ ہمیشہ انعام واکرام سے مالامال ہوتا رہا۔ ملک العادل اس کا بہت اعزاز مدنظر رکھتا تھا۔ حتیٰ کہ قاہرہ کے قلعہ میں اس کو اپنے پاس جگہ دی تھی اور جب سوار ہوتا تو ابو شاکر کو بھی اپنے ساتھ سوار کر لیتا حالانکہ دیگر امرائے دربار اور ارکان سلطنت پیادہ پا جلو میں چلتے تھے۔ ابو شاکر سنہ ۶۱۳ھ میں فوت ہوا اور قاہرہ کے نزدیک دیر الخندق میں دفن کیا گیا۔

(۱۲۷) ابو طاہر ابن برخشی (حکیم)

موفق الدین لقب۔ ابو طاہر کنیت۔ احمد بن محمد بن عباس نام اور ابن برخشی کے نام سے مشہور تھا۔ سکونت اور وطن اصلی عراق کے شہر واسط کی تھی۔ فن طبابت کے مشغلہ نے بغداد میں بود و باش کی ضرورت پیدا کر دی۔ اپنے پیشہ میں علم و عمل کی دونوں حیثیتوں سے ممتاز اور فنون ادب میں کامل تھا۔ وہ خلیفہ مسترشد باللہ کے عہد میں تھا۔ جس زمانہ میں اپنے اصلی وطن شہر واسط میں مطب کرتا تھا۔ اس کو ایک بیمار سے سابقہ پڑا جس کو اقسام استسقاء میں سے ایک قسم کی بیماری لاحق تھی۔ ابن البرخشی نے ہر چند اس کے علاج میں توجہ اور کوشش کی لیکن بے فائدہ علاج کرتا۔ مریض کا حال اتنا ہی بگڑتا چلا جاتا تھا۔ آخر تنگ آکر اس نے علاج بند کر دیا۔ اور مریض کو اجازت دی کہ جو اس کا دل چاہے شوق سے کھائے پیئے۔ اس ترکیب سے مریض کی طبیعت میں سکون پیدا ہو گیا۔ وہ رفتہ رفتہ سنبھل چلا۔ ایک روز بیمار نے دیکھا کہ ایک خوانچہ والا پانی میں ابالی ہوئی نمکین ٹڈیاں بیچتا ہے۔ اس کا دل بے اختیار چل گیا اور اس نے وہ ٹڈیاں خرید کر خوب کھائیں۔ اس غذا سے اس کو اسہال شروع ہو گئے اتنے دست آئے کہ حد وشمار نہ رہ گیا۔ طبیب حال دیکھ کر علاج سے دست بردار ہو بیٹھا۔ مگر کچھ دن بعد بیمار خود بخود اچھا ہونے لگا اور اس کا مرض بلا کسی دوا کے جاتا رہا۔ حکیم کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ حیرت زدہ ہو کر بیمار کے پاس آیا اور یہ سوال کیا کہ تم نے کیا علاج کیا جس سے شفایاب ہوئے۔ مریض نے

ٹڈیاں کھانے کا قصہ سُنایا۔ طبیب کو اور تعجب ہوُا۔ ٹڈی کا گوشت استسقاء میں مفید ہو یہ بالکل بے اصول بات تھی۔ اُس نے مریض سے پُوچھا "کیا تم اُس خوانچہ والے سے واقف ہو؟" مریض نے کہا "نہیں۔ مگر اسے دیکھوں تو فوراً پہچان لونگا"۔ طبیب کو تو جستجو کی فکر ہی تھی۔ وہ ایک ایک خوانچہ والے کو بیمار کے پاس لاتا رہا۔ آخر اُس کا مقصد حاصل ہُوا۔ ایک دن وُہی خوانچہ والا مل گیا جس سے بیمار نے ٹڈیاں لی تھیں۔ طبیب نے خوانچہ والے سے کہا "تم مجھے وہ جگہ بتا دوگے جہاں سے وہ ٹڈیاں شکار کی تھیں؟"

خوانچہ فروش "ابھی چلئے۔ ایک گھاس ہے اُس پر ٹڈیاں بیٹھتی ہیں۔ میں نے وہیں سے پکڑی تھیں"۔ غرضیکہ دونو گئے اور ابن البرخشی نے اُس گھاس کی کچھ مقدار لیکر استسقاء کے مریضوں کو استعمال کرانا شروع کیا جس سے اکثر بیمار شفایاب ہوئے۔ یہ گھاس "مازریون" تھا۔

قاضی تنوخی کا قول ہے کہ اُس نے ابن البرخشی کو سنہ ۵۶۰ھ میں زندہ و سلامت بمقام واسط دیکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی وفات سنہ ۵۶۰ھ کے بعد ہوئی۔ مجھ کو ابن البرخشی کی صحیح تاریخ وفات کا علم نہیں ہو سکا۔

(۱۲۸) ابُوعبداللہ النَّدرُومی (حکیم)

ابوعبداللہ محمد بن سحنون۔ معروف بہ النَّدرُومی۔ شہر تلمیستان (مغرب اوسط) کے نزدیک ندرُومہ نامی ایک قریہ کی طرف منسوب ہے۔ اس کو "کومی" قبیلہ "کوم" کی نسبت سے کہتے ہیں۔ نہایت صاحب مرتبت۔ شریف مزاج۔ عالی حوصلہ۔ ذکی طبع۔ ذہین۔ اور نکتہ رس تھا۔ سنہ ۵۸۰ھ میں بمقام شہر قرطبہ پیدا ہوا۔ وہیں نشو ونما پائی۔ پھر اشبیلیہ میں آرہا۔ قاضی ابی الولید بن رُشد کو اخیر وقت میں اس نے پایا اور اُس سے طب کی تحصیل کی۔ ابی الحجاج یوسف بن مورا طیر کا بھی شاگرد رہا۔ ندرُومی علم ادب اور زباندانی میں بھی ایک ممتاز شخص شمار ہوا ہے۔ حدیث میں اس کی معلومات اچھی تھیں۔ الناصر کے اخیر عہد میں اُس کے دربار کا طبیب رہا۔ اور الناصر کے بعد اُس کے فرزند المستنصر کے دربار میں

خوب رسوخ حاصل کیا۔ اُس نے اشبیلیہ میں رہنا سہنا اختیار کر لیا تھا۔ دولت موحدین کے زوال سے بعد وہ "سلطان ابی النجاء سالم بن ہُود۔ اور اُس کے بھائی ابی عبداللہ بن ہُود فرماں روایان اُندلس کے دربار میں طب کی خدمت پر مامور رہا۔

مذکور کی تصانیف میں سے صرف ایک کتاب امام غزالی کی کتاب المستنصر کا اختصار ہے۔

(۱۲۹) ابوعبداللہ بن الکتانی (حکیم)

ابوعبداللہ۔ محمد بن حسین المعروف بہ "ابن الکتانی"، اپنے چچا محمد بن الحسین اور اُس کے ہم طبقہ اطباء کا شاگرد تھا۔ اُس کی کسی تالیف کردہ کتاب میں یہ ذکر آیا ہے کہ وہ حسب ذیل علماء کا مختلف علوم میں شاگرد رہا تھا۔ علم منطق محمد بن عبدون الجبلی سے پڑھا۔ اور عمر بن یونس بن احمد الحرانی۔ احمد بن حفصون فیلسوف، ابی عبداللہ محمد بن ابراہیم قاضی النحوی، ابی عبداللہ محمد بن مسعود بجانی، محمد بن میمون المعروف بہ مرکوس، ابی القاسم فید بن نجم، سعید بن فتحون سرقسطی المعروف بہ الحمار، ابی الحارث اسقف تلمیذ ربیع بن زید اسقف فیلسوف ابی مرین بجانی، اور مسلمۃ بن احمد المجریطی وغیرہ علماء و اطباء کی خدمت میں مختلف علوم کیلئے زانوئے ادب تہ کیا تھا۔ منطق، نجوم اور ہیئت سے فلسفی علوم میں صاحب بصیرت اور طب میں اپنے زمانہ کا ممتاز عالم تھا۔ خلیفہ منصور بن ابی عامر اور اُس کے بیٹے المظفر بن منصور۔ دونوں کے دربار میں طبی خدمت پر مامور رہا۔ طبیعت بلا کی ذہین اور نکتہ رس پائی تھی۔ خوش عقیدت مسلمان اور خدا پرست شخص تھا۔ تسبیح و عبادت میں اکثر مصروف رہتا مالدار بھی خوب تھا۔ اندلس میں ایک مشہور فساد کا آغاز ہوتے ہی یہ شہر "سرقسطہ" کو چلا گیا اور پھر وہیں سکونت پذیر ہوا۔ ۴۲۰ھ کے قریب اسّی سال کی عمر پا کر فوت ہوا۔ اس کی تصانیف کا کوئی حال معلوم نہیں ہو سکا۔

(۱۳۰) ابوعبداللہ بن یزید (حکیم)

ابی الحجاج بن یوسف بن مورا طیر کا بھانجا تھا۔ اور فاضل طبیب ہونے کے ساتھ ہی

ادیب اور شاعر بھی تھا اس کی نظم اعلےٰ درجہ کی ہوتی تھی *

(۱۳۱) ابُو عبد الملک ثقفی (حکیم)

طبیب اور کتابِ اقلیدس کا اچھا ماہر تھا۔ مساحت میں اپنے وقت کا بے نظیر امام مانا گیا۔ الناصر اور المستنصر دونوں باپ بیٹوں کا شاہی طبیب رہا۔ ابو عبد الملک لنگڑا تھا۔ اور معالجات طبیہ میں اس کے بہت سے نادر فیصلے مشہور ہیں۔ ناصر یا مستنصر دونوں میں سے کسی تاجدار کے زمانہ میں۔ سلح خانہ کا داروغہ بھی مقرر ہُوا تھا۔ اخیر عمر میں نابینا ہو گیا اور استسقا کے مرض میں مبتلا ہو کر فوت ہوا *

(۱۳۲) ابُو عثمان سعید بن غالب (حکیم)

اچھا عالم طبیب۔ اور عمدہ معالج۔ فن طب کی مہارت میں مشہور تھا۔ خلیفہ معتضد باللہ کی خدمت میں نہایت عزت و تقرب حاصل کیا۔ خلیفہ اس کے حال پر بے حد مہربان تھا ہر روز تازہ انعام و خلعت سے اس کو مالا مال کرتا رہتا *

ابُو عثمان سعید بن غالب ۲۴۔ جمادی الاخریٰ ۲۸۶ھ میں بمقام بغداد فوت ہُوا *

(۱۳۳) ابُو عثمان سعید بن یعقوب دمشقی (حکیم)

بغداد کے قابل ذکر اطباء میں تھا۔ اُس نے بہت سی طبی کتابوں کا یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا۔ یہ خاص طور پر علی بن عیسیٰ وزیر کی خدمت میں رہتا تھا۔ وزیر مذکور نے بغداد کے محلہ حربیہ میں جو شفاخانہ اپنے صرف خاص سے بنوایا تھا۔ ابُو عثمان سعید ۳۰۲ھ میں اُس کا نگران بنایا گیا۔ بغداد کے دیگر شفاخانجات اور اسی کے ساتھ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے شفاخانے بھی اسی کے زیر اہتمام تھے *

ابُو عثمان سعید کا قول ہے "صبر عقل کی ایک قوت ہے۔ آدمی میں جتنی عقل کی قوت ہو گی اسی انداز سے وہ صبر کی قوت بھی رکھتا ہو گا *

اس کی تصانیف حسب ذیل ہیں:-

(۱) چند مسائل جن کو جالینوس کی کتاب الاخلاق سے جمع کیا تھا۔

(۲) مقالہ نبض کے بیان میں جسے شجرہ نما لکھا ہے۔ اور یہ جالینوس کی کتاب النبض الصغیر کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔

(۱۳۴) ابو علی بن زرعہ (حکیم)

ابو علی کنیت۔ عیسیٰ نام۔ اسحٰق بن زرعہ کا بیٹا تھا۔ اور اس کا جد اعلیٰ یوحنا فنِ منطق کا ایک عالی مرتبہ عالم اور امام تھا۔ فلسفہ و حکمت میں کافی دخل رکھنے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کا مترجم بھی تھا۔ ابو علی بن زرعہ ماہ ذی الحجہ ۳۷۱ھ میں بمقام بغداد پیدا ہوا۔ وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ وہ یحییٰ بن عدی کی خدمت سے بہت کم اوقات میں غیر حاضر ہوتا۔ نحیف الجسم اور تیز طبیعت شخص تھا۔ ملنساری، شیریں کلامی، درس اور تصنیف و تالیف کے مشاغل میں مصروف رہنے کی وجہ سے اس کو عام خلق و خاص علماء کے طبقہ میں بہت ہر دلعزیزی بھی حاصل تھی۔ عمدہ کھانوں کا خصوصاً گرم غذاؤں کا شائق بلکہ عاشق تھا۔ اسی وجہ سے اور کچھ تجارتی مشاغل میں چشمکوں کی دشمنی کے سبب کئی دفعہ شاہان وقت کی طرف سے ضبطی جائداد و جرمانوں کے صدمات کے باعث اخیر وقت میں اسے فالج کی بیماری لاحق ہو گئی۔ چونکہ ذی علم اور معاصرین میں بوجہ اپنی لیاقت و فضیلت علمیہ کے ہر دلعزیز تھا تمام نامور اطباء بغداد اس کا علاج دل لگا کر کرتے رہے۔ مگر خرابی یہ تھی کہ اس وقت تک جو طریق علاج موجودہ اطباء میں چلا آتا تھا وہ یہ تھا کہ سردی اور استرخاء کے سبب سے حادث ہونے والی بیماریوں کا معالجہ گرم و خشک دواؤں سے کریں۔ ابو علی بن زرعہ کا مزاج خود بھی گرم و خشک تھا۔ فالج میں گرم دواؤں کے استعمال نے اس کے دماغ کے پچھلے حصہ میں خشکی اور خلط سوداوی کو غالب کر دیا۔ ابو منصور صاعد جس کا حال ہم پہلے لکھ آئے ہیں وہ بھی اس فاضل شخص کا دوست و ہم صحبت تھا۔ مگر پرانے اور نامی اطباء کے سامنے باوجود یہ معلوم ہونے کے کہ جو علاج ہو رہا ہے مضر ہے، اس کو دخل دینے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ آخر کار جب دیکھا کہ اب حالت بہت ردی ہو گئی ہے اس نے سرد و تر

دواؤں کا استعمال شروع کیا۔ اس ترکیب سے بظاہر تھوڑا افاقہ ہی ہوتا گیا ؎
اور مرض جگہ پکڑ چکا تھا۔ مناسب علاج دیر میں آغاز ہوا اس سے کمال کا درجہ حاصل کر چکا تھا
بن زرعہ اسی بیماری میں ۳۹۸ھ میں فوت ہوگیا ؎ شمار ہوتا تھا۔ شہرت پر پرواز

اس قابل حکیم اور لائق فلسفی کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔

(۱) ارسطو کی کتاب آباد زمین کا مختصر خلاصہ ؎
(۲) ارسطو کی منطقی کتاب الاغراض کا اختصار ؎
(۳) مقالہ کتاب الیساغوجی کے معانی میں ؎
(۴) مقالہ در بیان عقل ؎
(۵) رسالہ اس بیان میں کہ ستاروں کے چمکنے کی وجہ کیا ہے۔ حالانکہ وہ اور دیگر کُرے جو ستاروں کو اُٹھائے ہوئے ہیں سب ایک ہی جوہر بسیط سے بنے ہیں
(۶) ایک رسالہ جو کہ ۳۸۷ھ میں لکھا تھا اس میں یہودیوں کی تردید کی ہے۔ ایک یہودی عالم نے اِس رسالہ کا ردّ بھی لکھا ہے ؎

(۱۳) ابُو علی بن سینا (حکیم)

ابو علی کنیت۔ حُسین، نام۔ عبداللہ بن حسن بن علی بن سینا سلسلۂ نسب ہے۔ حکمائے اسلام میں بے نظیر فاضل، باعتبار علم و تبحر معلم اوّل (ارسطو) اور معلم ثانی (ابی نصر الفارابی) کے بعد تیسرے درجہ پر اس کو قرار دیا جاتا ہے۔ اپنے زمانہ کا شیخ اور امام فن تسلیم کیا گیا اور شیخ الرئیس کے لقب سے ملقب ہُوا۔ چونکہ اس حکیم کی کئی سوانح عمریاں اُردو میں شائع ہو چکی ہیں اس لئے ہم اُس کے حالات باختصار تمام اس کتاب کے مناسب حال ذیل میں درج کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں ؎

شیخ کی ولادت شہر بخارا کے نزدیک گاؤں میں ہوئی جس کا نام "خرمیثن" ہے اور شیخ کا باپ عبداللہ سلطان بخارا کی طرف سے اس قریہ کا حاکم تھا۔ اِس کی تاریخ ولادت ۳۔ صفر ۳۷۵ھ ہے۔ ماں باپ نے اس کا نام "حُسین" رکھا۔ اور اس کی عمر پانچ سال کی ہونے پر اسے تعلیم دلانے کے خیال سے شہر بخارا میں رہنا اختیار کیا اور ایک نیک منش بزرگ مُعلّم کی شاگردی میں دیگر قرآن کریم۔ عربی صرف و نحو اور زباندانی

اس کی تصانیف حسب ذیل مرحلہ حسین نے خداداد ذہانت وطبیعت کی مدد سے صرف پانچ

(۱) چند مسائل جن کو جالینوس کے بعد اُس وقت بخارا کے مشہور فقیہ "اسمٰعیل زاہد" کی خدمت میں

الاخلاق سے جمع کی ح نامی ایک نامور مہندس وہاں سے جو سبزی فروشی کا کام کرتا اور ساتھ ہی

(۲) ست کا درس بھی دیا کرتا تھا ریاضیات کی تحصیل کرنا شروع کر دیا۔ یہاں بھی

تیزی طبع اور ذہانت نے اُستادوں کو حیران اور اس پر بھی مہربان بنا دیا تھا۔

لہٰذا بہت قلیل عرصہ میں شیخ کو ان علوم میں اچھی مہارت ہوگئی اور بہت کم اُستاد کی

مذکورہ کا محتاج رہ گیا۔

شیخ ابی اسمٰعیل زاہد اور محمود مساح کی خدمت میں جاتا ہی تھا کہ بخارا میں ایک نامور عالم اور فیلسوف "عبداللہ ناتلی" نامی وارد ہوا اور شیخ کے باپ نے ہونہار فرزند کی تعلیم کے لئے ناتلی کو اپنا مہمان بنا کر بیٹے کو اُس کے سپرد کر دیا۔ ناتلی نے حسین کی ذکاوت اور اس کے جوہر قابل ہونے کو دیکھ کر اپنے میزبان عبداللہ یعنی شیخ کے باپ سے کہا کہ تمہارا یہ فرزند بہت بڑا عالم ہوگا۔ بشرطیکہ تم اسے علم کے سوا کسی اور کام میں نہ پھنساؤ۔ اور پھر بڑی توجہ کے ساتھ حسین کو منطق کی کتاب ایساغوجی پڑھانی شروع کی۔ پہلے ہی سبق میں اُستاد حسین کی تقریر سن کر دنگ رہ گیا۔ اور تھوڑے ہی زمانہ میں حسین کو منطقی مسائل سے کامل واقفیت ہوگئی۔ اس کے بعد حسین کا دماغ اس علم کے اسرار کا جویا ہوا مگر اُستاد کو اس قابلیت کا آدمی نہ پاکر مجبوراً خود متن کتابوں کے ساتھ اُن کی شرحوں کا مطالعہ شروع کیا۔ اسی طرح اُس نے اقلیدس کی چند شکلیں اور کتاب مجسطی کا کچھ حصہ اُستادوں سے پڑھ کر باقی خود حل کیا۔ اس اثناء میں ابو عبداللہ ناتلی بخارا سے چلا گیا۔ اور حسین کے دل میں علم طب حاصل کرنے کا شوق گدگدی پیدا کرنے لگا۔

شیخ نے امیر ... سوداوی کو غالب کر دیا۔ ابو منصور ...

حلقہ درس اور مطب ... شخص کا دست ...

الاطباء اُس کی شاگرد ہونے کے کہ جو علاج ہو...

علم فقہ کا شوق اور آخر کار جب دیکھا کہ اب حا...

اور روز بروز فقہ اور مناظرہ میں اس کا رتبہ معاصر علمائے سے بلند ہی ہوتا گیا۔

سولہ سال کی عمر میں حسین تمام مروجۂ وقت علوم و فنون میں کمال کا درجہ حاصل کر چکا تھا۔ اب اُس کو شیخ (پروفیسر یا اُستاد) کہا جاتا اور وہ اس معزز لقب کا مستحق شمار ہوتا تھا۔ طالب علموں کا مجمع اُسے گھیرے رہتا۔ اور مجلس درس رونق پر بھتی۔ نام و شہرت پر پرواز لگائے دنیا میں اڑ رہی تھی۔ دُور دور از مقامات سے تشنہ کامان علم و معرفت جوق در جوق شیخ حسین کے پاس آنے اور اُس سے کسب فیض کرنے لگے تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی مجلس درس نے تمام معاصر علماء و مشائخ کی مجالس درس کو پھیکا اور ماند کر دیا۔ سچے شائقان علوم کی جو تسلی ابو علی الحسین بن سینا کی دلپذیر و خاطر نشین تقریر مطالب سے ہوتی۔ وہ کہیں اور سے اور کسی دوسرے کی تدریس سے نہ ہو سکتی۔ رجوعات خلائق کی ترقی کے ساتھ ہمزمانہ اور ہم عصر علماء کو شیخ پر حسد بھی ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ لیکن بیکار۔ کیونکہ اس کا سا درس۔ اس کا سا مناظرہ اور اس کا سا۔ پیچیدہ و سخت امراض میں کامیاب معالجہ۔ اور ساتھ ہی بے مثل و خداداد حذاقت کسی کو کب حاصل تھی۔ کہ اُس کا حسد و رشک شیخ کو کچھ ضرر پہنچاتا۔ یہ آفتاب عُلوم اپنی نور بار شعاعوں سے اطراف ملک کو منور بناتا اور خفاش سیرت دشمنوں کی چشم حسد کو خیرہ کیا کرتا تھا۔

شوق مطالعہ:۔ قُدرتی اَمر ہے کہ خود پڑھنے کے بعد پڑھانے کا دور آئے تو مطالعہ ہی ترقی علم و تکمیل معرفت کا ذریعہ ہوا کرتا ہے۔ شاگردی کے قید سے آزاد ہو کر شیخ حسین کو بھی اسی طرف توجہ ہوئی۔ اور اب اس کی وہبی ذہانت و ذکاوت اپنا جوہر عیاں کرنے لگی۔ مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ علمی مسائل اور دقیق ترین کتابی عبارتیں۔ وہ کچھ اس آسانی سے حل کر لیتا اور سمجھ جاتا کہ اس کے معاصر علماء حیران رہ جاتے اور اس کی طباعی و نکتہ رسی کو مان لینے سے چارہ نہ پاتے۔ کتاب ہاتھ میں آنے کے بعد مجال کیا تھی کہ بغیر اُسے تمام کئے ہوئے رکھ دے۔ اور یہی نہیں کہ بلکہ [اور] شیخ کو اس کو پوری طور پر سمجھ کر اور اُس کا تمام مطلب اور کار آمد ماحصل گنجینۂ حافظہ میں بھر کر۔ چھوڑتا راتیں جاگ کر کتب بینی میں ہر [زندان میں شیخ نے] کتاب الطبیعیات اور کتاب الحیوان

تکان محسوس ہوتا تو پانی پیتا اور تازہ دم ہوکر پھر کتاب دیکھنے لگتا۔ بہت سے باریک علمی مسائل جو غور کرتے وقت سمجھ میں نہ آتے ذرا سی جھپکی آتے ہی خواب میں حل ہوجایا کرتے۔ ایک مرتبہ کسی کتاب کو چالیس مرتبہ اس طرح دیکھا کہ وہ بالکل حفظ ہوگئی مگر مطلب خاک نہ سمجھا۔ تھک کر کتاب رکھ دی لیکن چند روز بعد ایک دلال کے کہنے سے تین درم قیمت میں ایک اور کتاب مول لے لی جو فارابی کی کتاب مابعد الطبیعۃ تھی اور اس کے مطالعہ سے پہلی کتاب کا مطلب بھی حل ہوگیا چنانچہ اس خوشی میں شیخ نے بہت کچھ روپیہ خیرات کیا۔

دربار میں رسائی:۔ حصول علم و کمال کا ایک نتیجہ قدردانی علم سے بہرہ ور ہونا بھی ہے۔ شیخ الرئیس بو علی سینا بھی جد و جہد کے بعد اب اس مرتبہ کا مستحق ہوگیا تھا کہ دنیا اس کے فضل و کمال کی قدر کرے اور وہ اپنی محنتوں کا ثمرہ پائے۔ بخارا میں بچہ بچہ شیخ کے کمالات علمی سے واقف اور اس کے نام سے روشناس تھا۔ اتفاق سے انہی دنوں نوح بن منصور سخت بیمار ہوا۔ دربار کے اطباء کا علاج کارگر نہ ثابت ہوسکا آخر شیخ کا تذکرہ آیا اور اسے بلوا لیا گیا۔ بالآخر اس کے علاج سے بادشاہ کو صحت ہوئی۔ پھر کیا تھا دولت و نعمت اس کے قدموں پر آپڑی اور سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ شاہی کتب خانہ اس کے لئے گویا وقف کر دیا گیا۔ کیونکہ تمام کنجیاں اس کو سپرد ہوگئیں اور شیخ تشنہ کام محبت کی طرح کتابوں کے مطالعہ پر مائل ہوا۔ کتب بینی سے علم میں اضافہ اور نظر میں وسعت پیدا ہوئی۔ جن کتابوں کے متعدد نسخے ملے ان میں سے ایک ایک شیخ نے لیکر اپنا خاص کتب خانہ سجایا۔ اور دیگر کارآمد کتابیں نقل کر کے اپنے دارالکتب میں داخل کیں۔

شیخ کی عظمت و قدر بادشاہ کی نظر میں بڑھتی جاتی تھی۔ رفعت و مرتبہ کی زیادتی کے ساتھ درپردہ اس کے حاسد بھی پیدا ہو رہے تھے۔ اتفاق کی بات کہ اسی زمانہ میں شاہی کتب خانہ کو آگ لگ گئی۔ خود غرض حاسدوں نے شیخ کو بدنام کیا اور بادشاہ کے
حلقہ درس اور طلباء کی حرکت ہے۔ اس نے کتابیں اڑانے کے لئے آگ لگا دی مگر
اطباء اس کی شاگردی رحمت ایزدی شیخ کو اس چغل خوری کے صدمہ سے محفوظ رکھنے
علم فقہ کا شوق اور علمی مناظرہ شیخ پر مطلق عتاب نہ کیا۔ ہاں چغلی کھانے والے کی الٹی

خوب خبر لی۔ اور شیخ کے مرتبہ میں اضافہ کر دیا۔

سلطان نوح بن منصور کے دربار سے تعلق ہو جانے کے کچھ دن بعد شیخ کا باپ عبداللہ دنیا سے رحلت کر گیا اور اب اُس کو خانگی زندگی کے جھگڑے بھی سمیٹنے پڑے۔ علمی مشاغل سے کچھ دیر کے لئے چار و ناچار علیحدگی اختیار کرنی ہی پڑتی تھی۔ تاہم اُس کی زندگی اطمینان کے ساتھ کٹ رہی تھی۔ علم و فضل کا شہرہ روز بروز ترقی پر تھا۔ سلطان نوح بن منصور کی نظر رحمت اُس کے حال پر مبذول تھی۔ آرام کے ساتھ گھر میں رہنا نصیب تھا۔ لیکن قسمت کہہ رہی تھی کہ گھبرا نہیں۔ عنقریب تیری زندگی کی تاریخ میں ایک مصیبتناک باب کا اضافہ ہونے والا ہے۔ جو یوں آغاز ہوا کہ سلطان نوح بن منصور فوت ہو گیا اور اُسی کے ساتھ اس کے خاندان حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا کیونکہ اُس کا بیٹا منصور بن نوح چند ہی عرصہ فرمانروائی کرنے پایا تھا کہ تمام ملک میں غدر ہونے سے سلطنت معرض زوال میں آگئی اور ہمسایہ مملکت غزنی کے فاتح فرمانروا نے بخارا پر حملہ کر کے اپنا تسلّط جما لیا۔

شیخ کو بخارا کی سلطنت منصوریہ کی بربادی کے بعد کوئی اور جائے پناہ تلاش کرنے کی حاجت معلوم ہوئی جہاں اُس کی قدر ہو اور زندگی بسر کرنے کا سامان ملے۔ خوارزم شاہ فرماں روائے "گرگانج" (ایران) کا دربار علم و ہنر کا مشہور قدردان تھا۔ اور اُس کا وزیر ابوالحسین السہلی خود ایک زبردست عالم ہونے کی وجہ سے علماء و فضلاء کی عزت سرپرستی کیا کرتا تھا۔ شیخ بھی اسی طرف چلا۔ اور وزیر کی مجلس میں پہنچا۔ اکیس بائیس سال کی عمر تھی اور فقہا کا لباس زیب جسم۔ وزیر کی مجلس میں دخل تو مل گیا۔ مگر کوئی واقف نہ تھا۔ جو تعارف کراتا۔ ایک گوشہ میں۔ کیونکہ ملکی انتظام خیر میں جب مجلس برخاست ہو چکی تو وزیر کو اپنی تقریر اور خوش بیانی سے [illegible] فنون کا ایک حصہ بھی اُسی بتایا اور اپنی قدر و قیمت معلوم کرا دی۔ وزیر بہت ہی مسرور ہوا اور اُس [illegible] وفات کے بعد اُس نے پہنچا کر حسب مرتبہ اُس کے [illegible] اور شیخ کو مقرر کرایا۔ اور سلطان کی نظر رحمت نے اُس کو بتدریج ترقی دیکر زندان میں شیخ نے مگر شیخ کو اس دربار میں بھی راحت نہ ملی۔ کیونکہ غزنی فور کتاب الطبیعیات اور کتاب الحیوان

بن سبکتگین نے اُس کے فاسد عقائد کی شکایت سُن کر چاہا کہ اُس کو اپنے دربار میں بلا کر تائب ہونے کی ہدایت کرے اور نہ ماننے تو سر اُڑا دے۔ خوارزم شاہ کے پاس طلبی کا فرمان آیا۔ تنہا شیخ ہی نہیں بلکہ دربار خوارزمی کے چار زبردست علماء اور حکماء۔ شیخ بوعلی سینا ابی ریحان البیرونی۔ ابوسہل مسیحی۔ اور ابوالخیر خمار سب ایک ساتھ طلب کئے گئے تھے۔ شیخ کو معلوم ہو گیا کہ اس طلبی کا راز کیا ہے۔ وہ گرگانج سے روپوش ہو کر بھاگا اور سخت مصیبتیں جھیلتا ہوا جُرجان پہنچ گیا جہاں کا امیر قابوس ایک مشہور علم دوست حاکم تھا۔

شیخ نے جُرجان میں مطب شروع کر دیا۔ اور اس کی حذاقت و نباضی کا شہرہ چند ہی روز میں ہو گیا۔ امیر قابوس کا بھانجہ عرصے سے علیل اور بہت بے حال تھا۔ بڑے بڑے طبیب علاج کر کے جواب دے چکے تھے۔ نئے حکیم کا شہرہ سُن کر اُس کو بھی طلب کیا گیا اور شیخ نے مرضِ عشق تجویز کر کے وصل محبوب علاج بتایا۔ اس فہم و فراست پر لوگ متحیر ہو گئے۔ اور جب معلوم ہوا کہ یہ شیخ ہے تو امیر قابوس نے اس کی بڑی خاطر و تواضع کی اور اپنے زیر سایہ جگہ دی۔ لیکن گردش قسمت نے یہاں بھی اُسے آرام نہ لینے دیا۔ امیر قابوس چند روز بعد غدار فوج کے ہاتھوں قتل ہوا اور ملک میں بدامنی کا دور دورہ ہو گیا۔ ایسی حالت میں طبیبِ معالج کی قدر کون کرتا۔ شیخ یہاں سے بھی آگے چلا اور دہستان کے دیہات میں جا کر تصنیف و تالیف کے مشغلے سے دل بہلانے لگا۔

دہستان میں چند کتابیں لکھنے کے بعد بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ اور مجبوراً شہر جُرجان میں پھر آنا پڑا۔ اس مرتبہ ایک شخص عبدالواحد نامی شیخ کا میزبان اور کفیل بنا اور اُس نے شیخ کی شاگردی کا فخر بھی حاصل کیا۔ عبدالواحد شیخ کے معمولی شاگردوں میں سے نہ تھا۔ وہ اعلیٰ درجہ کا وفادار رفیق اور زندگی بھر کا ساتھی رہا۔ اتفاق کی بات [illegible] کا آرام [illegible] شاہوں کے معالجہ وغیرہ میں عبدالواحد نے حاسدوں سے شیخ کو بدنام کیا [illegible] شیخ اس [illegible] حلقہ درس اور اس کے علاوہ اس زمانہ میں کئی کتابیں اُٹھانے کے لئے [illegible] اطباء اس کی شاگردی برکت ایزدی شیخ کو اس [illegible] علم فقہ کا شوق اور علمی مناظرہ شیخ پر مطلق عتاب [illegible]

اس دفعہ جرجان میں شیخ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ مگر اُس کو سیاحت کا شوق پیدا ہوا اور وہ شہر رَے کو چلا گیا جہاں کے حاکم امیر مجد الدولہ نے اُسے بڑی تعظیم و تکریم سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور چونکہ مجد الدولہ کو مالیخولیا کا مرض تھا۔ شیخ نے اُس کا علاج کر کے اُسے تندرست بنا دیا۔ اور خلعت و انعام سے مالا مال ہو گیا۔ لیکن اُس کو رَے سے بھی بھاگنا پڑا۔ کیونکہ وہاں سلطان محمود کے حملہ آور ہونے کی افواہ اُڑی۔ اور شیخ اُسکے خوف سے مفرور ہو گیا۔

یہ سربرآوردہ فاضل رَے سے بھاگ کر قزوین اور پھر ہمدان پہنچا۔ ہمدان میں پہلے ایک مالدار اور معزز خاتون کدبانو کے یہاں کارپرداز مقرر ہوا۔ اور پھر شمس الدولہ بن فخر الدولہ امیر ہمدان کے درد قولنج کا علاج کر کے اُس کے دربار میں رسائی پائی۔ اس دربار میں شیخ کو دو مرتبہ قلمدان وزارت تفویض ہوا۔ اور پہلی بار فوج نے اُس سے بدظن ہو کر اُس کا گھر لوٹ لیا۔ شیخ کی جان تو شمس الدولہ نے بچا دی۔ مگر اس کا مال و متاع باغی فوج سے واپس نہ ولا سکا۔ اور شیخ موت کے پنجہ سے چھوٹ کر شہر ہی میں ابوسعید نامی ایک دوست کے یہاں چالیس دن روپوش رہا۔ اس کے بعد شمس الدولہ کو پھر درد قولنج کا دورہ ہوا۔ اور شیخ علاج کے لئے طلب کیا گیا۔ اُس کی خطا معاف ہوئی اور عزت و منزلت آگے سے بھی دوچند بڑھی۔ قلمدان وزارت بھی بار دیگر تفویض ہوا۔ اور اُس کے حاسدوں اور دشمنوں کی تمام شیخی کرکری ہو گئی ٭

اس زمانہ میں شیخ دن بھر وزارت کا کام کرتا۔ اور رات کو دیر تک بزم عشرت کے مزے لوٹتا رہتا۔ پھر فاضل اور ہونہار طلبہ کو درس دیا کرتا۔ اسی زمانہ میں اُس نے اپنے رفیق شاگرد رشید عبد الواحد کی فرمائش سے "شفا" جیسی نادر اور اعلیٰ پایہ کی کتاب محض حافظہ کی مدد سے لکھی۔ کیونکہ ملکی انتظام کی مصروفیت کتب بینی کا موقع نہیں دیتی تھی۔ اور اُس کے علاوہ قانون کا ایک حصہ بھی اُسی کے ساتھ تصنیف کیا ٭

شمس الدولہ کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا شیخ سے برسرِ عداوت ہو گیا اور شیخ کو منصب وزارت سے علیحدہ کرنے کے علاوہ قید بھی کر دیا۔ اور اس زندان میں شیخ نے عبد الواحد جیسے رفیق شاگرد کی فرمائش سے شفا کا تکملہ کر لیا۔ اور کتاب الطبیعیات اور کتاب الحیوان

کے وہ حصے پچاس جزو کے قریب صرف اکیس دن میں لکھ کر تمام کر دئے۔ پھر "حی بن یقظان"
اور "ہدایت الحکمۃ" دو کتابیں اور بھی تصنیف کیں۔ اس مجلس میں شیخ کو پورے چار ماہ بھی
نہ ہوئے تھے کہ اصفہان کے فرمانروا علاؤالدولہ نے تاج الدولہ حاکم ہمدان پر فوجکشی کی۔
اور تاج الدولہ فردجان کے قلعہ میں پناہ گیر ہوا جہاں کہ شیخ قید تھا۔ مگر علاؤالدولہ تاج الدولہ
کو تاج بخشی کر کے واپس چلا گیا۔ اور تاج الدولہ نے شیخ کو قید سے آزادی دیکر اس سے
اپنی خطا معاف کرالی اور اُسے اپنے ساتھ شہر ہمدان میں لایا۔ اس مرتبہ شہر میں آکر شیخ نے
ایک علوی سید کے گھر میں قیام کیا اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر کے تصنیف و تالیف کے
سارا وقت صرف کرتا رہا۔ بقول معتبر دو سال اُس نے اسی شغل میں بسر کئے۔

ہمدان سے شیخ نے اصفہان کا سفر کیا اور چونکہ کھلے بندوں جانے میں تاج الدولہ
کے مانع آنے کا خطرہ تھا لہذا بھیس بدل کر مخفی طور سے کیا۔ اور علاؤالدولہ نے اپنے شہر
میں اس کی آمد کا غلغلہ سن کر باآرام تمام دربار میں طلب کیا۔ یہیں شیخ نے اپنی عربی زباندانی
کی کمی ابی المنصور جبائی امام لغت کی چشمک کے سبب پوری کی اور لسان العرب نامی ایک ضخیم
کتاب دس جلدوں میں لکھی جس کے مسودہ کو وہ صاف نہ کر سکا تھا کہ پیام اجل آپہنچا۔
اور یوں زباندانی میں کمال بہم پہنچا کر ابی المنصور کو مات دی۔ علاؤالدولہ نے شیخ کو زبردستی
اپنا وزیر بنایا۔ شیخ وزارت کے ساتھ درس تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھتا تھا۔

ابو عبداللہ لیانیس۔ بہمن یار۔ ابو منصور زویلہ۔ عبدالواحد جرجانی۔ اور سلیمان دمشقی
اُس کے ارشد تلامذہ تھے۔ شیخ علاج معالجہ کا مشغلہ بھی جاری رکھتا تھا۔ اور اگر وہ طبابت
نہ بھی کرتا تو اہل غرض کب اس کو چھوڑتے۔ سیاست میں کسی کا پیرو نہ تھا بلکہ مجتہد اور امام
فن کی طرح نئے نئے مسائل اور استخراجات اختراع کرتا رہتا۔ ساتھ ہی تصنیف و تالیف کا
سلسلہ بھی برابر جاری رکھا۔ اور مزید برآں علاؤالدولہ کی فرمائش سے اُس نے علم ہیئت
کے متعلق بھی بڑی مستعدی سے کام لیکر ایک رصدخانہ بنایا۔ اس رصدگاہ کی تعمیر کا اہتمام
شیخ کے شاگرد رشید ابو عبداللہ کو سپرد تھا۔ اور شیخ نے علم رصد پر ایک اعلےٰ درجہ کا رسالہ
تصنیف کر کے ابو عبداللہ کو دیا تھا کہ اُس کی ہدایتوں پر عمل کرے۔ مگر افسوس ہے کہ یہ کام

بوجہ من الوجوہ ناتمام رہ گیا ٭

شیخ کے مزاج میں استغنا حد درجہ کا تھا جیسا کہ حکماء کا خاصہ ہے۔ علاؤ الدولہ نے ایک بار اُس کو اپنا خاص پٹکہ اور مرصع خنجر انعام میں دیا۔ گو یہ بڑی عنایت کی علامت تھی لیکن شیخ نے ان چیزوں کو اپنے ایک غلام کے حوالہ کر دیا اور علاؤ الدولہ غلام کو پٹکہ باندھے اور خنجر لگائے دیکھ کر شیخ کا جانی دشمن ہو گیا۔ اس لئے شیخ کو اصفہان سے بھی روپوش ہو کے بھاگنا پڑا۔ اور وہ اب شہر رَے کو چلا گیا۔ لیکن علاؤ الدولہ نے بعد میں معذرت کر کے شیخ کو پھر اصفہان میں بلوا لیا۔ اور شیخ عرصہ تک اس آقا کی خدمت کمال دلسوزی سے کرتا رہا ٭

وفات:۔ شیخ کو اپنا علاج خود ہی کرنے کی لت تھی۔ اور درد قولنج کی آپ کو شکایت رہا کرتی۔ قبض دور کرنے کے واسطے حقنہ لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ علاؤ الدولہ کے ہمرکاب کسی جنگ میں شریک تھا سفر ہی میں درد کا دورہ ہوا۔ قبض رفع کرنے کے لئے ایک دن میں آٹھ بار حقنہ لیا جس سے آنتوں میں خراش آگئی اور اُسی دن سفر کرنا پڑا۔ راہ کی تکان نے دوسری منزل پر یہ حالت کر دی کہ جان پر آبنی۔ پھر طرہ یہ ہوا کہ اُس کے دوا ساز طبیب نے معلوم نہیں غلطی سے یا عمداً معمولی نسخہ میں ایک دوا کی مقدار ایک پانچ گنی بڑھا دی جو آنتوں کی خراش کو قرحہ بنا گئی۔ اور خائن ملازم بواسطہ۔ ایک جلد ٭
بہت سے مقدار اور بھی کھلا دی۔ اب تو شیخ کی سارہ دانش نامہ العلائی۔ ایک جلد بزبان فارسی٭
حالت میں اصفہان لایا گیا ٭ (۱۳)۔ القولنج۔ ایک جلد ٭
شیخ نے اصفہان پہنچ کر دوائیں قطعاً چھ (۱۴)۔ لسان العرب۔ لغت میں۔ دس جلدیں ٭
ہے۔ موت سے بچنا غیر ممکن ہے۔ بس خدا (۱۵)۔ کچھ مشرقی حکمتیں۔ ایک جلد ٭
کمال تھا طلوع مرض سے پہلے ہو ناراج (۱۶)۔ ذوات الجہت کا بیان۔ ایک جلد ٭
چند آخری دنے اُس وقت صاف ہو گئی ٭ (۱۷)۔ کتاب المعاد۔ ایک جلد ٭
رحلت کی۔ وفات ۱ جلدوں میں ٭ (۱۸)۔ کتاب المبداء والمعاد۔ ایک جلد ٭
دفن کی گئی۔ او ۱۴ جلدوں میں ٭ (۱۹)۔ کتاب المباحثات۔ ایک جلد ٭
"کون گنبد مبادی الکلیۃ۔ ایک جلد ٭ (۲۰)۔ رسالۃ القضاء والقدر ٭

عجیب بات ہے کہ شیخ قولنج کے مرض کا حکمی علاج کرتا تھا مگر حیرت ہوتی ہے کہ وہ خود اسی بیماری میں مرا۔ چنانچہ اُس کا ایک ہمعصر اسی حادثہ پر تعریض کرتا ہوا کہتا ہے :-

رَأَیتُ ابنَ سینا یُعادِی الرِّجالَ | وَبِالحَبسِ ماتَ اَخَسَّ المَماتِ

ابن سینا جو لوگوں سے عداوت کیا کرتا تھا میں نے اُسکو دیکھا کہ وہ قبض سے بُری طرح مرگیا۔

فَلَم یَشفِ ما نالَہُ بِالشِّفاءِ | وَلَم یَنجُ مِن مَوتِہِ بِالنَّجاتِ

نہ اُس کو شفا (نام کتاب مصنفہ شیخ) سے کچھ حاصل ہوا۔ اور نہ اُسے نجات (نام کتاب مصنفہ شیخ) کے ذریعہ موت سے نجات ملی۔

شیخ کے عقیدہ و مذہب پر بہت کچھ چہ میگوئیاں ہوتی تھیں۔ کوئی اُس کو سُنی کہتا تو بعض شیعہ۔ اور اکثر کافر کہتے تھے۔ لیکن شیخ کی یہ رباعی سب کے طعنوں کا بہت اچھا جواب ہے :-

رُباعی

کفر چو منی گزاف و آسان نبود | محکم تر از ایمان من ایمان نبود
در دہر چو من یکے و آں ہم کافر | پس در ہمہ دہر یک مسلماں نبود

اور یوں زندگی میں کمال بے ابوسعید کو ایک خط میں جو اپنے عقائد کے متعلق لکھا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اپنا وزیر بنایا۔ شیخ وزارت کے تمام شغل ہے۔ اور روزہ بہت اچھا سبب تسکین صدقہ ابو عبداللہ لیا ہیں۔ سمجھن یار۔ الا اور تحمل و بردباری پاکیزہ ترین خوبی ہے اُس کے ارشد تلامذہ تھے۔ شیخ علاج معالجہ کا ثابت ہوتا ہے۔ ہاں وہ آزاد خیال ضرور تھا نہ بھی کرتا تو اہل غرض کب اُس کو چھوڑتے۔ پس اگر کہیں تو تعجب کرنے کی جگہ نہیں۔

فن کی طرح نئے نئے مسائل اور نسخہ جات اختراع کرتا۔ بعد وید کا امتیاز یوں و تالیف [illegible] سلسلہ بھی برابر جاری رکھا۔ اور مزید بریں علاؤ الدولہ کی درخواست سے اُس نے علم [illegible] کے متعلق بھی بڑی مستعدی سے کام لیکر ایک رصد خانہ بنایا۔ اس رصد گاہ کی تعمیر کا [illegible] شیخ کے شاگرد رشید ابو عبداللہ کو سپرد تھا۔ اور شیخ نے علم رصد پر ایک اعلےٰ درجہ کا [illegible] تصنیف کر کے ابو عبداللہ کو دیا تھا کہ اُس کی ہدایتوں پر عمل کرے۔ مگر افسوس ہے کہ [illegible]

موجود اور محفوظ ہیں۔ اور یورپ کے نامور حکماء، علماء اور فلاسفر مسلمان فیلسوفوں میں سے فارابی۔ بوعلی سینا۔ اور ابن رشد کے علمی کارناموں کا سچے دل سے اعتراف کرتے ہیں ÷

تصانیف :۔ شیخ کے حالات پڑھنے کے بعد جب ہم اس کی تصانیف کی فہرست دیکھتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ ایک ایسا شخص جس کی عمر کا اکثر حصہ مصائب و تکالیف ہی میں گزرا کیونکر اپنی اتنی یادگاریں چھوڑ گیا۔ خود ہمارا یہ حال ہے کہ کوئی کتاب نقل کرنے کی ضرورت آپڑے تو بمشکل چند صفحے لکھ سکتے ہیں اور اس کے لئے اطمنان تنہائی، صحت۔ اور دیگر کاموں سے فرصت کا خیال کرنا پڑتا ہے۔ لیکن شیخ کی حالت دیکھو تو وہ وزارت کے کام میں۔ قید خانہ کی تنگ کوٹھری میں۔ سفر کی تکالیف میں۔ ہر جگہ تصنیف و تالیف میں مصروف نظر آتا ہے اور پچاس سے زائد کتب و رسائل لکھ ڈالتا ہے جن میں سے بعض کتابیں کئی کئی ضخیم جلدوں میں تمام ہوتی ہیں۔ اور اسکی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ المجموع۔ ایک جلد ÷
(۲)۔ حاصل و محصول۔ فقہ میں ۲۰ جلدیں۔ یہ کتاب معدوم ہوگئی ÷
(۳)۔ البرّ و الاثم۔ ۲ جلد اخلاق میں ÷
(۴)۔ الانصاف۔ اس میں ارسطو کی تمام کتب حکمیہ کی کامل شرح کی ہے اور اہل مشرق و مغرب کے مابین انصاف کیا ہے۔ یہ کتاب ۲۰ جلدوں میں تھی۔ اور جب سلطان مسعود نے اصفہان کو تاراج کیا ہے اُس وقت ضائع ہوگئی ÷
(۵)۔ شفا۔ ۱۸ جلدوں میں ÷
(۶)۔ قانون۔ ۱۴ جلدوں میں ÷
(۷)۔ الارصاد الکلیہ۔ ایک جلد ÷
(۸)۔ اشارات ایک جلد میں ÷
(۹)۔ النجات۔ تین جلدیں ÷
(۱۰)۔ الہدایت۔ ایک جلد ÷
(۱۱)۔ المختصر الاوسط۔ ایک جلد ÷
(۱۲)۔ دانش نامہ العلائی۔ ایک جلد بزبان فارسی ÷
(۱۳)۔ القولنج۔ ایک جلد ÷
(۱۴)۔ لسان العرب۔ لغت میں۔ دس جلدیں ÷
(۱۵)۔ کچھ مشرقی حکمتیں۔ ایک جلد ÷
(۱۶)۔ ذوات الجہت کا بیان۔ ایک جلد ÷
(۱۷)۔ کتاب المعاد۔ ایک جلد ÷
(۱۸)۔ کتاب المبداء و المعاد۔ ایک جلد ÷
(۱۹)۔ کتاب المباحثات۔ ایک جلد ÷
(۲۰)۔ رسالۃ القضاء و القدر ÷

(۲۱) - آلتہ الرصدیہ ۔

(۲۲) - غرض قاطیغوریاس ۔

(۲۳) - قصائد منطق ۔

(۲۴) - رسالۃ فی الحظۃ والحکمۃ ۔

(۲۵) - رسالۃ فی الحروف ۔

(۲۶) - فی تعقب المواضع الجدلیۃ ۔

(۲۷) - مختصر اقلیدس ۔

(۲۸) - مختصر در بیان نبض بزبان فارسی ۔

(۲۹) - الحدود ۔

(۳۰) - الاجرام السماویہ ۔

(۳۱) - الاشارۃ الی علم المنطق ۔

(۳۲) - اقسام الحکمۃ ۔

(۳۳) - اقسام الحکمۃ فی النہایۃ واللانہایۃ ۔

(۳۴) - وصیت نامہ یا عہد جو خود اپنے لئے لکھا تھا ۔

(۳۵) - حی بن یقظان ۔

(۳۶) - رسالہ اس بیان میں کہ جسم کے ابعاد جسم کے ذاتی نہیں ہوتے ۔

(۳۷) - خطب الکلام ۔

(۳۸) - رسالہ تواند کاسنی کے بیان میں ۔

(۳۹) - رسالہ اس ذکر میں کہ ایک ہی چیز جوہری اور عرضی دونوں نہیں ہوسکتی ۔

(۴۰) - رسالہ اس ذکر میں کہ زید کا علم عمرو کے علم سے الگ ہوتا ہے ۔

(۴۱) - رسائل اخوانیۃ وسلطانیہ ۔

(۴۲) - بعض وہ مسائل جن کے بارہ میں شیخ کی کسی عالم سے بحث ہوئی تھی ۔

(۴۳) - حاشیہ قانون ۔

(۴۴) - کتاب حیوان الحکمۃ ۔

(۴۵) - کتاب الشبکۃ والطیر ۔

(۴۶) - رسالہ قضا و قدر ۔

(۴۷) - مقالہ در ہیئت ارض ۔

(۴۸) - رسالہ انسان کے ادراکات و قوی کے بیان میں ۔

(۴۹) - مقالہ فن ارتھمیٹک (حساب) میں ۔

(۵۰) - کتاب تدبیر لشکر اور وصول خراج کے بیان میں ۔

(۵۱) - تعالیق حنین بن اسحق کی طبی کتاب المسائل پر ۔

(۵۲) - کتاب الملح علم نحو میں ۔

(۵۳) - رسالۃ العشق ۔

اور بہت سی دیگر کتابیں جن کا بیان جابجا شیخ کی مذکورہ بالا سوانح زندگی میں ہوچکا ہے - اور افسوس ہے کہ فہرست مندرجہ کی کتابوں میں سے بہت کم کتابیں ایسی ہیں جو اس فخر ایشیا حکیم کی زندہ یادگار کے طور پر ہم اہل ایشیا کے پاس موجود ہوں -

ورنہ زیادہ تر یورپ میں ملتی ہیں۔ یا ضائع ہو گئیں ؛

(۱۳۶) ابو علی حسن بن علی بن اشردی (حکیم)

فن طب میں فاضل۔ عملی شق میں ماہر کامل۔ اور اچھا معالج تھا۔ بغداد میں اس کو کمال ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ اہل شہر اس کی توجہ اور دلدہی کے ساتھ علاج کرنے کے شکر گذار پائے جاتے تھے ؛

(۱۳۷) ابولونیوس (حکیم)

یہ طبیب بقراط کے بعد اور جالینوس سے قبل کے زمانہ میں گذرا ہے ؛

(۱۳۸) ابو محمدؐ بن حفید (حکیم)

ابو محمدؐ کنیت۔ عبداللہ نام۔ حفید ابو بکر بن زہر کا فرزند ارجمند، نہایت ذہین و ذکی صاحب فطرت سلیم و رائے مستقیم، خوش شکل، نیک اطوار، خوش پوشاک، اور متین و وجیہ شخص تھا۔ فن طب میں اعلےٰ مہارت رکھتا تھا اور اُس کی نظر بہت غائر تھی۔ مسائل کی باریکیاں اور نئی نئی باتوں کی تحقیقات سے خاص طور پر مانوسیت تھی۔ اس علم میں اپنے باپ ہی کا شاگرد تھا اور مہربان و علامۂ وقت باپ نے اُسے بہت سی فن کی باریکیاں اور اس کے اسرار بتائے تھے۔ ابی خلیفۃ الدینوری کی "کتاب النبات" کو اُس نے بڑی تحقیق کے ساتھ پڑھا تھا۔ خلیفہ ناصر بن منصور اُس کی نہایت عزت و منزلت کرتا اور اُس کے علم و کمال اور شرف خاندانی کی قدر کیا کرتا تھا ؛

ابو محمد بن حفید امیر المومنین ناصر کے پاس تھدیہ میں گیا اور حاضر دربار ہوا تو ناصر نے اُس کی حسب مرتبہ عزت و مدارات کی۔ اور ابو محمد نے خلیفہ سے عرض کیا کہ "امیر المومنین! میرے مرحوم باپ نے جس قدر ترکہ اور دولت چھوڑی ہے وہ میرے واسطے زندگی بھر آرام کھانے اور خرچ کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ مجھے ملازمت کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ لیکن

دربارِ خلافت کی خدمتگزاری کا شوق اور یہ آرزو کہ میں بھی امیر المومنین کے حضور میں اپنے مرحوم باپ کی جگہ پر بیٹھنے کا شرف حاصل کروں اور شاہی خدمت سے محروم نہ ہوں۔ مجھے یہاں کھینچ لایا ہے"

خلیفہ ناصر اُس کی درخواست سن کر نہایت مسرور ہُوا۔ اور بہت کچھ انعام واکرام دیکر اُس کو اُس کے باپ کے مرتبہ پر سرفراز فرمایا۔ ابو محمد بن حفید خلیفہ کے دربار میں تیسرے نمبر کی جگہ پر بیٹھا کرتا تھا۔ یعنی خلیفہ کے بعد دو قاضی بیٹھتے تھے اور پھر تیسری نشست ابو محمد کی ہوتی تھی۔ ابو محمد کے پہلو میں ابو موسیٰ عیسیٰ بن عبدالعزیز الجزولی نحوی بیٹھا کرتا جو فن نحو میں ابو محمد کا اُستاد تھا ٭

ابو محمد بن حفید ۵۴۷ھ میں بمقام اشبیلیہ پیدا ہوا۔ اور ۶۰۲ھ میں زہر خورانی سے فوت ہوگیا۔ اُس کی وفات مراکش کے شہر سلا میں ہوئی تھی۔ وہ اُس وقت مراکش کو جارہا تھا۔ بعد ازاں اُس کی لاش نکال کر اشبیلیہ میں لائی گئی اور باپ دادا کے پہلو میں باب الفتح کے باہر دفن ہوئی۔ ابو محمد بن حفید نے صرف ۵۴ سال عُمر پائی اور عین عالم جوانی میں دنیا سے چل بسا۔ اُس نے دو لائق اور ہونہار بیٹے اپنی یادگار چھوڑے۔ ایک کا نام ابو مروان عبدالملک اور دوسرے کا نام ابوالعلاء محمد تھا۔ ابوالعلاء محمد جو عمر میں چھوٹا تھا وہ فن طب میں نام آور ہُوا۔ اُس کی نظر جالینوس کی کتابوں پر خوب محیط تھی۔ اور اُس کا قیام اشبیلیہ میں رہتا تھا ٭

(۱۲۹) ابو محمد بن رشد (حکیم)

ابو محمد کنیت۔ عبداللہ بن ابی الولید محمد بن احمد بن محمد بن رُشد۔ نام ونسب۔ ابن رُشد کا خلف اکبر اور نہایت فاضل طبیب تھا۔ اس کے معالجات نہایت نادر اور کارگر ہوتے تھے۔ اکثر خلیفہ الناصر کے دربار میں جایا کرتا اور اُس کا علاج بھی فرماتا تھا۔ اس کی تصانیف میں صرف ایک طبی کتاب ہے جو ایک مقالہ ہے اور "حیلۃ البرء" یعنی نسخوں اور فوری معالجات پر لکھا گیا ہے ٭

(۱۴۰) ابو محمد الشذونی (حکیم)

اشبیلیہ میں پیدا ہوا اور وہیں نشو و نما پایا۔ ذکی و ذہین۔ صاحب علم و فضل تھا۔ علم ہیئت اور حکمت میں اچھی دستگاہ پیدا کی۔ طب کا فن ابی مروان بن عبد الملک بن زہر کی خدمت میں حاصل کیا اور ایک عرصہ تک اُس کے پاس رہ کر مطب کرتا رہا۔ ابو محمد الشذونی علم طب میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ اور علاج بہت اچھا کرتا تھا۔ خلیفہ الناصر کا درباری طبیب بھی رہا۔ المستنصر کے عہد حکومت میں بمقام اشبیلیہ فوت ہو گیا ؁

(۱۴۱) ابو مروان (حکیم)

ابو مروان بن ابی العلاء بن زہر نام۔ طب میں اپنے باپ کا ہمسر اور مفرد و مرکب اودیات کی تحقیق اور اُن کے تجربات میں باپ سے بڑھ کر ہوا۔ علاج بھی بہت اچھا کیا کرتا تھا۔ اندلس میں اس کے نام کی بڑی شہرت ہوئی بلکہ دور دور تک دیگر ممالک میں بھی اُس کا شہرہ پہنچا۔ اُس کے بعد عرصہ دراز تک اطباء اُس کی تصانیف کو پڑھتے پڑھاتے رہے۔ علاج میں وہ اپنے زمانہ کا یکتا شخص تھا۔ امراض کی تشخیص میں اُس کی طبیعت کی رسائی کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں۔ اور تجویز ایسی بے مثل تھی کہ کبھی اُس کا نسخہ خطا نہ جاتا تھا۔ ان اوصاف میں کوئی اُس کا مدمقابل نہ نکلا ؁

ابو مروان شروع عمر جوانی میں مغرب کے فرمانروا خاندان مرابطین کا شاہی طبیب اور ابراہیم بن یوسف بن تاشفین اس خاندان کے آخری بادشاہ کا طبیب خاص رہا تھا۔ اُس کے زمانہ میں ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن تومرت مہدی المغربی اپنے عالی حوصلہ شاگرد عبدالمومن کے ساتھ ملک مغرب میں داخل ہؤا اور اپنی دعوت پھیلا کر مرابطین کی حکومت کا خاتمہ اور اپنی سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہؤا۔ مہدی کی وفات کے بعد عبدالمومن اُس کا خلیفہ اور مغرب کا عظیم الشان فرمانروا بنا۔ اُس کے دربار میں بھی ابو مروان کو شاہی طبابت کی خاص خدمت سپرد ہوئی اور رفتہ رفتہ قلمدان وزارت بھی اُس کو مل گیا۔

عبدالمومن اُس پر نہبت اعتماد کرتا تھا اور اُس کو اپنا مقرب خاص بنائے ہوئے تھا۔ ابومروان نے عبدالمومن ہی کے واسطے تریاق سبتغینی کا نسخہ ترتیب دیا۔ پھر اُس کو مختصر کرکے دس دواؤں کا نسخہ اور بعدازاں سات ادویات کا مرکب نسخہ رکھا۔ جو کہ تریاق "انتلہ" کے نام سے مشہور ہے۔

خلیفہ عبدالمومن مسہل ادویات کے استعمال سے سخت گھبراتا تھا۔ مگر اُس کو مسہل لینے کی ضرورت پڑی اور طبیعت دوا کے استعمال پر آمادہ نہیں ہوتی تھی۔ ابومروان بن ابی العلاء بن زہر نے یہ تدبیر کی کہ شاہی باغ میں ایک انگور کے درخت کو مسہل دواؤں کے پانی سے سینچنا شروع کیا۔ دست آور ادویات کا خیسا ندہ یا جوشاندہ پانی اُس درخت کو دیا جاتا تھا۔ اِس طرح درخت انگور میں اُن ادویات کی قوت سرایت کرتی رہی۔ جب وہ درخت پھلا اور انگور تیار ہوئے تو خلیفہ عبدالمومن کو اُس کا ایک خوشہ نذر کیا اور کہا کہ اس میں سے کچھ دانے کھائیے۔ عبدالمومن نے دس دانے انگور کے کھائے۔ ابومروان نے اور زیادہ کھانے سے روک دیا اور کہا "امیرالمومنین! آپ نے اس انگور کے دس دانے کھائے ہیں۔ یہ آپ کے لئے کافی ہیں۔ اور آپ کو دس دست آئینگے" عبدالمومن ابومروان کا نہایت معتقد تھا۔ اُس کو طبیب کے بیان سے اختلاف نہیں ہوا۔ اور واقع میں اُسے دس اجابتیں ہوئیں جس سے طبیعت بالکل صاف ہوگئی۔ اور پھر ابومروان نے انگوروں کا قصہ بھی عبدالمومن سے بیان کر دیا جسے سُن کر وہ بہت خوش ہوا اور بہت کچھ انعام و اکرام ابومروان کو عطا کیا۔

اِس فانس طبیب کی نادر تشخیص کا ایک قصہ یہ بھی مذکور ہے کہ جب وہ خلیفہ کے دربار میں جایا کرتا تھا تو راستہ میں اُس کو ایک مریض ملتا جس کا پیٹ پھولتا جاتا تھا۔ اور رنگ زرد ہو رہا تھا۔ وہ بیمار ہر روز ابومروان سے اپنی تکلیف کا اظہار کرتا اور علاج کا طالب ہوتا۔ مگر یہ توجہ نہیں کرتا تھا۔ آخر ایک دن جلیل القدر معالج کو اُس پر رحم آہی گیا اور وہ سواری روک کر اُس کی حالت بغور دیکھنے اور کیفیت پوچھنے لگا۔ اتفاق سے اُس کو مریض کے سرہانے ایک بہت پرانا گھڑا مٹی کا نظر آیا جس میں سے وہ ہمیشہ پانی پیا کرتا تھا۔ ابومروان نے مریض سے کہا: "تم یہ گھڑا توڑ ڈالو۔ تمہارے مرض کا باعث یہی ہے" مریض عاجزی کے ساتھ کہنے لگا "نہیں جناب! میں اس کو توڑ دوں تو دوسرا گھڑا کہاں سے

لاؤں۔ یہ تو میری کل کائنات ہے۔ میں غریب آدمی ہوں۔" لیکن ابو مروان نے اُس کی عاجزی کا خیال نہ کیا اور اپنے ایک خادم کو حکم دیا کہ وہ گھڑا توڑ ڈالے۔ چنانچہ جب وہ گھڑا توڑ دیا گیا تو اُس میں سے ایک بہت بڑا مینڈک نکلا اور ابو مروان نے مریض سے کہا۔ "اے شخص۔ تیری بیماری کا سبب یہ تھا اور اب تو بغیر کسی علاج کے تندرست ہو جائیگا۔" اور وہ شخص پھر خود بخود اچھا ہو گیا۔

اشبیلیہ میں ایک فاضل حکیم اور طبیب "الفار" نامی رہا کرتا تھا۔ وہ مفردات ادویات پر دو جلد کی ایک عمدہ کتاب کا مؤلف بھی ہے۔ ابو مروان ابن زہر انجیر کھانے کا بہت شائق تھا اور بکثرت کھایا کرتا۔ "الفار" طبیب کو انجیر سے پرہیز تھا۔ وہ اگر بڑی جرأت کرتا تو صرف ایک دو دانے سال میں کھا لیتا ورنہ یہ بھی نہیں۔ الفار مروان سے کہا کرتا تھا کہ تو انجیر بہت کھاتا ہے۔ ضرور ہے کہ تجھے ایک مہلک پھوڑا نکل کر جان سے مار دے گا۔ یہ علم الابدان کا عالم اُس کو جواب دیتا کہ تیرا اس کے پرہیز کرنا تجھے تشنج میں مبتلا کر کے مار یگا۔ اس قصہ کا راوی بیان کرتا ہے کہ حیرت کی بات ہے کہ دونو طبیبوں کی پیشینگوئیاں بالکل صحیح اُتریں۔ ابو مروان کے پہلو میں ایک پھوڑا ہوا۔ اُس نے ہر چند علاج کیا لیکن افاقہ نہ ہوا۔ اور آخر کار وہ اس مرض سے جانبر نہ ہو سکا۔ اسی طرح "الفار" کا انتقال بھی تشنج ہی کی بیماری سے ہوا۔

ابو مروان کے نامی شاگردوں میں سے ابو الحسن بن اسندون مشہور بہ "المصدوم" ابو بکر بن فقیہ۔ قاضی اشبیلیہ۔ ابو محمد شندونی۔ اور فقیہ زاہد ابو عمران بن ابی عمران۔ نہایت جلیل القدر اور فاضل اطباء ہوئے ہیں۔ اس متبحر طبیب نے ۵۵۷ھ میں وفات پائی اور شہر اشبیلیہ ہی میں باب الفتح کے باہر دفن کیا گیا۔ اس حکیم کی قابل قدر تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ کتاب التیسیر فی المداواۃ والتدبیر۔ اُس نے یہ کتاب قاضی ابی الولید محمد بن احمد بن رشد کے لئے تالیف کی تھی۔ یہ کتاب فن طب کی نہایت معتبر کتب میں شمار ہوتی ہے۔ اس کا ترجمہ پہلے عبری۔ اور پھر لاطینی زبان میں ہوا ہے۔ لاطینی زبان کا ترجمہ پندرھویں صدی عیسوی میں ملک اٹلی میں چھپا تھا۔

(۲)۔ کتاب الاغذیۃ۔ یہ کتاب خلیفہ ابی محمد عبدالمومن بن علی کے لئے تصنیف کی تھی ٭

(۳)۔ کتاب الزینۃ۔ اپنے بیٹے ابی بکر کے لئے مسہل وادویہ کے بارہ میں بطور یادداشت مرتب کی ہے ٭

(۴)۔ مقالہ امراض گردہ کے بیان میں ٭

(۵)۔ ایک رسالہ جو کسی طبیب کے نام لکھا تھا۔ امراض برص و بہق کے بیان میں ٭

(۶)۔ کتاب التذکرہ۔ اپنے فرزند ابی بکر کی تعلیم کے لئے تالیف کی اور اُس میں امراض کے ابتدائی علاج کا ذکر کیا ہے ٭

(۱۴۲) ابُومروان بن زُہر (حکیم)

ابومروان عبدالملک بن فقیہ محمد بن مروان بن زُہر الایادی۔ اشبیلیہ کا باشندہ اور فن طب کا واقف کار عالم و ماہر تھا۔ بڑا حاذق طبیب مشہور تھا۔ اس کا باپ محمد بن مروان علم دین کا زبردست عالم اور اشبیلیہ اندلس کی محدث مانا گیا ہے۔ اس قابل طبیب نے ممالک مشرق کا سفر کیا۔ قیروان اور مصر میں جا کر وہاں فن طب کی تحصیل کی۔ عرصۂ دراز تک ان ممالک میں علم و تجربہ حاصل کر لینے کے بعد وہ اندلس میں واپس آیا۔ اور شہر دانیہ میں جا کر مطب کھولا۔ اس شہر کا حاکم اُس وقت امیر مجاہد تھا۔ اُس نے ابومروان کی بہت کچھ عزت و تکریم کی۔ اور اپنے دربار میں باعزاز تمام اُسے رکھا۔ دانیہ میں اس طبیب کے علاج اور تشخیص امراض کا شہرہ ہو گیا۔ دُور دُور تک اطراف اندلس میں اُس کا نام مشہور ہوا۔ طب میں اس کی بعض رائیں بالکل عجیب و غریب ہیں۔ وہ حمام میں نہانے سے قطعاً منع کرتا تھا۔ اور اس کو جسم میں عفونت پیدا کرنے کا سبب قرار دیتا تھا جس سے مزاج کی ترکیب خراب ہو جاتی اور مرض پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ابومروان کی یہ رائے ایسی غلط ہے کہ متقدمین و متاخرین میں سے ایک بھی اِس کو نہیں مانتا۔ بلکہ خاص و عام سب اسے اُس کی غلطی بتاتے ہیں۔ کیونکہ حمام اگر قاعدہ کے موافق کیا جائے تو علاوہ ایک اعلیٰ درجہ کی ریاضت ہونے کے مسامات کے کھولنے اور غلیظ کیموسات کو لطیف بنانے میں بیحد مفید ہے ٭

یہ عالی مرتبہ فاضل ایک زمانہ تک قرآنیہ میں رہنے کے بعد پھر اشبیلیہ اپنے اصلی وطن اور مولد میں جا رہا تھا۔ وہیں اُس نے باقی زندگی کے دن بسر کرکے وفات پائی۔ اور بہت کچھ مال و دولت اپنے ترکہ میں چھوڑ گیا۔ وہ اشبیلیہ میں بڑا مالدار اور بہت سی زمین و جائداد کا مالک تھا۔ تاریخ وفات تقریباً ۵۷۵ھ ہجری ہے۔

(۱۴۳) ابُومروان عبدالملک بن قبلال (حکیم)

شہر غرناطہ میں پیدا ہُوا اور وہیں نشو و نما پائی فن طب میں بہت غائر نظر رکھتا تھا۔ علاج عمدہ کیا کرتا۔ دست شفا خداداد تھا۔ خلیفہ المنصور کا طبیب خاص رہا۔ پھر اُس کے بعد اُس کے فرزند الناصر کی بھی خدمتگزاری کرکے اُسی کے عہد حکومت میں فوت ہوگیا۔ اِس نامور اور ماہر طبیب کی وفات شہر مراکش میں واقع ہوئی تھی۔

(۱۴۴) ابُو منصور نصرانی (حکیم)

مشہور و عالم طبیب اور عیسوی مذہب کا پابند تھا۔ علم العلاج میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ سُلطان صلاح الدینؒ کے دربار میں عرصہ تک طبّی خدمات انجام دیتا رہا۔

(۱۴۵) ابُونصر الفارابی (حکیم)

ابو نصر کنیت۔ محمدؐ بن محمدؐ بن اُوزلغ بن طرخان نام۔ علاقۂ خراسان کے مقام "فاراب" کا رہنے والا تھا۔ جسے ترکوں کی بستی کے نام سے بھی موسوم کرتے تھے۔ ابو نصر کا باپ محمدؐ بن اوزلغ فوج کا سردار تھا۔ اور نسل و نسب کے اعتبار سے فارس کا باشندہ ابو نصر ابتداءً بغداد میں رہتا تھا۔ وہاں سے ملک شام میں آیا جہاں اخیر وقت تک مقیم رہا۔ افسوس ہے کہ اُس کے عہد کے فن تاریخ نویسی کی حالت ایسی ابتر تھی کہ اس بے مثل حکیم اور فیلسوف کے ابتدائی حالات گمنامی کی تاریکی میں ہیں اور صحیح طور پر معلوم نہیں ہوتے۔ صرف اس قدر پتا چلتا ہے کہ ابتدا میں وہ شہر دمشق کے ایک

باغ میں بطور محافظ کے ملازم ہوا تھا۔ طلب علم کا شوق قدرتاً دل میں تھا لہذا رات کو کتابوں کا مطالعہ چوکیداروں کی لالٹین کی روشنی میں کیا کرتا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ والدین نے شروع ہی میں اُس کو معمولی نوشت وخواند کی حد سے کچھ زائد تعلیم دلادی تھی۔ اور پھر فطری شوق اور دماغی جوہر کے وسیلہ سے ابونصر نے خود کتابوں کا مطالعہ کیا اور اپنی لیاقت بڑھاتا گیا۔ ابونصر شروع زمانہ طالب علمی ہی میں نہیں بلکہ تالیف وتصنیف کے عہد تک بیحد مفلس اور تنگ حال تھا۔ اُس کو اتنی استطاعت بھی نہ تھی کہ خود اپنے گھر میں چراغ جلاکر کتابیں دیکھے لہذا مدتوں پاسبانوں کی لالٹین سے کام چلاتا اور اُس کی روشنی میں شوق مطالعہ پورا کرتا رہا۔ یہاں تک کہ تصانیف نے اُس کا نام اُچھالا +

نام کی شہرت ہوتے ہی ابونصر کی رسائی امیر سیف الدولہ ابوالحسن بن علی تغلبی کے دربار میں ہوگئی اور وہاں اُس کا معقول روزینہ مقرر ہوگیا۔ لیکن ابونصر کو دنیا کے جاہ و جلال اور شان وشوکت سے کچھ بھی لگاؤ نہ تھا یہ باتیں دل کو پسند نہ آتیں۔ صرف چار درم چاندی کے اُس کی روزمرہ کی ضرورتوں کے لئے کافی ہوتے۔ شاہی وظیفہ میں سے وہ اتنی ہی رقم لیتا تھا۔ گھر اور خانہ داری کا سامان کیسا اس سے کوئی سروکار ہی نہ رکھتا۔ نہ لباس کی صفائی اور عمدگی کا خیال تھا۔ نیلے پیلے اور پھٹے پرانے کپڑے جسم کی ستر پوشی کیا کرتے اور حضرت علم وکمال کی دھن میں مگن رہا کرتے۔ غذا میں بکری کے کم عمر بچوں کا دل لیکر اُس کی یخنی تیار کرتے اور استعمال کیا کرتے جس کے ساتھ شراب ریحانی کا استعمال بھی ہوتا تھا +

دربار میں رسائی کے بعد پہلے قضاۃ ت کا عہدہ تفویض ہوا۔ مگر بعد میں حکمت وفلسفہ کا شوق ایسا دامنگیر حال ہوا کہ بالکل اسی کی تحصیل اور مطالعہ میں منہمک ہوگئے اور فن موسیقی میں وہ کمال پیدا کیا کہ باید وشاید۔ ایک باجا اس طرح کا ایجاد کیا کہ اُس سے قسم قسم کے راگ اور سُر نکلتے اور لوگوں کو وجد میں لے آتے تھے۔ حکمت کی تحصیل کا شوق یوں پیدا ہوا کہ کوئی شخص ارسطو کی کچھ کتابیں ابونصر کے پاس امانت رکھ گیا تھا۔ اتفاق سے ابونصر نے اُن کتابوں کو دیکھنا شروع کیا اور پھر وہ ایسی دل کو بھائیں کہ اس علم کی

تکمیل پر مستعد ہو گئے ۔

ابو نصر کہتا ہے "فلسفہ یونانی زبان کا لفظ ہے جو عربی زبان میں داخل ہو کر اس کا جزو ہو گیا۔ اصل یونانی نام "فلاسفی" ہے جس کے معنے ہیں حکمت کی زیادتی۔ کلمۂ فلاسفی۔ فیلا۔ اور سوفیا دو لفظوں سے مرکب ہے۔ فیلا بمعنی زیادتی۔ اور سوفیا بمعنی حکمت اسی فلاسفی سے فیلسوف کا لفظ مشتق ہے جو یونانی زبان کے لہجہ میں "فیلسوفوس" تھا عربی لب و لہجہ میں آکر اس کی صورت بدل گئی اور فیلسوف ہو گیا۔ فیلسوف کے معنی ہیں کثرت حکمت کا جمع کرنے والا۔ اور یہ لقب محض ایسے شخص کو دیا جاتا ہے جو اپنی زندگی کا مقصد علم و حکمت کی خدمت و ترقی کو ٹھہرائے ۔

فلسفہ کا ظہور یونانی فرمانرواؤں کے عہد میں ارسطو کی وفات کے بعد اسکندریہ (مصر) میں ہوا۔ اور ایک ملکہ کے زمانہ تک وہاں اُس کی خوب ترقی ہوتی رہی فلسفہ کی ترقی کا دور تیرہ تاجداروں کے زمانہ حکومت میں برابر قائم رہا۔ اس عرصہ میں حکمت و فلسفہ کے بارہ معلّم پیدا ہوئے۔ ان میں ایک معلّم کا نام "اِندرُونیقوُس" تھا اور یہ نہایت مشہور و معروف شخص ہوا۔ اسکندریہ کے حکمرانوں میں آخری تاجدار ایک عورت تھی۔ اُس کو رومۃ الکبرٰی کے فاتح شہنشاہ "آگسٹس" قیصر نے مغلوب کیا اور قتل کر ڈالا۔ قیصر آگسٹس اسکندریہ پر قابض ہو چکا تو اُس نے وہاں کے علمی کتب خانہ کا معائنہ کیا اور وہاں اُسے ارسطو کی چند کتابیں ملیں جو بعض خود ارسطو کے عہد یا بعض اُس کے بعد ارسطو کے شاگردِ جلیل "تاوفرسطس" کے زمانہ میں لکھی اور نقل کی گئی تھیں۔ قیصر آگسٹس کو کتب خانہ اسکندریہ میں ارسطو کے موضوع بحث پر دیگر علماء اور حکماء کی بھی بہت سی کتابیں ملیں۔ ان کتابوں کا مطالعہ کر کے قیصر آگسٹس نے حکم صادر کیا کہ جو کتابیں ارسطو اور اُس کے شاگردوں کے زمانہ میں نقل اور تحریر ہوئی ہیں اُن کی از سرِ نو نقلیں مرتب ہوں تاکہ اُن میں سے چند نسخے وہ اپنے ساتھ رومۃ الکبرٰی کو لے جائے اور کچھ نسخے اسکندریہ کے دار العلم میں رکھے جائیں تاکہ علم و حکمت کے شائق اُس سے نفع اُٹھائیں۔ اس کام کی نگرانی کے لئے "اِندرُونیقوُس" کو مامور کیا ۔

جب یہ کتابیں لکھ کر تیار ہو گئیں۔ آگسٹس قیصر نے حکم صادر کیا کہ اب حکمت کی تعلیم انہی کتابوں میں منحصر کر دی جائے اور اُن کے سوا باقی جتنی کتابیں ہوں سب اس سے خارج کر دی جائیں۔ اِندرُونیقوس کو حکم ملا کہ اسکندریہ کے مدرسہ میں اپنے کسی فاضل شاگرد کو اپنا جانشین بنائے اور خود قیصر کے ہمراہ رومتہ الکبرٰے کو چلے تاکہ وہاں درس و تعلیم کا سلسلہ شروع کرے۔

آگسٹس قیصر کی علم و ہنر کی قدر دانی سے فلسفہ کی تعلیم یوں دنیا کے دو مقاموں میں جاری ہوئی۔ اور بدستور رومی قیصروں کے عہد تک دونو جگہ کے دار العلم حکمت و فلسفہ کے سرچشمے بنے رہے۔ لیکن جس وقت قیاصرۂ روم اور اُن کی قوم نے بتوں کی پرستش چھوڑ کر دین عیسوی قبول کیا۔ اُس وقت عیسائی اُسقفوں کے حکم سے رومتہ الکبرٰے کا دار العلم بند کر دیا گیا۔ اور اب صرف اسکندریہ کا شہر ان علوم کی تعلیم کا واحد مرکز رہ گیا۔ مگر وہاں بھی عیسوی دین کے پیشوا یعنی اُسقفوں کی قرار داد کے مطابق محض اشکال وجودیہ کے بیان تک منطق کی تعلیم منحصر کر دی گئی اور اس سے آگے پڑھنا پڑھانا حکماً بند کر دیا گیا۔ کیونکہ منطق و حکمت کی مزید تعلیم سے دین عیسوی کو نقصان پہنچتا تھا۔ اور جس قدر تعلیم باقی رکھی گئی وہ بھی اس مصلحت سے کہ اُس سے دین کی اشاعت میں مدد ملتی تھی۔

غرضیکہ اُس زمانہ سے عہد ظہورِ اسلام تک محض منطق کا مذکورۂ بالا حصہ ہی پڑھایا جاتا رہا۔ باقی مسائل بالکل متروک اور مخفی رہے۔ ظہورِ اسلام کے بعد منطق و فلسفہ کی تعلیم کا مرکز اسکندریہ کی جگہ شہر انطاکیہ بنا اور وہاں عرصہ تک اس کا خوب عروج رہا۔ مگر آخرکار وہاں بھی صرف ایک ہی اُستاد باقی رہ گیا جس کے دو زبردست شاگردوں نے تحصیل علم کے بعد کتابوں کا ذخیرہ لیکر انطاکیہ سے دیگر مقامات کا رُخ کیا۔ ان دونو شخصوں میں سے ایک شہر "مرو" (ایران) کا باشندہ تھا۔ اور دوسرا ملک شام کے شہر "حران" کا رہنے والا۔

شہر مرو کے فلاسفر سے "ابراہیم مروزی" اور "یوحنا بن جیلان" دو شخصوں نے یہ علم حاصل کیا۔

اور حرّانی فیلسوف و حکیم کے درس سے "اسرائیل اسقف" اور "قویری" نامی دو جیّد شاگرد نکلے۔ جو اُستاد کی صحبت سے فیضیاب ہو کر بغداد کو چلے گئے۔ بغداد میں آکر "اسرائیل" نے دینی خدمت اختیار کر لی۔ اور "قویری" علم و حکمت کی خدمت میں مصروف ہوا۔

مرو کے فیلسوف کے دو نو شاگردوں کا یہ انجام ہوا کہ اُن میں سے "یوحنا بن جیلان" نے دینی خدمت پر کمر باندھی اور جامۂ زہد پہن کر گوشہ نشینی اختیار کی۔ مگر "ابراہیم مروزی" کا حلقۂ درس بغداد میں خوب چمکا اور اُس کے درسگاہ سے "متی بن یونان" ایک لائق و جیّد شاگرد کامیاب ہو کر نکلا۔ اُس زمانہ تک منطق کی تعلیم بدستور اشکال وجودیہ کی حد تک ہی جاری تھی ٭

ابو نصر فارابی اپنی نسبت کہتا ہے کہ اُس نے ارسطو کی کتاب "البرہان" تمام و کمال "یوحنا بن جیلان" سے پڑھی تھی۔ اُس وقت "اشکال وجودیہ" کے بعد سے کتاب کا جو حصّہ درس سے نکال ڈالا گیا تھا۔ اُسے ما بعد الاشکال الوجودیہ کہتے تھے۔ جب مسلمان علماء اور اساتذہ نے منطق کا درس دینا شروع کیا تو وہ اس حصّہ کو بھی پڑھانے لگے۔ طالب علم میں جس قدر استعداد ہوتی اُتنا ہی زائد حصّہ اس غیر درسی حصّہ کتاب میں سے اُستاد اُس کو پڑھا دیتا تھا۔ چنانچہ اس وجہ سے ابو نصر نے اپنی نسبت یہ تشریح کر دی ہے کہ اُس نے "کتاب البرہان" پوری پڑھی تھی ٭

ابو نصر فارابی کی طالب علمی کا زمانہ خلیفہ مقتدر باللہ عباسی کا عہدِ حکومت تھا۔ ابو نصر اپنے زمانہ کے تمام مسلمان علماء اور فیلسوفوں اور حکیموں پر سبقت لے گیا۔ اور اپنے وقت کا یکتا محقق گزرا ہے۔ اُس نے علم منطق کے مشکل اور پیچیدہ مسئلوں کی گتھی بڑی خوبی کے ساتھ سلجھائی اور اس فن کو عام لوگوں کی فہم سے قریب بنایا۔ منطق کے مسائل سلیس طرزِ بیان کے قالب میں ڈھالے۔ اور صحیح و شستہ عبارتوں میں کتابیں تالیف کیں۔ کندی وغیرہ علماء منطق و فلسفہ سے جو باتیں چھوٹ گئی تھیں ابو نصر نے اُن کا تکملہ کیا۔ قضایا کو حل کرنے کا فن صاف و مرتب کیا۔ تعلیم کے طریقوں کی چھان بین کی۔ منطق کے پانچ کلیوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ اُن سے مستفید

ہونے کی صورتیں مقرر کیں۔ اُن کے استعمال کا طریقہ بتایا۔ اور ظاہر کیا کہ ہر ایک مادہ میں قیاس کی شکل کا اُلٹ پھیر کیونکر ہوگا۔ انہی اسباب سے ابو نصر کی تالیف و تصنیف کی ہوئی کتابیں اعلےٰ درجہ کی مفید اور کار آمد ہوگئیں۔

ابو نصر نے ایک نادر کتاب علوم کے شمار اور اُن کی تعریفات پر مشتمل تالیف کی اور اس قسم کی تصنیف کا شرف ایجاد حاصل کیا۔ کیونکہ ابو نصر سے پہلے کسی نے اس روش کی پیروی اور ایسی کتاب تصنیف نہیں کی تھی۔ علم کے شائق اس کتاب سے بہت نفع اُٹھا سکتے ہیں اور اُس سے مستغنی نہیں بن سکتے۔ فلسفۂ افلاطون وارسطو پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب سے ابو نصر کی اعلےٰ فلسفہ دانی اور فنون حکمت میں محقق ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اس کتاب سے غور اور نظر کا طریقہ اور دریافت نتیجہ کی صورت معلوم کرنے میں بیحد مدد ملتی ہے۔ اس گرامی قدر فلسفی نے اس کتاب میں تمام علوم کے راز اور نتیجے شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ اور بتایا ہے کہ کیونکر ایک علم میں مہارت ہونے سے بتدریج دیگر علوم کو بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بعد ازاں اُس نے افلاطون کے فلسفہ کی غرض بیان کی۔ اور اُس کی تصانیف کی فہرست درج کی ہے۔ پھر ارسطو کے فلسفہ پر توجہ کی اور پہلے اُس کا ایک قابل قدر مقدمہ لکھا ہے۔ اس میں یہ بات بیان کی ہے کہ وہ کیونکر رفتہ رفتہ ارسطو کے فلسفہ کا ماہر بن سکا تھا۔ ازاں بعد اُس بالغ نظر مُصنّف نے ارسطو کی اُن اغراض کو بہ تفصیل بتایا ہے۔ جو ارسطو نے اپنی علوم منطق اور طبیعیات کی کتب میں مدنظر رکھی ہیں اور ہر ایک کتاب کی غرض تالیف الگ درج کی ہے۔ غرضیکہ فلسفہ میں ابو نصر کی یہ تصنیف بہترین کتاب ہے۔ اس سے اُن معانی کا بھی علم حاصل ہوتا ہے جو تمام علوم فلسفہ میں مشترک ہیں۔ اور اُن معانی کا بھی علم میسر آتا ہے جو علوم فلسفہ میں سے ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ مخصوص ہیں۔ لفظ "قاطیغوریاس" کے معنی۔ اور جملہ علوم کے اوائل موضوعہ کی کیفیت اسی کتاب سے ہویدا ہوتی ہے۔ اور اس کی مدد سے بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے۔

اس فاضل محقق نے علم الٰہیات اور علم سیاست مُدن میں بھی دو بے مثل کتابیں

لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام "السیاستہ المدنیہ" اور دوسری کا نام "السیرۃ الفاضلہ" ہے۔ ان کتابوں میں ابو نصر نے بلحاظ مذہب ارسطو علم الٰہیات کے عظیم الشان مسائل کی تعریف کی ہے۔ چھ روحانی اصول بیان کرکے بتایا ہے کہ اُن چھ روحانی مبادی سے جسمانی جواہر کیونکر با خود ہوتے ہیں۔ اُن کے نظام اور اتصال کی حکمت کیا ہے۔ ان کتابوں میں ابو نصر نے انسان کے مراتب اور اُس کی نفسانی قوتوں کا بیان کیا ہے۔ وحی اور فلسفہ کے مابین فرق دکھایا ہے۔ افضل اور غیر افضل تمدنوں کی قسمیں بتائی ہیں اور مدنیت کو فرشتہ صفائی اور قوتِ نبوت کا محتاج ظاہر کیا ہے۔

ابو نصر سے سوال کیا گیا تھا کہ "تم زیادہ دانا ہو۔ یا ارسطو کا علم بڑھا ہوا تھا؟" ابو نصر نے جواب دیا "اگر میں ارسطو کا ہمعصر ہوتا تو یقیناً اُس کا سب سے بڑا اور نامور شاگرد میں ہی ہوتا۔" ابو نصر کا قول ہے کہ اُس نے ارسطو کی کتاب "السماع الطبیعی" چالیس مرتبہ پڑھی ہے اور باوجود اتنی مرتبہ پڑھنے کے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اُسکے مزید مطالعہ کرنے کا محتاج ہے۔

ابو نصر فارابی کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ بطلیموس کی کتاب مجسطی پر شرح۔

(۲)۔ ارسطو کی کتاب البرہان پر شرح۔

(۳)۔ ارسطو کی کتاب الخطابت پر شرح۔
اور ان کے علاوہ ارسطو کی ان کتابوں کی بھی شرحیں لکھی ہیں۔

(۴)۔ کتاب الجدل کے دوسرے اور آٹھویں مقالوں پر۔

(۵)۔ کتاب المغالطہ پر۔

(۶)۔ کتاب القیاس پر۔ یہ شرح نہایت عمدہ اور ضخیم ہے۔

(۷)۔ ارسطو کی کتاب باری مینیاس کا حاشیہ۔

(۸)۔ ارسطو کی کتاب المقولات کا حاشیہ۔

(۹)۔ کتاب المختصر الکبیر منطق میں۔

(۱۰)۔ کتاب المختصر الصغیر منطق میں۔ یہ کتاب متکلمین کی روش پر لکھی گئی ہے۔

(۱۱)۔ کتاب التوطیہ۔ در منطق۔

(۱۲)۔ کتاب المختصر الاوسط در بیان قیاس۔

(۱۳)۔ شرح کتاب ایساغوجی مصنفہ فرفوریوس۔

(۱۴)۔ کتاب ایساغوجی کے معنی پر ایک امالی۔

(۱۵)۔ کتاب القیاس الصغیر۔ یہ کتاب خود ابو نصر کی مترجمہ بھی پائی گئی ہے۔

(۱۶)۔ احصاء القضایا والقیاسات۔ ہیں یا

وہ قضایا اور قیاسات گناتے ہیں جو علی العموم صنائع قیاسیہ میں مستعمل ہوتے ہیں ٭

(۱۷)۔ شروط القیاس ٭

(۱۸)۔ البرہان ٭

(۱۹)۔ الجدل ٭

(۲۰)۔ المواضع المغلطہ ٭

(۲۱)۔ الکتاب المقدمات۔ اس کتاب کا "مواضع" بھی ہے اور اس سے تحلیل مقدمات مراد ہے ٭

(۲۲)۔ کتاب المواضع المنتزعۃ من المقالۃ الثامنۃ فی الجدل ٭

(۲۳)۔ کتاب وجودی اور ضروری قسموں کے مختلط مقدمات کے بیان میں ٭

(۲۴)۔ کتاب خلاء کے بیان میں ٭

(۲۵)۔ دیباچہ کتاب الخطابت ٭

(۲۶)۔ ارسطو کی کتاب السماع الطبیعی پر حواشی نما شرح ٭

(۲۷)۔ ارسطو کی کتاب السماء والعالم کا حاشیہ ٭

(۲۸)۔ اسکندر افرودیسی کے مقالۃ النفس کا حاشیہ ٭

(۲۹) ارسطو کی کتاب الآثار العلویہ پر حاشیہ ٭

(۳۰)۔ دیباچہ کتاب الاخلاق مصنفہ ارسطو کی شرح ٭

(۳۱)۔ کتاب در بیان نوامیس (اسرار قدرت) ٭

(۳۲)۔ کتاب علوم کے شمار اور انکی ترتیب میں ٭

(۳۳)۔ ایک ناتمام کتاب افلاطون و ارسطو کے فلسفوں پر ٭

(۳۴)۔ المدینۃ الفاضلۃ والمدینۃ الجاہلۃ والمدینۃ الفاسقۃ والمدینۃ المبدلۃ والمدینۃ الضالۃ ٭ اس کتاب کی تالیف ابونصر نے بغداد میں شروع کی تھی ۳۳۰ھ کے اخیر میں اس کو لکھتا ہوا ملک شام کی طرف گیا اور دمشق میں ۳۳۱ھ میں اس کتاب کو تمام کیا۔ پھر اس کا مسودہ صاف کرنے کے بعد اس کے باب مرتب کئے اور ازاں بعد لوگوں کی حسب خواہش اس کے مطالب کے لحاظ سے کتاب کو علیحدہ علیحدہ ابواب میں تقسیم کیا چنانچہ یہ تغیر بمقام ملک مصر ۳۳۷ھ میں عمل میں آیا اور وہیں اس کتاب کی تکمیل چھ فصلوں میں کی گئی ٭

(۳۵)۔ کتاب مبادی آراء المدینۃ الفاضلۃ ٭

(۳۶)۔ کتاب الالفاظ والحروف ٭

(۳۷)۔ کتاب الموسیقی الکبیر۔ یہ کتاب وزیر ابی جعفر محمد بن القاسم الکرخی کیلئے لکھی تھی ٭

(۳۸)۔کتاب احصاء الایقاع ۔

(۳۹)۔کلام لہٗ فی النقلۃ مضافاً الی الیقاع ۔

(۴۰)۔کلام دربارۂ موسیقی ۔

(۴۱)۔فلاسفہ کی کتابوں سے منتخب کی ہوئی فصول فلسفہ کا ایک مجموعہ ۔

(۴۲)۔مبادی الانسانیت ۔

(۴۳)۔جالینوس نے ارسطو کے بعض مسائل کی غلط تاویل کی تھی ابونصر نے اُس کا رد ایک جداگانہ کتاب میں لکھا ہے ۔

(۴۴)۔کتاب بطرز جدل ابن راوندی کی تردید میں ۔

(۴۵)۔کتاب یحییٰ النحوی کے رد میں جس نے ارسطو کے چند اقوال کو رد کیا تھا ۔

(۴۶)۔کتاب علم الہیات میں رازی کے اقوال کی تردید پر ۔

(۴۷)۔کتاب الواحد والوحدۃ ۔

(۴۸)۔جزء و مقدار کا بیان ۔

(۴۹)۔کتاب العقل الصغیر ۔

(۵۰)۔کتاب فی معنی تسمیۃ الفلسفہ ۔

(۵۱)۔کتاب الموجودات المتغیرۃ الوجود بالکلام الطبیعی ۔

(۵۲)۔کتاب العقل الکبیر ۔

(۵۳)۔کتاب شرائط البرہان ۔

(۵۴)۔اقلیدس کے مقالۂ اول و پنجم کے پیچیدہ مواقع اور گنجلک مقامات کی تشریح پر بحث ۔

(۵۵)۔بقراط اور افلاطون کی رایوں کے اتفاق پر بحث ۔

(۵۶)۔رسالہ در بیان تنبیہ علی اسباب السعادۃ ۔

(۵۷)۔جزء اور مالا یتجزیٰ پر بحث ۔

(۵۸)۔فلسفہ کی وجہ تسمیہ اور اُس کے سبب ظہور کا بیان۔نامور فلسفیوں کے نام اور اس امر کی تشریح کہ خود ابونصر نے کن فلسفیوں سے یہ علم حاصل کیا ۔

(۵۹)۔جنّوں کی بحث ۔

(۶۰)۔جوہر کی تحقیق ۔

(۶۱)۔الفحص المدنی ۔

(۶۲)۔کتاب سیاست مدن موسوم بہ مبادی الموجودات ۔

(۶۳)۔کلام ملت اور فقہ مدنی پر ۔

(۶۴)۔کلام رسول اللہ صلعم کے اُن اقوال کا مجموعہ جن میں آنحضرت صلعم نے فن منطق کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

(۶۵)۔کتاب در بیان خطابت۔یہ نہایت ضخیم کتاب ہے اور اسکی بیس جلدیں ہیں ۔

(۶۶)۔رسالہ در بیان سپہ سالاری ۔

(۶۷)۔کتاب دربارۂ معاش و جنگ ۔

(۶۸) - کتاب در بیان تاثیرات علویہ ٭
(۶۹) - مقالہ اُس جہت کے ذکر میں جس سے اعتبار پر احکام نجوم کا لگانا صحیح ہوتا ہے
(۷۰) - کتاب در بیان فصول المنتزعۃ للاجتماعات ٭
(۷۱) - کتاب فی الحیل والنوامیس ٭
(۷۲) - کلام در بارۂ رویاء (خواب) ٭
(۷۳) - ارسطو کی کتاب البرہان پر شرح بطور حاشیہ - جو ابونصر نے شہر حلب میں اپنے ایک شاگرد ابراہیم بن عدی کو بطور امالی کے لکھوائی تھی
(۷۴) - کلام در بارۂ علم الہیات ٭
(۷۵) - ارسطو کی کتاب قاطیغوریاس کے متعلق مقامات کی شرح - یہ کتاب تعلیق الحواشی کے نام سے موسوم ہے ٭
(۷۶) - کلام در بیان اعضاء والحیوان ٭
(۷۷) - تمام منطقی کتابوں کا ایک مختصر نچوڑ ٭
(۷۸) - کتاب المدخل الی المنطق ٭
(۷۹) - کتاب التوسط بین ارسطو و جالینوس ٭
(۸۰) - کتاب عرض المقولات ٭
(۸۱) - کلام در باب شعر و قوافی ٭
(۸۲) - ارسطو کی کتاب العبارۃ کا حاشیہ ٭
(۸۳) - ارسطو کی کتاب القیاس پر حاشیہ ٭
(۸۴) - کتاب در بیان قوت متناہیہ و قوت غیر متناہیہ ٭
(۸۵) - تعلیق در علم نجوم ٭
(۸۶) - کتاب اُن اشیاء کے بیان میں جن کا علم فلسفہ دانی کے قبل واجب ہے ٭
(۸۷) - قدماء کے کلام سے جمع کی ہوئی چند فصلیں ٭
(۸۸) - ارسطو کی ہر ایک کتاب کے اغراض پر ایک مستقل کتاب ٭
(۸۹) - کتاب المقائیس ٭
(۹۰) - مختصر کتاب الہندسہ ٭
(۹۱) - کتاب اللغات ٭
(۹۲) - کتاب فی اجتماعات التمدن ٭
(۹۳) - بحث فی کون حرکۃ الفلک دائمۃ ٭
(۹۴) - جو چیزیں ایک موذب میں قباحت پیدا کرتی ہیں اُن کا بیان ٭
(۹۵) - کلام فی المعالیق والجون وغیرہا ٭
(۹۶) - لوازمات الفلسفہ ٭
(۹۷) - بحث در وجوب کیمیا و رد مسطین فن مذکور ٭
(۹۸) - ارسطو نے اپنی کتاب "الحروف" کے ہر ایک مقالہ میں جو غرض رکھی ہے اُس کے بیان پر ایک مستقل کتاب ٭ اِس کتاب کی تالیف کا مقصد یہ تھا کہ ابونصر اپنی کتاب مابعد الطبیعۃ کی غرض کو ثابت کرنے

(۹۹)۔ ارسطو کی جانب فلسفہ کے بارہ میں جو دعاوی منسوب ہیں اُن سب کو یونہی ایک کتاب میں بغیر کسی تشریح و دلیل ذکر کیا ہے۔

(۱۰۰)۔ حکمت کے بیان میں چند تعلیقات۔

(۱۰۱)۔ کلام جو کہ ابونصر نے ذات، جوہر، اور طبیعت کے سائل سے کیا۔

(۱۰۲)۔ کتاب جوامع السیاست۔

(۱۰۳)۔ مختصر کتاب باریمینیاس الارسطو۔

(۱۰۴)۔ کتاب المدخل الی الہندسۃ الوہمیۃ مختصراً۔

(۱۰۵)۔ کتاب عیون المسائل علی رای ارسطو طالیس اس میں ۱۶۰ مسئلے ہیں۔

(۱۰۶)۔ ۲۳ مسئلوں کی بابت ایک سائل کے جواب۔

(۱۰۷)۔ اُن بسیط چیزوں کی قسمیں جن پر تمام قیاسی ترکیبوں میں قضایا کی تقسیم عمل میں آتی ہے۔

(۱۰۸)۔ افلاطون کی کتاب النوامیس کے اہم مباحث۔

(۱۰۹)۔ امالی بجواب ایک سائل کے جس نے دریافت کیا تھا کہ ارسطو گرم اشیاء کے بارہ میں کیا کہتا ہے؟

(۱۱۰)۔ حواشی ارسطو کی کتاب انالوطیقیا اُولیٰ پر۔

(۱۱۱)۔ شرائط الیقین۔

(۱۱۲)۔ رسالہ فی ماہیتہ النفس۔

(۱۱۳)۔ کتاب السماع الطبیعی۔

(۱۴۶) ابونصر بن ابی سلیمان (حکیم)

باپ و بھائی کی طرح اچھا معالج اور نہایت حاذق طبیب تھا۔ اس نے قلعہ کرک (شام) میں وفات پائی۔

(۱۴۷) ابونصر بن مسیحی (حکیم)

ابونصر کنیت۔ سعید نام۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ سعید بن ابی الخیر بن عیسےٰ بن مسیحی پیشۂ طبابت میں سربرآوردہ۔ فاضل و یگانہ طبیب تھا۔ اس کی رسائی دربار میں یوں ہوئی کہ ۵۹۸ھ میں خلیفہ ناصر لدین اللہ عباسی۔ کو ریگ مثانہ اور پتھری کا مرض لاحق ہوا۔ پتھری بہت بڑی تھی۔ جس کی وجہ سے تکلیف بھی حد درجہ کی ہوتی تھی۔ مرض نے طول پکڑا۔ شیخ ابوالخیر مسیحی۔ خلیفہ کا طبیب خاص اور معالج تھا۔ بیچارہ نے علاج میں

کوشش تو بہت کی لیکن مرضئی الٰہی میں کیا چارہ تھا۔ اُس کے مداوا سے خلیفہ کو کچھ بھی افاقہ نہ ہوا بلکہ مرض بڑھتا چلا گیا۔ آخرکار خلیفہ نے تکلیف و درد سے دق آ کر مثانہ میں شگاف دلوانے کا ارادہ کیا۔ ابن عکاشہ نامی ایک سنگ دست جرّاح اِس عمل کے لئے طلب ہوا۔ یہ جرّاح بغداد کے محلہ کرخ میں رہتا اور تمام شہر میں اپنے کام کا بے نظیر ماہر تھا۔ اُس نے شگاف لگانے کی بابت نامور اطبّاء سے رائے لینے کی صلاح دی اور جب خلیفہ نے دریافت کیا کہ وہ نامور اطبّاء کون اور کہاں ہیں تو ابن عکاشہ نے ابونصر بن مسیحی کا نام لیا اور کہا کہ وہ اُس کا اُستاد اور اپنے فن میں بے مثل زمانہ ہے۔ خلیفہ نے فوراً ابونصر بن مسیحی کو طلب کیا اور اس خیال سے کہ وہ پہلی مرتبہ شاہی دربار میں لایا گیا ہے اُس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جس سے وہ خوفزدہ اور حواس باختہ نہ ہونے پائے۔ بڑی دلدہی سے گفتگو کی اور فرمایا۔ "ابونصر! تم یہ سمجھو کہ تم بیمارستان میں علاج کرنے پر مامور ہو۔ اور ایک بالکل معمولی گنوار مریض تمہارے پاس بغرض علاج لایا گیا ہے۔ بس مجھے بھی ویسا ہی تصور کر کے علاج کرو۔"

ابونصر نے عرض کیا "امیرالمومنین! علاج تجویز کرنے سے قبل میں سابقہ معالجات کی پوری تفصیل معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" خلیفہ نے اپنے طبیب شیخ ابوالخیر مسیحی کو ہدایت کی کہ ابتدا سے اس وقت تک جتنی دوائیں اُس نے استعمال کی ہیں سب ابونصر سے بیان کردے۔ ابونصر۔ دواؤں کو سُنتا اور کہتا جاتا تھا "بہت درست۔ نہایت مناسب رائے تھی۔ دوا بالکل موافق قاعدہ ہے۔" مگر خلیفہ برہم ہوا اور اُس نے شیخ ابوالخیر کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا کیونکہ خلیفہ کے خیال میں اُس نے علاج میں غلطی کی تھی۔

ابونصر ادب کے ساتھ ہاتھ باندھ کر استادہ ہو گیا اور اُس نے خلیفہ سے عرض کی "یا امیرالمومنین! خدا کے واسطے طبیبوں کے قتل کی رسم توڑ ڈالئے۔ اِس غریب نے کوئی خطا نہیں کی ہے۔ علاج بہت عمدہ قاعدہ کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن خدا تعالےٰ کو منظور نہ تھا کہ حضور اس کے ہاتھ سے تندرست ہوں۔ اِس میں اس کا کیا قصور۔"

خلیفہ نے ابی الخیر مسیحی کی خطا تو معاف کر دی لیکن اُسے دربار سے نکال دیا۔ اور ابُونصر نے علاج شروع کیا۔ شگاف دینے کی صلاح ملتوی رکھی اور کہا "یا امیر المومنین! میں اپنی طرف سے پہلے یونہی اس پتھری کے نکالنے کا بندوبست کرتا ہوں اور اگر میری یہ تدبیر نہ چلی تو آخری درجہ شگاف کا عمل ہوگا۔" بہرحال اُس نے مناسب دوائیں دینی شروع کیں اور دوران علاج میں متعدد ادویات بدلیں۔ یہاں تک کہ تیسرے دن رات کو پتھری خود بخود دوؤں کے ساتھ نکل پڑی۔ جو وزن میں تقریباً ڈیڑھ تولہ اور حجم میں زیتون کی بڑی سے بڑی گٹھلی کے برابر تھی۔ پھر تو خلیفہ دنوں میں اچھا ہو گیا۔ اُس نے غسل صحت کیا اور ابُونصر کو حکم دیا کہ وہ خزانہ میں جا کر جس قدر سونے کے سکے اُٹھا سکے اُٹھا لے جائے۔ اس کے علاوہ خلیفہ کی ماں۔ بی بی۔ بہنوں۔ بیٹوں۔ وزراء۔ امراء اور سپہ سالاران وغیرہ کی طرف سے خلعت اور نقد انعام کی۔ ابی نصر پر بھرمار ہو گئی اور وہ بہت جلد بغداد کا دولتمند ترین طبیب بن گیا۔ جاگیریں اور نقد وظائف الگ مقرر ہوئے۔ چنانچہ وہ اخیر وقت تک دربار کا طبیب رہا۔

شیخ ابی الخیر مسیحی دربار سے نکالے جانے کے بعد بھی عرصہ تک زندہ اور اپنے اندوختہ دولت و املاک سے فائدہ اُٹھاتا رہا۔ جو اُس کے وفات کے بعد اُس کے بیٹے کو وراثتاً ملی اور دربار نے اُس سے کچھ تعرّض نہیں کیا۔ دربار خلافت میں اس کو بہت کچھ عزت و منزلت حاصل رہ چکی تھی اور منجملہ بہت کچھ عطایا کے جو اس کو وقتاً فوقتاً ملے سب سے بڑا عطیہ امین الدولہ بن تلمیذ کا بیش بہا کتب خانہ تھا۔ یہ محض خلیفہ ناصر لدین اللہ کی علمی قدردانی کا نتیجہ تھا کہ ابی الخیر کی جاہ و دولت اُس کے بیٹے سے چھینی نہیں گئی۔ ورنہ سابق خلفاء کے وقت میں ہمیشہ اس طرح کی کارروائیاں برابر ہوتی رہتیں اور اسی بنا پر درباری اُمرا نے خلیفہ ناصر مذکور کو ابی الخیر کی متروکہ املاک و جائداد کی ضبطی پر بھی آمادہ کرنا چاہا تھا لیکن خلیفہ نے اُن کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ "دی ہوئی چیز کا واپس لینا ہمارا دستور نہیں ہے۔"

ابی نصر بن مسیحی کی تصانیف صرف دو کتابیں ہیں:۔

(۱)۔ کتاب الاقتضاب۔ یہ طب میں اور سوال و جواب کے طرز پر لکھی ہے۔ (۲)۔ یہی کتاب الاقتضاب کا منتخب۔

(۱۴۸) ابُونصربن نارِی بِن ایُّوب (حکیم)

یہ بہت ہی کم کتابوں کا مترجم ہے۔اس نے دوسرے مترجموں کی طرح ترجمہ کی مشق تیز نہیں کی۔

(۱۴۹) ابُونصر یحییٰ بِن جریر تکریتی (حکیم)

فضل بن جریر کا بھائی اور علم و فضل میں اُسی کا ہم پلہ تھا۔طبابت میں بھی ویسا ہی ممتاز تھا۔اُس کی شہرت و ناموری کا زمانہ ۴۷۲ھ تھا۔اس کی تصانیف میں علم نجوم کی کتاب "الاختیارات" طب کی کتاب "منافع الباہ والجماع و مضارہ" اور ایک رسالہ ریاضت جسمانی کے فوائد اور طریق ورزش میں پایا جاتا ہے۔

(۱۵۰) ابُویحییٰ بِن قاسم اشبیلی (حکیم)

فن طب میں فاضل۔مفرد اور مرکب ادویات کی قوتوں اور خواص کا واقفکار اور اِس فن میں نہایت ماہر تھا۔خلیفہ منصور کے دواخانہ کا داروغہ تھا۔ہر قسم کے شربت اور معجون اسی کی نگرانی میں رہتے اور جب ضرورت ہوتی یہی دوائیں لیکر خلیفہ کے پاس حاضر ہوا کرتا۔اِس کا باپ قاسم خلیفہ یعقوب المنصور کے دواخانے کا داروغہ تھا۔اور جب یحییٰ مراکش میں فوت ہوگیا تو اُس کا بیٹا بھی اسی خدمت میں لیا گیا۔جس نے خلیفہ المستنصر کی خدمتگاری میں زندگی بسر کی۔

(۱۵۱) ابُویحییٰ مروزی (حکیم)

بغداد کا ممتاز و مشہور طبیب اور فن حکمت میں سربرآوردہ تھا۔ابوبشر متی بن یونان اسی کا شاگرد ہے۔ ابُویحییٰ اگرچہ اچھا فاضل تھا لیکن وہ سُریانی نسل کا آدمی تھا اور اس کی تمام تصانیف جو منطق وغیرہ علوم و فنون میں ہیں سب سُریانی زبان ہی میں ہیں۔

(۱۵۲) ابو یعقوب اہوازی (حکیم)

فن طب میں نیکنام۔ اور نیک چلن تھا۔ یہ اُن طبیبوں میں سے تھا جن کو عضد الدولہ نے اپنے بیمارستان میں مامور کیا اور یہ شفا خانہ بغداد میں بنا تھا۔ اس کا نام بانی کے نام پر رکھا گیا۔ اس کی تصنیف صرف ایک مقالہ ہے جس میں یہ بیان کرتا ہے کہ سکنجبین بزوری دوسرا تریاق ہے۔

(۱۵۳) ابو یوسف کاتب (حکیم)

اوسط درجہ کا مترجم تھا۔ بقراط کی کئی کتابیں اس نے ترجمہ کی ہیں۔

(۱۵۴) ابو حلیقہ رشید الدین (حکیم)

نامور حکیم و علامۂ روزگار ابوالوحش بن الفارس ابی الخیر بن ابی سلیمان داؤد بن ابی المنٰی مشہور بہ ابی حلیقہ۔ فن طب اور علوم حکمیہ میں یکتائے روزگار اور دیگر علوم و فنون میں بے مثل عالم تھا۔ معالجہ اور دوا کی ترکیب میں بھی یکتائے زمانہ ہوا ہے۔ مریضوں پر خاص مہربانی کیا کرتا اور بڑا نیک مزاج خوش اخلاق اپنے دین کا نہایت پابند عبادت گزار نیک کردار تھا۔ میل جول اور خوبی علاج میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا۔ ابتدا میں اُس نے فن طب کی تحصیل اپنے چچا مہذب الدین ابی سعید سے شہر دمشق میں شروع کی اور پھر ملک مصر میں آکر اس فن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ مصر کے نامور اُستاد مہذب الدین عبد الرحیم کے سامنے بھی زانوئے شاگردی تہ کیا۔ اور برابر مطالعہ اور پڑھنے کے مشغلہ میں منہمک رہا۔

۵۹۱ھ میں بمقام قلعۂ جعبر پیدا ہوا تھا۔ وہاں سے اُس کا خاندان مقام رہا میں چلا آیا جہاں اس کی پرورش ایک سپاہی زادہ کی طرح ہوتی رہی۔ اتفاق سے ایک دن ملک الکامل حمام کو گیا تھا۔ ابو حلیقہ کے باپ الفارس ابی الخیر نے ابو حلیقہ کو سلطان کے

پاس میوہ جات اور عرق گلاب کا خوان لیکر بھیجا اور سلطان نے اس کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس وقت ابو حلیقہ کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی۔ ملک الکامل اُس کو اپنے والد ماجد ملک العادل کے پاس لے گیا۔ اور خوان کو میوہ جات سے خالی کرا کر قیمتی تحائف اور زرنقد سے بھر دیا۔ پھر ملک العادل نے ابو حلیقہ کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور اُس سے باتیں کرتا رہا۔ اسی اثناء میں ملک العادل ابو حلیقہ کے باپ فارس ابی الخیر سے جو حاضر دربار تھا متوجہ ہو کر کہنے لگا " فارس! تمہارا یہ بچہ بڑا ذہین اور ہونہار ہے۔ اس کو سپہ گری میں نہ ڈالو۔ ہمارے یہاں سپاہیوں اور جانبازوں کی کمی نہیں۔ لیکن لائق اہل علم کی ہم کو ضرورت ہے۔ تمہارا خاندان علمی خاندان اور بہت مبارک ہے اُس کا نام اور خاصّہ برقرار رہنا اچھا ہوگا۔ اس لڑکے کو حکیم ابی سعید کے پاس دمشق میں بھیجدو۔ وہ اُس کو علوم حکمیہ اور طب کی تعلیم دیگا"

سلطان کا یہ حکم سن کر فارس ابی الخیر نے سر تسلیم جھکا دیا اور دوسرے ہی دن لخت جگر کو اپنے فاضل بھائی حکیم ابی سعید کے پاس دمشق بھجوا دیا۔ ابی حلیقہ ایک سال دمشق میں رہا۔ اس عرصہ میں اُس نے بقراط کی دو مفید اور اہم کتابوں "کتاب الفصول" و "کتاب تقدمۃ المعرفۃ" کو زبانی یاد کر لیا۔ بعد ازاں وہ ۶۱۹ھ میں قاہرہ گیا۔ جہاں فن طب کی تکمیل کر کے۔ ملک الکامل کے شاہی اطباء میں شامل ہو گیا۔

ابی حلیقہ نے قاہرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ سلطان کے دربار سے اُس کو رشید الدین کا لقب ملا اور ایک جاگیر جو اُس کے چچا موفق الدین ابی شاکر کو ملی ہوئی تھی اُس کے بعد رشید الدین کے نام منتقل کر دی گئی۔ علاوہ بریں نقد انعام و اکرام اور بیش قرار ماہانہ الگ تھا۔ ابی حلیقہ سلطان کی نظر میں خاص عزت حاصل کرتا رہا یہاں تک کہ تمام درباری طبیبوں پر فوقیت لے گیا۔ ملک الکامل کی نبض کی شناخت اُس نے ایسی پیدا کر لی تھی کہ خواہ کتنے ہی پردہ سے دیکھتا فوراً معلوم کر لیتا کہ یہ سلطان کی نبض ہے۔ ایک روز سلطان نے یہی آزمانے کے لیے حرم سرا میں بہت سی بیگمات کے ساتھ پس پردہ بیٹھ کر نبض دکھائی۔ بیگموں کی نبضیں دیکھ دیکھ کر تو حکیم ابی حلیقہ نسخے تجویز کرتا گیا۔ مگر

جب سلطان کی نبض دیکھی فوراً کہنے لگا" یہ تو خداوند عالم سلطان کی نبض ہے اور وہ بحمد اللہ ہر طرح تندرست ہیں" اس روز سے اس ماہر طبیب کی عزت سلطان کی نظر میں اور بڑھ گئی ؁
سلطان ملک الکامل نے ابی حلیقہ کو تریاق فاروق بنانے کا حکم دیا۔ مگر چونکہ اس تریاق کی دوائیں بہت دیر میں اور مشکل سے بہم ہو سکتی ہیں ابی حلیقہ کو خانہ نشینی اور دربار سے غیر حاضری کی اجازت لینی پڑی۔ اور اُس نے تمام ملکوں سے دوائیں منگوانے کا خاص اہتمام کیا۔ اور جب تک تریاق فاروق کی دوائیں آئیں اُس نے خود ایک تریاق کا نسخہ ترکیب دیا جو فوراً سخت امراض کو دور کر دیتا۔ حرارت غریزی کو بڑھاتا۔ اعصاب میں قوت لاتا۔ اور بہت سے فوائد پر حاوی تھا۔ اس تریاق کے بناتے وقت ابی حلیقہ نے خداوند کریم سے عہد کر لیا تھا کہ وہ اِس دوا کے ذریعہ سے دولت و عزت پیدا کرنے کی ہرگز خواہش نہ کریگا۔ بلکہ صرف خدمت خلق اور حاجتمندوں کی اعانت مدنظر رکھ کر اس دوا کو تیار کر رہا ہے۔ قدرت ایزدی دیکھئے کہ یہ دوا اتنی عجیب الاثر نکلی کہ چند ہی روز میں اس کی شہرت تمام ملک میں ہو گئی۔ فالج زدہ۔ قولنج۔ اور گردہ کے درد میں مبتلا مثانہ کی پتھری کے شاکی۔ نزلہ و ضعف اعصاب کے مریض۔ سب کو اس تریاق کی ایک ہی خوراک سے ایسا نفع ہو جاتا کہ گویا وہ کبھی مریض ہی نہ تھے۔ آخر سلطان کو بھی اس دوا کا حال معلوم ہوا اور اُس نے ابی خلیفہ کو بلوا کر دریافت کیا کہ تم نے کون سی دوا بنائی ہے جس کا شہرہ ملک مصر میں ہو رہا ہے۔ مجھ کو بھی وہ دوا دو ؁

ابی حلیقہ نے عرض کیا" خداوند عالم! بندہ نے جو چیز بنائی وہ حضور ہی کے لئے بنائی ہے۔ لیکن نئی دوا کا تجربہ جب تک نہ ہو جائے سرکار کے حضور میں اُس کا پیش کرنا مناسب نہ تھا۔ اب چونکہ وہ تجربہ میں آچکی ہے حضور اُسے شوق سے استعمال فرما سکتے ہیں" سلطان نے کہا" اچھا وہ دوا ہمارے واسطے لاؤ" اور ایک خادم کو محل کے دروازہ پر بٹھا دیا کہ جس وقت حکیم دوا لیکر آئے فوراً حرم سرا میں میرے پاس بھجوا دو۔ ابی حلیقہ گھر گیا اور تریاق کا مرتبان اُٹھا کر دیکھا تو اُس میں برائے نام دوا رہ گئی تھی۔ سب تقسیم ہو چکی تھی۔ مجبوراً جن دوستوں کو دوا دی تھی اُن کے

پاس گیا اور اس وعدہ پر کہ دوبارہ تیار کرکے اُن کو دو چند دوا نذر کریگا۔ کئی جگہ سے ملاکر وہ ڈھائی تولہ دوا حاصل کی اور اُسے ایک نقرئی ڈبیہ میں رکھ کر سلطان کے لیئے لے گیا۔ اور خادم کے حوالہ کیا ٭

ایک بار سلطان نے ابی حلیقہ سے فرمائش کی کہ کوئی چٹنی خوب مزہ دار تیار کرے جو معدہ کو قوت دے اور بھوک بڑھائے۔ ابو حلیقہ نے ذیل کا نسخہ تجویز کیا:۔ مقدونس ۲ تولہ ریحان ترنجانی ۱ تولہ۔ اُترج کی قاشیں کئی دن تک پانی اور نمک میں لعنی اُٹھانے کے بعد ۱ تولہ مگر اس کو نمک و پانی میں گلاکر اخیر میں شیریں پانی سے دھولیا جائے۔ اس کے بعد ہر ایک چیز کو الگ الگ ہاون میں خوب کوٹیں تاکہ وہ بالکل مرہم کی طرح ہوجائیں۔ پھر سب کو باہم ملا اور اُس پر سبز لیموں کا عرق حسب حاجت نچوڑ کر بقدر ضرورت نمک اندرانی ملادیں۔ بعد ازاں اس چٹنی کو چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں یا اچار دانیوں میں بھردیا جن میں سے ہر ایک کے اندر صرف اس قدر چٹنی سمائے جو ایک مرتبہ دسترخوان پر آسکے ورنہ اگر اچار دانی بھرجائیگی تو چٹنی کے خشک یا خراب ہوجانے کا خطرہ ہے اچار دانی میں چٹنی بھر کر اُس کے مُنہ پر خوشبودار روغن زیتون کا چھلا ڈال دیں اور کارک لگا کر سربمہر کردیں ٭

سلطان کو اس چٹنی کے استعمال سے کئی فائدے معلوم ہوئے۔ ہضم اور اشتہا آور ہونے کے علاوہ یہ ملین بھی نکلی اور حکیم ابی حلیقہ کو حکم ملاکر وہ کثیر مقدار اس چٹنی کی بناکر ایک ماہ کے استعمال کے قابل اچار دانیوں میں بھرے اور سلطان کو ارسال کرتا رہے کیونکہ وہ ممالک روم کی سرحدوں پر مصروف جنگ رہتا تھا اور چٹنی ایک ماہ سے زیادہ ٹھہر نہ سکتی تھی ٭

حکیم رشید الدین کا نام ابو حلیقہ اس مناسبت سے رکھا گیا کہ اس کے کان میں ایک چاندی کا حلقہ پڑا تھا۔ اور اس نے اپنے بیٹوں کو بھی اُسی طرح نقرئی حلقے پہنائے تھے۔ رشید الدین کے باپ کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ جب یہ ماں کے پیٹ میں تھا اُسکی والدہ نے اپنے شوہر سے کہا کہ کسی دوست سے ایک چاندی کا حلقہ خیرات کے طور پر مانگ لے۔ اور جب بچہ پیدا ہو فوراً سُنار کو بلوا کر اُس کے کان میں سُوراخ کرکے

وہ حلقہ پہنا دے۔ اس ترکیب سے یہ بچہ زندہ رہا اور ہمیشہ وہ حلقہ اُس کے کان میں پڑا رہا۔ ابتدا میں رشید الدین کی اولاد بھی ضائع ہو جاتی تھی۔ مگر اُس کو اپنی ماں کی وصیت اور کارروائی یاد آگئی تو وہ بھی اپنے بچوں کو حلقہ پہنانے لگا اور پھر اس کے لڑکے زندہ رہنے لگے۔ ابی خلیفہ کا خاندان اور اس کی اولاد۔ مصر میں اور شام میں دو نو جگہ "بنی شاکر" کے نام سے مشہور تھے۔ اور اس گھرانے میں مدت دراز تک علم طب کا قیام رہا۔ بہت سے نامور اور لائق اطباء اس میں گزرے ؛

رشید الدین ابی خلیفہ کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔

(۱)۔ مقالہ حفظ صحت کے بیان میں ؛

(۲)۔ مقالہ اس بیان میں روحانی لذتیں جسمانی لذتوں کی نسبت سے زیادہ لذیذ ہیں۔ کیونکہ روحانیہ کمالات اور ادراک کمالات کا نام ہے۔ اور جسمانیت صرف چند خاص تکلیفیں ہیں کہ اگر وہ بڑھ جائیں تو اور نئی مصیبتوں میں پھنسا دیں ؛

(۳)۔ کتاب المختار فی الالف عقار۔ یہ مفرد اَدویات کے بیان میں اچھی کتاب ہے ؛

(۴)۔ کتاب الامراض والاسباب والعلامات اس میں بیماریوں کے سبب، اُن کی شناخت، اور اُن کے علاج مفرد اور مرکب مجرّبادویات کے ذریعہ سے بہ تفصیل ذکر کئے ہیں۔ اس کتاب میں تمام طبّی تصانیف کا نچوڑ جمع کر دیا ہے ؛

(۵)۔ مقالہ ضرورت موت کے ذکر میں۔ اِس مقالہ میں اُس نے موت کا ایک سبب یہ لکھا ہے کہ انسان کا جسم حرارت خارجی اور داخلی سے تحلیل ہوتے ہوتے آخر کار فنا ہو جاتا ہے ؛

(۱۵۵) ابی ریحان البیرونی (حکیم)

ابوالریحان۔ کنیت۔ محمد۔ نام۔ احمد بیرونی کا بیٹا۔ ۳۶۲ھ میں شہر خوارزم میں پیدا ہوا۔ بیرونی اس وجہ سے کہلاتا ہے کہ اس کا باپ ملک سندھ کے شہر بیرون کا باشندہ تھا۔ حکمائے عہد قدیم کے علوم کا زبردست عالم۔ اور ریاضیات میں ماہر کامل تھا۔

شیخ الرئیس ابو علی بن سینا کا ہمعصر اور خوارزم شاہ کے دربار میں اُس کا ہمنشیں رہا تھا۔ معاصر ہونے کی وجہ سے شیخ کے ساتھ اس کی چشمک تھی۔ اور دونوں میں اکثر تحریری مباحثات ہوا کرتے تھے۔ اِن مباحثات کا کچھ حصہ لندن کے برٹش میوزیم میں محفوظ ہے ●

ابی ریحان نے خاص خوارزم اور دیگر مشہور اسلامی شہروں میں ابتدائی علوم اور فلسفہ وحکمت کی تحصیل وتکمیل کی۔ اور جب اُس زمانہ کے مروجہ علوم میں کامل ہو گیا۔ تو ہندوستان جاکر وہاں کے فیلسوفوں اور حکماء کی دماغی جد وجہد کے خزانہ سے فائدہ اُٹھانے کی آرزو نے بے چین بنایا۔ مگر اس کا کوئی ذریعہ ہاتھ نہ آیا۔ اس وجہ سے ایک زمانہ تک دربار خوارزم شاہی میں عزت کے ساتھ حاضر رہا۔ اور جب سلطان محمود غزنوی نے خوارزم شاہ کو پیام بھیجا کہ اپنے دربار کے علماء کو ہمارے پاس ارسال کرو تو ابو ریحان اور ابو الخیر خمار دونوں غزنی کے دربار میں آ گئے۔ سلطان محمود کی فتوحات اور حملہ آوریوں کا سلسلہ حدود ہند پر آغاز تھا۔ اور اُس کے حملوں سے ہندوستان کی سرزمین لرز رہی تھی۔ لیکن اصل یہ ہے کہ محمود کے حملے ہندوستان کے جسم پر ہوتے تھے جو چنداں سود مند نہ تھے اُس کے دربار میں پہنچ کر ابی ریحان کو اپنی دیرینہ تمنا پوری کرنے کا اچھا موقع ملا۔ اور جس طرح اُس کا قدرشناس زبردست سلطان تیغ وسنان کی مدد سے ہندوستان کے جسم پر حملے کیا کرتا تھا۔ ویسے ہی اس میدان علم کے شہسوار نے تیغ خامہ کی مدد سے ہندی علماء وحکماء کے علوم وفنون کا خزانہ ہاتھ میں لانے کی خواہش سے ہندوستان کے دل اور دماغ یعنی یہاں کے علوم وفنون کے ذخائر پر فاتحانہ حملہ شروع کیا ●

یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان کی پوتر دھرتی پر بیرونی ملیچھ (ملکش) ترکوں کے قدم آجانے کے بعد۔ جو کہ فاتحانہ عزم وارادوں سے یہاں آتے تھے۔ اور صرف مال غنیمت لیکر واپس چلے جاتے۔ اُس زمانہ کے ہندوؤں میں مسلمانوں کی طرف سے سخت عناد پیدا ہو گیا تھا۔ اور ایسے وقت میں کسی ملیچھ مسلمان کا تن تنہا یا چند غیر مسلح رفقاء کے ساتھ ارض ہند میں آنا بڑی ہمت ودلیری کا کام تھا۔ سرزمین ہند کا ذرہ ذرہ مسلمانوں کا دشمن تھا۔ اور اُس پر طرّہ یہ کہ یہاں کے علماء اپنوں کو بھی عام طور پر علوم وحکمت کے

بتانے میں دریغ رکھتے تھے۔ چہ جائے کہ کسی ملیچھ اجنبی کو بتائیں۔ مگر شوق اور طلب صادق نے یہ سب مشکلیں آسان کر دیں۔ اور ابو ریحان تمام رکاوٹوں کے دور کرنے میں کامیاب ہو کر زبان سنسکرت میں مہارت بہم پہنچا سکا۔

ایک عجمی شخص کے لئے جس کی علمی و مادری زبان عربی و فارسی تھی سنسکرت سیکھنے میں کامیابی حاصل کرنا۔ اور پھر ایسے عہد میں جبکہ غیروں کو اس کا بتانا ایک قومی خیانت تھی حیرت افزا بات ہے۔ ابو ریحان اس مرحلہ کو طے کر کے ہندوستان کے قلب میں گھسا اور اُس نے یہاں کے بڑے بڑے مقدس اور علمی مقامات کی سیر کی۔ نہ صرف ایک سیاح کے طریقہ پر بلکہ شائق علم و فن کے طور پر۔ یہاں کے تمام علمی خزانوں پر اُس نے ہاتھ ڈالا۔ اور اُن میں جو بیش بہا جواہر ملے سب چُن لئے۔ ہندوؤں کے رسم و رواج اور عام خیالات پر اُس نے ایک غیر طرفدار تماشائی کے مانند نظر ڈالی اور بے تعلق نکتہ چینی کے طرز پر اُن سے اُس زمانہ کے تمدن و شائستگی کا مکمل حال قلمبند کر لیا۔ غرض ایک ہی وقت میں دو مسلمان اولوالعزم فاتح ہندوستان پر حملہ آور تھے۔ ان میں سے ایک فوج و سپاہ و طبل علم کے ساتھ مادی فوائد کے حصول میں کوشاں تھا۔ اُس کا مدنظر ہندوؤں کے ایک زبردست راجہ کی اُن حملہ آوریوں کا انتقام تھا جو اُس نے اسلامی ممالک پر کی تھیں اور حقوق ہمجواری (ہمسائگی) کی پروا نہ کر کے محمودی حدود کو اپنا جولانگاہ بنایا تھا اور دوسرا فاتح سنان قلم لیکر ہندوستان کے قدیم فلسفہ و تہذیب اور یہاں کے اخلاق و عادات کا قیمتی خزانہ تلاش کر رہا تھا۔ اس کا کام خاموشی سے انجام پاتا رہا۔ بیرونی نے پنجاب و سندھ کی خوب سیر کی۔ بنارس و کشمیر تک تو اُس کی رسائی کا پتا نہیں لگتا۔ لیکن مالوہ اور راجپوتانہ کے اہم مقامات اُس نے ضرور دیکھے۔ چنانچہ اجمیر تک وہ گیا تھا اور وہاں کے مندر میں پجاری بن کر مقیم رہا تھا۔

ابو ریحان ہندوؤں کا صرف شاگرد ہی نہیں بنا۔ بلکہ اُس نے اُن کو اپنا شاگرد بنا کر اُستادی کا بھی حق ادا کیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسے پُرشور زمانہ میں جیسا کہ بیرونی کا عہد تھا۔ اُسے ہندوستان میں یہ کامیابی کیونکر نصیب ہوئی؟ مگر جب معلوم ہوتا ہے

وہ زبردست فیلسوف اور علم و حکمت کا متلاشی تعصب اور تنگدلی کی قید سے مطلقاً آزاد تھا تو یہ حیرت دفع ہو جاتی ہے اور عقل خود اس کی کامیابی کو روا تسلیم کر لیتی ہے۔ بہرحال ابی ریحان یادداشتیں مرتب کرتا رہا اور عرصۂ دراز کے چشم دید حالات اور تحقیقات علمی کا ذخیرہ ساتھ لیکر بالآخر غزنی کو واپس گیا۔ جہاں اپنے قدردان سرپرست سلطان محمود رح کی وفات کے ڈیڑھ سال بعد اس نے "کتاب الہند" لکھی۔ اور یہ عربی زبان میں ہندوستان کے جغرافیہ۔ تاریخ۔ علوم۔ و فنون۔ اور مذاہب وغیرہ کے متعلق پہلی کتاب تھی۔ جس کو موجودہ زمانہ کے محققان یورپ بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے اور اس مسلمان عالم کی محنتوں کی داد دیتے ہیں؟

ابی ریحان علم نجوم و زائچہ میں اعلےٰ درجہ کا ماہر تھا۔ ریاضیات پر اس کو پورا عبور تھا اور اس فن میں اس کے معاصرین ہرگز اس کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ جب وہ خوارزم شاہ کے دربار سے طلبی ہونے پر دربار غزنی میں آیا۔ سلطان محمود رح نے اس کے علم و کمال کو آزمانا چاہا۔ وہ ایک دن دربار میں بیٹھا تھا اور تمام حکماء اور علماء حاضر تھے۔ سلطان نے ابی ریحان سے دریافت کیا کہ "بتاؤ میں ایوان کے کس دروازہ سے باہر جاؤنگا" ابو ریحان نے کچھ حساب کر کے ایک پرچہ پر حکم لکھا اور سلطان کی مسند کے نیچے رکھکر عرض کیا "جس دروازہ سے حضور کی مرضی ہو" ایوان میں چار دروازے تھے سلطان نے حکم دیا کہ مشرقی دیوار میں ایک نیا دروازہ توڑا جائے۔ اس کی تعمیل ہو چکی اور وہ باہر گیا۔ پھر اس نے حکیم کا لکھا ہوا پرچہ منگوا کر دیکھا تو اس میں ٹھیک وہی حکم درج تھا جیسا کہ ظہور میں آیا۔ سلطان متحیر ہو گیا اور مزید امتحان کے لیئے اس نے یہ فرمان صادر کیا کہ حکیم ابی ریحان کو دیوار قلعہ پر سے خندق میں گرا دیا جائے۔ سلطانی حکم کی تعمیل کی گئی۔ حکیم خندق میں گرایا گیا۔ مگر وہ بالکل صحیح و سلامت رہا۔ چوٹ تک نہ آئی۔ اس بات کو سن کر سلطان کی حیرت اور بڑھی۔ اس نے حکیم کو بلوا کر دریافت کیا کہ آیا اس کو پہلے سے اس امر کا کچھ علم تھا اور اس نے کوئی انتظام اپنے بچاؤ کا کر لیا تھا۔ حکیم نے اپنے غلام سے روزانہ احکام لکھنے کی تقویم منگائی اور سلطان کے حضور میں پیش کر دی۔ سب باتیں اس میں درج تھیں۔ پھر عرض کیا کہ "میں نے خندق میں ایسا اہتمام کر لیا تھا کہ جب

گردن تو ضرب آنے سے محفوظ رہوں"*

سلطان محمودؒ کی وفات کے بعد اُس کے دونو بیٹوں مسعود اور محمد میں ملک سلطنت پر تلوار چلی اور محمدؔ فوج کی نمکحرامی سے گرفتار ہو کر بھائی کے سامنے پیش ہؤا اور اندھا کر دیا گیا۔ اس پر آشوب زمانہ میں ابوریحان نے گوشہ نشینی اور تصنیف و تالیف ہی سے غرض رکھی۔ یہ مشغلہ اس کو بیحد پسند تھا۔ صرف دو دن سال میں فکر معاش کے لئے خاص کر رکھے تھے۔ باقی تمام اوقات کتابوں کے مطالعہ اور تالیف و تصنیف میں بسر کرتا۔ ہر وقت قلم ہاتھ میں۔ آنکھیں کتاب پر۔ اور دل فکر میں رہا کرتا*

اُس کا مقولہ ہے:۔"جس طرح آج کی روزی آج مل جاتی ہے ویسے ہی کل کی روزی کل مل رہیگی۔ اس کے واسطے فکر کی کیا حاجت ہے"

مزاج میں استغنا اس مرتبہ کا تھا کہ جس زمانہ میں سلطان مسعود بن محمود غازی کے لئے کتاب "القانون المسعودی" لکھ رہا تھا۔ ایک دن سلطان نے انعام کے طور پر روپیوں کے توڑے ہاتھی کی پشت پر بار کرا کے بھیجے۔ آپ نے صرف ایک دن کی خوراک کا خرچ لے لیا۔ اور باقی روپیہ بجنسہ واپس کر دیا*

ابی ریحان سلطان مسعود کے زیر سایہ غزنی میں رہتا تھا۔ اُس نے زندگی کے باقی دن علمی خدمت میں بسر کر کے وہیں ۴۴۰ھ میں اُناسی سال عمر پا کر دنیا سے رحلت کی۔ اور حسب ذیل کتابیں علوم ریاضیہ۔ اور ہیئت وغیرہ میں اپنی زندہ یادگار چھوڑیں:۔

تصانیف:۔

(۱)۔ کتاب الجماہر فی الجواہر۔ اس میں جواہر و لعل اور اُن کی انواع کا بیان ہے۔ جواہر کے تمام متعلقات اس میں بڑی وضاحت سے درج کئے ہیں۔ یہ کتاب سلطان مسعود غزنوی کے نام پر تصنیف کی گئی*

(۲)۔ کتاب الآثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ۔ علم نجوم و تاریخ میں بے مثل کتاب ہے*

(۳)۔ کتاب الصیدلۃ۔ دوا سازی اور شناخت ادویات مفردہ کے متعلق عمدہ کتاب اور فن طب میں اُس کی یہی ایک تصنیف ہے۔ اس میں

دواؤں کے نام۔ ان کی ماہیت۔ شناخت کے طریقے۔ اور اُن کے متعلق متقدمین کا اختلاف رائے اور ہر ایک طبیب کا قول۔ حروف تہجی کی ترتیب سے درج کیا گیا ہے ۞

(۴)۔ کتاب مقالید الہیئۃ۔ علم ہیئت میں ۞

(۵)۔ کتاب تسطیح الکرۃ۔ علم مسطحات میں ۞

(۶)۔ کتاب العمل بالاصطرلاب۔ اصطرلاب کے طریق استعمال کی تشریح میں ۞

(۷)۔ کتاب القانون المسعودی۔ یہ علوم ہیئت۔ نجوم۔ اور جغرافیہ میں نہایت قابل قدر کتاب ہے۔ ابو ریحان۔ نے اس کو غزنی کے چوتھے فرمانروا سلطان مسعود بن محمود کے لئے ۴۲۱ھ میں تصنیف کیا۔ ۱۸۷۶ء میں یہ کتاب ایک جرمن عالم کی توجہ سے چھپ کر شائع ہوئی اور اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا گیا جو لندن میں چھپا ہے۔ مشہور مسلمان جغرافیہ نویس "اسمٰعیل ابو الفدا" نے اپنی کتاب تقویم البلدان میں اس کتاب سے بہت مدد لی ہے۔ ابو ریحان اس کتاب کی تالیف میں بالکل بطلیموس کا متبع رہا اور اُسکے قدم بقدم چلا ہے ۞

(۸)۔ کتاب التفہیم فی صناعۃ التنجیم علم نجوم میں ۞

(۹)۔ مقالہ کتاب دلائل القبلہ کی لغزشوں کی تلافی میں ۞

(۱۰)۔ رسالہ در بیان تہذیب الاقوال ۞

(۱۱)۔ مقالہ کرہ کا اصطرلاب استعمال کرنے کے بیان میں ۞

(۱۲)۔ کتاب الاظلال ۞

(۱۳)۔ کتاب التاریخ المسعودی۔ علم زائچہ و نجوم میں۔ یہ کتاب بھی سلطان مسعود فرمانروائے غزنی کے لئے لکھی جو اس زمانہ میں سب سے بڑا ایشیائی فرمانروا تھا ۞

(۱۴)۔ بطلیموس القلوذی کی کتاب کا اختصار ۞

(۱۵)۔ العجائب الطبیعیہ والغرائب الصناعیہ ۞

(۱۶)۔ کتاب عجائب الہند۔ یہ ہندوستان کے علوم و فنون۔ رسم و رواج۔ تاریخ اقوام و ادیان کے متعلق بے نظیر قدیم تصنیف ہے۔ اس میں ہندوستان کا جغرافیہ بڑی خوبی سے درج کیا ہے اور جغرافیہ ریاضیہ کے متعلق ہندسی اور فلکی معلومات اس میں بڑی کثرت سے فراہم کی ہیں۔ جرمن پروفیسر "ساخاؤ" کی توجہ سے ۱۸۸۷ء میں یہ کتاب بمقام شہر لندن طبع ہوئی تھی ۞

(۱۷)۔ ایک کتاب دائرہ کے خط منحنی کے خواص اور اُس سے وتروں کا استخراج کرنے کے بیان میں ۔

(۱۵۶) احمد بن ابی الاشعث (حکیم)

ابو جعفر۔ احمد بن محمد بن محمد بن ابی الاشعث۔ بڑا عقیل۔ صائب الرائے۔ مخیر۔ نیک مزاج۔ متین و مہذب۔ اور دینیات کا زبردست عالم تھا۔ بہت طویل عمر پائی۔ بکثرت شاگرد اپنی یادگار چھوڑے۔ علوم فلسفہ و حکمت میں ممتاز فاضل اور صاحب تصانیف تھا۔ اُس کی تصنیفات ہی اُس کے علم و فضل پر روشن دلیل ہیں۔ علم الٰہیات میں اُس کی ایک اعلےٰ درجہ کی کتاب ہے۔ جالینوس کی کتابوں کا وہ زبردست عالم اور اُن کے تمام مسائل پر اچھا عبور رکھتا تھا۔ اُس نے جالینوس کی ۱۶ مشہور کتابوں میں سے اکثر کتب کی شرحیں لکھی ہیں۔ اور اُن کتابوں کو جو پہلے ابواب و فصول کی ترتیب میں اچھی نہ تھیں اور نہ اُن کی تقسیم مناسب تھی۔ اس عمدگی سے مختلف مباحث و مضامین کے لحاظ سے الگ الگ کیا اور ابواب و فصول کی ترتیب میں اتنی اچھی اصلاح کی کہ آئندہ طالبان فن کو ان کتابوں کے پڑھنے اور مطالعہ کرنے میں بیحد آسانی حاصل ہوئی۔ اس جلیل القدر فاضل کا یہ کام بہت قابل قدر ہے۔ اور اُس نے اسی طرح ارسطو کی اکثر کتابوں میں بھی ابواب وغیرہ کی عمدہ ترتیب کی ۔

خود احمد بن ابی الاشعث کی طبی تصانیف اور دیگر علوم کی تالیفات اس خوبی میں کہ اُن کی ترتیب ابواب نہایت دلپذیر ہے۔ اپنی آپ نظیر اور بیحد مفید ہیں ۔

احمد بن ابی الاشعث اصل میں ایران کا باشندہ تھا۔ وہ ابتدائی عمر میں اپنے تئیں بطور طبیب کے دنیا میں پیش نہیں کرتا تھا۔ بلکہ وہ حکومت کی ملازمت میں داخل اور کسی علاقہ کا تحصیلدار تھا۔ لیکن انجام کار جیسا کہ اُس زمانہ میں دستور تھا۔ ایکبار اس کا تمام مال و منال ضبط کر لیا گیا اور وہ بحال تباہ اپنے وطن سے مفرور ہو کر شہر موصل میں آیا۔ جس وقت وہ موصل میں پہنچا ہے اُس وقت نان شبینہ کو محتاج اور

بالکل بےسرو سامان تھا۔ کپڑے تک جسم پر ثابت نہ تھے۔ چیتھڑے لگائے پھرتا تھا۔ اتفاق سے اُن دنوں موصل کے حکمران امیر ناصر الدولہ کا ایک بیٹا سخت بیمار تھا۔ وہاں جو اطبّاء موجود تھے وہ جس قدر علاج کرتے مریض لڑکا اور علیل ہوتا جاتا۔ اس نووارد اور ماہر طبیب نے کوئی معقول ذریعہ پیدا کر کے اپنے آپ کو اُس لڑکے کی ماں تک پہنچایا اور اُس سے معالج طبیبوں کی غلطی کا ایسے مناسب پیرایہ میں اظہار کیا کہ اسکی بات مریض بچہ کی ماں کے دلنشیں ہوگئی اور اُس نے بچّہ کا علاج شروع کیا خداوند کریم نے اس کے ہاتھوں بیمار کو صحت کاملہ بخشی اور یہ خلعت و انعام سے مالا مال بنا دیا گیا۔ پھر تو احمد بن ابی الاشعث کا دُور دُور تک شہرہ ہوگیا۔ وہ کامیابی کے ساتھ مطب کرنے لگا۔ اور موصل ہی میں مقیم ہوگیا۔ اخیر وقت تک وہیں رہا۔ اُس کے شاگرد کئی ایک ہیں۔ لیکن "ابو الفلاح" نامی ایک شاگرد نہایت لائق اور اُستاد کا نام روشن کرنے والا ہُوا۔ اُس نے فن طب میں کمال حاصل کیا اور اُستاد کا جانشیں بنا۔

اِس نامور حاذق نے ۳۶۰ھ کے چند سال بعد وفات پائی ٹھیک سنہ وفات معلوم نہیں ہوسکا۔ اُس کے متعدد فرزند تھے۔ جنمیں سے ایک بیٹا محمّد نامی طب میں مشہور اور اچھا معالج ہُوا۔ تصانیف :-

(۱) - کتاب ادویہ مفردہ۔ تین مقالات۔ یہ کتاب اپنے بعض شاگردوں کی فرمائش پر لکھی تھی۔

(۲) - کتاب الحیوان۔

(۳) - کتاب علم الٰہیات میں دو مقالوں پر مشتمل ہے۔

(۴) - کتاب چیچک و خسرہ وغیرہ کے بیان میں۔ دو مقالوں پر مشتمل ہے۔

(۵) - کتاب سرسام و برسام کے بیان اور اُن کے علاج میں۔ تین مقالات۔

(۶) - کتاب درد قولنج۔ اُس کے اقسام اور علاجوں کے بیان میں دو مقالات۔

(۷) - کتاب برص اور بہق کے بیان اور اُن کے علاج میں ۲ مقالے۔ اور اسی طرح صرع (مرگی) استسقاء (جلندھر) مالیخولیا۔ پر بھی عمدہ کتابیں لکھیں۔

(۸) - کتاب ترکیب الادویہ۔

(۹) - کتاب الغاذی و المغتذی۔

(۱۰)۔ کتاب امراض معدہ اور اُس کے علاج۔ اور جالینوس کی کتاب الفرق اور الحمیات کی شرحیں۔ یہ سب اُسی کی دماغ سوزیوں کے نتائج ہیں ۔

(۱۵۷) احمد بن حکم بن حفصون (حکیم)

اچھا عالم طبیب ذہین، خوش فکر، فطین اور ذکی تھا۔ طب کے علاوہ منطق وغیرہ علوم عقلیہ میں بھی نظر رکھتا تھا۔ فرمانروائے اندلس امیر مستنصر باللہ کے حاجب جعفر الصقلبی کی سرکار سے اس کا تعلق رہا۔ اور حاجب مذکور نے اس کو دربار شاہی تک بھی پہنچا دیا۔ لیکن حاجب کی وفات کے بعد ابن حفصون کا نام درباری اطباء کی فہرست سے نکال دیا گیا۔ اور بعد میں اُس نے گمنامی کی زندگی بسر کی۔ اُس کی وفات اسہال کے مرض میں ہوئی تھی ۔

(۱۵۸) احمد بن الطیب سرخسی (حکیم)

ابوالعباس کنیت۔ احمد نام۔ محمد بن مروان کا بیٹا۔ اور سرخس کا رہنے والا تھا۔ کندی فیلسوف کی صحبت میں رہ کر علوم و فنون کی تحصیل کی۔ بہت سے علوم قدیم حکمائے یونان کے اور خاص اہل عرب کے بھی اُس کو بخوبی آتے تھے۔ تیز طبع۔ خوش بیان۔ زبان آور۔ اور اچھا مصنف و مولف تھا۔ علم نحو اور فن شعر میں وہ کمال پایا کہ اپنے زمانہ کا یکتا تسلیم کیا گیا۔ مزاج میں ظرافت اور بذلہ سنجی تھی۔ خوش باش۔ ہنس مکھ اور ملنسار اعلےٰ درجہ کا تھا۔ حدیث شریف کی بھی سماعت کی ہے اور روایت بھی کیا کرتا۔ دو حدیثیں اس نے روایت کی ہیں جن میں سے ایک بچند واسطہ حضرت انس رضؓ نامور صحابی تک۔ اور دوسری حضرت مکحول تابعی تک منتہی ہوتی ہے ۔

پہلے یہ خلیفہ معتضد باللہ عباسی کا معلم رہا۔ پھر اُس کا مصاحب ہوا۔ اور اخیر میں اسی خلیفہ کے عہد میں شہر بغداد کا محتسب (کوتوال) مقرر ہو گیا۔ خلیفہ معتضد اس کو اپنا راز دار اور امور سلطنت میں صلاح کار و مشیر بناتا تھا۔ مگر احمد بن الطیب کے مزاج میں ایک طرح کی حماقت، یا کچھ جذب پایا جاتا تھا۔ وہ بہ نسبت عقیل و فہیم ہونیکے

علم میں زیادہ ملکہ رکھتا تھا۔ اور اسی کم عقلی کے سبب وہ خلیفہ معتضد کے حکم سے قتل بھی ہؤا۔ بات یہ تھی کہ بلحاظ علم وفضل خلیفہ کو اُس کی بیحد خاطر منظور تھی۔ اُسے اپنا خاص نزدیکی اور مصاحب بنا رکھا تھا۔ ایکبار اُس سے کوئی اہم راز کہہ دیا۔ اُس راز کا تعلق ابا القاسم بن عبید اللہ۔ اور معتضد کے غلام خاص "بدر" کی ذات سے تھا۔ احمد بن الطیب نے وہ راز فاش کر دیا۔ خلیفہ نے اس جرم کی سزا یہ تجویز کی کہ احمد کو ابا القاسم اور بدر ہی کے حوالہ کر دیا۔ اور انہیں مختار بنایا کہ جو سزا اُسے دینا چاہیں دیں۔ ابو القاسم اور بدر نے احمد بن الطیب کا تمام مال ومنال ضبط کر لیا۔ اور اُس کو نہایت تاریک تہ خانے میں جو خونی اور واجب القتل قیدیوں کے لئے مخصوص تھا محبوس کر دیا۔

اِس امر کے کچھ دن بعد خلیفہ معتضد شہر آمد کی فتح کے لئے اُس پر حملہ آور ہوا۔ کیونکہ وہاں کا حاکم احمد بن عیسیٰ باغی ہو گیا تھا۔ اُس کی غیر حاضری میں تہ خانے کے قیدیوں میں سے ایک گروہ خوارج کا بھاگ نکلا۔ مگر معتضد کا نائب السلطنت اور افسر پولیس مؤنس خادم جو بڑا دلیر وشجاع سپہ سالار تھا مفرور قیدیوں کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہؤا اور اُس نے پھر انہیں قید کر لیا۔ احمد بن الطیب سرخسی کو قید سے نکل بھاگنے کا موقع تو مل گیا تھا۔ لیکن وہ بھاگا نہیں بلکہ بدستور تہ خانہ ہی میں پڑا رہا۔ اُس نے خیال کیا کہ اس طرح خلیفہ اُس کی وفاداری اور اطاعت پر مطلع ہو کر اُس کی خطا معاف کر دیگا۔ مگر اُس کا یہ گمان غلط نکلا اور معاملہ اُلٹا ہو گیا۔ خلیفہ کی سفر سے واپسی پر جب اُس کو قیدیوں کی حرکت کا علم ہوا تو اُس نے ابا القاسم کو حکم دیا کہ اُن میں سے واجب القتل لوگوں کی فہرست پیش کرے تاکہ اُن کی گردن مروا کر آئندہ کا خطرہ ہی مٹا دے۔ ابو القاسم نے جو فہرست پیش کی اُس میں احمد بن الطیب کا نام خلیفہ سے فہرست پر حکم قتل لے لینے کے بعد داخل کر دیا اور اُسے بھی قتل کر ڈالا۔ کچھ عرصہ بعد جب خلیفہ کو احمد بن الطیب کا خیال آیا۔ اور اُس نے دریافت کیا کہ اُس پر کیا گذری تو معلوم ہوا کہ وہ قتل ہو چکا ہے۔ ابا القاسم سے جواب طلب ہونے پر اُس نے مقتول مجرموں کی فہرست پیش کر دی۔ اُس کے اندر احمد کا نام موجود تھا۔ اور خلیفہ

کے دستخط منظور شدہ قتل کے بابت ہو چکے تھے اِس لئے مُعتضد کچھ کر نہ سکا اور خاموش ہوگیا یوں احمد بن الطیب سرخسی جیسا نامور مسلمان فیلسوف اور حکیم خود غرض درباریوں کی اغراض کا شکار اور راہی دار القرار ہوگیا۔

وہ ۲۸۳ھ میں گرفتار اور ماہ محرم ۲۸۶ھ میں قتل ہوا۔ اور تقریباً ستّر سال عمر پائی۔

تصانیف:۔ احمد بن الطیب سرخسی کی تصانیف متعدد علوم و فنون میں موجود ہیں۔ منطق۔ ریاضیات۔ فلسفہ۔ نجوم۔ تواریخ۔ سیر و نصائح ملوک۔ ہزل و ظرافت۔ تصوّف توحید یعنی علم عقائد۔ صرف و نحو۔ علم الفلک۔ حکمت طبیعیہ۔ مناظرہ و مباحثہ۔ اور فن طب۔ میں متعدد کتابیں بڑے پایہ کی لکھیں۔ فن طب کے متعلق اُسکی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ کتاب المدخل الی صناعۃ الطب۔ یہ ابتدائی کتاب اور تمام اُن ضروری مسائل پر حاوی ہے جو ایک مبتدی کو معلوم ہونے لازم ہیں۔ اس کتاب میں احمد بن الطیب نے حنین بن اسحٰق پر بہت سے اعتراض کئے اور اُس کے اقوال کو ردّ کیا ہے۔

(۲)۔ کتاب الطبیخ۔ اس میں ہر فصل و موسم اور سال کے تمام مہینوں کے لئے الگ الگ غذائیں اور اُن کی تیاری کی ترکیبیں از روئے قواعد طب درج کی ہیں۔ یہ کتاب خلیفہ معتضد کے لئے لکھی گئی۔

(۳)۔ ایک رسالہ ثابت بن قرّہ کے جواب میں ثابت بن قرّہ نے احمد بن الطیب سرخسی سے بہق و برص کے متعلق کچھ سوال کیا تھا۔ احمد نے اُسکے جواب میں یہ رسالہ لکھا۔

فن طب کے علاوہ اور علوم و فنون کی کتابوں کا مفصّل ذکر اس مختصر کے حسب حال نہیں۔ البتہ چند کا نام اور کچھ مختصر حال لکھ دینا مناسب ہے:۔

(۱)۔ کتاب اللّہو و الملاہی و نزہۃ الفکر الساہی۔ اس میں گانوں۔ گانے والوں۔ راگوں اور مصاحبت کے طریقوں کا بیان ہے۔ یہ کتاب اُس نے خلیفہ معتضد کی فرمائش سے لکھی تھی۔ جس وقت یہ کتاب تالیف کی اُس وقت خود بقول احمد کے اُس کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔

(۲)۔ کتاب المدخل۔ فن نجوم کا ابتدائی رسالہ۔ | (۳)۔ کتاب الموسیقی الصغیر۔ فن موسیقی کے بیان میں۔

(۴)۔ کتاب المسالک والممالک +

(۵)۔ کتاب المسائل علمی مسائل کے ذکر میں +

(۶)۔ کتاب فضائل بغداد۔ اس میں بغداد کی خوبیاں اور وہاں کے یادگار مقامات کا تذکرہ کیا ہے +

(۷)۔ رسالہ خضاب۔ اس میں متعدد اقسام کے عمدہ خضابات کے نسخے درج ہیں۔ وغیرہ وغیرہ +

(۱۵۹) احمد بن محمد بلدی (حکیم)

شیخ ابوالعباس احمد بن محمد بن یحییٰ۔ شہر "بلد" کا رہنے والا۔ فن طب کا واقفکار۔ خوبیٔ علاج اور دواسازی میں نامور۔ اور احمد بن ابی الاشعث کے جلیل القدر شاگردوں میں سب پر فائق تھا۔ کئی سال اُستاد کے ساتھ مطب کرتا۔ اور اُس سے پڑھتا رہا۔ اسکی تصانیف میں صرف ایک کتاب ہے جس کا نام ہے "کتاب حاملہ عورتوں۔ بچوں اور کمسن لڑکوں کی حفظ صحت اور اُن کے امراض لاحقہ کے علاج میں" اُس نے یہ کتاب ملک مصر کے خلیفہ عزیز باللہ کے وزیر ابی الفرج یعقوب بن یوسف معروف بہ ابن الکلس کے لئے تالیف کی تھی +

(۱۶۰) احمد اور عمر (حکیم)

یونس بن احمد الحرانی کے بیٹے تھے۔ بعہد امیر الناصر لدین اللہ اُموی اندلس سے مشرق کی طرف روانہ ہوئے۔ ورود مشرق کا زمانہ ۳۳۰ھ تھا۔ یہ پہلے بغداد پہنچے اور وہاں دس سال مقیم رہ کر علم و کمال حاصل کرتے رہے۔ ثابت بن سنان بن ثابت بن قرۃ صابی المذہب طبیب کی مجلس درس میں شریک ہوئے اور جالینوس کی سب کتابیں سبقاً سبقاً اُس سے پڑھیں۔ پھر امراض چشم کے علاج میں ابن وصیف کی خدمت کرتے رہے۔ اس کے بعد یہ دونو بھائی بعہد حکومت امیر مستنصر باللہ اموی ۳۵۱ھ میں اندلس واپس آئے۔ اور بادشاہ مذکور کی سرکار میں ان کا تعلق ہوگیا۔ مستنصر باللہ نے ان کو اپنا خاص طبیب مقرر کیا اور مدینۃ الزہراء کے پُر رونق شہر میں جو اُس نے اپنے لئے بنوایا تھا

اُن کو مقیم کیا۔ عمر بن یونس تو کچھ عرصہ بعد معدہ کی بیماری سے فوت ہوگیا۔ لیکن احمد بن یونس الحرانی۔ عرصہ تک مستنصر باللہ کی خدمت گذاری بڑی خوبی کے ساتھ کرتا رہا۔ احمد کی نیک مزاجی اور ذاتی خوبیوں کے باعث مستنصر باللہ اُس کو اپنا خاص الخاص معتمد سمجھنے لگا۔ حرم سراشاہی میں اُس کے جانے آنے کی پروانگی مل گئی۔ بڑے بڑے اہم ذاتی اور ملکی راز اس کے سینہ میں ودیعت رکھتا تھا۔ اور احمد بھی بڑی لیاقت و امانت کے ساتھ اپنے فرائض خدمت ادا کیا کرتا تھا۔

فنِ طب میں اس کی نظر اگرچہ مجتہدانہ نہ تھی پھر بھی مشرق سے جس قدر علاج کے عمدہ طریقے اُس نے اخذ کئے۔ اور جیسے علاجات وہاں دیکھے تھے اُن پر خود بھی پوری طرح قادر تھا۔ خاصکر امراض چشم کا علاج بہت اچھا کیا کرتا۔ خلیفہ مستنصر باللہ کو سخت پُرخوری کی عادت تھی۔ بارہا اُس کو تخمہ ہو جاتا۔ اور معدہ کبھی ٹھیک نہیں رہتا تھا۔ مگر احمد نے قوی اور تیز جوارشیں اور معجون اُس کے لئے تیار کر دئے تھے۔ جن کی وجہ سے وہ کئی دفعہ مرتے مرتے بچ گیا۔ اور صحت یاب ہوا۔ اِس لئے احمد کو انعام و اکرام سے مالامال ہونے کا موقع ملا۔

احمد بن یونس دوا سازی کا بھی ماہر تھا۔ اکثر مرکب دوائیں خود ہی تیار کیا کرتا اور مفرد ادویات کی اچھی شناخت رکھتا تھا۔ بارہ کمسن لڑکے ہمیشہ اُس کے پاس دوائیں بنانے کے کام میں مصروف رہتے۔ جو دوائیں خلیفہ کے واسطے تیار ہوتیں اُن کے لئے احمد نے خلیفہ سے اجازت لے لی تھی کہ غرباء کو مفت تقسیم کرے۔ وہ پڑوسیوں اور غریب لوگوں کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اور اُن کی ہر تکلیف میں مدد کرتا تھا۔ قرطبہ میں اُس کی بہت سی قابل ذکر یادگاریں پائی جاتی ہیں۔

خلیفہ ہشام بن المؤید کے عہد میں وہ شہر قرطبہ کا کمشنر پولیس بھی مقرر ہوگیا تھا۔ اور بازار کا نگراں بنایا گیا تھا۔ ہر شخص اُس کے اخلاق کا مداح تھا۔ اُس نے چوتھیہ بخار اور اسہال کے مرض میں وفات پائی۔ اور اپنے ترکہ میں جس قدر املاک چھوڑ گیا تھا۔ اُسکی قیمت کا اندازہ ایک لاکھ دینار لگایا گیا ہے۔

احمد بن یونس کج مج زبان تھا۔ بول نہیں سکتا تھا۔ خط بھی اُس کا بہت برا تھا۔ جب لکھتا تو ایسا کہ حروف کی تمیز مشکل ہوتی۔

(۱۶۱) ارثیاثیوس (حکیم)

بقراط سے متاخر اور جالینوس سے متقدم ہے۔ علم الادویہ کا ماہر تھا۔ اور اُن طبیبوں میں سے جو کہ "دوازدہ بروج" کہلاتے ہیں چوتھا نمبر اس حکیم کا تھا۔

(۱۶۲) ارسطو (حکیم)

معروف بہ ارسطاطالیس ۳۸۴ء قبل مسیح میں بمقام "ستاغیرا" علاقۂ تھریس پیدا ہوا۔ ارسطو کا باپ نقوماجس یا نیکوماخس "شاہ امنطس" کا طبیب تھا۔ امنطس شاہ "فیلپس" المعروف بہ فیلقوس کا باپ تھا اور اسکندر اعظم اسی فیلقوس کا بیٹا تھا۔ "نیکوماخس" کا نسب "حکیم اسقلیبیوس" سے ملتا تھا۔ ارسطو کی ماں "افسطیا" بھی اسی خاندان سے تھی۔ ارسطو نے عمر کے ابتدائی سات برس بخیر و خوبی پورے کر کے آٹھویں سال میں قدم رکھا تو باپ کو فرزند ارجمند کی تعلیم کا خیال ہوا اُس وقت ملک یونان اور اُس کے قرب و جوار میں شہر ایتھنز ہی ایک ایسا مقام تھا جہاں کہ بڑے بڑے کامل حکماء موجود تھے۔ اور اسی لحاظ سے اُس کا نام مدینۃ الحکماء (حکیموں کا شہر) مشہور ہو گیا تھا۔ نیکوماخس۔ ارسطو کو وہاں لایا۔ پہلے مختلف علماء کی خدمت میں بھیج کر صرف و نحو علم زباندانی۔ فصاحت و بلاغت اور نظم و نثر کی تعلیم دلائی۔ نو برس کے زمانہ میں ارسطو ان علوم و فنون میں طاق ہو گیا۔ اور اب فلسفہ و حکمت کا شوق اُسے حکیم افلاطون کی خدمت میں لے گیا۔ سترہ سال کی عمر سے وہ افلاطون کے حلقۂ درس میں شامل ہوا ذہن خداداد اور طبیعت رسا تھی۔ ہونہار دیکھ کر افلاطون نے اس کا خاص خیال کیا۔ باریک علمی مسائل میں کوئی تقریر کرتا تو ارسطو کو بلوا لیتا تھا۔ پورے بیس سال ارسطو حکیم افلاطون کی صحبت میں رہا۔ اور علم اخلاق۔ سیاست مدن۔ طبیعیات۔ الہیات۔

اور ریاضیات کی تحصیل اُس سے مکمل کی۔ افلاطون دوسری مرتبہ جزیرۂ سسلی کو گیا ہے تو "اکاڈیمی" میں اُس کی جگہ ارسطو مسند درس پر بیٹھا کرتا تھا۔ پھر جب افلاطون سسلی سے واپس آ گیا تو ارسطو "سوقیون" میں جا رہا اور وہاں اپنا مدرسہ کھول دیا۔ جو کہ حکمائے مشائین کی جانب منسوب ہے۔ افلاطون کی وفات کے بعد ارسطو کا تعلق "اترنوس" کے حاکم "ارمیاس" کی سرکار میں ہو گیا۔ "ارمیاس" غلام تھا اور ذاتی اوصاف کی وجہ سے مرتبۂ حکومت پر پہنچ گیا۔ ارسطو عرصہ تک اُس کے پاس رہا اور جب "ارمیاس" دنیا سے گذر گیا تو ارسطو "مدینۃ الحکما" یعنی شہر ایتھنز میں آ گیا۔ بعد ازاں شاہ "فیلبس" فرمانروائے مقدونیا نے اُس کو طلب کر کے اپنے ہونہار فرزند اسکندر اعظم کا اُستاد و اتالیق مقرر کیا اور ارسطو نے بڑی توجہ کے ساتھ اُسے فنون حکمت و سیاست میں ماہر بنایا۔ جس وقت اسکندر تخت سلطنت پر جلوس کر کے تسخیر عالم کے ارادہ سے ممالک مشرق پر حملہ آور ہوا اُس وقت ارسطو مقدونیا میں "قلستانس" نامی ایک لائق شاگرد کو اپنا خلیفہ بنا کر خود ایتھنز میں چلا آیا اور اپنے مقام سکونت "سوقیون" میں دس سال تک مقیم رہا۔ چونکہ یہ حکیم بتوں کی تعظیم و پرستش نہیں کرتا تھا۔ اس لئے ایک کاہن "اورومادن" نامی نے جس کو ارسطو سے کچھ عداوت تھی اہل ایتھنز میں اُس کے کفر اور بتوں کی پرستش سے منکر ہونے کا چرچا کیا۔ ارسطو حکیم سقراط کے حالات سے باخبر تھا۔ اُس نے پسند نہ کیا کہ جو معاملہ اُس کے ساتھ ہو چکا تھا وہی خود اُسے بھی پیش آئے لہذا وہ ایتھنز سے اپنے اصلی وطن خلقیدیقی کی طرف چلا گیا۔ ایتھنز کے لوگوں میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ اس حکیم کو ٹوکتے یا اُس سے بُری طرح پیش آتے۔ ارسطو اپنے وطن میں بقیہ عمر تک مقیم رہا اور وہیں ۶۸ برس کی عمر میں وفات پائی۔ وہ شہروں کی حکومت و سیاست میں اصلاح کرنے کا بڑا ماہر تھا۔ اپنے شہر کی آبادی و انتظام کا اُس نے وہ بندوبست کیا کہ پایدو شاید۔ وہاں کے واسطے قوانین وضع کئے۔ لوگوں سے با اخلاق پیش آنا۔ سب کے ساتھ احسان کرنا غریبوں۔ محتاجوں۔ اور یتیموں کی دستگیری غریب دوشیزہ لڑکیوں کی شادی کا سامان کر دینا۔ دوستوں کے ساتھ سلوک پیش آنا اور ہر موقع پر اُن کی مخلصانہ مدد کرنا یہ باتیں ایسی تھیں کہ ارسطو کو ہر دلعزیز اور محبوب خلائق بنا رہی تھیں شاہان ممالک اُس کی

توقیر و تکریم کرتے تھے۔ اُس کے لئے وظائف۔ تحائف۔ اور انعامات بھیجتے رہتے اور ارسطو اپنی آمدنی کا بڑا حصہ خلق کی رفاہ کے کاموں میں خرچ کر دیا کرتا۔ ارسطو کا احسان تمام ملک کے لئے عام تھا۔ یہاں تک کہ اہل ایتھنز نے متفق ہو کر ایک پتھر کے ستون پر ارسطو کی تعریف لکھی اور اُس کے احسانات کو درج کر کے اپنے اظہار امتنان کے طور پر شہر کے منظر عام میں وہ ستون ایک بلند برج پر نصب کر دیا۔ مگر اُنہی میں سے ایک آدمی "ایپاراوس" نامی قوم کی عام رائے کا مخالف ہوا تھا اُس نے موقع پا کر وہ پتھر اکھاڑ ڈالا اور اُسے برج پر سے گرا کر توڑ دیا۔ ایپاراوس کے اس فعل پر لوگ سخت برہم ہوئے اور انطیفیس نامی ایک شخص نے تو قابو پا کر اُسے قتل بھی کر دیا۔ اس کے بعد ایتھنز کا ایک اور باشندہ جس کا نام اسطفانوس تھا مع ایک گروہ کے اس بات پر آمادہ ہوا کہ ارسطو کی ویسی ہی یادگار قائم کرے جیسی کہ اس سے قبل قائم ہو چکی تھی چنانچہ اُس نے بھی ایک پتھر کی لاٹ پر وہی عبارت لکھی اور اُس کے ساتھ "ایپاراوس" کے مذموم فعل کا بھی ذکر کیا اور اُس پر تمام اہل ایتھنز کی طرف سے لعنت و ملامت کی بوچھاڑ تحریر کر کے اُسی سابقہ برج پر وہ پتھر نصب کر دیا۔ "استاغیرا" کے باشندے جو ارسطو کے ہموطن تھے اُس کی وفات کے بعد اُس کی ہڈیاں اپنے شہر میں لے گئے اور وہاں ارسطاطالیسی نام جگہ میں دفن کیں۔ ارسطو کا مقبرہ اُس کے اہل وطن کی زیارت گاہ بنا اور جب کوئی اہم معاملہ آ پڑتا تو استاغیرا کے مدبر اور سربرآوردہ لوگ وہیں مجلس مشورت منعقد کرتے کیونکہ اُن کا عقیدہ تھا کہ حکیم ارسطو کی قبر سے اُن کی عقلیں فیضیاب ہوتی ہیں اور اُن کو مفید رائے سوجھ جاتی ہے ۞

ارسطو کا شاگرد رشید اسکندر اعظم ایشیا پر حملہ آور ہوا اور اُس نے ملک ایران کو فتح کر لیا۔ تو وہاں کے معزز اور با اثر رؤسا کی نسبت اُسے کوئی رائے قائم کرنے میں تردد ہوا اگر انہیں قتل کرتا تھا۔ تو ویسے مدبر اور کاردان پھر ملنے مشکل تھے۔ اور زندہ رہنے دیتا تو خطرہ تھا کہ وہ سرکشی کر کے ملک پر قابض ہو جائیں گے۔ آخر سکندر نے ارسطو کو خط لکھا۔ اور تحریر کیا کہ آپ کی مشورت سے فائدہ اُٹھانے کا موقع نہ ملنا میرے لئے موجب افسوس ہے۔

کاش آپ میرا ساتھ نہ چھوڑتے"۔ ارسطو نے جواب میں تحریر کیا کہ ضعف پیری نے سفر کی دقتوں کا متحمل نہیں رکھا ہے۔ اس لئے ہمرکابی سے معذور ہوں۔ اگر آپ عزیز کو سرداران فارس سے خطرہ ہے تو بجائے اس کے کہ اُن کو تیر و شمشیر سے قتل کریں۔ اُنہیں شمشیر احسان سے مار ڈالئے۔ یعنی اُن کے ساتھ اتنا احسان کیجئے کہ وہ پھر آپ کے مخالف ہوتے ہوئے شرمائیں اور سرکشی کی حرکت سے باز آجائیں"۔ چنانچہ اسکندر نے اسی مشورہ پر عمل کیا اور روسائے ایران کو اپنا بندۂ احسان بنالیا ؂

ارسطو کے تلامذہ میں بڑے بڑے شہزادے اور عمائد ملک کے فرزند شامل تھے۔ اُن میں سے بعض نہایت قابل اور اپنے عالی مرتبہ اُستاد کے نام کو روشن کرنے والے گذرے۔ ارسطو کے ارشد تلامذہ یہ تھے۔ ثاوفرسطس۔ ادیوس۔ شاہ اسکندر اعظم۔ ارمینوس اور اسخولوس وغیرہ۔ یہ نہایت مشہور علماء اور سر برآوردہ فاضل تھے۔ اور اسی کے ساتھ عالی خاندان و شریف النسب بھی۔ ارسطو کے بعد اُس کا جانشین اور اُس کے علوم کا سچا وارث اور ذریعۂ اشاعت اُس کا خانہ زاد بھائی حکیم ثاوفرسطس ہُوا۔ وہ ارسطو کی مسند درس پر بیٹھ کر علوم فلسفہ و حکمت کی تعلیم و تدریس میں مصروف ہوا۔ ارمینوس اور اسخولوس دونو ثاوفرسطس کے دست و بازو تھے۔ ان لوگوں نے منطق و حکمت میں متعدد کتابیں تصنیف کیں اور اپنے اُستاد کا نام زندہ کیا ؂

ارسطو نے ایک خردسال بچہ نیقوماخس نامی اور ایک کم سن لڑکی اپنی یادگار چھوڑی۔ وہ بہت کچھ مال و دولت۔ زمین و جائداد۔ نوکر چاکر اور سامان خانہ داری اپنے ترکہ میں چھوڑ گیا تھا۔ دراز قامت۔ اور سفید رنگ تھا۔ ڈاڑھی گھنی اور خوبصورت تھی۔ آنکھیں سیاہ مگر کسی قدر چھوٹی تھیں۔ دہانہ تنگ تھا۔ اور سینہ کشادہ۔ اکیلا ہوتا تو نہایت تیزی کے ساتھ چلتا اور یاروں کے ہمراہ آہستہ خرام رہتا۔ مطالعہ اور بحث علم سے کوئی وقت خالی نہ چھوڑتا۔ دریا اور باغ کی سیر کا شائق اور خوش آوازی کا دلدادہ تھا۔ اہل ریاضت درویشوں سے ملنے کا بہت شوق رکھتا تھا۔ بحث و گفتگو میں انصاف کا پابند رہتا۔ اپنی غلطی کا مان لینا اُس کا پہلا اصول تھا۔ کھانے پینے اور دیگر نفسانی خواہشوں میں اعتدال کی حد سے آگے نہ بڑھتا تھا ؂

ارسطو کو موجودات عالم کی تحقیقات کا شوق تھا۔ اور شوق بھی معمولی نہیں بلکہ عشق کی حد تک۔ اُس نے علم فلسفہ و حکمت کے علاوہ علم ہیئت و ہندسہ میں بھی کمال حاصل کرکے نہایت مفید مسائل ایجاد کیئے اور ہمیشہ تحقیقات جدیدہ میں منہمک رہا۔ اُس نے اپنے پیشرو ہیئت دانوں کی تمام کتابیں جمع کرکے پہلے اُن کا باہمی مقابلہ کیا اور پھر ذاتی دریافتوں کا اُن پر اضافہ کرکے بڑی حد تک یہ علم تکمیل کو پہنچا دیا۔ ارسطو یونان کے ہیئت دانوں میں پہلا شخص ہے جس نے ایک گرہن کا معاینہ کیا جو کہ مریخ میں چاند کے ذریعہ سے لگا تھا۔

ارسطو کا سب سے اچھا کام علوم طبعیہ کے متعلق حیوانات کی تحقیقات تھی سکندر اعظم کی اُستادی اس بارہ میں اُس کے لیئے بہت کارآمد ثابت ہوئی۔ اُس نے مغرب و مشرق کے ممالک سے مختلف حیوانات منگوا کر جمع کئے۔ اُن کی جسمانی بناوٹ طبعی خاصیت رنگ و جسامت اور تمام ظاہری باتوں کا بخوبی معاینہ کیا۔ اُن کی جماعت بندی کی۔ اور ہر جماعت کے خاص نشانات کو دوسری جماعت کے نشانات سے ممتاز بنایا۔ اور آج تک اُسی کی تحقیقات تمام یورپ میں رائج ہے بہت کم کوئی تغیر اُس میں کیا گیا ہے۔ ارسطو کو علم حیوانات کا موجد کہنا حق بجانب ہوگا۔ اور اُسی کی تحقیقات کا نتیجہ ہے کہ دُنیا پر حیوانات و نباتات کے مقام انفصال پر اس طرح سے حیوان و نبات کا بھی علم ہوا جن میں کچھ خواص نباتاتی اور بعض خاصیتیں حیوانی پائی جاتی ہیں۔ اور یہ قسم برزخ یعنی ہر دو اجناس کے مابین حدِ فاصل قرار پائی۔

نباتات کے متعلق ارسطو نے یہ دریافت کیا کہ اُس کی زندگی بہ نسبت جنس حیوانات کی زندگی کے بہت کچھ سادہ ہے۔ مثلاً حیوان کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے تو وہ جسم سے الگ ہوتے ہی بے جان ہو جاتا ہے۔ لیکن نباتات میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر الگ نصب کر دیا جائے تو وہ جڑ پکڑ کر پھر درخت بن جاتا ہے۔ یہ بات صاف طور پر بتا رہی ہے کہ نباتات کے اجزائے حیات قطعاً سادہ ہیں اور خواہ اُس کے جسم کو کتنا ہی کاٹا جائے لیکن اُن کے ہر ٹکڑے میں زندگی کا پورا اثر موجود رہتا ہے اور قیام و بقائے کے

وسائل پاتے ہی پھر ہرا ہو جاتا ہے۔ حیوان کا سر کاٹ دو یا کوئی اور نازک عضو تباہ کر ڈالو تو وہ مُردہ ہو جاتا ہے۔ لیکن نباتات کی عام طور پر یہ حالت نہیں۔ گو بعض نباتات ایسے بھی ہیں۔ تاہم زیادہ تعداد اس قسم کے پودوں کی ہے جن کی سر تراشی اُنہیں کچھ مضرت نہیں پہنچاتی ❊

ارسطو نے اپنی تحقیقات کے مفید نتائج اپنی کتاب تاریخ طبیعی میں درج کیے ہیں اور وُہی کتاب اس علم کی بنیاد ہے۔ بعد میں آنے والوں نے اُسی کے خرمن سے خوشہ چینی کی اور اُن پر فروعی معلومات و اکتشافات کا اضافہ کیا۔ ورنہ اُصول وہی ہیں جو ارسطو نے قرار دئے تھے ❊

تصانیف :۔ ارسطاطالیس کی تصنیف کردہ کتابوں میں سے مشہور کتابیں حسب ذیل ہیں ان کا ذکر بطلیموس نے کیا ہے :۔

(۱)۔ کتاب ترغیب تحصیل فلسفہ تین مقالے ❊

(۲)۔ کتاب سوفسطس ایک مقالہ ❊

(۳)۔ کتاب فن ریطوری میں تین مقالے ❊

(۴)۔ کتاب العدل چار مقالے ❊

(۵)۔ کتاب الریاضتہ والادب۔ اس میں اُن ریاضتوں اور اخلاق کا بیان کیا ہے جو نفس انسانی کی اصلاح کرتے ہیں۔ اور اس میں چار مقالے ہیں ❊

(۶)۔ کتاب جنس کے شرف میں اسکے پانچ مقالے ہیں ❊

(۷)۔ کتاب شعراء کے بیان میں۔ تین مقالے ❊

(۸)۔ کتاب بیان مذاہب۔ چھ مقالے ❊

(۹)۔ کتاب در ذکر خیر و نیکی۔ پانچ مقالے ❊

(۱۰)۔ کتاب ارخوطس۔ تین مقالے ❊

(۱۱)۔ کتاب الخطوط۔ اس میں بیان کیا ہے کہ آیا خطوط کی تقسیم ہوتی ہے یا نہیں۔ اس کے تین مقالے ہیں ❊

(۱۲)۔ کتاب در توصیف عدل چار مقالے ❊

(۱۳)۔ کتاب در بیان تباین و اختلاف۔ چار مقالے ❊

(۱۴)۔ کتاب العشق۔ تین مقالے ❊

(۱۵)۔ کتاب الصّور۔ اس میں بیان ہے کہ صورتوں کا کوئی وجود بھی ہے یا نہیں اس میں تین مقالے ہیں ❊

(۱۶)۔ کتاب اختصار قول افلاطن۔ یہ دو مقالوں پر شامل ہے ❊

(۱۷)۔ کتاب اختصار اقوال افلاطون در باب

سیاست مُدن۔ اس میں پانچ مقالے ہیں
افلاطون نے اپنی کتاب السیاستہ میں
لذت کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اُس کا
خلاصہ ارسطاطالیس نے ایک کتاب
میں کردیا ہے۔ اسکے دو مقالات ہیں٭

(۱۸)۔کتاب دربیان لذت دو مقالے٭

(۱۹)۔کتاب دربیان حرکات آٹھ مقالوں میں٭

(۲۰)۔کتاب دربیان روح دو مقالات میں٭

(۲۱)۔کتاب مسائل حیلیہ کے بیان میں۔
دو مقالات پر مشتمل ہے٭

(۲۲)۔کتاب دربیان فن شعر باعتبار مذہب
فیثاغورث۔ دو مقالے٭

(۲۳)۔کتاب دربیان روح تین مقالے٭

(۲۴)۔کتاب دربیان مسائل۔ تین مقالات٭

(۲۵)۔کتاب دربیان دریائے نیل واقع مصر۔
تین مقالات٭

(۲۶)۔کتاب حیوانات کی بلوں اور گھونسلوں
کے بیان میں۔ ایک مقالہ٭

(۲۷)۔کتاب جوامع الصناعات ایک مقالہ٭

(۲۸)۔کتاب المحبتہ تین مقالات٭

(۲۹)۔کتاب قاطیغوریاس ایک مقالہ٭

(۳۰)۔کتاب باریمینیاس ایک مقالہ٭

(۳۱)۔کتاب طوبیقا آٹھ مقالات٭

(۳۲)۔کتاب انالوطیقا یعنی قیاس دو مقالوں میں٭

(۳۳)۔کتاب انوقطیقا یعنی برہان ۲ مقالے٭

(۳۴)۔کتاب سوفسطائیہ ایک مقالہ٭

(۳۵)۔کتاب مقالات الکبار دربیان اخلاق
دو مقالے٭

(۳۶)۔کتاب المقالات الصغار دربارۂ اخلاق
آٹھ مقالے۔ یہ کتاب ارسطو نے اوذمیس
کو لکھی تھی٭

(۳۷)۔کتاب دربیان تدبیر مُدن آٹھ مقالے٭

(۳۸)۔کتاب فن شعر دو مقالے٭

(۳۹)۔کتاب دربیان فن ریطوریقی تین مقالات٭

(۴۰)۔کتاب دربیان سمع الکیان آٹھ مقالات٭

(۴۱)۔کتاب السماء والعالم چار مقالے٭

(۴۲)۔کتاب الکون والفساد دو مقالے٭

(۴۳)۔کتاب الآثار العلویہ چار مقالے٭

(۴۴)۔کتاب دربیان نفس تین مقالات٭

(۴۵)۔کتاب الحس والمحسوس ایک مقالہ٭

(۴۶)۔کتاب الذکر والنوم ایک مقالہ٭

(۴۷)۔کتاب حرکتہ حیوانات اور اُن کی تشریح
کے بیان میں سات مقالے٭

(۴۸)۔کتاب طبائع الحیوان دس مقالے٭

(۴۹)۔کتاب اُن اعضاء کے بیان میں
جن کے اندر حیات ہے۔ چار مقالے٭

(۵۰)۔ کتاب دربیان تکوین حیوان پانچ مقالے ٭
(۵۱)۔ کتاب ان حیوانات کی حرکت کے بیان
میں جو زمین پر موجود ہیں ایک مقالہ ٭
(۵۲)۔ کتاب درازی و کمی عمر کے بیان میں ایک مقالہ ٭
(۵۳)۔ کتاب الحیات والموت ایک مقالہ ٭
(۵۴)۔ کتاب دربیان نباتات دو مقالوں میں ٭
(۵۵)۔ کتاب مابعد الطبیعۃ ۱۳ مقالات ہیں ٭
(۵۶)۔ کتاب درباب مسائل ہیولانیہ ایک مقالہ ٭
(۵۷)۔ کتاب مسائل طبیعیہ چار مقالے ٭
(۵۸)۔ کتاب القسم ۲۶ مقالے۔ اس کتاب
میں زمانہ۔ نفس۔ اور خواہشات کے
اقسام امر فاعل منفعل فعل اور محبت
کی قسمیں۔ حیوانات کی نوعیں۔ خیر و شر
اور حرکات کے معاملات۔ اور انواع
موجودات۔ کا ذکر ہے ٭
(۵۹)۔ کتاب دربیان قسیم فلاطن چھ مقالے ٭
(۶۰)۔ کتاب فی قسمۃ الشروط التی تشترط
فی القول و توضع ثلاث مقالات ٭
(۶۱)۔ کتاب مناقضہ۔ اس میں اس شخص
کا قول رد کیا ہے جو کہ نقض قول سے
مقدمات نقیض کے اخذ کئے جانیکا
قائل ہو۔ اس میں ۳۴ مقالات ہیں ٭
(۶۲)۔ کتاب الیطاسس۔ دربارۂ نفی۔ اس کے
۱۳ مقالے ہیں ٭
(۶۳)۔ کتاب الموضوعات ۳۴ مقالے ٭
(۶۴)۔ کتاب موضوعات عشقیہ ایک مقالہ ٭
(۶۵)۔ کتاب الحدود سولہ مقالے ٭
(۶۶)۔ کتاب اشیاء تحدیدیہ چار مقالات ٭
(۶۷)۔ کتاب طوبیقا کی تحدید میں تین مقالے ٭
(۶۸)۔ کتاب اُن موضوعات کے بیان میں
جن سے تحدید کی تقویم ہوتی ہے دو مقالے ٭
(۶۹)۔ کتاب المسائل ۶۸ مقالات ٭
(۷۰)۔ کتاب مقدمات المسائل تین مقالات ٭
(۷۱)۔ کتاب اُن مسائل دوریہ کے بیان میں
جن کو طلبہ استعمال کرتے ہیں چار مقالات ٭
(۷۲)۔ کتاب الوصایا چار مقالات ٭
(۷۳)۔ کتاب التذکرات دو مقالے ٭
(۷۴)۔ کتاب الطب پانچ مقالے ٭
(۷۵)۔ کتاب تدبیر غذا ایک مقالہ ٭
(۷۶)۔ کتاب زراعت دس مقالے ٭
(۷۷)۔ کتاب الرطوبات ایک مقالہ ٭
(۷۸)۔ کتاب النبض ایک مقالہ ٭
(۷۹)۔ کتاب امراض عامہ تین مقالے ٭
(۸۰)۔ کتاب الآثار العلویہ دو مقالے ٭
(۸۱)۔ کتاب التناسل۔ اس میں جنس حیوان
کے تناسل کا بیان کیا ہے دو مقالے ٭

(۸۲)۔کتاب دوم اس میں بھی تناسل حیوانات کا ذکر ہے دو مقالے ۔

(۸۳)۔کتاب المقدمات ۳۲ مقالے ۔

(۸۴)۔کتاب المقدمات دیگر سات مقالے ۔

(۸۵)۔کتاب سیاستہ المدن وتعداد اقوام۔ اس میں ارسطو نے ۱۷۱ بڑے شہروں کا ذکر کیا ہے ۔

(۸۶)۔کتاب متعدد تذکرات کے بیان میں ۵ مقالے ایسی ہی ایک اور کتاب ایک مقالہ میں ۔

(۸۷)۔کتاب المناقضات ایک مقالہ ۔

(۸۸)۔کتاب دربیان مضاف ایک مقالہ ۔

(۸۹)۔کتاب الزمان ایک مقالہ ۔

ارسطاطالیس کی وہ کتابیں جو ابلیقفون کے کتب خانہ میں دستیاب ہوئیں کئی مقالات پر مشتمل ہیں۔ اوران کے ماسوا بہت سی دیگر ادبی۔ علمی۔ اخلاقی۔ اور مفید علوم وفنون پر بڑی چھوٹی کتابیں ارسطو کی تصانیف سے میری نظر سے گذرے ہیں۔ جن میں حسب ذیل طبی رسائل اور کتابیں قابل ذکر ہیں :-

(۱)۔کتاب معانی الملیحہ فی الطب ۔

(۲)۔کتاب نوجوانی وپیری ۔

(۳)۔کتاب صحت وعلالت ۔

(۴)۔کتاب الباہ ۔

(۵)۔کتاب اس میں اس ہڈی کا بیان ہے، جو الگ نہیں ہوتی ۔

(۶)۔کتاب پتھروں کی تعریفات اور اُن کے فوائد کے بیان میں ۔

(۷)۔کتاب دربیان نفث الدم ۔

(۸)۔کتاب المعادن ۔

(۹)۔حیوانات غیر ناطق کی تعریف اور اُن کے فوائد ونقصانات کے بیان پر ایک ضخیم کتاب ۔

(۱۰)۔ایک رسالہ خاصیات عالم کے ذکر میں۔ یہ اسکندریہ کو لکھ کر بھیجا تھا ۔

(۱۱)۔کتاب المسائل الطبیعیہ ۔

(۱۲)۔اور کتاب اسرار النجوم ۔

(۱۶۳) ارسیطراطس دوم (حکیم)

اُس فاصل زمانہ میں جو بقراط وجالینوس کے مابین گزرا یونان میں یہ طبیب قیاس وتشخیص مرض میں بے مثل مانا گیا تھا۔ اور اسی وجہ سے "قیاسی" کے لقب سے ملقب ہوا ۔

(۱۶۴) ارشیجانس (حکیم)

اِس طبیب کا ظہور بقراط کے بعد اور جالینوس سے پہلے یعنی اُن کے مابین فاصل زمانہ میں ہوا۔ اس کی متعدد کتابیں فن طب میں پائی جاتی ہیں۔ جو عربی زبان میں ترجمہ ہو جانے کی وجہ سے محفوظ رہیں۔ اُن کے نام یہ ہیں :-

(۱)۔ کتاب اسقام الارحام وعلاجہا۔ اس میں رحم کی بیماریوں اور اُن کے علاج کی تشریح کی ہے۔

(۲)۔ کتاب طبیعۃ الانسان۔ | (۳)۔ اور کتاب النقرس۔

(۱۶۵) اِسحٰق بن ابراہیم بن نسطاس (حکیم)

ابو یعقوب اسحٰق بن ابراہیم بن نسطاس بن جریح۔ مذہبًا عیسائی اور باپ ہی کی طرح فاضل طبیب تھا۔ حاکم بامر اللہ خلیفۂ مصر کا طبیب خاص اور معتمد علیہ معالج رہا۔ اسحٰق نے شہر قاہرہ میں خلیفہ حاکم بامر اللہ کے روبرو ہی وفات پائی۔ اور اس کے بعد علی بن رضوان مصری نامور طبیب دربار خلافت علویہ کا طبیب خاص اور سرآمد اطبائے مصر مقرر ہوا۔

(۱۶۶) اِسحٰق بن حُنین (حکیم)

ابو اسحٰق کنیت۔ اسحٰق نام۔ حُنین بن اسحٰق عبادی کا بیٹا۔ ترجمہ کرنے اور بہت سی زبانوں کے بخوبی جاننے میں باپ کا ہم پلہ تھا۔ یہی نہیں کہ وہ معمولی طور پر مختلف زبانیں جانتا تھا بلکہ اُن میں نہایت فصاحت سے بولتا اور لکھتا بھی تھا۔ اُس نے طب کی کتابیں بہت کم ترجمہ کیں۔ ہاں حکیم ارسطو کی فن حکمت کی کتابیں کثرت سے عربی زبان میں ترجمہ کی تھیں اور پھر عربی ہی میں ان کی عمدہ شرح بھی لکھی تھی۔

جن خلفاء اور رئیسوں کی خدمت حُنین نے کی تھی۔ اسحٰق بن حنین بھی اُنہی کی خدمت میں مصروف رہا۔ قاسم بن عبید اللہ کی سرکار سے اُس کا خاص تعلق۔ اور وہ اُس کا محرم راز مصاحب تھا۔ اسحٰق کے مزاج میں مصاحبت کی قابلیت یعنی ظرافت

وبذلہ سنجی کا جز بہت غالب تھا۔ اُس کے بکثرت لطیفے مشہور ہیں۔ وہ شاعر بھی تھا۔ قاسم بن عبیداللہ خلیفہ معتضد باللہ کا وزیر اعظم تھا۔

اخیر عمر میں فالج کے مرض میں مبتلا ہُوا اور اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکا۔ اُسکی وفات بغداد میں ہوئی۔ تاریخ وفات ۱اہ ربیع الآخر ۲۹۸ھ ہے۔ اُس کا قول ہے کہ "تھوڑی شراب روح کی دوست صادق۔ اور بہت سی شراب جسم کی دشمن ہے"۔

تصانیف وغیرہ:- اسحٰق بن حُنین کی تصنیف و تالیف میں سے چند کتابیں یہ ہیں:-

(۱)۔ کتاب الادویۃ المفردہ۔
(۲)۔ کتاب ایک عمدہ قرابادین جس کا نام "کناش الخف" ہے۔
(۳)۔ کتاب جس میں فن طب کی ابتداء کا حال اور ایک جماعت حکماء و اطباء کے نام درج کئے ہیں۔
(۴)۔ کتاب اُن دواؤں کے بیان میں جو ہر جگہ موجود ملتی ہیں۔
(۵)۔ کتاب اصلاح ادویۂ مسہلہ۔
(۶)۔ اختصار کتاب اقلیدس۔
(۷)۔ کتاب المقولات۔
(۸)۔ کتاب ایساغوجی یہ فن منطق کا ابتدائی رسالہ ہے۔
(۹)۔ اصلاح جوامع اسکندرانیین الخ۔ اس میں بقراط کی کتاب الفصول پر جالینوس کی شرح میں اہل اسکندریہ نے حاشئے چڑھاتے ہوئے جو غلطیاں کی تھیں اسحٰق نے اُن کی درستی کی ہے۔
(۱۰)۔ ایک مقالہ ایسی چیزوں کے بیان میں جو تندرستی اور حافظہ کے لئے مفید ہیں اور نسیان کو دور کرتی ہیں۔
(۱۱)۔ یہ کتاب عبداللہ بن شمعون کیواسطے لکھی تھی۔
(۱۲)۔ کتاب مفرد دواؤں کے بیان میں۔
(۱۳)۔ کتاب فن علاج بذریعۂ آہن کا مختصر۔
(۱۴)۔ کتاب آداب الفلاسفہ اور انکی عجیب حکایتیں۔
(۱۵)۔ مقالہ در بیان توحید الٰہی۔

(۱۶۷) اسحٰق بن سلیمان اسرائیلی (حکیم)

فاضل طبیب اور اعلےٰ درجہ کا خوش بیان و عالم تھا۔ حذاقت میں بڑا نام پایا۔ تصانیف میں اس کا پایہ بہت بلند ہے۔ اور بڑا صاحب ہمت تھا۔ اس کی کنیت ابو یعقوب ہے۔

اور مشہور نام "الاسرائیلی" اصل میں ملک مصر کا رہنے والا۔ اور ابتدا میں کحّال تھا۔ بعد ازاں قیروان کو چلا گیا اور وہاں سکونت اختیار کر کے اسحٰق بن عمران کی شاگردی سے فیض اٹھایا۔ افریقہ کے فرمانروا "امام ابو محمد عبید اللہ المہدی" کا طبیب خاص رہا۔ اسحٰق بن سلیمان محض فن طب ہی میں فاضل نہ تھا۔ بلکہ منطق اور کئی دیگر علوم کا بھی اچھا ماہر تھا۔ اُس نے بہت طویل عمر پائی۔ ایک سو سال سے بھی زیادہ زندہ رہا۔ مگر مجردانہ زندگی بسر کی نہ شادی کی۔ اور نہ کوئی اولاد ہوئی۔ ایک بار کسی نے اُس سے دریافت بھی کیا کہ "اسحٰق! کیا تم کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے کوئی بیٹا ہوتا"۔ اسحٰق نے جواب دیا "اپنی کتاب الحمیات" کے ہوتے ہوئے مجھے اس کی کچھ پروا نہیں ہے"۔ یعنی اگر اولاد سے نام چلنے کی غرض مدنظر ہو تو میری کتاب الحمیات اس بارہ میں کافی ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اُس نے کہا "میری چار کتابیں اولاد سے بڑھ کر بقائے نام کی موجب ہیں":۔

(۱)۔ کتاب الحمیات ۔
(۲)۔ کتاب الاغذیہ والادویہ ۔
(۳)۔ کتاب البول ۔
(۴)۔ اور کتاب الاسطقسات ۔

اسحٰق اسرائیلی نے ۳۲۰ھ کے قریب میں وفات پائی۔ وہ کہتا تھا کہ مصر سے اُس کو زیادۃ اللہ بن الاغلب نے بلوایا تھا۔ لیکن جب وہ زیادۃ اللہ کے دربار میں پہنچا تو اُس کو لہو و لعب اور مزاح و دل لگی کا دلدادہ پا کر اُس کی خدمت سے نافر ہو گیا۔ پھر جب خلفائے مہدیین کے جدامجد امام ابو محمد عبید اللہ المہدی کی دعوت کا اظہار ہوا اور اُس کا زور بڑھا تو میرا تعلق اُس کی سرکار سے ہو گیا۔ اور میں امام کے داعی اور نقیب ابو عبد اللہ سپہ سالار اعظم کی خدمت میں رہنے لگا۔ اس سپہ سالار کی حالت اور تھی۔ اس کے دربار میں تفریح اور ظرافت کا کہیں نام بھی نہ تھا۔ ہر بات متانت کا پہلو لئے ہوئے تھی اس لئے یہاں میری خوب گذری ۔

اسرائیلی کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔

(۱)۔ کتاب الحمیات۔ اس کے پانچ مقالے ہیں اور اپنی نوعیت و موضوع پر یہ سب کتابوں میں خاص امتیاز رکھتی ہے ۔
(۲)۔ کتاب الادویہ المفردہ والاغذیہ ۔

(۳)۔ کتاب البول
(۴)۔ کتاب البول کا اختصار
(۵)۔ کتاب الاسطقسات
(۶)۔ کتاب الحدود والرسوم
(۷)۔ کتاب بستان الحکمۃ
(۸)۔ کتاب المدخل الی المنطق
(۹)۔ کتاب المدخل الی صناعۃ الطب
(۱۰)۔ کتاب النبض
(۱۱)۔ کتاب التریاق
(۱۲)۔ کتاب الحکمۃ۔ اسکے گیارہ ابواب ہیں

(۱۶۸) اسحٰق بن شلیطا (حکیم)

بغداد کا ایک ہوشیار طبیب اور اس پیشہ میں اچھا دخل رکھتا تھا۔ رفتہ رفتہ شہرت و ترقی کرتا ہوا خلیفہ مطیع للہ کی خدمت تک پہنچا اور اس کا خاص معالج مقرر ہوگیا۔ اس نے باقی ایام زندگی خلافت کے دربار ہی میں بسر کئے۔ اور اپنے ولی نعمت خلیفہ مطیع للہ کے سامنے ہی دنیا سے چل بسا۔ اسحٰق خلیفہ مطیع للہ کے لئے انتظام حفظ صحت کرنے میں ثابت بن سنان بن ثابت بن قرہ حرانی کے ساتھ مل کر کام کیا کرتا تھا۔ اس کی وفات کے بعد ابو الحسین عمر بن عبد اللہ الدخلی۔ اس کا جانشین قرار پایا۔

(۱۶۹) اسحٰق بن علی الرہاوی (حکیم)

ممتاز طبیب۔ جالینوس کے کلام کا عالم۔ اور فن طبابت میں یدطولیٰ رکھتا تھا اُسکے طبی کارنامے نہایت قابل قدر ہیں۔ اس کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ کتاب ادب الطبیب
(۲)۔ بیاض مطب جس کو جالینوس کے دس مقالات موسومہ المیامیر سے منتخب کیا ہے۔ اس کتاب میں سر سے لیکر قدم تک ہر عضو کے امراض کی ترتیب وار دوائیں لکھی ہیں
(۳)۔ جالینوس کی کتب جمع کردۂ اہل اسکندریہ سے چُنے ہوئے مسائل کا مجموعہ یہ جالینوس کی کتب الفرق۔ الصناعۃ الصغیرۃ۔ النبض الصغیرۃ۔ اور کتاب اغلوقن کے اہم مسائل کا مجموعہ ہے۔ اور اسحٰق بن علی نے ان مسائل کی ترتیب الگ الگ فصول و ابواب میں

بطریق حروف تہجّی کی ہے۔

(۱۷۰) اسحٰق بن عمران (حکیم)

مشہور طبیب اور عالم "سّم ساعت" کے نام سے معروف، اور اصل میں بغداد کا رہنے والا تھا۔ زیادۃ اللہ بن الاغلب خاندان "بنی اغلب" کے عہد حکومت میں ملک افریقہ میں گیا۔ بادشاہ مذکور ہی نے اس کو بلوایا تھا۔ اور اس سے تین شرطیں کی تھیں لیکن پوری ایک بھی نہ کی۔ صرف سواری اور ہزار دینار سفر خرچ کے تو دئے۔ اور یہ اقرار کہ وہ جب اپنے وطن واپس جانا چاہیگا جا سکیگا پورا نہ کیا۔ اگرچہ یوں سلطان کی وعدہ خلافی سے ابن عمران افریقہ میں رہنے کا پابند ہوگیا۔ لیکن اس کا یہ قیام ایک طرح ملک کے حق میں بیحد مفید نکلا۔ اس کے مغرب میں جانے سے قبل وہاں کوئی طبیب نہ تھا۔ اور نہ فلسفۂ قدماء کا کوئی مدرس وہاں پایا جاتا تھا۔ اسحٰق بن عمران کی ذات سے اہل مغرب کو یہ فیض پہنچا کہ اس کے شاگردوں نے اس ملک میں طب و فلسفہ کو خوب ترقی دی۔

اسحٰق بن عمران مرکّب دواؤں کی ترتیب ساخت اور امراض کی شناخت میں وہ ملکہ رکھتا تھا کہ شائد فن طب کے اماموں کے سوا اور کسی کو حاصل نہ ہوا ہوگا۔ وہ صاحب تصنیف و تالیف بھی تھا۔ ذہین و طبّاع بلا کا تھا۔ اس نے "قیروان" میں جو افریقہ کا خوب پررونق شہر اور مسلمان سلاطین "بنی الاغلب" کا پایۂ تخت تھا قیام اختیار کیا۔ اور چند روز وہاں سکونت رکھی۔ اس کی تصانیف میں کتاب "نزہۃ النفس" اور "مرض مالیخولیا" میں ایک نہایت بےمثل کتاب "فصد" اور "نبض" کے بارہ میں اچھی کتابیں۔ اور کئی قابل قدر کتب ہیں۔ "زیادہ اللہ بن الاغلب" سے بوجہ وعدہ خلافی اس کی بنتی نہ تھی۔ اور ہمیشہ مخالفت ہی رہتی۔ انجام یہ ہوا کہ "زیادۃ اللہ" نے اسحٰق بن عمران کو قتل کر دیا اور اسے دار پر کھینچا۔

اسحٰق بن عمران "زیادۃ اللہ" کو اکثر نقصان دینے والی غذاؤں سے پرہیز کرنے کی ہدایت کیا کرتا تھا۔ اور "زیادۃ اللہ" نے "اسپین" کے ملک سے ایک نیم حکیم یہودی طبیب کو

بلوا کر اپنا بہت منہ لگا بنا لیا تھا۔ وہ اسحٰق بن عمران کی مخالفت کے خلاف کہا کرتا اور زیادۃ اللہ کو اُسی چیز کے کھانے کی رائے دیتا جس سے اسحٰق منع کر چکا تھا۔ آخرش ایک دن زیادۃ اللہ نے خشک دہی جس کا پانی بالکل نکال دیا گیا تھا اور جسے پنیر مایہ بھی کہتے ہیں۔ کھانا چاہا اسحٰق نے منع کیا اور یہودی نے کہا کوئی ہرج نہیں آپ کھائیں۔ زیادۃ اللہ نے خوب کھایا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اُس کو دمہ کا دورہ ہوا کیونکہ اس مرض کی اُس کو شکایت رہتی تھی۔ یہ حالت ہوگئی کہ سانس بالکل اُکھڑ گئی اور جان کندنی کا سا عالم طاری تھا۔ یہودی طبیب کے بنائے تو کچھ بن نہ آیا۔ زیادۃ اللہ کی حالت سخت غیر تھی۔ آخر اسحٰق سے حال کہا گیا۔ اُس نے جواب دیا "جاؤ میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں۔ میں منع کرتا تھا اُس وقت کیوں نہ مانا۔ جس نے کھانے کی اجازت دی وہی علاج بھی کریگا" لیکن ارکان دولت اصرار کرنے لگے۔ اور بہت کچھ زر نقد دینے پر آمادہ ہوئے۔ آخرش ایک ہزار مثقال زر سرخ (ایک من ۲۶ ثار ۲۰ تولہ۔ سونا) لیکر اسحٰق نے زیادۃ اللہ کا علاج کیا۔ اُس نے بہت سی برف منگا کر زیادۃ اللہ کو خوب کھلائی اور پھر قے کرائی۔ اس ترکیب سے تمام دہی جو برف کی ٹھنڈک پاکر بستہ ہوگیا تھا باہر نکل آیا۔ اس وقت اسحٰق نے کہا کہ اگر یہ دہی امیر کے پھیپھڑوں کی نالیوں میں جا پہنچتا تو کوئی علاج کارگر نہ ہوتا۔ لیکن میں نے قبل از وقت اُسے نکال دیا۔

اگرچہ اسحٰق کا یہ علاج نہایت قدردانی کے قابل تھا۔ لیکن بد طینت زیادۃ اللہ نے اس کے صلہ میں اُس کی تنخواہ بند کردی۔ اور سرکاری ملازمت سے برطرف کردیا۔ اسحٰق نے اس بات کا کوئی غم نہ کیا۔ وہ اپنا مطب خود کھول بیٹھا۔ فی نسخہ ایک اشرفی لیا کرتا اور خلق اُس کے پاس جوق جوق آتی تھی۔ زیادۃ اللہ کو اس بات کی خبر ہوئی۔ اور اسحٰق کے دشمنوں نے اُس کے کان بھرے کہ "امیر نے اسحٰق کو دربار سے نکال کر اور زیادہ دولتمند بن سکنے کا موقع دے دیا۔ اب تو اُس کی آمدنی سلطنت کی مقرر کردہ تنخواہ سے بدرجہا زائد ہے"۔ چنانچہ زیادۃ اللہ نے اسحٰق کے قید کئے جانے کا حکم دیا اور پھر ایک دن اُس کو اپنے روبرو بلوا کر اُس سے کچھ گفتگو کی۔ اسحٰق نے زیادۃ اللہ کو سخت جوابات دئے

اور بہت حقارت کے ساتھ اُس کو ملامت کی۔ ظالم زیادۃ اللہ اِس بات سے اتنا برہم ہوا کہ اُس نے اُس قابل حکیم کے دونو ہاتھوں کی فصد کھلوا دی اور یوں اُس کے تمام جسم کا خون نکلوا کر اُسے قتل کر دیا۔ جب وہ فاضل طبیب او فیلسوف جاں بحق ہو گیا تو زیادۃ اللہ نے اُس کی لاش کھوا پر کھینچنے کا حکم دیا اور وہ لاش عرصہ تک بر سر دار کھنچی رہی۔ یہاں تک کہ بالکل خشک ہو گئی اور اُس کے پیٹ میں چڑیوں نے اپنا گھونسلا بنایا ۔

جس روز اسحٰق کو زیادۃ اللہ نے قتل کیا ہے اُس دن اُس نے زیادۃ اللہ سے کہا تھا "اگرچہ تم اپنے آپ کو عرب کا سردار کہتے اور کہلاتے ہو مگر واللہ تم میں سرداری کی کوئی صفت نہیں۔ میں ایک عرصہ ہوا تم کو ایسی دوا کھلا چکا ہوں جو وقت پر اپنا فعل دکھائیگی اور تمہیں کُتے کی موت مار یگی" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ زیادۃ اللہ کچھ خبطی و مجنون تھا۔ اخیر وقت میں وہ سخت دیوانہ ہو کر مر گیا ۔

تصانیف :۔ اسحٰق بن عمران کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔

(۱)۔ کتاب الادویۃ المفردہ ۔

(۲)۔ کتاب العنصر والتمام۔ طب میں ۔

(۳)۔ ایک مقالہ مرض استسقاء کے بیان میں ۔

(۴)۔ ایک مختصر سا مقالہ جس میں شانی اور زود اثر تیز بہدف ادویات کا بیان کیا ہے۔ یہ رسالہ اُس نے سعید بن نوفل طبیب کے لئے بطور تحفہ کے لکھ کر بھیجا تھا اور اُس میں فن طب کے متعلق نہایت نادر و مفید معلومات درج ہیں ۔

(۵)۔ کتاب نزہۃ النفس ۔

(۶)۔ کتاب فی المالیخولیا ۔

(۷)۔ کتاب الفصد ۔

(۸)۔ کتاب النبض ۔

(۹)۔ مقالہ مرض قولنج او اُس کے اسباب و اقسام کے بیان میں۔ اس میں ہر قسم کے قولنج کا علاج بھی درج کیا ہے ۔

(۱۰)۔ کتاب البول۔ اس میں بقراط و جالینوس وغیرہ سر آمد حکماء و اطباء کے وہ اقوال درج کئے ہیں جو انہوں نے قارورہ کی نسبت کہے تھے ۔

(۱۱)۔ ایک کتاب جس میں اسحٰق نے جالینوس کے تمام اقوال دربارۂ شراب جمع کئے ہیں ۔

(۱۲)۔ چند مسائل ۔

(۱۳)۔ مجموعہ شراب کے بیان میں۔ اس کے اندر بقراط اور جالینوس کا وہ مذہب بیان کیا ہے جو اُس نے اپنی کتاب تدبیر الامراض الحادۃ کے مقالہ سوم میں شراب کی نسبت اختیار کیا ہے۔ اور یہ بات بتائی ہے کہ جالینوس خمر (شراب) سے کیا چیز مراد لیتا ہے ۔

(۱۴)۔ خود اسحٰق کی رائے مِدّہ کی سفیدی۔ رسوب البول۔ اور بیاض المنی کے بارہ میں ۔

(۱۷۱) اِسحٰق بن قسطار (حکیم)

یہودی تھا۔ امیر الموفق مجاہد العامری کا درباری طبیب رہا۔ اور الموفق کے بیٹے "اقبال الدولہ علی" کی بھی خدمت کی۔ اسحٰق علم طب کا اچھا ماہر، منطق اور قدیم فلاسفہ کے خیالات سے واقف۔ دانشمند، سمجھدار، صاحب اخلاق۔ اور نیک منش تھا۔ عبرانی زبان کا اچھا بلکہ اعلیٰ درجہ کا ادیب و زباندان تھا۔ مذہب موسوی کے علم دین میں خوب مہارت رکھتا، اور علمائے یہود میں ممتاز شمار ہوتا تھا۔ اس نے عمر بھر شادی نہیں کی۔ مرتے دم تک مجرد رہا۔ ۴۴۸ھ میں بمقام سرقسطہ فوت ہوا۔ ۷۵ سال عمر پائی ۔

(۱۷۲) اِسحٰق بن یونس (حکیم)

فن طب اور دستی اعمال کا عالم۔ علوم حکمیہ سے باخبر۔ بڑی سوجھ بوجھ والا۔ اور نہایت اچھا علاج کرتا تھا۔ اسحٰق نے حکمت کی تحصیل ابن الشیخ بغدادی سے کی تھی۔ اس فاضل طبیب کا قیام مصر میں رہتا تھا ۔

(۱۷۳) اِسحٰق الطبیب (حکیم)

وزیر ابن اسحٰق کا باپ، مذہباً عیسائی، اور قرطبہ کا ساکن اور دوا سازی میں ماہر تھا۔ ہر ایک اچھی دوا خود ہی بناتا۔ ایک معجون اُس کے پاس اس طرح کی تھی کہ اُس سے عجیب و غریب فوائد ظاہر ہوتے تھے۔ طبی تجربات میں اسحٰق کا رتبہ اپنے تمام معاصرین پر فائق تھا۔ وہ امیر عبداللہ الاموی کے عہد میں گزرا ہے ۔

(۱۷۴) اسرائیل بن زکریا طیفوری (حکیم)

خلیفہ متوکل علی اللہ عباسی کے لائق وزیر فتح بن خاقان کا طبیب خاص اور فن طب کا بے مثل ماہر تھا۔ خلفاء اور سلاطین اسلام اُس کی عزت کرتے تھے۔ خلیفہ متوکل اکثر اُس سے طبی مشورہ لیا کرتا۔ اور اُس کے ساتھ دلی محبت کرتا تھا۔ اس نے بختیشوع بن جبریل کے ہم پلہ رہ کر زندگی بسر کی اور مال و دولت سے بھرپور رہا۔

(۱۷۵) اسرائیل بن سہل (حکیم)

فن طب میں اپنے وقت کا اچھا ماہر تھا۔ علاج میں دست شفا پایا تھا۔ دواسازی میں خاص کمال تھا۔ اس کی کتاب الترياق مشہور اور نہایت اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے۔

(۱۷۶) اسقلبیاوس (حکیم)

یہ طبیب جالینوس سے قبل گذرا ہے۔

(۱۷۷) اسقلیبیوس (حکیم)

اسقلی بیوس (معرب) لاطینی نام اس کلاپئس (Aesclapius) کا ہے جو یونانی نام اسکلی پیوس کی خرابی ہے۔ رومیوں اور یونانیوں کا شفا بخش دیوتا تھا۔ صوبہ تھسلی کی وادی پنیوس (Penius) میں اس کی پرستش شروع ہوئی تھی مگر اس کا بڑا مرکز تریکہ میں تھا۔ وہاں سے فوسس۔ بوٹشیا۔ اور پلاپونی سس میں اس کا رواج ہوا۔ طناتی۔ طل بسہ۔ ایپدورس میں اس کے بڑے بڑے معبد تھے۔ وہاں سے ۴۲۰ ق۔م میں اس کا رواج ایتھنز میں ہوا۔ ۲۹۳ ق۔م میں شہر روما میں ایک خوفناک وبا کے نمودار ہونے سے اس کی عبادت کا وہاں بھی رواج ہوا۔ ہوتے ہوتے دور و نزدیک اس کی عبادت ہونے لگی۔ دو سو مختلف مقامات میں اس کے مندر تھے۔

مریض اس کے مندروں میں شفایابی کے لئے جایا کرتے تھے۔ اس کی پجاری ان کا علاج کرتے تھے۔ مریض مندر کے قریب ایک بڑے دیوان خانے میں سوتا۔ رات کو دیوتا اسے خواب میں دکھائی دیتا۔ (بر اُن کا عقیدہ تھا) جس کی تعبیر پجاری کرتے۔ اور طریقۂ علاج بتایا کرتے تھے۔ جو مریض شفا پاتے تھے۔ وہ ایک تفصیلی کیفیت مندر میں پجاری کے پاس چھوڑ جایا کرتے تھے اصل یہ ہے۔ کہ مشاہدہ اور تجربہ سے پجاریوں نے علاج معالجہ میں مہارت پیدا کر رکھی تھی۔ خواب اور شفا بخشی کو دیوتا سے منسوب کیا جاتا تھا۔ اِس کے دو بیٹے ماخون (Machoon) اور بدَرلیوس (Padalirins) بہت مشہور ہوئے۔ اس کی بیٹیوں میں ہائی جیا (Hygiea) (صحت کی دیوی) اور پنشیہ (Panacea) (تمام بیماریوں کو ٹالنے والی دیوی) وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ بعد ازاں بہت آدمی اس کے مرید ہوگئے۔ اور اسقلی بیدلی کے نام سے مشہور کیا۔

گو اسقلی بیوس دیوتا مانا گیا ہے۔ مگر ملک الشعرا ہومر نے اپنی مشہور رزمیہ نظم الیاد (Iliad) میں اسے انسان اور ایک نہایت مشہور شجاع یا سورما قرار دیا۔ اسی کی بنا پر ہم اسے سب سے پہلا طبیب قرار دیکر اس کے حالات مختلف یونانی اور عربی مواخذ سے ذیل میں دیتے ہیں۔

قدیم فیلسوفوں اور اطبّاء نے بالاتفاق بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے طب میں نام پایا اور علاج کا تجربہ شروع کیا وہ یہی اسقلیبیوس ہے۔ اس کی سکونت "یونان" میں تھی۔ نجائے ولادت کا ٹھیک پتا نہیں لگتا۔ اکثر یونانی فیلسوف اسی کے خاندان میں سے تھے۔ اس کی نسبت معلوم ہوا ہے کہ بڑا تیز فہم ذکی الطبع اور محنتی تھا۔ علاج کرنے کا قدرتی شوق اس کو خود بخود مریضوں کے حال پر توجّہ دلاتا۔ اور پھر ایسی باتیں سمجھاتا جو کارگر ہوتیں۔ ہونے والی بات ہو کر ہی رہتی ہے۔ اس کو تشخیص امراض کی لت تو تھی ہی۔ مریض کی صورت دیکھتے ہی کچھ اُس کے دل پر القا ہوجاتا کہ اس کی بیماری کا یوں علاج کرنا چاہیئے۔ اور حُسن اتفاق سے اُس کی تدبیر ٹھیک اُترتی۔ چنانچہ رفتہ رفتہ وہ بڑا ماہر طبیب اور اس پیشہ میں نامور ہوگیا۔

جالینوس نے اسقلیبیوس کی نسبت لکھا ہے کہ وہ الہامی طبیب تھا اور الہامی طب کا مرتبہ ہمارے ظنّی اور قیاسی فن طب سے بڑھا ہوا ہے۔ یونانی اسقلیبیوس کے بہت کچھ معتقد تھے اور اُسے دیوتا یا نبی تصوّر کرتے۔ اُسکی نسبت یونانیوں میں بہت کچھ خرافات روائتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ کوئی اُسے غیب داں مانتا ہے۔ اور کسی نے اُسکی خرق عادت باتیں روایت کی ہیں۔ بہرحال اسی مان جا نچ کا یہ نتیجہ ہوا کہ اسقلیبیوس کی وفات کے بعد اُسکی قبر زیارتگاہ خلائق بنی اور سخت سے سخت بیماریوں کے مریض۔ شفا کی امید میں اُس پر چلہ کشی کرکے صحت پانے لگے۔

اِس الہامی طبیب کی نسبت افلاطون کا قول ہے کہ وہ جس مریض کو قابل صحت سمجھتا اِس کے علاج میں مصروف ہوتا۔ ورنہ ناقابل شفا بیمار کو جلد سے جلد مار ڈالنا ہی اُس کے حق میں نیکی خیال کرتا تھا۔ اسقلیبیوس کے بیٹے فن سیاست میں بڑے ماہر اور طبیب بھی تھے۔ مگر اسقلیبیوس نے اُن کو وصیّت کردی تھی کہ اس علم کو عام طور پر شائع نہ کریں اور ہر کس و ناکس کو اس شریف فن کی تعلیم نہ دیں۔ چنانچہ اس کی اولاد نے اس وصیت پر عرصۂ دراز تک عمل رکھا اور اس وجہ سے علم طبّ کی عام اشاعت نہیں ہوئی۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہ ہرمُسِ اوّل یعنی حضرت ادریس علیہ السّلام کا شاگرد تھا جو اُستاد الحکماء اور بانیٔ علم حکمت و طب مانے گئے ہیں۔ اسقلیبیوس اُن کے ہمراہ روئے زمین کی سیاحت میں علاج و تشخیص مرض کے تجربے بہم پہنچایا کرتا تھا۔ جس وقت ہرمُس ملک ہندوستان سے ایران کی سرزمین پر آئے ہیں تو اُنہوں نے اسقلیبیوس کو شہر بابل میں اپنا خلیفہ بنا دیا اور اُسے حکم دیا کہ بابل والوں کے واسطے قوانین اور دستور العمل تیار کردے۔ چنانچہ وہ اس کام سے فراغت پاکر اپنے وطن یونان میں آرہا اور اُس نے اب بیماریوں کا علاج شروع کیا۔

اسقلیبیوس کے پاس کچھ اس طرح کے مریض بھی آئے۔ جن کی نسبت لوگ مایوس ہو چکے تھے کہ وہ اچھّے نہ ہونگے اور جو بیماری اُنہیں ہے وہ اُس کی جان ہی لے کر جائیگی لیکن اُس نے علاج کیا اور وہ بیمار چنگے ہو گئے۔ پھر کیا تھا اسقلیبیوس کا نام تمام ملک میں مشہور ہو گیا۔ اہل یونان نے اُس کی بیحد قدر و منزلت کی۔ شاگردوں نے اُسکی

مدح میں قصیدے لکھے اور اُسے جان بخش کا لقب دیا اور مُردوں کے زندہ کرنے کا مالک و مختار بتایا۔ قدیم یونانی وہم پرست تو تھے ہی اُنہوں نے اسقلیبیوس کو دیوتاؤں کی جماعت میں شامل کر لیا۔ اور اُس کے نام سے ایک مندر بڑا شاندار تعمیر کیا جہاں مایوس العلاج بیماروں کو شفا حاصل کرنے کی غرض سے لے جاتے اور عقیدہ کی مدد سے وہ مریض تندرست ہو جایا کرتے ⁂

اسقلیبیوس نے نوّے سال عمر پائی۔ بچپن اور تعلیم و سیاحت میں پچاس برس بسر کئے اور اس کے بعد جب اُس کی فطری قوتوں کا ظہور ہوا اور وہ شہرۂ آفاق بنا تو چالیس سال علم و عمل کی زندگی گذاری۔ اُس نے دو لائق اور فن طب کے ماہر بیٹے اپنی یادگار چھوڑے تھے اور مرتے وقت اُن کو ہدایت کر گیا تھا کہ علم طب اپنے خاندان سے باہر نہ جانے دینا اُسے اسرار سینہ کی طرح مخفی رکھنا۔ کیونکہ اس کی زیادہ اشاعت بے قدری کا سبب ہوگی۔ چنانچہ اسقلیبیوس کی اولاد اس ہدایت کی پابند رہی اور عرصۂ دراز تک نسلاً بعد نسل باپ اپنے بیٹوں ہی کو اس علم کی تعلیم دیتا آیا۔ اسقلیبیوس نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت بھی کی تھی کہ وہ ملک یونان کے وسط میں سکونت رکھیں تا کہ ہر گوشۂ ملک کا آدمی اُن کے پاس آنے میں ایکساں فاصلہ طے کرے۔ یہ خطہ جو ملک یونان کا قطب تھا تین جزیروں میں منقسم تھا ⁂

اسقلیبیوس کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ تمام روئے زمین پر اُس کے بارہ ہزار شاگرد موجود تھے۔ اور وہ علم طب کی تعلیم محض زبانی دیا کرتا تھا۔ کتابیں نہ اُس نے خود تصنیف کیں اور نہ اپنے کسی شاگرد یا بیٹے کو اس کی اجازت دی کہ وہ علم کو بجائے سینہ میں رکھنے کے سفینہ میں محفوظ بنائے۔ لیکن ایک زمانہ کے بعد جبکہ اسقلیبیوس کی اولاد میں لائق طبیبوں کی قلّت ہوگئی تو اُس وقت حکیم بقراط نے جو کہ اسی گھرانے کا آخری فیلسوف اور طبیب فرد تھا یہ خیال کیا کہ مبادا یہ علم ہی دنیا سے نابود ہو جائے۔ اور اُس نے اپنے کنبہ اور گروہ کے لوگوں میں کمی آتے دیکھ کر اختصار کے ساتھ اِس فن کی کتابیں تصنیف کرنی شروع کر دیں ⁂

اسقلیبیوس کے نام نہاد کے وجوہ جالینوس نے کچھ عجیب وغریب لکھے ہیں۔ ایک وجہ تسمیہ تو چیستان سے کم نہیں اور وہ یہ ہے کہ اسقلیبیوس لفظ "یبس" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں خشکی اور اسقلیبیوس کے معنے ہوئے "خشکی کے روکنے والا" طبیب حنین بن اسحٰق کہتا ہے "چونکہ انسان کی موت اُسی وقت آتی ہے جبکہ اُس پر خشکی کا اور سردی کا غلبہ ہوتا ہے اور خشکی وسردی دونو کا خاصہ ہے کہ وہ میت کے بدن کو سکھا دیتی ہیں۔ لہذا اس ضروری سبب کی وجہ سے جو پیشہ انسانی بدن کی اس خرابی سے حفاظت کرتا تھا اُس کو اس نام سے موسوم کیا گیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حیات بدن کا قیام حرارت ورطوبت پر منحصر ہے لہذا بقائے حیات کے ذریعہ کا وہ نام رکھا جو خشکی کو مٹانے پر دلالت کرتا ہے "۔

اسقلیبیوس کی موت کے بابت بھی مختلف روائتیں ہیں جو نوعیت کے اعتبار سے وہم پرستی پر مبنی اور خرافات میں شامل سمجھی جاسکتی ہیں۔ لیکن جب اُن کے مشہور ہونے کی علت پر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ وہ حکمت اور حقیقت سے خالی نہیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ "فرشتے اُس کو بحکم خدائے تعالےٰ ایک آتشی ستون میں رکھ کر عالم بالا پر اُٹھا لیگئے" یہ قول کچھ اسقلیبیوس ہی کے بارہ میں مروی نہیں بلکہ وہ اور اُس کے مانند تمام دیگر فیلسوفوں کی موت کے نسبت اسی قسم کی روایت میں قدیم یونانیوں کے علم الادیان میں درج ہیں۔ اور غور کرنے سے ان کی حقیقت یوں سمجھ میں آتی ہے کہ انسان اپنی جسمانی اور مادّی خواہشوں کو صبر وتحمل کی آگ سے جلا کر نابود کردے اور پھر اپنے نفس ناطقہ کو اعلےٰ درجہ کی اخلاقی خوبیوں کا مجموعہ بنالے تو وہ مادّیات سے پاک اور علویات سے آشنا ہو جاتا ہے اور تیرہ خاکدان ارضی سے نکل کر فضائے عالم قدس میں پرواز کرنے لگتا ہے۔

اسقلیبیوس کا جو مجسمہ اہل یونان نے تیار کیا اُس کی یہ شکل تھی کہ وہ ایک دراز ریش آدمی تھا سر پر بال تھے اور وہ متعدد چوٹیوں میں تقسیم تھے۔ غور سے دیکھنے پر ثابت ہوتا تھا کہ وہ آستین چڑھائے اور کپڑوں کے دامن سمیٹے کھڑا ہے۔ جن اعضاء کا کھولنا شرمناک ہے وہ چھپے اور باقی اعضاء کھلے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں ایک ٹیڑھی میڑھی

اور شاخ درشاخ خطمی کی لکڑی کی لاٹھی تھی۔ لاٹھی پر بجائے نقش و نگار کے ایک زہریلے اژدھے کی تصویر بنائی تھی۔ اور اُس کے سر پر درخت "غار لال" کا بنا ہوا تاج تھا۔ اور یہ سب باتیں لطیف اشاروں پر مبنی تھیں۔ بڑی داڑھی سے بڑھاپا مراد تھا یعنی طبیب کی عمر معقول اور دراز ہوتی ہے۔ یا یہ کہ تجربہ ہی اس فن کی بنیاد ہے اور وہ بڑی عمر میں جا کر حاصل ہوا کرتا ہے۔ آستینوں کے چڑھانے اور دامن سمیٹنے کا مطلب مستعدی اور جفاکشی تھی گویا ظاہر کیا گیا تھا کہ اطباء کو ہر وقت عقل و خرد سے کام لینا لازم ہے۔ پوشیدہ اعضاء کی حالت اُن کے مخفی رکھنے کا سبق دیتی اور کھلے ہوئے اعضائے بدن بزبان حال بتاتے تھے کہ پیشۂ مطابابت میں ان سے کام لیا جاتا ہے۔ درخت خطمی کی لاٹھی اس بات پر دلیل تھی کہ خطمی جو اعتدال کے ساتھ سخونت پیدا کرتی ہے مفید دوا اور نہایت کارآمد چیز ہے اور یہ بھی کہ بڑھاپے کی عمر میں انسان کو عصا پر ٹیک لگانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لاٹھی پر اژدھے کی تصویر اس امر کی مُظہر تھی کہ یہ جانور نہایت تیز نظر۔ ہوشیار اور چست و چالاک ہوتا ہے لہذا طبیب کو بھی غفلت سے بری ہونا اور چستی و پھرتیلے پن کی طرف رغبت رکھنا لازم ہے۔ اور جس درخت کا تاج بنایا تھا وہ زہریلے اثر کو دور کرنے میں بے نظیر ہے اور بتاتا ہے کہ طبیب کا ہونا امراض کے دفعیہ اور لوگوں کو مُضر صحت امور سے بچانے کے واسطے لابد ہے۔

اسقلیبیوس کے حکیمانہ اقوال بہت سے ہیں۔ ان میں سے دو چار یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ کہتا ہے:۔

"ایک وقت تم ایک زمانہ کی بُرائی کیا کرتے ہو۔ مگر جب وہ زمانہ گزر کر دوسرا آجاتا ہے تو اسگلے کو روتے اور پچھلے کی تعریف کرنے لگتے ہو۔" "بے علم عابد خراس کا بیل ہے جو رات دن ایک ہی دائرہ میں چکر لگاتا ہے اور اُس کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔" کسی نے اس وحید العصر حکیم سے دریافت کیا کہ "بتائیے دنیا کیا ہے؟" اُس نے جواب دیا "گذشتہ کل فرصت تھی۔ آج کام کا وقت ہے۔ اور آئندہ کل اُمید کے لئے وقف ہے۔"

(۱۷۸) اسقلیبیوس دوم (حکیم)

یہ مشہور اطبّاء میں چھٹا شخص ہے۔ اس نے ایک سو دس سال کی عمر پائی۔ پندرہ سال بچپن و تعلیم کے نکال کر باقی ۹۵ برس علم طب کی عمدہ خدمت ادا کرنے اور درس و تدریس اور علاج کی ناموری میں بسر کئے۔ اور اس مدت میں پانچ سال وہ بالکل بیکار اور علمی مشاغل سے دستکش بھی رہا تھا۔

افلاطن کی وفات اور اسقلیبیوس دوم کی علمی ناموری کے مابین ۱۴۲۰ برس کا زمانہ ملک یونان میں طبیبوں سے خالی نہیں رہا تھا بلکہ بہت سے نامور طبیب اس میں پائے گئے جن میں سے کئی ایک سو سو برس عمر تک پہنچے تھے۔ لیکن ان میں کوئی امام فن اور موجد نہیں ہوا سب اپنے پیشرو نامی اطبّا کے اقوال اور مسائل کو مانتے اور انہی کے مطابق علاج و معالجہ کا کام کرتے رہے۔

اسقلیبیوس دوم نے تحصیل علم کے دائرہ سے نکل کر علمی تحقیقات کے حلقہ میں قدم رکھا تو اس نے تمام سابقہ اطبّاء کی آراء پر غور کیا اور جانچ پڑتال کے بعد افلاطن کی رائے کا قائل بنا۔ اس نے بھی تجربہ و قیاس دونو کو معالجہ کی بنیاد قرار دیا اور اسی پر عمل کیا۔

اسقلیبیوس دوم کے تین نامور شاگرد تھے۔ وہ تینوں اسی کے خاندان سے تھے۔ ان میں کوئی غیر نہ تھا۔ اور نہ ان کے سوا ملک یونان میں اس وقت کوئی اور طبیب پایا جاتا تھا۔ ان ہر سہ اطبّا کے نام یہ ہیں۔ (۱) بقراط بن ایرقلس (۲) ماغارینس اور (۳) ارخس۔ اس فاضل طبیب کی وفات کے چند مہینہ بعد ہی ماغارینس اور ارخس دونو یکے بعد دیگرے دنیا سے رحلت کر گئے اور ان کی وفات کے بعد صرف حکیم بقراط اپنے زمانہ کا یکتا طبیب رہ گیا جس کی علمی شہرت نے تمام یونان کو اپنا مسخر بنا لیا تھا اور اس کے فضائل اور کمالات تمام ملک میں ضرب المثل تھے۔ بقراط نے یونان میں وہ مرتبہ پایا کہ وہم پرست یونانی اس کو دیوتا ماننے لگے۔ بقراط نے قیاس اور تجربہ کے عمل کو خوب مستحکم کیا اور ایسا اٹل بنا دیا کہ پھر کسی معترض کو اس پر حرف گیری کا موقع نہ مل سکا۔ بقراط نے علم طب کو

خصوصیت کے دائرہ سے آگے بڑھایا اور اپنے ہی خاندان میں اُسے محدود نہ رکھا بلکہ غیروں کو بھی اس فن کی ویسی ہی تعلیم دی جس طرح خاص اپنے بیٹوں اور عزیزوں کو دیا کرتا تھا۔ بقراط نے یہ رویہ کیوں اختیار کیا؟۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے خیال کیا مبادا علم طب کو محدود حلقہ میں رکھنا کسی دن اس کے دُنیا سے معدوم ہو جانے کا ذریعہ نہ بن جائے اور کوئی اس علم کا نام لیوا ہی باقی نہ رہے۔

(۱۷۹) اسکندر افرودیسی (حکیم)

باشندۂ دمشق (شام) یہ حکیم شہنشاہ اسکندر اعظم کے بعد اُس زمانہ میں گذرا ہے جبکہ اسکندر کے ماتحت جنرل اُس کے مفتوحہ ملکوں پر قابض و متصرف ہو کر اپنی اپنی جگہ بادشاہ بن گئے تھے اور اس طرح وہ زمانہ طوائف الملوکی کا زمانہ ہو گیا تھا۔ اسکندر افرودیسی نے حکیم جالینوس کو دیکھا۔ اور اُس سے ملا بھی تھا۔ اس کی حکیم جالینوس سے اَن بن ہو گئی اور دونوں میں خوب چوٹیں چلتی رہیں۔ افرودیسی نے جالینوس کا لقب "راس البغل" رکھا تھا۔ یعنی "خر دماغ"۔ اسکندر افرودیسی اعلےٰ درجہ کا فیلسوف اور علم طبعیات کا بڑا ماہر تھا۔ اس کا ایک عام حلقۂ درس ہوا کرتا جس میں بیٹھ کر علوم حکمت کی تعلیم لوگوں کو دیتا تھا۔ اس نے حکیم ارسطاطالیس کی اکثر کتابوں پر نہایت نفیس شرحیں لکھیں اور وہ بیحد مقبول ہوئیں۔ چنانچہ ابو زکریا یحییٰ بن عدی لکھتا ہے کہ اسکندر مذکور نے ارسطو کی کتاب "السماع" کی شرح تمام و کمال لکھی ہے۔ اور ایسی ہی "کتاب البرہان" کی بھی شرح کی ہے۔ علاوہ ازیں ارسطو کی ان کتابوں پر بھی اُس کی شرحیں موجود ہیں:۔ کتاب قاطیغوریاس۔ کتاب باریمینیاس۔ کتاب انالوطیقیائے اوّل اس کتاب پر اسکندر افرودیسی کی دو شرحیں ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک دوسری کی نسبت زیادہ مکمل اور بہتر ہے۔ کتاب انالوطیقیائے دوم۔ اور کتاب طوبیقا۔ اس کتاب کی مکمل شرح نہیں بلکہ کسی قدر مقالۂ اوّل۔ اور پنجم۔ ششم۔ ہفتم۔ اور ہشتم کی پوری شرح لکھی ہے۔ کتاب السماء والعالم کے پہلے مقالے کے کچھ حصہ کی شرح۔ کتاب الکون والفساد کی شرح۔

اور کتاب الآثار العلویہ کی شرح ؂

اس فیلسوف زمانہ کی تصانیف یہ ہیں - ایک مقالہ کتاب النفس کے نام سے پر رد لکھا ہے ؂

(۱) - ایک مقالہ عکس مقدّمات کے بیان میں ؂

(۲) - ایک مقالہ دربیان عنایت ؂

(۳) - ایک مقالہ ہیولیٰ اور جنس کے بیان میں ؂

(۴) - ایک مقالہ اُس شخص کی تردید میں جو یہ کہتا ہو کہ کسی شئے کا وجود اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ دوسری شئے سے نکلے یعنی کوئی چیز بغیر مادّہ کے موجود نہیں ہو سکتی ؂

(۵) - ایک مقالہ اس بیان میں کہ آنکھوں سے نکلنے والی شعاعیں اشیاء کو دیکھنے کا ذریعہ نہیں ہیں - اس میں اُس شخص کی تردید کر دی ہے جو آنکھوں سے شعاعیں نکلنے کا قائل ہو ؂

(۶) - ایک مقالہ رنگتوں کے بیان میں - اس میں بیان کیا ہے کہ فیلسوف کس چیز کو رنگت قرار دیتا ہے ؂

(۷) - ایک مقالہ جس میں بتایا ہے - کہ اسطاطالیس "فصل" کس چیز کو کہتا ہے ؂

(۸) - مقالہ مالیخولیا کے ذکر میں ؂

(۹) - مقالہ دربیان اجناس و انواع ؂

(۱۰) - مقالہ جالینوس کی تردید میں - یہ جالینوس کی کتاب البرہان کے مقالہ ہشتم پر رد لکھا ہے ؂

(۱۱) - ایک اور مقالہ جس میں اُن اعتراضات کی تردید کر دی ہے جو کہ جالینوس نے ارسطو پر کیے تھے - اور جالینوس نے ارسطو کے اس قول کی تردید کی تھی کہ "ہر ایک حرکت کرنے والی چیز بغیر اس کے متحرک نہیں ہوتی کہ کوئی اسکو جنبش میں لائے" ؂

(۱۲) - ایک مقالہ جالینوس کے رد میں دربارہ اس امر کے کہ وہ ممکن کے مادّہ کا قائل تھا ؂

(۱۳) - مقالہ ان فصول کے بیان میں جن کے ذریعہ سے اجسام کی تقسیم ہوتی ہے ؂

(۱۴) - مقالہ دربیان عقل حسب رائے ارسطاطالیس ؂

(۱۵) - رسالہ عالم کے بیان اور اس امر کی تشریح میں کہ عالم کے کونسے اجزا اپنے دوام اور ثبات میں اُس کے دوسرے اجزاء کی تدبیر کے محتاج ہیں ؂

(۱۶) - کتاب دربیان توحید ؂

(۱۷) - مقالہ اس میں ارسطاطالیس کے قول

کے مطابق مبادئ کل پر بحث کی ہے +

(۱۸)۔ کتاب آراء الفلاسفہ فی التوحید۔ مقالہ اس بیان میں کہ صورتوں کا صدور شئ لا من شئ ہوتا ہے +

(۱۹)۔ مقالہ در بیان تو ام امور عامیہ +

(۲۰)۔ ایک مقالہ اس میں اُس طریقہ تقسیم کی جو افلاطون نے مقرر کیا تھا ارسطاطالیس کے اقوال کی شرح لکھی ہے +

(۲۱)۔ مقالہ اس میں یہ بیان ہے کہ کیفیات اجسام نہیں ہیں +

(۲۲)۔ مقالہ در بیان استطاعت +

(۲۳)۔ مقالہ اس میں اضداد کا بیان کر کے بتایا ہے کہ وہی اضداد تمام چیزوں کی ابتدائی بنیاد ہیں اور یہ ارسطاطالیس کا مسلک ہے +

(۲۴)۔ مقالہ در بیان زمان (وقت) +

(۲۵)۔ مقالہ اس بات میں کہ ہیولیٰ کیا ہے اور یہ کہ وہ معلول و مفعول ہے +

(۲۶)۔ مقالہ اس بیان میں کہ ایک ہی قوت ارسطاطالیس کی رائے میں تمام اضداد کی قابل ہوتی ہے +

(۲۷) در بیان فرق مادہ و جنس +

(۲۸)۔ مقالہ در بیان مادہ و عدم و کون ۔ اس میں ایک مسئلہ کا حل بھی شامل ہے جس کو بعض اگلے زمانہ کے حکماء نے ابطال کون کے بارہ میں قرار دیا تھا +

(۲۹)۔ مقالہ امور عامہ اور امور کلیہ کے بیان میں یہ بھی بتایا ہے کہ یہ امور اعیان قائمہ نہیں ہیں +

(۳۰)۔ مقالہ اس میں اُن لوگوں کا قول رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اجناس صورتوں سے مرکب ہیں کیونکہ صورتیں جنسوں سے منفصل نہیں ہوتیں +

(۳۱)۔ ایک مقالہ اس بیان میں کہ وہ فصلیں جو کسی جنس کو تقسیم کرتی ہیں کچھ ضروری نہیں کہ وہ سب اُسی ایک جنس میں پائی جائیں جس کو وہ تقسیم کرتی ہیں۔ بلکہ بعض اوقات یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ اُن فصول کے ذریعہ ایک سے زیادہ اجناس کی تقسیم کر دی جائے۔ اور وہ جنسیں ایسی ہوں کہ اُن میں سے ایک دوسری کے تحت میں مرتب نہ ہوتی ہو +

(۳۲)۔ ایک مقالہ اُن مسائل کے بیان میں جو اُس نے ارسطاطالیس کی کتاب تھیالوجی (علم الٰہیات) سے اخذ کئے تھے

(۳۳)۔ایک مقالہ اس بیان میں کہ ہر ایک متباین علت اگرچہ تمام اشیاء میں پائی جاتی ہے لیکن وہ خود کوئی شے نہیں ٭

(۳۴)۔مقالہ ایسی روحانی صورتوں کے اثبات میں جن کا کوئی ہیولیٰ نہیں ہوتا ٭

(۳۵)۔مقالہ امراض فم معدہ کے ذکر میں۔ اور کئی دیگر کتب جن کا ذکر موجب طوالت ہوگا ٭

(۱۸۰) اسکندریہ کے اطباء (حکیم)

اسکندریہ کے وہ نامور طبیب جنہوں نے جالینوس کی (۱۶) کتابیں جمع کیں اور اُن کی شرحیں لکھیں۔ سات تھے۔ اصطفن۔ جاسیوس۔ شاہ دوسیوس۔ اکیلاوس۔ انقیلاوس۔ فلاذیوس۔ اور یحییٰ النحوی۔ یہ سب مذہب عیسوی کے پابند تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ انقیلاوس ان سب میں پہلا شخص تھا۔ اُسی نے جالینوس کی سولہ کتابیں مرتب کیں۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ صرف جالینوس کی یہی کتابیں پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ اسکندریہ میں فن طب کا مدرسہ تھا وہیں یہ نصاب پڑھایا جاتا۔ کتابوں کے درس کی ترتیب خاص مقرر تھی۔ درس ہر روز ہوا کرتا تھا۔ ایک زمانہ تک یہی عمل درآمد رہا۔ مگر کچھ عرصہ بعد جالینوس کی کتابوں کے اختصار تیار کر لئے گئے اور اُن کی ترتیب اس طرح رکھی گئی کہ درجہ بدرجہ علم طب کی تعلیم و تفہیم میں کارآمد ہوں۔ اور اُن کا یاد کرنا آسان ہو سکے۔ ان ساتوں اطباء میں سے ہر ایک نے جالینوس کی تمام درسی کتابوں پر الگ الگ شرحیں لکھی ہیں۔ اُن میں سے جاسیوس کی شرحیں سب سے بہتر ہیں ٭

اسکندریہ کے اطباء نے جالینوس کی صرف سولہ کتابیں نصاب درس میں کیوں رکھیں؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کے خیال میں ان کتابوں کے باقاعدہ پڑھ لینے سے طالب علم میں فن کو سمجھنے اور مطالعہ کی قوت پیدا ہو جاتی تھی۔ اور وہ اس قابل ہو جاتا تھا کہ علم طب کے متعلق کیسی ہی مشکل کتاب اُس کے سامنے آئے وہ اُس کو حل کر سکے۔ ان کتابوں کے پڑھنے کے بعد ایک سمجھ دار۔ ذہین۔ اور شوقین طالب علم بہت کچھ علم طب کا شیدا بھی ہو سکتا تھا۔ جالینوس کی وہ کتابیں جو درس میں داخل تھیں اُن کی تقسیم حسب ذیل ہے

جماعتوں میں کی گئی تھی :-

جماعت اوّل - یہ ابتدائی جماعت تھی۔ اس کے پاس شدہ طالب علم اس قابل ہوجاتا تھا کہ فن طب کے ابتدائی اور جزئی کام کرسکے اب اگر وقت اور شوق اُس کی مساعدت کرکے آگے تعلیم کا موقع دے تو وہ مزید علم حاصل کرسکے ورنہ کم از کم فوائد علاج اور معمولی شکایتوں کے دفعیہ کا تو اُس کو علم ہو ہی جائیگا۔ اس جماعت میں صرف چار کتابیں تھیں :-

۱- کتاب التفرق اس میں تجربہ اور قیاس دونوں کے قوانین کے مطابق طریق علاج بتایا گیا ہے۔ اگر طالب علم دونوں اصول کا قائل ہے تو وہ دونوں کے مطابق ورنہ کسی ایک اصل کے اعتبار سے ضرور علاج کرنے کے طریقے اس کتاب کو پڑھ کر معلوم کرسکتا ہے۔

۲- کتاب الصناعۃ خرد۔ اس سے نظری اور عملی طور پر تمام فن طب کے اجمالی اصول معلوم ہو جاتے تھے۔

۳- کتاب النبض خرد۔ اس سے نبض کے متعلق تمام علامتیں اور اُن سے امراض کی شناخت کے طریقے طالب علم کو معلوم ہو جاتے تھے۔

۴- اغلوقن۔ اس سے شفائے امراض کا اصول اور اُس کی کیفیت دواؤں - اور غذا کی قوتوں - اور اعمال جرّاحی کی اتنی معلومات حاصل ہو جاتی تھیں کہ اب وہ حسب ضرورت فن طب کی دوسری کتابوں سے مدد لیکر کام چلا سکے۔ اس جماعت کی تعلیم میں مطالب کتاب کو طلبہ کے ذہن نشین کرنے اور اُن سے عملی کام کراتے رہنے کا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا۔

جماعت دُوم - اس میں بھی چار حسب ذیل کتابیں تھیں :-

۱- کتاب الاسطقسات - یہ کتاب ایسے شخص کے لئے جو فن طب کی تکمیل کا خواہاں ہو پہلی کتاب ہے۔ اس سے انسانی بدن اور اُس کے جملہ ضروریات کا جلد تغیّر اور مستحیل ہونے کے قابل ہونا بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ مزاج اور اخلاط کی کیفیت اور تشریح جسم کی حالت اس میں بتفصیل بتائی گئی ہے۔

۲- کتاب المزاج - شناخت اقسام مزاج اور سوء مزاج کی علامات کے بیان میں۔

۳- کتاب القوے الطبیعیہ - اس سے ایسی طبیعی قوتوں کا علم حاصل ہوتا ہے جو طبیعت بدن

کی مدبر ہیں اور اُن قوتوں کے اسباب و علامات پر عبور ہوتا ہے ؛
۴- کتاب التشریح خورد- یہ کتاب پانچ مقالوں پر منقسم ہے۔ جالینوس نے ہر ایک مقالہ الگ الگ لکھا تھا- مگر اہل اسکندریہ نے اُس کو اکٹھا کر دیا اس کا مختصر حال ہم جالینوس کی تصانیف میں بیان کر چکے ہیں ؛

اِس جماعت کے نصاب سے بدن کے سب امور طبیعی جو اس کے قائم و درست رہنے کے اسباب ہیں معلوم ہو جاتے ہیں اور طالب علم کو مزید معلومات حاصل کرنے کا شوق بڑھتا ہے چنانچہ وہ جالینوس اور بقراط کی طبی کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنے علم کے ذخیرہ میں اضافہ کر سکتا ہے ؛

جماعت سوم- میں صرف ایک کتاب العلل و الاعراض پڑھائی جاتی تھی- اس کتاب کے مختصر مضامین کا ذکر ہم نے تصانیف جالینوس کے ذیل میں کر دیا ہے۔ اس کے پڑھ لینے کے بعد انسان کو تشخیص امراض میں پوری مہارت حاصل ہو جاتی ہے- اور وہ قیاس کی بنا پر علاج کرنے والوں کی رائے سے بخوبی واقف ہو سکتا ہے ؛

جماعت چہارم- اس میں دو کتابیں داخل درس تھیں- اوّل اندرونی امراض کی علامات بتانے والی کتاب- مثلاً ذات الجنب وغیرہ بیماریوں کی شناخت کے کیا طریقے ہیں- اور دوم کتاب النبض کلاں جس کے چار حصے ہیں اور ہم اس کا مختصر بیان اپنے موقع پر کر چکے ہیں ؛

جماعت پنجم- میں تین کتابیں داخل نصاب تھیں :-
۱- کتاب الحمیات- اقسام بخار کی شناخت اُن کے اسباب- اور علاج کے بیان میں ؛
۲- کتاب البحران- اور ۳- کتاب ایام البحران- ان کتابوں کی نسبت بھی ہم فہرست تصانیف جالینوس میں باختصار ذکر کر چکے ہیں ؛

جماعت ششم- اِس میں صرف ایک کتاب حیلۃ البرء پڑھائی جاتی تھی- اس کتاب کے مضامین و مقامات کا ذکر تصانیف جالینوس کی فہرست میں ہو چکا ہے ؛

جماعت ہفتم- میں بھی ایک کتاب تدبیر الاصحاء پڑھائی جاتی تھی- جس میں حفظان صحت کے اصول مذکور ہیں- اِس کتاب کے پڑھنے کے بعد انسان کو تدبیر غذا-

اور بعض غذا وغیرہ کے متعلق متعدد کتابیں دیکھنے کی حاجت پیش نہیں آتی تھی اور وہ فن طب میں خاصی معلومات بہم پہنچا سکتا تھا۔

غرضیکہ اطبّائے اسکندریہ اور وہاں کے لائق مدرسین نے یہ جماعت بندی نہایت دانشمندانہ اصول پر کی تھی اور اس سے طلبہ کو فائدہ عظیم پہنچتا تھا۔ انہی کتابوں پر انہوں نے شرحیں لکھیں اور ان کو ہر طرح آسان اور عام فہم بنانے کی کوشش کی۔

اس تمہید کے بعد ہم اسکندریہ کے بعض اُن فاضل طبیبوں کا مختصر حال لکھتے ہیں جو عہد جالینوس سے بعد میں گذرے اور اُس کے علوم کے وارث و محافظ بنے۔

(۱۸۱) اصبغ بن یحییٰ (حکیم)

فن طب کا زبردست ماہر۔ اور خلیفہ الناصر اموی اندلسی کا درباری طبیب تھا خلیفہ مذکور کے واسطے حبّ انیسوں کا خاص نسخہ ترتیب دیا۔ وجیہ۔ اور خوش اخلاق تھا۔ اور عمائد و امراء کے یہاں اس کی بہت کچھ عزت و توقیر ہوتی تھی۔

(۱۸۲) اطنوس آمدی (حکیم)

اس نے ایک کتاب "بقنوقویا" نامی لکھی ہے۔ جو قرابادین ہے۔ غریغوریوس کناش کا مصنف بھی یہی نامور طبیب تھا۔ رازی[1] نے اپنی جامع اور بڑی کتاب "کناش" میں جس کا نام "الحاوی" ہے اس کے اقوال بہت کچھ نقل کئے ہیں۔

(۱۸۳) اعین بن اعین (حکیم)

ملک مصر کا ایک ممتاز طبیب اور وہاں بہت مشہور و معروف شمار کیا گیا ہے۔ اس کے علاج کا شہرہ و نیکنامی کے ساتھ دُور دُور تک پہنچ گیا تھا۔ یہ طبیب عزیز باللہ فاطمی خلیفۂ مصر کے عہد میں گزرا ہے۔ اعین بن اعین نے ماہ ذی القعدہ ۳۸۵ھ میں وفات پائی۔ اس کی تصانیف میں حسب ذیل دو کتابیں ہیں۔

[1] ابوزکریا رازی۔

(۱)۔ کناش۔ اور (۲) کتاب امراض العین و مداواتہا۔ یعنی امراض چشم اور اُنکے معالجات کے بیان میں۔

(۱۸۴) افرائیم بن الزّفان (حکیم)

ابو کثیر افرائیم بن حسن۔ یہودی المذہب مصر کا مشہور طبیب تھا۔ کئی خلفاء کی طبی خدمت انجام دی۔ بہت کچھ دولت و عزت پیدا کی۔ افرائیم بن الزّفان فن طب میں علی بن رضوان کا شاگرد اور اُس کے جلیل القدر تلامذہ میں سے تھا۔ افرائیم کو کتابوں کے جمع کرنے کا بیحد شوق تھا۔ خود بھی کتابوں کو نقل کیا کرتا اور کئی خوشنویس اس غرض سے ملازم رکھ چھوڑے تھے۔ جو ہمیشہ اُس کے واسطے طبی اور دیگر علوم کی کتابیں نقل کیا کرتے تھے۔ ایک بار عراق سے کوئی شائق علم کتابوں کی تلاش میں مصر آیا اور افرائیم سے مل کر دس ہزار جلد کتابوں کی اُس سے خریدکیں۔ یہ ذکر سپہ سالار افضل کے وقت کا ہے۔ افضل کو اس بات کی اطلاع ملی کہ افرائیم کی کتابوں کا ذخیرہ ایک عراقی خریدتا ہے۔ افضل کو اچھا نہ معلوم ہوا کہ اتنا قیمتی علمی خزانہ اُس کے ملک سے باہر چلا جائے۔ لہذا اُس نے افرائیم کو معقول رقم قیمت کتب کی ادا کر کے وہ سب کتابیں اپنے یہاں منگالیں اور عراقی کے ہاتھ فروخت نہ کرنے دیں۔

افرائیم کی وفات کے بعد اُس کے ترکہ میں بیس ہزار جلد کتابوں کی پائی گئیں۔ خود افرائیم بن الزفان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ تعالیق و مجربات بصورت بیاض مطب۔ اس میں امراض اور اُنکے علاجات کا مفصل بیان ہے۔

(۲)۔ التذکرۃ الطبیۃ فی مصلحۃ الاحوال البدنیۃ۔

(۳)۔ مقالہ فی التقریر القیاسی علی ان البلغم یکثر تولدہ فی الصیف و الدم و المرۃ الاصفر فی الشتاء۔

(۱۸۵) افرودیس (حکیم)

وہ زمانہ جو بقراط اور جالینوس کے عہد ظہور میں فاصل تھا۔ اُس وقت یونان میں اس کی طبی شہرت ہوئی۔

(۱۸۶) افروسیس (حکیم)

بقراط وجالینوس کے مابین جو زمانہ حدِّ فاصل گذرا ہے اُس میں یہ ایک نامور طبیب تھا*

(۱۸۷) افضل الدّین الخونجی (حکیم)

سید العلماء والحکماء۔ اپنے زمانہ کا یکتا عالم اور امام فن تھا۔ نام اور سلسلہ نسب یہ ہے افضل الدین ابو عبداللہ محمد بن نام آور خونجی۔ افضل الدین نے علوم حکمیہ اور شرعیہ دونوں میں خاص امتیاز حاصل کیا۔ ہر علم میں متبحر تھا۔ ابن ابی اُصیبیعہ جو حکماء اور اطباء کا مشہور تذکرہ نویس ہے کہتا ہے کہ "میں نے شیخ الرئیس بوعلی سینا کی کتاب القانون کے بعض کلیات افضل الدین الخونجی سے پڑھے تھے۔ اور اُس کو بڑا صاحب نظر عالم پایا تھا۔ بعض کیا اکثر اوقات وہ علمی افکار میں ایسا مستغرق ہوتا کہ خود فراموش اور بالکل اُنہی خیالات میں محو ہو جاتا۔ اخیر عمر میں مصر کا قاضی مقرر ہوا اور رفتہ رفتہ قاضی القضاۃ ہو گیا" افضل الدین الخونجی نے ۵۔ رمضان ۶۴۶ھ کو قاہرہ میں وفات پائی۔ اور مشہور قبرستان "القرافہ" میں مدفون ہوا۔ اس کی تصانیف حسب ذیل ہیں:-

(۱)۔ شرح مقالہ الرئیس ابن سینا فی النبض *
(۲)۔ مقالہ فی الحدود والرسوم *
(۳)۔ کتاب الجُمل فی علم المنطق *
(۴)۔ کتاب کشف الاسرار منطق میں *
(۵)۔ کتاب الموجز منطق میں *
(۶)۔ کتاب ادوار الحُمّیات *

(۱۸۸) افلاطن (حکیم)

یہ طبیب۔ اُن آٹھ نامور بانیان علم طب میں سے پانچواں شخص تھا۔ برمانیدس کی وفات اور اسکے ظہور کے مابین ۵۳۷ سال کا جو وقفہ تھا۔ اس مدت میں یونانی طبیبوں کے تین فرقے ملک میں پائے جاتے تھے۔ اوّل اقرن اقراغنطی کے مقلد جن کے علاج کا دارومدار تجربہ پر تھا۔ دوم ثاسلیس کے پیرو جو ٹوٹکوں کے ذریعہ علاج

کرتے تھے۔ اور سوم ترپوفیلس کے ہم خیال جن کے نزدیک علاج کی اصل قیاس کے سوا کوئی اور بات نہ تھی ۔

افلاطون طبیب نے اپنے پیشرو اطبّاء کے اقوال کا باہم موازنہ اور اُن کی کامل تحقیقات کر کے معلوم کیا کہ صرف تجربہ کو علاج کی بنیاد بنانا بے کار ہی نہیں بلکہ خطرناک امر بھی ہے۔ اور تنہا قیاس سے اس لئے کام نہیں چلتا کہ اس میں کبھی غلطی بھی ہو جاتی ہے اس واسطے اُس نے تجربہ و قیاس دونوں کو پھر ملا دیا اور ان کی مدد سے معالجہ کرنا شروع کیا۔ اُس نے تمام ایسی سابقہ کتابیں جن میں تجربہ و قیاس میں سے صرف ایک ہی امر کو بنائے معالجہ قرار دیا گیا تھا آگ میں جلوا دیں۔ اور وہ قدیم کتابیں جن میں دونوں امور کو شرط معالجہ قرار دیا گیا تھا باقی رکھیں ۔

افلاطون کے وقت میں طبّی کتابیں موجود ہونے کا قول صحیح مانا جائے تو یحییٰ نحوی مصر کے نامور فیلسوف کا یہ بیان غلط ہو جاتا ہے کہ علم طب کی تدوین سب سے پہلے حکیم بقراط نے کی تھی۔ کیونکہ جن یونانی طبیبوں نے اس علم کو کتابوں میں جمع اور قلمبند کیا تھا وہ بقراط سے صدیوں قبل ہو گزرے تھے ۔

افلاطون کی وفات کے بعد اُس کے چھ فاضل شاگرد خدمت خلق کرتے رہے۔ ان میں سے کئی اُس کے بیٹے اور قریبی رشتہ دار بھی تھے۔ اور اُنکے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱)۔ میرونس۔ یہ تشخیص امراض میں خاص ملکہ رکھتا تھا ۔

(۲)۔ فورنوس۔ اس کو تدبیر ابدان کا خاص تجربہ تھا ۔

(۳)۔ فورلس۔ یہ اعلیٰ درجہ کا فصاد اور داغ کے ذریعہ معالجہ کرنے میں طاق تھا ۔

(۴)۔ ثافورس۔ بہت ہوشیار جرّاح اور زخموں کے علاج میں بے نظیر تھا ۔

(۵)۔ سرجس۔ آنکھ کی بیماریوں کا معالجہ خاص طور پر کرتا تھا ۔

(۶)۔ فائیس۔ ٹوٹی اور جگہ سے ٹلی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے اور اُنکو بٹھانے میں خاص لیاقت رکھتا تھا۔

اور عرصہ تک افلاطون کے مذکورۂ بالا شاگردوں اور اُن کے جانشینوں میں علم طب کی یہ شاخیں رائج رہیں ۔

افلاطن نے ۶۰ سال عمر پائی۔ چالیس سال بچپن سے تعلیم و تحصیل کمال تک اور بیس سال حصول کمال کے بعد درس و تدریس اور علاج کی شہرت و علمی اکتشافات میں بسر کئے۔

(۱۸۹) افلاطون (حکیم)

فلاطن۔ اور فلاطون بھی نام بتایا جاتا ہے۔ شہر ایتھنز کا باشندہ قوم کا رومانی فیلسوف۔ یونانی طب کا موجد و ماہر۔ اور علم ہندسہ اور اعداد کی طبیعتوں کا واقف کار تھا۔ فن طب میں اُس کی صرف ایک کتاب ہے۔ یہ کتاب اُس نے اپنے شاگرد "طیماوس" کو بھیجی تھی۔ فلسفہ میں بہت سی کتابیں اور نظمیں تصنیف کیں۔ باپ کا نام "ارسطن" تھا۔ افلاطون کے والدین یونان کے معزز گھرانوں کے ممبر تھے۔ اُسکی ماں یونان کے نامور قانون ساز "سولن" کے خاندان کی لڑکی تھی۔ اور بالعموم اُس کا خاندان یونان کے ایک نامور سردار "اسقلیبیوس" کے قبیلہ سے تھا۔

افلاطون کو ابتدا میں بانداز اور شاعری سے فنون کا شوق تھا اور وہ ان میں کمال حاصل کر چکا تھا۔ ایک دن وہ سقراط کی مجلس میں پہنچ گیا اور سقراط اُس وقت شاعری کی خرابیاں بیان کر رہا تھا۔ سقراط کی تقریر کچھ ایسی افلاطون کے دل میں کھُب گئی کہ اُسی وقت سے اُس کو شعر و شاعری سے قطعی نفرت ہوگئی اور پھر وہ سقراط کی خدمت میں برابر حاضر رہنے لگا۔ پانچ سال اُس کی صحبت سے فیض اُٹھاتے رہنے کے بعد جب سقراط قتل کر دیا گیا تو افلاطون کو معلوم ہوا کہ مصر میں چند نامور علما فیثاغورس کے شاگرد ہیں اور وہ مصر پہنچا اور اُن اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔

افلاطون فن تدبیر میں سقراط کا پیرو تھا۔ اور مصر سے ایتھنز واپس آکر اُس نے وہاں اپنی مجلس درس قائم کی۔ اُس کے دو مدرسے تھے اور دونوں میں وہ شائقین علم کو فیضیاب کرتا رہتا تھا۔ کچھ عرصہ ایتھنز میں رہ کر پھر اُس نے جزیرہ سسلی کا سفر کیا۔ سسلی پر اُس وقت "دیونسیوس" کی حکومت تھی۔ افلاطون سے اُس کو کچھ مخالفت ہوگئی اور اُس نے حکیم ممدوح کو بہت ستایا۔ آخر کار افلاطون دیونسیوس

کے پنجۂ ظلم سے چھوٹ کر اپنے وطن شہر ایتھنز میں واپس آ گیا۔ اب اُس نے نہایت خوش اخلاقی سے کام لینا شروع کیا۔ لوگوں سے نیک سلوک کرتا غریبوں اور حاجت والوں کی مدد کرتا۔ اور ہر شخص سے باخلاق ملتا۔ اہل ایتھنز نے چاہا کہ افلاطون اُن کے انتظام ملک کی باگ اپنے ہاتھ میں لیلے۔ مگر افلاطون نے اس بات سے انکار کر دیا کیونکہ ایتھنز والوں کی عادتیں اور ان کی رسمیں افلاطون کے نزدیک قابل اصلاح تھیں اور مشکل یہ تھی کہ اس کو اب اُن کی عادتوں کا بدلنا غیر ممکن معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ عادتیں طبیعت ثانیہ بن گئی تھیں اب وہ اگر اصلاح کی کوشش کرتا تو اُس کا بھی وہی حشر ہوتا جو اُس کے اُستاد سقراط کا ہو چکا تھا۔

افلاطون نے اکیاسی سال عمر پائی۔ وہ بڑا خوش خلق۔ نیک چلن عزیزوں۔ دوستوں اور غریبوں سے اچھا سلوک اور اُن کے ساتھ احسان کرنے والا تھا۔ مزاج میں نرمی اور سہولیت تھی۔ اور بردباشت اور صبر کی صفت سے متصف تھا۔

افلاطون کے شاگرد بکثرت تھے مگر اُس کے بعد دو شاگرد درس دینے میں اُستاد کے جانشین ہوئے۔ ایک خاص ایتھنز کی اکاڈمی (یونیورسٹی۔ یا علمی درسگاہ) میں درس دیتا تھا۔ اس کا نام "کسانوقراطیس" تھا۔ اور دوسرا ایتھنز کے مضافات میں "لوقیں" نامی گاؤں میں مصروف درس ہوا۔ اور اُس کا نام "ارسطوطالیس" تھا۔ افلاطون کے حکمت کے مقولے رمز و کنایہ سے بھرے ہوئے تھے۔ اُن کو وہی لوگ سمجھ سکتے جو حکمت سے ماہر تھے۔ اس لئے اُس کے اکثر خیالات انہی دو حکیموں کے خیالات سے ماخوذ تھے۔ افلاطون نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ جن کتابوں کے نام ہم کو معلوم ہو سکے وہ شمار میں ۵۶ ہیں اُن میں بعض کتابوں میں کئی مقالے ہیں اور بڑی بڑی کتابیں ہیں۔ افلاطون کی تصنیف کردہ کتابوں میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اُس کی چار چار کتابیں ایک دوسری سے تعلق اور لگاؤ رکھتی ہیں۔ اُن میں ایک ہی مبحث اور غرض پر بحث ہوتی ہے مگر اسی کے ساتھ اتنا فرق بھی ہوتا ہے کہ ہر ایک مستقل کتاب میں ایک خاص غرض بیان ہوتی ہے جو تمام غرض کے تحت میں داخل اور اُس کو شامل پائی جاتی ہے۔ ایسی کتابوں کے سلسلہ

میں سے ہر سلسلہ کا نام "رابوع" ہے۔ اور پھر اُن میں سے ہر ایک "رابوع" اپنے سے پہلے "رابوع" کے ساتھ بھی لگاؤ رکھتا ہے۔ افلاطون کا حلیہ یہ تھا۔ گندمی رنگ۔ میانہ اندام۔ خوبصورت۔ خط بھرا ہوا۔ ڈاڑھی خوشنما۔ گالوں پر بال کم تھے۔ مزاج ٹھہرا ہوا تھا۔ اور بات آہستہ کیا کرتا۔ آنکھوں میں سُرخ ڈورے تھے اور اُن کی سفیدی بہت چمکدار تھی۔ ٹھوڑی پر ایک سیاہ تل تھا۔ سینہ کشادہ تھا۔ اس کا کلام دلکش ہوتا۔ تنہائی کو بہت پسند کرتا اور جنگلوں میں نکل جاتا۔ اکثر حالتوں میں لوگ اُس کے رونے کی آواز سُن کر دریافت کر لیتے کہ افلاطون یہاں ہے۔ وہ اس زور سے دھاڑ مار کر رویا کرتا کہ وسیع میدانوں اور بیابانوں میں دو میل کے فاصلہ تک آواز سُنائی دیتی تھی۔ اُس کی انگشتری پر نقش تھا "ٹھہرے ہوئے کو حرکت میں لانا بہ نسبت چلتے ہوئے کو تھامنے کے بہت آسان ہے"۔

افلاطون کی نصیحتیں مشہور ہیں۔ اس مختصر میں چند مقولے نمونہ کے لئے درج کئے جاتے ہیں۔ کہتا ہے "اگر حکیم لوگوں سے دور بھاگتا ہو تو اُس کو تلاش کرو ورنہ اگر وہ لوگوں کی تلاش میں نظر آئے تو اُس سے خود دور بھاگو"۔ "جو شخص دولت وعزت کے ہوتے ہوئے اپنے بھائیوں کی خاطر اور مدد نہیں کرتا تنگی اور مفلسی کے وقت میں بھائی بند اُس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں"۔ "شریر طبیعت والے لوگوں کی برائیوں کو اختیار کرتے اور اُن کی خوبیوں سے احتراز رکھتے ہیں"۔

تصانیف۔ افلاطون کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ سقراط کا اعتراض اہل ایتھنز پر۔

(۲)۔ کتاب فاذن فی النفس۔

(۳)۔ کتاب سیاست مُدن کی ترتیب کے بیان میں۔

(۴)۔ طیماوس کی روحانی کتاب۔ اس میں تین عقلی عوالم عالم ربوبیت۔ عالم عقل۔ اور عالم نفس کا بیان ہے۔

(۵)۔ طیماوس کی طبیعی کی کتاب۔ یہ چار مقالے (مضامین) ہیں جو عالم طبیعۃ کی ترتیب کے بارہ میں لکھے گئے ہیں۔ اور یہ دونو کتابیں افلاطون نے ایک شاگرد کو لکھی تھیں جس کا نام طیماوس تھا۔ اور اُس کی غرض یہ تھی کہ علم طبیعی کی پوری پوری تشریح کرے۔ جالینوس

نے لکھا ہے کہ اس کتاب طیماوس کی شرحیں کئی ایک شارحوں نے لکھی ہیں اور اتنی بات بڑھائی ہے کہ شرح کی حد سے آگے بھی نکل گئے مگر اُس میں جتنے طبّی مقولے تھے اُن کو کسی نے چھُوا تک نہیں اور جس نے کچھ اُن کی شرح کی ہے وہ اچھی نہیں۔ اوّل تو خود جالینوس کی ایک کتاب چار مقالوں پر منقسم ہے اُس میں اُس نے کتاب طیماوس کے طبّی مسائل کی شرح و تفسیر بیان کی ہے ٭

(۶)۔کتاب اقوال افلاطون ٭
(۷)۔کتاب اوثفرن ٭
(۸)۔کتاب اقریطن ٭
(۹)۔کتاب قراطلس ٭
(۱۰)۔کتاب ثاطیطس ٭
(۱۱)۔کتاب سوفسطس ٭
(۱۲)۔کتاب نولیطیقوس (پالیٹکس) ٭
(۱۳)۔کتاب برمیفیدس ٭
(۱۴)۔کتاب فلیسن ٭
(۱۵)۔کتاب سمبوسین ٭
(۱۶)۔کتاب القیبیادس اوّل ٭
(۱۷)۔کتاب القیبیادس دوم ٭
(۱۸)۔کتاب ابرخس ٭
(۱۹)۔کتاب ارسطا در بیان فلسفہ ٭
(۲۰)۔کتاب ثااجیس ۔ در فلسفہ ٭
(۲۱)۔کتاب اوثودیموس ٭
(۲۲)۔کتاب لاخس شجاعت کے بیان میں ٭
(۲۳)۔کتاب لوسیس ٭
(۲۴)۔کتاب افروطاغورس ٭
(۲۵)۔کتاب غورجیاس ٭
(۲۶)۔کتاب قانون ٭
(۲۷و۲۸)۔دو کتابیں جن کے نام "ابیا" ہیں ٭
(۲۹)۔کتاب این ٭
(۳۰)۔کتاب منکسنس ٭
(۳۱)۔کتاب قلیطفون ٭
(۳۲)۔کتاب الفلسفی ٭
(۳۳)۔کتاب اقریطیاس ٭
(۳۴)۔کتاب مینس ٭
(۳۵)۔کتاب افینوس ٭
(۳۶)۔کتاب النوامیس ٭
(۳۷)۔بارہ کتابیں فلسفہ کے بیان میں ٭
(۳۸)۔کتاب کیا کرنا چاہیے ٭
(۳۹)۔کتاب اعلےٰ درجہ کی چیزوں کے بیان میں ٭
(۴۰)۔کتاب خرمیدس در بیان پاکدامنی ٭
(۴۱)۔کتاب فدروس ٭
(۴۲)۔کتاب المغاسبات ٭

(۴۳)۔ کتاب التوحید ٭

(۴۴)۔ کتاب دربیان نفس وعقل وجوہر وعرض ٭

(۴۵)۔ کتاب الحس واللذۃ۔ ایک مقالہ ٭

(۴۶)۔ کتاب تادیب الاحداث اور انکی ہدایتیں ٭

(۴۷)۔ کتاب معاتبۃ النفس ٭

(۴۸)۔ کتاب اصول ہندسہ ٭

(۱۹۰) اقاقیوس (حکیم)

یہ طبیب بھی بقراط کے زمانہ سے بعد اور جالینوس سے پہلے ہُوا۔ بنی نوع کی قابل قدر خدمت اس کے ہاتھوں انجام پائی۔ یہ اُن اطباء میں سے دوسرا شخص ہے جن کو دوازدہ برج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دواؤں کی ترکیب اور نسخوں کی ترتیب میں صاحب کمال تھا ٭

(۱۹۱) اقریطن (حکیم)

اِس کا لقب "مُزَیّن" (حجام) تھا۔ کتاب الزینۃ اس کی یادگار ہے۔ جالینوس نے اس کتاب سے اپنی کتاب "المیامر" میں بہت سی باتیں نقل کی ہیں ٭

(۱۹۲) اکسانقراطس (حکیم)

عہد مابین بقراط و جالینوس میں یونان کا اچھا حکیم اور طب میں مشہور تھا ٭

(۱۹۳) الاَسعد المحلی (حکیم)

اسعد الدین یعقوب بن اسحٰق۔ یہودی۔ اور ملک مصر کے شہر "المحلۃ" کا باشندہ تھا نہایت فاضل فیلسوف و حکیم تھا۔ علوم حکمیہ میں اس کی مہارت مشہور تھی۔ فن طب اور معالجات میں بڑا نام پایا۔ ۵۹۵ھ میں دمشق کو گیا اور کچھ عرصہ تک وہاں مقیم رہ کر وہاں کے اطباء سے مباحثات و علمی مناظرے کرتا رہا۔ دمشق سے مصر میں واپس آ کر بمقام قاہرہ فوت ہو گیا

اسعد المحلی کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔

(۱)۔ مقالۃ فی قوانین طبیۃ۔ اس کے ۵ باب ہیں ٭

کی تشخیص میں کوشش اور غور و فکر کرنے سے روز بروز علم کا شوق بڑھتا گیا۔ اُسے فکر پیدا ہوئی کہ فن کو کسی امام وقت سے حاصل کرنا لازم ہے۔ پتا لگانا شروع کیا۔ اور یہ معلوم کر کے کہ "ابوالفرج بن الطیب" بغداد میں بڑا اعلیٰ درجہ کا طبیب و حکیم ہے بغداد کا عازم ہوا۔

بیرودی کی ماں کے پاس ایک جوڑی قیمتی کنگن کی تھی اُسے خرچ کے لئے لے گیا۔ اور بغداد پہنچ کر ابوالفرج بن الطیب کے حلقۂ درس میں داخل ہوا۔ اپنی گزر اوقات کا سامان اُسی کنگن کی جوڑی کو بیچ کر فراہم کر لیا تھا۔ بیرودی نے طب کی تکمیل کے علاوہ بغداد میں منطق و فلسفہ اور دیگر علوم کی بھی تکمیل کی۔ اور اچھی طرح فاضل و تجربہ کار طبیب بن کر دمشق میں واپس آیا۔ جہاں اُس نے قیام اور مستقل سکونت اختیار کی۔ وہیں اُس نے چوتھی صدی ہجری کے بعد وفات پائی اور یعقوبی عیسائیوں کے کنیہ میں مدفون ہوا۔ اُس نے بہت کچھ دولت اپنے ترکہ میں چھوڑی۔

بیرودی کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ مقالہ اس بیان میں کہ چھوٹے چوزوں کی نسبت بڑے چوزے سرد تر ہوتے ہیں۔
(۲)۔ ابن الموفقی کے کلام کی تردید چند مسائل متعلقۂ نبض میں جسکے بابت دونوں میں بالمشافہ بحث ہوتی رہی تھی۔

(۱۹۷) التمیمی (حکیم)

ابو عبداللہ محمدؐ بن احمدؐ بن سعید تمیمی۔ ابتداءً شہر قدس یا اُس کے اطراف میں رہتا تھا بعد ازاں ملک مصر میں چلا آیا اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ علم نباتات میں بڑا ماہر تھا۔ ہر ایک جڑی بوٹی کے خواص۔ افعال۔ اور علامات سے بخوبی واقف اور اعمال طب میں بھی ممتاز شخص تھا۔ مرکب دواؤں کی شناخت کا اچھا علم رکھتا تھا۔ تریاق کبیر اور تریاق فاروق کی مفردات دوایات کا کئی مرتبہ پوری تحقیقات کے ساتھ پتا چلایا۔ پھر بہت سی دفعہ ان دونوں تریاقوں کے نسخے بنا کر تیار کئے۔ اس کی ساختہ تریاق ہر لحاظ سے قابل سند اور بیحد مفید و خالص ہوا کرتی تھی۔ التمیمی کو شہر قدس شریف میں ایک عیسوی راہب کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملا جس کا نام "انبا زخریا بن ثوابۃ" تھا۔ اس راہب کو علوم حکمیہ اور طب میں اچھی معلومات

حاصل تھی۔ التمیمی نے کئی سال اُس کی خدمت میں رہ کر مفید باتیں اُس سے اخذ کیں۔ اُس نے اپنی کتاب "مادۃ البقاء" میں ایک سفوف کا نسخہ لکھا ہے جو مرّۃ سوداء محترقہ سے پیدا ہونے والے رجفان کو مفید ہوتا ہے اور ذکر کیا ہے کہ یہ نسخہ اُس کو "انبا زخریا" سے معلوم ہوا تھا۔

التمیمی کا دادا سعید بھی بقول القفطی کے طبیب تھا۔ اور وہ احمد بن ابی یعقوب مولیٰ ولدِ العباس کے ساتھ رہا تھا۔ محمد المعروف بہ التمیمی۔ اپنے وطن بیت المقدس سے نکل کر بہت سے مقاموں میں طلب علم کے شوق کو پورا کرتا رہا۔ خصوصاً دوا سازی اور مفرد ادویات کی شناخت میں ملکہ حاصل کرنے کا اُس کو عجیب ذوق تھا۔ تریاق فاروق کا نسخہ اُسی نے مکمل کیا۔ اُس میں کئی مفرد دوائیں بڑھائیں۔ تمام اطباء متفق الرائے ہو کر اس بات کو مانتے ہیں کہ تریاق فاروق کا نسخہ التمیمی ہی کی محنت سے تکمیل کو پہنچا۔ اس تریاق کے بیان میں التمیمی کی کئی تصانیف ہیں جو چھوٹی۔ متوسط اور بڑی ہر قسم کی ہیں۔

التمیمی شہر رملہ کے خود سر حاکم عبداللہ بن طغج کا خاص طبیب رہا تھا۔ عبداللہ بن طغج التمیمی کی بہت قدر و منزلت کرتا رہتا۔ اور اس سے کئی نادر دوائیں اُس نے تیار کرائیں۔ التمیمی دوا سازی اور نسخوں کی ترکیب میں عجیب ملکہ رکھتا تھا۔ اُس نے ابن طغج کے واسطے معجونات اور اعلےٰ درجے کے فرحت انگیز لخلخوں کے علاوہ اس قسم کی سلگائی جانے والی مرکب خوشبودار چیزیں بھی تیار کیں جو دافع خرابی آب و ہوا اور امراض وبائیہ تھیں۔ التمیمی نے یہ سب نسخے اپنی تصانیف میں درج کر دئے ہیں۔

رملہ سے التمیمی کا دل سیر ہو گیا تو وہ مصر میں پہنچا اور سلطنت علویہ کے نامور وزیر یعقوب بن کلس کی خدمت کرتا رہا۔ التمیمی نے اس وزیر کے واسطے ایک نادر کتاب "مادۃ البقاء فی اصلاح فساد الهواء" نامی کئی جلدوں میں لکھی۔ مصر کے نامور اطباء اور اُن طبیبوں سے جو بلاد مغرب سے مصر میں آتے رہتے تھے التمیمی کی ملاقاتیں ہوئیں۔ علمی مباحثات کی مجلس آراستہ کی گئیں۔ اور سب لوگ اُس کے کمال کو تسلیم کرتے رہے۔ ابن القفطی لکھتا ہے کہ جب التمیمی اپنے وطن بیت المقدس ہی میں تھا تو وہاں اُس نے ایک تریاق "مخلص النفوس" نامی تیار کی تھی۔ اس تریاق کا خاصہ تھا کہ وہ ہر قسم کے قاتل زہروں کا اثر دور کرنے میں

حد درجہ کی مفید تھی۔ خواہ وہ زہر کھانے پینے کے ذریعہ۔ یا کاٹنے والے جانوروں کے کاٹنے کی وجہ سے کسی طرح بھی جسم میں پہنچا ہو۔ التمیمی کا ایک نسخہ جوارش مفرح بہت نادر ہے۔ اس کی ترکیب تمیمی نے اپنی کتاب مادۃ البقاء میں بہت اچھی طرح سے درج کردی ہے اور اسکے تجویز کرنے کا سارا قصہ بھی لکھ دیا ہے۔ تمیمی نے اس جوارش کا نام "فسطاط" رکھا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں وہ فسطاط ہی میں مقیم تھا جو مصر کا قدیم اسلامی پایۂ تخت تھا اور اب شہر "القاہرہ" کے ساتھ مل گیا ہے۔ التمیمی ۳۷۰ھ میں مصر میں موجود تھا۔ اسکی تاریخ وفات کا پتا ٹھیک نہیں چلتا مگر غالباً اس سنہ کے بعد ہی ہوگی۔

تمیمی کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱) رسالہ در بیان ساخت تریاق الفاروق۔ اپنے بیٹے علی بن محمد کے لئے لکھا اور اس میں تریاق مذکور کے ہر جزو کو بوضاحت تمام بڑی صحت و تحقیق کے ساتھ درج کیا ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ دوائیں کس وقت میں جمع کی جائیں۔ کیونکر کوٹی پیسی جائیں اور کس طرح ان کو باہم ملایا جائے۔ پھر شہد یا قوام کے ساتھ ان کو کیونکر گوندھنا چاہیئے۔ غرضیکہ کوئی بات باقی نہیں رہنے دی ہے۔

(۲)۔ کتاب التریاق۔ اس میں بھی ترکیب ادویات، اور فوائد و تجربات کا مکمل بیان ہے۔

(۳)۔ کتاب المختصر فی التریاق۔

(۴)۔ کتاب مادۃ البقاء باصلاح فساد الھواء والتحرز من ضرر الوباء۔ یہ کتاب تمیمی نے وزیر یعقوب بن کلس کے لئے مصر میں تالیف کی تھی۔

(۵) مقالہ رمد اور اسکے اسباب و علاجات کے بیان میں۔

(۶)۔ کتاب الفحص والاخبار۔

(۱۹۸) الحرّانی (حکیم)

ملک مشرق کے شہر حرّان کا باشندہ اور مغرب میں آرہا تھا۔ یہ مغرب میں بعہد امیر محمد بن عبدالرحمن آیا۔ اس کے پاس طب کے بہت سے عمدہ اور مجرّب نسخے تھے۔ جن کے ذریعہ سے شہر قرطبہ میں اس کو بہت جلد خاصی شہرت حاصل ہوگئی۔ ایک معجون اس کے

پاس تھا جس کو یہ فی خوراک پچاس دینار قیمت پر فروخت کیا کرتا تھا۔ امراض شکم کے لئے وہ معجون البساتیر بہدف علاج تھا کہ لوگ خوشی کے ساتھ خرید کر استعمال کیا کرتے تھے۔ اس ذریعہ سے حرانی کو کچھ ہی عرصہ میں بہت کچھ دولت ہاتھ لگی۔ اس فاضل طبیب کی آمدنی کا یہ حال دیکھ کر اندلس کے اطباء کو رشک پیدا ہوا۔ اُن میں سے پانچ نامور اور لائق طبیب محمد بن۔ اور حراو وغیرہ کی طرح باہم اتفاق کرکے اس کے پاس گئے اور دس دس دینار فی کس شریک کرکے ایک خوراک دوا اُس سے خرید لائے۔ آلحرانی اُن سے واقف نہ تھا۔ دوا لیکر اپنے گھر آئے اور ہر شخص سونگھنے۔ چکھنے۔ اور کیمیاوی تحلیل کے ذریعہ اُس کے اجزاء دریافت کرنے کی کوشش میں مصروف ہوا۔ جب یوں اپنے خیال میں اُس کے اجزاء کا پتا چلا لیا اور باہمی مشورہ اور مقابلہ سے اپنی دریافت کی صداقت پر مطمئن ہوگئے تو پھر حرانی کے پاس پہنچے اور اُسے آگاہ کیا۔ کہ وہ فلاں فلاں طبیب ہیں۔ اور دوا خرید کر اس غرض سے لے گئے تھے۔ اب یہ اجزاء معلوم کرکے تمہارے پاس آئے ہیں۔ چونکہ تم اس سے معقول فائدہ اُٹھا چکے ہو۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اگر اُن کا خیال صحیح ہو تو ادویات کی تصدیق کردو۔ ورنہ اُن کو اپنے کام میں شریک بنا لو۔ آلحرانی اُن کے دریافت کردہ اجزاء سُن کر ہنسا اور اُس نے کہا بے شک تم نے ساری دواؤں کا پتا چلا لیا ہے۔ لیکن ایک دوا تم میں سے کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ اور وہ "المغیث الکبیر" ہے۔ اس کے علاوہ ادویات کے اوزان کی تعدیل بھی تم سے نہیں بن پڑی ہے" اور اس کے بعد اُن کو اپنے کام میں ساجھی بنا لیا۔ اس وجہ سے تمام اندلس میں اُسکی شہرت ہوگئی ◆

(۱۹۹) الحفید ابوبکر بن زہر (حکیم)

ابوبکر محمد بن ابی مروان بن ابی العلاء بن زہر۔ نام ونسب۔ شہر اشبیلیہ میں پیدا ہوا تھا وہیں پرورش اور نشوونما پائی۔ فن طب میں اپنے باپ ابی مروان کا شاگرد اور اسی کے ساتھ مطب کیا کرتا تھا۔ متوسط القامت۔ صحیح الجسم۔ مضبوط ہاتھ پیر کا آدمی تھا۔ طب کے سوا دیگر علوم وفنون کا بھی اچھا ماہر تھا۔ قوٰلے اس کے اتنے مضبوط تھے کہ بڑھاپے

کی عمر تک برابر سُرخ و سفید اور توانا و تندرست بنا رہا۔ صرف اخیر عمر میں کسی قدر اونچا سُننے لگا تھا۔ حافظ قرآن شریف اور محدث و فقیہ تھا۔ علم ادب و شاعری میں اعلیٰ پایہ حاصل کیا۔ اس کی نظمیں اکثر موسیقی داں گایا کرتے تھے۔ بڑا پابند شریعت، دیندار، اولوالعزم مخیّر، بارُعب، اور زبان آور تھا۔ اُس کے زمانہ میں طب کے علم و عمل میں اُس کی نظیر نہیں ملتی تھی۔ اُس کا نام اُندلس کی سرزمین سے نکل کر دور دور تک مشہور ہو گیا۔ جسمانی قوت اور طاقت کا یہ عالم تھا کہ پختہ دو مَن کی وزنی کمان کا چلّہ کھینچ لیا کرتا۔ شطرنج کھیلنے میں شاطر اور اس کا بیحد شائق تھا۔

حفید ابوبکر بن زُہر نے دو حکمران خاندانوں کی طبّی اور مُلکی خدمات انجام دیں۔ پہلے وہ اپنے باپ کے ساتھ فرمانروایان ملثّمین کے دربار میں بارسُوخ اور اُن کا شاہی طبیب رہا۔ پھر موحدّین کی حکومت شروع ہونے پر حفید اور اُس کا باپ دونوں مہدی ابن تومرت کے خلیفہ عبدالمومن بن علی کے درباری طبیب رہے۔ ابومروان حفید کا باپ عبدالمومن کے سامنے ہی فوت ہو گیا۔ مگر حفید اُس کے پوتے المنصور کے وقت تک اس خاندان حکومت کی خدمتگزاری میں مصروف رہا۔

حفید ابوبکر اپنے فن میں یکتا۔ اعلےٰ درجہ کا صائب الرائے اور بہت بے مثل معالج تھا۔ خلیفہ عبدالمومن کے لئے ایک مرتبہ حفید کے باپ ابومروان نے کوئی نسخہ لکھا یہ نسخہ مسہل دوا کا تھا۔ حفید اُس وقت جوان تھا۔ اُس نے نسخہ دیکھکر باپ سے کہا کہ اس میں فلاں مفرد دوا اچھی نہیں اس کو فلاں مرکّب دوا سے بدل دینا مناسب ہے۔ ابومروان نے اُس کے کہنے کا خیال نہ کیا اور خلیفہ کو نسخہ استعمال کرایا گیا۔ دوا نے کچھ اثر نہ دکھایا تو ابومروان کو اپنے ہونہار فرزند کا مقولہ یاد آیا اور وہ خلیفہ سے کہنے لگا "امیرالمومنین! ابوبکر کی رائے درست تھی اب اس نسخہ کی یہ دوا بدل دینا اور پھر استعمال کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اُسی طرح دوا تیار ہو کر استعمال کی گئی اور کارگر ہوئی۔ المنصور ابویوسف یعقوب کے واسطے "تریاق الخمسینی" (پچاس دواؤں کی مرکّب معجون) کا نسخہ ابوبکر ہی نے ترتیب دیا تھا۔

حفید ابوبکر دوستوں کی اعانت میں بڑا فیاض تھا۔ ایکبار اُس کے ایک گہرے دوست

کو جو ہر روز اس کے ساتھ شطرنج کھیلا کرتا تھا کوئی ضرورت درپیش تھی۔ وہ کچھ پریشان سا تھا۔ حفید ابوبکر نے اُس سے پریشانی کا سبب دریافت کیا اور یہ معلوم ہونے پر کہ اُس شخص کی بیٹی کی رخصتی درپیش ہے اور وہ تین سو دینار کا حاجتمند ہے فوراً یہ رقم اُس کے حوالہ کردی اور جب اُس آدمی نے دستگردان رقم ادا کرنی چاہی تو نہ لی اور کہہ دیا کہ میں نے دوستانہ امداد کی تھی قرض نہیں دیا تھا جو واپس لوں۔ ہر چند اُس کے دوست نے اصرار کیا لیکن حفید نے ایک بات نہ سنی اور روپیہ واپس نہ لیا۔

امیر المومنین منصور نے اپنے قلمرو میں علم منطق کی بیخ کنی پر کمر باندھی اور یہ خدمت حفید ابوبکر کو جو اُس وقت وزارت کے منصب پر فائز تھا سپرد کی گئی کہ تمام منطق کی کتابیں جہاں سے ملیں تلاش کر کے جلا دے اور اس علم کے پڑھنے پڑھانے والوں کو تنبیہ کرے۔ حفید اپنی خدمت بخوبی بجالایا۔ لیکن اس موقع پر اُس کے ایک درباری معاصر نے جو اس سے دشمنی رکھتا تھا خلیفہ منصور کو بذریعہ درخواست اطلاع دی کہ حفید ابوبکر اوروں کی منطقی کتابیں تو تلف کر رہا ہے لیکن خود سینکڑوں کتابیں منطق کی اپنے کتب خانہ میں رکھے ہے اور اس علم کو پڑھتا پڑھاتا رہتا ہے۔ مگر منصور کو حفید کے تدین اور اخلاص پر اتنا اعتماد تھا کہ اُس نے شکایتی درخواست کو بے التفاتی کے ساتھ رد کر دیا۔ اور اُس درخواست کے پیش کرنے والے اور اُس پر گواہیاں کرنے والوں کو سخت پھٹکار بتائی اور سزا دی۔

حصن الفرج نامی ایک قلعہ شہر اشبیلیہ سے باہر دو میل کے فاصلہ پر منصور کے لئے تیار ہوا تھا۔ یہ قلعہ ابوبکر بن زہر ہی کے مشورہ سے بنا۔ حفید ابوبکر نے جائے تعمیر کی آب و ہوا کو جانچ کر نہایت صحت بخش پایا اور منصور کو وہاں شاہی ایوان اور قلعہ بنانے کی صلاح دی۔

ایک مرتبہ دو طالب علم جو حفید سے طب کی کتابیں پڑھتے تھے کوئی منطق کی کتاب لیکر اُس کی مجلس درس میں آئے۔ حفید اُن پر سخت ناراض ہوا۔ مارنے کو دوڑا۔ اور وہ طلبہ بھاگے تو دور تک اُن کے تعاقب میں گیا۔ گالیاں دیتا اور غصہ سے سرخ ہوا جاتا تھا۔ وہ طالب علم بڑے نادم ہوئے اور چند روز بعد اُنھوں نے اور لوگوں کو بیچ میں ڈال کر

اپنی غلطی کی معافی مانگی۔ حفید نے درگزر کیا اور اُن کو درس میں حاضری کا حکم دیا۔ جب وہ پھر درس میں آنے لگے تو اُن کو فقہ و تفسیر و حدیث پڑھنے اور دینی اعمال و احکام کی پیروی کرنے کی تاکید فرمائی اور کسی قدر مدّت کے بعد اُنہیں دینداری میں کامل دیکھ کر وُہی منطق کی کتاب جس کی وجہ سے اُن پر پہلے ناخوش ہوگیا اُس کے حوالہ کی اور کہا کہ اب اُس کو پڑھنا چاہو تو شوق سے پڑھو۔ اور سمجھا دیا کہ پہلے تم عقائد میں پختہ نہ تھے اس لئے یہ کتاب پڑھ کر گمراہ ہو جاتے۔ لیکن اب اس کا خوف باقی نہیں رہ گیا تم اسکو شوق سے پڑھو۔

المنصور کا وزیر ابو زید عبد الرحمٰن بن یوجان۔ حفید ابو بکر کا جانی دشمن تھا۔ دربار شاہی میں کوئی سازش اور چغلی حفید کے گرانے میں چلتی نہ دیکھی تو کم بخت نے انڈوں کے خاگینہ میں زہر ملا کر اُسے کھلوا دیا۔ اتفاق سے جس روز یہ زہر ملا کھانا حفید نے کھایا اُس کے ساتھ اُس کی بھانجی بھی شریک طعام تھی جو بہت اعلیٰ درجہ کی طبیبہ اور قابلہ تھی۔ دونو اس مسموم غذا کے کھاتے ہی مر گئے اور کوئی علاج اُن کے بچانے میں موثر نہ ہوا۔

حفید ابو بکر بن زُہر نے بمقام شہر مراکش ۵۹۶ھ میں وفات پائی جہاں وہ سیر کے لئے آیا ہوا تھا۔ اور وہیں "مقابر الشیوخ" نامی ایک جگہ میں مدفون ہُوا۔ وہ ساٹھ سال کے قریب عمر تک زندہ اور نیکنامی۔ عزت، دولت، حشمت ہر چیز پر قابض رہا۔ حفید کا شاگرد رشید فن طب میں ابو جعفر بن الغزال تھا۔

(۲۰۰) الحقیر النافع (حکیم)

مذہباً یہودی۔ مصر کا رہنے والا۔ خلیفہ الحاکم کے عہد میں نہایت اعلیٰ درجہ کا جرّاح تھا اس کا اصلی نام تو معلوم نہیں۔ مگر مشہور نام "الحقیر النافع" ہے جس کی وجہ تسمیہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ خلیفہ الحاکم کے پیر میں کوئی معمولی سا زخم ہوگیا تھا۔ ابن مقشر اُس کا خاص طبیب اور دیگر درباری اطباء سب علاج کرتے رہے۔ زخم بڑھتا اور ہرا ہوتا گیا۔ صحت نہ ہو سکی۔ کئی مہینے یونہی گزر گئے تو اتفاق سے یہ یہودی جرّاح جو بالکل گمنامی کی زندگی بسر کرتا تھا کسی

درباری کی نظر پر چڑھ گیا۔ اور وہ آزمائش کے طور پر خلیفہ کے حضور میں لے آیا۔ یہودی جراح نے زخم کی حالت دیکھ کر اُس کو دھویا اور صاف کیا۔ پھر ایک خشک دوا جو رطوبت کو جذب کرنے والی تھی زخم پر چھڑک دی۔ یہودی کے علاج سے تین دن میں وہ مہینوں کا زخم بالکل خشک ہو گیا اور خلیفہ نے یہودی کو ہزار دینار انعام و خلعت گراں بہا مرحمت فرما کر "الحقیر النافع" کے نام سے موسوم کیا اور اُسے اپنا خاص طبیب بنا لیا۔

(۲۰۱) الحلاجی (حکیم)

اس کا مشہور نام "یحییٰ بن ابی حکیم" ہے۔ یہ خلیفہ معتضد باللہ کا درباری طبیب تھا اس کی تصنیف سے ایک کتاب پائی جاتی ہے جس کا نام ہے "اُن نحیف جسموں کا علاج جن پر صفرا کا غلبہ ہو گیا ہو" اس نے یہ کتاب خلیفہ معتضد کے لئے تصنیف کی تھی۔

(۲۰۲) الدخوار (حکیم)

شیخ امام صدر الحکماء عالم بے بدل فاضل بے مثل مہذب الدین ابو محمد عبدالرحیم بن علی بن حامد۔ المعروف بہ "الدخوار" اپنے زمانہ کا یکتا عالم اور فرید عصر فاضل و حکیم تھا۔ اُس کے وقت میں ریاست طبابت اُسی پر ختم ہوئی۔ اس فن کا کوئی مسئلہ کلی ہو یا جزئی اُس کی ناقد نظر سے باقی نہ بچا تھا۔ اجتہاد میں بے نظیر اور علم میں بے مثل تھا۔ مطالعہ اور تحصیل کمال میں سعی موفور کر کے تمام اہل زمانہ پر کوئی سبقت لے گیا۔ اور میدان علم کا یکہ تاز۔ بہت سے سلاطین و امرا کی طبی خدمت انجام دی۔ اور سینکڑوں عالی قدر طبیب اپنے حلقۂ درس سے نکالے۔ پیشۂ طبابت سے جس قدر دولت و عزت اُنہوں نے پیدا کی اُس کا شمار غیر ممکن ہے۔

مہذب الدین ابو محمد عبدالرحیم بن علی کا باپ شہر دمشق میں نامور کحال تھا۔ اور عبدالرحیم کا بھائی حامد بن علی بھی اس کام میں بہت امتیاز رکھتا تھا۔ مہذب الدین عبدالرحیم بن علی دمشق ہی میں پیدا ہوا اور وہیں نشو و نما پائی۔ ابتداء میں اپنا آبائی کام یعنی کحالی کیا کرتا تھا۔

اور اسی کے ساتھ کتابوں کے نقل کرنے اور طبی معالجات میں حد سے زیادہ کوشش کرتا رہتا۔ تقریبًا ایک سو سے زیادہ کتابیں اُس نے اپنے ہاتھ سے لکھیں جن میں سے اکثر طبی کتابیں تھیں اور چند دیگر علوم و فنون میں ؛

عبدالرحیم بن علی نے شیخ تاج الدین الکندی سے علم ادب اور عربی زباندانی کی تحصیل کی۔ شوق علم اُس پر اس قدر غالب تھا کہ زندگی بھر طلب علم میں مصروف رہا۔ ادھیڑ عمر تک جبکہ وہ شاہی دربار کی خدمت انجام دینے میں عدیم الفرصت بھی رہتا تھا اُس نے اپنے علمی مشاغل کم نہیں کئے تھے۔ اُس نے علم طب کی تحصیل شیخ رضی الدین۔ الرحبی سے آغاز کی تھی۔ اُس کے بعد موفق الدین ابن المطران کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا اور سفر و حضر میں مدت تک اُس کے ساتھ رہ کر طبابت میں ممتاز درجہ اور کامل مہارت پیدا کرلی۔ پھر جب ۵۷۹ھ میں شیخ فخر الدین الماردینی وارد دمشق ہوا تو مہذب الدین عبدالرحیم نے اُس کے خرمن فضل و کمال سے بھی خوشہ چینی کی اور اُس سے قانون شیخ کا کچھ حصہ پڑھا۔ اِس کتاب کا پڑھانا ماردینی کا خاص حق تھا۔ اور وہ اس پر بیحد حاوی ہوگیا تھا ؛

تحصیل علم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد مہذب الدین عبدالرحیم بن علی نے ملک العادل ابوبکر بن ایوب کی خدمت میں ملازمت کی اور اُس کا طبیب خاص مقرر ہؤا۔ اُس کے دربار رسی کا وسیلہ یہ ہوا کہ جیسا ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں وہ ابتدا میں کحالی کا کام کیا کرتا تھا۔ اور دمشق کے بیمارستان کبیر تعمیر کردۂ ملک العادل نورالدین محمود بن زنگی میں یہی خدمت اُس کے سپرد تھی۔ مگر جب وہ علم طب کی تکمیل کے خیال سے ابن المطران کے حلقۂ درس میں شامل ہؤا اُس وقت صاحب صفی الدین بن شکر وزیر نے جو ملک العادل ابی بکر بن ایوب کا وزیر اعظم تھا عبدالرحیم کی سرپرستی فرما کر اُس کا کچھ وظیفہ مقرر کردیا۔ اور اُسے اپنا طبیب مقرر کیا۔ عبدالرحیم وزیر کی خدمت انجام دینے کے ساتھ ہی مطالعہ اور تحصیل علم کے ذریعہ اپنی علمی استعداد کو بڑھاتا گیا اور روز بروز علوم میں ترقی کرتا رہا ؛

وزیر ابن شکر اُس کے کمال علمی سے آگاہ ہوچکا تھا اور ایسے جوہر قابل کی سرپرستی کی طرف اُس کا میلان بہت بڑھ گیا تھا۔ سنہ [illegible]ھ میں ملک العادل نے وزیر صفی الدین ابن شکر

سے فرمایا کہ حکیم موفق الدین عبدالعزیز کے ساتھ جو شاہی سپاہ کا معالج ہے ایک اور طبیب بطور مددگار کے مقرر کرے اور وزیر نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر مہذب الدین عبدالرحیم کو پیش کر دیا۔ سلطان کی خدمت میں عمدہ الفاظ کے ساتھ اُس کی تقریب کی اور اُسے دربار میں طبی خدمت دلوا دی۔

مگر جب وزیر نے مہذب الدین کو بلوا کر اس بات سے مطلع کیا کہ وہ اُس کی تقریب دربار سلطانی میں کر چکا ہے۔ اُس وقت مہذب الدین عبدالرحیم بن علی نے یہ معلوم ہونے پر کہ اُسکی تنخواہ صرف تیس دینار ناصریہ مقرر ہوئی ہے اس خدمت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "حکیم موفق الدین عبدالعزیز کو ایک سو دینار ماہوار اور اتنا ہی روزینہ و دیگر اخراجات کے لئے ملتا ہے۔ میں علم میں اُس سے بڑھ کر ہوں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اُس کی تنخواہ سے کم تنخواہ لوں" اسکے بعد وہ وزیر کی خدمت سے بھی مستعفی ہو گیا اور اپنے گھر بیٹھ رہا۔ اگرچہ مہذب الدین عبدالرحیم سے بہت سے دوستوں نے اُسکو وزیر کی بات نہ ماننے پر ملامت بھی کی لیکن وہ اپنے ارادہ پر مستقل رہا اور اتفاق یا خوش قسمتی سے جو کچھ کہئے حکیم موفق الدین تھوڑے ہی عرصہ میں قولنج کا شکار ہو کر فوت ہو گیا۔ جس کے بعد سلطان نے وزیر موصوف سے کہا کہ تم ایک بار حکیم مہذب الدین عبدالرحیم دخوار کا ذکر کرتے تھے۔ اب اُسکو حکیم موفق الدین کی جگہ پر اُسی تنخواہ اور روزینہ کے ساتھ مقرر کر دو جو موفق الدین کا مقرر تھا۔

یہ وحید العصر فاضل اس طرح دربار سلطانی میں پہنچا اور پھر روز بروز سلطان کی نظر میں اُس کا اعزاز بڑھتا گیا یہاں تک کہ وہ اُس کا مصاحب اور مشیر بن گیا۔ ابتدائے ملازمت ہی میں عبدالرحیم سے چند علاج ایسے بن آئے کہ سلطان کو اُس کے علم و کمال پر کامل اعتماد ہو گیا ۶۱۱ھ کے ماہ صفر میں ملک العادل سخت بیمار ہوا اور عبدالرحیم کے علاج سے تندرستی پائی۔ اُس وقت سلطان کی طرف سے جو انعام و اکرام ملا اُس کے علاوہ بہت کثیر رقم اور خلعتہائے فاخرہ سلطان کے بیٹوں کی جانب سے اُس کے پاس آئے۔ اور دیگر شاہان ممالک نے بھی قیمتی تحائف و زرنقد اُس کو بھیجا۔ پھر ۶۱۲ھ میں ملک العادل ملک مصر کو گیا۔ عبدالرحیم بن علی بھی اُس کے ہمراہ تھا۔ اُس سال قاہرہ میں زور کی وبا پھیلی تھی۔ ملک الکامل۔ ملک العادل کا بیٹا حکمران مصر مع اپنے کئی ارکان دربار کے مرض میں مبتلا ہوا اور عبدالرحیم نے اُس کا علاج

کیا۔خداوند کریم نے ملک العادل کو صحت بخشی۔اس خدمت کے عوض میں عبدالرحیم مالامال بنا دیا گیا۔اور سلطان نے خوش ہو کر اُسے ملک مصر کا افسرالاطباء بنا دیا۔اِسی زمانہ میں سلطان نے عبدالرحیم کو مصر کے کحالوں کا ممتحن بھی بنا دیا تھا۔اور اُس نے اُن لوگوں کا امتحان لیکر جنہیں سند دی۔وہی کام کرسکتے تھے ۔

سنہ ۶۱۴ھ میں ملک العادل اہل یورپ کے سواحل شام پر حملہ آور ہونے کی خبر پاکر ملک شام میں آیا اور اُس نے "مرج الصعر" میں اپنا کمپ قائم کیا۔اسی جگہ سلطان ملک العادل سخت بیمار ہو کر ۔جمادی الاخری سنہ ۶۱۵ھ روز جمعہ کو دنیا سے چل بسا۔اور اُس کے بعد ملک شام کی حکومت ملک المعظم بن ملک العادل ابی بکر بن ایوب کے ہاتھ میں آئی۔ملک المعظم نے حکیم مہذب الدین کا معقول وظیفہ فرما کر اُسے دمشق میں مقیم رہنے اور بیمارستان کبیر کی خدمت کرنے کا حکم دیا ۔

اِس بےعدیل علامۂ دہر نے دمشق میں پہنچ کر قیام کیا۔اور اپنی مفوضہ خدمت میں مصروف ہونے کے ساتھ ہی علم طب کا حلقۂ درس بھی کھول دیا۔اُس کی وسعت علم اور نکتہ رسی سے ایک خلق کثیر مستفید ہونے لگی۔کتاب طبقات الاطباء کا مولف ابن ابی اُصیبعہ بھی اسی نامور حکیم کا شاگرد ہے۔اور اُس نے جالینوس کی طبی تصنیفات اسی سے پڑھی تھیں۔مہذب الدین بڑا فصیح البیان۔اور مطالب کے ادا کرنے پر پوری طرح قادر تھا۔اُس کی تقریر طلبہ کے دل میں اُتر تی چلی جاتی تھی۔فن طب میں اُس کی نادرہ کاریاں مشہور زمانہ تھیں۔علاج کیا کرتا تھا گویا سحر سامری کیا کرتا۔سینکڑوں معرکۃ الاراء علاج اُس کے ہاتھ سے ہوئے ۔

ایک بار کوئی مریض اُس کے مطب میں آیا۔شاگردوں نے اُس کی نبض دیکھی اور کہا کہ یہ تو سخت کمزور ہے۔پہلے اُس کو قوت پہنچانے کے واسطے چوزۂ مرغ کی یخنی دینا لازم ہے حکیم مہذب الدّین نے مریض کو دیکھا اور اُس کی صورت پر نظر کرتے ہی کہا۔اِس کی گفتگو اور آنکھوں کی نظر سے تو کمزوری کی کچھ علامت نہیں ظاہر ہوتی" پھر اُس کی نبض دیکھی۔داہنے ہاتھ کی نبض دیکھ کر جب بایاں ہاتھ لیا۔شاگردوں سے کہا۔اس کے بائیں ہاتھ کی نبض دیکھو انہوں نے نبض کو قوی پایا۔حکیم نے اُنہیں بتایا کہ اس شخص کی داہنے ہاتھ کی نبض دو حصوں

میں منقسم ہے۔ ایک کمزور حصہ نبض کے معمولی مقام پر ہے اور دوسرا حصہ بازو کے بالائی حصہ پر چڑھ کر پھر وہاں سے انگلیوں کے سرے تک ممتد ہو رہا ہے۔ اور ایسی نبض شاذ و نادر ہوا کرتی ہے۔ اسی لئے ناتجربہ کار اطبّاء کو شناخت نہیں ہوتی اور وہ نبض کو کمزور خیال کر لیتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا ہاتھ محض اُسی کمزور حصۂ نبض پر رہتا ہے جو مقام نبض پر موجود ہے۔

حسن اتفاق سے جس زمانہ میں حکیم مہذب الدین بیمارستان کبیر کا معالج مقرر ہوا ہے اُس وقت اس شفاخانہ میں تین بہترین اور کامل ترین طبیب موجود تھے۔ شیخ رضی الدین رحبی۔ حکیم عمران۔ اور تیسرا خود حکیم مہذب الدین۔ اس زمانہ میں فن طب کے طلبہ کی معلومات میں قابل قدر اضافہ ہوا کرتا تھا۔ ان لائق اطبّاء کی علمی بحث اور اُن کے حکیمانہ دماغوں کے نتائج ہر روز نئے نئے تجربات اور مخفی اسرار طبیہ کو بے نقاب کیا کرتے تھے۔

شیخ مہذب الدین شفاخانہ کے کام سے فارغ ہو کر اُن امرا اور معززین کے یہاں جایا کرتا جن کا وہ مستقل معالج تھا۔ اور بعد ازاں گھر پہنچ کر مجلس درس میں آ بیٹھتا۔ طلبہ کی جماعتیں باری باری سبق پڑھتیں۔ اور جو مسائل قابل بحث و تحقیق ہوتے اُن پر حکیم موصوف بہت بسط و تشریح سے گفتگو کیا کرتا۔ ضروری درسی کتابیں اور طبّی لغتیں اُس کے پاس موجود ہوتیں کبھی بغیر کتابوں کے نہ بیٹھتا۔ درس سے فارغ ہو کر کھانا کھاتا اور باقی ماندہ دن مع رات کے کسی قدر حصہ کے مطالعہ اور کتابوں کی نقل میں بسر کیا کرتا۔ وہ علم نجوم میں بھی کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ اور اس فن کی بہت سی بہترین کتابیں اُس نے اپنے پاس جمع کی تھیں۔

۶۲۲ھ میں ملک الاشرف ابوالفتح موسیٰ بن ملک العادل نے اُس کو مشرق ادنےٰ (ایشیائے کوچک) میں طلب کیا جہاں کہ وہ حکمران تھا۔ اور حکیم مہذب الدین حسب الطلب وہاں پہنچا۔ ملک الاشرف نے اُس کی تعظیم و تکریم اُس کی شان کے مطابق کی۔ اور اُسے ڈیڑھ ہزار دینار سالانہ آمدنی کی جاگیر عطا فرمائی۔ یہاں حکیم مہذب الدین پر فالج گرا اور اُس کی زبان بیکار ہو گئی گفتگو کرنے میں زبان لڑکھڑاتی اور بات بمشکل سمجھ میں آتی تھی۔ اب وہ دمشق چلا گیا کیونکہ ملک الاشرف نے اس شہر کو فتح کر کے اپنے زیر نگیں کر لیا تھا۔ اور وہاں اپنا علاج خود کرتا۔ ہا۔ مسہل اور گرم دواؤں کا استعمال کرنے سے مہذب الدین نے اپنے مزاج کو اعتدال سے

زیادہ گرم کر ڈالا۔ جس کی وجہ سے اُس کو بخار کی زحمت لاحق ہوئی اور مرض شاخ در شاخ ہو کر آخر کار ناقابل علاج بن گیا۔ قوت روز بروز گھٹنے لگی۔ اور یہی ضعف و علالت اس کی موت کا سبب بنی۔ چنانچہ ۱۵۔ صفر ۶۲۸ھ کو اُس نے دُنیا سے عالم آخرت کا سفر کیا اور کوہ قاسیون میں دفن کیا گیا۔

اس عالی دماغ فیلسوف نے کوئی اولاد اپنی یادگار نہیں چھوڑی تھی۔ اُس نے ۶۲۲ھ میں ملک الاشرف کے پاس جانے سے قبل اپنا مکان سکونت واقع دمشق مع تمام املاک اور جائداد کے وقف کر دیا تھا۔ مکان کو مدرسہ بنانے کے واسطے اور جائداد اُس کے مصارف کے لئے۔ یہ مدرسہ طبیّہ تھا۔ اور شیخ مہذب الدین کی وصیت کے مطابق حکیم شرف الدین بن علی بن الرحبی اِس مدرسہ کا مدرس اول مامور کیا گیا تھا۔ جو کئی سال تک وہاں درس دیتا رہا۔ اور اُس کے بعد حکیم بدر الدین المظفر ابن قاضی بعلبک اس مدرسہ کا مدرس اوّل ہوا۔

حکیم مہذب الدین عبدالرحیم بن علی کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔

(۱)۔ ابی زکریا رازی کی کتاب الحاوی کا اختصار۔ فن طب میں۔

(۲)۔ ابی الفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی الکبیر کا اختصار۔ علم ادب میں۔

(۳)۔ مقالہ در بیان استفراغ۔ طب میں یہ کتاب ۶۲۲ھ میں بمقام دمشق تالیف کی تھی۔

(۴)۔ کتاب الجنینہ۔ طب میں۔

(۵)۔ طب میں چند تعلیقات اور رسائل۔

(۶)۔ اور بعض طبی شکوک کا تردیدی جواب خود اُسی کا مؤلفہ۔

(۷)۔ ابن ابی صادق کی شرح مسائل حنین پر تردید۔

(۸)۔ مقالہ۔ ابی الحجاج یوسف الاسرائیلی کے رسالہ کی تردید میں جو لطیف و کثیف غذائیں کھانے کے ذکر میں ہے۔

(۲۰۳) الرئیس موسیٰ (حکیم)

رئیس ابو عمران موسیٰ بن میمون۔ قرطبہ (اندلس) کا رہنے والا۔ یہودی۔ اور اپنے مذہب کا عالم تھا۔ وہ یہودیوں کے دینی علماء میں بڑے پایہ کا شخص گنا گیا ہے۔ ملک مصر میں تمام علمائے یہود کا افسر تھا۔ فن طب میں بھی یکتائے روزگار ہوا ہے۔ طبی اعمال میں

مشہور۔ اور دیگر علوم کا ماہر تھا۔ فلسفہ میں اُس کی مہارت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ سلطان ملک الناصر صلاح الدین اُس کی عزت و منزلت کرتا اور اُس سے اپنا علاج کرتا تھا۔ صلاح الدین کا بیٹا ملک الافضل بھی رئیس موسیٰ کا معتقد رہا۔

رئیس موسیٰ ابو عمران کی نسبت روایت ہے کہ وہ ملک مغرب میں مشرف باسلام ہو گیا تھا اور اُس نے قرآن شریف حفظ کر کے علم فقہ کی تحصیل و تکمیل میں نام پیدا کیا۔ پھر جب ملک مصر میں آ کر فسطاط میں مقیم ہوا تو اسلام سے مرتد ہو گیا۔

رئیس موسیٰ ابو عمران کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔

(۱)۔ جالینوس کی ۱۶ کتابوں کا اختصار۔
(۲)۔ مقالہ فی البواسیر و علاجہا۔
(۳)۔ مقالہ تدبیر صحت کے بیان میں۔
(۴)۔ مقالہ زہروں اور قاتل دواؤں سے پرہیز کے ذکر میں۔
(۵)۔ کتاب شرح العقار۔
(۶)۔ ایک بڑی سی کتاب یہودیوں کے مذہبی حالات و مسائل میں۔

(۲۰۴) الرئیس ہبۃ اللہ (حکیم)

یہودی فاضل اور مشہور طبیب تھا۔ علمی شق میں نہایت ماہر اور عمدہ معالج تھا۔ خلفائے مصر کے آخری عہد حکومت میں گزرا ہے۔ اُن کا درباری طبیب رہا۔ اور بہت بیش قرار تنخواہ پاتا تھا۔ خلفاء مصر کی تباہی کے بعد عرصہ تک اُنہی کے وقت کی کمائی سے بآرام زندگی بسر کرتا رہا۔ اور سنہ ۶۰۰ ہجری کے اواخر میں فوت ہو گیا۔

(۲۰۵) الرقی (حکیم)

ابو بکر کنیت۔ محمد نام۔ خلیل کا بیٹا۔ اور شہر رقہ کا رہنے والا تھا۔ فن طب میں اچھا فاضل اُس کے اصول و فروع کا عمدہ ماہر۔ اعلیٰ درجہ کا معلم اور معالج تھا۔ حنین بن اسحق کی طبی "کتاب مسائل" کی شرح و تفسیر سب سے پہلے اسی شخص نے کی۔ الرقی نے یہ شرح سنہ ۳۳۰ھ میں لکھی تھی۔ عبید اللہ بن جبریل کا قول ہے کہ جس وقت الرقی یہ شرح لکھنے بیٹھتا

تھا شراب کے نشہ میں چور رہا کرتا تھا۔ بغیر نشہ کی حالت کے وہ کچھ لکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ شاعر بھی تھا اور شعر بھی مستِ شراب ہی کی حالت میں کہہ سکتا۔ اس کی تصانیف میں وہی شرح ہے جو اس نے حنین بن اسحٰق کی کتاب "المسائل" پر لکھی ؀

(۲۰۶) الرّمیلی (حکیم)

اِس کے نام کا پتا نہیں چل سکا صرف لقب ہی مشہور اور مذکور ہے۔ خوش قسمت اور ذی رتبہ شخص تھا۔ عادات و اطوار پسندیدہ تھے۔ خدا نے دست شفا عطا کیا تھا۔ اکثر معالجات میں کامیاب رہتا۔ مزاج میں شرافت تھی۔ کبھی کمینہ حرکتوں پر توجہ نہ کرتا طمع بالکل نہ تھی۔ اکثر اوقات شریف تنگدست بیماروں کا اپنے خرچ سے علاج کرتا۔ دوا اور پرہیزی غذا ہر چیز اپنے ہی پاس سے دیتا۔ یہ بات اُس کی کمال ہردل عزیزی کا سبب ہوئی ؀

الرّمیلی۔ ابن معن المعروف با بن صمادح کے عہد حکومت میں گزرا ہے جس کو المعتصم باللہ کا لقب دیا گیا تھا۔ اُس کی تصانیف میں سے صرف ایک کتاب "البستان" فن طب میں ہے ؀

(۲۰۷) الزہراوی (حکیم)

ابو القاسم خلف بن عباس الزہراوی متوفّی ۵۰۰ھ قرطبہ میں مدفون ہے۔ مدینۃ الزہرا کا باشندہ تھا۔ مدینۃ الزہراء وہ تاریخی شہر ہے جس کو اندلس کے آٹھویں اموی خلیفہ عبدالرحمن نے آباد کیا اور آج اس کے کھنڈر اندلس کی اسلامی حکومت کی عظمت پر گواہی دینے کو موجود ہیں۔ الزہراوی کی مشہور طبی تصنیف "التصریف لمن عجز عن التاسیف" ہے۔ جو اُس کی بے انتہا شہرت کے باعث خود مصنف کے نام کا لباس پہن چکی اور زہراوی ہی کہلاتی ہے۔ اس کتاب کی تقسیم علمی اور عملی دو حصّوں میں ہے۔ علمی حصّہ کی نسبت عملی حصّہ کی شہرت زیادہ ہوئی کیونکہ وہ ایسے موضوع پر ہے جس کو بہت کم لوگ اُس زمانہ میں پوری طرح جانتے تھے۔ حصّہ اوّل امراض، اُن کے اسباب اور علامات کے بیان میں ہے اور دوسرا حصّہ فن جرّاحی اور آلات جرّاحی کے ایسے مبسوط بیان سے آراستہ ہے کہ اُس کو دیکھ کر حیرت ہو جاتی اور مسلمانوں کی اس فن میں مہارت

کی نادر شہادت ہم پہنچتی ہے ۔

زہراوی کی کتاب کا پہلا حصہ ہنوز کہیں نہیں چھپا۔ دوسرا یورپ میں بارہا اور ہندوستان میں پچھلے سال بمقام لکھنؤ مطبع نامی سے چھپ کر شائع ہوا ہے۔ کتاب کا پورا نسخہ شہر پٹنہ عظیم آباد (بہار) اورینٹل لائبریری میں موجود ہے۔ کتاب کی ضخامت ایک ہزار صفحات کے قریب ہے۔

کتاب الزہراوی کے پہلے حصہ میں مختلف طریقہ ہائے علاج کا بیان کیا گیا۔ غذاؤں سے علاج نہایت مزہ دار اور پاکیزہ ادویات کی ترکیبیں۔ تبدیل آب و ہوا کے وسیلہ سے امراض کا دفعیہ غرضیکہ نہایت اہم اور کارآمد امور مذکور ہیں زہراوی نے بعض بیماریوں کے لیسے اسباب بھی بتائے ہیں جن کو اُس سے قبل کسی طبیب نے بیان نہیں کیا۔ مثلاً وہ کھانسی کا ایک سبب پیٹ میں کیڑوں کا ہونا بتاتا ہے ۔

کتاب الزہراوی کا دوسرا حصہ حقیقتاً اس فاضل طبیب کے کمالات کا آئینہ ہے اور یہی معلومات اس قسم کی ہیں کہ ان کی سطح پر یورپ نے "سرجری" کی موجودہ عظیم الشان عمارت تعمیر کرلی ہے۔ اس کتاب نے خود مصنف کے وطن میں تو کوئی نام نہیں پایا لیکن یورپ کے ممالک میں اس کا ترجمہ کئی زبانوں میں ہوا اور اس کو بڑا اہم مرتبہ ملا۔ سب سے پہلے ۱۵۱۹ء میں اس کتاب کا مکمل لاطینی ترجمہ شائع ہوا۔ پھر دوسرا حصہ متعلق باعمال جراحی ۱۷۷۸ء میں بزبان عبرانی مع ترجمہ لاطینی۔ اکسفورڈ۔ انگلستان میں چھپا۔ پھر اس دوسرے حصہ کا آخری نصف اصل عربی میں مع لاطینی ترجمہ کے یورپ ہی میں طبع ہوا۔ اس ایڈیشن میں آلات کی تصویریں بھی دی گئی ہیں۔ سب سے پہلے جو کتاب چھپی وہ ۱۵۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جس کو آج پورے چارسو برس ہونا چاہتے ہیں۔ اور یہ افسوس کی جگہ ہے کہ ہم آج اس کتاب کے روشناس ہوتے ہیں حالانکہ یہ ہماری ملک اور ہمارے لئے موجب فخر و عزت تھی ۔

کتاب الزہراوی کے اس دوسرے حصہ میں کئی باب ہیں ۔ (۱) سر سے پیر تک ہر مرض کا علاج داغنے کے ذریعہ سے۔ معمولی ہی نہیں سخت ترین امراض کا بھی اس قاعدہ سے علاج بتایا ہے جو باعث حیرت ہے ۔ (۲) چیر پھاڑ۔ فصد اور نشتر وغیرہ کے بیان میں اس میں ۹۶ فصلیں ہیں اور ہر طرح کے عملی کاموں کو بہ تفصیل بیان کیا ہے ۔

(۳) ہڈیوں کی شکستگی۔ کو جوڑنے۔ جوڑوں کے بٹھانے اور اس قسم کے تمام معالجات کا ذکر ٭

سب سے قابل ذکر چیز اس کتاب کے آلات کی تصاویر ہیں۔ آج یورپ کے سرجن جتنے آلات استعمال کرتے ہیں وہ سب اس کتاب میں موجود ہیں۔ فرق ہے تو اتنا کہ موجودہ آلات کی شکل اور ساخت میں لطافت پیدا کر لی گئی ہے اور وہ سابقہ آلات بناوٹ میں بھدے ہیں ٭

وہ آلات خاصکر حیرت انگیز ہیں جن کو مُصنف نے مُردہ بچے کے پیٹ کے اندر سے نکالنے کے لئے مخصوص بتایا ہے۔ اس میں یہ بات عیاں کی ہے کہ کیونکر آلات کی مدد سے پہلے رحم (بچہ دان) کا مُنہ بڑھانا اور پھر بچہ کا سر دبانا لازم ہے۔ بعدازاں مُردہ بچہ کے اعضا کاٹ کاٹ کر اُسے نکالنا پڑتا ہے۔ اس بارہ میں متعدد عجیب قسم کے آلات کی تصویریں دی ہیں ٭

زہراوی اگلے اطباء کا مقلد اور نقال نہیں بلکہ وہ خود موجد اور تجربہ کار معلوم ہوتا ہے۔ داغ کے ذریعہ علاج کرنے کے باب میں بعض اطباء اس امر کے قائل تھے کہ گرم و خشک امراض میں وہ بسبب علاج بالمثل ہونے کے نافع نہیں۔ اور دوسرا گروہ آگ کی گرمی و خشکی کو انسانی مزاج کے مقابلہ میں برودت کا حکم دیتا ہے۔ زہراوی اسی اخیر جماعت کی رائے مانتا بلکہ ہر موسم و فصل میں اس کو مناسب قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بہ نسبت داخلی دواؤں کے داغ کا طریق علاج اس واسطے زیادہ مفید ہے کہ داغ کا اثر محض مریض عضو پر ہوتا ہے اور دیگر ادویات اور اعضاء پر بھی سرایت کر جاتی ہیں جن سے اُن کو نقصان پہنچتا ہے۔ یونانی اطباء سونے کے آلات سے داغنا زیادہ مفید مانتے تھے۔ مگر زہراوی لوہے کے آلات کو افضل کہتا ہے کیونکہ وہ جلد پگھلنے والی چیز نہیں ٭

زہراوی سے پہلے ٹوٹے ہوئے اعضاء اور ہڈیوں کے جوڑنے کا فن مکمل نہ تھا قدیم اطباء کی تصانیف میں کہیں کہیں ایسی باتوں کا ذکر ہوا تھا۔ زہراوی نے سخت محنت سے یہ فن مرتب کیا۔ اس فاضل مُصنف نے دائیوں کی تعلیم کی ایک الگ فصل قرار دی ہے اور اس فن کے متعلق نہایت کارآمد ہدایتیں اس میں درج کی ہیں ٭

یہ طبیب محض علمی حیثیت ہی میں ممتاز نہ تھا بلکہ عملی پہلو سے بھی اُس کو وہ رُتبہ نصیب ہوا کہ باید و شاید۔ اُس نے اپنے اس قسم کے معالجات کا ذکر بڑی وضاحت سے کیا ہے جن میں

اُسے چیر پھاڑ۔ اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنا پڑتا تھا۔ اور وہ ان علاجوں میں کامیاب ہوا۔
ایک بار ایک عورت اُس کے زیر علاج آئی۔ اُس کے رحم میں یکے بعد دیگرے دو بچے مر کر رہ گئے تھے۔ اس وجہ سے رحم میں ورم تھا۔ اور وہ پیپ کر مواد سے بھر گیا تھا۔ عرصہ تک علاج کرنے کے بعد کوئی نفع ہوتے نہ دیکھا تو زہراوی نے ایک ایسا مرہم دیا جس کے ذریعہ سے عورت کے پیٹ سے کچھ دنوں کے فاصلہ سے دو تین ہڈیاں نکلیں اور اب اُس نے یہ معلوم کر لیا کہ مردہ بچہ کی ہڈیاں رحم کے اندر موجود ہیں۔ چنانچہ اُس نے اپریشن کیا اور بہت سی ہڈیاں عورت کے پیٹ سے نکالیں۔ اِس کے بعد عورت بالکل تندرست ہو گئی اور عرصہ تک زندہ رہی ◆

(۲۰۸) اَلسّاہر (حکیم)

"یُوسف" نام۔ اور "یُوسف قسیس" کے لقب سے مشہور تھا۔ فن طب کا اچھا ماہر۔ اور خلیفہ مکتفی کے زمانہ میں ممتاز طبیب گنا جاتا تھا۔ عُبیدُ اللہ بن جبریل نے اس کی نسبت ذکر کیا ہے کہ اُس کے سر کے اگلے حصہ میں سرطان کا پھوڑا تھا۔ جس کی وجہ سے اُس کو نیند نہیں آیا کرتی تھی۔ چنانچہ اُس کا لقب ہی "ساہر" یعنی شب بیدار پڑ گیا۔ ایک قرابادین جس میں تمام امراض کی دوائیں بیان کی ہیں اس کی تصنیف ہے۔ اِس نے اپنی اِس کتاب میں بہت سی ایسی باتیں درج کی ہیں جن سے یہ پتا چلتا ہے کہ اُس کو مرض سرطان لاحق تھا۔ اور اس میں اُس نے اپنی تجربہ کردہ دوائیں اور علاج جمع کئے ہیں۔ اس قرابادین کی تقسیم دو قسموں پر کی ہے۔ پہلی قسم میں ابواب کی ترتیب سر سے پیر تک اعضائے جسم کی ترتیب کے مطابق ہے۔ اور اس قسم میں بیس باب ہیں۔ دوسری قسم میں ابواب کی ترتیب اعضاء کی ترتیب کے مطابق نہیں۔ اور اس کے سات ابواب ہیں ◆

(۲۰۹) الشیخ سدید بن ابی البیان (حکیم)

سدید الدین ابوالفضل داؤد بن ابی البیان۔ اسرائیلی ۵۵۶ھ میں بمقام قاہرہ پیدا

ہوا۔ اور نشوونما پاکر ابتدائی تعلیم و تربیت سے انتہائی تحصیل علم تک ہر ایک منزل وہیں طے کی۔ علوم حکمیہ اور فلسفہ وغیرہ میں بڑا ماہر کامل تھا۔ طب کی تحصیل "رئیس ہبۃ اللہ بن جمیع یہودی اور ابی الفضائل بن الناقد" سے کی تھی۔ جوہر ذاتی کی مدد سے اپنا علم خوب بڑھایا اور ترکیب ادویات و تالیف نسخجات میں یگانۂ دہر ہو گیا۔

الشیخ السدید ابی البیان ملک العادل ابی بکر بن ایوب کا طبیب خاص بھی رہا تھا۔ اس نے اسّی سال سے زائد عمر پائی۔ اخیر عمر میں ضعف بصارت عارض ہو جانے کے باعث کچھ مجبور ہو گیا تھا۔ صاحب تصانیف نفیسہ ہے اور حسب ذیل کتابیں اسکی یادگار پائی جاتی ہیں:-

(۱)۔ قرابادین۔ اس کے بارہ باب ہیں۔ اور اس کی تالیف و فراہمی میں اس نے بہت سی لیاقت اور فن دانی کا اظہار کیا ہے۔

(۲)۔ جالینوس کی کتاب العلل والاعراض پر چند تعلیقات۔

(۲۱۰) الشیخ السدید رئیس الطب (حکیم)

قاضی السدید ابو المنصور عبداللہ بن الشیخ السدید ابی الحسن علی ملقب بہ قاضی ابی المنصور شرف الدین اس کے لقب کی شہرت یوں ہو گئی کہ باپ کا لقب اس کو مل گیا اور وہی اتنی شہرت پا گیا کہ یہ نام اُسی کا ہو گیا۔ چنانچہ وہ "الشیخ السدید" ہی کہلاتا تھا۔ اور بہت کم لوگ اس کے اصلی نام و لقب سے واقف تھے۔

شیخ سدید۔ فن طب کا زبردست عالم اس کے اصول و فروع کا واقف کار۔ اعلےٰ درجہ کا معالج، اور خوب تجربہ کار تھا۔ طب عملی یعنی جراحی میں بھی مشاق و کامل تھا۔ مصر کے فاطمی خلفاء کے دربار میں نہایت معزز و محترم رہا۔ اور بچپن سے لیکر اخیر وقت تک برابر ہر خلیفہ کے عہد میں اس کا مرتبہ بدستور قائم رہا۔ شیخ سدید تمام درباری اطباء کا افسر تھا۔ اسی لئے وہ رئیس الطب کہا جاتا تھا۔ شیخ سدید کا باپ بھی اعلےٰ درجہ کا طبیب اور درباری اطباء کا افسر تھا اور شیخ سدید رئیس الطب اسی کا لقب و منصب تھا جو اس کے بیٹے ابو المنصور

کو ملا جس کا ہم یہ حال لکھ رہے ہیں۔ اور وہ بھی باپ ہی کے لقب سے مشہور اور اُسی کے منصب پر بحال رہا ؎

قاضی نفیس الدین بن زبیر جو الشیخ السدید کا فن طب میں شاگرد رشید ہے۔ خود اپنے اُستاد ہی کی زبانی یہ روایت کرتا ہے کہ اُس نے ایک روز بیان کیا کہ جب میں بہت کم سن تھا میرے باپ نے اُسی وقت سے مجھ کو اپنے مکان کے دروازہ پر بیٹھنے اور لوگوں کی فصد کھولنے کا حکم دیا۔ رفتہ رفتہ میرا ہاتھ فصد پر ایسا جم گیا کہ شہر کے اکثر آدمی میرے ہی پاس فصد کھلوانے آتے تھے۔ باپ اس حال کو دیکھ کر خوش ہوا۔ اور اُس نے خلیفہ کے دربار میں میرا تذکرہ کیا کہ وہ بہت اچھی فصد کھولتا ہے۔ دربار سے میری طلبی ہوئی۔ دوسرے دن والد نا مجھ کو دربار میں لے گئے۔ اُس وقت خلیفہ آمر باللہ مسند آرائے خلافت تھا۔ میرا درباری فاخرہ لباس میں ملبوس ہو کر بحالت کم سنی دربار میں جانا لوگوں کو متحیر بنا رہا تھا۔ میں دربار میں حاضر ہوا اور آداب بجالایا۔ خلیفہ نے ایک غلام کو جو اُس کے خواص میں سے تھا میرے سامنے کر کے حکم دیا کہ اُس کی فصد کھولوں۔ میں نے تعمیل حکم کی۔ ہاتھ کی صفائی اور میری مشاقی دیکھ کر خلیفہ کو خاص مسرت ہوئی۔ اُسی دن سے تنخواہ اور روزینہ مقرر کر دیا گیا اور مجھے دربار کے طبیبوں میں شمار کیا جانے لگا ؎

شیخ سدید کے معالجات نہایت معرکہ کے ہوتے تھے۔ دست شفا خداداد تھا۔ ایک بار اُس نے خلیفہ کا علاج کر کے تیس ہزار درم انعام میں لئے۔ اور ایسے گراں قدر انعام بارہا اُسکو ملے۔ فیاض و مہمان نواز بھی اعلےٰ درجہ کا تھا۔ اکثر اہل علم و کمال کو خود بیش قرار تنخواہیں دیکر اپنا مہمان رکھتا بغداد کا ایک فاضل طبیب مہذب بن نقاش ملک شام سے خلفاء کی علم دوستی کا شہرہ سن کر مصر آیا اور شیخ سدید سے ملا تاکہ اُس کے وسیلے سے دربار تک رسائی حاصل کرے۔ شیخ سدید نے اُس سے دریافت کیا کہ تمہاری بسراوقات کیلئے کس قدر ماہوار رقم کافی ہوگی۔ مہذب بن نقاش نے دس دینار مصری بتلائے شیخ سدید نے کہا۔ یہ تو کم ہیں۔ پندرہ دینار سے کم کیا ہونا چاہئے۔ اسکے علاوہ فلاں مکان رہنے کو لو۔ ایک غلام خدمت کو ایک حسین لونڈی گھر کے کام کیلئے اور ایک خچر سواری کیواسطے دیکر کہا کہ اب تم کسی امیر وزیر کا مُنہ بھی نہ دیکھو اور آرام سے زندگی بسر کرو۔ مہذب بن نقاش کئی برس

مصر میں اسی طرح رہا اور معقول رقم پس انداز کر کے اپنے وطن کو واپس چلا گیا ۔
شیخ سدید نے علم طب ابن عین زربی سے پڑھا تھا۔ وہ آمر باحکام اللہ کے وقت سے حافظ لدین اللہ آخری خلیفۂ مصر کے عہد تک پانچ خلفاء کا درباری طبیب اور افسر الاطباء رہا۔ عزت و حرمت میں فخر اماثل تھا۔ خوب دولت و حشمت حاصل کی۔ خلفائے مصر کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی مصر و شام کے نامور سلطان کا طبیب خاص رہا۔ اور یونہی تادم مرگ عزت کی زندگی بسر کی۔ اخیر عمر میں اس کو یہ سخت مصیبت پیش آئی کہ اس کا نہایت آراستہ مکان جل کر خاک میں مل گیا۔ تمام قیمتی سامان سوخت ہو گیا۔ کچھ نہ بچا۔ یہ حادثہ ۵۷۹ھ میں ہوا تھا ۔
اس حاذق طبیب نے ۵۹۲ھ میں بمقام قاہرہ دار فانی سے عالم آخرت کا سفر کیا ۔
ابن ابی اصیبعہ نے اس فاضل طبیب کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا ہے۔ قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی تصنیف نہ تھی۔ یا تھی تو گھر کے جلنے میں تلف ہو گئی اور پھر وہ کوئی کتاب لکھ نہ سکا۔ واللہ اعلم ۔

(۲۱۱)　الصاحب امین الدولۃ　(حکیم)

سید الحکماء۔ امام العلماء۔ وزیر خوش تدبیر، رئیس ذی توقیر۔ امین الدولۃ۔ ابو الحسن بن غزال بن ابی سعید السامری۔ مشرف باسلام ہو کر کمال الدین کے لقب سے ملقب ہوا۔ مہذب الدین السامری کا برادر زادہ۔ علم و فضل کا دلدادہ اور بڑا ذہین و ذکی۔ بلا کا قوی الحافظہ اور اپنے عہد کا یکتا عالم و فاضل تھا۔ فن طب میں بے مثل گزرا ہے۔ اس کے وقت میں کوئی طبیب اس کی ہمسری نہیں کر سکتا تھا ۔
ابتداء میں وہ ملک الامجد مجد الدین بہرام شاہ کا درباری طبیب اور معتمد علیہ رہا۔ اور اتنی عزت حاصل کی کہ مشیر مملکت بلکہ وزیر سلطنت اور تمام سیاہ و سفید کا مختار بن گیا۔ پھر ملک الامجد کی وفات کے بعد ملک الصالح عماد الدین ابی الفداء اسمٰعیل کا وزیر اعظم ہوا اور اس کی سلطنت کا بہت خوبی سے انتظام کیا۔ مگر جب ملک الصالح نجم الدین ایوب بن ملک الکامل

دمشق پر مسلط ہو گیا اور وہاں امیر معین الدین بن شیخ الشیوخ کو اپنا نائب مقرر کیا تو اس نے ملک الصالح عماد الدین کو بعلبک کی حکومت عطا کی اور اُس کو مع قبائل و کنبہ کے بعلبک جانے کا حکم دیا۔ امین الدولہ نے وزارت کے زمانہ میں خوب دولت جمع کر لی تھی اور اہل دمشق کی اچھی اچھی املاک پر غاصبانہ قبضہ کرتا رہا تھا۔ ملک الصالح عماد الدین کی حکومت کا پانسہ پلٹتے ہی اُن مظلوموں نے اس سے اپنا بدلہ لینا چاہا۔ امین الدولہ کا ستارہ گردش میں تھا۔ امیر معین الدین نائب دمشق بھی اس پر دانت رکھتا تھا۔ اُس نے ایسی تدبیر سوچی کہ امین الدولہ کا مال و متاع ضبط اور اُس کو گرفتار و قید کر لے۔ چند معززین کی وساطت سے اُسے پیام دیا کہ تم دمشق میں رہو تو بہتر ہے۔ اور اپنے آقا کے پاس بعلبک جانا چاہو تو بھی ممکن ہے۔ امین الدولہ کی شامت اُس کو دھکا دے چکی تھی۔ وہ بعلبک جانے پر تیار ہو گیا۔ تمام مال و منال ساتھ لیا اور شہر کی املاک تک جُدا کر کے نقد روپیہ اس کی قیمت کا اپنے قبضہ میں کیا۔ مگر دمشق سے روانہ ہو کر وہ جیسے ہی شہر کے باہر گیا ہے۔ فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ اُس کا تمام سامان ضبط ہو گیا اور وہ قید کر کے ۶۴۳ھ میں مصر روانہ کیا گیا جہاں قاہرہ کے قلعہ میں محبوس ہؤا۔ اس زندان بلا میں ملک الصالح اسمٰعیل کے دوستوں اور خاص الخاص مقربوں کی ایک جماعت اور بھی مقید تھی۔

ملک الصالح نجم الدین ایوب فرمانروائے مصر سنہ ۶۴۷ھ میں فوت ہو گیا تو اُس کے بعد حلب کے حکمران یوسف بن محمد ملک الناصر۔ اور ملک الصالح اسمٰعیل نے باہم مل کر مصر پر چڑھائی کر دی تاکہ اُسے فتح کر کے اپنے زیر نگیں کر لیں۔ اُس وقت مصر کے تخت سلطنت پر سلطان نجم الدین بن ایوب کا غلام عز الدین ایبک ترکمانی ملک المعز کے لقب سے متمکن تھا۔ اور اس غلام نے اپنے آقا کی وفات کے بعد عنان سلطنت کو اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ عز الدین ایبک شامی سپاہ کے مقابلہ کے لئے میدان میں نکلا اور پہلے دن کی جنگ میں ہزیمت اُٹھا کر پسپا ہؤا۔ لیکن دوسرے دن مصری سپاہ نے سلطان اسمٰعیل اور اُس کے حلیف ملک الناصر دونوں کے متفقہ لشکر کو شکست فاش دیدی۔ ملک الصالح اسمٰعیل اور اُس کے بہت سے بڑے بڑے سرداران فوج دشمن کے ہاتھ

میں اسیر ہو گئے۔ اور قلعۂ قاہرہ میں مقید ؛

وزیر امین الدولہ جو قلعہ میں پہلے سے قید تھا۔ اپنے آقا سلطان اسمٰعیل کے مصر پر حملہ آور ہونے کی خبر پا کر اس امر کا منتظر بن گیا کہ اب اُس کی مصیبت کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ اور ملک الصالح اسمٰعیل مظفر و منصور ہو کر قلعہ میں داخل ہو گا۔ اپنے قدیم نمکخواروں کو قید سے رہائی دلائیگا۔ اور مناصب جلیلہ پر بحال کریگا۔ چنانچہ اُدھر تو مصری اور شامی فوجیں جدال و قتال میں مصروف تھیں اور ادھر امین الدولہ اور اُس کے دیگر ہمراہی قیدیوں نے نگہبان قلعہ کو ایسا مجل دیا کہ اُس نے ان کو زندان خانہ سے نکال کر قلعہ پر حاکم بنا دیا۔ امین الدولہ نے قلعدار قاہرہ سے وعدہ کیا کہ ملک الصالح جو یقیناً فاتحانہ حیثیت سے داخل قلعہ ہو گا اُسکے آتے ہی تجھے بہت کچھ انعام و اکرام دلا دوں گا ؛

قلعہ قاہرہ میں ملک الصالح اسمٰعیل کے تین درباری عہدہ دار قید تھے :-

(۱)۔ امین الدولہ وزیر ؛ (۲)۔ ناصر الدین یغمور داروغۂ محلات ؛ (۳)۔ امیر سیف الدین کُردی ؛ سیف الدین کی رائے وزیر امین الدولہ کے خلاف تھی۔ وہ کہتا رہا کہ "جنگ دو سر دارد" خبر نہیں کیا انجام نکلے۔ ابھی صبر سے بیٹھے رہو۔ ہمارا مخدوم غالب آیا تو خود اپنے ہاتھ سے ہماری قیدیں کاٹے گا۔ ورنہ خدانخواستہ بصورت دیگر ہمیں کوئی تازہ مشکل نہ پیش آئیگی۔ لیکن ناصر الدین یغمور امین الدولہ کی رائے سے متفق ہو گیا۔ اور یہ دونو زندان خانہ سے نکل کر قلعہ پر حکمران بن گئے۔ یہ دن بڑی خوشی سے کٹا۔ مگر شام کو خبر آئی کہ شامی سپاہ شکست کھا کر منتشر ہو گئی ہے۔ اور سلطان اسمٰعیل مع دیگر فرمانروایان شام اور سرداران لشکر کے اسیر کر لیا گیا ہے۔ یہ سُن کر امین الدولہ کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور وہ تمام حکمرانی اور رہائی کی مُسرت موہومہ کو بھول گیا۔ عزالدین ایبک نے قلعہ میں واپس آکر یغمور اور امین الدولہ کو پھانسی دلوا دی اور ان کے تیسرے ترکمانی ہمراہی کو جو زندان سے باہر نہیں نکلا تھا خلعت فاخرہ دیا اور آزادی سے بہرہ ور کیا۔ ملک الصالح اسمٰعیل کو بھی اُس نے قتل کرا دیا۔ اور اُس کے دیگر ساتھیوں کو رہائی دے دی ؛

امین الدولہ نے اپنے قید ہونے کے ابتدائی ایام میں مصر کے ایک نامور منجم سے

اپنے بارہ میں احکام نجوم دریافت کیے تھے۔ اور اُس نجومی نے کہلا بھیجا تھا کہ "تم قید سے رہا ہو کر حکومت وافسری حاصل کروگے" بیچارہ ابن الدولہ کیا جانتا تھا کہ وہ حکومت صرف چند گھنٹہ کی ہوگی اور اُس کے بعد جان پر بھی آفت آئیگی۔ چنانچہ یہ چند گھنٹہ کی فرمانروائی اُسے حاصل ہوگئی اور اُس کے بعد وہ قتل کر دیا گیا۔

وزیر ابن الدولہ کتابیں جمع کرنے کا بیحد شائق اور اس معاملہ میں بڑی فیاضی سے روپیہ خرچ کرنے والا تھا۔ حافظ ابن عساکر کی تاریخ دمشق جو اسّی جلدوں میں تھی۔ ابن الدولہ نے اُس کا ایک نسخہ دو سال میں دس خوشخط لکھنے والوں سے تحریر کرایا۔ اور یوں یہ پوری کتاب اپنے کتب خانہ میں داخل کر لی۔ ابن ابی اصیبعہ مولف طبقات الاطباء نے اپنی اس کتاب کا ایک نسخہ نقل کرا کے ابن الدولہ کے حسب فرائش ۶۴۳ھ میں اُسے بھجوایا اور ساتھ ہی ایک اعلےٰ درجہ کا مدحیہ قصیدہ بھی لکھا جس پر ابن الدولہ نے اُس کا شکریہ ادا کرنے کے علاوہ کثیر رقم بطور انعام اور خلعت فاخرہ اُسے بھجوا دیا اور ساتھ ہی یہ پیام بھی کہ "آئندہ جو وہ کتاب تالیف کرے اس کے نسخے بھی ضرور ارسال کرتا رہے"۔

الصاحب ابن الدولہ کی تصانیف میں ایک نہایت جامع اور بسیط کتاب فن طب کی ہے جس کا نام "النہج الواضح" ہے۔ طب میں ایسی کتاب بہت کم ملیگی۔ تمام قواعد طب کلی و جزئی اس میں درج ہیں۔ اور اس کی تقسیم حسب ذیل پانچ کتابوں (بابوں) میں ہے:۔

(۱)۔ کتاب اول امور طبعیہ اور ابدان کی تین حالتوں اور اقسام امراض، معتدل مزاجوں کی علامات اور معتدل طبائع کی شناخت کے آثار۔ اعضائے رئیسہ کی صحت کی حفاظت کے طریقے۔ بکمال بسط و تفصیل اس میں بیان کیے ہیں۔ پھر نبض [illegible] قارورہ۔ اجابت اور بحران کا جامع و مانع بیان کیا ہے۔

(۲)۔ کتاب دوم مفرد ادویات اور اُن کی قوتوں [illegible] بد حنان بسا [illegible] مقابلے [illegible] ذریں۔

(۳)۔ کتاب سوم مرکب ادویات اور اُن کے فو[illegible] کے بیان میں۔

(۴)۔ کتاب چہارم تندرستوں کی تدابیر حفظ صح[illegible] لیکن دوسر[illegible] دونوں کے متعلق [illegible] بیماریوں کے علاجات۔ ظاہری امراض کے اسباب اور اُن کی علامت[illegible] بڑے بڑے [illegible] بیماریوں کے متعلق عملی طب کا ذکر۔

اور دیگر امور کے بیان میں ۔

(۵)۔ کتاب نجم امراض باطنی، اُن کے اسباب، علامات، اور علاج و اعمال دستی کے ذکر میں ۔

(۲۱۲) الصّاحب نجم الدّین بن اللّبُودی (حکیم)

حکیم و سید زمانہ۔ عالم یگانہ۔ الصاحب نجم الدین ابو زکریا یحیٰی بن الحکیم الامام شمس الدین محمد بن اللبودی۔ اس کا نام و نسب و لقب تھا۔ اپنے وقت میں فن طب کا یکتا ماہر اور پیشوائے معاصرین شمار کیا گیا۔ علوم حکمیہ میں بھی اعلےٰ دستگاہ حاصل تھی۔ خوش بیان۔ شیریں زبان۔ علوم کا دلدادہ آداب میں بے ہمتا۔ اور قدماء کے فلسفہ کا اچھا واقف کار تھا۔ بلاغت میں اگر اُس کو اپنے عصر کا سحبان وائل کہا جائے تو بجا ہے۔ نظم نہایت اعلےٰ درجہ کی کہتا تھا۔ اگر شاعری میں یادگار لبید تھا تو صنعت نثر نثر میں ہمپایۂ عبدالحمید۔

نجم الدین بن اللبودی۔ بمقام حلب ۶۰۷ھ میں پیدا ہوا۔ ابھی اس کے بچپن ہی کا زمانہ تھا کہ اس کا بزرگ باپ شمس الدین اللبودی حلب سے دمشق چلا آیا اور وہاں رہائش اختیار کی۔ نجم الدین کی ابتدائی تعلیم اُس کے عالم و فاضل باپ ہی کے زیر سایہ ہوئی تھی۔ مگر ابھی یہ فارغ التحصیل اور کامل نہیں ہونے پایا تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا جس کے بعد اس نے شیخ وقت حکیم مہذب الدین عبدالرحیم بن علی کے رو برو زانوئے شاگردی تہ کیا اور علم طب اُن سے پڑھ کر اُنہی کی خدمت میں مطب بھی کیا۔ پھر طب سے فراغت پاکر اور علوم حاصل کئے اور اپنے زمانہ کا یکتائے روزگار عالم بن گیا۔

نجم الدین بن اللبودی علم و کمال حاصل کر لینے کے بعد دربار شاہی میں پہنچا جو اُس زمانہ ہی میں نہیں ہر عہد و عصر میں اہل کمال کی جائے پناہ رہا ہے۔ اور سلطان ملک المنصور ابراہیم بن ملک المجاہد بن اسدالدین شیرکوہ بن شادی فرمانروائے حمص (شام) کی خدمت میں مصروف ہوا۔ نجم الدین اگرچہ ابتدا میں طبی خدمت کے لئے ملازم ہوا تھا۔ مگر ذاتی جوہر نے سلطان کو اس پر اتنا مہربان بنایا کہ یہ ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا آخر منصب وزارت پر فائز ہوا۔ سلطان کو اس پر اتنا اعتماد تھا کہ سلطنت کا تمام اختیار بالکل اسی کے

ہاتھ میں دے دیا۔ نجم الدین بن اللبودی کو اختیار تھا۔ سیاہ کرے یا سفید۔ سلطان اس کی رائے کے مقابلہ میں کسی کی بات سنتا تک نہ تھا۔ نجم الدین نے اسی شان وشکوہ کے ساتھ ملک المنصور کے دربار میں عرصہ تک خدمت وزارت ادا کی۔ سفر وحضر ہر جگہ برابر سلطان کے ساتھ رہا۔ سلطان اس کی جدائی گوارا ہی نہیں کرتا تھا۔

مگر جب ۶۴۳ھ میں ملک المنصور دنیا سے رحلت کر گیا۔ اس وقت حکیم نجم الدین ملک الصالح نجم الدین ایوب ابن ملک الکامل کی خدمت میں چلا گیا جو ان دنوں ملک مصر کا فرمانروا تھا۔ ملک الصالح نے حکیم موصوف کی بہت آؤ بھگت کی اور اسے انعام واکرام سے مالا مال بنا کر اسکندریہ کے دیوان کا نگران اور مہتمم مقرر فرمایا۔ ملک الصالح نے اس کارداں حکیم کا رتبہ اس کے حسب شان بڑھایا اور تین ہزار درہم ماہوار اس کا مشاہرہ کردیا۔

نجم الدین ایک مدت تک اس خدمت کو بخوبی ادا کرتا رہا اور پھر جب اس کا دل ملک مصر میں رہنے سے بھر گیا تو وہاں سے ملک شام میں تبادلہ کرا لیا جہاں وہ پھر اپنے اسی عہدہ پر مامور کیا گیا جس کے فرائض اسکندریہ میں ادا کرتا تھا۔ یعنی تمام ملک شام کے دیوان (محکمۂ حسابات) کا اعلےٰ افسر مامور ہوا۔ نجم الدین کی وفات غالباً ساتویں صدی ہجری کے آخری ربع میں واقع ہوئی۔ کیونکہ وہ ۶۶۶ھ میں مصر سے ملک شام کو آیا تھا۔ ٹھیک سنہ وفات کا پتہ نہیں ملتا۔

نجم الدین کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ قانون شیخ کی کلیات کا مختصر۔
(۲)۔ حنین بن اسحٰق کی کتاب المسائل کا اختصار۔
(۳)۔ ابن سینا کی کتاب الاشارات والتنبیہات کا اختصار۔
(۴)۔ ابن سینا کی کتاب عیون الحکمت کا اختصار۔
(۵)۔ ابن خطیب الرے کی کتاب الملخص کا اختصار۔
(۶)۔ کتاب المعالمین فی الاصولین کا مختصر خلاصہ۔
(۷)۔ کتاب اقلیدس کا مختصر خلاصہ۔
(۸)۔ مصادرات اقلیدس کا اختصار۔
(۹)۔ کتاب اللمعات حکمت میں۔
(۱۰)۔ کتاب آفاق الاشراق حکمت میں۔
(۱۱)۔ کتاب المناہج القدسیہ فی العلوم الحکمیہ۔
(۱۲)۔ کافیۃ الحساب۔ علم حساب میں۔
(۱۳)۔ غایۃ الغایات اقلیدس اور علم متوسطات کی ضروری باتوں کے ذکر میں۔

(۱۴)۔ تدقیق المباحث الطبیۃ فی المسائل الخلافیۃ۔ بطریق سوال وجواب بطرز مسائل اختلافی فقہاء کے ؛

(۱۵)۔ مقالہ برشعثا کے ذکر میں ؛

(۱۶)۔ کتاب الفیاح الرائے السخیف من کلام الموفق عبداللطیف۔ نجم الدین نے یہ کتاب ۱۲ سال کی عمر میں تالیف کی تھی ؛

(۱۷)۔ غایۃ الاحکام فی صناعۃ الاحکام ؛

(۱۸)۔ الرسالۃ السنیۃ فی شرح المقدمۃ المطرزیۃ ؛

(۱۹)۔ الانوار الساطعات فی شرح الآیات البینات ؛

(۲۰)۔ کتاب نزہۃ الناظر فی المثل السائر ؛

(۲۱)۔ الرسالۃ الکاملیۃ در علم جبر و مقابلہ ؛

(۲۲)۔ الرسالۃ المنصوریۃ فی الاعداد الوفقیۃ ؛

(۲۳)۔ الزاہی فی اختصار الزیج الشاہی ؛

(۲۴)۔ الزیج المقرب المبنی علی الرصد المجرب ؛

(۲۱۳) الغافقی (حکیم)

ابو جعفر احمد بن محمد بن احمد السید الغافقی۔ فاضل امام، اور عالم حکیم، اندلس میں بڑے پایہ کے علماء میں شمار ہوتا ہے۔ اپنے زمانہ میں نہایت متقی پرہیزگار اور خوش اخلاق عالم و طبیب مانا گیا ہے۔ مفرد دواؤں کی شناخت اور اُن کے فوائد و خواص کا علم رکھنے میں امام وقت تھا۔ اِس کی کتاب مفرد دواؤں کے بیان میں اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ ایسی اعلٰے درجہ کی کتاب اس بارہ میں اور کوئی نہیں پائی جاتی۔ الغافقی نے اپنی اس کتاب میں دیوسقوریدس۔ اور جالینوس کی بیان کردہ ادویات مفردہ کو اکٹھا کر دیا اور نہایت مختصر، جامع اور مانع عبارت میں اُن کے اوصاف و افعال و خواص بیان کئے ہیں۔ پھر ان دونو بانیان فن کے اقوال لکھ کر ان کے بعد آنے والے محققین کے اقوال درج کئے ہیں اور ہر ایک طبیب نے تجربات کے بعد جس جس دوا کی نسبت جو بات کہی ہے وہ اس نے اپنی اس کتاب میں ضرور لے لی ہے۔ غرضیکہ الغافقی کی یہ کتاب اُس کے زمانہ تک مفرد دواؤں کی نسبت ہر قسم کی مفید معلومات بہم پہنچانے میں بےمثل ہے اور اسی کو متاخرین نے سند قرار دیا ہے۔ بس یہی مفرد ادویات کی ایک کتاب اُس کی تصنیف ہے ؛

(۲۱۴) الکرمانی (حکیم)

ابوالحکم۔ عمرو بن عبدالرحمن احمد بن علی الکرمانی۔ قرطبہ کا رہنے والا۔ اور علم العدد میں ایک اعلےٰ پایہ کا عالم تھا ہندسہ اور دیگر علوم کا بھی ماہر تھا۔ بلکہ ہندسہ میں اُس کو بے مثل و نظیر عالم کہنا بجا ہوگا۔ کیونکہ اُس کا شاگرد رشید حسین بن محمد بن حسین بن حیّی جو بڑا نامور مہندس و منجم تھا کہتا ہے کہ اُس نے اپنے اُستاد کرمانی سے بڑھ کر تمام زمانہ میں کوئی مہندس نہیں پایا اور اسی وجہ سے وہ اُس کی صحبت سے مستفید ہوا۔

اس فاضل حکیم و مہندس نے ممالک مشرق کی سیاحت کرکے بلاد الجزیرہ تک خوب سیر کی۔ وہ حرّان میں جو سرزمین الجزیرہ یعنی علاقہ مابین دریائے دجلہ و فرات میں ایک اچھا شہر ہے آکر علم ہندسہ اور طب کی تحصیل میں مصروف ہوا۔ اور اُن کو خوب سیکھ کر اپنے ملک یعنی اندلس میں واپس گیا۔ اندلس میں آکر الکرمانی نے شہر سرقسطہ کو اپنی جائے سکونت بنایا۔ یہ شہر ساحل سمندر پر واقع اور خوب سرسبز و آباد ہے۔ اندلس میں ممالک مشرق سے جو نادر علمی تحفہ الکرمانی لایا تھا وہ "اخوان الصفا" کے رسالے تھے اور اُس سے پہلے ان رسائل کا اندلس میں کسی کو علم بھی نہ تھا۔

الکرمانی طب کی علمی و عملی شاخوں میں خوب مشاق تھا۔ بڑی بات جو اُس میں پائی جاتی تھی وہ اُس کی فن تشریح کی مہارت اور جراحی کی مشاقی تھی۔ نجوم و منطق میں اُسکی مہارت کی نسبت کہا جاتا ہے کہ کچھ بھی نہ تھی۔ لیکن واقفکار اصحاب کا بیان ہے کہ وہ عملی پہلو سے ان میں کمزور ہو تو ہو ورنہ نظری حیثیت سے وہ انکا بڑا زبردست عالم تھا۔

الکرمانی یہیں بمقام سرقسطہ ۴۵۸ھ میں فوت ہوا۔ بوقت وفات اُس کی عمر نوّے سال کی تھی۔ اور ایک قول کے رو سے اس سے زائد۔

(۲۱۵) الکلی شمس الدین محمد (حکیم)

یہ جلیل القدر یکتائے روزگار حکیم و عالم ابو محمد عبداللہ محمد بن ابراہیم بن ابی المحاسن

کے نام و نسب سے شہرت رکھتا ہے۔ اس کا باپ مغرب کے ملک اندلس کا باشندہ تھا۔ جو دمشق شام میں آکر سکونت پذیر ہوگیا۔ ابراہیم بن ابی المحاسن حکیم شمس الدین محمد الکلی کا باپ دمشق ہی میں فوت ہوا۔ اور حکیم موصوف نے اسی معدن علم و فضل شہر میں نشوونما پائی۔ اُس نے علم طب حکیم شیخ مہذب الدین عبدالرحیم بن علی سے تحصیل کیا اور اُس کی خدمت میں حاضر رہ کر مطلب بھی کیا ۔

شمس الدین محمد نے قدیم اطباء کی درسی کتابیں بڑی محنت سے پڑھی اور یاد کی تھیں۔ کلیات قانون شیخ کا تو وہ بلاشبہ حافظ تھا۔ اور اُس کی فہم پر نہایت قادر۔ اسی وجہ سے اس کا لقب "الکلی" مشہور ہوا۔ شمس الدین محمد کو شوق مطالعہ غایت درجہ کا تھا۔ کوئی وقت اس کا درس و مطالعہ سے خالی نہ رہتا۔ علم مجلس اور آداب صحبت میں طاق اور فن طب میں شہرۂ آفاق ہوا۔ ملک الاشرف کے دربار کا طبیب رہا۔ اور اس نامور سلطان کی وفات کے بعد دمشق کے بیمارستان کبیر کی طبی خدمت بھی کئی سال تک ادا کرتا رہا ۔

(۲۱۶) المصدوم (حکیم)

ابوالحسین بن اسدون۔ نام۔ المصدوم کے نام سے شہرت پائی۔ ابی مروان عبدالملک بن زہر کے ارشد تلامذہ میں سے تھا۔ المصدوم بڑا دیندار۔ نہایت مخیر۔ اور طب میں اعلےٰ دستگاہ رکھنے والا تھا۔ اس کے معالجات اور تشخیص مرض کی خاص طور پر شہرت تھی۔ ادیب اور شاعر بھی تھا۔ اشبیلیہ میں پیدا ہوا۔ وہیں پرورش اور تربیت پائی۔ اصل میں اُس کی سکونت شہر کے اندر رہتی تھی۔ ضرورت کے وقت خلیفہ المنصور اُس کو علاج کے لئے شاہی قلعہ میں طلب کیا کرتا اور بعد صحت کے اُسے پھر گھر جانے کی اجازت دے دیتا تھا۔ المصدوم نے ۵۸۸ھ میں بمقام اشبیلیہ وفات پائی ۔

(۲۱۷) المقبلی (حکیم)

ابو نصر محمد بن یوسف المقبلی۔ فن طب میں بڑا فاضل اور سربرآوردہ تھا۔ اِس کی

تصانیف میں ایک مقالہ شراب کے ذکر میں۔ اور دوسری کتاب حنین بن اسحٰق کی کتاب المسائل کا خلاصہ ہے ۔

(۲۱۸) النّیلی (حکیم)

ابو سہل سعید بن عبدالعزیز النّیلی۔ مشہور فاضل اور فن طب کا عالم۔ اچھا مصنف اور علوم ادب میں کامل اکمل۔ زبردست شاعر تھا۔ اسکی تصانیف میں یہ کتابیں مشہور ہیں :۔

(۱)۔ حنین بن اسحٰق کی کتاب المسائل کا اختصار ۔

(۲)۔ جالینوس کی کتاب الفصول کی شرح کا خلاصہ جس میں رازی طبیب کی شرح کے بعض نکتے بھی بیان کئے ہیں ۔

(۲۱۹) امین الدولہ بن التلمیذ (حکیم)

فاضل عالی مرتبت موفق الملک۔ امین الدولہ۔ ابوالحسن ہبۃ اللہ بن ابی العلاء صاعد ابن ابراہیم بن تلمیذ۔ فن طب میں اپنے زمانہ کا یگانہ۔ معالجات و تشخیص میں امام زمانہ تھا۔ اُس کی علمی لیاقت اُن تصانیف اور حواشی و شروح سے عیاں ہوتی ہے۔ جو اُس نے فن طب میں خود لکھیں۔ یا قدما کی کتابوں پر تحریر کیں۔ اُس کے سپرد بیمارستان عضدی کی دیکھ بھال تھی۔ زندگی بھر اس خدمت سے اُس کا تعلق رہا۔ ابتدائی عمر میں اُس نے ملک ایران کی سیاحت بھی کی تھی اور وہاں سلاطین کے دربار میں کئی سال تک طبی خدمات انجام دیتا رہا تھا۔ خوشنویس۔ شاعر اور انشا پرداز بے نظیر تھا۔ فارسی اور سُریانی زبانیں اچھی جانتا تھا۔ اور عربی زبان کا متبحر فاضل تھا۔ اشعار کی قسم سے بیت۔ رباعی۔ اور دو تین ابیات کی نظمیں زیادہ لکھی ہیں۔ قصیدہ کوئی نہیں لکھا۔ یا لکھا تو بہت کم۔ مُراسلات میں اُس کا پایہ بہت بلند ہے۔ ایک مجلد مجموعہ اُس کے مُراسلات اور انشارت کا موجود ہے ۔

امین الدولہ کا باپ ابوالعلاء صاعد فاضل طبیب اور مشہور معالج تھا۔ اور اوحد الزمان ابوالبرکات اُس کا معاصر۔ امین الدولہ اور ابوالبرکات خلیفہ مستضی باللہ

کے دربار میں طبی خدمات پر ممتاز تھے۔ علوم فلسفہ و حکمت میں ابوالبرکات ابن التلمیذ سے فائق تھا۔ اوحد الزمان ابوالبرکات کی فلسفی تصانیف نہایت قابل قدر ہیں۔ اور اُس کی صرف ایک کتاب جس کا نام "المعتبر" ہے۔ ایسی اس پایہ کی کتاب ہے کہ اگر کوئی اور تصنیف ابوالبرکات کی نہ بھی ہوتی تو بھی یہ کتاب اُس کے فضل و کمال کی گواہی دینے کو کافی تھی۔ ابن التلمیذ فن طب میں بہ نسبت اوحد الزمان کے زیادہ صاحب بصیرت اور مشہور۔ ہمعصری کی وجہ سے ابن التلمیذ اور اوحد الزمان میں باہم عداوت بھی تھی۔ مگر امین الدولہ بہ نسبت ابی البرکات کے نیک دل اور صاف باطن تھا۔ چنانچہ ابی البرکات نے ایک بار ایسی بدطینتی سے کام لیا کہ امین الدولہ قتل و ہلاکت سے بال بال بچ گیا ورنہ اُس کے مخالف نے اپنی سعی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اُس نے ایک رقعہ میں کوئی ایسی بات لکھی جس کے دیکھنے سے خلیفہ کا مزاج امین الدولہ پر برہم ہو جائے۔ پھر خدام شاہی میں سے کسی کو رشوت دیکر وہ پرچۂ کاغذ خلیفہ کے ایوان میں ایسی جگہ ڈلوا دیا جہاں خلیفہ اُس کو گرا ہوا کاغذ سمجھ کر دیکھ سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خلیفہ نے ایوان کے گوشہ میں وہ کاغذ پایا اور پڑھا تو امین الدولہ سے سخت ناخوش ہو کر اُس کے درپے آزار ہو گیا۔ دشمن کی چال چل جاتی۔ مگر قسمت سیدھی تھی۔ خلیفہ باوجود غضبناک ہونے کے پہلے تحقیقات پر مائل ہوا۔ اور اُس کو پتہ مل گیا کہ اوحد الزمان ابی البرکات نے ابن التلمیذ کی جان لینے کے واسطے ایسی شرارت کی ہے۔ خلیفہ نے برہم ہو کر ابی البرکات کی جان و مال پر امین الدولہ کو اختیار کامل دے دیا۔ لیکن اُس نیک دل فاضل نے اپنے خبیث دشمن کو بالکل معاف کر دیا اور باوجود بدلہ لینے کی قدرت کے اُس سے کوئی بُرا سلوک نہ کیا۔ ابی البرکات کی یہ حرکت دیکھ کر خلیفہ نے اُس کو دربار سے نکال دیا اور وہ عام طور سے ذلیل و حقیر ہو گیا۔

امین الدولہ نہایت ملنسار۔ وضعدار۔ خوش خلق۔ سخی۔ بامُروّت۔ اور بڑا اعلےٰ درجہ کا ذہین تھا۔ تشخیص امراض میں اُس کی رائیں بیحد صائب ہُوا کرتیں۔ چند واقعات جو اُس کی رسائی ذہن اور حذاقت پر دلالت کرتے ہیں۔ حسب ذیل ہیں:۔

ایک بار کچھ آدمی ایک عورت کو امین الدولہ کے مطب میں لائے۔

عورت بالکل مردہ معلوم دیتی تھی۔ جاڑے کا موسم تھا اور کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی امین الدولہ نے مریض کو دیکھتے ہی حکم دیا کہ اُسے برہنہ کرکے خوب سرد پانی اُس کے جسم پر ڈالیں۔ دیر تک پے در پے ٹھنڈے پانی کے گھڑے اُس پر ڈالے جاتے رہے۔ پھر امین الدولہ نے اُس کو ایک گرم کمرہ میں جہاں عود اور صندل کی لکڑیاں سُلگ رہی تھیں پہنچایا۔ خوب گرم گرم کپڑے اُڑھا دئے اور ایک گھنٹہ تک اسی حالت سے رکھا۔ جس کے بعد مُردہ نما عورت کو چھینک آئی اور وہ بے تکلف یوں اُٹھ بیٹھی کہ گویا کچھ بھی بیمار نہ تھی اور اپنے عزیزوں کے ساتھ پیادہ پا چلتی ہوئی گھر کو واپس گئی ؂

ایک مریض امین الدولہ کے پاس آیا۔ گرمی کے موسم میں اُس کو پسینہ کی جگہ خون آتا تھا۔ امین الدولہ نے اپنے تمام شاگردوں سے جو حلقۂ درس میں موجود اور تعداد میں پچاس کے قریب تھے۔ دریافت کیا کہ بتاؤ اس شخص کو کیا مرض ہے؟ کوئی شاگرد بیماری کا سبب نہ پہچان سکا۔ آخر امین الدولہ نے خود ہی بیمار شخص سے کہا کہ جَو کی روٹی بینگن کے بھرتے کے ساتھ کھائے۔ تین دن یہ غذا کھانے سے بیمار اچھا ہوگیا۔ شاگردوں نے اُستاد سے بیماری اور علاج کا حال دریافت کیا تو امین الدولہ نے بتایا کہ اس شخص کا خون بہت پتلا پڑ گیا تھا اور مسامات کھُل گئے تھے جن سے خون نکلتا رہتا تھا۔ یہ غذا جو اس کو بتائی گئی اس کا خاصہ یہ ہے کہ خون کو گاڑھا بناتی ہے اور مسامات کو بند کرتی ہے ؂

بغداد کا مشہور مدرسہ نظامیہ اُس کے مکان کی پشت سے ملحق تھا۔ جب کوئی طالب علم یا مدرّس اس مدرسہ کا بیمار ہوتا۔ امین الدولہ اُسے اپنے گھر لے آتا اور بڑی توجہ سے علاج کیا کرتا۔ پھر جس وقت صحت ہوجاتی تو دو دینار نذر کرکے مریض کو رخصت کرتا۔

امین الدولہ سلطان اور خلیفہ کے سوا کسی سے نذر یا فیس نہیں لیا کرتا تھا کسی رُتبہ کا امیر یا دولتمند اُس سے علاج کرانے آتا وہ اُس کی پوری خاطر واری کرنے کے باوجود اُس سے ایک حبّہ بھی بطور نذرانہ یا معاوضہ کے نہیں لیتا تھا۔ ایک بار کسی مُلک کے فرمانروا کو جو بغداد سے بہت دور تھا۔ امین الدولہ کے پاس آنا پڑا۔ امین الدولہ نے

اُس کے لئے سکونت کا مکان علاج کا سامان۔ اور ضیافت کے لوازم فراہم کردئے۔ یہاں تک کہ بیمار تندرست ہوکر اپنے ملک کو واپس گیا۔ وہاں سے اُس نے ایک معتمد تاجر کی معرفت بہت کچھ نقد وجنس تحفۃً امین الدولہ کو بھیجا۔ لیکن اس نے کچھ بھی نہ لیا۔ اور جب لانے والا تاجر مایوس ہوگیا تو اخیر میں اُس نے کہا "آپ یہ مال نہ لینگے تو میں خود اُس کو اپنے تصرف میں لے آونگا اور مشہور کردونگا کہ آپ نے نذر قبول کرلی ہے" امین الدولہ اس لطیف دھمکی کو سُن کر ہنسا اور اُس نے کہا "اگر تمہارا ضمیر تمہیں ایسی ہی ترغیب دیتا ہے تو اس میں میرا کوئی حرج نہیں۔ دنیا خواہ کچھ ہی کہے۔ میرا ضمیر مجھے ملامت نہ کرے اور بدعہدی کا ملزم نہ ٹھہرائے۔ لوگوں کے جاننے یا نہ جاننے سے کیا ہوتا ہے"۔

ایک عورت گود میں چھوٹا بچہ لیکر امین الدولہ کے مطلب میں آئی۔ طبیب بچہ کی صورت دیکھتے ہی کہنے لگا "نیک بخت! تیرے اس بچہ کو پیشاب میں سوزش ہونے اور ریگ آنے کی تکلیف ہے؟" عورت نے کہا "ہاں" امین الدولہ نے اس کو ہدایت کردی کہ فلاں چیزیں استعمال کرنا۔ جب وہ عورت چلی گئی اُس وقت شاگردوں نے حکیم سے دریافت کیا۔ کہ "جناب! آپ کو فوراً کس طرح معلوم ہوگیا کہ بچہ کو یہ مرض ہے" امین الدولہ نے کہا۔ "اگر بچہ کو ورم طحال یا جگر کا مرض ہوتا تو یہ اُس کے جسم اور چہرہ کی رنگت سے عیاں ہوسکتا تھا۔ مگر میں نے دیکھا کہ بچہ اپنے پیشاب کی جگہ کو مل رہا ہے اور اُس کی اُنگلی کے سرے کسی قدر پھٹے ہوئے تھے۔ میرا خیال فوراً منتقل ہؤا کہ اس کے پیشاب کی جگہ میں خارش ہورہی ہے اور اُس کھجلی کا سبب ریگ کا آنا ہے۔ چونکہ وہ عضو بول کو ملتا اور کھجاتا رہتا ہے۔ اس لئے تیزابی مادہ کا اثر انگلیوں کے پھٹ جانے اور اُن پر کُھرنڈ جم جانے کا سبب ہؤا ہے۔ اس علامت سے میں نے مرض کو تشخیص کرلیا"۔

خلیفہ مستضی بامراللہ نے امین الدولہ کو حکم بھیجا کہ دربار کے نامور اطباء کی ایک منتخب مجلس بناکر شہر بغداد کے جملہ اطباء کی جانچ کرے۔ جس کو یہ مجلس سند دے وہی علاج کرنے پائے اور باقی نیم حکیم سب علاج سے منع کردئے جائیں۔ جس وقت اس حکم کی تعمیل ہورہی تھی ایک اسّی برس کا بوڑھا طبیب بھی آیا۔ امین الدولہ نے اُس سے دریافت کیا۔

آپ نے طبی کتابوں میں سے کون کون کتابیں پڑھیں اور کس سے پڑھی ہیں؟" بڈھا طبیب جو علم و عمل سے ناواقف اور دکھاوے کا طبیب تھا دل میں گھبرایا۔ مگر تھا جہاندیدہ دل مضبوط کرکے کہنے لگا "سبحان اللہ! آپ مجھ سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ کیا اور کس سے پڑھا ہے؟ صاحب! میرے جیسے عمر رسیدہ اور تجربہ کار سے یہ پوچھئے کہ کون کون کتابیں تم نے تصنیف کی ہیں۔ اور کتنے شاگرد بنائے ہیں؟ تو ایک بات بھی ہوگی۔ مگر خیر۔ آپ نے اس کا لحاظ نہیں کیا تو اب میں خود ہی بتادونگا کہ کون ہوں" یہ کہہ کر امین الدولہ کے نزدیک گیا اور آہستہ آہستہ کہا "صاحب! مجھے رسوا نہ کرو۔ طبیب اور معالج تو میں ہوں نہیں۔ پیٹ پالتا ہوں اور کوئی دوسرا کام بھی نہیں جانتا۔ اب چند دن زندگی کے اور رہ ہیں۔ میری روٹیاں ماری جائینگی۔ رحم کرو" امین الدولہ نے کہا "مگر شرط یہ ہے کہ تم مسہل اور فصد کسی کے واسطے تجویز نہ کرو اور جس مریض کی بیماری سمجھ میں نہ آئے اُس کا علاج کبھی نہ کرو" بڈھے نے یہ شرط مان لی اور کہا کہ وہ روز اول سے خود ہی ان احتیاطوں کا پابند ہے۔ اور امین الدولہ نے مجلس کے روبرو بلند آواز سے کہا "بڑے میاں! معاف کرو میں نے تم کو پہچانا نہ تھا۔ آپ اپنا کام کرتے رہو۔ کوئی تم کو اس امر سے روک نہ سکیگا"

بڈھے طبیب کو پاس کرکے وہ اور امیدواروں کی طرف متوجہ ہوا اور ایک شخص سے حسب معمول پڑھی ہوئی کتابوں اور سند مطب بتانے اور دکھانے کا سوال کیا تو وہ کہنے لگا "جناب! میں اسی بزرگ کا شاگرد ہوں جس کو آپ نے ابھی اچھی طرح شناخت کیا ہے" امین الدولہ اُس شخص کی نوک جھونک کو سمجھ گیا۔ اور ہنسکر چپ ہو رہا۔ اور دو ایک دیگر امیدواروں کا امتحان لیکر آخر میں اُس کو بھی پھر جانچ لیا۔

امین الدولہ جس درجہ کا فاضل۔ نیک مزاج۔ دانشمند۔ اور طبیب و ادیب تھا۔ ویسا ہی اُس کا بیٹا احمق و کندہ ناتراش رہا۔ ہر چند اُسے باپ نے پڑھایا لکھایا لیکن اُس کو کچھ نہ آیا۔ امین الدولہ کو اس بات کا سخت قلق رہتا تھا چنانچہ ایک دوست کی ناراضی پر جو اُس نے اپنے بیٹے کی وفات پر امین الدولہ کی طرف سے ماتم پرسی نہ ہونے کی وجہ سے ظاہر کی تھی۔ امین الدولہ نے اُس دوست سے بافسوس کہا "بھائی۔ میں تم سے بڑھکر ماتم پرسی کا

مستحق ہوں۔ کیونکہ تمہارا بیٹا تو مر گیا اور میرا نامعقول بیٹا نہ مرا ✤

ابن الدولہ ۲۸۔ ربیع الاول ۵۶۰ھ کو ۹۴ سال کی عمر پا کر دنیا سے رحلت کر گیا۔ وہ مذہب عیسوی ہی کا پابند رہا اور اسی دین پر مرا۔ بہت کچھ جاہ و دولت اور نادر کتابوں کا قیمتی کتب خانہ اپنے ترکہ میں چھوڑ گیا۔ اُس کا بیٹا تمام چیزوں کا وارث بنا تھا۔ مگر وہ کچھ ہی دن بعد دھوکے سے قتل کر دیا گیا اور اُس کا سب اثاثہ لُٹ گیا۔ اُس کا کتب خانہ جو بہت نفیس تھا۔ بارہ اونٹوں پر لدوا کر "مجدابن صاحب" وزیر نے منگوالیا۔ ابن الدولہ کا بیٹا اپنی موت سے قبل مسلمان ہو گیا تھا اور بیان کیا جاتا ہے کہ اُس کی عمر اسّی سال کے قریب تھی ✤

ابن الدولہ کے چند مشہور مقولے یہ ہیں :-

"کبھی اس بات پر نہ بھولو کہ جتنے امراض کتابوں میں لکھے ہیں بس ان کے سوا اور کوئی بیماری دُنیا میں ہے ہی نہیں۔ کیونکہ بہت سے امراض ایسے ہیں کہ بلائے آسمانی بنکر نازل ہوتے رہتے ہیں"

"اگر بدن میں کوئی ایسا کانٹا چبھا ہو جو آدھا گوشت میں گڑ گیا اور نصف ابھی باہر ہے تو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ تم اُسے نکال ہی لو گے۔ ممکن ہے کہ وہ ٹوٹ جائے اور باقی حصہ بغیر نشتر لگائے نکل نہ سکے"

"لباس اس قسم کا پہننا چاہیئے جس کو عوام اور جاہل دیکھ کر حسد نہ کریں اور اعلیٰ طبقہ والے تم کو حقیر نہ سمجھیں"

تصانیف ۔ ابن الدولہ ابن التلمیذ کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-

(۱)۔ قرابادین۔ یہ بیس باب کی کتاب اور تمام قرابادینوں سے جو اُس کے قبل و بعد مرتب ہوئیں بہتر ہے۔ ابن الدولہ کی تصانیف میں جو شہرت اور مقبولیت اس کتاب کو حاصل ہوئی وہ اور کسی کتاب کو نہ ہو سکی ✤

(۲)۔ قرابادین موجز بیمارستانی۔ یہ تیرہ ابواب میں تمام اُن معالجات کا مجموعہ ہے جو عام بیمارستانوں میں مستعمل ہوا کرتے ہیں ✤

(۳) مقالۃ الامینیہ اس میں بھی شفاخانوں کی مستعمل ادویات کا ذکر ہے۔ رازی طبیب کی کتاب الحاوی کا خلاصہ ✤

(۴)۔ مشکویہ طبیب کی کتاب الاشربہ کا منتخب و خلاصہ
(۵)۔ جالینوس کی اُس شرح کا اختصار جو اُس نے بقراط کی کتاب الفصول پر لکھی ہے ۔
(۶)۔ بقراط کی کتاب شناخت امراض تقدمۃ المعرفۃ پر جالینوس کی شرح کا خلاصہ ۔
(۷)۔ اہلِ اسکندریہ نے جالینوس کی کتاب حیلۃ البرء کا جو نچوڑ تیار کیا تھا اُس کا ایک تتمّہ ابن الدولہ نے بھی لکھا ہے ۔
(۸)۔ حنین بن اسحٰق کی کتاب المسائل پر حاشیہ ۔
(۹)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن حدیثوں کی شرح جو طب کے متعلق ہیں ۔
(۱۰)۔ ایک مختصر کناش (مطب کی بیاض) ۔
(۱۱)۔ قانون شیخ پر حواشی ۔
(۱۲)۔ مقالہ فصد کے بیان میں ۔
(۱۳)۔ مجموعہ رسائل و خطوط جو اُس کی اعلےٰ انشا پردازی کا نمونہ ہے ۔
(۱۴)۔ جالینوس کی کتاب ابدال الادویہ کا منتخب ، وغیرہ وغیرہ ۔

(۲۲۰) اندروماخس (حکیم)

بقراط کے بعد قریب ہی کے زمانہ میں اس کا علاج اور کمال فن یونان میں مشہور ہُوا اس نے نوّے سال عمر پائی اور فوت ہو گیا ۔

(۲۲۱) انقیلاوس اوّل (حکیم)

عہد بقراط و جالینوس کے مابین فاصل ایّام میں نامی طبیب تھا ۔

(۲۲۲) اوحدالدین (حکیم)

حکیم اوحدالدین عمران بن صدقہ ۔ دمشق میں پیدا ہُوا ۔ سن ولادت ۵۶۱ھ ہے ۔ اس کا باپ بھی مشہور طبیب تھا ۔ شیخ رضی الدین الرحبی سے علم طب پڑھا اور اُسی کے ساتھ مطب کیا ۔ طب میں علمی و عملی پہلو سے خوب ترقی کی یہاں تک کہ بڑے نامور اطبّاء میں شمار کیا گیا ۔ اور اسی ذریعہ سے شاہان وقت اور امراے عہد کے درباروں میں رسوخ و عزّت پائی ۔ خوب دولت کمائی ۔ اِس نے کتب خانہ بہت بڑا جمع کیا تھا اور خصوصیّت

یہ تھی کہ طبی کتابیں اس میں اتنی کثیر المقدار میں تھیں کہ شاید ہی کسی طبیب نے ایسا بے مثل اور اعلےٰ درجہ کا طبی ذخیرہ فراہم کیا ہو ۔

عمران نے کسی بادشاہ کے دربار کی ملازمت نہیں کی۔ ملک العادل ابوبکر بن ایوب بہت چاہتا رہا کہ عمران اُس کے دربار کی طبابت قبول کرلے اور سلطان کے ہمرکاب رہا کرے لیکن عمران نے منظور نہ کیا۔ اور بھی کئی بادشاہ اُسے اپنی ملازمت میں لینے کی کوشش میں ناکام رہے۔ ملک الناصر داؤد بن ملک المعظم حکمران کرک نے جب وہ علیل تھا عمران کو دمشق سے اپنا معالجہ کرنے کے لئے طلب کیا اور بعد صحت اُسے انعام و خلعت سے سرفراز فرمایا۔ پھر چاہا کہ عمران کو ۱۵۰۰ درہم ناصری ماہوار مشاہرہ دیکر اپنی خدمت میں رکھے مگر عمران نے قبول نہ کیا۔ بلکہ سلطان مذکور نے اُسے ۱۸ ماہ کی پیشگی تنخواہ ۲۷ ہزار درہم ایک مشت دینے کا وعدہ کیا اور عمران اس بات پر بھی راضی نہ ہوا ۔

سلطان ملک العادل نے عمران کا بیش قرار وظیفہ مقرر کرکے اُسے اہل قلعہ کی طبی خدمت سپرد کی تھی اور شاہی محل سرا کا معالج قرار دیا تھا۔ عمران دمشق کے شفاخانۂ اعظم کا طبیب بھی رہا۔ اس کے اس شفاخانہ میں کام کرنے کا وہی زمانہ تھا جبکہ وہاں مہذب الدین ابراہیم بن علی کام کیا کرتا تھا۔ حکیم عمران کی تشخیص اور اُس کا علاج دونو بے مثل تھے۔ اُس میں وصف تھا کہ مریضوں کی خواہش کے موافق انہیں ادویات دیا کرتا۔ اُس نے اکثر پرانی بیماریوں کا معرکۃ الآراء علاج کیا تھا۔ حکیم عمران نے ۶۳۷ھ میں بمقام حمص جبکہ وہاں کے فرمانروا نے اُسے دمشق سے اپنا علاج کرنے کی غرض سے بلوایا تھا، وفات پائی ۔

(۱۲۳) اَوحدُالزّمان (حکیم)

ابوالبرکات ہبۃ اللہ بن علی بن ملکا۔ البلدی۔ اس کی جائے پیدائش بلد نامی مقام تھا بغداد میں سکونت اختیار کی۔ پہلے یہودی تھا پھر مسلمان ہوگیا۔ خلیفہ مستنجد باللہ کی خدمت میں رہا تھا۔ اس کی تصنیف کردہ کتابیں بہت اعلےٰ درجہ کی ہیں۔ علوم حکمیہ میں اس کی نظر بہت وسیع اور طبیعت بیحد رسا تھی ۔

طب کی ابتدائی تعلیم اُس نے عجیب طور پر پائی۔ علوم ادب و فلسفہ میں مہارت پیدا کر لینے کے بعد طب پڑھنے کا شوق ہُوا۔ اُس وقت بغداد میں۔ ابا الحسن سعید بن ہبتہ اللہ مشہور اور ممتاز مدرّس اس فن کا تھا۔ لیکن اُس نے عہد کر لیا تھا کہ کبھی کسی یہودی کو طب نہ پڑھائیگا اُس کا حلقۂ درس باوجود نہایت وسیع ہونے کے یہودیوں کے لئے گنجائش نہیں رکھتا تھا۔ ابوالبرکات کو ابی الحسن ہی سے پڑھنے کی ہوس تھی۔ اُس نے ترکیب یہ نکالی کہ اور کسی طرح تو شیخ کی مجلس میں دخل نہیں مل سکتا آؤ اُس کے دربان سے راہ و رسم پیدا کریں۔ اس طرح وہ دربان سے دوستی پیدا کر کے دہلیز میں بیٹھ جاتا اور درس سُنا کرتا۔ طبیعت اور ذہن و حافظہ خداداد تھا۔ جو طلبہ اُستاد کے سامنے بیٹھ کر پڑھتے اُن کو سبق نہ دیا ہوتا اور یہ دور ہی سے سُن کر یاد کر لیتا تھا۔ پھر یاد بھی اس طرح کہ پتھر کی لکیر۔ ایک سال سے زائد زمانہ یونہی گزر گیا۔ آخر ایک دن شیخ۔ سعید بن ہبتہ اللہ نے اثنائے درس میں طلبہ سے کوئی پڑھایا ہُوا مسئلہ امتحاناً دریافت کیا۔ کسی سے جواب نہ بن آیا۔ ابی البرکات دوڑ کر مجلس میں حاضر ہُوا اور شیخ کا ہاتھ چوم کر عرض رسا ہُوا۔ جناب! اجازت ہو تو یہ احقر سوال کا جواب دے۔"

شیخ سعید بن ہبتہ اللہ نے متحیّر ہو کر اُسے اجازت دی اور ابی البرکات نے بخوبی تمام مسئلہ کی تقریر کر کے اُس کے ہر ایک پہلو کو بتشریح بیان کر دیا۔ پھر اخیر میں کہا "جناب نے اِس مسئلہ پر فلاں تاریخ فلاں مہینہ اور فلاں وقت بجنسہٖ یہی تقریر فرمائی تھی جو میں نے عرض کی"

شیخ سعید بن ہبتہ اللہ اُس کی یادداشت و طبّاعی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اُس نے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ ابی البرکات نے اپنا تمام قصّہ کہہ سُنایا۔ شیخ اُس کی سرگزشت سُن کر خوش ہُوا اور کہنے لگا "گو میں نے عہد کیا ہے کہ کسی یہودی کو نہ پڑھاؤں گا۔ لیکن تم جیسے ہونہار نوجوان کو درس سے محروم رکھنا اور علم سے مستفید نہ بنانا ظلم ہے۔ تم شوق سے حلقہ میں شریک ہوا کرو"۔ چنانچہ اُسی دن سے ابی البرکات اُستاد کا منظور نظر اور جماعت میں سب پر ممتاز ہو گیا۔ اور سعید بن ہبتہ اللہ کا نام اسی نے اُچھالا۔

اوحدالزمان ابی البرکات کے نادر علاج اور اُس کی عجیب و غریب تشخیص اور قوت

اوراک کا حال ذیل کی دوتین حکایتوں سے واضح ہوسکتا ہے:۔

بغداد میں ایک شخص کو مرض مالیخولیا تھا۔ تمام اطبا نے علاج کیا۔ کچھ نفع نہ ہوا۔ بیمار کو وہم یہ تھا کہ اُس کے سر پر مٹی کا مٹکا رکھا ہے۔ اس خیال میں وہ کبھی کسی دروازہ یا نیچی چھت کی عمارت میں بغیر جھکے ہوئے داخل نہ ہوتا۔ راستہ میں چلتا تو راستہ چلنے والوں سے بچتا ہؤا۔ کہ مبادا کسی کا دھکا لگ جائے اور مٹکا گر پڑے۔ یہ وہم اُسے بیحد تکلیف دیتا تھا مگر اس کا دفعیہ بھی ممکن نہ تھا۔ ابی البرکات کو سُوجھ گیا کہ وہم کا علاج بھی وہم ہی سے ہوگا اپنے دو غلاموں کو سمجھا دیا کہ اُن میں سے ایک مکان کی چھت پر ایک مٹی کا مٹکا لیکر جا بیٹھے اور دوسرا لکڑی لئے ہوئے مستعد رہے۔ وہ مریض کو بلا کر صحن میں ایسی جگہ بٹھائیگا جو چھت سے قریب ہو۔ جب اشارہ کرے لٹھ بند غلام اس طرح پر لکڑی گھما کر مارے کہ مریض کے سر پر تو نہ لگے مگر کچھ فاصلہ سے ہوا میں ہو کر اُسی کے سر پر سے گزرے۔ اور اسی کے ساتھ چھت پر جو غلام ہے وہ مٹی کے مٹکے کو یوں پھینکے کہ مریض کے پاس آکر گرے اور ٹوٹ جائے۔ یہ انتظام کرکے اوحدالزمان نے مریض کو اپنے یہاں بلوایا۔ دیوان خانہ کے باہر سائبان یا چھجہ کے نیچے اُسے بٹھا دیا اور خود بھی وہیں بیٹھ کر اُس کے ساتھ ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ جس وقت دیکھا کہ مریض اُس کی باتوں میں محو ہے چپکے سے ہاتھ کا اشارہ کر دیا۔ ساتھ ہی نیچے کے غلام نے لکڑی چلائی اور مریض کے سر پر سے اُس کی لاٹھی ہؤا میں زنّاٹا بھرتی ہوئی نکل گئی۔ اور چھت پر جو غلام تھا اُس نے مٹکا نیچے گرا دیا یہ کام ایسی صفائی سے ہؤا کہ مریض کو بالکل یقین ہوگیا کہ جو مٹکا ٹوٹا ہے یہ وہی اُس کے سر پر کا مٹکا تھا۔ اُس نے ایک گہری آہ کھینچی۔ اُس کو سخت صدمہ ہوا اور یہ وہم ایسا اُس کے دل میں بیٹھ گیا کہ پھر وہ بالکل اچھا اور پہلے وہم سے بری ہوگیا۔

ایک بار بغداد اور اُس کے قرب وجوار میں ایسا مرض پھیل گیا تھا کہ اکثر آدمیوں کے ہاتھ کی اُنگلیاں پک جاتیں اور اُن کا ابتدائی علاج اگر یہ ہوتا کہ اُنگلی فوراً کاٹ دی جائے تو خیر۔ ورنہ سارا ہاتھ گل جاتا اور جان لیکر رہتا۔ پہلے ہی پہل اس مرض کا ایک بیمار ابی البرکات کے پاس آیا۔ اُس نے دیکھتے ہی بلا تامل اُس کی اُنگلی کاٹ دی۔ شاگردوں اور ہمعصروں نے

بُرا بھلا کہا اور کہا کہ کیا کسی اور طرح علاج نہیں ہو سکتا تھا جو غریب کو انگلی کاٹ کر ہمیشہ کے لیے داغدار بنا دیا۔ وہ ہرچند علاج کرتے رہے کسی بیمار کو آرام نہ ہوا بلکہ انگلی کے زخم نے ہاتھ ہی بیکار کر دیا اور اکثر آدمی محض اس وجہ سے کہ معالج طبیبوں نے ہاتھ کاٹنے میں دیر کی موت کے شکار ہو گئے۔ مآل دیکھ کر سب معاصرین ابی البرکات کی تشخیص اور اصابتِ رائے کے قائل ہو گئے۔

ابی البرکات جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہودی تھا۔ بعد میں مشرف باسلام ہو گیا۔ اس کے اسلام لانے کا قصہ عجیب ہے یہ ایک دن خلیفہ کے دربار میں آیا تمام اہل دربار خلیفہ اور قاضی القضاۃ کے سوا تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ قاضی کا نہ اُٹھنا اور تعظیم نہ دینا اس وجہ سے تھا کہ ابی البرکات مسلمان نہیں بلکہ ذمی یعنی اسلامی رعایا ہے۔ ابی البرکات کو یہ امر ناگوار ہوا۔ اُس نے خلیفہ سے عرض کیا "امیر المومنین! اگر قاضی صاحب اس خیال سے کہ میں غیر مسلم ہوں جماعت مسلمانان کا ساتھ چھوڑتے ہیں تو یہ لیجیے میں اسلام لئے آتا ہوں " لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اب تو یہ مجھے ذلیل و حقیر نہ سمجھ سکینگے۔!!!"

اوحد الزمان نے اسّی برس کے قریب عمر پائی۔ اُس کے بیٹا کوئی نہ تھا۔ صرف تین لڑکیاں اپنی یادگار چھوڑیں۔ اخیر عمر میں وہ نابینا ہو گیا تھا۔ اُس حالت میں بھی کتابیں تصنیف کرتا اور شاگردوں سے لکھاتا رہتا۔ قبول اسلام کے بعد یہودیوں کو بہت بُرا بھلا کہا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی مجلس میں جہاں اُس کا ہمعصر اور مدمقابل امین الدولہ بن تلمیذ بھی موجود تھا۔ ابی البرکات نے کہا "یہودی ملعون ہیں" امین الدولہ سے رہا نہ گیا۔ وہ کہنے لگا "بلکہ اُن کی اولاد بھی" برجستہ طنزیہ کلمہ سُن کر ابی البرکات سُن ہو گیا اور اُس کی زبان سے ایک حرف بھی پھر نہ نکلا۔

تصانیف:۔ اوحد الزمان ابی البرکات کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ کتاب المعتبر یہ علم حکمت کی بے مثل کتاب ہے۔

(۲)۔ مقالہ دن کو ستاروں کے پوشیدہ رہنے اور رات کو ظاہر ہونے کا سبب اس میں بیان کیا ہے۔

(۳)۔تشریح کا اختصار جالینوس کے کلام سے ۔
(۴)۔کتاب قرابادین۔اس میں تین مقالے ہیں ۔
(۵)۔مقالہ دوائی برشعشا کے بیان میں ۔
(۶)۔مقالہ معجون کے بیان میں اس کا نام "امین الارواح" ہے ۔
(۷)۔رسالہ عقل اور اس کی ماہیت کے بیان میں ۔

(۲۲۴) اوفمیس (حکیم)

یہ کحال تھا اور بادشاہ کے لقب سے ملقب۔جالینوس سے قبل ہوا ہے ۔

(۲۲۵) اہرن اُسقف (حکیم)

یہ کناش (قرابادین) کا مصنف تھا۔اس نے اپنی کتاب سریانی زبان میں لکھی تھی ماسرجیس طبیب نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا۔اصل کتاب کے تیس مقالے تھے۔ مترجم نے دو مقالوں کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ۔

(۲۲۶) ایڈیسن (ڈاکٹر)

ٹامس ایڈیسن انیسویں صدی کے ان نامور اطبّاء میں سے ہے جن کے وجود سے بنی نوع انسان کو بے انتہا فوائد پہنچے ہیں اور جنہیں قرون ماضیہ کے آسمان کے روشن ستارے سمجھا جاتا ہے۔اس کی محققانہ کوششوں سے ایک نیا مرض[۵۱] دریافت ہوا تھا۔ جس کو اب اسی کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے اس فاضل حکیم نے تشخیص امراض کی لاثانی مہارت اور قابلیت میں غیر فانی نام پیدا کیا ہے ۔

یہ مشہور ڈاکٹر اپریل ۱۷۹۳ء میں بمقام قصبہ لانگ بنٹن پیدا ہوا جو شہر برلب ٹائن سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے۔کچھ عرصہ ہوا ایک ڈاکٹر نے ایک کتاب لکھی تھی جس میں ایڈیسن کے اجداد کو ضلع کمبرلینڈ کے زمینداروں سے متعلق بیان کیا گیا ہے۔اس خاندان کے سلسلے میں سموئل نامی ایک شخص ہوا ہے جس نے ڈاکٹری میں بڑا نام پیدا کیا تھا مگر چونتیس سال کی عمر میں اس کا انتقال ہو گیا یہ شخص ٹامس ایڈیسن کا چچا تھا۔اور اس کے

[۵۱] ایڈیسن ڈیزیز (مرض ایڈیسن) ۔

باپ کی معاشی زندگی کا وسیلہ تجارت بتائی جاتی ہے۔

ٹامس نے لڑکپن میں بنوکیشل کے گرامر سکول میں تعلیم پائی اور تھوڑے ہی عرصہ میں لاطینی زبان کا عالم ہو گیا۔ مکتبی تعلیم سے فراغت حاصل کرتے ہی وہ سیدھا اڈنبرا کو چلا گیا گو اُس کے باپ کی خواہش تھی کہ اُسے ایک مقامی ڈاکٹر کا شاگرد بنائے۔ لیکن ٹامس کو یہ تجویز پسند نہ آئی اور اُس نے اڈنبرا کی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کو ترجیح دی۔

ایڈیسن کوئی معمولی طالب علم نہ تھا بلکہ ایک نہایت آزاد طبع اور آزاد خیال واقع ہوا تھا۔ رائل میڈیکل سوسائٹی (شاہی مجلس اطباء) نے اُس کی غیر معتاد لیاقت کا حال دیکھ کر بہت جلد اُسے ۱۸۱۴ء میں اپنا پریسیڈنٹ منتخب کر لیا۔ اور یہ وہ اعزاز تھا جو اس سے کچھ عرصہ بعد اُس کے معاصرین مارشل ہال اور رچرڈ برائٹ کو بھی نصیب ہوا جو دونوں ڈاکٹری دُنیا میں نامور اُستاد اور کامل فن طبیب سمجھے جاتے ہیں۔ زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ یہ تینوں مشہور ترین ڈاکٹر اڈنبرا یونیورسٹی ہی کے طلباء تھے۔

ایڈیسن نے ۱۸۱۵ء میں ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اور اُس کے بعد مشہور ہے کہ وہ برّ اعظم یورپ کی درسگاہوں میں بھی گیا لیکن اس کی کسی معتبر شہادت سے تصدیق نہیں ہوتی۔ تحصیل علوم سے فارغ ہونے کے بعد یہ لنڈن میں سکونت پذیر ہوا۔ جہاں اُس کی واقفیت صرف ایک شخص کے ساتھ تھی جو اُس کا پُرانا کلاس فیلو (ہم مکتب) تھا با ایں ہمہ پہلے سال کے مطب میں اُس کی آمدنی ۹۰ گنی (۹۹۰ روپے) ہوئی۔ جسے ایک بڑی حد تک کامیابی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد یہ ماہر طبیب لاک ہسپتال کا ہاؤس سرجن مقرر کیا گیا۔ پھر جنرل ڈسپنسری میں ڈاکٹر ہوا۔ جہاں اُس نے بیٹ مین کے ساتھ مل کر جلدی امراض کا مطالعہ کیا۔ آٹھ سال تک یہاں کی ملازمت کی مگر یہ ملازمت علمی اضافہ کے اعتبار سے اُس کے لئے بہت کچھ مفید ثابت ہوئی۔ اِس قابل طبیب کو نوعی امتیازات اور افرادی انواع کے علم کی تحقیق و تجسّس کا بہت شوق رہتا تھا۔ جس کی بدولت اس شعبہ میں اُسے خاص قابلیت بھی پیدا ہو گئی۔ اِس کے بعد بیٹ مین کی جگہ مقرر ہو جانا اُس کے لئے مشکل نہ تھا مگر وہ خود اِس کا خواہشمند نہ ہوا۔

ڈاکٹر لالنسڈیل کہتے ہیں :- جب وہ کسی مرض کی تحقیق میں مصروف ہوتا تو
اپنی ساری قابلیت سے کام لیکر اُس کی جملہ تفاصیل پر حاوی ہو جاتا۔ وہ ان علوم کا یہاں تک
مشتاق تھا کہ ایک تشخیص سے فارغ ہوتے ہی دوسری تشخیص میں منہمک ہو جاتا تھا۔
ایڈیسن کسی خاص فن کا ماہر (سپیشلسٹ) بننا نہیں چاہتا تھا بلکہ اُس کے نزدیک یہ ایک
فضول بات تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ سچا طبیب ضروری ہے کہ جراحی سے بھی بخوبی واقف
ہو۔ اور اچھے جرّاح کے لیئے لازمی ہے کہ طب کے اصول جانتا ہو۔

۱۸۱۹ء یا ۱۸۲۰ء سے ایڈیسن گائی کے ہسپتال میں آنے جانے لگا یہاں مسٹر ہیریسن
جو اُس ہسپتال کے خزانچی اور مختار عام تھے اُس سے بالتفات پیش آئے اور ۱۸۲۴ء میں اُسے
مددگار طبیب مقرر کر دیا۔ اس تقرر کے وقت سے وہاں مریضوں کی آمد و رفت بہت زیادہ
بڑھ گئی کیونکہ اس سے پہلے ہسپتال مذکور میں صرف وہاں کے طلباء کام کیا کرتے تھے۔
کوئی ایسا شخص کبھی مقرر نہ ہوا تھا۔ جس کا پہلے ہی سے مستقل طور پر مطب جاری ہو۔
غرض ایڈیسن نے وہاں بڑی شہرت پائی اور ۱۸۲۷ء میں میٹریا میڈیکا کے اُستاد مقرر ہونے
سے اِس شہرت کو اور بھی تقویت پہنچی۔ ایڈیسن کے گرد کثیر التعداد طلباء کے جمع ہونے
سے اُس کی قابلیتوں کا لوگوں کو اندازہ ہوا۔ کیونکہ اُس زمانے میں طبیات کے طلباء
مدارس میں الگ الگ آکر سبق لیا کرتے تھے اور باقاعدگی کے ساتھ کسی ایک ہی مدرسے
میں تعلیم پوری نہیں کرتے تھے۔ اِس زمانے میں اس نامور طبیب کی سالانہ آمدنی دس بارہ
ہزار روپے تھی۔ اور لوگوں کو عام طور پر یہ خیال ہو گیا تھا کہ گائی کے ہسپتال کی
روز افزوں ترقی اور شہرت کا سبب یہی شخص ہوا ہے۔

۱۸۲۹ء میں ایڈیسن نے گائی ہسپتال کے سرجن جان مورگن کے ساتھ مل کر
"زہریلے مادوں کا زندہ جسم پر عمل" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا اور حیرت ہے کہ
یہ انگلستان میں زہر کے متعلق سب سے پہلی اہم تحقیق ہے۔ مصنفین نے اس میں
یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اعصاب کے لچھوں پر جو شریانوں تک پھیلے ہوتے ہیں سیدھا اثر
پڑنا اکثر زہروں کی سریع الاثری کا باعث ہوتا ہے۔ ۱۸۳۰ء میں ایڈیسن نے ایک رسالہ

زنانہ امراض کی نسبت بھی شائع کیا۔ اس میں چند مسلمہ رایوں پر سختی سے نکتہ چینی کرنے کے علاوہ فصد و مسہل نظام تفریح پر بھی اعتراضات کئے۔ اس کے آخر میں اپنے ہم پیشہ حضرات کو مضمون بالا پر ایک لمبا لکچر دیا جس میں سے یہ چند فقرے یادگار ہیں "حضرات اگر آپ چاہیں کہ اتنی دیر تک آپ کی تضیع اوقات کرنے کی میں معافی مانگوں۔ تو مجھ کو معافی کا کافی مصالحہ اُس دلچسپی میں مل جائیگا۔ جو فرقہ نسواں کے آرام و راحت سے ہم سب کو ہونی چاہیئے، کیونکہ یہ وہ مظلوم فرقہ ہے کہ جسے خدا کے حکم اور انسانی فطرت کے قاعدہ نے انواع و اقسام کے جسمانی اور روحانی دُکھ برداشت کرنے پر مجبور بنادیا ہے۔ دنیا میں عورت کا جو کچھ مقدر ہے سو ہے ہم مردوں کو کم سے کم اس بات کا اقرار کرنا چاہیئے۔ کہ ربانی قوت نے ہم کو جان عطا کی اور اُسی قوت کے رحم نے عورت کو ہمارے حوالہ کیا۔"

۱۸۳۷ء میں ایڈیسن گائی کے ہسپتال کا اعلےٰ طبیب منتخب ہوا۔ اور ڈاکٹر برائٹ کے ساتھ علم خواص و تاثیر ادویہ کا مشترک اُستاد مقرر کیا گیا ہے۔ اُس وقت سے اُس نے ڈاکٹر برائٹ کے ہمراہ مل کر ایک کتاب "اصول الادویہ" لکھنی شروع کردی۔ جس کی صرف پہلی جلد جو زیادہ تر ایڈیسن کی تصنیف تھی شائع ہوئی۔ اس کتاب کو نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا لیکن افسوس ہے کہ دو لو مصنفوں میں سے ایک بھی اُس کو مکمل نہ کرسکا۔ ایڈیسن کے بیش بہا تجربے وقتاً فوقتاً رسالوں کی شکل میں شائع ہوکر بنی آدم کو فیض پہنچاتے رہے۔ چنانچہ ۱۸۳۷ء اور ۱۸۴۳ء "ذات الریہ" (نیمونیا) پر اور ۱۸۴۵ء میں پھیپھڑوں کی تشریح" پر ۱۸۴۵ء میں "تپ دق کی تشخیص و علاج" پر اُس نے خیالات کا اظہار کیا، ان میں سے آخری رسالے میں۔ اُس نے یہ اصول لکھا ہے، کہ ہر قسم کے دق میں احتراق ہی ہلاکت کے اسباب پیدا کرتا ہے۔ اس اصول کی تحریر سے جس نے مرض مذکور پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے، ایڈیسن اپنے ہمعصر ڈاکٹروں میں بہت بدنام ہوگیا۔ اُنھوں نے اس اصول کی تردید کی اور کہا کہ یہ ایڈیسن نے خواہ مخواہ ایک بات گھڑلی ہے۔ اس فاضل طبیب نے لائنسک کے خیالات سے بہت کچھ تاثر حاصل کیا تھا اُس نے کان لگا کر امراض سینہ کی تشخیص کا ہنر پیدا کرلیا۔ لیکن چونکہ وہ ہمیشہ سے اپنی لاعلمی کا اقرار کرلینے میں

نہایت صاف گوئی سے کام لیتا تھا۔ اس لئے اُس نے ۱۸۶۱ء میں گائیز فزیکل سوسائٹی کے آگے ایک مضمون "امراض سینہ کی تشخیص کی مشکلات" پر پڑھا۔ اسی میں اُس نے جگر او جلد کے امراض اور اُن دماغی بیماریوں کا بھی ذکر کیا جو گردوں کی خرابی سے پیدا ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی "بعض تشنجی امراض میں بجلی کی تاثیرات دوائیہ" پر بھی واقعات، حقایق کی تطبیق سے بحث کی۔ اور علم الادویہ کو ایک بڑے پیمانے پر مدون کرنے کی بالخصوص ضرورت بیان کی ❊

ڈاکٹر ایڈیسن کا بڑا کام جس سے عام و خاص میں اُسکی شہرت ہوئی وہ "شوپرارنیل کیپسولز" (گردوں کی ٹوپیوں کی بیماری) کا دریافت کرنا ہے۔ اس بیماری میں گردوں کے اوپر کے غدود محفوظ میں نقص پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان غدود کا کام جس طرح ایڈیسن سے پہلے غیر معلوم تھا اُسی طرح اب بھی پورے طور پر معلوم نہیں ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نہایت خطرناک طور پر بیمار تھا کئی ایک بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اُسے دیکھا لیکن مرض کی تشخیص نہ ہو سکی۔ بالآخر ایڈیسن کو بلایا گیا اور اُس نے کمال احتیاط اور ہشیاری سے تمام علامات کو دیکھ بھال کر یہ رائے ظاہر کی کہ وہ گردوں کے غدود کی بیماری میں مبتلا ہے اور یہ مرض بہت جلد مہلک ثابت ہونے والا ہے۔ اُس وقت تو ڈاکٹروں نے ایڈیسن کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا لیکن بعد ازاں تحقیق ہو گیا کہ ایڈیسن کا خیال صحیح تھا۔ اس غیر معمولی تشخیص کا ہر طرف چرچا ہو گیا۔ اور اُس قابل ڈاکٹر کی بیش از بیش عزت افزائی ہوئی۔ فرانس کے ڈاکٹر تروسو نے نہایت گرمجوشی سے اُس کے بقائے نام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس مرض کو "مرض ایڈیسن" کے نام سے موسوم کر دیا۔ جس کی نسبت یقین کیا جا سکتا ہے کہ عرصہ دراز تک باقی رہیگا ❊

لیکن جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے اس مرض کی دریافت یکایک عمل میں نہیں آئی تھی، بلکہ وہ ایڈیسن کے سالہا سال کے مشاہدات کا نتیجہ تھا۔ جسے اُس نے محدود تعداد امراض اور غیر مکتفی معلومات سے استخراج کیا تھا۔ یہ بیماری بہت شاذ واقع ہوتی ہے اور اُس کے مقابلہ و تطبیق کے لئے بہت تھوڑی باتیں معلوم ہیں۔ ایک مہلک قسم کے مرض کا

اعضاء میں نقص معلوم ہوئے بغیر بہت دفعہ مشاہدہ ہو چکا ہے، جس کے خاص علامات خون کی قلت، سخت نقاہت اور پژمردگی کے علاوہ جلد کی رنگت کانس کی طرح ہو جاتی ہے۔ یہ معمہ آج تک بھی پوری طرح حل نہیں ہوا ہے۔ ایڈیسن نے ایک مریض کی حالت کو بخوبی دیکھا، اور تو کوئی مرض معلوم نہ ہوا مگر اس نے رائے ظاہر کی کہ ساری علامتیں مرض محفظ گردہ کی ہیں۔ اسکے سوا اور کوئی بیماری ظاہر نہیں ہوتی اگرچہ وہ اسکو دوسرے امراض سے پوری طرح علیحدہ نہ کر سکا تاہم اس نے تجربہ کی بناء پر علامات کا بالکل صحیح حال بتا دیا۔ اور یہ امر ظاہر کر دیا کہ اس مرض کے سوا اور کوئی خرابی ان غدد میں نہیں ہو سکتی اور یہ اتفاقات پر مبنی بھی ہے۔

ایڈیسن کے پڑھانے کا ڈھنگ نہایت موثر، اور وہ بڑا ہر دلعزیز استاد تھا۔ اپنی جماعت سے اس کو بہت گہری دلچسپی تھی اور وہ اپنے شاگردوں کی قابلیت بڑھانے اور انہیں نیک راستہ پر ڈالنے کا نہایت مشتاق رہتا تھا۔ اس کے شاگردوں میں ڈاکٹر گولڈنگ برڈ جو چھوٹی عمر میں دُنیا سے چل بسے، سر ولیم گل، ڈاکٹر ولکس اور دیگر کئی نامی گرامی آدمی تھے۔ وہ اپنے طلباء کو مختلف قسم کے مریضوں کے کمروں میں لے جا کر عملی باتیں سکھاتا، اور اپنے خیالات کو واضح کرنے کے لئے انہیں مریضوں کی حالت دکھا کر سمجھاتا تھا۔ یہ طریقہ مرض اور علامات مرض کے ذہن نشین کر دینے کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوتا تھا۔

یہ مشہور اور نامور ڈاکٹر اپنے طریق علاج یا تعلیم میں دوسروں کے دخل درمعقولات کو بُرا سمجھتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات اپنی اس قسم کی ناراضی اور ناپسندیدگی کو گنواروں کی طرح ظاہر کرتا تھا۔ ایک دفعہ اُسے دو تین روز کے لئے کہیں باہر جانا پڑا اُس کی عدم موجودگی میں کسی اور ڈاکٹر نے ایک مریض ذات الجنب کے علاج میں تبدیلی کرنا ضروری سمجھا۔ ایڈیسن جب واپس آیا تو اس کا سبب دریافت کیا، معلوم ہوا کہ قائم مقام ڈاکٹر نے مرض ذات الریہ (نمونیا) اور پھیپھڑوں کے سخت ہو جانے کی خرابی تصور کی۔ اُس نے سوئی طلب کی اور مریض کے سینے میں کھبو کر چند چھٹانک پانی نکالا اور اپنی تشخیص کی صحت کو ثابت کر دیا۔ وہ احتمالات کی بحث پر وقت ضائع کرنے کی بجائے اپنے خیال کی صحت کا عملی ثبوت پیش کر دیتا تھا۔

ڈاکٹر ولکس نے اپنی تصنیفات کے اُس مجموعہ میں جو سڈنم سوسائٹی نے ۱۸۶۸ء میں شائع کیا تھا، ایڈیسن کی نسبت جو رائے ظاہر کی ہے وہ اتنی جامع ہے کہ ہر تذکرہ میں جگہ پانے کے قابل ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بیماریوں کے متعلق ڈاکٹر ایڈیسن کا کمال وثوق کے ساتھ لفظ "علمی" پر زور دینا اُس کی جبلت اور عادت کے اندازہ لگانے کے لئے بمنزلہ کلید ہے۔ وہ نئے خیالات کو سمجھنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ لیکن کبھی اپنے پختہ تجربات کے نتائج پر اُن کو ترجیح نہ دیتا تھا۔ وہ اس بلا کا تیز ذہن اور غیر معمولی طور پر ذہین تھا کہ مریض کا حال اُس کی تہ تک پہنچ جانے والی نگاہ کے سامنے آئینہ ہوجاتا تھا اُس سے بہت کم امراض قابل شناخت باقی رہ جاتے تھے۔ وہ کبھی کوئی رائے قائم نہ کرتا جب تک کہ پوری طرح تشخیص نہ کرلیتا۔ وہ مریض کے پاس اس قدر عرصہ تک ڈٹ کر کھڑا رہتا کہ اُس کے ہم پیشہ اور احباب تنگ ہوجاتے تھے۔ وہ مرض پر اس قدر جگر کاوی کے ساتھ غور کرتا تھا اور بیماری کے متعلق ہر امر کی تہ تک پہنچنے کا اس قدر خواہاں رہتا تھا کہ بعض اوقات آدھی رات کو اُس کے وارڈ کی نرس (دائی) اُس کی آمد دیکھ کر گھبرا جاتی تھی، اِس کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ بستر پر لیٹنے کے بعد اُسے کسی مرض کے متعلق کوئی نیا خیال سوجھتا تو جب تک اُس کی جانچ پڑتال نہ کرلیتا اُسے چین نہ آتا۔ اس فرض شناس ڈاکٹر کے متعلق یہ بھی سُنا گیا ہے کہ آٹھ دس میل سے کسی مریض کو دیکھ کر آیا ہے اور گھر پر پہنچ گیا ہے تو غور کرتے کرتے کوئی نیا قابل دریافت امر یاد آیا اور وہ وہیں سے اپنے ذرا سے شبہ کو دور کرنے اور پورا اطمینان حاصل کرنے کے لئے میلوں واپس چلا گیا۔

الغرض جب ایسی چھان بین کے بعد وہ کسی مریض کا علاج کرتا تو اُسے وہم کے درجہ پہنچی ہوئی احتیاط اور دردسری کا معاوضہ بھی کافی مل جاتا۔ کیونکہ وہ یقیناً اپنے علاج میں کامیاب ہوجاتا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ مرض کی صحیح تشخیص کو اپنا نصب العین سمجھتا تھا۔ وہ عالمانہ مشاہدات، واقعات کے باہمی تعلقات سے نہایت ہوشیاری کے ساتھ واقعات کا استخراج کیا کرتا تھا۔ اور اپنے پیش نظر کام میں ایسا منہمک ہوجاتا تھا کہ آج تک اس قماش کا طبیب دیکھنے میں نہیں آیا۔ جو لوگ اُسے اچھی طرح جانتے ہیں وہ پیچیدہ

نظام جسمانی کی دریافت میں اور چھپی ہوئی بیماریوں کو صاف معلوم کر لینے میں لوگ اُس کو بے نظیر سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ وہ معالجات میں اس حد تک زور نہیں دیتا تھا جس کی وجہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اُس کے زمانے میں ادویہ کے مجرب ہونے پر اس قدر وثوق حاصل نہ تھا جس قدر کہ اب حاصل ہے۔ اس حالت میں ایڈیسن کا یہ مقولہ کہ "میں نے مرض کو تو نکال لیا اب اگر وہ قابل شفا ہے تو اس کی اصلاح طبیعت خود بخود کر لیگی۔ میں اس کے لئے کسی دوا کو بوثوق تیر بہدف تو نہیں کہہ سکتا البتہ مریض اور اُس کے احباب کی تسلی کے لئے نسخہ ضرور لکھ دونگا" حق بجانب سمجھا جانے کے قابل ہے۔

ایڈیسن شہرت کا خواہشمند نہ تھا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو عام میں ظاہر کرنے سے گریز کرتا تھا۔ وہ اپنی تحقیق و تشخیص کو بھی طبی رسالوں میں شائع کرانے کی تکلیف نہ اُٹھاتا تھا۔ ہاں اُس کے پاکیزہ اور نئے خیالات گائی ہسپتال کی رپورٹوں میں اکثر شائع ہوتے رہتے۔ اس فاضل ڈاکٹر نے مرنے کے بعد تقریباً ساٹھ ہزار پونڈ ترکہ میں چھوڑا۔ لیکن اُس کے مطب اُس کی شہرت اور اُس کی قابلیت کے لحاظ سے یہ کوئی قابل ذکر رقم نہ تھی۔ اپنے پیشہ وروں کے ساتھ اُس کی گفتگو بے پروائی کے ساتھ بلکہ بعض اوقات غیر شستہ ہوا کرتی تھی جس میں خود پسندی اور درشتی کی جھلک بھی پائی جاتی تھی۔ معمولی ڈاکٹروں کی اُس تک رسائی نہ ہوتی۔ وہ اُسے بڑے رعب داب کا آدمی خیال کرتے تھے۔ حالانکہ اس ظاہری رعب و دبدبہ کی تہ میں اُس کی طبیعت کی کمزوری چھپی ہوئی تھی۔ اور یہ زبردست عالی دماغ اور متبحر فاضل اپنی اعصابی کمزوری کو چھپانے کے لئے قدرتاً مجبور تھا، وہ خود کہا کرتا تھا کہ میں گائی ہسپتال کی جونیر فزیکل سوسائٹی سے بھی کبھی ہچکچائے بغیر خطاب نہیں کر سکا۔ حالانکہ جب وہ بولتا تھا تو سننے والے سمجھتے تھے کہ کوئی شیر دھاڑ رہا ہے۔ اُس کا روکھا پھیکا برتاؤ طبیعت کی درشتی اور غیر شستگی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس کا سبب صاف گوئی تھی۔

ڈاکٹر ولکس کہتے ہیں کہ "اگر ایڈیسن کی جبلت کو پیشہ وری کی حیثیت سے جانچا جائے تو اُس سے زیادہ اعلیٰ خوبیاں یعنی صاف گوئی آزادروی جو ایک دیانتدار پیشہ ور

کی بہترین صفات ہیں اور کہیں نہیں ملینگی۔ کبھی کسی شخص نے اُس کی زبان سے کوئی تضحیک یا توہین آمیز جُملہ اپنے کسی ہم پیشہ بھائی کی نسبت نہیں سُنا ہوگا۔ وہ جس بات کو خود باور کرتا تھا اُس پر استحکام اور استقلال کے ساتھ قائم رہتا تھا۔ لیکن اِس کو دُوسروں کی آراء کی تحقیر پر محمول کرنا غلطی ہے۔ اُس کے اطوار میں حفظ آبرو اور پاس عزّت نظر آتا ہے اور اُس کا دل بُغض و حسد سے قطعی پاک پایا جاتا ہے۔

اپنے مدرسہ سے علیحدہ جو سب سے بڑا اعزاز اڈیسن کو ملا، وہ رائل میڈیکل اور کیرجیکل سوسائٹی کی صدارت کی شکل میں تھا۔ یہ قابل قدر ڈاکٹر شاہی مہربانیوں کا ہر طرح سے مستحق تھا مگر اُن سے محروم رکھا گیا۔ برّاعظم یورپ میں جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں اڈیسن نہایت ادب اور عزّت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ جب وہ پیرس گیا تو نیلاتون، ترو سو اور اُس کے دیگر ہم پیشہ لوگوں نے بہت کچھ آؤ بھگت اور تعظیم و تکریم کی نیز ایک خاص دعوت دی۔ اس موقع پر قابل فخر مہمان نے فرانسیسی میں ایک فصیح و بلیغ تقریر بھی کی۔

عجائب خانہ متعلقہ گائی ہسپتال میں اڈیسن کی دستی بنی ہوئی تصویر بھی لگائی گئی ہے جو اُس کی لیاقت، حذاقت اور تیز فہمی پر دلالت کر رہی ہے۔ اس قابل افتخار شخص کی تحقیقات سے عجائب خانہ مذکور کو بہت کچھ ترقیات نصیب ہوئیں۔ اُس نے اپنی رائے سے اور اپنی نگرانی میں جلدی امراض کے متعلق جن کا اُسے خوب تجربہ تھا خود سوچ کر موم کے نمونے بنوائے اور امراض جلدیہ کے مریضوں کی صحیح رنگین تصویریں تیار کرائیں۔ پھر یہ عمل عام طور پر رائج ہوگیا۔ اس فاضل ڈاکٹر کی شکل و شباہت کے متعلق ڈاکٹر لنڈیل کہتے ہیں کہ اُس کے نقش نہایت خوبصورت اور اُس کے بڑے سر کے تناسب سے عین موزون تھے۔ بال سیاہ بھویں لمبی اور آنکھیں ہلکے بھورے رنگ کی تھیں۔ ناک سُتواں ہونٹ بھرے ہوئے اور ٹھوڑی چوڑی تھی۔ اُس کے بُشرے سے بہ ہیئت مجموعی خوش وضعی ٹپکتی تھی۔ اُس کی نگاہ بڑی تیز اور دوربین واقع ہوئی تھی جس میں بحث مباحثے کے وقت تازہ جان اور روشنی پڑ جاتی تھی۔ اُس کی چال میں خاص استحکام اور متانت پائی جاتی تھی۔ وہ نہایت وجیہ اور اُڑتی چڑیا کو پہچاننے والا آدمی تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اُس کی ذہنی بصیرت خانگی زندگی

اور علاج معالجہ میں بہت کم غلطی کرنے والی ثابت ہوئی، غرض کہ وہ طاقت، وقار اور آزادی کا مجسم نمونہ تھا۔

اُس کے بعض جاننے والے اصحاب کا خیال ہے کہ وہ بیرسٹری (قانون)، مجلس وضع قوانین، فوج بحری، یا پادری گری جس کام کو پیشہ قرار دیتا اُسی میں کامیاب ہو جاتا، فی الواقع وہ جس شے کی خواہش کرتا اُسے استقلال و استقامت کی طفیل پورا کر لیتا۔ وہ کسی قسم کی مخالفت اور دشواری کی پرواہ کرنے والا نہ تھا اور ساتھ ہی اپنے اصول کی سختی سے پابندی کرتا تھا۔
ایڈیسن کی عمر ۵۰ سال سے کچھ زائد تھی کہ اُس نے ایک بیوہ عورت سے شادی کی۔ اور رسم نکاح ۱۸۲۴ء میں لانز کاسٹل گرجہ میں ادا کی گئی۔ رسم نکاح کی ادائگی سے کچھ دیر پہلے ایک غیر معمولی واقعہ یہ پیش آیا کہ کسی قسم کے طوفان سے گرجہ کی چھت کا تھوڑا سا حصہ منبر پر آ پڑا۔ لوگوں کو وہاں پہنچنے سے پہلے اس معاملہ کی مطلق خبر نہ تھی، ایڈیسن نے یہ دیکھا تو اپنے ساتھی کا ہاتھ تھام کر بولا "خدا کی پناہ" لانسٹڈیل! کیا یہ بدشگونی نہیں ہے۔ لیکن اُس کے دوست نے کہا کہ کچھ فکر نہیں، گرجہ کا کوئی اور حصہ مراسم عقد ادا کرنے کے کام آسکتا ہے اس کے بعد دولھن نے کچھ اندیشہ کئے بغیر مسکراتے ہوئے ڈاکٹر کو تسلی دی۔ اور نکاح بخیر و خوبی ہو گیا مسز ایڈیسن کے پہلے شوہر سے دو بچے تھے مگر اس دوسری شادی سے کوئی اولاد نہ ہوئی یہ عورت بہت نیک، شریف، حسین اور سلیقہ شعار تھی، ایڈیسن کا نکاح کے بعد جلد انتقال ہو گیا مگر یہ عورت اُس کے بارہ برس بعد تک زندہ رہی۔

۱۸۶۰ء میں دماغی بیماری کی وجہ سے اس مشہور ڈاکٹر کو ہسپتال کے فرائض سے سبکدوش ہونا پڑا۔ اُس وقت سے لندن چھوڑ کر باہر چلا گیا لیکن بیماری کم نہ ہوئی اور ۲۹ جون ۱۸۶۰ء کو اُس کی جان لیکر ٹلی۔ اس گراں بہا خزانے کو ۵۔ جولائی کے دن لانز کاسٹ میں سپرد خاک کیا گیا۔ گائی ہسپتال کے گرجہ میں اُس کا مختصر حال سنگ مرمر کی لوح پر کھدا ہوا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ہسپتال کے طلباء اس کے علم اور فصیح بیانی کے بدرجہ غایت گرویدہ اور معترف تھے اور مریض اُس کی توجہ اور مہربانی کے ہمیشہ منت گزار رہتے تھے" ہسپتال کی نئی عمارت میں ایک طبی وارڈ بھی "ایڈیسن وارڈ" کے نام سے موسوم ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ عالی دماغ فاضل جان بل کی طرح علم موسیقی کا بھی ماہر تھا۔ اور ہمیشہ اس علم کے نئے نکات سیکھنے کا مشتاق رہتا۔ اُس کے ایک کان کی سماعت میں خفیف سا نقص تھا، لیکن دوسرے کان کی شنوائی زیادہ تیز ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے وہ سینہ اور دل کے امراض کی شناخت نہایت درستی اور صحت سے کیا کرتا تھا۔

(۲۲۷) ایرقلیس (حکیم)

یہ طبیب "طارقسطا" کا رہنے والا تھا اور جالینوس سے پہلے ہؤا ہے۔

(۲۲۸) ایلاقی (حکیم)

سید ابو عبداللہ محمد بن یوسف شرف الدین۔ نہایت شریف الخاندان۔ اور فاضل شخص تھا۔ اخلاق میں اعلےٰ پایہ رکھتا ہے۔ فن طب اور علوم حکمیہ کا ماہر تھا شیخ الرئیس بو علی سینا کے شاگردوں میں سے ہے۔ اس کی تصانیف میں صرف دو کتابیں ہیں ایک اپنے اُستاد شیخ الرئیس کی کتاب قانون کا مختصر۔ اور دوم کتاب "الاسباب والعلامات"۔ یہ دونوں کتابیں فن طب میں ہیں۔

(۲۲۹) ایلق (حکیم)

اِس کا نام ایلہ بھی ہے۔ ابن جُلجُل نے اس کی بابت لکھا ہے کہ وہ ملک روم و فارس میں پہلا شخص تھا جس نے علم طب میں کلام کیا۔ اور شاہ ہیامس کی کتاب الاغریقی سے اس فن کے مسائل استنباط کئے۔ پھر قیاس سے کام لے کر اُن پر عمل بھی کیا وہ حضرت موسٰے علیٰ نبینا و علیہ السلام کے بعد ہؤا ہے اور "بذاق" نامی حاکم کا معاصر تھا۔ اُس کی بہت کچھ علمی باتیں یادگار ہیں۔ اور عجیب عجیب روایتوں کے لحاظ سے جو اُس کی نسبت مشہور ہیں وہ اسقلیبیوس کا ہم پلہ پایا جاتا ہے۔

(۲۳۰) ایوّب اَبرش (حکیم)

ایوب نام ہے۔ ابرش مشہور نام تھا۔ فن طب کا ماہر تھا۔ اور مترجم بہت عمدہ مگر زیادہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ چند کتابیں یونانی اطباء کی سُریانی اور عربی زبانوں میں ترجمہ کیں۔ اخیر عمر کے تراجم اوائل عمر کے ترجموں سے زیادہ اچھے ہیں۔

(۲۳۱) ایوّب الرّہاوی (حکیم)

اچھا مترجم اور کئی زبانوں کا ماہر تھا۔ عربی کی نسبت سے اس کی سُریانی زبان دانی زیادہ پختہ تھی۔

(۲۳۲) بختیشوع بن جبرئیل بن بختیشوع (حکیم)

علم و تجربہ کاری۔ ذہانت اور حذاقت میں اپنے خاندان کا فخر اور نہایت عالی حوصلہ تھا۔ فیاضی اور غریب دوستی تو اس خاندان کا خاص وصف تھا ہی لیکن بختیشوع بن جبرئیل کی مروّت اور ہمدردی بے نظیر تھی۔ امیر و غریب کوئی ایسا نہ تھا جس پر اُس نے کسی نہ کسی طریقہ سے احسان نہ کیا ہو۔ دولت و نعمت کی اُس کے پاس وہ فراوانی تھی کہ کسی درباری امیر کو ثروت میں اُس کا ہم پلہ نہیں پایا جاتا تھا۔ مگر اسی کے ساتھ اتنا شاہ خرچ تھا کہ خوراک و لباس اور مکان و سواری میں خلیفہ وقت کی ہمسری کیا کرتا۔ اسی وجہ سے کئی مرتبہ خلفاء نے اُس سے ناراض ہو کر اُس کا سب مال و منال ضبط کر لیا اور اُس کو جلا وطن بنایا۔ لیکن جب بیمار ہوئے تو پھر اُس کی خوشامد کرنی پڑی اور جو کچھ لیا تھا اُس سے دو چند دینا پڑا۔

اخیر وقت میں خلیفہ مستعین عباسی نے بختیشوع کی منزلت بڑھائی اور اُس کے بعد مہتدی باللہ نے اور بھی زیادہ اُس کی خاطر کی۔ ان دونوں کے زمانہ میں بختیشوع کو کسی تکلیف کا سامنا نہیں ہوا بلکہ مُہتدی نے اُس کی خواہش پر حکم دیا کہ شاہی خزانوں میں

جا کر دیکھے۔ جو چیز اُس کی وہاں ملے بلا کسی اجازت و حکم کے اُس کو لے لے۔ چنانچہ اس طرح بختیشوع کو اُس کا سب ضبط شدہ نفیس سامان واپس مل گیا۔

معتز باللہ ایک بار سخت بیمار ہوا۔ مزاج میں حرارت بڑھ گئی تھی۔ دوا یا غذا قریب نہیں آنے دیتا تھا۔ خلیفہ متوکل کو بڑی تشویش لاحق ہوئی۔ بختیشوع طلب کیا گیا۔ وہ بیٹھ کر معتز باللہ سے ہنسی اور مذاق کرنے لگا۔ معتز نے بختیشوع کے بیش قیمت جبّہ کو للچائی ہوئی نظر سے دیکھ کر کہا "یہ کپڑا بڑا خوشنما ہے" بختیشوع نے کہا "جناب! یہ بے نظیر چیز ہے اور میں نے ایک ہزار اشرفی قیمت دیکر اس کو خریدا ہے۔ آپ دو سیب کھالیں تو یہ آپ کی نذر ہے" معتز باللہ نے سیب منگوائے اور پورے دو دانے کھا گیا۔ بختیشوع نے پھر کہا "جناب! جُبّہ خالی کیا لطف دیگا۔ اس کے جوڑ کا ایک اور کپڑا میرے پاس ہے آپ ایک گلاس سکنجبین اور پی لیں تو وہ کپڑا بھی نذر کروں گا" معتز باللہ نے سکنجبین بھی پی لی اور تھوڑی ہی دیر میں اندر سے طبیعت نے مواد کو اُبھار دیا۔ معتز کو خوب زور سے قے آئی اور وہ فوراً اچھا ہو گیا۔ بختیشوع نے جُبّہ اور اُس کے ساتھ کا دوسرا کپڑا دونو حسب وعدہ معتز کی نذر کر دے اور متوکل بختیشوع کے اس احسان کا ہمیشہ معترف رہا۔

ایک پُرخور آدمی قولنج کے درد میں گرفتار ہوا۔ درد اس قدر سخت تھا کہ اُس کا انجام ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ آدمی بختیشوع کے ایک گہرے دوست کا مصاحب تھا۔ وہ اُسے بختیشوع کے پاس لے گیا اور طبیب نے اس کی حالت دیکھ کر اپنے ملازم کو حکم دیا کہ اُس کے چڑیا خانہ کا جو حوض ہے اُس میں بہت سا نمک ڈال دے اور جب نمک گھل جائے تو ایک لوٹا پانی کا اُس میں سے بھر لائے۔ وہ پانی آیا۔ مریض شدت درد سے بدحواس ہو رہا تھا۔ بختیشوع نے لوٹا پانی کا اُس کے مُنہ سے لگا دیا اور سب پانی اُسے پلا دیا۔ تھوڑی دیر میں بیمار کو قے اور دست دونو جاری ہو گئے۔ کمزوری کی یہ حالت تھی کہ گمان ہوتا تھا اب جان نکلی۔ اس کے لئے مفرح لخلخوں اور خوشبوئیات کا سامان کر دیا تا کہ مریض کو راحت ملے۔ خوراک

بہت کم اور صرف تیتر کے گوشت کی یخنی دی۔ دو تین دن میں بیمار بالکل اچھا ہو گیا۔
بختیشوع سے اس علاج کی وجہ اور نوعیت دریافت کی گئی۔ اس نے بتایا کہ میرے خاندان میں درد قولنج کا علاج یہ ہے کہ کبوتر کی بیٹ اور نمک پانی میں پکا کر مریض کو پلاتے ہیں یہ بیمار جاں بلب تھا۔ میں نے خیال کیا کہ دوا پکانے اور بنانے تک اس کی جان نکل گئی تو کیا حاصل ہوگا۔ چڑیا خانہ کے حوض میں کبوتر اور دیگر طیور کی بیٹ تو پڑی ہی تھی۔ دھوپ نے حوض کا پانی گرم بھی کر دیا تھا۔ لہذا میں نے صرف نمک اس میں اور ملوا دیا اور مریض کو وہی پانی پلایا گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ علاج کارگر ہوا اور اس کی جان بچ گئی۔
بختیشوع کی تصانیف میں صرف ایک کتاب پائی جاتی ہے۔ اس میں فصد اور پچھنوں کا حال سوال جواب کے پیرایہ میں لکھا ہے۔
بختیشوع ۲۲ صفر ۲۵۶ھ کو فوت ہوا۔ اس نے ایک بیٹا۔ عبید اللہ نامی اور تین لڑکیاں اپنی یادگار میں چھوڑیں۔ مال و دولت بے شمار ترکہ میں چھوڑ گیا۔ لیکن چونکہ وزیروں اور امیروں کو اس کی دولت پر رشک تھا۔ اور وہ اس فکر میں تھے کہ کسی طرح بختیشوع کی جاہ و حشمت چھنوا لیں لہذا اس کی اولاد پراگندہ اور منتشر ہو گئی۔

(۲۳۳) بختیشوع بن جورجس (حکیم)

یہ سریانی زبان کا نام ہے۔ عربی میں اس کا ترجمہ "عبد المسیح" کیا جاتا ہے۔ علم و کمال میں باپ کا ہمسر اور خلیفہ ہارون الرشید کا طبیب خاص رہا۔ خلیفہ موسیٰ ہادی عباسی کو سخت مرض لاحق ہوا تو اس نے بختیشوع کو جندی ساپور سے طلب کیا لیکن بدقسمتی سے اس کے آنے کے قبل ہی خلیفہ نے وفات پائی۔ لہذا یہ دربار میں نہ آسکا۔
۱۷۱ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کو درد سر کے مرض نے بے حد دق کیا۔ اس نے اپنے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی سے کہا کہ میرے درباری اطباء کچھ بھی علاج کرنا نہیں جانتے ان کے دوا سے مجھ کو ذرا بھی آرام نہیں آتا۔ اب بتاؤ کیا کروں۔ یحییٰ نے بختیشوع کا تذکرہ کیا۔ اور فوراً اس کی طلب میں قاصد روانہ کر دیا گیا۔ بختیشوع حاضر دربار ہوا تو

خلیفہ نے درباری اطباء سے اُس کا مباحثہ کرانا چاہا۔ مگر وہ سب کان پر ہاتھ رکھ گئے اُنھوں نے کہا۔ اس شخص کے سامنے ہم زبان نہیں ہلا سکتے۔ یہ علم طب کا ماہر اور اعلیٰ درجہ کا فیلسوف ہے۔ خلیفہ نے خود ہی آزمانے کا قصد کیا اور حکم دیا کہ گھوڑے کا پیشاب قارورہ میں بھر کر لایا جائے۔ بختیشوع نے قارورہ کی رنگت دیکھ کر معاً کہہ دیا کہ یہ آدمی کا پیشاب ہرگز نہیں۔ قدیم درباری طبیب ابوقریش نے اُس کی بات کا جواب دیا کہ "تم غلط کہتے ہو۔ یہ خلیفہ کی لونڈی کا قارورہ ہے۔" بختیشوع نے جواب دیا۔ "بڑے میاں! یہ انسان کا پیشاب نہیں۔ میں تو یہی کہوں گا۔ ہاں اگر آپ کا قول درست ہے تو شائد وہ آدمی چوپایہ ہو گیا ہے۔"

خلیفہ۔ (بختیشوع سے) "تم نے کیونکر پہچانا کہ یہ آدمی کا پیشاب نہیں؟"

بختیشوع "کیونکہ اس کا قوام۔ رنگ۔ اور اس کی بو۔ آدمی کے پیشاب سے قطعاً مختلف ہے"

خلیفہ "تم اس قارورہ کے مریض کو غذا کیا بتاؤ گے"

بختیشوع "اعلیٰ درجہ کے جو" یہ سُن کر خلیفہ ہنس پڑا اور اُسے خلعت و انعام سے سرفراز کر کے اپنے دربار کا افسر الاطباء بنا لیا۔ بختیشوع کی تصانیف میں ایک مختصر بیاض اور دوسری کتاب التذکرہ پائی جاتی ہے۔ یہ کتاب اُس نے اپنے فرزند جبرئیل کے لئے تالیف کی تھی۔

(۲۳۴) بختیشوع بن یوحنا (حکیم)

فن طب کا اچھا عالم۔ خلفا اور امرا کے نزدیک معزز اور مقبول تھا۔ خلیفہ مقتدر باللہ عباسی کی خدمت میں خاص کر رہا۔ اُس سے بُہت کچھ خلعت اور نقد انعام کے علاوہ وسیع جاگیریں حاصل کیں۔ بڑی شان و شوکت سے زندگی بسر کرتا رہا۔ خلیفہ مقتدر باللہ کے بعد خلیفہ راضی باللہ کا طبیب خاص مقرر ہو گیا۔ اس سے بھی خوب زر و مال اور خدم و حشم پایا۔ تمام وہ جاگیریں جو خلیفہ مقتدر باللہ کے عہد میں اس کو دی گئی تھیں۔ راضی باللہ مقتدر کے فرزند نے بھی اس کے نام بحال رکھیں۔

بختیشوع بن یوحنا۔ روز چہارشنبہ ۲۷۔ ذی الحجہ ۳۲۹ھ کو بغداد میں فوت ہوا۔

(۲۳۵) بدر الدین محمد بن بہرام بن محمد قلانسی سمرقندی (حکیم)

فن طب میں نہایت عالی مرتبہ۔ اور تشخیص امراض وعلاج میں یدطولی رکھتا تھا۔ اس کی تصانیف میں صرف ایک کتاب "قرابادین" ہے۔ جس کے ۴۹ باب ہیں۔ اور اس میں تمام ضروری مرکب ادویات کا بالاستیعاب ذکر کیا ہے۔ اس نے ان دواؤں کو قابل اعتماد کتابوں میں سے جمع کیا ہے۔ مثلاً قانون شیخ۔ الحاوی۔ الکامل۔ المنصوری۔ الذخیرہ۔ اور الکفایہ وغیرہ ائمہ فن کی کتب سے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بدر الدین محمد نے اس کتاب میں بہت سے عمدہ نسخے امام قوام الدین صاعد المنی۔ اور امام شرف الزمان المابرسامی کی کتب سے بھی نقل کئے ہیں۔

(۲۳۶) بدیع اصطرلابی (حکیم)

بدیع الزمان ابو القاسم ہبتہ اللہ ابن حسین بن احمد۔ بغداد کا رہنے والا۔ فاضل حکیم اور اعلٰے درجہ کا ادیب تھا علم طب میں بخوبی ماہر فیلسوف ومناظر۔ علم حکمت وکلام اور ریاضی میں زیادہ مشغول رہا۔ علم نجوم میں بھی اس کو بڑی دستگاہ تھی ستاروں اور سیاروں کی دیکھ بھال کا مشغلہ دلپسند تھا اسی وجہ سے اصطرلابی مشہور ہوا۔ بدیع اصطرلابی امین الدولہ بن التلمیذ کا گہرا دوست اور رفیق تھا سنہ ۵۱۰ھ میں یہ دونو شہر اصفہان (ایران) میں باہم ملے اور پھر ایسے ایک دوسرے کے گرویدہ ہوئے کہ زندگی بھر ساتھ ہی رہے۔

بدیع اصطرلابی کا نظم کلام نہایت لطیف ہے۔ اس کی تصانیف میں ایک تو ابی عبداللہ الحسین بن الحجاج شاعر کے دیوان کا اختصار ہے۔ اور دوسری ایک راجپکی کتاب جس کا نام المقرب المحمودی ہے۔ اس نے یہ کتاب سلطان محمود ابی القاسم بن محمد کے لئے تالیف کی تھی

(دیکھو ابو القاسم ہبتہ اللہ بن الفضل)

(۲۳۷) بڈ (ڈاکٹر)

ولیم بڈ ستمبر ۱۸۱۱ء میں قصبہ نارتھ ٹاٹن میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ سیموئل بڈ بھی ڈاکٹر تھا۔ ولیم بڈ کا مطب اُس کے شہر کے تمام ڈاکٹروں کی نسبت زیادہ ترقی اور فروغ پذیر تھا، جس کی وجہ اُس کی ذہانت، مآل اندیشی، اعلےٰ تعلیم اور شستہ خیالی تھی۔ اس قابل ڈاکٹر کے نو لڑکے تھے، جن میں سے سات نے کیمبرج میں تعلیم پائی اور ڈاکٹری کو اپنا پیشہ قرار دیا۔ ولیم کی ڈاکٹری تعلیم لنڈن، ایڈنبرا اور پیرس کی یونیورسٹیوں میں ہوئی۔ آخر الذکر تعلیم گاہ میں وہ چار سال تک پڑھا۔ ۱۸۳۸ء میں اُس نے ایڈنبرا یونیورسٹی سے ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد قصبہ نارتھ ٹاٹن میں اپنے باپ کو مدد دینے میں مصروف ہوگیا، اور اسی جگہ ۱۸۳۹ء میں "ٹائی فائیڈ فیور" (محرقہ اسہالی) کی تحقیقات شروع کر دی کیونکہ وہ خود بھی ایک دفعہ اس بیماری میں مبتلا ہو چکا تھا۔

اس قصبہ میں اُس کو خاص فائدہ یہ تھا کہ سب لوگوں سے ذاتی واقفیت تھی جو بیمار ہوتے ہی اُس کے پاس دوڑے چلے آتے تھے۔ جولائی ۱۸۳۹ء میں قصبہ مذکور کے اندر محرقہ اسہالی شروع ہوا۔ اور نومبر تک اس مرض میں ۸۰ آدمی مبتلا ہوگئے۔ پھر تو وبا کا زور دن بدن بڑھتا چلا گیا۔ باوجودیکہ حفظان صحت کے متعلق انسداد وبا کی بہت سی تدابیر عمل میں لائی گئیں۔ لیکن جب تک کہ نصف سے زیادہ باشندے ہلاک ہوگئے وبا رفع نہ ہوسکی۔ ڈاکٹر بڈ نے اپنی کتاب "بخار محرقہ"[1] میں اس مرض کی ماہیت، اسباب اشاعت اور طریقۂ انسداد پر روشنی ڈالتے ہوئے مختلف قسم کی واردات کا حال بھی لکھا ہے، اور ثابت کیا ہے کہ جسم میں ایک خاص قسم کا زہر ہے جو خود بخود پھیلتا رہتا ہے۔ اور اسی زہر میں بخار مستتر ہوا کرتا ہے۔ پھر یہی زہر جب جسم کے اعضاء میں پھیل چکتا ہے تو بخار کا باعث ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر بڈ تحقیقات مذکورہ کو اصلی گر اور حقیقی رمز بتاتا ہے۔ اس کا یہ بھی خیال ہے کہ اگرچہ تپ محرقہ چھوت چھات سے دوسرے کو ہو جانے والی بیماری ہے۔ لیکن اس کے پھیلنے کا سب سے بڑا ذریعہ وہ مواد ہیں جو مریض کے جسم سے خارج

[1] ٹائی فائیڈ فیور۔

ہوا کرتے ہیں اور اُن میں بھی بیمار کا بول و براز خصوصیت کے ساتھ نہایت خطرناک اور متعدی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہزار قسم کی بندشوں اور تدبیروں کے باوجود اس بخار کے فاسد مادے ہوا میں شامل ہو کر وبا کو عام طور پر پھیلاتے رہتے ہیں ؎

۱۸۴۲ء میں ڈاکٹر بڈ قصبہ کلفٹن میں آ رہا اور ۱۸۴۷ء میں برسٹل کے شاہی مریض خانے کا ڈاکٹر مقرر ہوا۔ نیز کئی سال تک وہاں کے میڈیکل سکول میں پڑھاتا رہا۔ پھر اُس نے زائی موٹک ڈیزیز (امراض اختماری) کی ماہیت اور اسباب پر تحقیقات کر کے اپنے خیالات کو تقویت دینے کی کوشش کی۔ اور انہیں پھیلانے کی فکر کی۔ وہ محض قیاسات اور مفروضات قائم کرنے کا ہی پابند نہ تھا بلکہ اپنی تحقیق و تجسس میں ہمیشہ مفید اور کارآمد باتوں کا خیال رکھتا تھا۔ ڈاکٹروں، افسروں اور عوام کو اس امر کی ضرورت کی طرف توجہ دلایا کرتا کہ بڑی ہوشیاری اور کوشش سے غلاظتوں اور فضلوں کو آبادی سے اُٹھوا کر دور پھینکوا دینا چاہئے۔ تاکہ اُن کی عفونت سے کیڑے پیدا ہو کر وبائی بیماریوں کو نہ پھیلائیں۔ وہ اُن تجاویز و تدابیر کے اختیار کرنے پر بہت زور دیا کرتا تھا جو حفظان صحت کی معاون اور اشاعت امراض کو روکنے والی ہوں۔ چونکہ انسانی صحت کے بحال رکھنے میں پانی بھی ایک نہایت اہم چیز ہے اس لئے وہ برسٹل کے کارخانجات آب اور نلکوں کی صفائی میں ہر وقت توجہ مبذول رکھتا۔ اُس کے اکثر انوکھے خیالات کی مخالفت بھی ہوتی۔ رسالہ لُنسٹ میں تپ محرقہ کے متعلق متعدد مضامین شائع کرائے، جنہیں بعد میں بصورت کتاب ترتیب دے دیا۔ یہ قابل ڈاکٹر اپنے طلباء کو بھی اُن نرالے خیالات کی تعلیم دیا کرتا جن کے مطابق خود بھی عمل کیا کرتا تھا۔ سر ولیم ڈاسن نے ڈاکٹر بڈ کے خیالات سے اتفاق کر کے اُس کی ہمت بندھائی، کیونکہ اُس کے خیال میں اس کی تحقیقات بہت کچھ قابل قدر تھیں۔ ڈاسن جیسے اہل الرائے شخص کی حوصلہ افزائی نے بڈ کو اپنے خیالات کی اشاعت میں پیش از پیش مستعد بنا دیا تھا اور وہ اپنی مدلل و موثر تقریروں کے ذریعہ سے اس کام کو انجام دیا کرتا تھا ؎

۱۸۶۶ء میں جب برسٹل میں ایشیائی ہیضہ نمودار ہوا تو اسی قابل فخر ڈاکٹر کی

جانفشانی اور لیاقت سے اُس کا اثر زیادہ دُور تک نہ پھیل سکا اور زیادہ تعداد میں اتلاف نفوس کی نوبت بھی نہ آنے پائی۔ اس امر کا اندازہ کرنے کے لئے یہ مقابلہ کرنا ضروری ہے کہ جب پیشتر یہی مرض ۱۸۴۹ء میں پھیلا تھا تو اس سے دو ہزار کے قریب موتیں واقع ہوئی تھیں۔ لیکن اس دفعہ اگرچہ پہلے کی نسبت مرض کا حملہ دس گنا شدت کے ساتھ ہُوا۔ اموات کی تعداد ۲۹ تک محدود رہی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ بڈ نے مرض کی روک تھام اور دفع عفونت کے متعلق مختلف قسم کی تجاویز اختیار کرنے میں نہایت مستعدی اور عرقریزی سے کام لیا تھا۔

ڈاکٹر بڈ نے حیوانات کی متعدی بیماریوں کا بالخصوص مطالعہ کیا اور بہت سی چھان بین کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ جو جانور امراض متعدیہ میں مبتلا ہو جائیں اُن کے ہلاک کر دینے سے اس مہلک اثر کا انسداد بآسانی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جب ۱۸۶۶ء میں مویشیوں کے اندر وبا پھیلی۔ تو ڈاکٹر موصوف نے مریض حیوانات کو ہلاک کر دینے کا مشورہ دیا۔ لیکن اُس کی دل لگی اُڑا کر لوگوں کو سخت نقصان اُٹھانا پڑا۔ آخر کار اُسی مفید مشورہ پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔

۱۸۷۱ء میں بڈ رائل سوسائٹی کا فیلو منتخب ہُوا۔ اُس نے "محرقہ بخار" کے مضمون اور دیگر مختلف مضامین کے علاوہ جو اُس نے کئی ڈاکٹری رسالوں اور انجمنوں کو دیئے، حسب ذیل مفید کتابیں بھی تصنیف کی ہیں:۔

(۱) میلگننٹ کلرا (ہیضہ مہلک) اس میں اس مرض کے پھیلنے کے اسباب اور ان کا انسداد ہے۔

(۲)۔ محرقہ بخار اور اُس کا انسداد۔

(۳)۔ "محرقہ گاؤ"۔ (۴)۔ امراض ریویہ۔

(۵)۔ وجع المفاصل۔

(۶)۔ بھیڑوں کی چیچک وغیرہ۔

بڈ اعلےٰ درجہ کا نقاش اور مصوّر بھی تھا اور ان فنون سے اپنی تحقیقات میں بہت کام لیتا تھا۔ وہ جرمن، فرانسیسی اور اطالین زبانوں کا خوب ماہر تھا۔ اِس لئے اس کی واقفیت انگریزی زبان کے طبی لٹریچر تک ہی محدود نہ تھی بلکہ دیگر ممالک یورپ کی ڈاکٹری کتب پر بھی کافی عبور رکھتا تھا۔ اگرچہ اس ڈاکٹر کے قویٰ بہت

اچھے تھے لیکن تحقیقات کے حد سے بڑھے ہوئے مشغلہ نے ۱۸۶۳ء میں اس کی صحت بگاڑدی اور بخار کے پیہم حملوں کی وجہ سے اُس کو اپنا کام چھوڑ دینا پڑا۔ بالآخر سنہ ۱۸۸۲ء میں یہ محقق فاضل اور ماہر ڈاکٹر جہان فانی کو چھوڑ گیا ❊

ڈاکٹر بڈ نے اپنے عہدہ سے علیحدہ ہونے سے کچھ عرصہ پیشتر اپنے دوست ڈاکٹر پجٹ کو جو کیمبرج کے رہنے والے تھے، سِل ر لوئی کے جراثیم کے ایک سے دوسرے کے بدن میں چلے جانے کے متعلق جو تحقیقات برسوں سے جاری تھی، اس کے نتائج سے مطلع کیا۔ وہ رسالہ گُنسٹٹ میں شائع کی گئی، مگر افسوس ہے کہ اس تحقیقات کے اصل نتائج سے عوام بے خبر ہے محرقہ اور امراض انتشاری کی نسبت بہت سی نئی باتیں اس ممتاز شخص نے دریافت کیں جو اُس کے بقائے نام کی کفیل ہوسکتی ہیں ❊

(۲۳۸) برائٹ (ڈاکٹر)

رچرڈ برائٹ ستمبر ۱۷۸۹ء میں پیدا ہوا، اس کا باپ ایک مشہور مہاجنی کوٹھی کا حصہ دار تھا۔ رچرڈ کی ابتدائی تعلیم ڈاکٹر اسٹلن اور ڈاکٹر کارپنٹر کے زیرِ نگرانی ہوئی، جو برسٹل کے نامور آدمیوں میں شمار ہوتے تھے۔ وہ ۱۸۰۸ء میں ایڈنبرا کی یونیورسٹی میں داخل ہوا، سب سے پہلے نامی گرامی اُستادوں سے ریاضیات کی تحصیل کی اور ایک خاص انعام حاصل کیا۔ دوسرے سال منرو، ہوپ اور ڈنکل جیسے لائق اُستادوں کی نگرانی اور ہدایت میں ڈاکٹری کا مطالعہ کرنے لگا ❊

۱۸۱۰ء میں برائٹ اور ہالینڈ (جو بعد میں سر ہنری ہالینڈ کے لقب سے ملقب ہوا) سر جارج مکنزی کے ساتھ آئسلینڈ کی سیاحت کو گئے، جہاں حیوانات، نباتات اور دیگر علوم کا بیان لکھا، جو سر جارج کے سفرنامہ میں شائع ہو چکا ہے۔ اثنائے راہ میں ان سیاحوں کو مختلف قسم کے خطرات سے سابقہ پڑا مگر آخرکار خیریت سے واپس آگئے۔ اور طب کے متعلق نہایت مفید اور سودمند اکتشافات کرکے بنی آدم کو بے حد نفع پہنچایا ❊

آئس لینڈ سے واپس آنے کے بعد برائٹ گائی کے ہسپتال میں مریضوں کی دیکھ بھال

مقرر کیا گیا۔ جہاں وہ صرف دو سال ایک مستقل عہدہ دار کے مکان میں رہا اور اُسے اپنے
مذاق کے مطابق بنا لینے میں ایسا کامیاب ہو گیا کہ گویا بیسیوں برس سے یہیں رہتا ہے
اسٹیلے کوپر کی اُن دنوں بڑی شہرت تھی، نوعمر برائٹ ماہیت امراض اور تشریح بعد وفات
سیکھنے کے شوق میں اُس کے پاس بھی پہنچا۔ اُس نے شروع شروع میں دانے دار گردے
کی ایک تصویر بنائی جس میں یہ دانے ایک بیماری کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے۔ اس کے بعد
اُس نے خوب تشریح و توضیح کے ساتھ اُس کے دقایق کو منکشف کیا۔ ۱۳-۱۸۱۲ء میں وہ دوبارہ
ایڈنبرا میں داخل ہوا۔ اور ۱۳۔ ستمبر ۱۸۱۲ء کو اُس نے ڈگری ایم ڈی لی اور متعدی سرخ باد (ہ) پر ایک زبردست مضمون
لکھ کر ڈگری حاصل کی، کیمبرج کا گریجوایٹ ہونے کے خیال سے وہ پیٹر ہاؤس کالج میں جا داخل
ہوا جہاں اُس کا بھائی مدت سے تھا۔ لیکن برائٹ نے کالج کے آئین و قواعد کو اپنے
مطالعہ کا خارج سمجھ کر وہاں سے جلدی ہی چلے جانے میں مصلحت دیکھی ۱۸۱۴ء میں یہ ڈاکٹر
براعظم کو جانے والے سیاحوں کے ساتھ ہو کر لیپ پہنچا۔ جرمن اور فرنچ زبانیں سیکھیں
اور برلن اور وائنا کی درسگاہوں میں بھی شامل ہوتا رہا۔ ۱۸۱۵ء کے موسم بہار میں اُس نے
ہنگری کا سفر کیا اور راستے کے مشاہدات کو اُس زبردست مشاہدے نے ایک ضخیم کتاب کے
ذریعہ سے دُنیا پر ظاہر کیا۔ اس کتاب میں ۱۸۱۴ء کی اُس کانگریس کا تذکرہ اور کیفیت بھی
لکھی ہے جو نپولین بوناپارٹ کے جزیرہ البا میں چلے جانے کے بعد اُس کی سلطنت کی
تقسیم و تفریق کے لئے بیٹھی تھی۔ یہ کتاب ہنگری کی تمدنی، مالی اور طبعی حالت کی نسبت
جو اُس زمانے میں انگلستان میں تقریباً نامعلوم تھے، نہایت بیش قیمت معلومات کا
ذخیرہ سمجھی جاتی تھی۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رچرڈ برائٹ جس کام کو ہاتھ میں
لیتا تھا کس قدر خوبی کے ساتھ انجام دیتا تھا۔ نیز یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے فکر معاش
سے مستغنی ہونے کی وجہ سے اپنے کام میں بہت کچھ سہولت تھی۔ اس کی وجہ زیادہ
روپیہ کا ہونا نہیں بلکہ روپے کا صحیح استعمال ہے جو دوسروں کو نہیں آتا اور اس سے لئے
تکلیف و مشکل ہوتی ہے۔

۱۸۱۴ء کے آخری موسم میں برائٹ نے ڈاکٹر بیٹ مین سے جلدی امراض کا حال

پڑھنا شروع کیا، اور جب واٹرلو کی جنگ عظیم کے بعد وہ گھر لوٹتے وقت بلجیم سے گذرا تو یہاں اس کو زخمی اور بیمار سپاہیوں کی دیکھ بھال کا بڑا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ دسمبر ۱۸۱۶ء میں لندن کے طبی کالج سے اُس کو سند بھی مل گئی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ بعد لندن کے اُس شفاخانے میں جو بخار کے مریضوں کے لئے مخصوص تھا، طبیب مقرر کیا گیا۔ گو عہدہ معزز تھا مگر وہاں وہ کبھی کبھی بخار میں خود بھی مبتلا رہنے لگا۔ اور اس سے اُس کی صحت پر نہایت مضر اور گہرا اثر پڑا۔

۱۸۱۸ء کی گرمی اور موسم خزاں میں وہ پھر یورپ گیا جرمنی اور اٹلی میں طویل عرصے تک رہا۔ جہاں سے واپسی کے وقت سوئٹیزرلینڈ اور فرانس بھی ہو کر آیا۔ ۱۸۲۰ء سے ہم برائٹ کو اپنی زندگی کے معرکۃ الآرا پیشے میں پورا مصروف شمار کر سکتے ہیں کیونکہ اب اُس نے لندن کے ایک محلہ میں ذاتی مطب کے لئے ایک مکان لے لیا اور اسی سال وہ گائی کے ہسپتال میں نائب معالج کے عہدے کے لئے منتخب کیا گیا۔ اور اپنے نئے فرائض کے دل و جان سے ادا کرنے کے لئے مریضان بخار کے ہسپتال سے کنارہ کش ہو گیا۔ وہ وارڈوں میں اپنی باقاعدہ احتیاط اور چیر پھاڑ کے کمروں میں اسباب امراض کی تحقیق و تفتیش کے باعث بہت جلد مشہور ہو گیا۔ سالہا سال تک روزانہ ۶ گھنٹے مشاہدات میں صرف ہوتے رہے۔ جب کچھ عرصہ کے بعد اُس کا مطب بہت بڑھ گیا، تو وہ پچھلی فرصت اور اپنی خاص تحقیقات و مشقت کے دنوں کو بڑی حسرت سے یاد کیا کرتا۔ اُس کے بعد اُس کی ترقی کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔ ۱۸۲۱ء میں وہ رائل سوسائٹی کا فیلو منتخب ہوا۔ اور ۱۸۲۲ء سے اُس نے علم نباتات اور مٹیریا میڈیکا پر درس دینا شروع کیا۔ اور ۱۸۲۴ء میں پہلے ڈاکٹر کشام کے ساتھ پھر تنہا میڈیسن یعنی طبیات کا درس دینے لگا۔ چند سال کے بعد ڈاکٹر ایڈیسن بھی اس کام میں آملا۔ اور مدت تک یہ دو نامور ڈاکٹر اپنی شرکت سے گائی ہسپتال کی شہرت کے باعث ہوئے۔

برائٹ قیاس کی پابندی نہ کرتا تھا۔ اس لئے اُس کے خیالات مفروضات پر نہیں بلکہ مشاہدات پر مبنی ہوا کرتے تھے۔ مگر جیسا کہ ڈاکٹر ولکس نے لکھا ہے "وہ ہر شے کو

معلوم کرسکتا تھا اور ہم اُس کی قوت مشاہدہ پر حیران ہیں کہ اُس نے آنے والوں کے مطالعہ کے لئے کس طرح بعض پیچیدہ امراض کی تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے" ولکس نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ برائٹ خود اپنے کام کی قدر نہیں پہچان سکتا تھا۔ اور یہ کہ وہ گردے کی بیماریوں کی اہمیت کو جن کی اُس نے تشریح کی ہے، اپنی دوسری امراض دماغ یا جگر کی توضیح سے ممتاز نہیں سمجھتا تھا۔ ڈاکٹر ولکس کا یہ بھی خیال ہے کہ برائٹ کی دوسری تحقیقات جو گردہ کے امراض کی نسبت زیادہ باریک اور کارآمد تھیں، اُن کی پہلے پہلے قدر نہیں کی گئی، کیونکہ امراض گردہ بظاہر اہم تھے اس لیئے اُن کی جلدی شہرت ہوگئی ۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ڈاکٹر برائٹ امراض گردہ ہی کا خاص ماہر نہ تھا۔ بلکہ دیگر مہلک امراض کے مریضوں کا بھی بےمثل معالج تھا۔ اور بعد موت پوسٹ مارٹم میں نہ صرف اُس عضو کی تبدیلیوں کو پہچان لیتا تھا، جس کی خرابی سے موت واقع ہوئی تھی، بلکہ دوسرے اعضاء کی حالت سے بھی خبردار رہتا تھا۔ صغرالکبد (جگر کا سکڑ جانا) خون کے سیاہ ہو جانے سے دماغ کی رنگت بدل جانا۔ کالی کھانسی میں پھیپھڑے کا سخت ہو جانا، مقامی دماغی امراض میں بلا غشی یکطرفہ تشنج ہونا، رعشہ میں آواز قلب اور پانی دار رسولی کے اندر ننھے ننھے جراثیم وغیرہ بیماریوں کا اگر برائٹ مجتہد اوّل نہیں تو اُن مجتہدین میں سے ایک ضرور تھا جنہوں نے اوّل اوّل اِن کا سُراغ لگایا۔

اس میں شک نہیں کہ یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ اگرچہ مرض استسقاء کا وجود بہت عرصے سے معلوم تھا لیکن اُس کے اسباب سے سب ناواقف تھے اور گردے کی بیماریوں سے جواب اس قدر صاف ہوگئی ہیں اُس وقت از سرتا پا سب نابلد تھے۔ اگرچہ برائٹ کی تصنیف شائع ہونے سے ایک صدی پہلے مریضان استسقاء کے بول میں البیومن زلال کا ہونا معلوم تھا۔ اور ایسی وارداتیں دیکھنے میں آچکی تھیں کہ جب مرنے کے بعد گردے چھوٹے اور دندانے دار پائے گئے۔ تو اُس کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ اُس آدمی کو جیتے جی تشنج ہوتا اور اُس کے خون میں زہر پیدا ہوگیا تھا۔ ڈاکٹر بلیک ہال نے ۱۸۱۲ء میں استسقاء کے علاج پر ایک کتاب شائع کی تھی۔ جس میں گو اُس نے پیشاب کے زلال کا تو ذکر کیا، اور

اُس کا مشاہدہ بھی کیا۔ لیکن چیر پھاڑ کے کمرے میں اُس نے کبھی گُردوں کو نہیں دیکھا تھا اور اُس وقت اس کی طرف بہت کم خیال کیا جاتا تھا۔ مگر ڈاکٹر برائٹ کی پہلی ضخیم "میڈیکل رپورٹس" کے ۱۸۲۷ء میں طبع ہونے سے پہلے گُردوں کی غددوں کا مرض کوئی نازک بیماری نہ سمجھا جاتا تھا۔ ڈاکٹر برائٹ کے انکشاف نے اُسے ایک دم اُس کا موجد مشہور کر دیا۔ اور لوگوں نے اس مرض کو اُسی کے نام سے موسوم کیا۔ سب سے پہلے اُس نے یہ دکھایا تھا کہ مرض کی عام صورت کس طرح پہچانی جا سکتی ہے۔ جو کچھ اس مرض کے متعلق پہلے معلوم تھا اُسے ترتیب دیکر بتایا تھا کہ اس کی تین چار قسمیں ہیں۔ اس خیال کی بعد میں پوری تائید اور تکمیل ہو گئی۔ برائٹ نے ثابت کیا تھا کہ نہ صرف خون سے مادہ زلالی کے اجزا مسلسل خارج ہوتے رہتے ہیں بلکہ اُسکے ساتھ ہی گردوں سے "یوریک ایسڈ" (حمض بولی) کا طبعی اخراج بھی رُک جاتا ہے جو خون میں بہ مقدار کثیر رہ جانے سے زہر یلا اثر اور اکثر گردوں سے تھوڑی دور پر جلن اور تشنج پیدا کر دیتا ہے۔ اس موخر الذکر بیان کو پہلے تسلیم نہیں کیا گیا۔ لیکن اچھی طرح تجربہ کرنے کے بعد اُس کی صحت بالکل یقینی مانی گئی۔ جس سے دوسری تحقیقات میں بھی ایک انقلاب سا برپا ہو گیا۔ ممکن ہے کہ اعضائے مفردہ کی خرابیوں کے بھی ایسے ہی اسباب ہوتے ہونگے۔ اس طرح جگر کے بگڑ جانے اور اس کی وجہ سے پیشاب کے رُک جانے سے جو مُضر اثر پڑتا ہے اُس پر بھی نئی روشنی پڑ گئی۔ اور صفرا و خون کی ہمیت ایک دوسری شکل میں نمایاں ہو گئی۔

اگرچہ ڈاکٹر برائٹ کا زیادہ وقت گردوں کے متعلق تشخیص و تحقیق میں صرف ہوا لیکن اس کے علاوہ وہ دوسرے مباحث سے بھی غافل نہیں رہا۔ جن میں سے دو چار کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ شاید پیٹ کی رسولیوں کے متعلق بھی اُس نے کسی دوسرے مضمون سے کم تحقیقات نہیں کی۔ یہی قیاس دوسرے مضامین کے متعلق بھی کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ گائی ہسپتال کی رپورٹوں میں اُس کے مدلل اور مفصل مضامین چھپا کرتے تھے جن کو سڈنم سوسائٹی نے یکجا کر کے بعد میں چھپوایا۔ یہ سب مضامین نہایت احتیاط اور نہایت توجہ سے لکھے گئے ہیں۔ جا بجا مشاہدات و نظائر سے اُن کی تشریح کی گئی ہے اور اُن میں بہت سی نئی باتیں بھی تشخیص اور معالجہ کی نسبت تجویز کی ہیں۔ سنہ ۱۸۳۱ء

میں "میڈیکل رپورٹ" کی دوسری جلد دو حصوں میں لکھی ہے جس میں دماغی اور نخاعی امراض کے علاوہ فالج، کزاز (چاندنی) صرع، داء الکلب (ہلکاؤ) باؤ گولہ (اختناق الرحم) کی ماہیت، اصلیت اور علامات کا ذکر بھی ہے۔ ان دونوں جلدوں میں جو رنگین تصویریں نہایت قابلیت اور درستی سے دی ہیں وہ خود ڈاکٹر برائٹ کے زیر اہتمام تیار ہوئی تھیں۔ اس کتاب سے فارغ ہو کر یہ قابل ڈاکٹر ایڈیسن کی اُس تصنیف میں شریک ہو گیا جس کی پہلی جلد کا نام "اصول مطب" ہے۔ اسی وجہ سے گائی ہسپتال کی جو رپورٹ ۱۸۳۶ء میں شائع ہوئی تھی اُس میں برائٹ کے صرف آٹھ مضامین تھے۔

۱۸۳۲ء میں ڈاکٹر برائٹ شاہی طبی کالج واقع لندن کا فیلو منتخب ہوا۔ ۱۸۳۳ء میں اسی کالج کا لیکچرار مقرر ہوا۔ اور احتشائے باطنی (پیٹ کے اندرونی اعضاء) کے مختلف افعال اور اُن کی مختلف بیماریوں کے علامات اور تشخیص سے مفصل بحث کی۔ ۱۸۳۷ء میں لوم لینی لیکچر شکایات دماغی پر دئے۔

گردوں کے غدودوں کے امراض پر جب اُس کی تصنیفات شائع ہوئیں۔ تو رفتہ رفتہ عام توجہ کا میلان اُس کی طرف ہو گیا۔ اور جس وقت یہ بات محقق ہو گئی کہ اُس کا معالجہ بھی نافع اور شفا بخش ہے تو آخر میں اُس کا مطب بہت بڑھ گیا۔ اس قابل ڈاکٹر نے مرنے سے چند سال پہلے گائی ہسپتال کی ملازمت چھوڑ دی۔ مگر اُس کا اعزازی طبی مشیر بنا رہا۔ وہ ۱۱۔ دسمبر ۱۸۵۸ء میں قلب میں اورطہ کے منفذ کے بالکل تنگ ہو جانے اور خون کا اخراج از حد کم ہونے کے عارضہ سے فوت ہوا۔ اُس کو مرض نے عرصہ تک نقش بستر بنائے رکھا، لیکن جیتے جی کبھی اچھی طرح اُس کا ڈاکٹری معائنہ نہ ہوا۔ تاہم ادویات کے اثر و طاقت کی وہ خوب قدر جانتا تھا۔ اس لئے مختلف قسم کی دوائیں استعمال بھی کرتا رہا۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی اور موت کے مقابلہ میں تمام ادویات بے سود ثابت ہوئیں۔

برائٹ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ نہایت معتدل المزاج اور خندہ رو آدمی تھا۔ دوسروں کی عیب جینی کے لئے نرم لیکن اپنے نفس کی خرابیوں کے لئے سخت تھا۔ وہ مذہب کا اصولاً اور عملاً دونوں طریق پر سچا پابند تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ ایسا نیکدل تھا کہ مدت العمر

کسی ایسے خیال کا اظہار نہیں کیا، جو بالکل کسی بچے یا نہایت شستہ اور شایستہ خاتون کو بھی گراں گزرا ہو۔ وہ بڑا وفادار شوہر اور نہایت شفیق باپ تھا۔ وہ نہ صرف اپنے بچوں کی بہبودی اور بہتری کا خواہشمند تھا بلکہ اُن کے مشاغل میں شریک بھی ہو جاتا تھا جب وہ اس کے گرد ہوتے تو پھولا نہ سماتا اور اُس کا دل باغ باغ ہو جاتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر تمام بال بچے اور سارا کنبہ جمع نہ ہوتا تو اُس کی لمبی چھٹیوں کا لطف نا تمام رہتا۔

ڈاکٹر برائٹ کی پہلی شادی ڈاکٹر بینگٹن کی منجھلی بیٹی سے ہوئی اور دوسرا بیاہ سر ولیم فالٹ کی بہن سے کیا گیا۔ اس بیوی سے اُس نے تین لڑکے چھوڑے جن میں سے ایک ڈاکٹر برائٹ منوطن کالیس، ایک مشہور مورخ پادری فرینک برائٹ اور ایک پرنسپل یونیورسٹی کالج آکسفورڈ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ برطانیہ کے اُن تمام ڈاکٹروں کی نسبت جو اُس کے معاصر تھے ڈاکٹر برائٹ دوسرے ملکوں میں زیادہ مشہور اور نامور تھا اور وہ اُس زمانے کے تمام انگریزی طبیبوں میں سب سے زیادہ مستند مانا جاتا تھا۔ اس اعتماد اور شہرت کی وجہ یہ تھی کہ در حقیقت ڈاکٹر برائٹ مرض کی تشخیص پر کامل توجہ اور بدرجۂ غایت احتیاط سے غور کرنے کے بعد علاج کیا کرتا۔ وہ ہمیشہ نوٹ لے لیا کرتا اور بعض اوقات نقاشی سے بھی یہ کام لیتا، کیونکہ وہ خاصا مصور، مُہرکن اور دھات پر نقاشی کا ہنر جاننے والا تھا۔

(۲۳۹) براڈی (ڈاکٹر)

ذہین لوگوں میں موروثی اوصاف اور اعلیٰ لوگوں کی صحبت کا اثر بے حد نمایاں طور پر نظر آتا ہے، چنانچہ یہ وصف بنجمن براڈی کی ذات میں بدرجۂ اولیٰ پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کے بزرگ نہ صرف عالی خاندان ہی تھے، بلکہ اُن کو عالی خیال اور شریف الطبع لوگوں کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا کافی موقع ملا تھا۔ اس فاضل ڈاکٹر کی ذہانت قابلیت اور شہرت انہیں مسلسل اسباب کی ممنون ہے۔

براڈی کا باپ پادری تھا جس نے ایک ساہوکار کی لڑکی سے شادی کی تھی، اس عورت کے بطن سے یہ لڑکا ۱۷۸۳ء میں پیدا ہوا۔ اور سن بلوغ کو پہنچ کر اُس نے سائنس فلسفہ

اور ادبیات کا کثرت سے مطالعہ کیا۔ ۱۸۰۱ء میں اس ذہین طالب علم کو طب کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے لندن بھیجا گیا، جہاں اُس نے چند ماہ تک ڈاکٹر ابرنتھی کے لیکچر تشریحات پڑھنے۔ اور اُسی اُستاد کے اثر سے اُس نے جراحی کا پیشہ اختیار کیا۔ اسی زمانہ میں اُس کی دوستی ولیم لارنس سے ہوگئی جو آگے چل کر ایک عالی مرتبہ ڈاکٹر اور اُس کا ہم پیشہ بنا، لیکن ان دونوں کی محبت میں کبھی کسی قسم کا فرق نہ آنے پایا۔ اب رفتہ رفتہ اس کی شناسائی بہت سے ایسے اشخاص کے ساتھ ہوئی جن میں سے بعض مشاہیر عہد تھے۔ براڈی نے طالب علمی ہی کے ایام میں مابعد الطبیعیات کے مسائل پر ایک مضمون لکھ کر لندن کی اکیڈمیکل سوسائٹی کے سامنے پڑھا اور اُس میں سائنس کے اصولوں کے متعلق بھی خیالات کا اظہار کیا، جس سے فلسفہ کے ساتھ اُس کی طبعی مناسبت پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ ۱۸۰۳ء میں اُس نے ہوم (جو بعد میں سر ایورڈ ہوم کے نام سے مشہور ہوا) کی شاگردی اختیار کی، اور سینٹ جارج ہسپتال میں علم تشریح کی تعلیم بھی حاصل کرتا رہا۔ اور آخر کار اپنے اسی اُستاد کے نائب کی حیثیت سے کام کرنا شروع کیا۔ ہسپتال میں طبابت کا کام کرنے کے علاوہ براڈی پرائیویٹ طور پر بھی مریضوں کا علاج معالجہ کرنے لگا۔ اگرچہ اپنے اُستاد کے پرائیویٹ کام سے اُسے مالی امداد بہت کم ملتی تھی، مگر فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) اور تشریحات نسبتی کی تحقیقات میں سر ایورڈ ہوم کے ساتھ شریک رہنے سے وہ بے حد فائدہ اُٹھاتا۔ اور اُس کی ذاتی قابلیت و تجربات میں معقول اضافہ ہوتا رہتا۔ ۱۸۰۵ء میں وہ وِلسن کے قائم کردہ مدرسہ میں جہاں تشریح کی تعلیم تجربی طور پر دی جاتی تھی، تجربات کے وسیلے سے عملی تعلیم دینے کے لئے مقرر ہوگیا۔

اس آسامی پر مامور ہونے کے ایام میں، سر جوزف بینکس سے جو ایک نہایت مشہور محقق اور عالم تھا، ڈاکٹر براڈی کی ملاقات ہوئی اور اُس کی وساطت سے اُس زمانے کے اور بڑے بڑے سائنسدانوں سے بھی تعارف ہوگیا۔ یہ قابل قدر عالم اور ماہر تشریحدان ۱۸۰۹ء تک ولسن کے مدرسہ میں کام کرتا رہا۔ مگر اسی سال میں اُس نے "گریٹ ونڈمل اسٹریٹ" نامی ہسپتال میں علم تشریح پر لیکچر دینے شروع کئے۔ اور ۱۸۱۲ء تک اس عہدہ پر رہا۔ ۱۸۰۸ء

میں وہ اپنے استاد کے رسوخ سے "سینٹ جارج ہسپتال" میں اسسٹنٹ سرجن کی آسامی پر مامور ہو چکا تھا۔ لیکن تاریخ تقرر ہی سے وہ اعلیٰ سرجن کا کام کرتا رہا۔ ہسپتال میں کام کی کثرت رہنے کے باعث اسے پرائیویٹ علاج و معالجہ کے لئے وقت نہیں ملتا تھا۔ رابرٹ کیٹ اور براڈی ہر روز شفاخانے میں رہتے تھے اور ہر شے کی نگرانی کرتے تھے۔ اگر کوئی مریض کسی پیچیدہ مرض میں مبتلا ہوتا تو دونوں مل کر دیکھا کرتے۔ براڈی کو رفتہ رفتہ سرجری میں اس قدر مہارت اور قابلیت پیدا ہو گئی کہ ڈاکٹر ولسن نے اس سے یہ درخواست کی کہ وہ طلباء کو اس مضمون پر لیکچر دینے میں اس کا معاون ہو۔ چنانچہ اس نے ڈاکٹر موصوف کے ساتھ مل کر سنہ ۱۸۰۵ء سے ان لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا۔ جو بیس سال تک متواتر جاری رہا۔

براڈی نے سنہ ۱۸۰۹ء میں لندن کے ایک کوچہ میں مکان لیا اور تین نوجوانوں کو بچے کے طور پر اپنا شاگرد بنایا۔ چونکہ آمدنی معقول تھی اس لئے اس نے ڈاکٹر سکاٹ کی تحقیقات سے تحریک پا کر علم افعال الاعضاء کے متعلق تحقیقات کا ایک مفید سلسلہ شروع کر دیا۔ سنہ ۱۸۱۰ء میں وہ رائل سوسائٹی کا فیلو منتخب کیا گیا۔ اسی سال اور آئندہ سال اس نے دو مضمون اس سوسائٹی میں پڑھے۔ جن میں سے ایک تو اس مسئلہ پر تھا کہ "حرارت غریزی اور فعل قلب پر دماغ کا کیا اثر ہوتا ہے" اور دوسرا "بعض نباتی زہروں کے اثر" پر تھا۔ اگرچہ ان مضامین کو آج کل جدید تحقیقات نے نظر انداز کرا دیا ہے لیکن اس زمانے میں وہ ضرور قابل قدر مانے گئے تھے۔ اور انہیں کے باعث اسے مارچ سنہ ۱۸۱۱ء میں "کوپلے میڈل" نامی تمغہ عطا کیا گیا جو اس سے پیشتر کسی نوجوان کو عطا نہیں کیا گیا تھا۔ براڈی نے جو مضامین علم افعال الاعضاء کے متعلق لکھے ان میں سب سے زیادہ شہرت اس مضمون کی ہوئی جس کا عنوان "حرارت غریزی کی تولید پر نظام عصبی کا اثر" تھا۔ یہ مضمون سنہ ۱۸۱۲ء میں شائع کیا گیا تھا۔ اس سے اس نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ "اگر ایک حیوان کے جسم سے مراکز عصبی کو خارج اس کے فعل کو سمیات مخدرہ (منشی زہروں) سے معطل کر دیا جائے۔ تو اس کے بعد چاہے مصنوعی تنفس کے ذریعہ سے پھیپھڑوں کا فعل جاری بھی رکھیں تاہم اس حیوان کی حرارت پیدا کرنے والی طاقت زائل ہو جاتی ہے"۔ اس زمانے میں ڈاکٹر براڈی

نے اس مقصد میں زہر وُرارہ سے کام لیا تھا جسے ڈاکٹر بنکرافٹ ملک گائنا (جنوبی امریکہ) سے لایا تھا، یہ ایک قسم کا نباتی زہر ہے جس سے نظام عصبی کا فعل بند ہو جایا کرتا ہے۔ لیکن جب مریضوں کے بکثرت رجوعات سے براڈی کی فرصت مفقود ہو گئی تو اُسے خواستہ نخواستہ اس قسم کی تحقیقات سے دستکش ہونا پڑا۔

سنہ ۱۸۱۶ء میں براڈی نے سارجنٹ سیلن کی لڑکی ایس نامی سے شادی کر لی۔ اس سال اُس کی آمدنی لیکچروں اور علاج کی فیسوں سے ۲۰۰۰ پونڈ سالانہ تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے بعد وہ کچھ عرصہ تک جوڑوں کے امراض کی تحقیقات بھی کرتا رہا جن کی تحقیقت اُس وقت تک بہت کم آشکار ہوئی تھی۔ چنانچہ سنہ ۱۸۱۸ء میں اُس نے اپنی مشہور تصنیف "امراض مفاصل کی ماہیت اور جراحی" شائع کی۔ اس میں جن نسوجات یا بافتوں سے جوڑ مرکب ہوتے ہیں، اُن کے امراض میں اس نے کئی خاص اختلافات اور نشانات بیان کئے، اسی طرح امراض متعلقہ اوجاع عصبی، اختناقی اور مقامی بیماریوں کی خصوصیات و نشانات کو بھی نہایت درستی اور ہوشیاری سے بیان کیا، اُس زمانے میں یہ رواج تھا کہ جب کسی عضو میں درد ہوتا، پہلے اُس کے متعلق جستجو کی جاتی جب پتہ نہ چلتا تو اُسے کاٹ دیا جاتا تھا۔

سنہ ۱۸۱۹ء میں اُس کی آمدنی سال گذشتہ کی نسبت سے بقدر ۱۰۰۰ پونڈ بڑھ گئی۔ کیونکہ وہ اپنے کمال کی وجہ سے لوگوں میں بہت ہر دلعزیز ہو گیا تھا۔ اُس کے دوستوں میں لارڈ ہالینڈ اور اُن کی بیگم صاحبہ بھی داخل تھیں، جن کے اثر اور رسوخ سے براڈی کا پیشہ بہت کچھ چمک گیا تھا۔ اسی سال وہ ڈاکٹر لارینس کی جگہ پر تعلیم گاہ جراحاں میں علم تشریح اور علم افعال الاعضاء کا لیکچرار مقرر کیا گیا۔ اسی اہم خدمت کو اُس نے پورے چار سال تک نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیا اور ہر لیکچر میں نئی نئی باتیں بیان کرتا رہا۔ اس کامل جراح نے جو عمل جراحی سب سے پہلے کیا تھا اُسی سے نئی جراحی کی ایک شاخ کی ابتدا ہوئی۔ فی زمانہ ایسے اعمال جراحی بکثرت عمل میں آتے ہیں جن میں چمڑے کے نیچے گہرے شگاف لگائے جاتے ہیں، چمڑے میں اوپر تو حتی الامکان چھوٹا شگاف دیا جاتا ہے۔

اور پھر اُس کے نیچے بڑے بڑے شگاف معمول ہیں اس قسم کے اعمال الاعضاء کی پیدائشی طبعی نقص، نیز مختلف قسم کے عضلی اور وتری انقباضات میں بے حد مفید ثابت ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر براڈی نے اس طرح کا عمل جراحی ۱۸۱۴ء میں داء الفیل پر کیا تھا، جس سے ٹانگیں ہاتھی کی لات کے مشابہ ہو جاتی ہیں۔ اُس نے آلات جراحی میں بھی بہت کچھ اضافہ کیا۔

۱۸۲۱ء میں براڈی شاہ جارج چہارم کا علاج کرنے کے لئے بلایا گیا۔ بادشاہ کی خواہش تھی کہ اُس پر عمل جراحی اسی قابل اور ماہر جراح کے ہاتھ سے ہو۔ مگر لارڈ لیورپول کے کہنے سے یہ کام سر ایسٹلے کوپر کے سپرد کیا گیا۔ بالآخر براڈی ہی بادشاہ کا منظور نظر ہوا، اور اُس کی آخری علالت میں اسی کا معالجہ ہوتا رہا۔ ہر روز ۶ بجے صبح سے قلعہ ونڈسر میں ایک دو گھنٹے بادشاہ کی بارگاہ میں گزارتا تھا۔ جب ولیم چہارم تخت نشین ہوا تو اُس کا سرجن بھی اسی قابل ڈاکٹر کو بنایا گیا۔ اس کے بعد وہ تھوڑے ہی عرصہ میں نائٹ بنایا گیا۔ اور یہ خطاب اُس کے خاندان میں جدی قرار پایا۔ وہ اپنے زمانے کا حاذق الاطبا سمجھا جاتا تھا، چنانچہ ۱۸۲۸ء میں سر ایسٹلے کوپر کے پنشن لینے پر اُس کی جگہ اس کو دی گئی۔ ۱۸۲۳ء میں اُس کی سالانہ آمدنی ۶۵۰۰ پونڈ تھی لیکن اس کے بعد وہ دس ہزار پونڈ اور بعض اوقات ۱۱ ہزار پونڈ سالانہ کماتا رہا۔ اس آمدنی کا ایک قلیل حصہ اعمال جراحی اور کثیر حصہ معمولی فیسوں سے وصول ہوتا تھا۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد نہایت نازک اپریشن کرنے سے گریز کرتا رہا۔ اُس کی ہر دلعزیزی، شہرت اور اثر و اقتدار کا اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اُس کی کل سالانہ آمدنی سر ایسٹلے کوپر سے کہیں زیادہ تھی۔

لندن میں سینٹ جان لانگ نامی ایک دغا باز طبیب تھا، اُس کی شہرت اور پیشہ کو براڈی ہی نے ضعف پہنچایا۔ ایک دن براڈی اپنے ایک دوست کے ہاں گیا تو اُسے ایک لیڈی مس کاشن کے دیکھنے کو لے گئے جس کی پشت پر لانگ نے عمل جراحی کیا تھا، بعد میں یہ عورت عمل کی خرابی سے فوت ہو گئی۔ براڈی کی

کرشش سے لانگ پر مقدمہ چلایا گیا اور اُس پر ۲۵۰ پونڈ جرمانہ ہوا۔ ۱۸۳۲ء میں وہ ممتحنوں کی کمیٹی متعلقہ کالج آف سرجنس میں مقرر ہوا مگر اس منصب کو اُس نے بہت جلد چھوڑ دیا۔ ۱۸۳۹ء و ۱۸۴۰ء میں برادری رائل میڈیکل اینڈ کراجیکل سوسائٹی کا پریسیڈنٹ بنایا گیا۔ اور اس کی وجہ سے سوسائٹی نے بہت کچھ ترقی کی۔ پھر وہ "رائل کالج آف سرجنس" کا پریسیڈنٹ ہوا۔ ۱۸۵۰ء میں رائل سوسائٹی کا صدر منتخب ہو کر ۱۸۶۲ء تک اس فرض کو نہایت قابلیت سے انجام دیتا رہا۔ الغرض وہ اپنی زندگی میں بہت مناصب جلیلہ پر مامور ہوا اور کثیر التعداد انجمنوں کو علمی فیض پہنچاتا رہا ؂

(۲۴۱) بَرزَوَیہ (حکیم)

اپنے زمانہ کا سربرآوردہ طبیب اور اس علم میں بہت بڑا فاضل تھا۔ طب کے علاوہ حکمائے ایران و ہند کے قدیم علوم پر بھی کامل عبور رکھتا تھا۔ اُس نے ملک ہند کا سفر کیا اور وہاں کی مقدس علمی زبان حاصل کی۔ فیلسوفان ہند کی تصانیف کا غور سے مطالعہ کیا اور اُن سے بہت کچھ فائدہ اُٹھایا ؂

برزویہ ایران کے نامور و عادل تاجدار کسرٰے نوشیرواں بن قباد شہریار کے عہد معدلت مہد میں تھا۔ اور ایک قول کے اعتبار سے کتاب "کلیلہ و دمنہ" کا سب سے پہلا فارسی ترجمہ اُسی نے کیا۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس کتاب کو تحفہ کے طور پر اپنے منصف و رعایا پرور بادشاہ کے لیئے ایران میں لایا تھا۔ اصل کتاب کا نام سنسکرت زبان میں "کرنک و منک" تھا۔ برزویہ ہی کے فارسی ترجمہ سے اس کتاب کا عربی ترجمہ فیلسوف اسلام "عبداللہ بن المقفع" نے کیا۔ یہ کتاب فلسفۂ اخلاق اور تہذیب نفوس کی بے مثل کتاب ہے۔ عبداللہ بن المقفع بڑا خوش بیان فصیح اللسان مقرر اور ایرانی الاصل تھا۔ وہ خلیفہ ابی جعفر منصور کا میر منشی رہا۔ اُس نے اور بھی بہت سی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کیں جن میں سے کئی ایک حکیم ارسطاطالیس کی تصانیف تھیں اور چند دیگر قدیم حکماء کی۔ اس کی بہترین قوت ترجمہ کو عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے ؂

(۲۴۲) برمانیدس (حکیم)

ایک مشہور فاضل فن طب کے موجدوں میں چوتھا شخص تھا۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں گزرا۔ الیاملک طبقہ کے فلاسفروں میں نہایت ممتاز تھا۔ مینس کے بعد اس کے ظہور سے قبل جو زمانہ گزرا اُس میں بھی بہت سے نامور یونانی طبیب ہوئے تھے اور وہ سب کے سب مینس کی رائے کے پیرو رہتے چلے آئے تھے۔

برمانیدس کی عمر ۶۵-۷۰ برس کے درمیان سمجھی جاتی ہے۔ وہ ۶۵ برس کی عمر میں شہر ایتھنز کو گیا۔ سقراط اس وقت لڑکا تھا۔ اس نے اس کی تقریر اوّل مرتبہ سُنی تھی۔ اُس نے ۲۵ سال نام و نمود پانے سے قبل اور ۱۵ سال بعد علم و کمال کی قابل قدر زندگی بسر کی۔ اُس نے یہ تحقیقات کی کہ تجربہ کوئی چیز نہیں ہے۔ خواہ صرف تجربہ پر علاج کا مدار رکھیں یا قیاس کو اُس کے ساتھ شریک کریں۔ دونو حالتوں میں یہ ایک خطرناک عمل ہوتا ہے۔ اُس کے نزدیک طب اور علاج کا دارومدار بالکل قیاس پر ہونا چاہئے لہذا اُس نے اسی کو اپنا دستورالعمل بنایا اور قیاس کی بنا پر علاج کرنا شروع کیا۔

برمانیدس نے تین فاضل شاگرد اپنی یادگار میں چھوڑے جن کے نام ثاسلس، وقرن، اور ذیوقیلس تھے۔ ان تینوں نامی اطبّاء میں سخت اختلاف رائے واقع ہؤا۔ جس کی وجہ سے ان کے تین الگ الگ گروہ بن گئے۔ ان میں سے ہر فرقہ کی رائے اور اُس کا طرز عمل دوسرے سے قطعاً جداگانہ تھا۔ آقرن نے محض تجربہ کو علاج کا مدار قرار دیا۔ ذیوقیلس کے نزدیک صرف قیاس کام کی چیز رہی اور تجربہ ردی قرار پایا۔ اور ثاسلیس نے "لطکوں" پر اپنے معالجہ کا دارومدار بنایا کیونکہ اُسکی رائے میں علاج ایکطرح کا حیلہ او دفع مرض کی تدبیر تھی۔ اسی طرح سو صدی تک ان اطبّاء کے مقلدین اپنے اپنے خیالات پر جمے رہے۔

(۲۴۳) بسیل مطران (حکیم)

اس نے بکثرت کتابیں ترجمہ کی ہیں۔ اور اس کا ترجمہ نہایت پاکیزہ ہوتا ہے۔

(۲۴۴) بطریق (حکیم)

یہ فاضل شخص خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں تھا۔ خلیفہ مذکور نے اس کو حکم دیا کہ قدیم علمی کتابیں یونانی اور دیگر زبانوں سے عربی میں ترجمہ کرے۔ اگرچہ اس کے بہت سے اچھے ترجمے ہیں۔ مگر حنین کے تراجم اس کے ترجموں سے عمدہ پائے جاتے ہیں۔ بطریق کی اکثر کتابیں جو اس نے ترجمہ کیں بقراط اور جالینوس کی طبی تصانیف ہیں۔

(۲۴۵) بطلیوس طبیب (حکیم)

بقراط کے بعد اور جالینوس سے قبل یونان کا مشہور طبیب ہوا ہے۔

(۲۴۶) بغدادی۔ موفق الدین عبداللطیف (حکیم)

فاضل بے مثل۔ شیخ وقت۔ امام زمانہ۔ موفق الدین ابو محمد عبداللطیف بن یوسف بن محمد بن علی بن ابی سعد معروف بہ "ابن اللباد" اس کے بزرگ شہر موصل کے رہنے والے تھے۔ مگر اس کا باپ یوسف بغداد میں قیام رکھتا تھا اور زبردست محدث و مفسر اعلےٰ درجہ کا قاری اور علوم قرآن کا بہت بڑا فاضل تھا۔ دیگر علوم میں بھی اس کو دستگاہ کامل حاصل تھی۔ اور موفق الدین عبداللطیف ۵۵۷ھ میں بمقام بغداد اپنے جدی مکان واقعہ محلہ واب الفالوذج میں پیدا ہوا۔ اور شیخ ابی النجیب کے آغوش تربیت میں پرورش پاکر ہوش سنبھالا۔ بچپن ہی سے آثار علم و دانش اور علامات سعادت اس کے بشرہ پر ہویدا تھیں۔ وہ خود اپنے حالات میں لکھتا ہے کہ اُسے معمولی بچوں کی طرح عہد طفلی میں بھی کھیل کود کا شوق نہ تھا۔ اور بقول "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" ہوش سنبھالتے ہی علم و کمال کی طرف توجہ ہو گئی تھی۔ جب اس کے دوسرے ہمسن لڑکے لہو و لعب میں مصروف ہوتے عبداللطیف کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہتا اور ذہن و حافظہ کی خداداد نعمت کی مدد سے جو کچھ ایک بار دیکھ یا سن لیتا اُسے بھولنا جانتا ہی نہ تھا۔

ابتدا میں یہ عالی دماغ طالب علم زباندانی۔ صرف و نحو اور معانی و بیان کے علوم میں ماہر ہو کر دینیات کی طرف راغب ہوا اور اس نے اپنا زیادہ تر وقت حدیث کی سماعت میں صرف کیا۔ بغداد میں مختلف ممالک اسلام کے جتنے فضلاء اور محدثین تھے سب سے سندیں حاصل کیں اور اسی اثناء میں حفظ قرآن اور فقہ کی خواندگی سے بھی فراغت حاصل کر لی۔ جب سن تمیز کا آغاز ہوا تو عبد اللطیف کا باپ اس کو شیخ کمال الدین عبد الرحمٰن الانباری کی خدمت میں لے گیا جو اس وقت بغداد میں شیخ عصر اور مدرسۂ نظامیہ کی مسند درس پر متمکن تھے۔ عبد اللطیف کہتا ہے کہ "میں نے شیخ موصوف کے روبرو زانوے ادب تہ کر کے کتاب الفصیح کا خطبہ (دیباچہ) پڑھا۔ شیخ نے جلد جلد کچھ ایسی تقریر کی کہ میں ان کی گفتگو بالکل نہ سمجھ سکا مگر اور طلبہ جو وہاں حلقۂ درس میں بیٹھے تھے اس تقریر کو سن کر عش عش کر گئے شیخ میری کم فہمی کو دیکھ کر بولے "میں بچوں کو پڑھانے کی رغبت نہیں رکھتا۔ اس کو میرے شاگرد وجیہ الدین الواسطی کے پاس لے جاؤ۔ یہ اس سے پڑھیگا اور جب کچھ علم حاصل کر لیگا پھر میرے حلقۂ درس میں شریک ہو سکیگا"

شیخ وجیہ الدین الواسطی کسی رئیس کے یہاں اس کے بچوں کی تعلیم پر مامور تھا عبد اللطیف کا باپ اس کے پاس گیا اور نور دیدہ کو اس کے حوالہ کر دیا۔ وجیہ الدین نے کمال مہربانی اور شفقت سے اس کو پڑھانا شروع کیا اور عبد اللطیف اس کے فیض تعلیم سے روز بروز علوم کے فہم و ادراک میں ترقی کرنے لگا۔ وجیہ الدین کا حلقۂ درس مسجد مظفری میں ہوا کرتا تھا۔ عبد اللطیف بھی وہیں تمام دن پڑھا کرتا۔ اور مسجد سے نکل کر اپنے استاد کے ساتھ اس کے گھر تک آتا۔ راستہ میں استاد اس ہونہار شاگرد کو علمی تقریر سناتا جاتا اور عبد اللطیف تمام تقریر حفظ کر لیتا۔ گھر پہنچ کر وجیہ الدین اپنی کتابوں کا مطالعہ کرتا تھا اور پھر وہ شیخ کمال الدین کے حلقۂ درس میں شریک ہوا کرتا تھا۔ عبد اللطیف بھی استاد کے ساتھ انہی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا اور چند روز میں وہ (تعلیم) رفتہ رفتہ صفائی ذہن اور علوم کے فہم و حفظ میں استاد پر [illegible] سبقت لے گیا اور اب شیخ وجیہ الدین اور اس کے استاد شیخ کمال الدین دونو کے حلقۂ درس کی شرکت [illegible]

مستفیض ہونے لگا۔

عبداللطیف نے شیخ کمال الدین کی ۱۳۰ تصانیف میں سے اکثر کتابیں خود اُنہی سے پڑھیں پائیں۔ حدیث کی سماعت ابن فضلان سے کی اور ابن عبیدۃ الکرخی کے درس سے بھی فیض حاصل کیا۔ اس زمانہ کی ایک فاضلہ اور شیخۂ وقت بی بی کاتبہ شہدۃ بنت الابری سے زجاج کی کتاب المعانی پڑھی۔ امین الدولہ بن التلمیذ کے بیٹے سے جو فن طب میں یگانۂ زمانہ تھا۔ طب کی کتابیں دیکھیں۔ حساب اور علوم ریاضیہ میں بھی کمال حاصل کیا۔ غرضیکہ ۵۸۵ھ پانتیس سال کی عمر میں وہ یکتائے روزگار عالم ہوگیا اور اب بغداد میں کوئی شیخ ایسا باقی نہ رہا جو اُس کے مزید علمی شوق کو پورا کرے۔ لہذا اُس نے موصل کا عزم کیا۔

موصل میں بھی گو عبداللطیف کا مقصد حاصل نہ ہوا۔ تاہم وہاں کمال الدین بن یونس کو اُس نے ریاضیات، فقہ اور اجزائے علوم حکمیہ میں کامل اکمل پاکر اُس کی صحبت کو پسند کیا۔ موصل میں عبداللطیف کی بہت قدر ہوئی۔ ایک جماعت امرا اور معززین کی اُس سے اپنے اپنے ہاں قیام کرنے کی متمنی تھی۔ لیکن عبداللطیف نے کسی شخص کے یہاں رہنا پسند نہ کیا۔ اور علمی خدمت کے سوا کوئی منصب قبول نہ فرمایا۔ موصل کے مشہور مدرسہ معلقہ میں جو ابن مہاجر کی تعمیر تھا قیام کیا اور اُس کے نیچے کی عمارت میں دارالحدیث کو اپنی مجلس درس قرار دیا۔ عبداللطیف موصل میں ایک سال مقیم رہا اور یہ تمام مدت سخت محنت کے ساتھ مطالعہ اور درس میں بسر کی۔ اہل موصل اُس کے کمال علمی کو دیکھ کر بے حد مسرور تھے کہ ایسا زبردست عالم اُن کے شہر میں آیا ہے۔

عبداللطیف بغدادی نے یہاں شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصانیف کا مطالعہ کیا۔ اور ابن یونس سے کچھ کتابیں لیکر دیکھیں۔ تلویحات۔ المعارج۔ اور اللمحہ وغیرہ سہروردی کی کتابیں دیکھ کر عبداللطیف کو خیال آیا کہ اہل زمانہ محض جاہل ہیں اور جو کچھ کارآمد شے ہے وہ یہی علم تصوف ہے۔ اُس نے شیخ سہروردی کی تصانیف کا غور سے مطالعہ کیا اور اُن سے نفع اٹھایا۔

پھر عبداللطیف سلطان صلاح الدین ایوبی کی قدردانی علم و ہنر کا حال سن کر دمشق پہنچا

دمشق میں اُس کو اہل فضل وکمال کا ایک جم غفیر ملا جن کو سلطان موصوف کے احسان وکرم نے بلاد بعیدہ سے دمشق میں کھینچ کر جمع کر لیا تھا۔ یہاں عبداللطیف نے دینیات میں کئی کتابیں تالیف وتصنیف کیں۔ دمشق سے وہ شہر قدس شریف کی زیارت کو گیا۔ اور پھر سلطان صلاح الدین کی خدمت میں حاضر ہونے کی غرض سے مصر جانا چاہتا تھا۔ لیکن عماد الدین کاتب نے اُس کو منع کیا کہ سلطان اس وقت اہل فرنگ کے شہر عکا پر قابض ہو جانے کی وجہ سے پریشان اور اُنکو وہاں سے نکال لینے کے درپے ہے۔ وہ تم سے بخوبی مل نہ سکیگا۔ تم دمشق ہی میں رہو۔ یہیں تمہیں مناسب وظیفہ مل جائیگا۔ عبداللطیف کو مصر جانے کا شوق تھا۔ اُس نے عماد کاتب کی بات نہ مانی اور کہا "میں تو ضرور جاؤں گا" عماد کاتب نے اُسے ایک رقعہ لکھ دیا اور اپنے وکیل مقیم قاہرہ کو اس رقعہ کے ذریعہ سے ہدایت کی کہ عبداللطیف کی ہر طرح خاطر ومدارات کرنا۔

عبداللطیف قاہرہ میں آیا تو ابن سناء الملک عماد کاتب کا وکیل اُس سے ملا۔ ایک عمدہ مکان میں اس کو ٹھیرایا۔ خرچ وغیرہ کا سامان کر دیا۔ اور قاہرہ کے امرا اور عمائد کو اطلاع دی کہ قاضی فاضل کا ایک معزز مہمان آپ کے یہاں وارد ہے۔ پھر کیا تھا۔ ہر جگہ سے ہدیے اور تحائف آنے شروع ہو گئے۔ ہر دس دن بعد قاضی فاضل کا مراسلہ ملکی معاملات کے بارہ میں قاہرہ آیا کرتا تھا۔ اُس میں عبداللطیف کی مدارات کے متعلق تاکید درج ہوا کرتی تھی۔

عبداللطیف قاہرہ میں حاجب لؤلؤ کی مسجد میں درس دیا کرتا تھا۔ اُسے قاہرہ کے [illegible] علماء سے ملنے کا شوق تھا۔ یاسین سیمیائی۔ رئیس موسیٰ بن میمون یہودی۔ اور ابو [illegible] القاسم شارعی۔ مگر اُن میں سے یاسین سیمیائی اُس کو فریب ساز مکار نظر آیا۔ باقی دو عالم [illegible] بہت اچھے ملے۔ اسی اثناء میں عبداللطیف کو خبر ملی کہ سلطان صلاح الدین نے اہل [illegible] فرنگ سے عارضی صلح کر لی ہے اور وہ لڑائی بند کر کے قدس شریف کو چلا گیا ہے۔ عبداللطیف مصر سے سلطان ممدوح کی خدمت میں حاضری کے لئے روانہ ہو گیا۔

عبداللطیف سلطان صلاح الدین کے دربار میں پہنچا [illegible] اہل علم کا عجیب مجمع نظر آیا۔ ہر وقت بزم شاہی میں علمی اور سیاسی چرچوں کے [illegible] ہوتا رہتا تھا سلطان

صلاح الدین شہر قدس کی منہدم شدہ فصیل ہموار ہا تھا۔ عبداللطیف کی سلطان نے نہایت مدارات اور عزت کی اُس کے لئے جامع مسجد دمشق میں درس دینے کی خدمت اور تیس دینار ماہوار تنخواہ مقرر کردی۔ سلطان کے بیٹوں نے الگ وظائف دئے جن کی مجموعی تعداد نے اُس کے لئے پورے ایک سو دینار ماہوار کی آمدنی بنادی اور وہ بفراغت گزر بسر کرنے لگا۔

سلطان ملک العزیز بن سلطان صلاح الدین فرمانروائے مصر اپنے بڑے بھائی ملک الفاضل حکمران دمشق پر حملہ آور ہوا تو عبداللطیف اُس کے ساتھ مصر چلا آیا اور جامع الازہر میں مدرس رہا۔ پھر سلطان ملک العادل ابی بکر بن ایوب کے دمشق پر قابض ہونے کے بعد وہاں آپہنچا۔ کچھ عرصہ دمشق میں رہ کر حلب ہوتا ہوا ملک روم میں گیا۔ اور وہاں کئی سال ملک علاؤالدین داؤد بن بہرام شاہ ارزنجان کے پاس رہا۔ پھر شہر ارزن کی طرف کوچ کی۔ اور ملطیہ میں بھی سیاحت کے طور پر وارد ہوا اور وہاں تھوڑے دن مقیم رہ کر بالآخر شہر حلب میں واپس آیا۔ جب وہ دوبارہ حلب میں پہنچا ہے اُس وقت وہاں کا حاکم اتابک شہاب الدین نہایت عادل و فاضل اور بڑا صاحب شوکت بادشاہ تھا۔

شیخ موفق الدین عبداللطیف نے اب حلب میں مستقل سکونت اختیار کرلی اور یہیں مجلس درس قائم کی۔ اُس کا قیام حلب کے اتابک شہاب الدین طغرل کے زیر سایہ تھا۔ اور وہ اب زیادہ تر علم طب کا درس دیتا تھا۔ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی اس نے قائم رکھا تھا۔ اخیر وقت میں اُس کو پھر دمشق میں رہنے کا شوق پیدا ہوا۔ وہ یہ ارادہ کرکے حلب سے روانہ ہوا کہ پہلے حج بیت اللہ کے فرض سے سبکدوش ہو کر بغداد جائیگا۔ اور وہاں امیر المومنین خلیفۃ المسلمین مستنصر باللہ عباسیؒ کے حضور میں اپنی چند تصانیف تحفۃً نذر کریگا۔ ازاں بعد دمشق کو واپس آئیگا۔ چنانچہ جب حج سے فارغ ہو کر بغداد گیا وہاں بیمار ہوا۔ اور یہ مرض گویا مرض الموت تھا۔ کیونکہ اسی حالت میں شیخ موفق الدین عبداللطیف بغدادی نے ۱۲۔ محرم ۶۲۹ھ کو دنیا سے رحلت کی۔ اور اپنے بزرگ باپ کے پہلو میں بمقام وردیہ دفن ہوا۔

شیخ موفق الدین عبداللطیف بغداد سے نکلنے کے پورے ۴۵ سال بعد پھر وہاں

واپس آیا تھا اور آیا تو ایسا کہ پھر وہیں کا ہو رہا۔ خاک دامنگیر تھی اور موت کھینچ لائی تھی آخرکار مٹی میں مٹی مل گئی اور صرف اس بے مثل فاضل و علامۂ عصر کے علمی کارنامے اس کی یادگاریں باقی رہ گئے۔

موفق الدین عبداللطیف بغدادی کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ کتاب غریب الحدیث۔ اس میں ابی عبید قاسم بن سلام۔ ابن قتیبہ اور الخطابی کی بیان کردہ غریب احادیث کو اکٹھا کر دیا ہے۔
(۲)۔ کتاب المجرد من غریب الحدیث۔
(۳)۔ الواضحۃ فی اعراب الفاتحہ۔
(۴)۔ الالف واللام۔
(۵)۔ قولہ تعالیٰ "اِذَآ اَخْرَجَ یَدَہٗ لَمْ یَکَدْ یَرٰىھَا" پر ایک رسالہ۔
(۶)۔ مسئلہ نحویہ۔
(۷)۔ مجموعۂ مسائل نحو اور حواشی۔
(۸)۔ کتاب رب شرح بانت سعاد۔
(۹)۔ الذیل الفصیح۔
(۱۰)۔ الکلام فی الذات والصفات الذاتیہ الجاریہ علی السنۃ المتکلمین۔
(۱۱)۔ شرح اوائل المفصل۔ پانچ نحوی مسائل کے متعلق۔
(۱۲)۔ شرح مقدمۂ ابن بابشاذ۔
(۱۳)۔ شرح خطب ابن نباتیہ۔
(۱۴)۔ شرح حدیث مسلسل۔
(۱۵)۔ شرح ہفتاد حدیث۔
(۱۶)۔ شرح چہل حدیث طبیہ۔
(۱۷)۔ امام رازی کی تفسیر سورۃ الاخلاص کی ان کی تردید میں ایک کتاب۔
(۱۸)۔ کشف الظلامہ شرح نقد الشعر مصنفہ ابن قدامہ۔
(۱۹)۔ احادیث مخرجۃ من الجمع بین الصحیحین۔
(۲۰)۔ اللواء العزیز۔ بنام ملک العزیز علم حدیث میں۔
(۲۱)۔ قوانین البلاغۃ۔ یہ کتاب شہر حلب میں لکھی گئی تھی۔
(۲۲)۔ ابن جنی کی کتاب الخصائص پر حواشی۔
(۲۳)۔ الانصاف بین ابن بری وابن الخشاب۔ مقامات حریری پر ان دونوں نے جو اعتراضات کئے ہیں ان کی تردید اور ابن بری نے حریری کی جو طرفداری کی ہے اس کی کمزوری ظاہر کی۔
(۲۴)۔ ایک مسئلہ طلاق کی تحقیق۔
(۲۵)۔ حدیث نبوی۔ الراحمون یرحمہم الرحمٰن کی تفسیر۔
(۲۶)۔ قبتہ العجلان۔ علم نحو میں۔

(۲۷)۔ العسکری کی کتاب الصناعتین کا اختصار ؁
(۲۸)۔ ابن رشیق کی کتاب العمدۃ کا اختصار ؁
(۲۹)۔ مقالہ دربیان وفق ؁
(۳۰)۔ کتاب الحلی دربیان حساب ہندی ؁
(۳۱)۔ ابی حنیفۃ الدینوری کی کتاب النبات کا اختصار ؁
(۳۲)۔ اسی فن کی ویسی ہی ایک اور کتاب ؁
(۳۳)۔ تمیمی کی کتاب مادۃ البقاء کا اختصار ؁
(۳۴)۔ کتاب الفصول۔ اس کے سات مقالے ہیں اور یہ سنہ [illegible] کی تصنیف ہے ؁
(۳۵)۔ بقراط کی کتاب الفصول پر شرح ؁
(۳۶)۔ بقراط کی کتاب تقدمۃ المعرفۃ کی شرح ؁
(۳۷)۔ بقراط کی کتاب الامراض الحادّہ پر جالینوس نے جو شرح لکھی ہے اس کا اختصار ؁
(۳۸)۔ ارسطو کی کتاب الحیوان کا اختصار ؁
(۳۹)۔ ارسطو کے مسائل مابال کی درستی اور اصلاح ؁
(۴۰)۔ اسی فن میں ویسی ہی ایک کتاب ؁
(۴۱)۔ جالینوس کی کتاب منافع الاعضاء کا اختصار ؁
(۴۲)۔ کتاب آراء بقراط و افلاطون کا اختصار ؁
(۴۳)۔ کتاب الجنین کا اختصار ؁
(۴۴)۔ کتاب الصوت کا اختصار ؁
(۴۵)۔ کتاب المنی کا اختصار ؁
(۴۶)۔ کتاب آلات التنفس کا اختصار ؁
(۴۷)۔ کتاب العضل کا اختصار ؁
(۴۸)۔ جاحظ کی کتاب الحیوان کا اختصار ؁
(۴۹)۔ کتاب آلات تنفس اور اُن کے افعال کے بیان میں اس کے چھ مقالے ہیں ؁
(۵۰)۔ مقالہ بخاروں کی تقسیم اور اُن میں سے ہر ایک کے دور کرنے کی تدابیر اور اُن کے پیدا ہونے کی کیفیت ؁
(۵۱)۔ کتاب التقدمۃ۔ یہ امراض حادّہ کا خلاصہ ہے ؁
(۵۲)۔ الاسرائیلی کی کتاب الحمیات کا اختصار ؁
(۵۳)۔ الاسرائیلی کی کتاب البول کا اختصار ؁
(۵۴)۔ الاسرائیلی کی کتاب النبض کا اختصار ؁
(۵۵)۔ کتاب اخبار مصر الکبیر ؁
(۵۶)۔ کتاب اخبار مصر خرد ؁
(۵۷)۔ کتاب الافادۃ والاعتبار کا ترجمہ۔ اس کے اندر سرزمین مصر کے چشم دید حالات اور واقعات درج کیے ہیں۔ یہ کتاب سنہ [illegible] میں بمقام بیت المقدس لکھی تھی ؁
(۵۸)۔ اپنی سوانح عمری جو اپنے فرزند دلبند حکیم شرف الدین یوسف کے لیے لکھی ؁
(۵۹)۔ مقالہ عطش (پیاس) کے ذکر میں ؁

(۶۰)۔ مقالہ پانی کے بیان میں ؎

(۶۱)۔ مقالہ اُن مقاصد کے شمار میں جو کتابوں کے مصنفین اپنی کتابوں کی تصنیف کے اندر ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور اس بات کو بتا کر اُن سے جو کچھ فوائد و نقصانات ہوتے ہیں ان کا بھی ذکر کیا ہے ؎

(۶۲)۔ مقالہ در بیان جوہر و عرض ؎

(۶۳)۔ ایک مختصر مقالہ در بیان نفس ؎

(۶۴)۔ مقالہ در بیان حرکات متناقضہ ؎

(۶۵)۔ مقالہ در بیان اُن عادات کے جو زبانوں میں مخفی ہیں ؎

(۶۶)۔ مقالہ۔ اس کے گیارہ باب ہیں اور اس میں دوا۔ اور غذا کی حقیقت ان کے طبقات کی شناخت اور کیفیت ترکیب ذکر کی گئی ہے ؎

(۶۷)۔ مقالہ علم طب کے مبتدی کے بارہ میں ؎

(۶۸)۔ علاج بالضد کے ذکر میں ؎

(۶۹)۔ مقالہ مرض ذیابیطس اور اُس کے مفید ادویات کے ذکر میں ؎

(۷۰)۔ مقالہ در بیان "ریوند" یہ کتاب شہر حلب میں ۶۱۷ھ کے اثنا میں لکھی تھی ؎

(۷۱)۔ مقالہ سقنقور کے بیان میں ؎

(۷۲)۔ مقالہ گیہوں کے ذکر میں ؎

(۷۳)۔ مقالہ شراب انگور کے بیان میں ؎

(۷۴)۔ مقالہ در بیان بحران۔ خرد ؎

(۷۵)۔ رسالہ ایک فاضل باعمل مہندس کے نام ؎

(۷۶)۔ ابن وافد کی کتاب الادویۃ المفردہ کا اختصار ؎

(۷۷)۔ ابن سمجون کی کتاب الادویۃ المفردہ کا اختصار ؎

(۷۸)۔ ایک ضخیم کتاب ادویہ مفردہ کے بیان میں ؎

(۷۹)۔ ایک مختصر کتاب حمیات کے ذکر میں ؎

(۸۰)۔ مقالہ در بیان مزاج ؎

(۸۱)۔ کتاب الکفایہ تشریح میں ؎

(۸۲)۔ ابن خطیب الرّے نے کلیات قانون شیخ کے بعض حصص کی جو شرح کی ہے اُس کی تردید پر ایک کتاب تہذیب اللطیف نے یہ کتاب مصر کے نامور حکیم رشید الدین بن خلیفہ کے لیے لکھی تھی اور اس کے پاس ارسال کی تھی ؎

(۸۳)۔ ابن جمیع مصری نے کتاب القانون پر جو حواشی لکھے ہیں اُن کی چھان بنان پر ایک مستقل کتاب ؎

(۸۴)۔ ایک مقالہ علی بن رضوان مصری کی تردید میں جو کہ جالینوس و ارسطو کے باہمی اختلاف کا قائل تھا ؎

(۸۵)۔ مقالہ در بیان حواس ؎

(۸۶) - مقالہ در ذکر کلمہ وکلام *
(۸۷) - کتاب السبعۃ *
(۸۸) - کتاب تحفۃ الامل *
(۸۹) - مقالہ تردید یہود و نصاریٰ میں *
(۹۰ و ۹۱) - دو مقالے اور اسی باب میں *
(۹۲) - مقالہ مصنفین کی ترتیب کے بیان میں *
(۹۳) - کتاب الحکمۃ العلائیۃ اس کے اندر علم الٰہیات پر بہت اچھی بحث کی ہے۔ اور یہ کتاب عبد اللطیف نے فرمانروائے ارزنجان (اردم) کے لیے تصنیف کی تھی *
(۹۴) - منطق میں ایک مقالہ توطئہ کے طور پر *
(۹۵) - فارابی کی کتاب البرہان پر حواشی *
(۹۶) - کتاب الترياق۔ حکماء کے کلام کی منتخب فصلیں *
(۹۷) - جالینوس کی کتابوں پر رازی کے شکوک کا حل *
(۹۸) - کتاب المراقی الی الغایۃ الانسانیۃ اس کے آٹھ مقالے ہیں *
(۹۹) - مقالہ در بیان میزان) ادویہ مرکبہ از لحاظ مقدار *
(۱۰۰) - مقالہ ادویات اور امراض کے مابین بلحاظ کیفیات موازنہ کرنے کے بیان میں *
(۱۰۱) - مقالہ اوزان ادویہ مفردہ کی تحقیق میں *
(۱۰۲) - ایک اور مقالہ معنی کے بیان میں اور اس شبہ کے دفعیہ میں جو بعض علماء کو اس بارہ میں ہو گیا ہے *
(۱۰۳) - مقالہ معنی کے بیان میں اس کے اندر تین مسائل کے جواب ہیں *
(۱۰۴) - مقالہ ششم۔ یہ مختصر مقالہ ہے *
(۱۰۵) - مقالہ مرکبات میں طبی ادویات کے اوزان کے متعلق *
(۱۰۶) - قول معنی کے باب میں *
(۱۰۷) - مقالہ تنفس آواز اور کلام کے ذکر میں *
(۱۰۸) - مقالہ جالینوس کے کلام دربارۂ تدبیر صحت کے اختصار میں *
(۱۰۹) - دیسقوریدس کی کتاب سے جڑی بوٹیوں کی صفات کا اقتباس *
(۱۱۰) - ایک اور کتاب دیوسقوریدس کی کتاب سے منافع ادویہ کے اقتباس میں *
(۱۱۱) - مقالہ فن جنگ و معرکہ آرائی کے بیان میں۔ یہ کتاب ایک بادشاہ کیلئے ۶۲۳ھ میں لکھی تھی *
(۱۱۲) - مقالہ سیاست ملیۃ کے ذکر میں *
(۱۱۳) - کتاب التصرۃ فی اصول السیاسۃ *
(۱۱۴) - مقالہ ایک سوال کے جواب میں جو عبد اللطیف سے جانور کو ذبح کرنے کے

متعلق کیا گیا تھا کہ آیا یہ بات طبیعت اور عقل کے نزدیک بھی ویسی ہی روا ہے جیسی کہ شریعت میں ؛

(۱۱۵)۔ دو مقالے مدینۃ الفاضلہ کے بیان میں ؛

(۱۱۶)۔ مقالہ علوم ضارہ کے بیان میں ؛

(۱۱۷)۔ رسالہ در بیان ممکن ؛

(۱۱۸)۔ مقالہ جنس و نوع کے بیان میں۔ یہ دمشق میں ایک سائل کے جواب کے لئے لکھا تھا ؛

(۱۱۹)۔ الفصول الاربعۃ المنطقیۃ ؛

(۱۲۰)۔ تہذیب کلام افلاطون ؛

(۱۲۱)۔ حکم منشورہ ؛

(۱۲۲)۔ ایساغوجی ؛

(۱۲۳)۔ مبسوط ؛

(۱۲۴)۔ الواقعات مقالہ نہایۃ اور لانہایۃ کے ذکر میں ؛

(۱۲۵)۔ کتاب تاریخ الفطن منطق طبیعیات والٰہیات میں ؛

(۱۲۶)۔ مقالہ کیفیت استعمال منطق کے ذکر میں ؛

(۱۲۷)۔ مقالہ تعریف علم طب میں ؛

(۱۲۸)۔ مقالہ منطق کے نو اجزاء کے بیان میں یہ ضخیم کتاب ہے ؛

(۱۲۹)۔ مقالہ فن طب کے مبتدی کے بارہ میں ؛

(۱۳۰)۔ مقالۂ قیاس ؛

(۱۳۱)۔ کتاب در بیان قیاس یہ پچاس جزء کی کتاب ہے۔ اور بعد میں اس کے ساتھ المدخل المقولات۔ العبارۃ۔ اور البرہان کا اضافہ ہوا۔ جس کی وجہ سے یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں ہو گئی ہے ؛

(۱۳۲)۔ مقالہ ایک مسئلہ کے جواب میں سبیل سعادت پر آگاہ کرنے کے لئے ہوا تھا ؛

(۱۳۳)۔ کتاب الطبیعیات السماع سے آخر کتاب الحس والمحسوس تک اسکی تین جلدیں ہیں ؛

(۱۳۴)۔ کتاب السماع الطبیعی۔ دو جلدوں میں ؛

(۱۳۵)۔ طبیعیات ہی میں ایک اور کتاب السماع سے آخر کتاب النفس تک ؛

(۱۳۶)۔ کتاب العجیب فارابی کی آٹھ منطقی کتابوں پر حواشی ؛

(۱۳۷)۔ شرح الاشکال البرہانیۃ من ثمانیۃ ابی نصر ؛

(۱۳۸)۔ مقالہ شکل رابع کی تزئیف میں ؛

(۱۳۹)۔ مقالہ ابو علی سینا کے اس قول کی کمزوری ظاہر کرنے میں کہ شرطی قیاسات کا نتیجہ بھی شرطیہ نکلتا ہے ؛

(۱۴۰)۔ مقالہ قیاسات مختلطات کے باب میں ؛

(۱۴۱)۔ ابن سینا کے گمان کردہ شرطی قیاسات کی کمزوری کا اظہار کرنے پر ایک مقالہ ؛

حضور لاٹ صاحب پنجاب کی کونسل کے ممبر جناب آنریبل رائے بہادر پنڈت شونرائن صاحب شمیم فرماتے ہیں:۔

جناب شمس الاطباء نے تاریخ الاطباء لکھ کر ہندوستان کی پبلک کو گرویدۂ احسان بنایا ہے۔ اس میں ایشیا و یورپ کے مشاہیر الاطباء کے سوانح حیات شرح و بسط سے لکھے ہیں مشاہیر ویدوں کے حالات نہایت وضاحت سے تحریر کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کو پڑھ کر مجھے نہایت مسرت حاصل ہوئی ہے۔ پبلک کو جناب شمس الاطباء کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ جنہوں نے وسیع مطالعہ کے بعد نہایت محنت سے اس کتاب کو لکھا ہے اس کتاب میں ایک یہ بھی بڑی خوبی ہے کہ یہ تعصب سے قطعی مبرا ہے اس کا طرز بیان سلیس اور زبان شستہ ہے۔ ہم مؤلف ممدوح کو ایسی مفید تالیف پر مبارکباد دیتے ہیں اور اردو خواں پبلک سے ملتجی ہیں کہ وہ اس کتاب کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

جناب پنڈت للتا پرشاد صاحب شاستری پروفیسر سنسکرت دیال سنگھ کالج لاہور فرماتے ہیں:۔

تاریخ الاطباء مؤلفہ جناب شمس الاطباء کے مطالعہ سے زمانہ سلف کے مشاہیر اطبائے مشرق و مغرب کے بہت دلچسپ و سبق آموز حالات معلوم ہوتے ہیں سنسکرت لٹریچر کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے صاحبان کو اس کتاب کے مطالعہ سے ویدک کی تاریخ کے متعلق بہت معلومات ہو سکتی ہیں۔ اردو زبان میں آج تک اس قسم کی کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی تھی لیکن علم دوست صاحبان کو ایک ایسی کتاب کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ جناب شمس الاطباء نے اس کمی کو پورا کر کے ملک پر احسان کیا ہے۔ میں اس قابل قدر کتاب کو نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اردو خواں پبلک اور طبابت پیشہ حضرات اس کے مطالعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔

جناب گل بہار سنگھ صاحب (ایم۔اے) (ایل ایل بی) ایم۔آر۔اے۔ایس پروفیسر آف سنسکرت گورنمنٹ کالج لاہور فرماتے ہیں:۔

میں نے حضرت شمس الاطباء کی جدید تالیف تاریخ الاطباء کو پڑھا۔ اس کتاب میں از منۂ ماضیہ کے اطبائے ہند و فرنگ و یونان کے حالات نہایت تجسس و تفحص سے فراہم کر کے دلچسپ و پر لطف پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں جن سے اہل ذوق بالعموم اور حضرات اطباء بالخصوص محظوظ و مستفیض ہو سکتے ہیں۔ تاریخ الاطباء کے آخری حصے کو میں نے خاصکر نہایت شوق سے پڑھا ہے اس میں مشاہیر اطبائے ہنود کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں میرے خیال میں اردو۔ ہندی۔ انگریزی یا سنسکرت میں مشکل سے شاید اور کوئی کتاب دستیاب ہو جس میں حکمائے ہند کی سوانح حیات اس خوبی اور وضاحت سے بیان کئے گئے ہوں میری رائے میں اردو داں پبلک کے لئے یہ کتاب ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ امید ہے کہ علم دوست اصحاب و ہندو مسلمان اطباء اس مفید و جامع کتاب سے اپنے کتب خانوں کو مزین کریں گے۔

جناب سردار رام سنگھ صاحب ایڈیٹر اٹل گزٹ لاہور فرماتے ہیں:۔

تاریخ الاطباء مؤلفہ جناب شمس الاطباء کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف میں مؤلف ممدوح نے نہایت وسیع مطالعہ اور بڑی تحقیقات سے کام لیا ہے یعنی ایک عظیم الشان کتب خانہ کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد اس کتاب کو لکھا ہے۔ اس کتاب میں مشرق و مغرب کے متقدمین متاخرین مشاہیر اطباء کے صحیح و معتبر حالات نہایت خوبی کے ساتھ درج فرمائے ہیں جہاں تک ہمیں معلوم ہے اردو زبان میں آج تک کوئی ایسی دلچسپ طبی تاریخ موجود نہیں تھی اس کے دیباچہ میں تاریخ طب ایک نہایت دلچسپ مضمون ہے جس میں ہندی۔ چینی۔ بابلی مصری۔ یونانی رومی۔ اسلامی اور یورپی طب پر قابل قدر بحث فرمائی ہے۔ اور بتلایا ہے کہ ہندوستان کو آجکل طبی اتحاد ثلاثہ کی ضرورت ہے یعنی ویدک۔ یونانی اور ڈاکٹری تینوں کو باہم ملا کر ایک نیا اور مکمل نظام طب بنایا جائے آخر کتاب میں ہندی طب کے مشاہیر کی تاریخ نہایت تحقیق اور خوبی سے درج کی گئی ہے۔ ہماری رائے میں شائقین علم تاریخ کے لئے بالعموم اور طبابت پیشہ صاحبان کے لئے بالخصوص اس کتاب کا مطالعہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔

حجم کتاب قریباً نوسو (۹۰۰) صفحات لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ
قیمت بلا جلد تین روپے مجلد تین روپے آٹھ آنے

ملنے کا پتہ: طبی کتب خانہ جناب شمس الاطباء دگمٹی بازار لاہور

جناب مفتی انوار الحق صاحب ایم اے، ایچ۔ پی
ڈائرکٹر تعلیمات ریاست عالیہ بھوپال فرماتے ہیں:-

"میں نے تاریخ الاطباء کو اکثر مقامات سے دیکھا یہ کتاب جہاں تک میں جانتا ہوں اپنے موضوع کے لحاظ سے اردو زبان میں پہلی کتاب ہے۔ یوں تو اردو زبان میں علمی کتابوں کا ذخیرہ بہت ہی کم ہے اور جو ہیں بھی ان میں ایسی دلچسپ اور وسیع معلومات کی کتاب "النادر کالمعدوم" کا حکم رکھتی ہے

مجھے فی الواقع تعجب ہے کہ جناب شمس الاطباء کو ایسی جامع اور ضخیم کتاب کی تالیف میں کس قدر محنت دقت نظر اور وسعت واقفیت کی ضرورت پڑی ہوگی کیونکہ طب جیسے ضروری اور قدیم علم کے قرون اولے سے لیکر اب تک کے اطباے مشرق و مغرب کے حالات کا جمع کرنا حقیقت میں ایک آدمی کا کام معلوم نہیں ہوتا۔ بہرحال آپ نے اس کوشش بلیغ سے اردو علم ادب میں ایک بیش قیمت اضافہ کیا ہے۔ اس کتاب کے دلچسپ اور پُرلطف مضامین کے لحاظ سے مجھے امید ہے کہ اردو خواں پبلک بھی اس کی داد دیکر فاضل مؤلف کی ہمت افزائی کریگی"

جناب ضیاء الدین احمد صاحب ایم اے- ایل ایل۔ بی
ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس مقام پنچ مہل (علاقہ بمبئی) فرماتے ہیں:-

"میں نے تاریخ الاطباء کا دلچسپی سے مطالعہ کیا ہے۔ میں جناب شمس الاطباء کو اس علمی تالیف کے لئے جو بلاشک اردو طبی لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ ہے سچی مبارکباد کا مستحق سمجھتا ہوں۔ اطبائے متقدمین و متاخرین کی سوانح زندگی کے علاوہ آپ نے جوان کے اکثر ذاتی تجربات کی تفصیل و تشریح کردی ہے اس نے کتاب کو طبقۂ اطباء کے واسطے بالخصوص زیادہ کارآمد بنا دیا ہے اور جو محنت عرقریزی اس تالیف کے مواد جمع کرنے میں صرف فرمائی ہے وہ واقعی قابل تعریف ہے اور مجھے امید بلکہ یقین ہے کہ طبابت پیشہ حضرات بالخصوص اور دیگر اہل علم حضرات بالعموم اس تالیف لطیف سے پورا فائدہ اُٹھائینگے"

صادق ایجرٹن کالج بہاولپور کے سابق پرنسپل صاحب جناب عبد المجید ایم اے۔ پروفیسر آف ہسٹری گورنمنٹ کالج لاہور فرماتے ہیں:-

"میں نے تاریخ الاطباء کو ہیں کے جستہ جستہ مقامات سے مطالعہ کیا ہے۔ یہ کتاب نہایت ہی دلچسپ اور علم آموز ہے۔ قطع نظر ان محاسن کے جو کہ عام ناظرین کے لئے اس کتاب میں موجود ہیں تاریخی حیثیت سے بھی اس میں بہت سی خوبیاں ہیں چنانچہ اس ضخیم کتاب میں مشرق و مغرب کے تقریباً ۰۰۰ مشاہیر اطبائے متقدمین اور متاخرین کی سوانح حیات کو بہت خوش اسلوبی سے تحریر کیا ہے علاوہ ازیں اس کے دیباچہ میں دنیا کے مختلف ممالک کے انظمہ طبیہ کا بھی مختصر مگر نہایت دلچسپ و پُرلطف بیان ہے اور آخر کتاب میں علم ویدک اور مشاہیر ویدوں کا بیان نہایت محققانہ طریق سے لکھا ہے۔ میں اس کتاب کو نہ صرف طبی بلکہ اردو علم ادب میں ایک نہایت بیش بہا اضافہ سمجھتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ یہ کتاب ملک میں نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائیگی۔ اور تمام علم دوست اصحاب خصوصاً حضرات اطباء کے کتب خانوں کی زینت ہوگی"

جناب خواجہ دل محمد صاحب ایم اے۔ آر۔ ایس۔ اے
پروفیسر ریاضی اسلامیہ کالج لاہور فرماتے ہیں:-

"تاریخ الاطباء مؤلفہ جناب شمس الاطباء کو میں نے جستہ جستہ مقامات سے دیکھا ہے۔ اس کتاب میں مشاہیر اطبائے مشرق و مغرب کے حالات نہایت محنت سے جمع کئے گئے ہیں اور جس جانفشانی اور جس ترتیب سے کام لیا گیا ہے وہ بلاشک قابل قدر ہے۔ مشاہیر اطباء اور ڈاکٹروں اور ویدوں کے مختصر حالات زندگی اور کارنامے جاننا موجودہ اطباء کے لئے شمع منزل کا حکم رکھتا ہے۔ بالخصوص آیورویدک مشاہیر کا تذکرہ جو آخر کتاب میں درج ہے وہ واقعی نایاب اور قابل قدر ہے۔ اس کتاب کی لکھائی چھپائی کاغذ اور جلد نہایت اعلیٰ ہیں اور مجھے امید ہے کہ ملک اس کتاب کی ضرور قدر کریگا اور یہ کتاب ہندوستان کی ہر لائبریری میں بالعموم اور اطباء کے کتب خانوں میں بالخصوص ایک ضروری اور مفید اضافہ ہوگی"

حجم کتاب نو سو (۹۰۰) صفحات۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت بلا جلد تین روپے مجلد تین روپے آٹھ آنے

ملنے کا پتہ۔ طبی کتب خانہ جناب شمس الاطباء کشمیری بازار لاہور

(۱۴۱)- ایک اور مقالہ اسی بارہ میں *
(۱۴۲)- کتاب التنبیہ ... للاطباء والحکماء *
(۱۴۳)- کتاب المحاکمہ بین الحکیم والکیمیائی *
(۱۴۴)- رسالہ معاون اور ابطال کیمیا کے ذکر میں *
(۱۴۵)- مقالہ در ذکر حواس *
(۱۴۶)- ایک وصیت نامہ بنام حکماء *
(۱۴۷)- ابن ابی الاشعث کی کتاب الحیوان کا اختصار *
(۱۴۹)- اسی مصنف کی کتاب القولنج کا اختصار *
(۱۵۰)- مقالہ در بیان سرسام *
(۱۵۱)- مقالہ مرض مراق کے بارہ میں *
(۱۵۲)- مقالہ علی بن الہیثم کی تردید میں دربارۂ مکان *
(۱۵۳)- مختصر مابعد الطبیعۃ کے ذکر میں *
(۱۵۴)- مقالہ درخت کھجور کے بیان میں *
(۱۵۵)- مقالہ لغات اور ان کی کیفیت پیدائش کے بارہ میں *
(۱۵۶)- مقالہ در بیان شعر *
(۱۵۷)- مقالہ در ذکر قیاسات وضعیہ *
(۱۵۸)- مقالہ در بیان قدر *
(۱۵۹)- مقالہ در ذکر ملل *
(۱۶۰)- الجامع الکبیر منطق۔ طبیعیات۔ اور الہیات میں۔ اس کی تقریباً دس جلدیں ہیں *
(۱۶۱)- المدہش فی اخبار حیوان المتنوع۔ ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات میں۔ یہ کوئی سو جزو کی کتاب ہے اس کی تالیف دمشق میں آغاز کی ... بڑے بڑے ... میں ... حاصل کی *
(۱۶۲)- کتاب الثمانیہ منطق میں۔ یہ اوسط درجہ کی تصنیف ہے *

(۲۴۷) بقراط (حکیم)

( ) یونان کا نہایت نامور طبیب تھا۔ جو مسائل اور اصول اس نے طبیعیات کے قائم کئے تھے۔ ان کی وجہ سے وہ "پدر طب" کے نام سے ملقب ہوتا ہے۔ جائے ولادت۔ جزیرۂ قاس تھا۔ ۴۶۰ق م میں پیدا ہوا۔ اور ۳۵۷ق م میں انتقال کیا۔ اور اسقلی بیوس کے سلسلہ میں بعض اسے انیسواں اور

بعض سترھواں درجہ دیتے ہیں۔ بقراط کی ماں فرکسیتا، ہیتاریطی کی بیٹی اور اَیرقلیس کے خاندان سے تھی۔ اس طرح بقراط ماں اور باپ دونوں کی طرف سے عالی نسب اور نجیب الطرفین تھا۔

اُس نے فن طب کی تعلیم اپنے باپ ایرقلیدس اور ہیروکس سے پائی اور فلسفہ کے مسائل جارجیاس باشندہ لیونطینی اور دمقراط باشندہ ابدیرا سے سیکھے تھے۔ بقراط نے ۹۷ سال عمر پائی سترہ سال تک بچپن اور تحصیل علم میں گذرے اور اس کے بعد ۸۰ برس علم و کمال میں شہرت اور درس و تدریس کی زندگی بسر کی۔ بقراط کی علمی شہرت کا دَور اسقلی بیوس دوم کی وفات سے دو ہی سال بعد آغاز ہو گیا تھا اُس نے علم طب کی حالت پر غور کیا تو اُس کو معلوم ہوا کہ یہ فن دُنیا سے قریب قریب مٹا ہی چاہتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ بقراط سے پہلے جتنے طبیب یونان میں ہوئے تھے اُنہوں نے اس علم کو رازِ مخفی کی طرح اپنے اور اپنی اولاد اور رشتہ داروں ہی کے سینوں میں محفوظ و محدود رکھا تھا۔

حکیم جالینوس نے بقراط کی کتاب "الایمان" کی شرح میں لکھا ہے کہ اسقلی بیوس اوّل نے ۳ علاجی مدرسے تین جگہ قائم کیے تھے۔ (۱) شہر "روڈس" میں۔ (۲) شہر "قنیدس" میں۔ اور (۳) شہر "کوس" میں۔ روڈس کا مدرسہ تو یوں غارت ہو گیا کہ وہاں کے فاضل اطباء لاوارث تھے۔ اور چونکہ اولاد یا قریب ترین رشتہ داروں کے سوا غیروں کو اس علم کی تعلیم نہیں دیتے تھے لہٰذا وہاں اس فن کا چراغ بہت جلد گُل ہو گیا۔ شہر "قنیدس" میں علم طب کی تعلیم بالکل نابود تو نہیں ہوئی لیکن کچھ ایسی بے نشان ہو چکی تھی کہ گویا مٹ گئی ہے اس واسطے کہ وارثانِ علم کے ورثا تعداد میں بہت کم تھے۔ اور شہر "کوس" کی طبی تعلیم کا بھی یہی حال تھا۔ بقراط کی سکونت اسی شہر "کوس" میں تھی اور وہ دیکھتا تھا کہ وہاں معدودے چند طبیب ہیں جن کے بعد خبر نہیں کہ اس علم کا سلسلہ آگے چلے یا نہ چلے کیونکہ اُن طبیبوں کی اولاد اور اُن کے وارث بہت کم رہ گئے تھے۔ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ کوئی علمی

خاندان خواہ ایک وقت میں وہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو ضرور کسی نہ کسی دن اُس میں علم و کمال کی کمی ہو جایا کرتی ہے۔ یہی قانون قدرت اسقلی بیوس کے خاندان پر بھی نافذ ہوا۔ اور بقراط کے عہد میں اس گھرانے کے معدودے چند آدمی ہی علم طب سے ماہر رہ گئے ؛

بقراط نے یہ کیفیت دیکھ کر مناسب سمجھا کہ علم کو معدوم ہونے سے بچائے اور تمام دُنیا کے مستحق اور اہل لوگوں میں اس کی اشاعت کرے۔ اُس نے کہا "نیکی ہر ایک مستحق سے کرنا لازم ہے خواہ وہ اپنا رشتہ دار ہو یا غیر" چنانچہ اُس نے غیروں کو بھی اپنا شاگرد بنایا اور یہ جلیل القدر فن اُنہیں سکھانا شروع کیا۔ ہاں اس قدر احتیاط بھی کر لی کہ غیر شخصوں سے [illegible] معاہدہ لے لیا اور اُن پر مشروط بنایا کہ جب وہ کسی اور کو علم سکھا[illegible] سے بھی اسی طرح کا معاہدہ لکھوا لیں۔ اور اس کارروائی کا [illegible] جانے پائے ؛

بقراط سے پیشتر [illegible] بالشتیوں کو [illegible] سپرد کرتے رہے اور اسی وجہ سے یہ [illegible] مشہور تھا۔ یونان کے بادشاہ اور بڑے بڑے آدمی سب اسی [illegible] شہر [illegible] آ رہتے تھے۔ اور وہ غیروں کو اس علم کی ہوا تک نہیں لگنے دیتے تھے۔ [illegible] عام اشاعت میں ایک بڑی رکاوٹ یہ بھی تھی کہ جو اس فن کے ماہر تھے وہ اس کی تعلیم محض زبانی دیا کرتے۔ مسائل طب کو کتابوں میں مدوّن نہیں کیا گیا تھا۔ اور اگر بمجبوری کوئی بات قلمبند بھی کی تھی تو وہ ایسی عبارت میں جو بالکل پہیلی اور چیستاں تھی غیر شخص اُس کو جب ہی سمجھ سکتا کہ اُسے سمجھایا جاتا ؛

بقراط کے زمانہ تک علم طب کی یہی حالت رہی جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ مگر جب اس حکیم کا وقت آیا تو اس کا ایک اور معاصر دمقراط یونان کے شہر آبدیرا میں بھی نامور طبیب تھا۔ لیکن دمقراط کو ترک دنیا اور گوشہ نشینی کچھ ایسی پسند آئی کہ وہ تمام تعلقات سے ہاتھ جھاڑ کر اور حکومت و علمی خدمت چھوڑ کر گوشہ تنہائی میں جا بیٹھا

اب اکیلا بقراط اس علم کا نام لیوا رہ گیا تھا۔ اور اُس نے یہ دیکھا کہ اُس کے اہل خاندان فن طب میں سخت اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ بقراط کو خوف پیدا ہوا کہ مبادا اس طرح کے باہمی اختلاف رائے اور ترقی فن کی طرف سے بے توجہی برتنے کا انجام یہ نہ ہو کہ یہ علم ہی نابود ہو جائے۔ لہٰذا اُس نے اس فن کے مسائل کتابوں میں قلمبند کر دئے۔

بقراط کے دو لائق بیٹے "تاسلس" اور "ذراقن" نامی اور ایک قابل شاگرد "فولوبس" تین اچھے تلمیذ تھے جن کو علم طب پر پورا عبور حاصل تھا۔ بقراط نے ان کو بڑی محبت و توجہ سے تعلیم دی تھی۔ مگر اُسے "فولوبس" کی طرف سے یہ کھٹکا بھی پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں اسکے ذریعہ۔ اور زیادہ تر علم طب کی اُن کتابوں کے وسیلے سے جو اُس نے تالیف کی تھیں اس فن کی اشاعت عام ہو کر اسقلی بیوس کے خاندان سے باہر نہ نکل جائے اور اُس کا یہ خاندانی شرف غیروں کو بھی حاصل نہ ہو سکے جن میں بگمان غالب بعض نااہل بھی ہو سکتے تھے۔ اِس لئے بقراط نے اپنے شاگردوں سے ایک اقرار [illegible] لکھوایا جس میں ایک طبیب میں جو صفتیں ہو [illegible] اور اُن کی [illegible] درج تھیں جن کا [illegible] کا خلاصہ یہ ہے :-

[illegible] عطا کرنے والا۔ شفا کا خالق اور ہر ایک علاج [illegible] میں اُس کی قسم کھاتا ہوں۔ اور پھر اسقلی بیوس اور تمام دیوتاؤں اور دیویوں کی قسم یاد کر کے اقرار کرتا ہوں کہ میں اپنے اس عہد کو پورا کرونگا اور اس شرط کی پابندی پر ثابت قدم رہونگا۔ میں اپنے اُستاد کو جس نے علم طب کی مجھے تعلیم دی ہے بمنزلہ اپنے باپ کے مانونگا۔ اُس کی ہر طرح خدمت کرونگا۔ اپنی آمدنی میں اُس کا بھی حصہ لگاؤنگا۔ اُس کو روپیہ کی ضرورت پڑیگی تو اپنی دولت سے اُسکی ہر طرح مدد کرونگا۔ اُستاد کی اولاد کو اپنے حقیقی بھائیوں سے کم نہ سمجھونگا۔ اُن کی تعلیم و تربیت میں کوشش کرنا میرا فرض ہوگا۔ اور اُن سے کسی اُجرت کا طالب نہ ہونگا۔ اور نہ کوئی شرط اُن کے ساتھ قرار دونگا۔ میں اپنی۔ اپنے اُستاد۔ اور اُن ہم مکتب بھائیوں کی اولاد کو ایکساں اپنا شریک حال جانونگا جنھوں نے اُستاد سے

میری طرح کا اقرار کیا ہے۔ اور علوم و مسائل طب کی عزت قائم رکھنے میں استاد کی ہدایتوں پر عمل کرنے کی قسم کھائی ہے۔ مذکورہ بالا اشخاص کے سوا دوسرے لوگوں سے ہرگز کوئی ایسا سلوک نہ کرونگا جس کو کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ جہاں تک امکان میں ہوگا۔ ہر ایک تدبیر علاج میں بیماروں کی فائدہ رسانی میرا مقصد ہوگا۔ جن چیزوں سے اُن کو تکلیف و نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے اُن سے اپنے خیال میں دور رہونگا۔ مہلک دوا کسی کو نہ دونگا چاہے وہ مجھ سے مانگی ہی کیوں نہ جائے اور نہ کسی کو ایسی دوا۔ ایسے جو زہر قاتل ہو۔ عورتوں کو اس طرح کی دوا نہ دونگا جس سے اُن کا حمل ضائع ہو جائے۔ اور اپنے پیشہ اور تجویز میں سوچ سمجھ کر کام کرونگا۔ اور پاکدامنی کا خیال۔ اُس کے کپڑے مثانہ میں پتھری ہو اُس پر عمل جراحی خود نہ کرونگا بلکہ یہ کام نہ اُٹھائے کیونکہ یہ جو اپریشن میں مشاق اور تیز دست ہو۔ جس گھر میں جاؤنگا مٹاتے ہوئے ڈرتے ہی کے ارادہ سے جاؤنگا اور بہر حال ظلم و سختی گیری اور قصداً کسی ازانو بیٹھ کر آرام خیال تک اپنے دل میں نہ آنے دونگا۔ ہر کام میں میانہ روی کا پابند۔ لے۔ کیونکہ یہ ضبط بھیدوں کا راز دار۔ رہنا میرا فرض ہوگا۔ بیمار کی شرمناک حال

کرونگا۔ پس ان شرائط کا پوری طرح بجالانے والا اپنی تدبیر میں بھی اپنے زمانہ کا بے مثل معزز اور قابل تعریف رہیگا۔ اور ان کی خلاف ورزی کا انجام طبیب پورا ماہر تھا جن سے اور نگونساری ہے ۔

اس کے علاوہ بقراط کی وہ تحریر جو اُس نے علم طب کے اعزاز کی نسبت لکھی تھی حسب ذیل ہے:۔

"علم طب شریف ترین ہنر ہے لیکن اگر اس کو اختیار کرنے والے کی طبیعت نکمی ہو تو اُس کی بدنامی کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ کیونکہ سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ کوئی شخص دعوے تو کرے طبیب ہونے کا اور اُس کو آتا جاتا خاک نہ ہو۔ اور وہ طبیب کہلانے کے کسی طرح لائق نہ ہو۔ ایسے آدمی کی وہی مثال ہے کہ جیسے دل بہلاؤ قصوں میں خیالی اور فرضی آدمیوں کے نہایت اچھے حالات بیان کئے جاتے ہیں مگر وہ حقیقت

ہیں اسم بے مسمّیٰ ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح نام کے طبیب کام سے کورے ہوتے ہیں اور "بدنام کنندہ نکو نامے چند" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ جو شخص علم طب حاصل کرنا چاہے اُس کو مستقل مزاج اور نکتہ رس ہونا ضروری ہے۔ حصول علم میں گھبرائے نہیں توجہ کے ساتھ علمی مسائل کو حافظہ میں نقش کرے تاکہ اُن سے اچھے فوائد اُٹھا سکے۔ ہر

بقراط و محنت اگرچہ کارآمد چیزیں ہیں لیکن علم طب میں طبیعت کا بڑا دخل ہے۔ اچھے تلمیذ تھے و ذہن ناکارہ ہو تو اس فن کی تحصیل عبث ہے۔ طبیعت۔ تعلیم۔ اور تربیت کو سے تعلیم دی تھی۔ مثلہ کھیت زمین۔ بیج۔ اور کھیت کی خدمت۔ جتنی عمدہ زمین ہو گی ذریعہ۔ اور زیادہ تر علم طب گیا گا۔ اور جس قدر روئیدگی کی خبر گیری کی جائیگی اُسی انداز سے فن کی اشاعت عام ہو کر استقلی ہا اگر تم میری ہدایتوں کے مطابق علم طب حاصل کرکے اُس پر خاندانی شرف غیروں کو بھی [illegible] طبیب ہو گے۔ نام کے نہیں۔ علم طب ایک قابل قدر ذخیرہ تھے۔ اِس لئے بقراط۔ خزانہ ہے مگر اس شخص کے لئے جو کہ اس [illegible] توجہ اور دلی سرور کے ساتھ طبیب میں جو صفتیں ہوں ظاہر و باطن ہر حال میں اس کی واجبی خدمت ادا کرتا رہے۔ لیکن جن کی [illegible] سے بے بہرہ ہو اور بن بیٹھے طبیب۔ وہ ہمیشہ رنج والم میں مبتلا [illegible] رنج و تردد کی وجہ اُس کی علمی کمزوری اور جھگڑنے کی عادت [illegible] علاج [illegible] ملامت ہے۔

[illegible] دیوتاؤں اور دیو[illegible] کی وصیت۔ بقراط نے ایک ہدایت نامہ بھی لکھا تھا جس کا نام "تہذیب الطب" ہے اور اُس میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ طبیب کو کیسا ہونا لازم ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

"طب کا طالب علم شریف الخاندان، تیز طبیعت، اور نو عمر، ہو۔ اُس کا قد و قامت متوسط ہو۔ اعضاء کا باہمی تناسب رکھتا ہو۔ سمجھ اعلیٰ درجہ کی ہو۔ شیریں کلام اور مشورہ کے وقت صحیح رائے دینے والا ہو۔ پاک دامن۔ اور شجاع ہو۔ اور روپیہ کی دوستی سے بری رہے۔ غصہ کے وقت طبیعت قابو میں رکھ سکے۔ حد درجہ کا بزدل اور کند ذہن نہ ہو۔ طبیب کا فرض ہے کہ بیمار کی تکلیف میں اپنے تئیں

شریک بنائے۔ اُس پر مہربانی کرے۔ راز دار رہے۔ کیونکہ محبت سے بیمار اُس کو اپنے ناقابلِ اظہار حال کی اطلاع دیتے ہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ طبیب لوگوں کی سخت کلامی برداشت کر سکتا ہو۔ اس لئے کہ سوداوی مزاج کے اور وسواسی بیمار طبیبوں سے بدکلامی کر بیٹھتے ہیں اور ہم کو اُن کی باتوں کا تحمل کرنا مناسب ہے وہ باتیں درحقیقت اُن لوگوں کی زبان سے بوجہ بیماری کے نکلتی ہیں لہٰذا وہ اُن کا فعل شمار نہیں ہو سکتیں۔ طبیب کے سر پر بال ایسے ہوں کہ نہ بالکل منڈائے اور نہ بڑے بڑے پٹے رکھے۔ ایسے ہی ناخن کترانے میں نہ اتنے گہرے کٹوائے کہ زندہ گوشت بھی ساتھ کٹ جائے۔ اور نہ اس قدر بڑھائے کہ انگلیوں کے سروں سے آگے نکل جائیں۔ اُس کے کپڑے سفید و صاف اور نرم ہونے چاہئیں۔ چلنے میں جلد جلد قدم نہ اُٹھائے کیونکہ یہ طیش کی علامت ہے۔ اور نہ اس قدر آہستہ خرام ہو کہ قدم اُٹھاتے ہوئے ڈرے اس واسطے کہ یہ فتورِ نفس کی نشانی ہے۔ اگر بیمار کو دیکھنے جائے تو چار زانو بیٹھ کر آرام سے اُس کا حال دریافت کرے۔ گھبراہٹ اور پریشانی سے کام نہ لے۔ کیونکہ یہ وضع قطع اور شکل و ترتیب میری رائے میں دوسری حالتوں سے بہتر ہے۔"

بقراط علم طب کا اُستادِ یگانہ ہونے کے ساتھ ہی علم نجوم میں بھی اپنے زمانہ کا بے مثل تھا۔ وہ عناصر کائنات کا وسیع علم رکھتا تھا یعنی اُن ارکان کا پورا ماہر تھا جن سے حیوانات اور ہست و نیست ہونے والی چیزوں کے جسم ترکیب پاتے ہیں اور یہ بھی جانتا تھا کہ اُن اجسام کے وجود میں آنے اور پھر فنا ہونے کے کیا اسباب ہیں۔ سب سے پہلے ان چیزوں کی حقیقت پر بقراط ہی نے قوی دلائل کے وسیلہ سے روشنی ڈالی۔ اور اس بات کو واضح کیا کہ تمام حیوانات و نباتات میں صحت و مرض کی کیا شناخت ہے۔ اُس نے بیماریوں کی قسمیں دریافت کیں۔ اُن کے علاج کا طریقہ تجویز کیا۔ علاج میں کمال توجہ سے مصروف رہتا۔ بیماروں پر بہت عنایت کرتا۔ ہر وقت بیماروں کی فائدہ رسانی اور اُن کی دوا درمن میں انہماک رکھتا۔

بقراط۔ شفاخانہ قائم کرنے کا موجد ہے۔ اُس نے اپنے مکان کے پائیں باغ میں

ایک خاص عمارت بیماروں کے لئے الگ کر دی تھی اس مکان کا نام اُس نے "اخسندوکیں" یعنی۔ بیمارستان۔ رکھا تھا۔ کئی ایک ملازم خاص مریضوں کی خدمت و خبر گیری کے واسطے متعین تھے۔ اس امر کا انتظام اُس نے جس غرض سے کیا وہ یہ تھی کہ طبی تجربات اور شناخت امراض پر قابو پائے اور بیماری کے اسباب، علامات، کا قانون ایجاد کرکے علاج کے طریقے تجویز کرے۔ اور یہ بھی مقصود تھا کہ تیمارداری کے اصول سے واقفیت بہم پہنچے کیونکہ بیماروں کے رکھ رکھاؤ اور اُن کی خدمت میں ہر وقت اس بات کا لحاظ رکھتا تھا کہ اُنہیں کس طریقہ اور صورت سے آرام آتا ہے اور کن تدابیر سے وہ بیماریوں اور تکلیفوں سے نجات پاتے ہیں ﴿

بقراط نے مرض کے اسباب دو حصّوں میں تقسیم کئے ہیں ﴿(۱) موسم۔ آب و ہوا۔ اور مقام و جگہ کے اثرات ﴿(۲)۔ خوراک طرز معاشرت اور پیشہ۔ وہ اس بات کا بڑا قائل تھا۔ کہ انسان کے بدن پر آب و ہوا کا عجیب و غریب اثر پڑتا ہے۔ اور اس پر اُس نے اپنی معرکۃ الآرا طبّی تصنیفات میں بڑا زور دیا ہے۔ وہ کہتا ہے نہ صرف جسم ہی اثر پذیر ہوتا ہے۔ بلکہ جسم دل اور قوائے عقلیہ بھی متاثر ہوتی ہیں۔ اس کی رائے میں بدن میں چار مادے یا اخلاط ہوتی ہیں۔ خون۔ سودا۔ صفرا۔ زرد اور صفراء سیاہ مرض کی اصل انہی سے ہوتی ہے۔ جب ان کا تناسب قائم نہیں رہتا۔ تو صحت جسمانی کا نظام درہم و برہم ہو جاتا ہے اور جب یہ چاروں اپنے تناسب میں موافق ہوتی ہیں۔ تو جسم میں توانائی اور بدن کی کل کام کرنے کے قابل رہتی ہے۔ جب مرض کی حالت خاطر خواہ ہوتی ہے۔ تو خلطوں میں خاص تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اور یہ اس امر کی علامت سمجھی جاتی۔ کہ فضلہ بدن سے خارج ہو کر جسم طبعی حالت پہ رہا ہے۔ اور اسی کا اخراج ایک وقت مقررہ پر قرار دیا گیا تھا۔ وہ علاج میں بڑی احتیاط سے کام لیتا تھا۔ غذا کو سب چیزوں پر ترجیح دیتا تھا۔ وہ مرض کی علامات کے سمجھنے اور مریض کی مختلف حالتیں دیکھنے میں بڑا اُستاد تھا۔ طب نظری کی جو آج کل یورپ میں اس قدر رواج پذیر ہے۔ بنیاد بقراط ہی نے ڈالی تھی ﴿

بقراط مال و دولت اور جاہ و نعمت کی طمع میں شاہان زمانہ کی دربارداری کرنے سے نفرت ہی کرتا رہا۔ بس اپنی معمولی ضرورتوں کے قابل آمدنی پر قانع رہا۔ اور جب ایران کے ایک عالی رتبہ بادشاہ نے اپنے ملک میں وباء نمودار ہونے پر بقراط کو یونان سے بلوانا چاہا۔ اور اُس نے ایک سو توڑے اشرفیوں کے اپنے معتمد ملازم کے ہاتھوں بقراط کے لئے بھجوائے اور یہ محض نذرانہ تھا۔ اس کے علاوہ بہت کچھ انعام و جاگیر دینے کا وعدہ کیا اور یونان کے حکمران کو لکھا کہ وہ بقراط کو ایران میں بھیج دے تو سات سال تک ایرانی حکومت اُس کے ملک پر حملہ آور نہ ہوگی۔ مگر بقراط نے جانے سے انکار کیا اور اپنے بادشاہ کے اصرار کا جواب یہ دیا کہ میں علم و کمال کو مال کے عوض میں بیچنا نہیں چاہتا۔

خاص یونان کا فرمانروا "بردفس" سخت بیمار تھا اور بقراط اُس کا معالج بنا۔ مگر جب بادشاہ کی بیماری طوالت پکڑ گئی تو بقراط اُس کے علاج میں زیادہ مصروف نہ رہ سکا اور اُس کو چھوڑ کر اُن غریبوں کا علاج کرنے لگا جو دارالسلطنت میں تھے یا آس پاس کے شہروں اور بستیوں سے اُس کا نام سُن کر آتے رہتے تھے۔

بقراط نے تمام ملک یونان کا دورہ کیا اور وہاں کا ہر ایک شہر اور قریہ دیکھا۔ اس سفر سے اُس نے یہ فائدہ اُٹھایا کہ تمام یونان کا ایک جغرافیہ طبیعی لکھ ڈالا اور اُس میں ہر جگہ کی آب و ہوا کا مفصل بیان کیا۔

جالینوس نے لکھا ہے کہ بقراط میں صرف یہی بات نہ تھی کہ وہ مال و دولت کی پروا نہیں کرتا تھا بلکہ وہ متواضع اور نیک مزاج بھی تھا اور فقر و فاقہ سے تکلیف اُٹھانا بمقابلہ اس کے اچھا سمجھتا تھا کہ دولت کی لالچ میں مبتلا ہو کر فضل و کمال کو بٹا لگائے۔

اُس کا حلیہ یہ تھا۔ متوسط القامت۔ سفید رنگ۔ خوبصورت۔ آنکھیں بڑی اور چمکدار تھیں۔ ہڈیاں موٹی اور مضبوط تھیں۔ عصبی مزاج تھا۔ داڑھی اوسط درجہ کی اور سفید تھی۔ کثرت مطالعہ نے کمر میں خم ڈال دیا تھا۔ سر بڑا سا تھا۔ اکثر سر جھکائے ہوئے کچھ سوچتا رہتا۔ خاموشی پسند تھا مگر جب کوئی بات کہتا تو جچی تُلی ہوئی۔ باتیں سوچ سمجھ کر اور آہستہ کرتا اور ایک ایک بات کو کئی مرتبہ دُہراتا کہ سننے والا اچھی طرح

سمجھ لے۔ اور پھر سننے والے سے دریافت بھی کر لیا کرتا کہ سمجھے یا نہیں؟ بیٹھتا تو نیچی نگاہ رکھتا تھا۔ روزہ بہت رکھتا اور کھانا کم کھاتا۔ اُس کے ہاتھ میں ہر وقت نشتر یا سلائی موجود رہتی۔ ادق مسائل حل کرنے اور سلسلۂ اسباب و نتائج کی آخری کڑی دریافت کرنے کی عجیب و غریب قابلیت رکھتا تھا۔ بڑا ہی نیک دل۔ اور پاکباز تھا۔

حنین بن اسحق کا بیان ہے کہ بقراط کی انگشتری پر کندہ تھا "جو بیمار کسی چیز کی خواہش کرتا ہو میرے نزدیک اُس کی صحت کی بہ نسبت اُس تندرست کے بہت کچھ توقع ہے جس کا دل کسی چیز کو نہ چاہے"

بقراط مرض "فالج" میں مبتلا ہو کر فوت ہوا تھا۔

بقراط کے حکمت آمیز مقولے اور طبی اقوال بہت کچھ ہیں مگر ہم یہاں اُن میں سے چند قول منتخب کر کے درج کرتے ہیں:۔

(۱) "طب قیاس اور تجربہ کا مجموعہ ہے" (۲) "اگر انسان کی خلقت ایک ہی طبیعت سے ہوتی تو کوئی آدمی بیمار نہ ہوا کرتا کیونکہ وہاں کسی مخالف چیز کا وجود ہی نہ ہوتا جو بیماری کا سبب ہے" (۳) "پرانی عادت دوسری طبیعت ہو جاتی ہے" (۴) "جس بیماری کا سبب معلوم ہو اُس کی شفا بھی موجود ہے" (۵) "لوگوں نے بحالت تندرستی درندوں کی طرح (یعنی پیٹ بھر) غذائیں کھا کر اپنے آپ کو بیمار ڈال لیا اور جب ہم نے اُن کا علاج کیا تو اُنہیں چڑیوں کی غذا (تھوڑی خوراک) دی اور تندرست بنا دیا" (۶) "ہمارے کھانے کا مقصد زندگی کا قائم رکھنا ہے نہ یہ کہ زندگی کی غرض صرف کھائے چلے جانا" (۷) "جب تک تم بھوک سے بیتاب نہ ہو جاؤ اُس وقت تک کبھی کھانا نہ کھاؤ" (۸)۔ "شراب جسم کی رفیق ہے اور سبب نفس کا دوست" (۹) "ہرگز بے ضرورت دوا نہ کھاؤ کیونکہ اگر بلا حاجت دوا کھاؤ گے اور وہ کوئی بیماری نہ پائیگی جس پر اثر کرے تو صحت پر اثر ڈالی گی اور بیماری پیدا کریگی" (۱۰) "جو اپنے نفس کو زندہ رکھنا پسند کرے اُسے لازم ہے کہ نفس کو مارے" (۱۱) "تمام جسم کا علاج پانچ طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ سر کی بیماریوں کا غرغرہ سے۔ معدہ کا قے سے۔ بدن کی آلائشوں کا اسہال سے

اور داخلی و خارجی کھالوں کے مابین امراض کا پسینہ لانے سے۔" (۱۲) "پت کا گھر ہے پتّا اور اُس کی حکومت جگر پر رہوتی ہے۔ اور بلغم کا گھر ہے معدہ اور اُس کی حکومت سینہ میں ہے۔ سودا کی جگہ تلّی ہے اور اُس کی حکمرانی قلب پر ہوا کرتی ہے۔ اور خون کا مکان قلب ہے اور اُس کی حکمرانی سر پر رہتی ہے۔" (۱۳) "عمل علم کا خادم ہے۔ اور علم مقصد اصلی ہوتا ہے۔" (۱۴) "بیمار کا دل جن چیزوں کو چاہے اُن میں سے کوئی چیز اُس کو دے دینا بہ نسبت اس کے بہتر ہے کہ جو چیزیں وہ نہیں پسند کرتا سب اُس کے سر چپیکی جائیں۔"

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں بقراط پہلا شخص تھا جن نے فن طب کو کتابوں میں جمع اور اُس کو شہرت و عمومیت کا رتبہ عطا کیا۔ اس نے کتابوں کی تالیف میں تین ڈھنگ اختیار کئے تھے۔ (۱)۔ بطور معمّا و چیستاں۔ (۲)۔ نہایت مختصر طریقہ پر لکھنا۔ اور (۳)۔ تفصیل کے ساتھ سہل عبارت میں صاف صاف بیان کر دینا۔ بقراط کے نام سے جو کتابیں منسوب کی جاتی ہیں۔ اور اس کی تالیف و تصنیف سمجھی جاتی ہیں۔ اُن کا کل شمار ۷۲ ہے۔ ۱۵۲۵ء کو روم میں اول مرتبہ اس کی مشہور کتابوں کا لاطینی میں ترجمہ شائع ہوا تھا۔ اور دوسرے سال وینس میں یونانی اڈیشن طبع ہوا تھا۔ ان میں کی ۱۱ مشہور تر کتابیں حسب ذیل ہیں جو عرب و شام میں طبی نصاب کا کام دیتی رہیں۔

(۱)۔ کتاب الاجنۃ۔ اس میں تین مقالے ہیں۔ پہلے مقالہ میں منی کی ساخت کا بیان ہے دوسرے میں جنین کی ساخت کا ذکر۔ اور تیسرے مقالہ میں اعضاء جنین کی تکوین کا حال بیان ہوا ہے۔

(۲)۔ کتاب طبیعۃ الانسان۔ اس کے دو مقالے ہیں۔ ان میں ابدان کی طبیعتوں کا اور اس بات کا بیان ہے کہ کن چیزوں سے بدن کی ترکیب ہوئی ہے۔

(۳)۔ کتاب الاہویہ و المیاہ و البلدان۔ اس کے بھی تین مقالے ہیں۔ پہلے مقالہ میں شہروں کے مزاج کی شناخت اور شہری امراض پیدا ہونے کی کیفیت درج ہے۔ دوسرے میں پینے کے پانی کا مزاج اور سال کے موسموں کو پہنچانے کا طریقہ بتایا ہے اور اُن امراض کا بھی ذکر کیا ہے جو مقامی پانی کے اثر سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور تیسرے

مقالہ میں ان باقی ماندہ چیزوں کا بیان ہے جن کے سبب سے مقامی اور شہری امراض پیدا ہوتے ہیں خواہ وہ کسی قسم کے مرض کیوں نہ ہوں۔

(۴)۔ کتاب الفصول۔ اس میں سات مقالے ہیں۔ اس کتاب میں اُمورِ طبیہ کی اجمالی تعریف بیان ہوئی ہے تاکہ وہ طبیب کے لئے بطور قوانین کلّی کے کام دے سکے اور اُسے اعمال طب کی طرف رہنمائی کرے۔ تمام وہ مسائل جن کا ذکر بقراط نے اپنی دیگر کتابوں میں کیا ہے سب اس کتاب میں اجمالاً آ گئے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب کی فصلوں پر معمولی غور کرتے ہی سے یہ بات صاف طریقہ پر معلوم ہو جاتی ہے۔ اس کی ترتیب یوں ہے۔ کتاب تقدمۃ المعرفت کے اجمالی اور جامع اصول۔ اور ایسے ہی بہ ترتیب کتاب الاہویۃ والبلدان۔ اور کتاب الامراض الحادّہ کے قواعد کلیہ۔ اور کچھ خاص باتیں اور نکتے اُس کی کتاب ابیدیمیا (امراض واردہ) کے۔ اور چند فصلیں کتاب امراض نسوان وغیرہ دیگر کتابوں کی جو بقراط ہی کی تالیف کردہ ہیں۔

(۵)۔ کتاب "تقدمۃ المعرفت"۔ اس میں تین مقالات ہیں۔ اُن علامات کی شناخت جن کے وسیلے سے طبیب کو مختلف زمانوں ماضی وحال و مستقبل میں ہر ایک مرض کی حالتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ بقراط نے اس کی یہ تعریف کی ہے کہ جس وقت بیمار سے اُس کی بیماری کے گذشتہ حالات بیان کئے جائینگے تو طبیب پر اُس کا اعتقاد جمے گا اور وہ اُس کے احکام کی تعمیل پر بہر طرح آمادہ بنے گا۔ اس طریقہ سے معالج کو تدبیر علاج کا موقع ہاتھ آئیگا۔ اور وہ قاعدۂ فن کے بموجب مداوا کر سکیگا۔ پھر جب موجودہ حالات سے آگاہ کیا جائیگا تو اُسکے حسب حال دوائیں وغیرہ تجویز کریگا۔ اور آئندہ حالات کی معرفت طبیب میں اُن دواؤں کی تشخیص کی استعداد پیدا کر سکے گی جو مقابلۂ مرض میں کار آمد ہوں اور اِس سے قبل کہ مرض کا حملہ اُس کو مداوا کی فرصت نہ دے سکے وہ بیماری کی روک تھام پر قادر ہو جائیگا۔ اور علاج کارگر ہوگا۔

(۶)۔ کتاب الامراض الحادّہ۔ اس میں بھی تین مقالات ہیں۔ پہلے میں تدبیر غذا کا بیان اور نیز امراض میں استفراغ کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ دوسرا مقالہ سینگ۔ ٹکور فصد

اور وست آور دواؤں کی ترکیب وغیرہ کے ذکر میں ہے۔ اور تیسرے مقالہ میں شراب۔ ماء العسل۔ سکنجبین۔ سرد پانی۔ اور گرم پانی کے ذریعہ علاج کرنے کی تشریح کی گئی ہے ؎

(۷)۔ کتاب اوجاع النساء۔ (خاص زنانہ امراض کے بارہ میں) اس میں دو مقالے ہیں۔ پہلے مقالہ میں اُن بیماریوں کی تعریف کی گئی ہے جو عورتوں کو ایام کی بندش کے سبب لاحق ہوتے۔ یا بکثرت خون جاری ہونے سے پیدا ہوسکتے ہیں۔ اور پھر دوسرے مقالہ میں ایام حمل اور وضع حمل کے بعد جن بیماریوں میں عورتیں بکثرت مبتلا ہوتی ہیں اُن کا بیان کیا گیا ہے ؎

(۸)۔ کتاب الامراض الوافدۃ۔ اس کا نام "ابیدیمیا" ہے۔ اور اس کے سات مقالات ہیں۔ جن میں امراض وافدہ (وقتاً فوقتاً پیدا ہونے والی بیماریوں) کی تعریف۔ اُن کی تدبیر علاج اور اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ بیماریاں دو قسم کی ہوا کرتی ہیں۔ ایک تو صرف ایک ہی (مفرد) مرض ہوتا ہے۔ اور دوسرے مرض مُہلک جس کو "موتان" کہتے ہیں۔ اور بتایا ہے کہ طبیب کو ان میں سے ہر قسم کی بیماری کا کیونکر علاج کرنا لازم ہے۔ اور اس کتاب میں کچھ مذاکرات بھی بیان ہوئے ہیں ؎

جالینوس کا قول ہے کہ "میں اور میرے علاوہ دوسرے ان کتابوں کے شارح اس بات کو جانتے ہیں کہ کتاب "ابیدیمیا" کے چوتھے۔ پانچویں۔ اور ساتویں۔ مقالات خاص بقراط کے مؤلفہ نہیں بلکہ جعلی طور پر اُسکے جانب منسوب کر دئے گئے ہیں۔ ہاں پہلا اور تیسرا مقالہ۔ جن میں امراض وافدہ کا بیان ہے۔ اور دوسرا اور چھٹا مقالہ بقراط کے مذاکرات میں ہے۔ ان کو خواہ بقراط نے خود لکھا ہو یا اُس کے بیٹے نے بطور خود اُن باتوں کو قلمبند کر لیا ہو جو اُس نے اپنے بزرگ باپ سے بطور ذکر و تذکرہ کے سُنی تھیں اور ساتھ ہی جس غرض سے وہ باتیں کہی گئیں اُن کو بھی بیان کر دیا تھا۔ مگر چونکہ لوگوں نے اس کتاب کے مقالات چہارم۔ پنجم۔ اور ہفتم کو نظر انداز کر دیا۔ لہٰذا وہ بالکل معدوم اور ابتر ہوگئے ؎

(۹)۔ کتاب الاخلاط۔ تین مقالات پر مشتمل ہے اس کتاب سے اخلاط کی حالت

یعنی اُن کی مقدار، کیفیت۔ اور اُن کے ذریعے سے جو بیماریاں انسانی بدن کو لاحق ہوتی ہیں اُن کی شناخت کا طریقہ۔ پھر اُن کی تدبیر علاج کا اصول سمجھ میں آتا ہے ۔

(۱۰)۔ کتاب الغذاء۔ اس کے چار مقالے ہیں۔ اس کتاب سے اخلاط کے مواد یعنی غذا کی علتیں معلوم ہوتی ہیں اور اُن کے ایسے اسباب پر عبور ہوتا ہے جو بدن میں زیادتی اور نمو پیدا کرتے اور بدل ما یتحلل بنتے ہیں ۔

(۱۱)۔ کتاب قاطیطریون۔ یعنی (دکانِ طب) اس میں تین مقالات ہیں۔ اور اس کتاب سے وہ طبی اعمال معلوم ہوتے ہیں جن کا تعلق اعمال بالید۔ یعنی سرجری (جراحی) سے ہے۔ مثلاً پٹی کی بندش۔ ہڈیوں کا جوڑ ملانا۔ زخموں کا سینا۔ اُن میں بتی رکھنا تریڑا دینا سینگ کرنا۔ اور اسی طرح کے جملہ طبی کام اس میں درج ہیں ۔

بقول جالینوس۔ بقراط نے یہ کتاب اس غرض سے تالیف کی تھی کہ فن طب کا مبتدی سب سے پہلے اسی کو پڑھے اور اُس کا نام "مطب" رکھا یعنی وہ مکان جس میں طبیب بیٹھ کر معالجہ کرتا ہے۔ مگر میرے نزدیک بہتر یہ تھا کہ اس کتاب کے نام کا ترجمہ یوں کیا جاتا "اُن چیزوں کی کتاب جن کا استعمال ایک طبیب کے مطب میں ہوتا ہے"۔

(۱۲)۔ کتاب الکسر والجبر۔ یہ تین مقالات کی کتاب فنِ طب کی شاخ اعمال بالید کے بارہ میں ہے اور اس میں فن جراحی کے تمام طبی لوازم درج ہیں ۔

اور ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں بقراط کی تصنیف سے بتائی جاتی ہیں۔ اُن میں کچھ درحقیقت اُسی کی تالیف ہیں اور بعض اُس کے جانب یونہی منسوب۔

(۱۳)۔ کتاب اوجاع العذاری۔ اس میں کنواری لڑکیوں کے امراض کا ذکر ہے ۔

(۱۴)۔ کتاب مواضع الجسد۔ جسم کے اعضاء کا بیان ۔

(۱۵)۔ کتاب القلب ۔

(۱۶)۔ کتاب نبات الاسنان۔ بچوں کے دانت نکلنے کے حال اور اُسکے علاج ہیں ۔

(۱۷)۔ کتاب العین۔ امراض چشم میں ۔

(۱۸)۔ ایک کتاب جو ییلوس کے نام لکھ کر ارسال کی تھی ۔

(۱۹)۔ کتاب در بیان نفخ ۔

(۲۰)۔ کتاب در بیان تپ محرقہ ۔

(۲۱)۔ کتاب در بیان سیلان خون ۔

(۲۲)۔ کتاب غدودوں کے ذکر میں ۔

(۲۳)۔ بادشاہ دیمتریوس کے نام ایک رسالہ۔ اس کا نام المقال الثانی مشہور ہے۔

(۲۴)۔ ایک کتاب رطوبتوں کے فوائد پر۔

(۲۵)۔ کتاب الوصایا ۔

(۲۶)۔ کتاب العہد۔ اس کا نام کتاب الایمان بھی ہے یہ دراصل ایک اقرار نامہ ہے جو بقراط اپنے شاگردوں سے لکھایا کرتا تھا تاکہ وہ اُن شرائط کی پابندی کریں جن کی پابندی ایک طبیب کو لازم ہے۔ اور اُس میں اُس نے اپنے اوپر سے وہ الزام بھی دور کیا ہے جو فن طب کی تعلیم عام بنانے کی وجہ سے اُس پر لگایا جاتا تھا ۔

(۲۷)۔ کتاب ناموس الطب ۔

(۲۸)۔ کتاب الوصیت معروف بہ ترتیب الطب اس میں طبیب کی شکل اور وضع کا بیان ہے۔

(۲۹)۔ کتاب الخلع ۔

(۳۰)۔ کتاب جراحات سر ۔

(۳۱)۔ کتاب اللحوم ۔

(۳۲)۔ کتاب علامات شناخت امراض کے بارہ میں۔ جو کہ تبدیل ہوا سے پیدا ہوتے ہیں ۔

(۳۳)۔ طبائع الحیوان۔ اس میں حیوانات کے مزاجوں کا حال بیان کیا ہے۔

(۳۴)۔ کتاب علامات القضایا۔ یہ ۲۵ قضیئے ہیں جو موت پر دلالت کرتے ہیں ۔

(۳۵)۔ کتاب علامات بحران ۔

(۳۶)۔ کتاب در بیان حبل بالائے حبل ۔

(۳۷)۔ کتاب داخلہ طب ۔

(۳۸)۔ کتاب ہفت ماہہ پیدا ہونے والے بچوں کے بیان میں ۔

(۳۹)۔ کتاب زخموں کے ذکر میں ۔

(۴۰)۔ کتاب در بیان اسابیع ۔

(۴۱)۔ کتاب در بارہ جنون ۔

(۴۲)۔ کتاب پھوڑے پھنسیوں کے بیان میں ۔

(۴۳)۔ کتاب فصد اور پچھنوں کے ذکر میں ۔

(۴۴)۔ کتاب بغل کے پھوڑے کے بیان میں ۔

(۴۵)۔ کتاب مسنونات افلاطن ۔

(۴۶)۔ کتاب در بیان بول ۔

(۴۷)۔ کتاب رنگتوں کے ذکر میں ۔

(۴۸)۔ بادشاہ الطیقن کے نام ایک کتاب حفظ صحت کے قواعد پر لکھی تھی ۔

(۴۹)۔ کتاب بیماریوں کے بیان میں ۔

(۵۰)۔ کتاب بچوں کے ذکر میں ۔

(۵۱)۔ کتاب مرض الٰہی۔ اِس میں بقول

جالینوس۔ بقراط نے اس عقیدہ کی تردید کردی ہے کہ خداوند کریم کسی مرض کا سبب ہوتا ہے ۔

(۵۲)۔ اقطیغونس۔ قیصر روما کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں یہ بیان ہے کہ سال کے مزاج کے اعتبار سے انسانوں کی تقسیم کیونکر ہوتی ہے ۔

(۵۳)۔ طب الوحی۔ یعنی الہامی طب۔ اِس کتاب میں بقراط نے وہ الہامی علاج درج کئے ہیں جو اُسکے دل میں خود بخود خطور کرتے اور تیر بہدف ثابت ہوتے تھے۔

(۵۴)۔ کتاب زمانوں کے اختلاف اور اصلاح غذا کے متعلق۔ اور بھی چند دوسری کتابیں اسی قسم کی تھیں ۔

بقراط فوت ہوا تو اُس کے ۱۴ لائق جانشین موجود تھے۔ ان میں چار اُس کے بیٹے اور پوتے اور دس دوسرے اشخاص تھے۔ کچھ اُس کے اہل خاندان اور بعض اغیار۔ بیٹوں کے نام ثاسلوس اور ذراقن تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے بیٹے کا نام بقراط تھا۔ اور وہ دونو بھی بہت لائق طبیب تھے۔ خاندان والوں اور دوسرے لوگوں میں سے دس باقی شاگردوں کے نام۔ لاؤن۔ ماسرجس۔ میغانوس۔ فویولس۔ (یہ بقراط کا لائق ترین شاگرد۔ اُس کا ہم خاندان اور جانشین بھی تھا) آملانیسوں اسطاث ساوری۔ غورس۔ سنبلقیوس۔ اور ثاثالیس ۔

بقول بعض بقراط کی ایک بیٹی "مالاتا ارسا" نامی نہایت قابلہ اور اپنے دونوں بھائیوں سے بھی فن طب اور علاج میں بڑھی ہوئی تھی ۔

(۲۴۸) بلطیان (حکیم)

مصر کا ایک نامور طبیب' مذہباً عیسائی' اور دین عیسوی کا زبردست عالم تھا۔ ملکی یعنی شاہی فرقہ سے اُس کا تعلق تھا۔ خلیفہ المنصور عباسی نے اپنی حکومت کے چوتھے سال میں بلطیان کو اسکندریہ (مصر) کا بطریرک مقرر کیا۔ وہ علاج بھی کیا کرتا تھا۔ اسی حال میں ۴۷ سال تک بسر کرتا رہا۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے عہد میں جب عبیداللہ بن مہدی مصر کا گورنر مقرر ہو کر آیا تو اُس نے ایک نہایت حسین کنیز کشتبہی مصر

کے علاقہ کی بطور ہدیہ خلیفہ کی خدمت میں ارسال کی۔ کنیزک قصر خلافت میں پہنچی تو اُسکے حسن دلفریب نے خلیفہ کو اپنا گرویدہ کر لیا۔ لیکن اتفاق سے وہ فوراً بیمار ہوئی اور ایسی سخت کہ درباری اطبّاء علاج کرتھکے کوئی دوا موثر نہ ہوسکی۔ آخر کسی نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ مصر ہی کا طبیب اس کا اچھا علاج کرسکیگا۔ خلیفہ نے عبیداللہ بن مہدی کو لکھا اور اُس نے بلطیان کو دارالخلافۃ میں ارسال کیا ٭

بلطیان مصر سے چلتے وقت ایک سخت قسم کے بسکٹ اور خشک نمکین مچھلی ساتھ لیتا آیا تھا۔ بیمار لونڈی کو یہی غذا دی گئی۔ جس کو کھا کر وہ بہت جلد تندرست ہوگئی۔ پھر تو خلیفہ بلطیان پر اس قدر مہربان ہوا کہ علاوہ بے شمار انعام دینے کے اُس کو ایک فرمان لکھ دیا کہ یعقوبی فرقہ کے عیسائی دینی پیشواؤں نے جتنے کنیسے ملکی (شاہی) مذہب والوں کے دبالئے ہیں بلطیان کو واپس دئے جائیں۔ چنانچہ بلطیان نے مصر میں آکر کئی کنیسے یعقوبیوں سے چھینے۔ مصری کنیزک کا انتظام یہ ہوا کہ برابر مصر سے بسکٹ اور سوکھی مچھلی نمکین اس کے واسطے بذریعہ ڈاک جایا کرتی اور وہ اسی غذا پر زندگی بسر کرتی رہتی تھی۔ بلطیان ۳۵۶ھ میں فوت ہوا ٭

(۲۴۹) بلمظفر بن معرف (حکیم)

بلمظفر نصر بن محمود بن المعرف۔ نہایت تیز طبع عالی دماغ۔ جفاکش، اور شائق علوم تھا۔ علوم حکمیہ میں خاص ملکہ رکھتا تھا۔ فن طب میں بھی معقول دستگاہ تھی۔ ادیب وشاعر بھی تھا۔ ابن عبان زربی کی صحبت سے فیض اُٹھایا اور مدّت تک اُس کی خدمت میں رہا۔ بلمظفر کو کیمیا سازی کا شوق بالخبط تھا۔ مہوّسوں کے دام میں اسیر رہتا اور متلاشی اکسیر۔ بہت سی کتابیں جو فن کیمیا میں تھیں خاص اپنے ہاتھ سے نقل کرکے اپنے پاس رکھی تھیں۔ دیگر علوم کی کتابیں بھی وہ اپنے ہاتھ سے وقتاً فوقتاً نقل کرتا رہتا تھا۔ کتابوں کا بہت شائق تھا اور ہزاروں کتابیں جمع کی تھیں ٭

کتابوں کا جمع کرلینا کچھ اتنا موجب تعریف نہیں جس قدر کہ اُن کا مطالعہ کرنا۔

بوالمظفرؔ میں خوبی یہی تھی کہ وہ کتابوں کا کیڑا تھا اور اُس کے عظیم الشان کتب خانہ میں کوئی کتاب ایسی نہ تھی جس پر اُس نے غور کی نظر نہ ڈال لی ہو۔ اس امر کا ثبوت یوں ملا کہ جب اُس کی وفات کے بعد اُس کا کتب خانہ دیکھا گیا تو ہر ایک کتاب پر خاص اُس کے قلم سے اُس کا نام اور جس علم میں وہ کتاب تھی اُس کے مناسب حال بعض لطائف اور علمی نکات ضرور لکھے تھے۔ پھر جا بجا نہایت مفید حواشی بھی چڑھائے گئے تھے۔ اور یہ بات ثابت کرتی تھی کہ اُس نے صرف کتابوں کو جمع ہی نہیں کیا۔ بلکہ ان سے پورا فائدہ اُٹھایا۔

بوالمظفرؔ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:-

(۱)- تعالیق فی الکیمیا۔ (۲)- کتاب علم نجوم میں۔ (۳)- مختارات طب میں۔

(۲۵۰) بلادیوس (حکیم)

یہ طبیب بقراط کے بعد اور جالینوس سے قبل ہوا ہے۔ اُس نے بقراط کی کتابوں پر مفید شرحیں لکھی تھیں۔

(۲۵۱) بناویطوس (حکیم)

اِس طبیب کا لقب "موہبۃ اللہ" تھا۔ یہ معجونات کا موجد ہے۔ بقراط سے بعد اور جالینوس سے قبل ہوا ہے۔

(۲۵۲) بندقلیس (حکیم)

یہ فیلسوف حضرت داؤد علیہ السّلام نبی کا ہمعصر تھا۔ مورخین اس کی نسبت لکھتے ہیں کہ اس نے علم حکمت کا درس حضرت لقمانؑ کی خدمت میں لیا۔ اور ملک شام میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر اپنے وطن "یونان" میں واپس آیا۔ اُس نے پیدائش دُنیا کے بارہ میں کچھ اس طرح کے خیالات ظاہر کئے جن سے معاد اور آخرت پر بظاہر اعتراض

وارد ہوتا تھا۔اس لئے اس کے بعض ہموطن اُس سے الگ ہوگئے۔ مسلمانوں کے مشہور خونخوار فرقۂ باطنیہ کا ایک گروہ اس حکیم کے فلسفہ کا بڑا ماہر تھا اور اُس کا قول ہے کہ حکیم بندقلیس کا فلسفہ بعض ایسے نکات اور رموز پر شامل ہے کہ اُن پر کسی کو بہت کم عبور ہوسکتا ہے۔ قرطبہ (اندلس) کا نامور عالم محمد بن عبداللہ بن مرہ جبلی باطنی۔ بندقلیس کے فلسفہ سے اُنس رکھتا اور اُس کا درس دینے میں خوب مشاق تھا۔ فرقۂ باطنیہ کا فلسفہ اسی بندقلیس کے فلسفہ سے ماخوذ ہے۔

بندقلیس پہلا شخص ہے جس نے یہ بات کہی کہ خدائے تعالےٰ کے تمام اسماء صفات کے معانی ہر پھر کر ایک ہی مرکز یعنی اسم ذات واجب تعالےٰ ہی کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ مثلاً خدائے پاک کو عالم جوّاد۔ اور قادر کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ اُس کی ذات بے مثال ان معانی سے ہر ایک کے ساتھ الگ الگ متاثر ہوتی ہے۔ بلکہ وہ ذات پاک حقیقی واحد ہے جو بخلاف تمام دیگر موجودات کے کسی طرح بھی کثرت کو قبول نہیں کرتی دُنیا کی تمام واحد اور مفرد چیزیں خواہ اپنے معانی کے اعتبار سے یا اپنے اجزاء اور نظائر کے لحاظ سے کثرت اور تعدد قبول کرسکتی ہیں۔ لیکن ذات باری تعالےٰ اس نقص سے بری اور منزّہ ہے۔ صفات الٰہی کے بارہ میں یہی مذہب ابوالہذیل علاّف ساکن بصرہ نے بھی اختیار کیا ہے۔

اِس فاضل کی تصانیف میں سے ہم کو صرف دو کتابیں معلوم ہوئی ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

(۱)۔ کتاب مابعد الطبیعۃ۔ | (۲)۔ کتاب المیامیر۔

(۲۵۳) بومین ولیم {BOWMAN Sir William Bowman}

"بومین" آنکھ کے متعلق جس قدر چھان بین ہوئی اور جدید انکشافات عالم وجود میں آئے، وہ سب زمانہ حال کے ماہرین کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہیں، پہلے محض موٹی موٹی اور معمولی باتیں لوگوں کو معلوم تھیں۔ آنکھ اور دماغ کے باہمی تعلقات، اُس کے امراض نیز روشنی کے منعکس ہونے وغیرہ امورات سے پچھلے ڈاکٹر بے خبر تھے۔ موجودہ قابل قدر

تحقیقات اور بیش بہا دریافتوں کا سہرا جرمن کے ڈاکٹر ہیلم ہولٹس اور ڈاکٹر ڈونڈرس کے سر ہے۔ بہرحال انگریزوں میں اُن کم و بیش معلومات کا سب سے پہلا ماہر جو امراض چشم کے متعلق گذشتہ زمانے میں پائے جاتے تھے، ڈاکٹر بومین تھا۔

ولیم بومین ۲۰ جولائی ۱۸۱۶ء کو پیدا ہوا۔ اُس کا باپ جے ایڈورز بومین نان بچ کا ساہوکار تھا۔ اُس کو ابتداء ہی میں علمی صحبتوں سے مستفیض ہونے کا موقع ملتا رہا کیونکہ اُس کا باپ بھی علم النباتات اور علم طبقات الارض کا اچھا ماہر تھا۔ اور اُس نے اپنے گھر کے پاس برطانیہ کے ہر قسم پودوں کا ایک بہت بڑا باغ لگا رکھا تھا۔ ولیم کے باپ نے اُسے برمنگھم کے ہیزل وڈ سکول میں داخل کیا جہاں بخلاف دوسری درسگاہوں کے اُس زمانے میں علم طبیعیات بھی پڑھایا جاتا تھا، وہاں اس ہونہار طالب علم نے تھوڑے ہی عرصہ میں نام پیدا کر لیا، اور اُسے علم جراحی کا شوق دامنگیر ہوا۔ اس لئے وہ ٹی۔ ٹی گرینتھ کے ساتھ چند ماہ تک اُن قصبات میں جاتا رہا، جہاں ہیضہ پھیلا ہوا تھا۔ اور فرصت کے وقت ہڈیوں اور پٹھوں کی تصاویر بنایا کرتا۔ پھر مسٹر جوزف ہاج سن فیلو رائل سوسائٹی کے اثر سے وہ برمنگھم کے جنرل ہسپتال میں داخل ہو گیا اور وہاں پانچ سال تک تعلیم پاتا رہا۔

وہ آوائل میں خوردبین کے ساتھ جسمانی ساختوں کا مطالعہ کیا کرتا۔ پھر رفتہ رفتہ علم افعال الاعضاء کے تجربے بھی کرنے لگا۔ اُس نے حیوانات پر تجربے کر کے اس علم میں مہارت پیدا کر لی۔ ۱۸۳۷ء میں ڈبلن گیا۔ جب وہاں کے طبی اسکولوں کو دیکھ بھال کر واپس آیا تو لنڈن کے "کنگس کالج" میں داخل ہو گیا۔ یہاں ڈاکٹر ٹاڈ نے جو فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) کے پروفیسر تھے اُس کی ذہانت اور قابلیت کی بہت قدر کی اور اُسے بہت جلد عجائب خانہ تشریحات کا مدرس نیز تجربات کے وسیلہ سے علم تشریح سکھلانے کا استاد مقرر کر دیا۔

۱۸۳۸ء میں ڈاکٹر بومین ہالینڈ، جرمنی اور وائینا کے عجائب خانوں نیز ہسپتالوں کی سیر کو گیا۔ اور ۱۸۴۱ء میں پیرس جا کر عرصہ تک مقیم رہا۔ اُس کی تحقیقات کے نتائج

مضامین کی صورت میں نمایاں ہوئے جو رائل سوسائٹی کے حوالے کئے گئے ان مضامین میں سے ایک اختیاری عضلات کی حرکات اور ساخت کے عنوان پر اور دوسرا زندہ جسم میں اختیاری عضلات کے انقباض کے متعلق تھا۔

۱۸۴۲ء میں گردوں کی ساخت پر اس نے ایک معرکۃ الآرا مضمون تحریر کیا جس میں گردوں کے افعال پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی، اس کے صلے میں اسے شاہی تمغہ عطا کیا گیا۔ اس سے ایک سال قبل وہ رائل سوسائٹی کا فیلو منتخب ہو چکا تھا۔ پروفیسر مائکل فاسٹر نے ۱۸۸۱ء میں بین الاقوامی میڈیکل کانفرنس کے سامنے فزیالوجی (علم افعال الاعضا) پر لیکچر دیتے ہوئے بومین کے مضمون کو نہایت اعلیٰ اور مستند قرار دیا۔ اور سب ڈاکٹروں کو اسے بغور پڑھنے کی ہدایت کی۔

چوبیس سال کی عمر میں ڈاکٹر بومین کنگس کالج لندن میں اسسٹنٹ سرجن کے عہدے پر ممتاز کیا گیا۔ اس کی قابلیت کا بہت جلد شہرہ ہو گیا۔ اور اُن تحریرات کی جن میں اس کی تحقیقات کے نتائج درج تھے، بہت قدر کی گئی۔ اس نے انسائیکلوپیڈیا میٹرو پولی ٹینا میں جراحی پر ایک عمدہ مضمون لکھا۔ پھر ٹاڈ کی قاموس میں عضلات، حرکات اور غشائے مخاطی پر کئی ضروری مضامین لکھے۔ اس کے بعد ڈاکٹر ٹاڈ کی کتاب فزیالوجیکل اناٹومی اور انسانی فزیالوجی کا ایک بڑا حصہ خود لکھا اور تصویریں تیار کیں۔ چونکہ اسے نہایت مستند اور معتبر کتاب بنانے کا ارادہ تھا، اس لئے تمام مشہور ڈاکٹروں کے تجربات اور آرار کا اضافہ کیا گیا اور حسب موقع نئے تجربات بھی بڑھائے گئے۔ اسی وجہ سے اس کی اشاعت میں بھی اس قدر تاخیر واقع ہوئی کہ وہ ۱۸۵۶ء میں تکمیل کو پہنچی۔

۱۸۴۴ء میں بومین کالج آف سرجنز کا فیلو اور ۱۸۴۶ء میں لنڈن کے شفاخانہ امراض چشم کا اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوا۔ یہاں ۱۸۴۷ء سے اس نے آنکھ کے اعمال جراحی کے متعلقہ مقالات" پر لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا، اس کے علاوہ میڈیکل ٹائمز اینڈ گزٹ میں مصنوعی پتلی بنانے کی تجویز پر ایک زبردست مضمون لکھا جس سے

جراحی چشم کے متعلق اُس کی اعلےٰ قابلیت ظاہر ہوتی ہے۔ وہ آنکھ کے متعلق خاص مہارت رکھنے کے باوجود عام جسمانی امراض کا بھی علاج کرتا رہا۔ ۱۸۴۸ء میں ڈاکٹر ٹاڈ کے ساتھ اور اُس کے بعد ڈاکٹر بیل کی معیت میں پروفیسری کے فرائض بھی انجام دیتا رہا۔ لیکن ۱۸۵۵ء میں عدیم الفرصتی کے باعث مستعفی ہو گیا، تاہم وہ کنگس کالج کے ہسپتال کا ۱۸۶۲ء تک سرجن (جراح) رہا۔

ڈاکٹر بومین چشم کی ماہیت اور امراض کا بہت بڑا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اُس کی شہرت کے عالمگیر ہونے پر ۱۸۸۴ء میں اُس کو نائٹ کا مستقل اور موروثی خطاب دیا گیا۔ یہ اُن چند ڈاکٹروں میں سے تھا جنہوں نے سب سے پہلے آلۂ چشم بین استعمال کیا تھا۔ اُس نے مس نائٹ انگیل کو سینٹ جانس نامی تعلیم گاہ نرس کے قائم کرنے میں جو امداد دی تھی اُس سے اُس کی ہمدردی خلائق کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ ولیم بومین نے صرف اس تعلیمگاہ کے قیام ہی میں مدد نہیں دی بلکہ اوّل سے آخر تک اُس میں کوشش اور کام کرتا رہا، اور علاوہ ازیں علم افعال الاعضاء کے تجربوں پر بھی پورا زور دیتا رہا۔

۱۸۶۶ء میں اُس نے برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن کے اجلاس چیسٹر میں حیوانات کے تحقیقی تجربے کرتے وقت جانوروں پر بے رحمی کرنے کا جو الزام ڈاکٹروں پر لگایا جاتا ہے اُس کی بڑے زور سے تردید کی اور بیان کیا کہ ہمارا ارادہ نیک ہے، علم طب کی ترقی کے لئے جسے بنی آدم کی جسمانی صحت سے گہرا تعلق ہے، زندہ جانوروں پر تجربے کرنا اور اُن کے اعضاء کو چیر پھاڑ کر دیکھنا لابدی امر ہے، اگر ایسا کرنے سے احتراز کیا جائے تو تشریحی معلومات میں ہرگز مفید اضافے نہیں ہو سکتے۔ اسی تقریر میں ڈاکٹر موصوف نے کہا کہ ڈاکٹری خدا کا ہاتھ ہے اور میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ آیندہ زمانے میں انسان کو اس فن شریف پر سب علوم سے زیادہ ناز ہوگا۔

(۲۵۴) بیل چارلس { BELL Sir Charles Bell } (ڈاکٹر)

سر چارلس بیل ۱۷۷۴ء میں پیدا ہوا۔ اس محقق کا نام افعال نظام عصبی میں جدید

بیرونی (دیکھو ابی ریحان)

اکتشافات کی وجہ سے شہرت دوام کا تاج حاصل کر چکا ہے۔ اُس کا والد پادری تھا اور دادا
بھی مدت العمر دینی خدمت میں مصروف رہا۔ بیل کا خاندان ایک طویل عرصہ تک گلاسکو میں
سکونت پذیر رہا۔ مگر اُس کے دادا نے گلیڈس مور میں نقل مکان کر لیا تھا۔ سر چارلس بیل
کے چار بھائی تھے اور چاروں بہت نام آور ہوئے ہیں انہیں سے رابرٹ بیل نے
"لُغات قانون اسکاچستان" کے تیار کرنے سے نام پیدا کیا۔ جان بیل مشہور ترین سرجن
اور جارج جوزف بیل ایڈنبرا میں اسکاٹ لینڈ کے قانون کا پروفیسر تھا۔ اور اُس کے
علاوہ اُس نے اسکاچستان کے قانون کی شرح میں کئی ایک کتابیں لکھی ہیں۔ یہ چاروں
لڑکے بہت چھوٹے تھے جب ان کے باپ کا ۱۷۷۹ء میں انتقال ہو گیا۔

ان کا باپ چونکہ غریب تھا اس لئے اُس کے مرنے کے بعد بچوں کے لئے کسی قسم کا
اثاثہ نہ رہا۔ اس وجہ سے اِن ہونہار مگر کم سن لڑکوں کو طرح طرح کی مالی مشکلات سے سابقہ
پڑا۔ اُنہوں نے اپنی کوشش اور قوت بازو سے تعلیم حاصل کرنا شروع کیا، جوزف اور چارلس
میں اس قدر الفت تھی کہ اس کی نظیر شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ اِن دونو بھائیوں
کی عمر میں صرف چھ سال کا فرق تھا۔ جوزف کی مکتبی تعلیم گیارہ سال کی عمر میں بند ہو گئی
تھی کیونکہ اُس کی ماں نے اُسے فرانسیسی زبان اور تصویر کشی میں ڈال دیا تھا۔ یہی وجہ
تھی کہ چارلس اور جان نے بھی اس فن میں کمال حاصل کر لیا۔ اس میں شک نہیں کہ
چارلس کچھ عرصہ تک ایڈنبرا کے ہائی سکول میں بھی پڑھتا رہا مگر وہ خود کہتا ہے کہ میری
تعلیم گھر میں ہوئی۔ اور میں نے اپنے بھائیوں کے نمونے کی تقلید کر کے کئی علوم میں
مہارت حاصل کر لی۔ چارلس ایک نہایت فرمانبردار بیٹا تھا۔ اُس کو سب سے زیادہ اپنی
ماں کو خوش رکھنے کی فکر رہتی تھی۔ ماں کے ساتھ بے حد اُنس رکھنے کی وجہ سے اُسکی
وفات پر اسے سخت قلق ہوا۔ اور اُسکے بڑے بڑے حوصلے ملیا میٹ ہو گئے۔

لڑکپن میں چارلس کے دوسرے بھائی اُس سے بہت کچھ دل لگی کیا کرتے تھے،
مگر اُنہیں اس امر کا یقین تھا کہ وہ بڑا ہو کر بہت عروج حاصل کریگا۔ کئی سال کے بعد جب
وہ بہت مشہور ہو گیا تو اُس نے اپنی ابتدائی تعلیم کی کوتاہی پر بہت افسوس کیا۔ چنانچہ

اس کمی کو پورا کرنے کی فکر میں رہنے لگا۔ آخر عمر میں فرانسیسی اور اطالوی زبانوں کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے استادوں کو ملازم رکھا اور اس طرح سے ابتدائی زندگی کی تعلیمی خامی اور نقص کو پورا کیا۔

اس نے طبی تعلیم اپنے بڑے بھائی جان بیل کی نگرانی میں حاصل کی، جو اس وقت لیکچرار طب ہونے کی حیثیت سے علمی شہرت میں روز افزوں ترقی کر رہا تھا۔ چارلس نے بہت جلد طبی تعلیم میں اس حد تک قابلیت حاصل کر لی۔ کہ اپنے بھائی کے لیکچروں میں حصہ لے سکے۔ اس وقت اس ہونہار نوجوان کی عمر ۲۱ سال تھی۔ ۱۷۹۹ء میں اس نے "طریق جراحی" کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ اس زمانے میں اس کے بھائی اور ڈاکٹر گریگوری کے درمیان بڑی سخت رقابت تھی، اس سبب اور دیگر ناموافق اسباب سے چارلس کو اپنی عقلی و ذہنی ترقی کے لئے وہاں میدان نہ ملا، اس لئے اس نے اپنے سمند کوشش کی جولانگاہ بنانے کے لئے سرزمین لنڈن کو انتخاب کیا۔ اگرچہ بظاہر لنڈن میں بھی اس کے لئے مشکلات سے سابقہ پڑنے کی توقع کی جا سکتی تھی، کیونکہ وہاں ۱۷۴۵ء کے غدر کے باعث اسکاٹ لینڈ کے لوگوں کو شبہ کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن اس کی شہرت لنڈن جانے سے پہلے ہی وہاں ہو چکی تھی اور اس شہرت کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر "تشریحات انسانی" کے نام سے ایک کتاب شائع کر چکا تھا۔ علاوہ ازیں چارلس نے خود تنہا بھی ایک کتاب "طریقہ جراحی" کے نام سے چھپائی تھی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ گویا لنڈن کے لوگ اور ڈاکٹر و طبیب اس کے نام اس کی قابلیت اور اس کی تصنیفات سے پیشتر ہی آشنا ہو چکے تھے۔

چارلس بیل نے اپنے ان اعتراضات سے لوگوں کو بہت کچھ اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، جو اس نے تشریح تصویری پر بجا طور سے کئے تھے، نیز اس نے اپنے اس عمیق علم کی وجہ سے جو اسے جسم انسانی کے متعلق حاصل تھا عوام کو اپنا بہت کچھ گرویدہ بنا لیا تھا۔ جب وہ لنڈن گیا ہے اس وقت اس کے پاس ایک کتاب "برہنہ جسم کی تشریح" کا مسودہ تیار تھا، جو اس نے کئی ایک مشہور لوگوں کو دکھا کر اپنی نسبت یہ رائے قائم کرا لی کہ وہ

ایک دِن مشہورِ زمانہ شخص ہو جائیگا۔ متواتر ناکامیوں کے باعث اُس نے ایک مرتبہ ایڈنبرا واپس چلے جانیکا ارادہ کر لیا تھا لیکن اس ارادہ کو وہ قوت سے فعل میں نہیں لایا۔ بلکہ اُس نے لندن ہی میں رہنے کے عزم کو مصمم بنالیا۔ آخر وہاں ایک "لیکچر روم" (تقریر گاہ) کھول کر تشریحات اور جراحی پر لیکچر دینے شروع کر دئے۔ اِن لیکچروں میں تقریباً ۲۰ طالب علم شریک ہوا کرتے جن میں سے صرف تین اُسے فیس دیتے تھے لیکن پیشہ طبابت کے متعلق اُس کو ۱۰ ماہ قیام کرنے کے بعد ۱۰ فروری ۱۸۰۶ء کو پہلی فیس ملی۔ اسی سال اُس نے اپنی کتاب "جسم برہنہ کی تشریح" شائع کی جو بہت کچھ مقبولیت کی نگاہوں سے دیکھی گئی۔ اور اکثر مصوروں اور نقاشوں نے اُسے اپنا نصاب قرار دیا۔

۱۸۰۷ء کے موسم خزاں میں فن جراحی کے متعلق اُس کی شہرت بہت کچھ ترقی کر گئی۔ اور کثیر التعداد مریض آنے لگے، اُسے علم جراحی کے لیکچروں میں بھی بڑی کامیابی ہوئی ۱۸۰۸ء میں ۳۷ طالب علم شریک ہونے لگے، وہ اپنے لیکچر نہایت محنت اور جانفشانی سے تیار کرتا اور اُن میں بالکل نئی اور اچھوتی باتیں ہوا کرتیں۔ جنہیں وہ بتدریج طالب علموں پر ظاہر کیا کرتا تھا۔ اُس کے تجربات سے نظام عصبی کے معلومات میں بہت سے قابل قدر اضافے ہوئے۔ اُسی زمانے میں "رائل اکیڈمی" (شاہی علمی مجلس) میں علم تشریح کے پروفیسر کی اسامی خالی ہونے والی تھی، جس کے لئے معزز اشخاص نے بیل کی سفارش کی۔ ابرنیتھی اور ریڈسن جیسے فاضل ڈاکٹر اس منصب کے حاصل کرنے سے باز رہے، اور سر ایسٹلے کوپر نے لکھا کہ اس کا مستحق بیل ہے۔ لیکن بعض وجوہات سے وہ آسامی بیل کو نہ مل سکی اور مسٹر کارلیل کو مل گئی۔ جو بعد میں سر انتھونی کارلیل کے نام سے مشہور ہوا۔ اُس زمانے میں سرجن ہسپتالوں میں بھی طلباء کو لیکچر نہیں سنائے جاتے تھے اس وجہ سے بیل کی کلاس جس کے لیکچروں میں ۳۷ طلباء شریک ہوا کرتے تھے نہایت کامیاب سمجھی جاتی تھی۔

جنوری ۱۸۰۹ء میں جب معرکہ کوانا سے زخمی سپاہی لاکر لندن کے "ہسلر ہسپتال" میں رکھے گئے تو یہ محقق جراح وہاں پہنچا اور اُس نے اُن مجروحوں کی حالتیں دیکھ کر

اُن سے بہت سی باتیں اخذ کیں۔ چنانچہ اُس کے بعد "گولی کے زخموں" پر ایک بسیط مضمون لکھ کر اپنی کتاب "فن جراحی" کا ضمیمہ بنایا۔ اس سے اُس کی شہرت اور بھی زیادہ ہوگئی۔
۱۸۱۱ء میں اُس نے شادی کی اور ۱۸۱۲ء میں اُس نے مسٹر ولسن کے مدرسۂ ادویہ میں شراکت اختیار کی اور اپنا پہلا لیکچر ایک سو طلباء کے سامنے دیا۔ یہاں جن لیکچروں کا سلسلہ چارلس نے شروع کیا اُس میں ڈاکٹر براڈی، ڈاکٹر روگٹ اور ڈاکٹر برانڈی بھی لیکچر دیا کرتے تھے۔ ۱۸۱۳ء میں اُسے "رائل کالج آف سرجنز" میں داخل کیا گیا۔ جہاں اُس نے امتحان دیا اور کامیاب رہا۔ ۱۸۱۴ء میں وہ کثرت رائے سے "مڈل سیکس ہسپتال" میں سرجن مقرر کیا گیا۔ یہاں وہ اور بھی نئے مواقع سے فائدہ اُٹھانے لگا۔ اُس کے جراحی عملوں نیز اُن لیکچروں میں جو مریضوں کے اصل حالات کے معائنہ سے وارڈ میں دیئے جاتے تھے کثیر التعداد طلباء کے علاوہ مشہور طبیب تک حاضر ہوا کرتے تھے۔
اسی ہسپتال میں روسی جنرل بیرن ڈریسن اُس وقت کے زار روس (الگزنڈر) کی سفارش سے بیل کی نگرانی اور علاج میں رکھا گیا۔ جنرل موصوف کی ران میں گولی لگی تھی مگر اس ماہر جراح کے علاج سے جلد ہی صحت ہوگئی۔ معالج کو حق الخدمت یا فیس کے طور پر ۲۰۰ پونڈ اور دو نقرئی پیالے ملے، اس کے علاوہ عالی مرتبہ مریض اور اُس کا مصاحب چارلس بیل کے پکے دوست اور سچے خیر خواہ بن گئے۔

جب لندن میں "واٹرلو" کے میدان سے حیرت انگیز اور سنسنی خیز خبریں آئیں تو بیل جان شلے کی معیت میں اُسی جوش و سرگرمی کے ساتھ زخمیوں کی مرہم پٹی کے لئے گیا جس جوش و سرگرمی نے اُسے مجروحین جنگ کوآنا کی خدمت پر مجبور کیا تھا۔ مگر اس دفعہ اُسے بہت زیادہ کام کرنا پڑا کیونکہ مجروحین کی تعداد اس قدر کثیر تھی کہ اُن کی تیمارداری سے عہدہ برا ہونا آسان کام نہ تھا۔ بیل تین روز تک متواتر صبح ۶ بجے سے شام کے ۷ بجے تک فرانسیسی مجروحین کے ضروری آپریشن کرتا رہا۔ ایک موقع پر جب اُس نے ایک زخمی کی ٹانگ کاٹی، تو ۱۳ مجروح اور تھے جن میں سے ہر ایک شدت درد کی وجہ سے یہی کہہ رہا تھا کہ "اُس کے بعد میرا عضو کاٹا جائے" اس چیر پھاڑ کی محنت اور مشقت سے

اِس جفاکش جرّاح کے ہاتھ شل اور کپڑے خون آلود ہو گئے تھے ؛

اِس محقق جرّاح اور طبیب نے ۱۸۰۱ء میں جراحی اور طبابت کا کام شروع کیا تھا لیکن اس نے نظام عصبی کے متعلق اپنے تجربات بہت دیر کے بعد شائع کئے۔ مگر اسکی وجہ یہ تھی کہ اُس نے جو رسالہ "دماغ کی نئی تشریح کے متعلق ایک خیال" کے نام سے اپنے دوستوں کی رائیں دریافت کرنے کے لئے شائع کیا تھا، اُس کو چنداں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا گیا تھا۔ اُس کے اُن خیالات کو جو اُس رسالے میں اُس نے ظاہر کئے تھے نہایت عجیب وغریب اور ناقابل اعتبار سمجھا گیا۔ اُس زمانے میں جہاں لوگوں کو یہ یقین تھا کہ دماغ خیال کا آلہ ہے وہاں اُن کو یہ خیال بھی تھا کہ وہ ایک قسم کا عصبی دقیق عرق ریڑھ کی ہڈی کے ذریعے سے خارج کرتا ہے۔ اور اعصاب کے دیگر افعال کے متعلق لوگوں کو کوئی واقفیت نہ تھی۔ حتیٰ کہ کہ جان بیل اور ایسٹلے کوپر جیسے قابل جراح بھی عصابہ (درد ابرو) کے علاج میں فیشنیل نرو (عصب چہرہ) کو قطع کرنا تاتے تھے حتیٰ کہ اس علاج سے بجائے درد رفع ہونے کے عضلات چہرہ مفلوج ہو جاتے ہیں۔ اُس زمانے میں اُن باریک باریک عصبی ریشوں کی دریافت بھی عمل میں نہ آئی تھی جن سے اعصاب مرکب ہوتے ہیں اور جو خردبین کے سوا نظر نہیں آسکتے، تجربی شہادت صرف موٹے موٹے نمایاں ریشوں تک محدود تھی، اس وجہ سے جب کسی عصب کے آر پار چیر پھاڑ کرنی پڑتی تھی تو اُس کی حس وحرکت کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچ جاتا تھا۔ سب سے پہلے بیل نے افعال حس وحرکت کی تشریح کی اور یہ امر دریافت کیا کہ یہ افعال اعصاب کے مختلف ریشوں کے ذریعے سے انجام پاتے ہیں۔ اُس نے اعصاب متعلقہ حواس کی نمایاں خاصیتیں دریافت کیں۔ مثلاً بصارت کے عصب میں کوئی چیز چبھونے سے تکلیف کا احساس نہیں ہوتا بلکہ روشنی کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ اِس بناء پر اُسے معلوم ہو گیا کہ دماغ میں اعصاب کی قوتیں علیحدہ علیحدہ واقع ہوئی ہیں۔ اور اس کا سبب دماغ کے اُس حصہ سے تعلق رکھتا ہے جو مبداء اعصاب (پٹھوں کے ابتدا کی جگہ) کہلاتا ہے ؛

اِس دریافت کی بناء پر کہ جسم کے بہت سے اعصاب میں حس و حرکت کے افعال بظاہر مشترک ہیں بیل نے یہ خیال کیا کہ یہ اعصاب بہت سے حصص کا مجموعہ ہیں۔ جو باہم مربوط ہیں۔ اس لئے اُس نے یہ بھی معلوم کرنا چاہا کہ اُن کے ارتباط کا طریقہ کیا ہے، ریڑھ کے اعصاب جن دو حصوں میں ہو کر ریڑھ کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ اُن سے اُس نے اپنا تجربہ شروع کیا۔ اور حیوانات کی چیر پھاڑ میں مصروف ہوا۔ اپنے ان تجربات میں سے اُس نے دو تجربوں کا حال یوں لکھا ہے ؛

(۱) "میں نے ایک جانور کی ریڑھ کی ہڈی کو چیر کر کھولا اور ریڑھ کے اعصاب کے پچھلے حصے میں کچھ چبھویا بلکہ اسے زخمی بھی کر دیا۔ مگر عضلات میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ پھر میں نے اُس کے اگلے حصہ کو چھوا تو عضلات فوراً متشنج ہو گئے"

(۲) "اس کے بعد میں نے ریڑھ کے مغز (حرام مغز) کے پچھلے حصے کو سوئی سے ضائع کر ڈالا مگر اُس سے عضلات میں کوئی حرکت تشنجی پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن جب اُس کے اگلے حصے کو زخمی کیا تو جانور پیچ و تاب کھانے لگ گیا۔ یعنی متشنج ہو گیا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ نخاعی اعصاب کی سامنی جڑوں میں حرکتی قوت ہے اور پچھلی جڑوں میں حسی قوت ؛

اس سادہ دریافت سے علم افعال الاعضاء میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گیا۔ بیل نے اس کے بعد اسی قسم کے اور تجربات کئے اور اُس نے نظام عصبی پر پہلا مضمون ۲۱۔ جولائی ۱۸۲۱ء کو رائل سوسائٹی میں پڑھا۔ جو بے حد پسند کیا گیا۔ اور برطانیہ کے علاوہ تمام براعظم یورپ میں اُسے نہایت انوکھا سمجھا گیا۔ نیز اس امر کو تسلیم کیا گیا کہ اُس کے لکھنے والے نے ایک نرالی اور مفید تحقیقات کی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس سے پہلے کسی علم الابدان کے ماہر نے کوئی اس سے بڑی دریافت نہیں کی ؛

اِسکے بعد چارلس بیل نے اُن گمنام امراض کے علاج کی طرف توجہ کی جن کا تعلق اعصاب کے ساتھ تھا۔ اور ہر عصب سے متعلق ان عوارض کی تقسیم و تشریح کی جو اُس کی حس و حرکت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جزوی اور مقامی تکلیفوں اور دردوں

کی بھی تشریح بتائی۔ آنکھ، زبان، عضلات تنفس کی شکایات پر نئی روشنی ڈالی۔ اور ظاہر کیا کہ نیم درد یا مقامی درد کو بھی اس حصہ کے اعصاب سے تعلق ہوا کرتا ہے +

اس فاضل محقق نے عضلات کی حس کے متعلق ایک اور دریافت کی جس کے ذریعہ سے ہم اپنے اردگرد کی چیزوں کے خواص محسوس کرتے ہیں اور جس کے وسیلہ سے ہر قسم کی مزاحمت، اور ہر کام میں جتنا زور لگتا اور اُس سے جو احساس ہوتا ہے۔ بہت کچھ دریافت کیا جاتا ہے، اسی سے بیرونی اشیاء کے متعلق ہماری رائیں متشکل اور افعال متعین ہوتے ہیں۔ نیز یہ علم کہ اس کا احساس ہمیں لمس (چھونے) سے نہیں بلکہ ایک اور ہی حس سے ہوتا ہے ہم تک صرف بیل کی کوششوں سے پہنچا ہے۔ اسی مسئلہ کے ضمن میں آنکھ کے افعال کی بھی تحقیقات ہوگئی، کیونکہ ہمارے محسوسات آنکھ کے عضلی حرکات سے ہوتے ہیں، اُس نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "ایک کمرہ میں آتے ہی ہم ایک ہی دفعہ اُس کی ساری چیزیں مثلاً آئینہ، تصاویر، میز، الماریاں اور کرسیاں، وغیرہ دیکھ لیتے ہیں۔ مگر اس سے ہمیں دھوکا ہوتا ہے، کیونکہ ہم آنکھ کی حرکات سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ ہر ایک چیز جلد جلد اور پے درپے آنکھ کے سامنے آتی ہے۔ گویا آنکھ میں چلتی پھرتی ہوئی حرکت موجود ہے، اگر ہم ایک تصویر پر نظر جمائیں تو اُس کے اندر کی سب چیزیں نظر آئینگی۔ مگر ٹکٹکی کے بندھے رہنے سے رفتہ رفتہ غائب ہوتی جائینگی۔ لیکن اگر ہم ذرا آنکھ کو اُس پر سے ہٹا کر پھر نگاہ جمائیں تو ساری کی ساری چیزیں بدستور سابق نظر آنے لگینگی +

۱۸۲۱ء میں ڈاکٹر ولسن فوت ہؤا اور ونڈمل سٹریٹ سکول کی ساری ذمہ داری اور اخراجات ڈاکٹر بیل کے سر آ پڑے۔ ۱۸۲۲ء میں وہ شاہی کالج جراحاں میں تشریح اور سرجری پڑھانے کے لئے مقرر کیا گیا۔ وہ نہایت دماغ سوزی اور محنت سے اپنے درس تیار کیا کرتا۔ اُس کے پہلے لیکچر میں اس کثرت سے لوگ آئے کہ لیکچر روم (تقریرگاہ) میں تِل دھرنے کو جگہ نہ رہی، بعد کے روزانہ لیکچروں میں بھی اس قدر ہجوم ہو جاتا تھا کہ بعض لوگوں کو باریابی ہی نصیب نہ ہوتی تھی +

۱۸۲۷ء میں لندن کے درمیان ایک نئی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی گئی۔جس کا شعبۂ طب بیل کے سپرد کیا گیا۔اُس نے افتتاحی لیکچر دیا اور چند سال تک اُس کی تکمیل و ترتیب میں جانفشانی اور محنت سے مصروف رہا۔مگر اُس کے منتظمین کا انتظام ہمارے عالی دماغ فاضل کے حسب منشاء نہ تھا۔اِس لئے وہ ۱۸۳۰ء میں اُس کالج سے علیحدہ ہو گیا۔مگر یہ علیحدگی بادل ناخواستہ مجبوراً عمل میں آئی بلکہ اس کی وجہ سے وہ غمگین اور اُداس بھی رہتا تھا۔اس اثناء میں اُس محقق طبیب نے کئی ایک قابل قدر کتابیں بھی تصنیف کیں +

۱۸۳۱ء میں شاہ ولیم چہارم کی تخت نشینی کی خوشی میں کئی ایک دوسرے مشہور سائنسدانوں کے ساتھ چارلس بیل کو بھی نائٹ کا خطاب عطا کیا گیا۔انہی ایام میں مڈل سیکس ہسپتال کے متعلق ادویہ کا ایک مکمل مدرسہ جاری کرنے کی تجویز کی گئی جس میں بیل کو علمی طور پر بہت کچھ حصہ لینا پڑتا تھا۔ابھی اس سکول کو قائم ہوئے تین ماہ گذرے تھے کہ ایڈنبرا کی ٹاؤن کونسل نے ۱۸۳۵ء میں سر چارلس بیل کو ایڈنبرا یونیورسٹی میں سرجری کا پروفیسر مقرر کر دیا۔چونکہ وہ خود لندن کے مقابلہ میں ایڈنبرا کو کئی وجوہات سے ترجیح دیتا تھا۔اِس لئے بلا تامل چلا گیا۔وہاں سے نئے نئے تجربات کے لئے جن کا وہ دل سے شائق تھا موقعہ ملنے کی امید تھی۔مگر افسوس کہ یہ امید بر نہ آئی۔جس کی وجہ یہ تھی کہ یونیورسٹی کے کام سے فرصت نہیں ملتی تھی مزید براں ایڈنبرا میں ہم پیشہ لوگوں کے حسد سے اُس کے علاج و معالجہ کی آمدنی بھی بہت کم رہی اور دوسرے پروفیسروں نے بھی سرد مہری کا سلوک کیا۔۱۸۴۲ء میں گورنمنٹ نے ایڈنبرا یونیورسٹی کے حقوق میں کانٹ چھانٹ کا ارادہ کیا۔جس سے بیل کو بڑی پریشانی ہوئی اور اُس نے جلد لندن جانے کا ارادہ کر لیا۔عین اسی وقت اُس کے پیٹ میں ایک شدید قسم کا درد لاحق ہو گیا۔مگر یہ عارضہ اُس کے روانگی کے ارادے کو ملتوی نہ کر سکا۔راستے میں سے وال کے مقام پر اُس نے قدرتی مناظر کے خاکے کھینچے، دوسرے دن اسی مقام پر وجع الفواد (درد فم معدہ) سے اُس کا انتقال ہو گیا۔اور وہیں دفن کیا گیا۔

بعد میں اُس کے دلی دوست لارڈ جیفرلی نے بطور یادگار اُس کی قبر پر ایک کتبہ لگایا۔ جس پر عبارت کندہ ہے:۔

"بیادگار سر چارلس بیل جس نے بے مثال دانش، صبر اور کامیابی کے ساتھ ہمارے فانی اجسام کی حیرت انگیز بناوٹ کے راز افشا کئے وہ اپنے بڑے بڑے اکتشافات کو اپنے لئے باعث فخر اور قابل عزت نہ سمجھتا تھا۔ لیکن چونکہ اُن کے وسیلہ سے اُس کے نیز دوسروں کے دلوں پر خداوند رحیم کی لاانتہا دانش، غیر محدود حکمت اور بے حساب رحمت کا بہت بڑا اثر ہوتا تھا۔ اس لئے اُنہیں قابل قدر ضرور خیال کرتا تھا۔ شہر ایڈنبرا کے نامی گرامی رسالہ میں سر چارلس بیل کی نسبت حسب ذیل الفاظ لکھے ہیں:۔

"مرحوم سے زیادہ عالی دماغ۔ صداقت شعار اور شریف الطبع کوئی شخص نہیں گذرا۔ وہ بلا کا ذہین تھا، اُس نے بنی نوع انسان کے لئے ایک ایسا ورثہ چھوڑا، جس سے نسلاً بعد نسل اُس کا نام یادگار رہیگا۔ اُس کی زندگی ایک زبردست سبق سکھاتی ہے، اُس کے اعلےٰ خیالات اور نفیس جذبات ہمیشہ تازہ اور شباب کی حالت میں دیکھے جاتے تھے۔ اُس نے اپنی محبت کو دنیا کی پاکیزہ اور نفیس چیزوں کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی کشاکش حیات کو دلیری اور جوانمردی سے نبھایا۔ اُس کی عقل جس قدر شہ زور اور یکتا تھی اُسی قدر اُس کا دل نرم اور ملائم تھا، وہ اپنے رفیقوں میں سب سے زیادہ ہمدرد اور سب سے زیادہ قابل عزت تھا، نیز اپنے گھر کے لوگوں اور دوستوں کی خبر گیری میں برابر سرگرمی سے کوشش کیا کرتا تھا یہی وہ باتیں تھیں جو اُسے اپنی زندگی کے مقصد یعنی صبر و تسکین سے متمتع بناتی تھیں"۔

(۲۵۵) بیل جان { BELL John Bell } (ڈاکٹر)

جان بیل جو سر چارلس بیل کا بھائی تھا ۱۷۶۳ء کو بمقام ایڈنبرا پیدا ہوا۔ اس کا باپ ولیم بیل پادری تھا۔ اس کی پیدائش سے ایک ماہ پیشتر اُس کے باپ پر ایک

ضروری آپریشن (عمل جراحی) کرنا پڑا تھا، جس کی شکرگذاری میں جان نے اپنے آپ کو طب کے لئے مخصوص کر دیا۔ چنانچہ وہ ۱۷۷۹ء میں ایک مشہور جراح الگزنڈر روڈ نامی کا شاگرد بنایا گیا۔ جس کی خدمت میں وہ پانچ سال تک تحصیل علم میں مصروف رہا، اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر بلیک کلن اور منرو ثانی کے لیکچروں میں بھی شریک ہوا کرتا تھا۔ ۱۷۸۶ء میں وہ ایڈنبرا کے "کالج جراحاں" کا فیلو بن گیا۔ منرو چیر پھاڑ کے عملی کام میں بہت اعلٰے تجربہ نہیں رکھتا تھا۔ اِس لئے جان بیل نے اُس کے طریقۂ تعلیم اور تشریح کو ناقص سمجھ کر جراحی میں اُس سے کام نہیں لیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُس وقت تشریح متعلقہ جراحی ایڈنبرا میں خاطر خواہ پڑھائی نہیں جاتی تھی۔ اور چیر پھاڑ کی طرف چنداں توجہ نہ تھی۔ آخر جان بیل نے خود اس کام کو شروع کیا۔ وہ لکھتا ہے کہ "ڈاکٹر منرو کی کلاس میں سال بھر کے اندر تین جسم بھی چیر نہیں جاتے تھے۔ ہاں اگر قتل کی وارداتیں وقوع میں آتیں تو البتہ زیادہ چیر پھاڑ کرنا پڑتی تھی۔"

اپنی تعلیم کی تحصیل اور تکمیل سے فارغ ہو کر جان بیل نے اپنے خیال اور اصول کے مطابق جراحی اور تشریح کی تعلیم دینا شروع کر دی، جس کی وجہ سے قدیم طریقہ کے ماننے والوں نے بہت جلد اُس کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔ آخر وہ ۱۷۹۰ء میں ایک خاص مکان بنوا کر اُس میں عملی کام سکھانے لگا۔ اور اپنے بالکل اچھوتے طریق سے طلباء کو پڑھاتا رہا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُس کی بہت شہرت ہو گئی۔ جوں جوں اُس کی طرز تحریر میں شستگی پیدا ہوتی گئی، اُس کی نیکنامی بڑھتی گئی۔ اُس کا طرز بیان قصہ نویسوں کا سا تھا اسی وجہ سے اُس کے ہم پیشہ لوگ "اُسے مبالغہ کرنے والا" سمجھتے تھے اگر حقیقت یہ تھی کہ وہ جس مضمون کو لیتا اُس کی تصویر کھینچ کر آنکھوں کے سامنے رکھ دیتا تھا۔

جان بیل نے اس بات پر زور دیا کہ جراحی کی بنیاد علم تشریح اور علم پیتھالوجی (علم الامراض) پر مبنی ہونی چاہیئے۔ اس پر ڈاکٹر جیمس گریگری نے اُس کی نہایت زور و شور سے مخالفت کی حتٰے کہ اُس کے خلاف ایک گمنام رسالہ شائع کیا، جس میں یونیورسٹی کے طلباء کو یہ مشورہ دیا کہ اُس کے لیکچروں میں شریک نہ ہوا کریں۔ اسی طرح

ایک اور رسالہ جو نے تھن ڈاپلکر نے اُس کی مخالفت میں شائع کیا۔ اِس کے بعد ڈاکٹر جیمس گریگری نے یہ تجویز کی کہ چند منتخب ڈاکٹر مل کر مریضوں کا آپریشن کیا کریں، اِن مختلف اقسام کی مخالفتوں سے مقصود یہ تھا کہ جان بیل کو ہسپتال سے خارج کر دیا جائے، جو ۱۸۰۰ء میں اپنے ناگوار نتیجہ کی شکل میں ظاہر ہوگیا۔ اگرچہ یہ فاضل محقق یونیورسٹی کی پروفیسری اور ہسپتال کی آسامی سے محروم ہوگیا لیکن اُس کی حد سے بڑھی ہوئی شہرت کی وجہ سے رنج کے مطب میں اُسے خاطر خواہ کامیابی ہوئی، بڑے بڑے نازک آپریشن اِس کے ہاتھ سے انجام پاتے اور سخت سے سخت امراض میں اُس سے مشورہ لیا جاتا تھا رفتہ رفتہ اُسے اول درجہ کا جراح تسلیم کیا جانے لگا۔ چنانچہ اُس کی نسبت پروفیسر "اُسٹروورس" کہتا ہے کہ "اُس میں جراحی کی طبعی اور کسبی جملہ صفات پائی جاتی تھیں وہ عقل کا پتلا، بڑا بے باک اور تشریحات کا ماہر تھا۔ زبان اور قلم دونوں میں طرار اور جراحی کے فن میں یکتا اُستاد تھا، اُس کے ہاتھ میں کمال درجہ کی صفائی تھی، وہ نہایت ذہین طباع اور جفاکش تھا۔"

بیل دیگر صفات کے علاوہ سخی اور فیاض بھی تھا، ہمیشہ حاجتمندوں کی حاجت روائی کے لئے دست سخاوت کو بڑھائے رکھتا تھا۔ ایک دفعہ اُس نے ایک متمول اور آسودہ حال زمیندار کا علاج کیا شفا ہونے پر زمیندار نے اُس کو صرف ۵۰ پونڈ بطور معاوضہ دئے۔ حالانکہ یہ معاوضہ اُس کی خدمت کے ہرگز شایان شان نہ تھا، جب وہ چک لیکر دروازہ سے باہر آیا تو اُس نے زمیندار کے خان ساماں کو یہ کہہ کر وہ چک دے دیا کہ "میرے آنے جانے کے وقت تم کو دروازہ کھولنے میں بڑی تکلیف گوارا کرنی پڑی، سو یہ تو اُس کا ادنےٰ سا معاوضہ ہے"۔ نوکر نے حیران ہوکر اپنے آقا سے یہ واقعہ بیان کیا۔ جس سے آقا نے سخت شرمندہ ہوکر بیل کے پاس ۱۵۰ پونڈ کا چک روانہ کیا۔

بیل نے عمدہ معلم اور قابل جراح ہونے کے علاوہ تشریحات اور جراحی پر قابل قدر کتب بھی لکھی ہیں۔ جنہیں اب تک برابر مفید سمجھا جاتا ہے۔ اور اُن کے وسیلہ سے اس سائنس کی ترقی میں مزید اضافہ ہوا۔ اُس کی مصنفہ کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور

"تشریح جسد انسانی ۳ جلدیں"۔ "زخموں کی ماہیت و علاج" اور "جراحی کے اصول" وغیرہ ہیں۔ اوّل الذکر کتاب کی اشاعت کے بعد شریانوں کے چیر پھاڑ میں بہت کچھ ترقی ہوئی۔ یہ اپنے رنگ کی بالکل نئی اور انوکھی تصنیف تھی، اس کی بہت اشاعت ہوئی اور جرمن زبان میں ترجمہ کی گئی ۔

۱۸۰۵ء میں بیل نے ایک طبیب کی لڑکی سے شادی کی، یہ عورت فنون لطیفہ ادبیات اور موسیقی کا مذاق بھی رکھتی تھی، اور مہمان نواز بھی تھی، چونکہ بیل کی طبیعت میں بھی خود اسی قسم کا مذاق موجود تھا، اس لئے دونوں کی زندگی بہت شاد اور پر آسائش رہی، ان دونوں نے مل کر گانے بجانے میں نام اور نقشے نیز نمونے بنانے میں کمال حاصل کر لیا۔ ۱۸۱۶ء میں بیل گھوڑے پر سے گر گیا اور کچھ عرصہ تک علیل رہ کر صحت ہو گئی ۱۸۱۷ء میں اس کی تندرستی اس قدر خراب ہو گئی کہ اُسے حصول صحت کے لئے اپنی بیوی کو ساتھ لیئے ہوئے غیر ممالک کا سفر کرنا پڑا۔ چنانچہ وہ تین سال اٹلی میں رہا جہاں اعلیٰ درجہ کے فنون لطیفہ سے اُس کو بیحد لطف حاصل ہوتا تھا۔ وہاں اُس کا مطب اُن انگریزوں میں جو اٹلی کی سیر و سیاحت کو جاتے تھے بہت مقبول تھا لیکن اُس کی اپنی صحت اٹلی میں رہ کر بھی پوری طرح درست نہ ہوئی اور آخرکار ۱۵۔ اپریل ۱۸۲۰ء کو شہر روم میں اس بے نظیر فاضل نے انتقال کیا ۔

اُس نے اٹلی میں جن جن مصنوعی اور قدرتی نظاروں کا لطف اُٹھایا تھا۔ اُن کے حالات کا مسودہ بعد وفات اُس کے کاغذات میں ملا۔ جسے اُس کے ایک دوست نے "مشاہدات اٹلی" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کر دیا۔ یہ کتاب بے حد مقبول ہوئی، اور اُس کے مطالعہ سے اس بات پر بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ وہ لٹریچر، سائنس اور مصوری میں ید طولےٰ رکھتا تھا ۔

جان بیل کا قد اوسط درجہ سے بھی کم اور شکل نہایت موہنی تھی، خط و خال نمایاں، آنکھیں چمکیلی اور جسم پھرتیلا تھا، اُس کی بیوی نے اُس کی جو صفات حوالۂ قلم کی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی قابل ذکر صفت ہے کہ وہ اپنے دوستوں پر حد سے زیادہ اعتماد رکھتا تھا ۔

(۲۵۶) بیلی (BAILLIE) (ڈاکٹر)

گذشتہ صدی اور اس صدی کے اطباء کے خیالات و آراء میں جو تغیر واقع ہو گیا ہے اُس کی سب سے زیادہ بیّن شہادت سر ہنری ہال فرڈ کی وہ تحریر ہے جو اُس نے ڈاکٹر بیلی کی سوانح عمری میں ایک مقام پر لکھی ہے، اور جس میں مریض کے بیرونی طبّی امتحان کے خلاف اُس زمانے کے لوگوں کی رائے کا اظہار کیا گیا ہے، وہ یہ ہے:-

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیلی مریض کے بیرونی حالات کو دیکھ کر اُس کے متعلق رائے قائم کر لیتا تھا، اور اس پر بڑا وثوق رکھتا تھا بلکہ وہ عام طور پر بیماریوں کو اسی طریق سے جانچا کرتا، یہ عادت اُس کے ابتدائی مطالعہ نے اُس کی طبیعت میں بے طرح راسخ کر دی تھی، اگرچہ یہ امر ممکن ہو کہ محض عطایانہ عمل نہ کرنے کی صورت میں یہ طریقہ طبّی تشخیص میں کچھ اعانت کر سکے، اور بظاہر مکمل نظر آئے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہ زیادہ حد تک قابل عمل نہیں، ممکن ہے کہ اندر ہی اندر سخت اور مہلک امراض پیدا ہو جائیں مگر ظاہری طور پر اُن کی کوئی علامت نظر نہ آئے۔ یا وہ حواس ظاہری سے محسوس ہونے کے قابل ہی نہ ہو، اس میں شک نہیں کہ صرف اس بنا پر مرض کے وجود کو مشتبہ سمجھنا کہ وہ نظر نہیں آتا یا محسوس نہیں ہوتا نہ صرف دانائی کے خلاف ہے بلکہ اکثر اوقات نہایت سنگین غلطیاں کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ اس طریقہ میں ایک بڑا نقص یہ بھی ہے کہ کسی بیماری کا انجام پہلے سے نہیں بتایا جا سکتا، جو طبیبوں کی شہرت کا اصل راز ہے، اگرچہ اس قسم کا طریقۂ تشخیص ڈاکٹر بیلی کے ہنرمند ہاتھوں میں کامیاب ہو تاہم دوسرے لوگوں کے لئے اس کی تقلید ہرگز اندیشہ سے خالی نہیں، کیونکہ یہ امر مشکل ہے کہ ہر شخص ایسی فراست اور ایسی اعلےٰ تعلیم رکھتا ہو جس کی بدولت وہ صحیح استدلال سے کسی تسلی بخش اور معقول نتیجہ تک پہنچ جائے۔"

اس کے بعد ہال فرڈ اُس ذکاوت یا ذہانت کا ذکر کرتا ہے جس سے کام لیکر ایک ہوشیار ڈاکٹر مرض کی نسبت صحیح رائے قائم کر لیتا ہے، دراصل اُس زمانے میں

بالاکثر تشخیص قیاسی اور فرضی طور پر عمل میں لائی جاتی تھی، عملی اور مدلل طریقہ کا رواج نہ تھا، ڈاکٹر بیلی اُن پہلے اشخاص میں سے ہے جنہوں نے اوّل اوّل امراض کی ماہیت کا مطالعہ اور مریض کے جسم کی دیکھ بھال کا قاعدہ رائج کیا۔

میتھو بیلی اکتوبر ۱۷۶۱ء کو قصبہ شاٹس میں پیدا ہوا۔ اُس کا باپ گلاسگو یونیورسٹی میں دینیات کا پروفیسر تھا۔ اور اُس کی ماں ولیم وجان ہنٹر کی بہن تھی۔ گلاسگو میں دو سال پڑھنے کے بعد ۱۷۷۹ء میں بَیلیَل کالج آکسفورڈ میں داخل ہوا۔ جہاں ۱۷۸۹ء میں اُس نے ایم ڈی (ڈاکٹر آف میڈیسن) کی ڈگری (سند) حاصل کی۔ ان دنوں میں اُس کا دستور تھا کہ وہ اپنی تمام تعطیلات اپنے ماموں ولیم ہنٹر کے ہاں بسر کیا کرتا تھا۔ اس وجہ سے ان دونو ماموں بھانجوں میں باپ بیٹوں کی سی الفت تھی۔ وہ اپنے ماموں کو تشریح کے متعلق تصاویر اور لیکچر وغیرہ تیار کرنے میں بہت سی مدد دیا کرتا تھا۔ اور اُس کے چیر پھاڑ کے کمرے کا مہتمم بھی یہی تھا۔ جب ۱۷۸۳ء میں اُس کے ماموں کا انتقال ہو گیا تو اُس نے کرُوک شنک کے ساتھ مل کر درس و تدریس کا سلسلہ بڑی کامیابی سے جاری رکھا۔ بیلی ۱۷۹۹ء تک لیکچر دیتا رہا۔ اُس کے ایک شاگرد کا بیان ہے کہ اُس کی طرز تقریر زیادہ فصیحانہ نہ تھی لیکن مؤثر بہت تھی۔ اور جو بات وہ کہتا ایسی جچی تلی کہتا کہ وسیع النظر آدمی کو بھی اعتراض کی گنجائش نہ رہتی۔ اُسے زبان پر بے حد عبور حاصل تھا۔ اُس کے مزاج میں خود پسندی اور خود نمائی مطلق نہ تھی بلکہ نہایت متین اور منکسر مزاج تھا۔ جب وہ اپنے ماموں کی جائداد کا وارث ہوا تو اُس نے ساری خاندانی جائیداد اپنے ماموں کے بھائی جان ہنٹر کے حوالے کر دی اور کہا کہ اصلی حق دار اس جائداد کا اسی شخص کو ہونا چاہیئے۔ بیلی کا خاص کام پیتھالوجی یعنی علم الامراض یا ماہیت امراض کے متعلق ہے۔ ۱۷۹۳ء میں اُس نے "اعضائے رئیسہ کی تشریح بحالت مرض" کے نام سے شائع کی۔ اگرچہ اُس وقت اور اس وقت کی پیتھالوجی (ماہیت امراض) میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور اُس کی تقسیم و ترتیب امراض کارآمد نہیں رہی، تاہم اُس کے مشاہدات، تجربات اور طریقہ استدلال اب تک قابل تعریف تسلیم

کیا جاتا ہے۔ اِس تصنیف کی بڑی قدر ہوئی اور ڈاکٹر بیلی کی زندگی میں پانچ دفعہ شائع ہونے کے علاوہ اس کا ترجمہ بھی یورپ کی تقریبًا تمام زبانوں میں ہوگیا۔

اِس ماہر اور قابل ڈاکٹر کی شہرت بتدریج بڑھتی گئی۔ چنانچہ ۱۷۸۷ء میں اُسے سینٹ جارج ہسپتال کا ڈاکٹر مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۷۹۰ء میں مدرسہ اطباء کا فیلو ۱۷۹۱ء اور ۱۷۹۶ء میں مردم شماری کا افسر اعلےٰ اور ۱۷۸۹ء میں رائل سوسائٹی کا فیلو منتخب کیا گیا۔ ڈاکٹر پٹکارن نے جب ۱۷۹۸ء میں مطب کرنا چھوڑ دیا تو اُس کے مریضوں کا بڑا حصہ بیلی کے ہاں منتقل ہوگیا۔ مطب کے زیادہ ترقی پذیر ہونے اور شہرت کے دوچند ہونے کی ایک اور وجہ بھی ہوئی کہ اُس نے مشہور و معروف ڈاکٹر ڈنِن کین کی بیٹی سے شادی کرلی۔ چونکہ اس ڈاکٹر کا مطب بہت بڑھا ہوا تھا اِس وجہ سے وہ اکثر مریضوں کو بیلی کے حوالے کر دیا کرتا تھا۔

۱۷۹۹ء میں وہ ہسپتال کی ملازمت سے مستعفی ہوگیا۔ اُس وقت غالبًا لندن بھر میں اُس کا مطب سب سے زیادہ فروغ پر تھا اور اُس کی سالانہ آمدنی بعض دفعہ دس ہزار پونڈ یا ڈیڑھ لاکھ روپے تک بھی پہنچ جاتی تھی۔ بادشاہ جارج سوئم کی بیماری میں اُس سے مشورہ کیا گیا۔ اور ۱۸۱۰ء میں وہ شاہی طبیب مقرر ہوا۔ اسی سال اُسے نائٹ کا موروثی خطاب بھی دیا گیا مگر اُس نے لینے سے انکار کر دیا۔ ۱۸۱۲ء میں وہ شہزادی شارلٹ کا مستقل معالج مقرر کیا گیا۔ اور شاہی خاندان کے دیگر کئی ارکین کا علاج بھی اسی سے کرایا جاتا تھا۔ وہ اپنے ہمعصروں کے ساتھ بھی اسی طرح نیک سلوک کرتا تھا، جیسے مریضوں کے ساتھ کیا کرتا۔ جس طرح وہ مریضوں کے سامنے اپنی تشخیص اور کیفیت مرض کا حال صاف صاف کہ دیتا تھا، اُسی طرح اپنے معاصر اطباء کے سامنے بھی حتی الامکان کہنے سے نہ رُکتا تھا۔ مریضوں کو تشفی دینے میں اُس کو ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ بیلی کو خود ستائی کی مذموم عادت مطلق نہ تھی۔ وہ اپنے دوستوں سے اکثر کہا کرتا تھا کہ "شاید میں علم تشریح کی واقفیت کے سبب مرض کے تشخیص کرنے میں دوسروں کی نسبت زیادہ واقف نکلوں، لیکن تشخیص

کے بعد علاج کرنے میں میں اوروں سے بہتر نہیں ہوں گا"

اِس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اُس کا دماغ جدت خیزی اور اختراع تراشی کے ناقابل تھا اُسے ایک ہی دفعہ کئی تجاویز اور نئے خیالات نہیں سوجھتے تھے جب ایک نسخہ کارگر نہ ہوتا تو اور ادویات تجویز کرنے میں قاصر رہتا۔ بلکہ بعض اوقات اُسے کچھ سمجھ نہ آتی تھی کہ اب کیا کیا جائے ‫.‬

بیلی میں اپنے ماموں جان ہنٹر کی طرح کچھ جھلاپن بھی ضرور تھا، لیکن باطناً وہ نہایت نیک شخص تھا۔ اگر کبھی کسی مریض کو کچھ سخت سُست کر بیٹھتا تو بعد میں خود ہی تاسّف کرتا اور کہتا کہ "میں نے اس شخص کا دل دُکھایا ہے اب بلا تاخیر اس سے معافی مانگنی چاہیئے"۔ بیلی کی نرم طبعی اور رقیق القلبی کے سلوک کی جو وہ اپنے مریضوں سے کیا کرتا تھا، بہت سی مثالیں ہیں۔ وہ دن رات میں سولہ گھنٹے کام کرتا تھا۔ اِس حد سے بڑھی ہوئی مشقت نے اُسے تھکا دیا تھا اس لئے اُس نے ساٹھ سال کی عمر میں اپنے پیشہ سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ اُس نے ۲۳۔ ستمبر ۱۸۲۳ء کو اپنے مکان واقعہ سرن سسٹر میں انتقال کیا اور ترکہ میں اسّی ہنڈرڈ پونڈ چھوڑے۔ اُس نے مرنے سے پہلے بہت سے روپے کے علاوہ اپنے کئی مسودات و عجائبات بالوصیت مدرسہ الطباء کے نام لکھ دئے تھے۔ اُس کی تدفین نوون ٹس بورن کے گرجا میں ہوئی، لیکن اُس کے ہم پیشہ دوستوں نے ویسٹ منسٹر ایبی میں بھی یادگار کے طور پر اُس کا خوبصورت مجسمہ نصب کرایا ‫.‬

اِس قابل فخر طبیب کے مذہبی عقائد اور بے نظیر خوبیاں ہنری ہال فرڈ نے اپنے مدرسۂ اطبّاء کے ایڈریس میں نہایت متانت اور عمدگی سے بیان کی ہیں۔ جو دیکھنے کے قابل ہیں ‫.‬

(۲۵۸) بینیٹ { BENNET John Huges Bennett } (ڈاکٹر)

جان ہیوز بینیٹ ۳۱۔ اگست ۱۸۱۲ء کو لنڈن میں پیدا ہوا۔ اِس نے طب کے کئی شعبوں میں ماہر ہونے کی وجہ سے خاص شہرت حاصل کی تھی۔ برسوں تک

ایڈنبراکی یونیورسٹی میں پڑھاتا رہا۔ اور اس نے طلباء کے دلوں میں خاص اثر پیدا کیا۔ فزیالوجی (افعال الاعضاء) پیتھالوجی (علم الامراض) بیماریوں کے معالجات، اور طلباء کو عملی طور پر بیماروں کی حالت دکھا کر پڑھانے میں وہ فرد تھا۔ اُس نے نیمونیا رذات الریہ) اور تھائی سس (سل) کے معالجہ میں بھی ترمیم کی، اور ایک نیا مرض لیوکوسائی تھیمیا (دم الابیض۔ سفید خون) کے نام سے دریافت کیا۔ جس کی خصوصیات کی بناء پر تحقیقات کرنے سے بہت سی مفید اور کارآمد باتیں معلوم ہوگئی ہیں ٭

جان بینیٹ نے شروع میں مقام اگزیٹر کے گرامر اور ایڈفرڈ کے اسکولوں میں تعلیم پائی۔ اس کی ماں اچھی پڑھی لکھی اور آزاد طبع عورت تھی، جس کی وجہ سے اس کے علمی اور صناعی مذاق میں کافی شُستگی پیدا ہوگئی۔ اُس کی ماں نے اُسے فصاحت سے تقریر کرنا سکھایا۔ جس میں اُس نے کمال حاصل کیا۔ اور براعظم یورپ کی سیاحت سے اُس کے خیالات کو اور بھی وسعت حاصل ہوئی۔ بالآخر جان کو ڈاکٹری تعلیم دلانے کا فیصلہ کر لیا گیا اور اس مقصد کے لیئے اُسے ایک ڈاکٹر کا شاگرد بنایا، کچھ عرصہ تک وہ بارتھولومیو ہسپتال لندن میں بھی پڑھتا رہا اور اس کے بعد ایڈنبرا کی یونیورسٹی میں داخل ہوگیا وہاں اُس کی بڑھتی ہوئی لیاقت و ذہانت نے اُسے بہت جلد میڈیکل سوسائٹی کی صدارت دلوادی، ۱۸۳۷ء میں جان بینیٹ کو ایم ڈی کی ڈگری ملی۔ اور سرجری کے متعلق لاجواب مضمون لکھنے کے انعام میں سُنہری تمغہ عطا ہُوا ٭

اُس کے حد سے بڑھے ہوئے علمی شوق نے یہیں پر اکتفا نہیں کی بلکہ پھر وہ پیرس میں دو سال تک تعلیم پاتا رہا۔ جہاں ڈاکٹر بڑا اعلیٰ درجہ کا نقاش اور مصوّر تھا جو ان فنون سے تشخیص الامراض میں بہت کچھ کام لیتا تھا۔ وہ جرمنی اور فرانسیسی زبانیں خوب جانتا تھا اور انگریزی کے علاوہ اُن کے مفید لٹریچر سے بھی مستفید ہوتا رہتا تھا، طاقتور ہونے کے باوجود کثرت کار اور شدّت اشتغال نے ۱۸۷۳ء میں اُس کی صحت خراب کر دی اور اُسے اکثر بخار رہنے لگا۔ آخر علالت کے باعث کام سے دستکش ہونا پڑا۔ اور ۱۸۸۰ء میں فوت ہوگیا۔ مرنے سے کچھ عرصہ پہلے اُس نے

اپنے دوست ڈاکٹر ہیجٹ کو جراثیم دق کے ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہونے کا حال لکھا تھا وہ اگرچہ بعد میں چھپوا دیا گیا، لیکن افسوس کہ مشتاق نگاہوں کو اُس کی کوئی مفصّل صورت دیکھنی نصیب نہیں ہوئی تاہم متعدی اور وبائی بخاروں کے متعلق ڈاکٹر بڈ کی تحقیقات دنیا کے لئے نہ مٹنے والی یادگاریں ہیں۔ اسی فاضل طبیب نے پیرس کی میڈیکل سوسائٹی کا سنگ بنیاد رکھا اور یہی اُس کا سب سے پہلا پریزیڈنٹ تھا، پھر وہ جرمنی میں ۲ سال تک طب کا مطالعہ کرتا رہا جس سے اِس قدر ماہر ہوگیا کہ امراض عصبی کے متعلق اُس نے ایک زبردست کتاب لکھی ۱۸۴۱ء میں وہ ایڈنبرا واپس آیا اور مچھلی کے تیل کے طبی خواص و فوائد پر ایک چھوٹی سی کتاب تصنیف کی۔ یہ دوا اگرچہ اسکاٹ لینڈ میں بھی معروف تھی مگر جرمنی میں اس کا استعمال زیادہ مروج تھا۔ اور اُسے نقرس، وجع المفاصل اور خنازیر کے لئے تجویز کیا جاتا تھا۔ تاہم اس کتاب کی اشاعت نے اُسے خاص شہرت دی، جس سال یہ کتاب شائع ہوئی ہے اُس سال ایک عطار کی دُکان پر ۶۰۰ گیلن کارڈ لور آئیل (مچھلی کا تیل) فروخت ہوا، حالانکہ اُس سے پہلے صرف ایک گیلن فروخت ہؤا کرتا تھا۔ لنڈن کے ایک اور ڈاکٹر نے اس دوا کو امراض سینہ کے لئے تجویز کیا۔ اور اس سے مریضوں نے بہت فائدہ اُٹھایا۔

۱۸۴۱ء میں ڈاکٹر بینیٹ نے ایڈنبرا میں ہسٹالوجی (علم الانسجہ) یعنی باریک جسمانی ساختوں کی تشریح پر لیکچر دیئے۔ وہ خوردبین کے وسیلہ سے تحقیقات کرکے فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) اور پیتھالوجی (علم الامراض) کے اسباق کو نہایت عام فہم اور دلچسپ بنا دیا کرتا تھا، ایک دفعہ اس محقق نے خوردبین کے استعمال کا طریقہ سکھلانے کے لئے ایک خاص جماعت کھول دی اور اپنے مکان پر طلبا کو سکھلانا شروع کردیا۔ اُس زمانے میں جسم کی باریک اور ننھی ننھی ساختوں کی دیکھ بھال کو نظر انداز کر دیا جاتا تھا، مگر بینیٹ نے سب سے پہلے اُس کی باقاعدہ تعلیم دینے میں نام پیدا کیا۔ اُس نے ۱۸۴۲ء کو ایڈنبرا میں پیتھالوجی (علم الامراض) کی مدرسی حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

اس کے بعد وہ رائل ڈسپنسری کا طبیب مقرر ہو گیا، جہاں اُسے اُن علوم کے اظہار کا خوب موقع ملا جو وہ جرمنی سے سیکھ کر آیا تھا۔ اسی سال بینیٹ نے ماہیت امراض کا اچھی طرح مطالعہ کیا اور آیندہ سال اسی پر لیکچر دینے بھی شروع کر دئے۔ اس فاضل طبیب نے لندن اور ایڈنبرا کے ڈاکٹری رسالوں میں کئی ایک مضمون لکھے، جن کی عام مقبولیت کی وجہ سے ۱۸۴۸ء میں ایڈنبرا کے انسٹیٹیوشن آف میڈیسن کا وہی پروفیسر مقرر ہوا، اس عہدہ پر آکر اُس نے اپنی طباعی اور لیاقت کے عجیب جوہر دکھائے۔ ہر بات ہر مضمون ایسا بیان کیا ایسا لکھا کہ باید و شاید۔ ڈاکٹر بینیٹ جو کچھ کہتا اور لکھتا وہ اس قدر مدلل ہوتا کہ اُس میں آیندہ چون و چرا کی گنجائش نہ رہتی۔ وہ اکثر دوسرے ڈاکٹروں کی اُن آراء کی جو اُس کے نزدیک غلط ہوتیں صاف الفاظ میں تردید کر دیتا اس وجہ سے اُس کے معاصر اُسے ناپسند کرتے تھے۔ اگرچہ اُس کی تردید یا اختلاف کی تہ میں عداوت نہ ہوا کرتی تھی لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ کسی قدر خود پسند ضرور تھا۔ ڈاکٹر بینیٹ کے شاگرد جنہیں وہ نہایت احتیاط اور کوشش سے ہر بات ذہن نشین کراتا اور صاف طور سے مریضوں پر تجربہ کر کے بتاتا تھا اُس کے نہایت مداح رہتے تھے۔ وہ اُنہیں ہدایت کیا کرتا کہ اعتراض کرو اور بات بات پر مجھ سے جھگڑو۔ اس طریق تعلیم سے ہر ایک طالب علم کی تشفی ہو جاتی اور جو بات وہ ایک بار سمجھ لیتا، پھر کبھی نہ بھولتا۔

۱۸۴۵ء میں اُس نے عظم کبد و عظم طحال کے ایک مریض کا حال شائع کیا اور یہ اس خاص مرض کے مریض کا پہلا قلمبند کیا ہوا حال ہے، جو مرض کہ بعد میں لیُوکوسائیتھیمیا (دم الابیض) کے نام سے موسوم ہوا۔ اگرچہ ابتداءً اس زبردست محقق کو پوری ماہیت معلوم نہیں ہوئی تھی لیکن بعد میں کامل تحقیقات کے بعد اس مرض کے ہر پہلو پر روشنی ڈال کر اُس نے اپنے نام کو زندۂ جاوید بنایا۔

اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر بینیٹ کا سب سے بڑا یادگاری کام کاڈلور آئل (مچھلی کا تیل) کے سل و دق میں بطور دوا استعمال کرنے کے علاوہ وہ سعی جمیلہ

ہے جو کہ اُس نے ذات الریہ جیسے سوزشی امراض میں مُضعف (کمزور بنانے والا) طریقۂ علاج کے خلاف کی تھی۔ اس کے بعد اس فاضل محقق نے امراض جگر میں پارہ دینے، اور فصد کھول کر سوزش دور کرنے کے طریقوں کا اختلافی جہاد سے مقابلہ کیا۔ لیکن اس مبحث میں جو رسالہ اُس نے لکھا ہے وہ آخری عمر کی کوشش ہونے کی وجہ سے چنداں زور دار اور چست نہیں۔

ڈاکٹر کنڈرک نے اس کی تصنیفات کی تعداد ایک سو پانچ بتائی ہے، جن میں سب سے زیادہ ضخیم کتابیں "این انٹروڈکشن ٹو کلینیکل میڈیسن"، "لیکچرز اون کلینیکل میڈیسن" اور "کلینیکل لیکچرز آن دی پرنسپل اینڈ پریکٹس آف میڈیسن" ہیں موخر الذکر کتاب کی قبولیت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ اُس کی عین حیات میں اضلاع متحدہ امریکہ کے درمیان ۶ بار شائع ہو کر فروخت ہوگئی۔ اور فرانسیسی، ہندی، روسی وغیرہ زبانوں میں بھی اُس کے ترجمے ہوئے۔

اور ۱۸۷۱ء میں ٹیکسٹ بُک آف فزیالوجی لکھی، علیٰ ہذا القیاس سرطانی سوولیا مرض سل کی ماہیت و علاج اور مرض نیمونیا کے علاج مقوی (علاج شافی) وغیرہ کے متعلق بہت سی کتابیں تصنیف کیں، جو اُس وقت مستند مانی جاتی ہیں۔ جگر اور عام ادویہ کے متعلق اُس کی عالمانہ تحقیقات برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن کی اُن رپورٹوں میں محفوظ ہیں جو ۱۸۶۷ء سے ۱۸۷۵ء تک کے درمیانی وقت میں شائع ہوتی رہیں۔ ڈاکٹر کنڈرک جو اُس کا نائب بھی رہ چکا ہے اُس کی تحقیقات اور تشخیصات کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ وہ منطقی طبیعت کا آدمی تھا۔ اگر اُس کی بلند نظری میں کوتاہی تھی تو وہ غور پسند طبیعت کے عطا ہونے اور ہر بات کی تہ تک پہنچنے کی قابلیت رکھنے سے پوری ہوگئی۔ وہ ہر ایک امر کے نشیب و فراز سے بہت جلد واقف ہوجاتا۔ اور اپنے مقصد کو پا سکتا۔ اُس محقق ڈاکٹر کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ کسی کام میں طریقے اور قاعدے سے انحراف نہیں کرتا تھا۔ وہ ہر ایک غیر مسلم بات کو سُن کر پہلے شک کرتا پھر انتہائی غور و خوض کے بعد بشرط صحت

اُس کا قائل ہو جاتا تھا۔ اپنے ہمعصروں کے بعض مخالف خیالات پر ظریفانہ انداز سے نکتہ چینی کرنے کی لازمی قابلیت سے عاری تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس کا مطب اتنا وسیع نہ تھا جتنا کہ اُس جیسے فاضل اور قابل طبیب کا ہونا چاہئیے تھا، جو لوگ ڈاکٹر موصوف کے مزاجداں تھے، وہ اُس سے سچی محبت رکھتے تھے۔ عام میل جول میں بھی اُس کی باتیں خاص ذوق و دلچسپی کا باعث ہوتی تھیں ؛

ڈاکٹر بینٹ نے ۱۸۵۵ء میں ایڈنبرا کی یونیورسٹی میں ایک اسامی حاصل کرنے کے لئے کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس کے بعد پروفیسر ہُوا اور دس سال تک وہ نہایت چستی اور محنت سے کام کرتا رہا۔ لیکن ۱۸۶۵ء سے اُس کے گلے میں کچھ کچھ خراش اور سوزش عارض ہو گئی، پھر ذیابیطس کا عارضہ لاحق ہو گیا جس کے لئے وہ کئی دفعہ اطراف یورپ میں گیا، ۱۸۷۴ء میں اُس نے پروفیسری سے استعفا دے دیا۔ ۱۸۷۵ء میں ایڈنبرا یونیورسٹی نے اُسے ایل ایل ڈی کی ڈگری دی۔ اور اسی سال اُس کے شاگردوں نے یونیورسٹی میں نصب کرانے کے لئے اُس کا مجسمہ پیش کیا۔ کچھ ماہ بعد پتھری کے عارضہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مسٹر کاج نے اُس پر عمل جراحی کیا، مگر کچھ مفید نہ پڑا اور بالآخر پتھری ہی کے مرض میں ۲۵۔ ستمبر کو راہی عدم ہُوا ؛

(۴۵۸) پارکس PARKES Edmand Alexander Parkes (ڈاکٹر)

ایڈمنڈ الیگزنڈر پارکس، کسی دوسرے ڈاکٹر نے حفظ صحت عامہ کے لئے اِس قدر کوشش نہیں کی ہوگی، جس قدر کہ اس نیک دل ڈاکٹر نے کی ہے۔ ڈاکٹر رینلڈز نے اخبار لنسٹ مطبوعہ ۲۵۔ مارچ ۱۸۷۶ء میں اُس کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا:

"اخلاقی، عقلی اور جسمانی حسن و خوبی کے اعتبار سے میرے قیاس کے مطابق کوئی دوسرا شخص پارکس کا ہمسر نہ ہوگا۔ وہ پاکیزگی اور صفائی میں آفتاب، جرأت و بہادری میں مرد جرار اور نرم دلی میں انتہا درجہ کا رقیق القلب تھا۔ وہ انسانی

زندگی کے اسرار نہفتہ کو اُن تمام تفاصیل کے ساتھ جو علم کیمیا اور علم افعال الاعضاء سے تعلق رکھتی ہیں، ایک تیز نظر سائنس داں کی طرح آشکار کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا، اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے علم اور واقفیت کو کسی بدررو کی صفائی یا کسی مکان کی روشنی کے لیئے استعمال میں لانے کی عملی صورت نہایت خوبی کے ساتھ اختیار کرسکتا تھا۔ اُس کی زندگی نے دنیا کو بہت کچھ فائدہ پہنچایا اور اُس کی موت نے بیحد نقصان ٭

پارکس ۲۹۔مارچ ۱۸۱۹ء کو بلاکسٹم واقعہ آکسفورڈ (انگلستان) میں پیدا ہوا اُس کا باپ مسٹر ولیم پارکس ایک عالی خیال، جفاکش، مستقل مزاج اور شریفانہ چلن کا آدمی تھا، اُس کی والدہ ادبیات کی شائق اور خالہ سوانحی حالات و فسانہ نگاری میں مشہور تھی۔ابتدائً ایسی نایاب صحبت کے بہم پہنچنے سے اِس خوش نصیب بچہّ کی طبیعت میں شرافت اور زندہ دلی پیدا ہوگئی تھی ٭

سب سے پہلے اُس نے چارٹر ہاوس سکول میں تعلیم حاصل کی۔اِس کے بعد وہ یونیورسٹی کالج لندن میں طب کی تحصیل کے لئے داخل ہوا اور اپنے محقق چچا کے "دار التجارب" (تجربات کرنے کی جگہ) میں اپنے ہاتھ سے مفردات کو مرکبات کی شکل میں لاتا اور تجربے کرتا رہا۔جس سے اُس میں تحقیقات کا مادّہ پیدا ہوگیا، ۱۸۴۰ء میں لندن یونیورسٹی کے اندر جو "ایم بی" کا پہلا امتحان ہوا۔اُس نے اُس میں تشریحات، علم افعال اعضاء (فزیالوجی) اور کیمیا (کیمسٹری) کے متعلق خاص وظائف اور تمغے حاصل کیئے۔ میٹریا میڈیکا (علم الادویہ) کے لئے بھی اس عالی دماغ متعلم نے انعام حاصل کیا۔دوسرے سال آخری امتحان میں فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) کمپیرے یوانا ٹومی اور (تشریحات نسبتی) میں بہتر ثابت ہو کر پھر تمغے لئے۔اور اسی طرح ادویات میں اچھا نکل کر خاص اعزاز حاصل کیئے۔ نیز ۱۸۴۰ء میں کالج جراحاں سے سند حاصل کی ٭

زمانہ طالب علمی میں ولیم جینر اُس کا دلی دوست تھا جو بعد میں نائٹ کے لقب سے ملقب ہوا۔اُس نے پارکس کے اُس زمانے کے اوصاف یوں بیان کیئے ہیں:۔

"وہ بڑا ذہین، زندہ دل، ہردلعزیز، بے غرض اور متواضع تھا، دوسروں کی مدد کرنے میں خواہ اُسے کتنی ہی تکلیف ہوتی وہ بطیب خاطر گوارا کرتا، کام میں جفاکش تھا اور مطالعہ کے وقت کو نہایت احتیاط اور محنت سے صرف کرتا۔ بات چیت میں اخلاق کو بے حد مدنظر رکھتا۔ اور ان سب خوبیوں کی جان یہ خوبی تھی کہ اُس کا چال چلن نہایت پاکیزہ تھا"۔

۱۸۴۲ء کے آغاز میں پارکس نے فوجی ڈاکٹری کی ملازمت اختیار کرلی۔ اور مدراس میں جہاں گورہ رجمنٹ نمبر ۸۴ مقیم تھی، آگیا، پھر اسی کے ساتھ مولمین (برہما) کو بھی جانا پڑا۔ سب سے پہلے وہ اسسٹنٹ سرجنی کے عہدہ پر مامور ہوا تھا، اُس نے ہندوستان میں رہ کر کئی ایک امراض کے متعلق تحقیقات کی، جس کے نتائج کو ۱۸۴۶ء میں دو چھوٹی چھوٹی کتابوں کی شکل میں شائع کردیا، اُس کے علاوہ ایک اور کتاب پیچش اور ورم جگر کے متعلق اور دوسری ہیضہ کے باب میں جو بالخصوص مشرقی ممالک میں ظہور پذیر ہوتا ہے، فوجی ڈاکٹری سے مستعفی ہونے کے بعد انگلستان میں پہنچ کر شائع کیں۔ یہاں اُس نے اپنا ذاتی مطب کھولا، جسے ڈاکٹر ٹامسن کی کتاب "امراض جلد" کے مرتب کرنے کی وجہ سے مزید فروغ اور شہرت حاصل ہوئی۔ یہ کتاب ۱۸۵۰ء میں طبع کرائی گئی تھی۔

یہ سب کچھ اُس کے تصنیف و تالیف اور لٹریری کام کا ایک حصہ تھا، باقی وہ اس کے سوا اخبار "میڈیکل ٹائمز" میں بہت کچھ لکھتا رہا اور ۱۸۵۲ء سے لیکر ۱۸۵۵ء تک ایک اور طبی اخبار کا ایڈیٹر رہا جس کا نام "برٹش اینڈ فارن میڈیکو کراجیکل ریویو" تھا، اور اس میں شک نہیں کہ اس فاضل طبیب میں اس مشکل ترین کام کی پوری پوری صلاحیت موجود تھی۔

پارکس یونیورسٹی کالج ہسپتال کے اطبا میں یکتا ماہر تھا، اس لئے اُس کی شہرت کو اور بھی چار چاند لگ گئے تھے۔ ہمعصر طبیبوں اور طالب علموں میں اُس کی عزت اور شہرت بہت کچھ ترقی کرگئی تھی۔ اُس کے شاگردوں کو اُس کی صحبت سے بڑا فائدہ

حاصل ہوتا تھا۔ ۱۸۵۵ء میں اس نامور ڈاکٹر نے "کالج اطباء" میں گلسٹن لیکچروں کا سلسلہ بخار کی حالت کے متعلق شروع کر دیا۔ جو بے حد مفید اور علم آموز تھا۔

جنگ کریمیا کے زمانے میں جبکہ سقوطری میں ہسپتال کی اشد ضرورت تھی، گورنمنٹ نے ڈاکٹر پارکس کو وہاں ایک عظیم الشان شفاخانہ کھولنے کی غرض سے روانہ کیا۔ چنانچہ اُس نے درۂ دانیال کے دہانے کے قریب ایک بہت بڑا ہسپتال کھولا۔ جو نہایت سودمند ثابت ہوا۔ اس موقع پر اُس نے حد سے زیادہ جفاکشی اور محنت سے مریضوں کی خبرگیری کی اور اختتام جنگ پر اُس نے اِس اپنے ہسپتال کی جو رپورٹ لکھی وہ نہایت لائق داد اور قابل قدر تھی۔

جنگ سے متعلق نظم و نسق کی تحقیقات کے لئے جو شاہی کمیشن مقرر کیا گیا تھا اُس سے یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ وہاں آرمی میڈیکل سکول یعنی فوجی طبی مدرسہ قائم کیا گیا۔ اور اُس میں برطانی وزیر جنگ نے ڈاکٹر پارکس کو فوجی حفظانِ صحت کا اُستاد مقرر کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے ۱۸۶۰ء میں یونیورسٹی کالج لندن کی ملازمت ترک کر دی۔ اس کالج کے عجائب خانہ میں اُس کا ایک سنگ مرمر کا مجسمہ بھی نصب کیا گیا ہے۔

پارکس نے فوراً یہ معلوم کر لیا کہ سپاہ کی صحت کے قیام و ترقی کے متعلق جملہ مباحث کے خاطرخواہ سکھانے میں نہ صرف یہی لازم ٹھہرتا ہے کہ سپاہیانہ زندگی کے متعلق سب باتوں سے واقفیت حاصل کی جائے، بلکہ علم حفظانِ صحت کا مطالعہ اور تحقیقات بھی اس کے ساتھ ضروری ہے، جس کا اُن دنوں بہت کم رواج تھا۔ اُس نے انتہائی محنت اور عرقریزی سے تعلیم کا ایک باقاعدہ اور مفصل نظام مرتب کیا، جو اس اصول پر مبنی تھا کہ جو تعلیم طلباء کو دی جائے اُسے وہ عملی طور پر استعمال کرنا سیکھیں، جو ہوا، پانی، غذا، گرمی، سردی، لباس، مکان کی ساخت، اور پانی کے نکاس وغیرہ کے متعلق ضروری مسائل پیش کئے گئے، اُن کا حتی الامکان لیبوراٹری (کیمیاخانہ) میں مشاہدہ اور تجربہ کرایا گیا۔ اور اُن کی جداگانہ تعلیم بھی بڑی احتیاط کے ساتھ دی گئی۔

۱۸۸۷ء میں اس نامور ڈاکٹر نے اپنی کتاب "رہنمائے حفظان صحت عملیہ" کا پہلا ایڈیشن شائع کیا۔ یہ واضح اور عالمانہ تصنیف سمجھ دار اور غور و خوض کرنے والوں کے لئے بہت کچھ دلچسپی کا موجب ہوئی۔ اس کتاب کے دیباچہ میں حفظان صحت کی تعریف توضیح بھی کی گئی ہے، اور وہ یہ ہے کہ حفظان صحت، تندرستی کے محفوظ رکھنے کا علم ہے، یعنی جسم اور دل کے لئے اُس مدت تک جو قوانین زندگی کے مطابق اور اُس سے وابستہ ہے، یہ نہایت مکمل فعلیت اور قوت کے حاصل کرنے کا طریقہ ہے۔ با صاف الفاظ میں اس کا یہ مطلب ہے کہ حفظ صحت کے ذریعے سے جسم کی نشو و نما کامل طور پر ہوتی ہے، قوت جسمانی کا زوال روکا جاتا اور بدن کی تمام قوتوں اور مصروفیتوں کی حالت عمدہ بنائی جاتی ہے، اور حتی الامکان موت کا انسداد کیا جاتا ہے۔

وہ اسی دیباچہ میں آگے چلکر بیان کرتا ہے کہ "اس میں کچھ شک نہیں کہ ہم اب بھی لفظی طور پر صحت اور مرض میں سے ایک کا انتخاب کرسکتے ہیں مگر یہ انتخاب ہمیشہ صرف شخصی طور پر بھی نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ بعض اوقات ہمیں اپنے بزرگوں کے گناہوں کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑتا ہے۔ اور اسی طرح بسا اوقات زندگی کے میلان اور عادات، تہذیب کی زنجیروں اور سوشیل دستوروں کے مضر اثرات سے بھی متاثر ہوئے۔ بغیر چارہ نظر نہیں آتا۔ علاوہ ازیں ہمارے رفیق نقصان پہنچا سکتے اور ہمیں علم حفظان صحت کے فوائد سے محروم رکھ سکتے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ یہ امر بھی قابل تسلیم ہے کہ ایک حیثیت سے انسان کی قسمت کی باگ اُس کے اپنے ہاتھ میں ہے، اور وہ اپنے نیک و بد میں بخوبی تمیز کرسکتا ہے۔ جوں جوں زمانہ اسرار نظام عالم کو آشکارا کرتا جاتا ہے۔ توں توں یہ امید کرنا خلاف قیاس نہیں کہ لوگ اپنے فائدہ کی باتوں کو منتخب اور قبول کرتے جائینگے۔ مزید برآں اُس نے یہ بھی بتایا ہے کہ سرکاری طب کا اصل کیا ہونا چاہئے اور عام لوگ کس طرح اپنی جسمانی قوت کو قائم رکھ کر زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اُس کا قول ہے کہ اگر ان معاملات کو بخوبی سمجھ لیا جائے تو ذاتی نفع اور ملکی بہتری بآسانی حاصل ہو سکتی ہے۔ پھر لکھتا ہے کہ "عام طور پر لوگ اس بات کو فراموش کر دیتے ہیں"

کہ کل قوم کو اپنے ہر ایک فرد کے مناسب معالجہ کے ساتھ دلچسپی ہے اور قوم کو خود اپنے نفع کی خاطر یہ معلوم کرنے کا حق حاصل ہے کہ اس کے افراد کے باہمی تعلقات ایسے نہیں ہیں جن سے کسی طریقہ ہیں کل قوم کی بہتری میں فرق آسکے۔"

پارکس کی یہ کتاب متعدد زبانوں میں ترجمہ کی گئی اور کئی ایک ایڈیشن نکالے گئے۔ اس فاضل محقق کی انسانی ہمدردی نے جن بے شمار امور پر طبع آزمائی یا خامہ فرسائی کی ہے، اُن میں سے اس مختصر میں صرف چند ایک کا ذکر کیا گیا ہے: وہ مدت دراز تک فوج کی طبی رپورٹوں کے لئے مضامین لکھتا رہا۔ اور اس قسم کی بہت سی سرکاری تحقیقاتوں میں شامل ہوتا رہا جو امور صحت کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں، نیز اُس نے دوسرے لوگوں کی نسبت فوجی لوگوں میں تعداد اموات کی تخفیف کے لئے بہت کچھ عملی کوششیں کیں۔ اُس نے علم افعال الاعضاء کے متعلق بیشتر دقت طلب اور طویل تحقیقات کیں، مثلاً انسانی جسم پر غذا اور ورزش کا کیا اثر پڑتا ہے؟ کوچ کرنے والے سپاہیوں پر قہوہ، مارالّلحم اور شراب وغیرہ کا کیا فعل ہوتا ہے؟ نائٹروجن کے اخراج اور الکحل کا انسانی جسم پر کیا اثر ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام تحقیقات کے نتائج اُس نے لائل سوسائٹی میں پیش کئے، اگرچہ اُس کی جسمانی صحت نازک حالت میں تھی تاہم اُس نے لندن یونیورسٹی کے سینٹ کے ممبر، آرمی میڈیکل سکول کے سکرٹری اور اعلےٰ طبی مشیر کی حیثیت سے بہت سے مفید اور ضروری کام انجام دیئے۔

سر ولیم جینر نے اُس کی نسبت یہ رائے قائم کی ہے کہ "عمر کی ترقی کے ساتھ اُس کی عقل پختہ ہوتی گئی اور اُس کے کام کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، اُس کا اثر دوسرے لوگوں پر نئے اور شائد زیادہ اہم طریق سے نمایاں ہونے لگا۔ وہ تمام اخلاقی اور عقلی قوٰی کی حیثیت سے جیسا نوجوانی میں تھا، ویسا ہی بڑی عمر میں بھی رہا۔ کیونکہ وہ اپنی زندگی کی کل حالتوں میں ایک ہی طریقہ اور ایک ہی عقیدہ کا پابند دیکھا گیا، بلکہ بڑی عمر میں یہ تفاوت ہوگئی کہ اُس کا دماغ زیادہ صائب ثابت ہونے لگا۔

اُس میں واقفیت پیدا کرنے کی غیر معمولی طاقت تھی۔ حافظہ کے نہایت قوی ہونے کی وجہ سے وہ کسی بات کو فراموش نہیں کرتا تھا۔ میں موجودہ صدی کے جس قدر طبیبوں سے ملا ہوں اُن میں پارکس کو طبّی لٹریچر کا سب سے زیادہ ماہر پایا۔ وہ انتہا درجہ کا بے تعصب اور عالم بے بدل تھا۔ مطالعہ وغیرہ سے جو واقفیت وہ حاصل کرتا تھا اُسے آسانی کے ساتھ استعمال میں لا سکتا تھا۔ اور اپنے خیالات کو نہایت صفائی اور سادگی کے ساتھ ظاہر کرنے پر قدرت رکھتا تھا۔ طرز بیان کی شگفتگی کے ساتھ ساتھ بعض اوقات اُس کے کلام میں فصاحت کی چاشنی بھی پائی جاتی تھی۔ اُس میں مشاہدہ، ادراک، استدلال اور فیصلہ کی قوتیں اعلےٰ اور یکساں تھیں۔ پیرانہ سالی میں اُس کے اخلاقی خصائل اور بے غرضانہ محبت کا شعار قابل توصیف تھا، جس طرح وہ خود حق پسند تھا، جس طرح وہ خود راستی کی جستجو کی ضرورت کو محسوس کرتا تھا، اُسی طرح دوسروں کو بھی انہیں اوصاف سے متصف دیکھنے کا خواہشمند رہتا۔ کائنات عالم کی چھان بین کی عادت اُس کی طبیعت ثانیہ ہو گئی تھی۔ ہر کام کو سرگرمی اور کوشش سے کرنا اُس کی اہم ترین خصوصیات سے تھا ؂

آخر کار یہ متبحر اور نیک دل طبیب ۱۸۷۶ء کو چار ماہ کی علالت کے بعد بعارضہ سل فوت ہو گیا۔ اس کی خانگی زندگی نہایت مسرت خیز رہی، لیکن اُس کی بیوی جس کے ساتھ اُس نے ۱۸۵۰ء میں شادی کی تھی اُس سے کچھ عرصہ پہلے ۱۸۷۳ء میں فوت ہو گئی تھی۔ جس سے اُس کی وہ شکستہ دلی جو لاولد ہونے کی وجہ سے اُسے افسردہ دل رکھتی تھی دوچند اور زیادہ نمایاں ہو گئی۔ پارکس میوزیم آف ہائی جین (عجائب خانہ حفظ صحت) اُس کی بہترین یادگار ہے، جو خاموشی مگر فصاحت کی زبان سے اُس کی زندگی کے گراں قیمت اسباق کو دوسروں کے دلوں پر نقش کرتی رہتی ہے ؂

(۲۵۹) پاسیٹور { PASTEUR L. Pasteur } (ڈاکٹر)

لوئی پاسیٹور، جس کا صحیح نام پاسٹر ہے، ۲۷- دسمبر ۱۸۲۲ء لودول (فرانس) میں

پیدا ہوا تھا۔ فرانس کا نامی محقق، اور کیمسٹری کا اُستاد تھا، وہ طبیعیات کا بھی ماہر سمجھا
جاتا ہے، اس کا باپ چمڑے کی دباغت اور رنگنے کا کام کیا کرتا تھا۔ پاسٹر نے
سب سے پہلے اپنے قصبہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور اُس کے بعد ایک ہائی سکول
میں داخل ہو گیا۔ پھر ایک کالج میں تعلیم پائی لیکن اُس نے ایّام طالب علمی میں اپنی
غیر معمولی ذہانت نیز اُس شہرت کا کوئی ثبوت نہیں دیا تھا، جو اُسے آگے چلکر حاصل
ہوئی ۱۸۳۸ء میں وہ پیرس گیا مگر خرابی صحت کی وجہ سے بہت جلد وطن کو لوٹ آیا۔
پھر صحت کے بحال ہونے پر بسانگ کوئی کے شاہی کالج میں پڑھتا رہا ۱۸۴۰ء
میں بی۔ اے پاس کرنے کے بعد اسی کالج میں ریاضی کا نائب پروفیسر مقرر ہو گیا،
دو سال بعد سائنس کا امتحان بھی پاس کر لیا، اس کا خاص مضمون کیمسٹری تھی، جسکے
پرچے پر ممتحن نے "درمیانہ" کا لفظ لکھا تھا۔ ایک ماہر فن کا لیکچر سُننے سے اُسے
کیمسٹری کے مطالعہ کا شوق ہوا تھا پھر اُسے ایک اور اُستاد نے اپنے کیمیا خانہ
میں تجربات کرانے شروع کر دئے۔ اِس کے بعد تحقیقات امراض کے متعلق خیال
پیدا ہونے کی یہ وجہ ہوئی کہ وہ کیمسٹری اور طبیعیات کی تحقیق میں انتہا درجہ کی صحت
اور کمال درجہ کی درستی سے کام لیا کرتا تھا، اجزائے کیمیاوی کے تعیّن اوزان میں
کسور اعشاریہ کو کام میں لاتا۔ اسی طرح دیگر طبیعی مسائل کی طرف محققانہ توجہ کرتے ہوئے
ذرّے کے وزن کی کسریں دیا کرتا تھا۔ اُسے حتی الامکان ہر بات کے ہر پہلو میں بیحد
صحت و صفائی کا خیال رہتا۔ ترکیبات کیمیاوی پر ہی انحصار نہیں اُس کی عادت
تھی کہ جملہ مسائل کی تحقیق و تدقیق میں احتیاط کے انتہائی زینوں تک ترقی کر جاتا۔
زمانۂ حال کا سب سے بڑا کیمیاوی انکشاف وہ مرکبات ہیں جو بظاہر مفرد معلوم
ہوتے ہیں۔ مگر در اصل اجزائے ترکیبی کے خواص کے اعتبار سے الگ الگ ہیں۔
پاسیٹور نے بھی اپنے زمانہ میں ایک کیمیاوی انکشاف کیا تھا جو فرانس کے مشہور ماہر
کیمیا بیات کے سامنے تجربے میں لایا گیا، جس کو اُس فاضل ماہر فن نے ترکیب دینے
والے کی اعلےٰ قابلیت اور بہترین دریافت کا معیار قرار دیا۔ چنانچہ یہ تسلیم اور پسندیدگی

پاسٹیور کی عالمگیر شہرت کا ایک بہت بڑا سبب ثابت ہوئی۔ اور وہ ۱۸۵۲ء میں اسٹراسبرگ کے اندر طبی کیمسٹری کا ڈپٹی پروفیسر مقرر ہوگیا۔ اور تھوڑے عرصے کے بعد وہاں ایک شریف زادی کے ساتھ شادی کرلی۔ اور اُس کے اِن ایکٹو ایسیڈ (Inactive Acid) (حمض بطی الفعل) کو مصنوعی طریقہ سے تیار کرنے کی کوشش میں مصروف ہوا۔

۱۸۵۴ء میں اُسے اپنی علمی مصروفیتوں اور دریافتوں کی وجہ سے اس قدر شہرت حاصل ہوگئی کہ وہ لیل کی یونیورسٹی میں کیمسٹری کا پروفیسر اور شعبۂ علوم تجربیہ کا ڈین مقرر ہوا۔ یونیورسٹی مذکور میں اُس نے اپنی افتتاحی تقریر میں بیان کیا، کہ "جو لوگ ہر قسم کی باتیں سیکھنے کو تیار رہتے ہیں، مشاہدہ کے میدان میں اتفاق رائے اُنہی کی تائید کرتا ہے۔"

بئیر اور وائن دو نو قسم کی شرابیں ہمیشہ سے بگڑتی چلی آئی ہیں مگر اس کا تدارک کسی سے نہ ہوسکا، بلکہ جنہوں نے اسباب میں کوشش کیں وہ بھی ناکام رہے۔ ایک روز یہ نامور محقق ایک بوزہ کشی کے کارخانہ میں گیا جہاں تازہ و کہن دو نو قسم کی شرابیں موجود تھیں، اُس نے ژیسٹ یعنی خمیرۂ شراب کا خوردبین سے بغور مشاہدہ کیا جس سے یہ امر معلوم ہوا کہ تازہ اور عمدہ شراب کے اندر گلابیولز (چھوٹے چھوٹے گول ذرات) گول اور کروی شکل کے پائے جاتے ہیں اور بگڑی ہوئی ہیں اُن کی ہیئت بیضوی ہوتی ہے۔ اس تحقیق سے گویا اُس نے ایک ایسا اکتشاف کیا جس کی وجہ سے (علم کیمیا) اور بیالوجی (علم الحیوانات) میں ایک عظیم الاہتمام انقلاب پیدا ہوگیا۔ درحقیقت پاسٹیور کا یہ عمل اُن عجیب و غریب تحقیقات و تجربات کا پیش خیمہ یا محرک اولی تھا، جن سے بالآخر یہ ثابت ہوا کہ جاندار ہستیاں آپ سے آپ پیدا نہیں ہوتیں، اس طرح اُس قدیم ترین خیال کی تغلیط ہوگئی جس کی رو سے اُنہیں از خود موجود تسلیم کیا جاتا ہے۔ پاسٹیور کی فاضلانہ تحقیقات سے پیشتر فرمنٹیشن (اختمار یعنی خمیرہ بننا یا بنانا) کا مسئلہ ایک عجیب مسئلہ خیال کیا جاتا تھا۔ برزیلیس اور لی بگ نے اُس کے

حل کرنے کی سعی کی مگر بے فائدہ، لیکن پاسٹر کی بلیغ کوشش نے اس عقدۂ مالاینحل کو سلجھا کر رکھ دیا۔ وہ لکھتا ہے کہ" شراب بگڑنے کی وجہ یہ ہے کہ اُس کے اندر جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ صورت شراب ہی پر موقوف نہیں، بلکہ ہر قسم کے خمیروں میں اس طرح کے کیڑے ضرور پائے جاتے ہیں۔ عام چیزوں کے سڑنے کی اصلی وجہ بھی یہی کیڑے ہوا کرتے ہیں۔ محقق موصوف کی جد و جہد سے یہ بات ایک عام کلیہ کے درجے تک پہنچ گئی۔

اس کے بعد تجربے اور تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ زخموں کے اندر جو پیپ پڑ جاتی ہے اور متعدی امراض سے جو مضر اثرات نکل کر پھیل جاتے ہیں اُس کی اصل بھی یہی جراثیم ہوتے ہیں۔ جو تخمیر کے اثر سے حاصل ہوا کرتے ہیں۔ تخمیری جراثیم ہی کی پیدائش سے عمل اختمار انجام پذیر ہوتا ہے۔ اور مختلف قسم کے تخمیری عملوں میں مختلف قسم کے کیڑے پائے جاتے ہیں۔ اس قابل دماغ محقق نے کچھ عرصہ تک انتہائی عرق ریزی اور احتیاط سے تجربات کرکے یہ نظریہ بالکل ثابت کر دکھایا کہ اختمار (تخمیر) کیڑوں سے پیدا ہوتا ہے۔ اس مسئلہ پر کسی قدر تفصیلی بحث کرتے ہوئے یہ جتا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سرکہ تیزاب اور دہی میں ترشی پیدا ہو جانے کی بھی یہی علت ہے کہ اُن کے اندر ننھے ننھے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر مواد خمیری کو پیدا ہونے سے روک دیا جائے تو اشیاء کے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ مثلاً دودھ میں جب تک کسی نہ کسی ذریعہ سے کوئی خمیری مادہ سرایت نہیں کرتا اُس کی شیرینی بحال رہتی ہے۔" اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ جراثیم ہوا میں موجود ہوتے ہیں یا خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں؟ اس باب میں کچھ عرصہ تک محققوں میں سلسلۂ کلام جاری رہا۔ بالآخر پاسٹیور کی زبردست تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ اگر ہوا میں کیڑے نہ ہوں تو کہیں پر کوئی تخمیری عمل نہیں ہو سکتا۔ انگور کے اندر یا تندرست آدمی کے جسم میں خود بخود ایسے کیڑے پیدا نہیں ہوتے لیکن اگر انگور کو مسل ڈالو یا جسم میں

زخم لگا کر اُسے کھلی ہوا میں رہنے دو، تو ضرور کیڑے پیدا ہو جائینگے۔ ہوا کے اثر سے بچائے رکھنے کی صورت میں انگور یا جسم میں کسی قسم کا تغیر پیدا نہیں ہو گا۔ اس دریافت سے پاسیٹور کی شہرت آفتاب بن کر چمک اٹھی، غیر ممالک میں اُس کی اس قدر عزت کی گئی کہ متعدد یونیورسٹیوں نے اسے اعزازی ڈگریاں عطا کیں، اور پیرس کے نامی سائنسی کالج کا اعلیٰ پروفیسر مقرر ہو گیا۔

اِس جدید اکتشاف سے بوزہ کشی کی صنعت میں ایک عظیم الشان تبدیلی واقع ہوئی اور اُسے لاکھوں کروڑوں روپے کا نفع پہنچا۔

فرانس ریشم کی صنعت کے لئے نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ اُنہی ایّام میں ریشم کے کیڑوں میں وبا نمودار ہو گئی۔ گورنمنٹ فرانس نے ڈاکٹر پاسیٹور سے درخواست کی کہ اس کے متعلق تحقیقات کرے۔ چنانچہ وہ ۱۸۶۵ء کو وہاں گیا اور چند ماہ کی تحقیقات کے بعد ماہ ستمبر میں اُس کے نتائج کا اعلان کیا، اُس نے بیماری کی وجہ دو قسم کے کیڑے قرار دئے۔ جو وہاں پیدا ہو کر ریشم کے کیڑوں کے درمیان پھیلنے اور لاکھوں روپے کے نقصان کا موجب بنتے تھے۔ اس متبحر فاضل نے اُن کا علاج دریافت کر کے ہمیشہ کے لئے اُن کے مواد کا استیصال (بیخکنی) کر دیا۔ اُس نے ایک دفعہ بیان کیا کہ "ایک جدید اکتشاف سے بڑھ کر کسی محقق شخص کے لئے کوئی امر باعث مسرت نہیں ہو سکتا، اس لئے اگر وہ روزمرّہ اسی قوت سے کام لینے کا عادی ہو جائے تو وہ ہر وقت خوشی اور مسرت میں زندگی بسر کر سکتا ہے"۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ پاسٹیور کی مفید تحقیقات اور نافع اکتشافات سے بنی آدم اور حیوانات دونوں انواع کو بیحد فائدہ پہنچا ہے۔

اس قابل اور اعلیٰ تجربہ کار نے اپنے متواتر و مسلسل تجربات سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچا دی ہے کہ جس طرح خالص حیوانی اور نباتی مواد پر عمل تخمیر کا اثر ہوتا ہے، اسی طرح انواع و اقسام کے امراض میں بھی ننھے ننھے حیوانی و نباتی جراثیم پر ہی دارومدار ہوا کرتا ہے، جو شخص کیڑوں کی اصلیت سے ماہر ہوتا ہے

وہ جس قسم کے کیڑے چاہے پیدا کر سکتا ہے اور پھر اُن کے وسیلہ سے ایک خاص قسم کا مرض یا خاص حالت پیدا کی جا سکتی ہے، اگر ایک خاص قسم کے کیڑوں کو متواتر پیدا کرتے جاؤ تو بالآخر اُن کا زہریلا مادّہ بہُت کمزور پڑ جاتا ہے۔ اور اُس کو جس زندہ آدمی کے جسم میں داخل کر دیا جاتا ہے وہ مرضی جراثیم کے زہریلے اثر سے محفوظ رہتا ہے۔
سب سے پہلے اِس فاضل ڈاکٹر نے مرغیوں کے مُہلک ہیضہ کی تحقیقات کی۔ جو فرانس میں بالعموم پھوٹ پڑتا تھا۔ اور اس سے دس فیصدی مرغیاں ہلاک ہو جایا کرتی تھیں۔ اِس کے بعد اُس نے مویشیوں کی بیماری اینتھریکس (Anthbrex) یعنی جمرہ کی طرف توجّہ کی اور اُس کا بھی خاطر خواہ انسداد کیا۔ اُس نے جو طریقہائے علاج وضع کئے، اس سے چرند و پرند کو بے حد نفع پہنچا پروفیسر ہکسلے نے اُس کی بابت لکھا ہے "اس اکتشاف کی قیمت اُس رقم تاوان کے مساوی ہے جو فرانس نے ۱۸۷۰ء کی جنگ کے بعد جرمن کو ادا کی تھی"۔
پاسٹر کی سب سے اہم اور سب سے اعلےٰ دریافت باولے کُتّے کے کاٹنے کا حکمی علاج ہے۔ یعنی اگر باولہ کُتا کسی آدمی یا کسی جانور کو کاٹ کھائے۔ تو اُس کے نتیجے یعنی ہلکاؤ کا کس طرح علاج ہونا چاہئے۔ اِس تحقیق سے اُس مخیرِ بنی نوع نے اپنے ہمجنسوں پر ایک بے بہا احسان کیا ہے، اور اِس بارہ میں بہت سی دقتیں برداشت کرنی پڑی تھیں۔ اس مرض کے جراثیم سے کوئی آگاہ نہ تھا۔ اُس نے کتوں کے مرض کا خوب مشاہدہ کیا اور پتہ لگایا کہ یہ مرض اُن کے عصبی مرکزوں سے پیدا ہوتا ہے۔ اُس نے ایک بیمار کُتے کی ریڑھ سے مادّہ نکال کر ایک بھلے چنگے کُتے کے جسم میں داخل کیا، جس سے وہ بھی پاگل ہو گیا، پھر اُس نے اِس کا ٹیکہ تیار کیا آخر کار بہُت سی محنت دماغ سوزی اور طویل تحقیقات کے بعد وہ کامیاب ہوا۔ اس نے ایک مرکّب تیار کر کے پہلے ایک کُتّے پر اس طرح آزمایا کہ پہلے اُسے پاگل کُتّے سے کٹوایا۔ پھر اپنے تیار کردہ مرکب سے اُس کا علاج کیا، جس میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی، پھر اُس نے اور چند کُتّے منگوائے اور

انہیں باؤلے کتے سے کٹوایا، اُن میں نصف کتوں کا علاج کیا اور نصف کو لاعلاج مرنے دیا۔ جن کا علاج کیا تھا وہ اچھے ہو گئے۔ غرض کہ یہ تجربہ بھی کامیاب رہا۔ پھر اُس نے انسانی جسم پر تجربہ کیا، جس میں اگرچہ پہلے بہت سی مشکل پیش آئی مگر بالآخر علاج کارگر اور تیر بہدف ثابت ہؤا۔ اس سے پہلے جو ہزاروں جانیں باؤلے کتوں کو کاٹنے سے تلف ہو جاتی تھیں وہ آئندہ اس علاج کی طفیل محفوظ و مامون ہو گئیں۔ ۱۸۸۸ء میں پیرس کے اندر باؤلے کتے کے کاٹنے کا علاج کرنے کے لئے ایک ہسپتال قائم ہؤا، جو پاسٹیور کے نام سے "پاسٹیور انسٹی ٹیوٹ" کہلاتا ہے، وہاں ملک کے ہر ایک حصے سے ہزارہا آدمی علاج کے لئے گئے اور شفائے عاجل حاصل کی۔ اس کے بعد اور ملکوں میں بھی اسی قسم کے خاص ہسپتال کھولے گئے چنانچہ ہمارے ملک میں کسولی، مدارس اور برما وغیرہ میں ہیں۔ جہاں اُن مریضوں کا نہایت کامیاب علاج کیا جاتا ہے جن کو دیوانہ کتے نے کاٹا ہو۔

لوئی پاسٹیور نے بڑی نیکنامی اور عزت سے زندگی بسر کی۔ اور وہ ۲۸ ستمبر ۱۸۹۵ء کو اس جہان سے رحلت کر گیا۔ جس قدر فائدہ اس مشہور شخص کی زندگی سے تمام دنیا کو پہنچا ہے وہ بے حد تشکر و امتنان کی نگاہوں سے دیکھے جانے کے قابل ہے۔ یہ ڈاکٹر نہایت سادہ مزاج، رحمدل، خدا ترس اور نیک خو تھا۔ اس کی عادتیں سیدھی سادھی اور بچوں کی سی تھیں۔

(۲۶۰) پیجٹ { PAGET
Sir James Peget } (ڈاکٹر)

سر جیمز پیجٹ جو اپنے زمانے میں جراحی کا سب سے بڑا عالم اور قادر العمل سمجھا جاتا تھا، قصبہ یارمتھ واقع ضلع نارفوک میں ۱۸۱۲ء کو پیدا ہوا تھا۔ اس کا بڑا بھائی ڈاکٹر جی ای پیجٹ کیمبرج میں ڈاکٹری کا شاہی پروفیسر تھا۔ اُس نے پہلے لندن کے مشہور ہسپتال بارتھولومیو میں تعلیم پائی اور بالآخر ۱۸۳۶ء میں لنڈن کے کالج آف سرجنز (کالج جراحاں) سے ڈگری حاصل کی۔ اس کی مستعدی، ذہانت اور

جفاکشی کا ہسپتال کے مہتمموں پر خاص اثر ہوا۔ اس لئے اُنہوں نے اسے کالج آف سرجنز اور بارتھولومیو ہسپتال کے ڈاکٹری عجائب خانوں کی تفصیلی فہرست بنانے کو مقرر کیا۔ جس سے اُس کی علمی شہرت میں معتد بہ اضافہ ہوا۔

جب وہ بارتھولومیو ہسپتال میں اعضاے ماؤفہ کی تشریح پڑھایا کرتا تھا، اُس نے تشریح اور فزیالوجی کے متعلق خوردبین کے ذریعہ سے تحقیقات کی، اور اُس کا نتیجہ ایک بسوط اور جامع مضمون کی صورت میں ایک نامور طبی رسالے میں شائع کرادیا۔ اس مضمون سے تشریح دقیقہ کے علم میں بہت کچھ اضافہ ہوا۔ اس کے بعد بھی کئی سال تک فزیالوجی اور تشریح انسانی کی ترقی پر رپورٹیں مرتب کرتا رہا۔

۱۸۴۶ء کے شروع میں پجٹ نے اپنے طلباء کے سامنے ایک افتتاحی لیکچر دیا۔ جس کا عنوان یہ تھا کہ "ڈاکٹری کے مطالعہ میں کن مقاصد سے کام لینا چاہیئے" اس لیکچر میں اُس نے اس امر پر زور دیا کہ یہ فن اور یہ علم اعلےٰ ترین مقاصد کو مدنظر رکھ کر حاصل کرنا چاہیئے۔ اور یہی وہ اصول تھا کہ جس کا وہ عمر بھر پابند رہا۔

"یہ ہرگز نہ سمجھو کہ تمہاری ذمہ داریاں موت اور زندگی ہی تک محدود ہیں جب تم اس ہسپتال کے وارڈ (کمروں) میں جاتے ہو تو اُن مسائل کا بھی خیال رکھا کرو جو چند سال کے بعد تمہیں حل کرنے پڑینگے۔ ایک مریض کو دیکھ کر تمہیں یہ خیال ہونا چاہیئے کہ آیا یہ مریض ہمیشہ مفلسی اور تنگ حالی میں رہیگا؟ اسی طرح دوسرے کو دیکھ کر یہ سوال پیدا ہونا چاہیئے کہ آیا اس مصیبت زدہ کے لواحقین ہمیشہ تکالیف میں دن کاٹینگے، یا کبھی فراغبالی کی زندگی میں اُن کا دور آئیگا؟ ایک بیمار جو کبھی دوسروں کی مدد کیا کرتا تھا اب ہسپتال میں یہ خیال کرتا ہے کہ اس وقت میں خود دوسروں پر بار گراں ہو رہا ہوں۔ ایک ایسا مریض ہے جسے اپنی صحت کا تو کچھ خیال نہیں مگر اُس کے اہل وعیال کی پرورش اور نگہبانی کی فکر اُسے ستا رہی ہوگی۔ تم میں سے جو طالب علم اپنے مطالعہ کے دوران میں اس قسم کے معاملات پر غور کرتا ہے وہ فی الحقیقت سچا جوانمرد ہے۔ اور اُس شخص کی تمنا بھی بہت ہی

قابل تعریف ہے جو اُن بڑے بڑے عالی دماغ اور نیک دل ڈاکٹروں کی ہمسری کا خواہشمند ہے جو مشکل بیماریوں کے دوران میں مریضوں کی خبرگیری نہایت ہمدردی اور ہشیاری سے کرتے اور ایسی حالتوں میں نہایت مستعدی اور دانائی کو کام میں لیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ خوبیاں اعلےٰ علمیت اور تجربے سے پیدا ہوسکتی ہیں۔

ڈاکٹر پیجٹ اسی زمانے میں لندن کے کالج جرّاحاں میں علم تشریح اور علم جراحی کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ اور ۱۸۵۲ء تک اس عہدہ پر رہا۔ اس دوران میں اُس نے جو لیکچر دئے وہ مشہور طبّی رسائل میں درج بھی ہوئے ہیں، اور ہزارہا آدمیوں نے بھی نہایت غور اور توجہ سے سُنے۔

ان لیکچروں کے ذریعہ سے علم جراحی میں نہایت قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ ۱۸۵۳ء کو یہ لیکچر کتابی صورت میں لاکر شائع کئے گئے۔ اور وہ سر ٹامس واٹسن کے اوو والے لیکچر کے برابر مستند اور مفید سمجھے گئے۔ نیز اُنہیں نہایت قدر اور وقعت کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ ان قابل قدر لیکچروں میں تغذیہ، اعضا کا چھوٹا یا بڑا ہوجانا اور اُن کی اصلاح، سوزش، موت عضوی، امراض مخصوصہ اور رسولیاں وغیرہ مضامین سے بحث کی گئی تھی۔ ایک لیکچر کے دوران میں جو صحت بخش غذا کے ضروری خواص پر تھا۔ نیز جس میں ضمناً متغیر دماغ اور نفس کے درمیانی تعلق کی تشریح کردی گئی تھی، اُس نے یہ کہا تھا کہ "ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدل ما یتحلّل کس قدر درستی اور صفائی سے کام میں لایا جاتا ہے کہ جب خون کے ذرات یا کسی بافت پر کوئی داغ پڑ جاتا ہے تو وہ برسوں تک قائم رہتا ہے، یہ ایک ایسی گہری واقعیت ہے کہ نفس ناطقہ اور دماغ کے باہمی تعلقات کو صحیح صحیح سمجھنے میں جو رکاوٹیں آج تک واقع ہوتی چلی آئی ہیں وہ سب اس کے قبول کرنے سے رفع ہوجاتی ہیں۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ دماغ نفس کا آلہ ہے جس کے بغیر نہ صرف اُسے خارجی محسوسات کا علم ہی نہیں ہوسکتا بلکہ تمام عقلی کاموں کے لئے اُس کا ہونا لازم ہے، حتّٰی کہ قوت حافظہ بھی اُس سے وابستہ ہے، تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ

جس صورت میں دماغ کا مادہ بدلتا رہتا ہے، وہ حافظہ کا آلہ کیونکر ہوسکتا ہے یا دماغ کا جس قدر حصہ تحلیل ہوتا ہے اُس کی جگہ بدل ما یتحلل کے ذریعہ سے دوسرا پیدا ہو کر تحلیل شدہ حصہ کا کام سنبھال لیتا ہے؛ پس جب محسوسات کو یاد کیا جاتا ہے تو نفس دماغ کیطرف رجوع کرتا ہے جہاں گذشتہ تغیرات کی صورتیں موجود رہتی ہیں؛ اگر وہی شے سامنے آئے جو پہلے ذہن میں آکر اپنا نقش وہاں چھوڑ گئی ہو، اور غذا کے جزو بدن بننے کے ساتھ محفوظیت حاصل کر چکی ہو، اُسے ذہن سامنے آتے ہی فی الفور پہچان لیتا ہے۔ اگرچہ اُسے پہلی دفعہ دیکھے ہوئے کتنا ہی عرصہ کیوں نہ گذر چکا ہو؛ کیونکہ حالات سابقہ کی طرف رجوع کرنے کا رجحان دماغ میں خاص طور پر ودیعت کیا گیا ہے؛ ہاں بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسری اشکال کے نقش پذیر ہونے سے پہلی شکلیں دھندلی یا محو ہوجایا کرتی ہیں۔ اور نفس ناطقہ جو غیر متغیر اور غیر فانی ہے گذشتہ شکلوں کا دماغ میں کوئی نشان نہیں پاتا۔

۱۸۵۲ء میں ہچٹ نے شاہی دارالعلوم میں تعلیم پر لیکچر دئے، جن میں فراڈے اور ونے ول وغیرہ نامور علماء بھی شریک ہوئے تھے، ان میں جو لیکچر فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) کے مطالعہ کی اہمیت اور ضرورت پر تھا وہ بہت عالمانہ تھا، اور اس میں قابل عمل باتوں پر بہت کچھ زور دیا گیا تھا۔ فاضل لیکچرار نے یہ بھی کہا کہ اگر نصاب تعلیم کو کافی وسعت دی جائے تو بہت جلد لوگ اُن علوم کی طرف مائل ہو کر تھوڑے ہی عرصے میں ماہر بن جائینگے۔ آج تک جتنے ڈاکٹر ہوئے ہیں وہ صرف اتفاق سے اس علم کی طرف راغب ہوئے تھے۔

مسٹر ہچٹ نے اپنے خیالات کو کتابی صورت میں بہت کم شائع کیا مگر جو کچھ اُس کے قلم اور زبان سے نکلا وہ نہایت نسودمند اور بیش قیمت ثابت ہوا؛ ۱۸۷۵ء میں جو مضامین اور لیکچر شائع ہوئے تھے۔ وہ بہت دلچسپ ہیں، اُن کے پڑھنے سے لطف اور فرحت حاصل ہوتی ہے، ان لیکچروں میں دیگر علمی مباحث کے علاوہ اعمال جراحی کے خطرات پر بھی بحث کی گئی ہے؛ بالخصوص ایک لیکچر

میں تو جراحی کے متعلق بہت سی سودمند ہدایات بیان کی ہیں ۔

۱۸۷۱ء میں ایک نعش کی چیر پھاڑ کرتے وقت اُس کے ہاتھ میں باوجود کسی قسم کی خراش یا زخم نہ ہونے کے زہریلا اثر سرایت کر گیا جس سے وہ تین ماہ تک بیمار رہا۔ اِس کے بعد اُس نے ایک لیکچر چیر پھاڑ سے زہر لگ جانے پر دیا۔ شراب کی نسبت اُس کی یہ رائے تھی کہ تھوڑی مقدار میں پینے سے کوئی ہرج نہیں۔ جو لوگ تھوڑی شراب پیتے ہیں بلاشبہ اُن کی جسمانی و دماغی قوت ترقی کر جاتی ہے، اور وہ زیادہ کام کر سکتے ہیں ۔

یہ محقق زمانہ مدت دراز تک سینٹ بارتھولومیو ہسپتال لنڈن میں جراح رہا۔ پھر مشیر طبی بن گیا، اس کے بعد "کالج آف سرجنز" یعنی کالج جراحاں کا کچھ عرصہ پریسیڈنٹ رہ کر پھر لنڈن یونیورسٹی کا وائس چانسلر بنایا گیا، سنہ ۱۸۷۱ء میں اُسے نائٹ کا موروثی خطاب ملا، وہ پرنس آف ویلز کا مستقل سرجن اور ملکہ وکٹوریہ مرحومہ کا خاص ڈاکٹر مقرر ہوا۔ سنہ ۱۸۸۱ء میں بین الاقوام میڈیکل کانگریس منعقدہ لنڈن نے اُسے اپنا پریسیڈنٹ منتخب کیا، جو ایک غیر معمولی اعزاز ہے، برطانیہ اور یورپ کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں نے اُسے اعزازی (ڈگریاں) عطا کیں، ۱۸۸۰ء میں برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن کے سامنے لیکچر دیتے ہوئے سر جیمز پیجٹ نے یہ کہا تھا کہ "میری رائے میں ہم میں سے ہر ایک کو کسی نہ کسی سائنس کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیئے۔ تاکہ مزاج اور عادت درست ہو۔ اگر ہم عمدہ اور محقق طالب علم ہونگے تو آگے چل کر یقیناً اپنے پیشہ میں بھی اعلےٰ سمجھے جائینگے اس سے تجسس کا شوق قائم رہتا، اور تحقیقی واقعات پر نہایت ٹھنڈے دل اور متانت سے غور کرنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے، جو ہر ایک معاملہ میں بیحد ضروری ہے، ڈاکٹروں کے لئے یہ اور بھی زیادہ اہم اور کارآمد ہے، کیونکہ اُن کو تشخیص مرض میں غلطی سے محفوظ رکھتی ہے، اس کے فوائد میں سے یہ ایک فائدہ بھی ہے کہ طبیعت میں تلاش حق سے بیانات تقویت پکڑتا ہے اور خرافات سے نفرت ہو جاتی ہے۔ جب ہمیں اپنے علم کی کوتاہی کا خیال ہر وقت لگا رہتا ہے۔ تو ہمارے دل میں دوسروں کی لیاقت اور علمیت کیلئے

عزت پیدا ہوتی ہے۔ اور ہم اُن سے باخلاق و ادب پیش آتے ہیں۔ ہر وقت تلاش حق میں رہنے کا مطلب یہی ہے کہ ہمارا علم ادھورا ہے اس میں اپنی تحقیقات اور کوشش سے اضافہ کرنا چاہیئے۔

(۲۶۱) تاذرس السنقل (حکیم)

اس کی ترجمہ کی ہوئی چند علم حکمت کی کتابیں دیکھی گئی ہیں۔ ترجمہ کچھ بُرا نہیں۔

تمیمی (دیکھو التیمی ابو عبداللہ)

(۲۶۲) تیاذورس (حکیم)

مذہباً عیسائی فن طب کے علم و عمل کا اچھا ماہر۔ اور عمدہ معالج تھا۔ ایران کے مشہور تاجدار "شاپور ذوالاکتاف" نے اُس کے لئے ایک کلیسیا بنوا دیا تھا جس میں وہ رہا کرتا اور خلق خدا کو اپنی حذاقت سے نفع پہنچاتا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اُسکے لئے کلیسیا جس ایرانی فرمانروا نے تعمیر کرایا وہ بہرام گور تھا۔ مگر صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ پور کے عہد میں یہ حکیم گزرا ہو۔ واللہ اعلم۔

اسکی تصانیف میں صرف ایک طبی بیاض جس کو "کناش" کہتے ہیں پائی جاتی ہے۔

(۲۶۳) تیاذوق (حکیم)

خلفائے بنی اُمیہ کے آغاز حکومت میں اچھا ماہر طبیب تھا۔ مشہور ظالم گورنر "حجاج ابن یوسف ثقفی" کا خاص طبیب رہا۔ حجاج اس پر بہت اعتماد کرتا اور بھاری تنخواہ کے علاوہ انعام و اکرام سے بھی خوش رکھتا تھا۔ تیاذوق کے طبی اقوال بہت کثرت سے مشہور ہیں۔ کسی بادشاہ نے یہ دیکھ کر کہ تیاذوق اب بہت بوڑھا ہوگیا ہے اُس سے کہا۔

تیاذوق اب تم بوڑھے ہوئے۔ خبر نہیں کب تمہاری آنکھ بند ہو جائے۔ تمہارے

بعد ہیں مشکل سے ایسا لائق طبیب ملیگا۔ لہذا کچھ ایسی نصیحتیں کرو جن پر عمل کرنے سے تندرستی کا قیام ممکن ہو۔

تیاذوق نے جواب دیا: "دس باتیں بتاتا ہوں۔ اگر ان پر عمل رکھا اور پرہیز سے کام لیا۔ تو مرض موت کے سوا کوئی بیماری مشکل ہی سے آپ کو لاحق ہوگی۔ وہ باتیں یہ ہیں (۱)۔ معدہ میں کھانا موجود ہوتے ہوئے اور کچھ ہرگز نہ کھاؤ۔ (۲)۔ ایسی چیز نہ کھاؤ جس کو تمہارے دانت چبا نہ سکیں۔ معدہ بھی اُسے ہضم نہ کرسکیگا۔ (۳)۔ کھانے سے دو گھڑی بعد پانی پیا کرنا کیونکہ تخمہ تمام بیماریوں کی جڑ ہے اور وہ پانی تخمہ کی جڑ ہے جو فوراً کھانے پر پی لیا جاتا ہے۔ (۴)۔ ہر دو روز میں ایک بار حمام ضرور کرو۔ حمام جسم کی ایسی بیماریوں کو نکال باہر کرتا ہے جن تک دواؤں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔
(۵)۔ اپنے جسم کا خون بڑھاتے رہو اس طرح اپنی جان کی نگہبانی کرسکوگے۔
(۶)۔ ہر فصل میں ایکبار قے کیا کرو اور ایک مسہل ضرور لیا کرو۔ (۷)۔ پیشاب کبھی نہ روکو چاہے سواری ہی سے کیوں نہ اُترنا پڑے۔ (۸)۔ سونے سے پہلے قضائے حاجت ضرور کرلو۔ (۹)۔ کثرت مجامعت سے پرہیز رکھو۔ یہ آدمی کی جان لیوا ہے۔
(۱۰)۔ اور سن رسیدہ عورت سے بچو۔ وہ موت ناگہانی کا موجب ہے۔"

بادشاہ نے ان قیمتی ہدایتوں کو آب زر سے لکھوا کر اپنے پاس رکھا۔ زندگی بھر اُن پر عمل کیا اور تا دم مرگ تندرستی کا لطف لیتا رہا۔

ظالم حجاج نے جب حضرت سعید بن جبیرؒ مشہور تابعی کو قتل کیا تو اُن کے جسم سے بے حد خون نکلا حجاج حیرت زدہ ہوا۔ تیاذوق سے وجہ پوچھی۔ اُس نے کہا۔ اُن کا دل مطمئن تھا۔ قتل کا خوف اُن پر غالب نہیں ہوا۔ دوسرے آدمی قتل کا حکم سنتے ہی نیم مردہ ہو جاتے ہیں لہذا خون خشک ہو جاتا ہے۔

لطیفہ:۔ حجاج کے سر میں سخت درد ہوا۔ تیاذوق کو بلا کر علاج دریافت کیا۔ طبیب نے بتایا۔ خوب گرم پانی سے دونو پیر دھوکر اُن میں کچھ روغن لگادو۔ حجاج کی پُشت پر ایک خواجہ سرا غلام کھڑا مگس رانی کر رہا تھا۔ علاج سُن کر طبیب سے بولا۔

میں نے تمسا یے علم طبیب نہیں دیکھا - درد سر میں ہُوا اور دوا پیر میں لگے - یہ عجیب تر ہے"
تیاذوق "اِس کی علامت خود تیری ذات میں موجود ہے"
غلام "وہ کیا" تیاذوق "تیرے خصیئے نکالتے ہی مُنہ پر سے داڑھی غائب ہوگئی"
حجاج اور تمام حاضرین یہ لطیفہ سُن کر ہنستے ہنستے لوٹ گئے ؂

ایک دن تیاذوق حجاج کے پاس گیا - حجاج مٹی کھا رہا تھا - یہ اُس کی عادت تھی
حجاج نے طبیب سے دریافت کیا - کہ مٹی کھانے کا کیا علاج ہے ؟" تیاذوق نے کہا
"جناب والا ! آپ کا استقلال اور ہمت" حجاج نے یہ بات سُنتے ہی مٹی کا ڈھلا ہاتھ
سے پھینک دیا - اور پھر کبھی نہ کھایا ؂

تیاذوق سنہ ۹۰ ہجری میں بہت بڑی عمر پا کر بمقام "واسط" فوت ہُوا - اُس کی
تصانیف میں ایک بڑی بیاض - ایک کتاب ترکیب ساخت ادویات اور کسی قدر مفرد
ادویات کی فہرست - پائی جاتی ہے ؂

(۲۶۴) ٹامسن { THOMSON Sir Henry Thomson } (ڈاکٹر)

سر ہنری ٹامسن، مسٹر ہنری ٹامسن ساکن فریم لنگم واقعہ سفک (انگلستان) کا بیٹا تھا - اور سنہ ۱۸۲۰ء کو پیدا ہُوا - اُس کا باپ اُسے طبی تعلیم دینے کا اس وجہ سے روادار نہ تھا کہ اُس سے طبائع میں کفر و الحاد پیدا ہوتے ہیں اس لئے جب تک کہ اُس کی عمر ۱۲ سال کی نہ ہوگئی اُسے اپنے دل پسند کام کی تحصیل کے لئے آزادی نہیں ملی - اُس نے اپنی تعلیم کا خاص حصہ یونیورسٹی کالج لنڈن اور پھر پیرس میں حاصل کیا - چنانچہ سنہ ۱۸۵۱ء میں لنڈن یونیورسٹی میں ایم بی (بیچلر آف میڈیسن) کی سند حاصل کی - اور سنہ ۱۸۵۳ء میں وہ کالج اطباء (کالج آف سرجنز) کا فیلو مقرر ہُوا - اسی سال یونیورسٹی کالج کے ہسپتال میں اسسٹنٹ سرجن کی اسامی پر مامور کیا گیا - اس کے بعد سنہ ۱۸۵۲ء اور سنہ ۱۸۶۰ء میں اُس نے اُن مضامین پر جن میں اُسے اپنی زندگی کا بڑا حصہ صرف کرنا پڑا، کالج آف سرجنز (کالج اطباء) کی طرف سے انعامات حاصل کئے ؂

مُردوں کی نعش کو ٹھکانے لگانے کا طریقہ ایک ایسا مبحث ہے، جس پر اظہار خیالات کی توقع اگر کسی طبقہ سے کی جا سکتی ہے تو وہ ڈاکٹروں ہی کا عملی طبقہ ہے۔ چونکہ ڈاکٹر زندہ لوگوں کی صحت کے محافظ ہوتے ہیں۔ اِس لئے مردوں کی نعشوں سے جن خطرات وامراض کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ اُن سے ڈاکٹروں کو بہت سا تعلق ہونا چاہیئے۔ اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ تھی کہ آبادی کی کثرت، امراض کی اشاعت اور مُردوں کی تکفین وتدفین میں تاخیر، نیز گورستانوں کے غیر مناسب جگہوں پر واقع ہونے کے باعث جن خرابیوں کا ظہور ہؤا اُس سے تنگ آکر طامسن کے زمانے میں لوگ مُردے جلانے کے طریقہ کو زیادہ پسند کرنے اور اُسے معقول سمجھنے لگے تھے، اس لئے ایک مُردے جلانے والی انجمن قائم کی گئی اور سر ہنری طامسن اُس کے پریسیڈنٹ قرار دئے گئے ٭

طبی دُنیا میں اس قابل ڈاکٹر کی شہرت کا انحصار اِن کتابوں پر ہے جو اُس نے نہایت تحقیق وتجسّس کے ساتھ "اعضائے بول کے امراض کے لیکچر" اور "کلینکل لیکچرز آن دی ڈیزیزز آف یورِی نری آرگنز" یعنی "پریکٹیکل لیتھا لوٹومی اور لیتھوٹریپٹی" "مثانہ سے شگاف دیکر یا ریزہ ریزہ کرکے پتھری نکالنے کا عمل" کے ناموں سے لکھ کر شائع کیں۔ یہ مفید کتابیں بکثرت شائع ہوئیں اور اُن کے بے شمار ایڈیشن چھاپے گئے۔ اسی قسم کے اور مضامین پر بھی اُس نے بہت سے چھوٹے چھوٹے رسالجات تصنیف کئے، لیکن جو مضامین اُس نے ہوم صاحب کے "علم جراحی" کے متعلق تحریر کئے اُن کو جُداگانہ قسم کی تصنیفات میں شمار کیا جاتا ہے ٭

پیشہ جرّاحی میں اُس کی رجوعات بہُت کچھ بڑھی ہوئی تھیں۔ اور اُسے یہ اعمال اتنے زیادہ مریضوں پر کرنے پڑے جن کا عشر عشیر بھی دوسرے جرّاحوں کو نصیب نہیں ہؤا۔ اِس بات کا ادنےٰ ثبوت یہ ہے کہ ۱۸۷۸ء میں اُس نے ۵۰۰ ایسے اعمال جرّاحی کے کوائف شائع کئے جو اُس نے صرف سنگ مثانہ یا پتھری کے مریضوں پر کئے تھے۔ اُس فاضل محقق نے دوسرے سرجنوں کے تجربات سے بھی جو اُس کے پاس اپنے

عملوں کے کوائف بھیجا کرتے تھے، بہت کچھ فائدہ اُٹھایا یہی وجہ تھی کہ اُس نے سامنے شگاف دیکر یا ریزہ ریزہ کرکے پتھری نکالنے کے متعلق جو کتاب لکھی وہ بہت ہی قابلِ قدر اور مفید سمجھی گئی۔

پیرس کے سرجن سیوائل نے سنگ مثانہ کی بیماری میں مثانہ پر عمل جراحی کرنے کی جگہ یہ طریقہ علاج اختیار کیا تھا کہ وہ پتھری کو مثانہ کے اندر ہی توڑ کر چُور چُور کر دیتا تھا، ٹامسن نے اس طریقہ سے بہت زیادہ کام لیا۔ سیوائل نے اس قسم کا پہلا عمل ۱۸۲۴ء میں کیا تھا۔ اس لئے اُسے موجد تسلیم کیا جاتا ہے اُس کے بعد اِس عمل میں بہت کچھ اصلاح کی گئی، جس کا فخر زیادہ تر ٹامسن کو حاصل ہے۔ ٹامسن اس خاص فن میں بہت نامور اور یگانۂ روزگار مانا گیا تھا، چنانچہ ۱۸۶۳ء میں شاہ بلجیم نے جو سنگ مثانہ کے مرض میں مُبتلا تھا اُسے اپنے علاج کے لئے طلب کیا، کیونکہ یورپ کے مشہور اور قابلترین سرجن اُس کے علاج میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ لیکن ٹامسن کے علاج سے اُسے شفائے کلی حاصل ہوگئی۔ اس لائق اور ممتاز ڈاکٹر نے ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے چچا کی بہت خدمت کی تھی اس لئے ملکہ آنجہانی نے اُسے نائٹ کا معزز خطاب عطا فرمایا۔ اُسی زمانے میں وہ ہسپتال متعلقہ یونیورسٹی کالج میں اعلےٰ سرجن کے عہدے پر مامور کیا گیا تھا۔ عطائے خطاب کے بعد اُس نے اس عہدے سے سبکدوش ہوکر پروفیسری اور مشورہ دینے والے سرجن کی آسامی قبول کی۔

سر ہنری ٹامس کے نام سے انگلستان کی پبلک بہت زیادہ واقف ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے چند نہایت اہم اور ضروری سوشیل (معاشرتی) اور مذہبی معاملات میں کمال دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا۔ اُن میں ایک یہ معاملہ تھا کہ اُس نے بیماروں کی صحتیابی کے لئے دُعا کرنے کے متعلق پروفیسر ٹنڈل کو لکھا جو ۱۸۷۲ء میں رسالہ کنٹمپرری ریویو میں شائع ہونے کے علاوہ دوسرے اخبارات میں بھی ایک طویل عرصہ تک زیر بحث رہا۔

اس خط میں اُس نے دعاء کے مختلف اغراض و مقاصد پر تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد اُس کے حقیقی نتائج کے امکان کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ رائے قائم کی تھی کہ یہ ایک ذریعہ

ایسا معلوم ہوتا ہے جس کے مطالعہ سے دعا کی اُس کامل قدر و قیمت کا جو اندازہ کئے جانے کے قابل ہے، تقریباً یقین کے ساتھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سے میری مراد وہ اثر ہے جو مُردوں کی صورت اور رفتار کے رنگ میں سُننے والوں کو متاثر بناتا ہے، اب یہ امر قابل غور ہے کہ ایسا ضروری اثر یا تو بظاہر ہوتا ہی نہیں یا ہوتا ہے، ان دونو حالتوں میں اگر موخرالذکر حالت ہو تو ماہیت امراض کے ماہر کو چاہئے کہ اس مقصد کو سامنے رکھ کر اس کی تحقیقات کرنے اور قائم کر لینے میں کوشش بلیغ کرے۔ جب یہ تحقیقات ہو جائے تو مریض کی حالت کو بغور دیکھنے سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دعا کا اثر کس حد تک ہوا ہے۔ اِس کے بعد یہ تدبیر اختیار کی جا سکے گی کہ دعا کے اس مفید اثر کو بیماروں اور قریب بہ مرگ لوگوں کے درمیان عملی صورت میں کہاں تک لایا جا سکتا ہے، جب یہ معاملہ اس حد تک پہنچ جائیگا تو میں چند امور کی تحقیقات اور تلاش کروں گا جن سے بنی نوع انسان کو بے حد فوائد حاصل ہونگے ۔

اُس نے اس معاملہ کی جانچ کرنے کے لئے یہ عملی طریقہ تجویز کیا تھا کہ صرف ایک ہسپتال یا اس کے ایک وارڈ (حصّہ) میں جو اوّل درجہ کے ڈاکٹروں کی نگرانی میں ہو۔ ایسے امراض کے مریض رکھے جائیں جن کو ڈاکٹروں نے خوب سمجھ لیا ہو، پھر اُس ہسپتال یا وارڈ کے لئے تین یا پانچ سال تک مریضوں کے لئے دعائیں کرائی جائیں۔ اِس کے بعد تعداد اموات کا مقابلہ گذشتہ سالوں کی تعداد اموات سے کیا جائے۔ پھر دوسرے ہسپتالوں کی اسی قدر مدت کی اموات سے بھی موازنہ کیا جائے، لیکن افسوس کہ اس کا تجربہ کبھی نہیں کیا گیا بلکہ سخت مخالفت ہوئی۔ نیز اس پر طرح طرح کے بہتان لگا کر اُس کی نیک نیتی کے جذبات سے بیرحمانہ سلوک کیا گیا ۔

جب بیماروں کے حق میں دعاء کرنے کے لئے ڈاکٹر ٹامسن کو باقاعدہ اور مستقل طور پر لوگ نہ مل سکے تو اُس نے لوگوں کو مُردے جلانے کی ترغیب دی، لیکن یہ تجویز اُس کی سابقہ تجویز سے بھی زیادہ ہولناک نظر آتی تھی اِس لئے اس پر بھی شدّت سے مخالفت کی گئی۔ یہاں تک کہ ادھر اس تجویز کے متعلق اُس کا مضمون رسالہ

"رکن ٹمپریری ریویو" ۱۸۷۴ء کے ایک نمبر میں شائع کیا گیا اُدھر ہر طرف ایک جوش پھیل گیا۔ اس مضمون کا ابتدائی حصہ یہ ہے :۔

"موت کے بعد جسم کا کیا حال ہوتا ہے؟ مرنے کے بعد جسم میں حس وحرکت نہیں رہتی اور اُس پر مرگ کی نیند طاری ہو جاتی، اُس وقت سے اُس کے دائمی آرام کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔"

آرام۔ نہیں اُسے آرام تو ایک لمحہ کے لئے بھی نصیب نہیں ہوتا، کیونکہ اُس خاموش جسم میں اُس وقت وہ جدوجہد شروع ہوتی ہے جس سے زندگی کی کسی کشمکش میں بھی سابقہ نہیں پڑا ہوتا، مگر یہ جدوجہد یا حالت فعلی پہلی حالت کی نسبت سے بالکل مختلف ہوتی ہے، کیونکہ اس وقت بے شمار طاقتیں اُس پر حملہ آور ہوتی ہیں، گدھ بھی مردہ جسم کی بُو پا کر اس قدر بے جگری اور سُرعت سے اُس کی طرف نہیں لپکتا جس قدر جلد کارکنان قدرت یعنی انواع واقسام کے مخلوق تو اُسے تختہ مشق بنا کر اپنا اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ تجربۂ اجسام کی عملی تشریح اور نعشوں کو ٹھکانے لگانے کے مختلف طریقوں کا بیان کرنے کے بعد ٹامسن نے اس بات پر بڑا زور دیا کہ کفن ودفن کا موجودہ طریقہ، فی الحال یا آئندہ یقیناً مُضر صحت ہے، لہٰذا وہ ایک بہت بڑا تمدنی گناہ ہے، اِس سوال کا ایک اور عجیب وغریب پہلو بھی ٹامسن نے اِس طرح پیش کیا تھا کہ ہڈیاں جو کھاد کے طور پر زراعت میں بہت کام آتی ہیں، ہم نعشوں کے دفن کرنے کے طریق میں اُن کو زمین کے اندر بہت ہی نیچے دبا دیتے ہیں۔ مزید برآں کفن ودفن کی دیگر خرابیوں اور زیادتی مصارف کا بھی ذکر کیا، غرض کہ ان تمام امور کو پیش کرتے ہوئے اُس محقق ڈاکٹر نے نعشوں کو جلا دینے کی رائے دی، اُس نے اپنی رائے کی تائید میں یہ بھی بتایا تھا کہ گورستانوں سے چاہے وہ نئے ہوں یا پُرانے یہ ایک قطعی ثبوت ملتا ہے کہ جب قبروں کے اندر ذرا نمی پہنچتی ہے تو اُن میں سے ایک سخت قسم کے عفونت دار، چھوٹے چھوٹے ذرّے خارج ہوا کرتے ہیں جو قرب وجوار کے رہنے والوں میں سخت امراض پیدا کر دیتے ہیں۔"

ڈاکٹر ٹامسن نے مُنشّی اشیاء کے استعمال کے متعلق یہ رائے دی کہ یا تو اُن کو قطعی استعمال نہ کیا جائے اور اگر کیا جائے تو بہت ہی اعتدال کے ساتھ۔ اِس رائے کی اُس نے بڑے زور کے ساتھ حمایت کی اور لوگوں کو بتایا کہ اُن کے ترک کرنے سے خود اُس کی صحت بہت کچھ ترقّی کر گئی تھی۔ نیز یہ کہ اُن کے بغیر کام کاج بہت اچھی طرح اور بڑے لطف کے ساتھ انجام پذیر ہوتا ہے ؀

سر ہنری ٹامسن کی چھوٹی اور سہل تصانیف میں سے کتاب "فوڈ اینڈ فیڈنگ" یعنی "غذا و تغذیہ" نہایت ہر دلعزیز اور پُر لطف ہے۔ اِس کے علاوہ اُس نے ایک طبّی ناول شائع کیا جس کا نام "چارلی کنگسٹن کی خالہ" ہے جو مصنوعی طور پر رکھا گیا تھا۔ اِس کے مطالعہ سے اُس کی اعلےٰ اور مُستند خیالی اور ادبی مذاق پر روشنی پڑتی ہے۔

اِس عالی دماغ فاضل کو فنون لطیفہ سے بھی بہت کچھ دلچسپی تھی۔ اُس نے فن مصوّری میں بہت کچھ مہارت پیدا کی اور "رائل اکیڈمی لنڈن" (شاہی مجلس علماء) میں کئی ایک تصاویر پیش کیں۔ ۱۹۰۴ء میں یہ فاضل ڈاکٹر اِس دارِ فانی سے انتقال کر گیا۔ لیکن معلوم نہیں کہ آیا اس کی نعش دفن کی گئی یا جلائی گئی (مؤلف) ؀

(۲۶۵) ٹائن بی { TOYNBEE Goseph Toynbee } (ڈاکٹر)

جوزف ٹائن بی ہیکنگٹن واقع لنکا شائر (انگلستان میں) پیدا ہوا۔ اُس کا باپ ایک بہت بڑا زمیندار تھا۔ چند سال تک پرائیویٹ طور پر ایک اُستاد سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ "کنگس لن گرامر سکول" میں داخل ہوا۔ آگے چل کر ۱۷ سال کی عمر میں اُس نے "ویسٹ منسٹر جنرل ڈسپنسری" لنڈن میں مسٹر ولیم ویڈ کی شاگردی اختیار کی۔ اور مسٹر ڈرموٹ سے علم تشریح کی تحصیل شروع کر دی۔ اُس کے اعمال جراحیہ میں چونکہ بیشتر کانوں کی چیر پھاڑ کے مواقع پیش آتے رہے اس لئے اِس میں اُس کو بہت سا ملکہ حاصل ہو گیا۔ اس کے علاوہ اُس نے "سینٹ جارج ہسپتال" اور "یونیورسٹی کالج ہسپتال" لنڈن میں بھی علم طب کی تحصیل کی ؀

طالب علمی کے زمانے ہی میں کان کے متعلق امراض و چیر پھاڑ کی طرف اُسکی زیادہ توجہ مبذول ہوگئی تھی اور ۱۸۳۶ء میں امراض گوش کے متعلق اُس کے اکثر مضامین بھی اخبار "لینسٹ" میں "جے۔ ٹی" کے نام سے شائع ہوئے تھے۔ ۱۸۳۸ء میں ٹائن بی "کالج آف سرجنز" کا ممبر بنایا گیا۔ اور کالج کے میوزیم (عجائب خانہ) جو پروفیسر اوین کی نگرانی میں تھا۔ منصرم مقرر کیا گیا۔ ۱۸۴۲ء میں وہ رائل سوسائٹی کا فیلو منتخب کیا گیا۔ یہ عزت اُسے اُن تحقیقات کے باعث نصیب ہوئی جو اُس نے "جوڑوں کے درمیان خون کی رگوں کا ہونا" "قرینہ" "رطوبت بلوریہ" "رطوبت زجاجیہ" اور "جلد کی ننھی ننھی رسولیوں" وغیرہ کے متعلق کی تھی۔

ٹائن بی نے تھوڑی ہی عمر میں بمقام آرگائل پلیس لنڈن امراض گوش کا علاج و معالجہ شروع کر دیا تھا۔ اس کے بعد وہ اسی شہر میں "سینٹ جیمس ڈسپنسری" اور "سینٹ جارج ڈسپنسری" کا سرجن مقرر ہوگیا۔ جب کالج آف سرجنز کے شاہی فرمان کی تجدید کی گئی تو اُس کا نام رکنوں کی اوّل فہرست میں درج کیا گیا۔ اُس نے ایک شفاخانہ میں ایک فنڈ (چندہ) قائم کیا۔ جس سے وہ غریب مریضوں کو ضروریات زندگی اور گرم کپڑے وغیرہ دیا کرتا تھا۔ وہ حفظان صحت کے متعلق باتوں اور تجویزوں سے گہری دلچسپی رکھتا تھا۔ اور جتنے محلے اور کوچے اُس کے گرد و نواح میں تھے۔ اُن کی عمارتوں میں ہوا کی آمد و رفت کے ذرائع بنوایا کرتا۔

اگرچہ ٹائن بی کی اپنی خاص پریکٹس کی آمدنی بہت بڑھ گئی تھی، لیکن پھر بھی وہ جراحی کا کام کرتا رہا۔ نیز اُس نے اپنی زندگی میں بہت سی خیراتی انجمنوں کی امداد میں علمی اور مالی طور پر حصہ لیا۔ اُس نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ اُس وقت تک کان کی جراحی اور کان کے امراض کا حال محض چیر پھاڑ کے ذریعہ سے بہت کم معلوم ہو سکا۔ اِس لئے اُس نے اسی خاص عضو کی جراحی کو اپنی خاص توجہ اور کوشش کا آماجگاہ بنایا، اور اُس کے متعلق معلومات میں وہ اپنے ذاتی تجربوں، مشاہدوں اور کامل غور سے اضافہ کرتا رہا، اس کام کو اُس نے کوئی بیس سال تک جاری رکھا۔ اور

اس دوران میں اُس نے تقریباً دو ہزار آدمیوں کے کانوں پر عمل جراحی کیا، جن میں بہُت سے اُس کے اپنے مریض تھے جو اُس کے اپنے قائم کردہ "گونگوں اور بہروں کے ہسپتال" میں آیا کرتے، اور بہُت سے وہ بیمار تھے جن کو دوسرے ڈاکٹر اُس کے پاس بھیج دیا کرتے تھے، اور اُن کے مفصّل حالات سے بھی اُسے مطلع کیا کرتے تھے اُس کے علاوہ اُس نے خود بھی بہت ایسے مریضوں کے گذشتہ حالات نہایت غور و احتیاط کے ساتھ معلوم کئے تھے، جو کانوں کی پرانی بیماریوں سے تکلیف اُٹھا رہے تھے؛

۱۸۶۰ء میں ٹائن بی نے "امراض گوش" پر ایک ضخیم کتاب شائع کی، جس سے اِس مبحث نے ایک مستقل شکل اختیار کی یہ کتاب اُن دلچسپ کوائف اور معالجات کے باعث جو اُس میں درج ہیں ہمیشہ قابل قدر ثابت ہوگی اور اس سے اطبّاء کو بہُت سی مدد ملتی رہیگی۔ یہ دراصل اُسکے اُن ساٹھ مضامین کا مجموعہ ہے جو اُس نے مختلف اوقات پر لکھے تھے۔ اور جن میں اُسکی اُن تحقیقات کے کوائف درج ہیں جو اُس نے نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ کی تھی؛

اِن تحقیقات میں کان کے پردہ کی بناوٹ اور اُس کے افعال، کان کی نالی کے عضلات، نیز یہ کہ کان کے پردے سے کان کے نہایت پیچیدہ اندرونی حصوں میں آواز کیسے پہنچتی ہے، وغیرہ وغیرہ امور پر نہایت محققانہ بحث ہے؛

۱۸۵۷ء میں ٹائن بی نے کان کے مختلف اجزاء کے نمونوں کی مفصّل فہرست شائع کی، اور اُن کے متعلقہ امراض کی تصاویر بھی بنائیں۔ یہ تمام اشیاء اُس کے اپنے عجائب خانہ میں موجود تھیں۔ جب لندن میں سینٹ میری کا ہسپتال قائم کیا گیا تو اُس میں امراض گوش کا لیکچرار اور سرجن ٹائن بی کو مقرر کیا گیا۔ ۱۸۵۵ء اور ۱۸۵۶ء میں اُس نے مریض کی حالت دیکھ کر تشخیص مرض کے طریقوں پر اپنے وہ لیکچر شائع کرائے جو اُسے وقتاً فوقتاً ہسپتال مذکور میں دینے پڑے تھے، یہ فاضل محقق فاترالعقل گونگے اور بہرے مریضوں کی حالت سے طبعی طور پر زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ چنانچہ اِس قسم کے لوگوں کے لئے اُس نے بہُت سی عجیب عجیب ترکیبیں ایجاد کی تھیں، جو لوگ بالکل بہرے نہیں تھے مگر اُن کا مرض لاعلاج قرار دیا گیا تھا ڈاکٹر موصوف کی ترکیب سے

سُننے لگتے۔ اور جو گونگے ہوتے وہ بولنا سیکھ جاتے۔ اور اُس کے علاوہ اُن کی دماغی قوتوں میں ترقی ہو جاتی +

ہوا کی آمد و رفت اور مقامی عجائب خانہ سے بھی وہ نہایت گہری دلچسپی رکھتا تھا۔ امراضِ گوش کے جو مریض اُس کے ہسپتال میں علاج کرانے کے لئے آتے تھے خواہ اُن کو صحت ہوتی یا نہ ہوتی مگر وہ مکان کے اندر ہوا اور روشنی کی بے تکلف آمد و رفت کے اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے اور اس خاص امر میں بھی اُس کی بہت تعریف کرتے موضع ومبلڈن میں ایک ایسا عجائب خانہ قائم تھا جس سے لوگوں کو کافی واقفیت حاصل ہونے کے علاوہ بہت کچھ تفریح بھی ہوتی۔ اُس نے ۱۸۳۶ء میں دو چھوٹی چھوٹی کتابیں "عجائب خانہ قائم کرنے کے متعلق اشارات" اور "ومبلڈن میوزیم نوٹس" کے ناموں سے شائع کیں، وہ سلطنت برطانیہ کے ہر حصہ میں اسی قسم کے عجائب خانے اور کلب قایم کرنے کی حمایت وکوشش کرتا رہا اُس نے ہمیشہ اپنی محققانہ زندگی میں خوردبین کے ذریعہ سے باریک ترین وخورد ترین اشیاء کا مشاہدہ کیا اور علم حیوانات سے بھی اُسے گہری دلچسپی رہی۔ اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے کیکٹ کلب میں جہاں خوردبینی تجربات کئے جاتے ہیں، پریسیڈنٹ بنایا گیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ میڈیکل "بینی وولنٹ کلب" (طبّی خیراتی کلب) کا خزانچی بھی رہا جس میں بذات خود بھی وہ بہت کچھ مدد دیا کرتا تھا +

بہرہ پن کے علاج میں ٹائن بی نے جو نہایت قیمتی اضافہ کیا ہے وہ کان میں مصنوعی پردہ بنانے کی اس کی ایجاد سے جبکہ کان کا اصلی پردہ پھٹ گیا ضائع ہو گیا ہو یعنی جب کان کا پردہ پھٹ جائے یا ضائع ہو جائے تو اُس کی جگہ مصنوعی پردہ بنا دینا۔ چنانچہ جو کتاب اُس نے امراضِ گوش پر لکھی ہے اُس میں اِس کا بھی ذکر کیا ہے، اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس عضو کی خرابی کا باعث چھوٹی چھوٹی رسولیاں ہوتی ہیں۔ جو کسی وجوہ سے پیدا ہو جاتی ہیں +

ٹائن بی کی مفید زندگی کا خاتمہ قبل از وقت ہی ایک طبّی تجربہ کے باعث ہُوا۔ وہ کوشش کرتا تھا کہ کلوروفارم اور ہپروسک ایسڈ کان کی نالی کے ذریعہ سے کان کے

پردہ تک پہنچایا جائے۔ اور اُن کا شور بند کیا جائے۔ مگر افسوس کہ اُس وقت اُس کے پاس اور کوئی شخص نہ تھا جو دوائی کے سمی اثر سے آگاہ ہو کر کسی کو خبر کرتا۔ چنانچہ وہ ۷۔ جولائی ۱۸۶۶ء کو اپنے اُس کمرہ میں مُردہ پایا گیا۔ جہاں وہ مریضوں سے ملاقات کیا کرتا تھا۔ اُس کے چہرے پر روئی کا ایک موٹا سا پھوہا کلوروفارم اور پروسک ایسڈ، گھڑی، اور تجربات کی یادداشتیں پائی گئیں۔ جب اُس کے مرنے کی خبر مشتہر ہوئی تو اُس کی بیوی اور بچوں کے ساتھ عام طور پر ہمدردی ظاہر کی گئی۔ اُس کی متاہل زندگی بہت شاد اور پُر آسائش گذری تھی ⁂

(۲۶۶) ٹیلر { TOYLOR Alfred Swaine Toylor } (ڈاکٹر)

الفریڈ سوین ٹیلر ۱۸۰۶ء میں نارتھ فلیٹ میں پیدا ہوا اور اُس نے ہانسلو میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ ۱۶ سال کی عمر میں وہ ایک سرجن کا شاگرد بن گیا جو مبڈسٹون کے نزدیک رہتا تھا۔ اور ۱۸۲۳ء میں سینٹ گائی ہسپتال اور سینٹ ٹامس ہسپتال لندن میں تحصیل علوم کے لئے داخل ہوا، اُس وقت ان دونو ہسپتالوں سے متعلق ایک طبی مدرسہ تھا جو دونوں کا مشترکہ تھا جو بعد میں سینٹ گائی ہسپتال لندن میں شامل ہو گیا۔ اس کے بعد وہ وہیں کا مدرّس بنا۔ اور ۱۸۷۸ء تک وہاں رہا۔ ۱۸۲۶ء میں اُس نے میڈیکل "جورس پروڈنس" یعنی طب قانونی یا شرعی کی طرف زیادہ توجہ دینی شروع کی۔ وہ اس بلا کا ذہین تھا کہ عنفوان شباب ہی میں "سینٹ گائی ہسپتال" لندن سے اُس کو ایک علم تشریح کا انعام عطا کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر آن ایلن اور ایکن سے اُس نے کیمسٹری (کیمیا) کا فن حاصل کیا۔ جس سے اُسے عقلی طور پر زیادہ دلچسپی اور طبعی طور پر بے حد مناسبت تھی۔ مزید برآں وقتاً فوقتاً پیرس اور یورپ کے دیگر مقامات میں جانے سے اُس کے شوق کیمسٹری (کیمیا) نے انتہائی ترقی کی۔ پیرس میں اُسے اُرفیلا اور گے لُسک کے لیکچر سننے کا اتفاق ہوا جو مسلم محقق تھے۔ ان علوم کے مطالعہ سے اُس کے عقلی اور ذہنی قویٰ کو بہت کچھ ترقی نصیب ہوئی۔

اور وہ مظاہر طبیعی کے اسباب کی توضیح و تشریح پر قادر ہو گیا۔

ٹیلر نے ۱۸۲۸ء میں لندن اور ۱۸۳۰ء میں کالج آف سرجنز (کالج الاطباء) کے امتحانات پاس کئے۔ اس کے بعد اُس نے طبابت کا پیشہ شروع کر دیا۔ حالانکہ ساتھ ہی اُس کو ایک اور مصروفیت بھی تھی کہ وہ سینٹ گائی ہسپتال لندن کیمیکل لیبوریٹری (دار التجارب کیمیائی) میں کیمسٹری کے مسائل کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔

۱۸۳۱ء میں "پوتھی کیری سوسائٹی" نے جب اوّل ہی بار طلباء کے لئے "طبِ قانونی" کو لازمی کر دیا۔ تو ٹیلر گائی ہسپتال میں اس مضمون کا لیکچرار مقرر کیا گیا۔ اس خدمت کو وہ ۴۷ سال تک بڑی عمدگی اور بیحد قابلیت کے ساتھ انجام دیتا رہا۔ آگے چل کر ۱۸۳۲ء میں اسے ڈاکٹر ایکن کے ساتھ کیمسٹری پر لیکچر دینے کی ماموریت حاصل ہوئی چنانچہ ۱۸۵۱ء تک کا زمانہ اسی شغل میں گزرا۔ ۱۸۷۰ء تک کیمسٹری پر وہ اکیلا لیکچر دیتا رہا مگر اس خدمت سے بہت جلد یعنی اسی سال سبکدوش ہو گیا۔ اُس کے لیکچر وضاحت اور فصاحت کی بولتی ہوئی تصویریں ہوتے تھے۔ اُن میں کسی قسم کی پیچیدگی اور اُلجھن مطلق نہ ہوا کرتی تھی، اُس کے تجربات صفائی اور درستی کا نمونہ ہوا کرتے تھے۔

۱۸۳۲ء میں ٹیلر نے زہر سے متعلق یادداشتوں کا ایک سلسلہ شروع کیا، اور شہر نیپلز، اٹلی کے قریب کا ایک واقعہ بھی پوری تفصیل کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کر دیا، اس میں کاربانک ایسڈ گیس سے حبس دم (دم گھٹنے) کے خیالات کا بھی اظہار کیا گیا ہے۔ یہ حالات سب سے پہلے لنڈن کے ایک مشہور رسالہ میں شائع ہوئے تھے۔ اس کے بعد اُس محقق ڈاکٹر نے سینٹ گائی ہسپتال کی رپورٹوں میں سے نہایت اہم اور ضروری معاملات پر مضامین لکھے۔ جو حسب ذیل مسائل سے متعلق تھے۔

(۱)۔ پانی کا سیسے پر کیا عمل ہوتا ہے؟

(۲)۔ کچلہ کے زہر سے کیوں ہلاکت واقع ہوتی ہے؟

(۳)۔ سُرمہ اور سنکھیا کے امتحان کا معیار، وغیرہ وغیرہ

وہ قابل دماغ تھوڑے ہی عرصہ میں اُن معاملات کے لئے جو طب اور قانون سے

تعلق رکھتے ہیں مُستند تسلیم کیا جانے لگا، اُس نے لندن کے ایک طبّی رسالے میں "زہر خورانی" بچوں کے قتل، اور دیگر امور پر قابل قدر مضامین شائع کئے ۱۸۳۶ء میں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، اُسے "میڈیکل جورس پروڈنس" (طب قانونی) کی طرف بیشتر توجہ ہوئی اور جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس نے اس مبحث پر اپنی ایک تصنیف کی پہلی جلد شائع کی۔ جس کا نام مینوئل آف میڈیکل جورس پروڈنس (دستور العمل طب قانونی) ہے یہ کتاب ۱۸۷۹ء تک دس دفعہ شائع کی گئی۔ حتیٰ کہ امریکہ میں بھی اُس کے متعدد ایڈیشن چھاپے گئے۔ ڈاکٹر ٹیلر کو اسی طب قانونی کے مبحث میں ایک کتاب لکھنے پر ایک سَو پونڈ کا انعام (سوٹنی پرائیز) اور اُس کے ساتھ ہی چاندی کا گلدان عطا کیا گیا۔

۱۸۴۵ء میں جب وہ "کالج آف فزیشن" (مدرسہ طبیہ) کا ممبر مقرر کیا گیا تو اُس نے سمیات پر ایک کتاب شائع کی۔ جو ایک نہایت مُستند اور قابل قدر کتاب تسلیم ہو کر کئی مرتبہ شائع کی گئی۔ بعدہٗ ۱۸۶۵ء میں اُس کی ایک اور مشہور تصنیف "دی پرنسپل اینڈ پریکٹس آف میڈیکل جورس پروڈنس" یعنی علم و عمل طب قانونی کے نام سے شائع ہوئی یہ کتاب بھی نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئی۔

جس قدر تصانیف کا اس وقت تک ذکر آچکا ہے وہ ٹیلر کی لٹریری کوششوں اور محنتوں کا صرف ایک حصہ ہیں، اس کے علاوہ ۱۸۴۴ء سے ۱۸۵۱ء تک وہ "لندن میڈیکل گزٹ" کا ایڈیٹر رہا جو بعد میں، میڈیکل ٹائمز نامی طبی رسالے کے ساتھ شامل کر دیا گیا تھا، میٹریا میڈیکا پیریرا کے متعدد ایڈیشن مرتب کرنے میں بھی اُس نے بہت سی مدد کی، ۱۸۶۳ء میں اُس نے پروفیسر برانڈ کے ساتھ مل کر ایک کتاب کیمسٹری پر بھی شائع کی، اس کے بعد ۱۸۷۶ء میں ڈاکٹر آرناٹ کی مشہور کتاب کو جو طبیعیات پر تھی۔ اُسے مرتب کیا ۱۸۵۳ء میں وہ "کالج آف فزیشنز" کا فیلو منتخب ہُوا۔ اس سے پیشتر ہی اُسے "سینٹ اینڈرو (اسکاٹ لینڈ) کی یونیورسٹی سے ایم۔ ڈی کی آنریری (اعزازی) ڈگری عطا ہو چکی تھی ۱۸۴۷ء میں وہ رائل سوسائٹی کا فیلو مقرر کیا گیا۔

ڈاکٹر ٹیلر کی شہرت زیادہ تر عدالت میں ڈاکٹری معاملات میں گواہی دینے سے ہوئی تھی

اگر کسی عدالت میں کوئی غیر معمولی قسم کا مقدمہ پیش ہوتا جس میں ڈاکٹر کی شہادت ضروری سمجھی جاتی، تو عام طور پر توقع کی جاتی تھی کہ یہ شہادت ڈاکٹر ٹیلر سے دلائی جائیگی اُسے عدالت نے اس قسم کی شہادتوں کے لئے ملازم بھی رکھا تھا۔ ڈاکٹر ٹیلر میں جس قدر صفات تھیں اُن سب کا بیان اس موقع پر اس مختصر میں مشکل ہے، اس لئے اُس کے اوصاف کے متعلق "میڈیکل ٹائمز" کا ایک اقتباس پیش کردینے پر اکتفا کی جاتی ہے کہ

"وہ دراز قامت اور خوشنما تھا، دوستوں سے تلطف کے ساتھ پیش آتا، اور دشمنوں سے سختی کے ساتھ، اور شہادتوں میں وکلاء اُس کے زبردست اور مدلّل بیان کو اپنے دلائل سے توڑ نہیں سکتے تھے، اُس کا کام ہمیشہ مکمل اور مفصّل ہوا کرتا تھا۔ جس کے نتیجہ میں یقیناً طمانیت پائی جاتی تھی"

ڈاکٹر ٹیلر کو "زہر خورانی" کے ایک مقدمہ میں جو ایک شخص پامر نامی کے خلاف تھا شہادت دینے کے لئے طلب کیا گیا، مقدمہ بڑا معرکۃ الآرا تھا، اور اُس میں صفائی کی طرف سے ماہر طبیب اور قابل وکیل پیش کئے گئے تھے، لیکن جو رائے ڈاکٹر رکی سن نے استغاثہ کی طرف سے پیش کی تھی، وہ بڑی زبردست اور مضبوط تھی اس لئے ڈاکٹر ٹیلر کو اُس کی تائید کرنی ہی پڑی، اگر ادھر سے تائید نہ ہوتی تو پامر ملزم صاف چھوٹ جاتا، ٹیلر نے اپنی یہ رائے ایک رسالہ موسومہ "کچلہ سے زہر خورانی" میں بھی ظاہر کی ہے۔ اور اُس کا بہت سا حصہ سینٹ گائی ہسپتال لندن کی رپورٹوں میں بھی ۱۸۵۶ء میں شائع کیا گیا۔ اس طرح اس مقدمہ کے باعث اس قابل ڈاکٹر کی شہرت کو اور بھی ترقی ہوئی۔ ۲۷ مئی ۱۸۸۰ء کو آخر اس فاضل ڈاکٹر نے بھی جہان فانی کو چھوڑ دیا۔

(۲۶۷) ثابت النّاقل (حکیم)

اگرچہ یہ بھی اوسط درجہ کا مترجم ہے۔ لیکن ابراہیم بن الصّلت پر اس کو فضیلت دی جا سکتی ہے۔ اس نے بہت کم کتابوں کا ترجمہ کیا ہے۔ جالینوس کی کتاب "الکیموسین" کا ترجمہ اسی نے کیا تھا۔

(۲۶۸) ثادری اُشقف (حکیم)

بغداد کے محلہ کرخ میں اُشقف (آرچ بشپ) تھا۔ اُس کو کتابوں کے جمع کرنے کا عشق تھا۔ اس لئے وہ منرجمین کی بے حد دلدہی اور خاطرداری کیا کرتا۔ اُس نے رفتہ رفتہ باذراط کتابیں جمع کر لیں۔ بہت سے عیسائی اطباء نے فن طب کی جلیل القدر کتابیں اِس کے واسطے اور اسی کے نام پر تصنیف کیں ✤

(۲۶۹) ثاؤفرسطس (حکیم)

یہ حکیم ارسطاطالیس کا نامور شاگرد اور اُس کا خالہ زاد بھائی تھا۔ ارسطاطالیس نے اس کو اپنا وصی اور مسند درس کا جانشین بنایا تھا۔ اس کی تصانیف میں سے یہ کتابیں معلوم ہوئی ہیں۔ کتاب النفس ایک مقالہ۔ کتاب الآثار العلویہ ایک مقالہ۔ کتاب الادب ایک مقالہ۔ کتاب الحس والمحسوس۔ چار مقالے۔ کتاب مابعد الطبیعۃ ایک مقالہ۔ کتاب اسباب النبات یہ قاطیغوریاس کی تفسیر (شرح) ہے اور بقول بعض یہ ثاوفرسطس کے نام سے غلط طور پر مشہور ہوگئی درحقیقت اُس کی تصنیف نہیں۔ ایک کتاب توجید کے بیان میں جو دیمقراط کے لئے لکھی تھی۔ اور کتاب مسائل طبیعیہ ✤

ج

(۲۷۰) جابر بن منصور السکری (حکیم)

مُوصل کا رہنے والا۔ مسلمان۔ دیندار۔ فن طب کا عالم اور نہایت سربرآوردہ طبیب تھا۔ احمد بن ابی الاشعث کی صحبت کا تربیت یافتہ اور اُسی کا شاگرد رشید تھا۔ بعد ازاں ابی الاشعث کے نامور شاگرد محمد بن ثواب کی صحبت سے بھی فیض اُٹھایا۔ اس کا قیام زیادہ تر شہر موصل میں رہا۔ اُس کے بیٹے ظافر نے حلب (ملک شام) میں نقل مکان کرکے سکونت اختیار کر لی تھی ✤

(۲۷۱) جارمکسانس (حکیم)

بقراط کے بعد اور جالینوس سے قبل۔ایک ہوشیار طبیب گذرا ہے۔ دواؤں کی ترتیب کا ماہر اور اُن بارہ طبیبوں میں سے تیسرا شخص ہے جو ایک کے بعد دیگرے پیدا ہونے والے "دوازدہ بروج" کے لقب سے مشہور ہوئے۔یہی حکیم دواؤں کی ترتیب اور نسخوں کی ترتیب کا بانی تھا۔

(۲۷۲) جالینوس (حکیم)

جالینوس کی نسبت یہ بتا دینا ضروری ہے کہ وہ اُن آٹھ فن طب کے موجدوں اور اماموں میں سے آخری فرد ہے جنہوں نے اس علم کو ترقی دینے میں سخت کوششیں کیں اور جدید معلومات سے اس کا خزانہ وسیع بنایا۔مگر حقیقت یہ ہے کہ فن طب میں جالینوس کا پایہ تمام متاخرین سے ارفع و اعلٰے۔اور اُس کا علم سب سے بالاتر ہے۔وہ فن طب کا جان بخش تھا۔کیونکہ بقراط کے بعد سوفسطائی حکماء نے مسائل طبی میں اپنے فلسفہ کا رنگ اس قدر ملا دیا تھا کہ وہ بالکل مسخ ہو کر رہ گئے۔اور اُن کی خوبیوں میں نمایاں فرق آ گیا تھا۔جالینوس نے اُن کو صاف کیا اور بقراط کے اقوال کو دیگر حکماء کی آراء کی آمیزش سے پاک بنایا۔سوفسطائی حکماء کے اقوال کی تردید کر کے بقراط کے خیالات کی تائید کی۔اُن کو دلائل نظری اور تجربات عملی کے ذریعہ سے مستحکم کیا۔اُس نے حق بات کی تلاش اور اُس کے اظہار میں اپنا پورا زور صرف کیا اور اس طرح علم طب کی لازوال خدمت کر گیا جس کو دور زمانہ کبھی مٹا نہیں سکتا۔اور اب ہم جالینوس کے حالات کسی قدر مناسب تفصیل سے درج کرتے ہیں۔جن کے ضمن میں اُس کی طبی رایوں کا بھی جابجا تذکرہ کیا جائیگا۔تاکہ اہل فن اُس سے فائدہ اُٹھائیں اور عام شائقین ایک مزید دلچسپی کا مشغلہ پائیں۔

نام و نسب۔جالینوس نام۔نسب و حسب کا کوئی صحیح پتا نہیں ملتا۔صرف

اس قدر معلوم ہوا ہے کہ اُس کا باپ نہایت خوش حال اور ذوی علم شخص تھا۔ غالباً زمینداری کرتا اور صاحب جائداد تھا۔

مولد و مسکن: ۔ جالینوس معتبر روایت کے لحاظ سے جزیرہ[1] "فارموسا" کا رہنے والا تھا۔ وہیں پیدا ہوا۔ اور اُسی جگہ تعلیم و تربیت پائی۔ باپ کو بیٹے کی ذہانت اور طبّاعی دیکھ کر اُس کی تعلیم کا حد سے زائد خیال تھا۔ دُور دُور سے لائق و فائق اُستاد ہر فن کے بلوائے اور اُس کی تعلیم و تربیت پر مامور کئے تھے خود بھی جس قدر علم رکھتا تھا اُتنا بیٹے کو تعلیم کیا اور بہت تھوڑے عرصہ میں جالینوس کی فطری استعداد اپنا جوہر دکھانے لگی۔

جالینوس ۹۵ء میں پیدا ہوا۔ یہ قول کہ وہ حضرت مسیح کا معاصر تھا صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ خود اپنی کتاب تشریح کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ وہ "قیصر البیوس طریبنوس" فاتح انطاکیہ کے عہد حکومت میں پیدا ہوا تھا اور یہ قیصر یونانیوں کی صحیح ترین تقویم کے مطابق ۸۵ء میں تخت نشین ہوا۔ جالینوس اُس کے دسویں سال جلوس میں پیدا ہوا اس لئے اُس کی ٹھیک تاریخ ولادت ۹۵ء ہے۔

تعلیم و تربیت: ۔ جالینوس نے اپنی سوانح عمری مختلف تصانیف میں خود ہی قلمبند کر دی ہے۔ اس لئے ہم کو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے بیان کو مستند مان کر اخذ کریں۔ وہ لکھتا ہے "تعلیم کا وقت آتے ہی میرے باپ نے میری ابتدائی تعلیم میں خود کوشش شروع کر دی۔ وہ علوم ہندسہ۔ حساب اور ریاضیات کا نامور فاضل تھا۔ اُس نے یہ تمام علوم مجھ کو سکھائے اور پندرہ سال کی عمر تک میں اپنے بزرگ باپ ہی سے پڑھتا رہا۔ اِس کے بعد مہربان باپ نے مجھے ایک منطقی

---

[1] "فارموسا" مشرقی ایشیاء کا ایک جزیرہ اور شہر قسطنطنیہ کے نزدیک واقع ہے۔ یہ جزیرہ "گریس" کے یونانیوں کا مسکن تھا اور مشرقی رومن امپائر کے قیاصرہ یہاں شاہی قیدیوں کو نظر بند رکھتے تھے۔
حکیم جبرئیل بن بختیشوع۔ جو خلفائے عباسیہ کے دربار کا نامور طبیب تھا اُس نے ذکر کیا ہے کہ جالینوس کی جائے ولادت اور سکونت شہر "سمرنا" تھا۔ جالینوس اسی شہر کے مضافات میں ایک گاؤں میں رہا کرتا جس کا نام "قرہ" ہے۔ اور وہ شہر سمرنا سے دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اُستاد کے سپرد کیا اور چاہا کہ مجھے کو فلسفہ کی تعلیم دلائے۔ لیکن ایک خواب کی بنا پر علم طب کی تحصیل میں مشغول ہونے کا حکم دیا۔ سترہ سال کی عمر تک یعنی دو سال میں میں نے طب کی تعلیم حاصل کی۔

جالینوس کو علم کا اس قدر شوق تھا کہ وہ مدرسہ سے سبق پڑھ کر گھر واپس آتے ہوئے راستہ میں برابر کتاب دیکھتا آتا یہاں تک کہ گھر پہنچنے کے پہلے تمام سبق یاد کر لیتا۔ مکتب کے دوسری طلبہ اکثر وقت ہنسی مذاق اور کھیل کود میں گنوا دیتے۔ وہ جالینوس کو کہا کرتے کہ "اے شخص کبھی تو ہمارے ساتھ ہنسا بولا کر۔ یہ کیا مُردہ دلی ہے کہ کتاب کا کیڑا بنا رہتا ہے"۔ جالینوس اُن سے کہتا کہ "آخر اس کی ضرورت؟" ہم مکتب کہتے "دل چاہتا ہے" وہ کہہ دیتا "تمہارا دل ہنسنے بولنے کو چاہتا ہے اور میرا دل پڑھنے کو۔ تم اپنی مرضی پر عمل کرو۔ اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو"۔

سترھویں سال کی عمر میں جالینوس کو تحقیقات علمی کی طرف میلان ہو گیا تھا اب وہ جو کچھ پڑھتا اُسے اپنے دماغ میں محفوظ کر کے خود اُس پر غور و فکر کرتا اور اُس کی صحت و غلطی جانچتا رہتا۔ کوئی علمی مسئلہ اُس وقت تک صحیح نہ خیال کرتا جب تک کہ خود اُسے جانچ نہ لے۔ جالینوس کے نزدیک علم بے عمل کوئی چیز نہ تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ علم کا فائدہ یہی ہے کہ انسان کسی بات کو جان بوجھ کر اُس سے فائدہ بھی اُٹھائے۔ اُستاد اُس کی یہ بے نظیر صفت دیکھ کر حیران رہ جاتے اور دل و جان سے اُس کو پڑھانے اور بنانے کے خواہاں رہتے۔ سچ ہے کہ اُستاد کی شفقت طالب علم کی ذہانت اور شوق کے تابع ہوتی ہے۔ ہونہار طلبہ پر اُستاد ضرور مہربان ہوتا ہے اور بدشوق لڑکوں کو یہ عزت کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

تعلیم کی یہ کیفیت تھی اور تربیت کی یہ حالت کہ بزرگ اور مہربان باپ جو کہ علم و فضل کے علاوہ اخلاق و فضائل نفس کا مجسم نمونہ تھا گھر میں اپنے پیارے بیٹے کی اخلاقی تربیت کا نگراں رہتا۔ حفظ صحت۔ تدبیر غذا۔ اور درس و مطالعہ کے اوقات کا تقرر تمام کام باقاعدہ رکھتا اور ہر وقت فرزند سعید کو ہدایت کرتا رہتا کہ کس طرح اپنا عزیز وقت صرف کرنے جالینوس کا بیان ہے کہ ایک دن میں ہم مکتب دوستوں کے ساتھ تازہ پھل اور

میوے اس کثرت سے کھا گیا کہ پیٹ اپھر آیا اور تخمہ ہوگیا۔ اُس وقت تو اچھا ہوگیا لیکن پھر گرمی کا موسم شروع ہوتے ہی سخت بیمار ہوا اور فصد لینے کی ضرورت پیش آئی۔ اتفاق سے اُنہی ایام میں میرا باپ گاؤں سے میرے دیکھنے کے لئے شہر میں آیا۔ کیونکہ اب میں تحصیل علم کی غرض سے شہر میں رہا کرتا تھا۔ میری حالت دیکھ کر سخت خفا ہوا اور کہا۔ کیا تو بھول گیا کہ بچپن میں کھانے پینے کے متعلق میں نے تجھ کو کیا کیا باتیں سمجھائی تھیں۔ خبردار اپنے نوجوان اور احمق دوستوں کے ساتھ رہ کر اپنے اخلاق و عادات نہ خراب کر اور اُن کی نفسانی خواہشوں میں شریک نہ ہو۔ غذا اتنی کھانی چاہیئے کہ بدن میں جان اور جسم میں قوت قائم رہے۔ نہ اس قدر کہ صحت پر بُرا اثر ڈالے۔ چنانچہ اُس نے پھر میرے کھانے پینے کا اپنے طور پر اہتمام کر دیا اور ایسی تدابیر سے کام لیا کہ میری صحت نہایت اعلےٰ درجہ کی ہوگئی۔ میوے اور پھل میں کھاتا تھا لیکن بہت اعتدال کے ساتھ۔ اور اس طرح یہ سال میرے لئے نہایت مبارک رہا۔ کسی دن ذرا بھی میرا مزاج اعتدال سے نہ ہٹا۔ اُس وقت میری عمر اُنیس سال کی تھی۔ مگر افسوس کہ اسی سال میرے بزرگ باپ نے دنیا سے رحلت کی اور میں اُس کی شفقت سے محروم ہوگیا۔

باپ کی وفات کے بعد کھانے پینے میں پھر بے ترتیبی کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ تازہ پھل اور میوہ جات کی کثرت نے میری صحت کا نظام مختل کر دیا اور اب میں ہر سال بیمار ہونے لگا۔ کئی دفعہ فصد کھلوائی۔ مسہل لئے لیکن بیماری کا دورہ ہر سال ہوتا ہی رہا اور آٹھ نو برس متواتر اسی کیفیت میں بسر کرکے بالآخر میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ تر و تازہ پھل جو ردی الکیموس ہوتے ہیں بہت کم استعمال کرونگا۔ چنانچہ اس بات پر عمل کرنے کا انجام بہتر ہوا اور میں تندرست رہنے لگا۔ نہ صرف میں بلکہ میری دو ایک اور دوستوں نے بھی ایسا ہی عہد کیا اور وہ سب امراض سے محفوظ رہے۔

علمی شہرت و ناموری: ۔ جالینوس باپ کی وفات کے بعد طلب علم کے شوق میں وطن سے نکل کر۔ یونان کے شہروں رومتہ الکبریٰ۔ اور مشرقی رومن امپائر کے ممالک میں پھرتا رہا۔ جہاں کوئی طبیب پایا اُس سے فیض حاصل کیا قدیم اطباء کی

کتابیں اور خاصکر بقراط کی تصانیف کا مطالعہ کر کے اُن سے طبی مسائل اخذ کئے اور اس فن کے مشکل مسائل کی تحقیقات و تشریح میں بے حد محنت اُٹھائی۔ اندرونی امراض کا علاج داخلی ادویات سے کرنے کے علاوہ۔ تشریح اعضاء اور عمل جراحی میں بھی وہ کمال حاصل کیا کہ باید وشاید۔ ایک طبیبہ عورت سے جو یونان میں علاج نسواں کی بڑی ماہر گنی جاتی تھی جالینوس نے بہت کچھ فیض حاصل کیا اور علاج مستورات کے متعلق قابل قدر دوائیں معلوم کیں۔ اُسی سے امراض نسوان کی علامتیں اور اُن کی قسمیں بھی سیکھیں۔ پھر مصر گیا اور جڑی بوٹیوں کی تلاش و تحقیقات میں دشت و کہسار کی خاک چھانتا رہا۔

جس وقت وہ شہر رومۃ الکبرٰے میں تھا۔ وہاں کے اکثر نامور فلاسفہ اور اہل علم سے صحبت رہتی اور علم و حکمت کے متعلق تبادلۂ خیالات کا موقع ملتا رہتا۔ اُن فیلسوفوں میں اوذیموس مشائی فلاسفر۔ اور اسکندر افرودیسی و مشقی ایتھنز کی درسگاہ علمی کا مدرس اعظم۔ اور سرجیوس پولوس رومیہ کا نامور فیلسوف۔ یہ سب جالینوس پر بیحد شیفتہ تھے اور اُس کی ملاقات کو مُغتنمات سے شمار کرتے۔ رومۃ الکبرٰے میں جالینوس کا قیام شاہی کتب خانہ کے اندر تھا۔ اتفاقات زمانہ سے وہاں آگ لگی اور جالینوس کا بہت کچھ قیمتی سامان مع اُسکی قابل قدر کتابوں کے جل گیا۔ جالینوس کو مال و متاع کا بالکل رنج نہ تھا۔ مگر کتابوں کے جلنے کا اِس قدر صدمہ تھا کہ وہ کچھ دنوں مجنوں بنا رہا۔ یہ کتابیں اُسکی تحقیقات کا نتیجہ تھیں۔ اُن میں کچھ نسخے ارسطو۔ اندروماخس۔ اور انکساغورس۔ کی تصانیف کے اور خاص اُنہی نامور حکماء کے قلم کے لکھے ہوئے تھے۔ جالینوس نے اساتذہ سے پڑھتے وقت اُن کی تصحیح کی تھی اور اُن پر مفید حاشیے بھی چڑھائے تھے۔ اس غرض کے حصول میں اُس نے ہزاروں کوس کا سفر کیا تھا چنانچہ اُس نے اِس مصیبت کا حال اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے جس کا نام "نفی الغم" (غم غلطی) ہے۔ جالینوس کا صدمہ حق بجانب تھا۔ اُس کی دماغ سوزی کا بہترین علمی خزانہ یوں برباد ہوگیا کہ گویا کچھ بھی نہ تھا۔ بعض نسخے اُن کتابوں کے تھے جن کو

ابھی تالیف کر رہا تھا اور کچھ کتابیں وہ تھیں کہ مکمل ہو گئی تھیں لیکن اُن کے متعدد نسخے نقل نہیں ہوئے تھے۔

بہرحال اس علمی شوق اور محققانہ سیاحت نے جالینوس کا نام دُنیا میں مشہور کر دیا۔ ہر جگہ اُس کی قدر و قیمت ہوئی۔ سلاطین کے درباروں میں۔ علمی مجالس میں۔ عام محفلوں میں ہر مقام پر لوگ اُسے سر آنکھوں پر بٹھاتے اور عزت و حرمت کرتے۔ اکثر مقامات میں اُس کو علمی مباحث پر گفتگو کرنے کی بھی نوبت آئی جس میں بڑے بڑے عالم و فاضل اُس کے سامنے بند ہو گئے۔ اور اس طرح نام و نمود حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے وطن اصلی میں واپس آیا۔ اور بہت جاہ و جلال کے ساتھ رہنے لگا۔

لیکن علم اور تحقیقات کا شوق ایسا نہ تھا کہ اُس کو آرام سے گھر بیٹھنے دیتا۔ وہ دُنیا میں مشہور ہو چکا تھا۔ اس لئے اور بھی مشکل پیش آئی اور جا بجا سے سخت امراض کے علاج کرنے کے واسطے اُس کی طلبی ہونے لگی۔ چنانچہ ملک مغرب کے بادشاہ بآور نے اپنی بیگم کے علاج کی غرض سے اُس کو طلب کیا اور اُسے چار و ناچار جانا پڑا۔ یہ حکایت صاحب تاریخ الحکماء نے بہت تفصیل کے ساتھ لکھی ہے لیکن ہم کو کسی معتبر کتاب میں اس کی سند نہیں ملتی اس لئے ہم اس کا اتنا ہی ذکر کافی خیال کرتے ہیں۔

جالینوس کی حذاقت کا حال یہ تھا کہ مریض کی شکل دیکھتے ہی اُس کی تمام کیفیت بتا دیتا۔ ایک بار جب وہ پہلی ہی مرتبہ شہر رومیہ میں وارد ہوا ہے ایک مجمع میں پہنچا جہاں بہت سے طبیب ایک جوان کی بیماری تشخیص کر رہے تھے۔ جوان کو سخت بخار تھا۔ اور موجودہ اطباء نے اُس کا علاج فصد تجویز کیا تھا۔ مگر بعض اس رائے سے مختلف تھے اور اُن میں بحث ہو رہی تھی۔ جالینوس نے اُن سے کہا "آپ کی علمی بحث قابل تعریف ہے لیکن ذرا صبر کیجئے۔ مریض کی طبیعت خود ہی کچھ دیر میں ایک رگ کا مُنہ کھول دیگی اور فاضل خون ناک کے راستہ نکل جائیگا۔ پھر آپ فصد کھولنے کی زحمت سے بھی نجات پائینگے اور مریض کو صحت ہو جائیگی" وہ اطباء اس کی بات سُن کر حیرت زدہ رہ گئے لیکن کچھ دیر میں اس کی پیش گوئی کو حرف بحرف

پوری ہوتے دیکھ کر اُن کو اُس کا معتقد ہو جانا پڑا۔ اسی طرح کے بہت سے نادر قصّے جالینوس نے خود اپنی کتابوں میں لکھے ہیں جن کا بیان اس مختصر کو طویل کر دیگا۔

جالینوس مریضوں سے علاج کی فیس وغیرہ کچھ نہیں لیتا تھا۔ بلکہ وہ اُن کو دوا اور غذا اپنے پاس سے دیا کرتا۔ وہ نہایت کریم الاخلاق اور نیک مزاج تھا۔ اُس کے اخلاق کا اثر بد رویّہ مریضوں کی اخلاقی اصلاح بھی کر دیتا تھا۔ اُس کے حکمت آمیز مقولے بکثرت ہیں جن میں سے چند بطور نمونہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

(۱)۔ بیمار جس کو بھوک لگتی ہو اُس تندرست کی نسبت بہتر ہے جس کو بھوک نہ لگے یعنی ایسا بیمار تندرست ہو سکتا ہے۔

(۲)۔ انسان اپنے نفس کو پہچان لے تو وہ اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔ اِس لئے کہا جاتا ہے کہ انسان کا اپنے آپ سے واقف ہو جانا سب سے بڑی حکمت ہے۔ کیونکہ اُس کو نفس سے بیحد محبت ہوتی ہے اور وہ اُسکی خواہشوں کی پیروی کر کے بداخلاق ہو جاتا ہے۔

(۳)۔ دُنیا میں ہر شخص اپنے آپ کو سب سے بڑھ کر عقلمند جانتا ہے۔ اور جس میں یہ بات زیادہ ہو اُسی کو سب سے بڑا احمق سمجھنا چاہئے۔

(۴)۔ مریض اپنی اصلی سرزمین کی آب و ہوا میں ویسا ہی خوش اور ہرا ہو جاتا ہے جیسا کہ بارش کے پانی سے سوکھا کھیت۔

(۵)۔ جالینوس سے اخلاط کی نسبت سوال ہوا۔ اُس نے جواب دیا "خون ایک زرخرید غلام ہے مگر کبھی غلام آقا کو مار بھی ڈالتا ہے" "صفرا۔ ایک ترو تازہ باغ کا رکھوالا کٹکھنا کتا ہے۔" "بلغم۔ بادشاہ و سردار ہے اگر اس کے روبرو ایک دروازہ بند ہو تو اپنے نکلنے کا دوسرا رستہ کھول لیتا ہے۔" "سودا۔ بڑی کٹھن زمین ہے جب اس میں جنبش آتی ہے تو اُس پر جتنی چیزیں ہیں سب ہلنے ڈُلنے لگتی ہیں۔"

تصانیف:۔ جالینوس نے بہت سی کتابیں مختلف علوم و فنون میں نہایت اعلےٰ اور مفید پیرایہ سے تصنیف و تالیف کی تھیں۔ اُن میں سے خاص فن طب کے

متعلق کتابوں کا ہم ذکر کسی قدر مفصل کرینگے اور مابقی کتابوں کا اجمالی تذکرہ ہوگا تاکہ موجب طوالت نہ ہو۔

(۱)۔ کتاب بیناکس ۱؎۔ یہ اُس کی فہرست تصانیف ہے۔ اس کو خود مرتب کیا اور اُس میں ہر ایک کتاب کی غرض تصنیف بھی ذکر کر دی ہے۔ اور اُس کی تصنیف کے وقت مصنف کی جو عمر تھی اُسے بھی بیان کر دیا ہے۔ اُس کے دو مقالے ہیں مقالہ اول میں طبی کتابوں کا بیان ہے۔ اور مقالہ دوم میں منطق۔ فلسفہ۔ بلاغت اور نحو کی کتابوں کا ذکر۔

(۲) ۔ مراتب القرأت :۔ اس کتاب میں ایک مقالہ ہے اور اس میں بتایا ہے کہ اُس کی کتابیں کس ترتیب سے پڑھی جائیں۔ ہر کتاب کا درجہ بدرجہ ذکر کیا ہے ۔

(۳)۔ کتاب الفرق ۱؎:۔ ایک مقالہ۔ بقول جالینوس یہ علم طب کی ابتدائی کتاب ہے۔ اس میں تجربہ۔ قیاس۔ اور ٹکلوں سے کام لینے والے ہر سہ فرقے کے اقوال بیان کیئے ہیں۔ اُن کے دلائل بھی ظاہر کر دئیے ہیں اور جن سے اُس کو اختلاف رہا ہے اُس کی تردید بھی کرتا گیا ہے۔ اور حق و باطل کو صاف نمایاں کر دیا ہے۔ یہ کتاب اُس نے تیس۳۰ سال کی عمر میں لکھی تھی۔ جبکہ وہ پہلی مرتبہ شہر رومیہ میں پہنچا ۔

(۴)۔ کتاب الصناعۃ الصغیرہ :۔ اس میں جالینوس کی تمام طبی کتابوں کا نچوڑ اور اُس کی تحقیقات کے نتائج درج ہیں ۔

(۵)۔ کتاب النبض خرد ۱؎۔ اس کتاب میں نبض پہچاننے کے ابتدائی مراتب مبتدی طلبہ کے واسطے درج کیئے ہیں۔ ایک مقالہ۔ شناخت نبض کے سہل اصول لکھ کر بعد ازاں اس میں تغیر نبض کے طبیعی اور غیر طبیعی اسباب سے بحث کی ہے۔ اور خارج از طبیعت امور کو بھی بیان کر دیا ہے ۔

(۶)۔ اغلوقن کے لئے کتاب شفاء الامراض لکھی۔ یہ رومیہ کا ایک فیلسوف تھا جالینوس کی طبی مہارت دیکھ کر اُس نے فرمائش کی کہ اس فن کی کوئی مختصر اور کار آمد کتاب اُس کے واسطے تیار کر دے چنانچہ جالینوس نے اس میں اسباب و علامات امراض اور اُن کی مناسب دواؤں کا اختصار کے ساتھ بیان کر دیا۔ اپنی وضع میں نرالی کتاب ہے۔

(۷)۔ کتاب العظام ۱؎:۔ ہڈیوں کے بیان میں نادر کتاب ہے۔ فن تشریح سے تعلق رکھتی ہے۔

جالینوس کی رائے میں علم طب کے طالب پر تشریح کا سب سے پہلے جاننا واجب ہے ورنہ بغیر اسکے وہ کبھی فن میں ماہر نہیں ہوسکتا۔ یہ کتاب اپنے شاگردوں کے واسطے تالیف کی تھی۔

(۸)۔ کتاب العضل سا۔ اس میں عضلات کا بیان ہے۔ اگرچہ جالینوس سے یہ کتاب طلبہ کے واسطے نہیں لکھی تھی لیکن اہل اسکندریہ نے اس کو درسی کتب میں شامل کردیا اور اسکے ساتھ تین مقالے جالینوس کے ملائیے جو پٹھوں ساکن اور متحرک رگوں کے بیان میں تھے۔ کتاب العضل میں جالینوس نے ہر ایک حصہ جسم کے عضلات کا مفصل ذکر کیا ہے۔ اُن کی تعیین۔ اور اُن کے شروع اور ختم ہونے کی جگہ کا تقرر کیا ہے۔ پھر اُن کے افعال بڑی وضاحت سے بتائے ہیں۔

(۹)۔ کتاب العصب ا۔ اس میں پٹھوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ دماغ سے کتنے پٹھے نکلے ہیں اور یہ کہاں کہاں جسم میں پھیلے ہیں۔ اور اُن کے افعال کیا ہیں۔

(۱۰)۔ کتاب العروق ۔ اس میں رگوں کا بیان۔ نبض کا حال۔ ساکن رگوں کا ذکر۔ اور اُن کے پہچاننے کے طریقے مفصل بیان کئے ہیں۔ اہل اسکندریہ نے اس کتاب کو دو قسموں میں تقسیم کردیا ہے۔ ایک مقالہ پھڑکنے والی رگوں کے بیان میں اور دوسرا ساکت رگوں کے ذکر میں ہے۔ اس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جگر سے کتنی رگیں نکلتی ہیں۔ وہ کون کون اور کہاں کہاں ہیں۔ اس میں شرائین اور وریدوں کا تفصیلی بیان ہے۔

(۱۱)۔ کتاب الاسطقسات ا۔ اس میں بقراط کے مذہب پر قابل کون و فساد اجسام کا ذکر کیا ہے۔ حیوانات۔ نباتات اور حشرات الارض سب کا ذکر اس میں موجود ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ سب ارکان اربعہ یعنی خاک۔ ہوا۔ آگ۔ اور پانی سے بنی ہیں۔ خون والے جانوروں اور اخلاط جسم انسانی کا بھی ذکر ہے۔

(۱۲)۔ کتاب المزاج ۔ اس کے تین مقالے ہیں۔ دو پہلے مقالات میں انسان اور حیوان کے اجسام و ابدان کا مزاج مفصل طور سے بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے مقالہ میں شناخت مزاج کے علامات کا ذکر ہے۔ اور دواؤں کی توضیح کی گئی ہے۔

(۱۳)۔ قوائے طبیعیہ:۔ اس میں طبیعی (نیچرل) قوتوں کا بیان کیا گیا ہے۔ مقصد تصنیف یہ بتانا ہے کہ تدبیر بدن طبیعت کی تین قوتوں پر منحصر ہے۔ قوت جابلہ، قوت منمیّہ اور قوت غاذیہ۔ قوت جابلہ دو قوتوں سے مرکّب ہے۔ ایک قوت ان میں سے مُنی کی حالت کو بدلتی اور اُسے دوسری صورت میں مستحیل کرتی ہے۔ تاکہ اس سے ایک دوسرے سے متشابہ اجزاء والے اعضاء پیدا ہوں۔ اور دوسری قوت اُن میں سے اس طرح کے اعضاء کو مرکّب بناتی ہے جو باعتبار ہیئت متشابہ الاجزاء ہیں۔ اور یہ بتایا ہے کہ قوت غاذیہ کی خادم چار اور قوتیں ہیں۔ ان کے نام۔ جاذبہ۔ ممسکہ۔ مغیّرہ۔ اور دافعہ ہیں۔

(۱۴)۔ کتاب العلل والاعراض:۔ اس میں بیماریوں کا بیان ہے۔ اس کے چھ مقالات ہیں۔ جالینوس نے ہر ایک مقالہ علیحدہ علیحدہ لکھا تھا مگر اہل اسکندریہ نے اُن کو اکٹھا کر کے ایک کتاب بنا دیا۔ اس میں بیماریوں کے پیدا ہونے کے اسباب۔ اُن کے نام۔ اور اُن سے بچنے کی ہدایتیں درج ہیں۔

(۱۵)۔ کتاب العلل الاعضاء الباطنۃ:۔ اندرونی اعضاء کے امراض کا اس میں بتفصیل ذکر کیا گیا ہے۔ جن کی شناخت درد اور سوزش کی جگہوں سے ہو سکتی ہے۔ اس میں بھی چھ مقالات ہیں۔ یہ کتاب بڑی قابل قدر اور علم طب کی اعلےٰ تحقیقات سے بھری ہوئی ہے۔ جالینوس نے اس میں ہر مسئلہ پر قول فیصل لکھا ہے۔ اور بال کی کھال اُتار کر رکھ دی ہے۔

(۱۶)۔ کتاب النبض کلاں:۔ اس میں سولہ مقالات ہیں۔ کل کتاب چار حصوں میں تقسیم کی ہے۔ فی حصہ چار مقالے ہیں۔ پہلے حصہ میں اقسام نبض کا مفصّل بیان کیا ہے اور باقی حصص میں اس فن کے متعلق ضروری معلومات کا ذخیرہ موجود ہے۔

(۱۷)۔ اصناف الحمیات:۔ اس میں بخار کی قسمیں۔ اُن کی شناخت کے طریقے۔ اسباب مرض اور علاج۔ و پرہیز وغیرہ ہر چیز کا مکمل بیان کیا گیا ہے۔ اس کے دو مقالے ہیں۔ پہلے مقالہ میں بتایا ہے کہ بخار کی دو اصلی قسمیں ہیں۔ ایک روحی بخار۔ دوسرا جسمانی

پھر دوسرے مقالہ میں ان خلطی بخاروں کا ذکر کیا ہے جو عفونت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں ۔

(۱۸) - کتاب البحران :- اس کے تین مقالات ہیں۔ غرض تصنیف یہ بتانا ہے کہ انسان کس طرح بحران کی شناخت کرے اور سمجھے کہ بحران کوئی واقعی چیز ہے۔ پھر ذکر کیا ہے کہ وہ کس صورت اور وقت میں ہوتا ہے اور اس کا انجام کیا نکلتا ہے ۔

(۱۹) - ایام البحران :- اس کتاب کے تین مقالات ہیں۔ دو پہلے مقالات میں ایام ثوبت کے اختلاف حال کا ذکر اور بحران ہونے کا دن بتایا ہے۔ پھر اچھے متوسط اور ردی بحران کا ذکر کیا ہے۔ اخیر کے مقالہ میں ایسے اسباب ذکر کئے ہیں جن کے ذریعے سے ایام بحران کی قوتوں میں اختلاف واقع ہوتا ہے ۔

(۲۰) - کتاب حیلۃ البرء :- اس کے ۱۴ مقالے ہیں۔ غرض تالیف یہ بتانا ہے کہ قیاس کے طریقہ سے ہر مرض کا علاج کیونکر کرنا چاہئے۔ جالینوس نے اس کتاب کے چھ مقالات ثیارن نامی ایک شخص کی فرمائش سے لکھے تھے۔ وہ مر گیا تو جالینوس نے بھی کتاب ناتمام چھوڑ دی۔ یہاں تک کہ اوجانیانوس نامی ایک اور شخص نے اس سے یہ کتاب مکمل کر دینے کی درخواست کی اور جالینوس نے باقی آٹھ مقالے لکھ کر اس کو تمام کیا۔ اس کے پہلے مقالہ میں تمام خرابی مزاج کے علاج درج کئے ہیں باقی مقالات میں اعضائے مفردہ اور اعضائے مرکبہ کے امراض کا طریق علاج اپنے اپنے موقع پر بتایا ہے۔ بخاروں کے اقسام۔ ان کے علاج۔ اور تپ دق کا مفصل ذکر کیا ہے ۔

(۲۱) - علاج التشریح :- اس کے پندرہ مقالے ہیں۔ اور تشریح کے متعلق کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی ہے جو اس کتاب میں درج نہ کر دی ہو۔ عضلات دست کے رباطات۔ پیروں کے رباطات اور عضل۔ ہاتھوں اور پیروں کے رگ و پٹھے غرض کہ اسی طرح ہر ایک اندرونی اور بیرونی عضو کی مکمل تشریح درج کی ہے جالینوس خود کہتا ہے کہ اس کی یہ کتاب فن تشریح میں بے حد ضروری ہے ۔

(۲۲) - اختصار کتاب مارنیس :- یہ بھی فن تشریح میں ہے۔ مارنیس نے اپنی یہ کتاب

۲۰ مقالات میں لکھی تھی مگر جالینوس نے
اِس کا نچوڑ صرف چار مقالات میں لیا ہے ؂
(۲۳) - لوقس کی کتاب تشریح کا اختصار دو
مقالات میں کر ڈالا ہے - حالانکہ اصل
کتاب کے ۱۷ مقالے تھے ؂

(۲۴) - کتاب تشریح الاموات - اس میں مردہ
حیوان کی تشریح کرنے کا ذکر ہے ؂

(۲۵) - کتاب تشریح الاحیاء - زندہ جانوروں
کی تشریح کے بیان میں ۲ مقالے ؂

(۲۶) - کتاب علم بقراط دربارۂ تشریح اسکے
پانچ مقالات ہیں - جالینوس نے
یہ کتاب بومیثوس کے لئے لکھی تھی
اور بالکل نوعمری کے زمانہ میں -
غرض تصنیف صرف یہ تھی کہ بقراط
علم تشریح میں سچی آگاہی رکھتا تھا
اور اس بات کو قوی دلائل سے
ثابت کیا ہے ؂

(۲۷) - کتاب تشریح - اس میں ارا سسطراطس
کی رایوں کا بیان تین مقالات میں
کیا ہے - یہ بھی اوائل عمر کی تالیف
ہے - اور بوئیثوس کے لئے لکھی گئی
اس میں جالینوس نے ارا سسطراطس
کی غلطیوں پر گرفت کی ہے ؂

(۲۸) - ایک اور کتاب جس میں چار مقالے
ہیں - اور تشریح کے متعلق وہ باتیں
بیان کی ہیں جنہیں لوقس دریافت
نہیں کر سکا تھا ؂

(۲۹) - تشریح الرحم - یہ کتاب ایک چھوٹا سا
مقالہ ہے - جالینوس نے اوائل عمر
میں ایک دایہ عورت کے لئے اسے
تالیف کیا تھا - تشریح رحم کے متعلق
کوئی بات اس میں چھوڑی نہیں ہے ؂

(۳۰) - کتاب جس میں گردن کی ہڈیوں میں
سے پہلی ہڈی کے جدا ہونے کی جگہ
بیان کی ہے - اس کا ایک ہی مقالہ ہے ؂

(۳۱) - کتاب اُن مختلف اعضاء کے بیان
میں جن کے اجزاء ایک دوسرے
سے ملتے ہیں - ایک مقالہ ؂

(۳۲) - کتاب تشریح آلات الصوت - ایک
مقالہ (حنین بن اسحٰق اس کتاب کی
نسبت کہتا ہے کہ جالینوس کی تصنیف
نہیں - لوگوں نے شرارت سے
اس کی طرف منسوب کر دی ہے) ؂

(۳۳) - تشریح العین - آنکھوں کی تشریح
کے بیان میں - اس کی نسبت بھی
حنین کا وہی قول ہے جو اوپر بیان

کیا گیا اور وہ اُس کو تنفس کی تصنیف بتاتا ہے ٭

(۳۶)۔ کتاب صدر اور ریہ (سینہ او پھیپھڑہ) کی حرکت کے بیان میں ٭

(۳۷)۔ تنفس کی بیماریوں کے ذکر میں ٭

(۳۸)۔ کتاب الصوت۔ اس میں آواز کا بیان ہے ٭

(۳۹)۔ کتاب حرکۃ العضل یعضلات کی حرکت کا ذکر۔ یہ تالیف اپنی نوع میں بے نظیر ہے ٭

(۴۰)۔ کتاب جس میں مسہل دواؤں کی قوتوں کا بیان ہے ٭

(۴۱)۔ کتاب العادات۔ اس میں دکھایا ہے کہ عادت بھی ایک مرض ہے۔ اور اُس سے بچنے کی تدبیریں بیان کی ہیں ٭

(۴۲)۔ کتاب جس میں بقراط و فلاطن کے خیالات و اقوال درج ہیں ٭

(۴۳)۔ کتاب اُن حرکات کے بیان میں جن کا علم اُسے بہت کچھ تحقیقات کے بعد ہوا تھا ٭

(۴۴)۔ کتاب آلات الشم۔ اُن اعضاء کا بیان جن کے ذریعہ چیزوں کی بو محسوس ہوتی ہے ٭

(۴۵)۔ منافع الاعضاء اس کتاب میں ہر عضو کے فوائد اور اُن کی حکمت کا بیان ہے اِس کتاب کے ۱۷ مقالے ہیں مقالات ۱ و ۲ میں ہاتھ کی صنعت میں جو حکمتیں ہیں اُن کا بیان کیا گیا ہے اور اسی طرح ہر عضو کا بیان ایک ایک مقالہ میں ہے ٭

(۴۶)۔ بدن کی بہترین ہیئت کے بیان میں ٭

(۴۷)۔ کتاب ادویۂ مفردہ اِس کے گیارہ مقالے ہیں۔ اس میں نباتاتی معدنی اور حیوانی۔ ہر قسم کی دواؤں کا مفصل بیان ہے ٭

(۴۸)۔ مقالہ امراض چشم کی دلیلوں میں یہ رسالہ جالینوس نے اپنی جوانی میں ایک کحال لڑکے کی پاس خاطر سے لکھا تھا ٭

(۴۹)۔ مقالہ امراض کے اوقات کے بیان میں ٭

(۵۰)۔ کتاب الامتلاء۔ ایک مقالہ۔ اِس میں کثرت اخلاط۔ اور اُن کے تمام اقسام کی شناخت کے وسائل بیان کئے ہیں ٭

(۵۱)۔ مقالہ اورام (سوجنوں) کے بیان میں ٭

(۵۲)۔ مقالہ بادی اورام کے اسباب میں ٭

(۵۳)۔ مقالہ اُن اسباب کے ذکر میں جو امراض سے متصل ہیں ٭

(۵۴)۔ مقالہ در بیان رعشہ ٭

(۵۵)۔ کتاب المنی۔ اِس کے دو مقالے ہیں۔ غرض تصنیف یہ ہے کہ ارسطاطالیس نے انسانی اعضاء کی خلقت کا مادہ صرف خون کو قرار دیا تھا۔ جالینوس اُس سے اختلاف کرتا اور کہتا ہے کہ انسان کا جنین ماں کے پیٹ میں یوں تیار ہوتا ہے کہ اُس کے سفید اعضاء یعنی ہڈیاں وغیرہ منی سے اور سُرخ گوشت ماں کے خون حیض سے بنتا ہے ٭

(۵۶)۔ مقالہ در بیان ولادت جنین ٭

(۵۷)۔ مقالہ در بیان مرۃ سوداء ٭

(۵۸)۔ کتاب بخار کے دواؤں کے بیان میں ایک مقالہ ٭

(۵۹)۔ کتاب نبض کلاں کا اختصار ایک مقالہ میں ٭

(۶۰)۔ کتاب نبض کے بیان میں۔ اس میں ارخیجانس کے اقوال کو رد کیا ہے ٭

(۶۱)۔ کتاب خرابی تنفس کے بیان میں۔ اسکے تین مقالات ہیں۔ غرض یہ ہے کہ بُرے اقسام کا تنفس بیان کیا جائے۔ اور اُس کے اسباب سے بحث کی ہے ٭

(۶۲)۔ کتاب النوادر۔ اس میں قبل از ظہور مرض امراض کی شناخت کر لینے کے وہ واقعات درج کئے ہیں جو خود جالینوس پر گذرے تھے ٭

(۶۳)۔ مختصر کتاب تدبیر صحت یابی ٭

(۶۴)۔ کتاب الفصد تین مقالات میں۔ اسکے پہلے مقالہ میں ارسطراطس کے اقوال کی تردید کی ہے کیونکہ وہ فصد کا قائل نہ تھا۔ پھر دوسرے مقالہ میں حکیم مذکور کے اُن شاگردوں کی خوب خبر لی ہے جو رومیہ میں رہتے تھے۔ اور تیسرے مقالہ میں اپنی رائے کا بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ فصد کے ذریعہ سے علاج کرنے میں اُس کا خیال کیا ہے ٭

(۶۵)۔ کتاب الذبول۔ ایک مقالہ ہے مرض کی کیفیت اور اس میں مبتلا ہونے والے کا علاج بیان کیا ہے ٭

(۶۶)۔ کتاب جس میں ایسے بچے کے حالات درج کئے ہیں جس کو صرع کا عارضہ ہو گیا ہو ٭

(۶۷)۔ کتاب قوی الاغذیہ۔ اس میں ہر قسم

کی غذاؤں کی قوتیں بیان کی ہیں ۔

(۶۸)۔ کتاب تدبیر ملطف۔ ایک مقالہ۔ اس میں اخلاط کو لطیف بنانے کا ذکر ہے ۔

(۶۹)۔ اختصار کتاب مذکور ۔

(۷۰)۔ کتاب الکیموس الجید والردی ایک مقالہ۔ اس میں اس طرح کی غذاؤں کا بیان ہے جو کیموس ردی پیدا کرتی ہیں ۔

(۷۱)۔ کتاب جس میں ارسطراطس کے خیالات بابت علاج امراض بیان کئے ہیں۔ اس کے ۸ مقالات ہیں ۔

(۷۲)۔ کتاب سخت امراض کی تدبیریں ۔

(۷۳)۔ کتاب ترکیب الادویہ۔ اس کے ۱۷ مقالات ہیں۔ ۷ مقالات میں ادویہ مرکبہ کی جنسوں کا بیان کیا ہے اور سب کی قسمیں الگ الگ بتا دی ہیں۔ یہ تفصیل حروف تہجی کے لحاظ سے رکھی گئی ہے۔ پھر باقی دس مقالات میں امراض کے اعتبار سے مرکب دواؤں کی تقسیم کی ہے۔ اس ترتیب میں امراض سر سے شروع کر کے ہر ایک عضو کے متعلق امراض درجہ بدرجہ بیان کئے ہیں ۔

جالینوس نے جو کتاب ترکیب ادویہ کے بارہ میں لکھی تھی اب وہ دو حصوں میں منقسم پائی جاتی ہے۔ ہر حصہ بجائے خود مستقل کتاب ہے اور غالباً یہ علیحدگی اہل اسکندریہ نے یا اور اطباء نے کی ہے جن کو جالینوس کی کتابوں پر بہت عبور حاصل تھا ۔

(۷۴)۔ قاطاجانس حصہ اول۔ اس میں پہلے سات مقالات ہیں ۔

(۷۵)۔ المیامر حصہ دوم۔ اس میں بعد کے دس مقالے شامل ہیں۔ میامر "میمر" کی جمع ہے جس کے معنے ہیں طریق اور راستہ۔ غالباً اس نام نہاد کی وجہ یہ ہوگی کہ کتاب مذکور دواؤں کے استعمال کا سیدھا راستہ دکھاتی ہے ۔

(۷۶)۔ کتاب ان دواؤں کے بیان میں جو بسہولت دستیاب ہو سکتی ہیں ۔

(۷۷)۔ کتاب جس میں ہر مرض کی مقابل دواؤں کا ذکر ہے ۔

(۷۸)۔ کتاب الترياق۔ یہ کتاب جالینوس نے مغیلیاؤس کے نام پر لکھ کر اسے بھیجی تھی ۔

(۷۹)۔ کتاب الترياق۔ اس کو قیصر کے پاس

لکھ کر بھیجا تھا ٭
(۸۰)۔کتاب تدابیر حفظان صحت اس کے
چھ مقالات ہیں۔ اس میں تندرستوں
کو حفظان صحت کے طریقے بتائے ہیں ٭
(۸۱)۔کتاب بنام اسبولوس ایک مقالہ ٭
اس میں اس بات سے بحث کی ہے
کہ آیا طریق حفظان صحت فن طب
میں داخل ہے یا ریاضیات سے
متعلق ہے ٭
(۸۲)۔کتاب الریاضۃ۔ اس میں چھوٹے
گیند کے ذریعہ ورزش کرنے اور
گیند بلے کی ورزش کا ذکر کیا ہے۔
وہ اس ورزش کو ہر قسم کی دیگر
ورزشوں پر ترجیح دیتا ہے ٭
یہاں تک تو اُن کتابوں کا ذکر تھا
جو خاص جالینوس کی تصنیف و تالیف
ہیں۔ اور مندرجہ ذیل بقراط کی کتابوں
پر اُس نے شرحیں بھی لکھی ہیں ٭
(۸۳)۔کتاب العہد ٭
(۸۴)۔کتاب الفصول ٭
(۸۵)۔کتاب الکسر ٭
(۸۶)۔کتاب رد الخلع ٭
(۸۷)۔کتاب تقدمۃ المعرفۃ ٭
(۸۸)۔کتاب تدبیر الامراض ٭
(۸۹)۔کتاب القروح ٭
(۹۰)۔کتاب جراحات الراس ٭
(۹۱)۔کتاب ابیذیمیا ٭
(۹۲)۔کتاب الاخلاط ٭
(۹۳)۔کتاب تقدمۃ الانذار ٭
(۹۴)۔کتاب قاطیطریون ٭
(۹۵)۔کتاب الہواء والماء ٭
(۹۶)۔کتاب الغذاء ٭
(۹۷)۔کتاب طبیعۃ الجنین ٭
(۹۸)۔کتاب طبیعۃ الانسان ٭
علاوہ بریں یہ کتابیں بھی جالینوس
کی تصانیف میں سے ہیں ٭
(۹۹)۔کتاب جس میں یہ بیان کیا ہے کہ
بقراط کے کونسے اقوال و مسائل طبیعۃ
النسائی کے بارہ میں صحیح ہیں اور
کون سے غلط ٭
(۱۰۰)۔کتاب اس میں یہ بیان کیا ہے کہ
فاضل طبیب کو فیلسوف بھی ہونا
لازم ہے ٭
(۱۰۱)۔کتاب بقراط کی صحیح اور غیر صحیح کتابوں
کے بیان میں ٭
(۱۰۲)۔کتاب جس میں یہ بحث کی ہے کہ

قونیطس حکیم نے بقراط کے اُن شاگردوں پر جو کیفیات اربعہ کے قائل تھے جو اعتراضات کئے وہ صحیح ہیں یا نہیں۔
(۱۰۳)۔ کتاب در بیان سیاست حسب رائے بقراط۔
(۱۰۴)۔ کتاب ملفوظات بقراط۔
(۱۰۵)۔ کتاب جوہر النفس اس میں بتایا ہے کہ نفس کا جوہر کیا چیز ہے۔
(۱۰۶)۔ کتاب تجربات طبیہ۔
(۱۰۷)۔ کتاب ترغیب تعلیم طب۔
(۱۰۸)۔ کتاب تجربہ کے اجمالی بیان میں۔
(۱۰۹)۔ کتاب بہترین اطباء کے طرز عمل اور پیشہ کے بیان میں۔
(۱۱۰)۔ کتاب اپنے اعتقاد اور آراء کے بیان میں۔
(۱۱۱)۔ کتاب اسمائے طبیہ کے بیان میں۔
(۱۱۲)۔ کتاب البرہان۔ اس کے ۱۵ مقالے ہیں اور یہ علم منطق میں ہے۔ اور منطق میں یہ کتابیں بھی جالینوس نے لکھی ہیں۔
(۱۱۳)۔ قیاسات وضعیہ۔
(۱۱۴)۔ قوام الصناعات۔
ماسوائے ازیں اخلاق و تہذیب نفس میں جو کتابیں جالینوس نے لکھیں وہ حسب ذیل ہیں:۔
(۱۱۵)۔ کتاب فی تعرف الانسان عیوب نفسہ ایک ناتمام مقالہ میں۔
(۱۱۶)۔ کتاب الاخلاق ۴ مقالوں میں اس کے اندر اخلاق کی قسمیں اور اُن کے اسباب و علامات کا مفصل بیان کیا ہے۔
(۱۱۷) مقالہ غم غلطی کسی شخص نے جالینوس سے دریافت کیا تھا کہ تمہارا اتنا قیمتی خزانہ علمی اور مادی سامان کا رومیہ میں آگ سے جل گیا اور تم نے اُس کا کچھ رنج نہ کیا آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ جالینوس نے اُس کے جواب میں یہ رسالہ لکھا تھا اور اُس میں بیان کیا ہے کہ غم والم کن چیزوں کے لئے کرنا چاہئے اور کون چیزیں ہیں جن کا رنج کھانا فضول ہے۔
(۱۱۸)۔ ایک رسالہ اس ذکر میں کہ اچھے لوگ کبھی اپنے دشمنوں سے بھی فائدہ اُٹھا لیتے ہیں۔
(۱۱۹)۔ افلاطون کی کتاب طیماوس میں جو طبی مسائل و اقوال تھے اُن کے

...س رومی:- یہ طبیب شہر اسکندریہ میں آرہا تھا اور وہاں کے مشہور ... دیا جاتا تھا۔

...روں:- اور ازیابل:- یہ بھی عہد جالینوس کے نامور طبیب تھے۔

...غریوس:- یہ طبیب جالینوس کے بعد قریب تر زمانہ میں گذرا ہے۔ کتاب ... فرۃ الطبیب" اس کی تصنیف ہے۔ جس میں ایک مقالہ ہے۔ اور کتاب علامات ... پانچ مقالوں کی بھی اسی نے تصنیف کی ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک مقالہ ...س کے بیان میں۔ دوسرا پتھری مثانہ کے ذکر میں۔ تیسرا ماء الاصفر کے ... میں۔ چوتھا درد جگر میں۔ پانچواں قولنج میں۔ چھٹا یرقان میں۔ ساتواں خلق الرحم ... آٹھواں عرق النساء میں۔ نواں سرطان میں۔ دسواں تریاق نمک کی ... گیارھواں سگ دیوانہ کے کاٹے ہوئے کا علاج بتانے میں۔ بارھواں قوبا ... کے بیان میں۔ اور تیرھواں مقالہ مسوڑھوں اور دانتوں کی بیماریوں کے ... کر میں۔ یہ سب اسی طبیب کی تالیف ہیں۔

(۲۷۳) جبرائیل کحال (حکیم)

اس کا ہاتھ نہایت ہلکا تھا۔ خلیفہ مامون کی آنکھوں میں سرمہ لگایا کرتا۔ اور اس خدمت کا معاوضہ ایک ہزار درم ماہوار پاتا تھا۔ اخیر میں ایک خادم کو خلیفہ کے سو جانے کی اطلاع دیدینے کے جرم میں موقوف کر دیا گیا اور ایک سو پچاس درم ماہوار پنشن پاتا رہا۔

(۲۷۴) جبرائیل بن بختیشوع (حکیم)

یہ فخر خاندان اور اپنے وقت کا بے مثل طبیب و فیلسوف تھا۔ خلفائے عباسیہ ...س سے دو جلیل القدر خلفاء رشید و امین کا طبیب خاص رہا اور ان کے کریم النفس ... صادا لکہ اور دیگر امرا کی خدمت سے بھی بہت کچھ مال و منال حاصل کیا۔ ایک ایک ... کرتا تھا لاکھوں روپے انعام لئے اور اس کی سالانہ آمدنی خلیفہ اور دربار ی امرا کے

عطیات وغیرہ ملا کر لاکھوں روپے ہوا کرتے تھے۔ فیاض اور غریب نواز بھی بے حد تھا غربا کو مفت دوائیں دیتا اور اُن کا علاج کمال توجہ سے کیا کرتا۔ اگرچہ خلیفہ ہارون الرشید نے عام طور پر کہلایا تھا کہ جس کو مجھ سے کچھ حاجت ہو وہ جبرئیل کی معرفت عرض کرے کیونکہ میں اُس کی بات ہرگز نہ ٹالوں گا اور اس وجہ سے تمام درباری اُمرا اور مُلکی حکام برابر جبرئیل کے پاس آیا کرتے تھے لیکن اُس نے کبھی کسی کے ساتھ غرور یا بدسلوکی نہیں کی۔ مخلصانہ زندگی بسر کرنا اور مرنجاں و مرنج رہنا اُس کا اصول تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید اُس کو جان کے برابر عزیز سمجھتا اور سفر و حضر میں ایک دم بھی اُسے اپنے پاس سے جُدا نہ کرتا۔

اِس کی دربار رسی کا ذریعہ یہ ہوا تھا کہ خلیفہ ہارون الرشید کی ایک منظورِ نظر حرم کا ہاتھ کسی پٹھے کے کھنچ جانے کی وجہ سے اکڑ کر رہ گیا۔ ذرا بھی حس و حرکت اُس میں نہ تھی۔ کسی طرح وہ نیچے کی طرف نہیں جھکتا تھا۔ تمام درباری طبیب علاج کر تھکے۔ کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر ایک دن رشید نے اپنے وزیر جعفر برمکی سے کہا "جعفر! کیا اب یہ مریضہ یونہی رہیگی؟ اس کا کچھ علاج ہونا چاہیے" جعفر ایک زمانہ میں سخت بیمار تھا۔ اور جبرئیل کے علاج سے اُس کو صحت ہوئی تھی۔ اُس وقت سے وہ جبرئیل کو اپنے پاس رکھا کرتا تھا۔ خلیفہ سے بھی اُس نے جبرئیل کا ذکر کیا اور اُسے دربار میں بُلوایا۔ خلیفہ نے جبرئیل سے دریافت کیا "تم کیا جانتے ہو؟" جبرئیل "امیرالمومنین! میں طبیب ہوں" خلیفہ "ہاں طبیب ہو۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ کس طرح علاج کرتے ہو؟"

جبرئیل "امیرالمومنین! گرم کو ٹھنڈا۔ ٹھنڈے کو گرم۔ خشک کو تر اور تر کو خشک بنانا میرا کام ہے"

خلیفہ۔ (ہنس کر) "طبیب میں اسکے سوا اور ہونا کیا چاہیے۔ اچھا میری کنیز کا علاج کرو"

جبرئیل "جان کی امان ہو تو عرض کروں"

خلیفہ "کہو۔ تم کو امان دی گئی"

جبرئیل "حضور! اُس کنیز کو یہیں دربار میں طلب فرمائیں۔ سب بھی ہوئی

موجود رہیں اور مجھ کو اجازت ہو کہ جو سلوک چاہوں اُس کے ساتھ کروں۔ اُس وقت میں علاج کر سکونگا۔"

خلیفہ نے جبرئیل کی شرائط منظور کر لیں۔ لونڈی وہیں دربار میں لائی گئی۔ اُس کا اکڑا ہوا ہاتھ اوپر کو اُٹھا ہوا تھا۔ جبرئیل نے مریضہ کی صورت دیکھتے ہی سر جھکائے ہوئے اُس کے قریب جا کر اُس کا دامن پکڑ لیا اور یہ ارادہ ظاہر کیا کہ گویا اُس کو برہنہ کر دیگا۔ لونڈی پر حیاء غالب آئی اور اُس نے گھبرا کر ہاتھ بڑھا کے اپنے کپڑوں کو نیچے کی طرف تھام لیا۔ جبرئیل یہ حالت دیکھ کر الگ ہو گیا اور اُس نے خلیفہ سے عرض کی "امیر المومنین! علاج ہو گیا۔ خلیفہ نے لونڈی کو حکم دیا کہ وہ اپنا ہاتھ ہر طرف پھرائے اب وہ بے تکلف ہاتھ کو نیچے اوپر لے جاتی تھی اور ذرا بھی کسی قسم کی شکایت باقی نہ تھی۔ تمام اہل دربار اور اطباء حیرت زدہ رہ گئے کہ آخر یہ کیسا علاج تھا۔ اور خلیفہ کے استفسار پر جبرئیل نے مرض کی وجہ اور علاج کی حکمت نہایت مناسب طریقہ پر بیان کر دی۔

ہارون الرشید کی آخری بیماری جو مرض الموت بن گئی اُس میں جبرئیل کا کوئی علاج موثر نہ ہوا۔ خلیفہ ایک دن اُس پر ناراض ہوا اور کہا "جبرئیل! تجھ جیسا مزاج داں اور لائق طبیب موجود ہو اور میری یہ حالت کہ زندگی محال ہو جائے۔ آخر تو میرے علاج میں کیوں کمی کرتا ہے؟" جبرئیل نے جواب دیا "امیر المومنین! میری ہدایتوں پر آپ عمل نہیں فرماتے۔ میں نے عرض کیا کہ وطن اور پایۂ تخت کو تشریف لے چلیں تبدیل آب و ہوا سے مزاج رو باصلاح آجائیگا۔ مگر آپ سماعت نہیں فرماتے۔ طوس میں آپ کی طبیعت سنبھل نہیں سکتی۔" خلیفہ نے ناراض ہو کر اُسے قید کرا دیا اور ایک عیسائی راہب کا علاج شروع کیا مگر اُس سے بھی نفع نہ ہوا بلکہ روز بروز طبیعت بگڑتی چلی گئی۔ راہب طبیب محض ٹھگ تھا۔ اُس نے خلیفہ کو جبرئیل کی طرف سے بھڑکایا اور کہا کہ اُس نے حضور کا علاج بالکل خلاف قاعدہ کر کے یہ نوبت پہنچا دی ہے۔ خلیفہ نے حکم صادر کیا کہ جبرئیل قتل کر دیا جائے۔ لیکن اُس کا حاجب فضل بن ربیع جبرئیل سے محبت کرتا تھا۔ اُس نے تعمیل حکم کو التوا میں ڈال دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ رشید اب چند روزہ

مان ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور خلیفہ رشید نے وہیں شہر طوس میں وفات پائی ۔

خلیفہ امین کے تخت نشین ہونے کے بعد جبرئیل پھر دربار میں سابقہ عزت و منزلت کے ساتھ داخل ہوا اور خلیفہ امین کا طبی مشیر رہا۔ مگر جس وقت خلیفہ مامون الرشید مسند آرائے خلافت ہوا تو اس نے جبرئیل کو اس قصور میں کہ وہ اس کے دشمن بھائی کا طبیب تھا نظر بند کر کے خراسان میں عبداللہ بن طاہر گورنر ایران کے پاس بھیج دیا۔ عبداللہ نے جبرئیل کو نہایت آرام سے رکھ کر اس کے فضل و کمال سے فیض اٹھایا۔ سنہ ۲۱۰ھ میں خلیفہ مامون کو سخت مرض لاحق ہوا اور جب دیگر اطباء کا علاج کارگر نہ ہوا تو آخر کار مجبور ہو کر جبرئیل کو پھر دربار میں طلب کیا اور اسکے علاج سے صحت پائی ۔

ایک دوست درباری امیر جبرئیل سے ملنے گیا۔ اس نے دیکھا کہ جبرئیل نہایت ثقیل اور نقصان دہ غذا کھا رہا ہے۔ جبرئیل نے دوست کی بھی تواضع کی۔ اس نے کہا کہ تم اس طرح کی ردی غذائیں کیوں کھاتے ہو۔ جبرئیل نے جواب دیا "صاحب! آپ جس چیز کو مضر خیال کرتے ہیں در اصل وہ کچھ بھی مضر نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی ایک شخص کسی چیز کو پسند نہ کرے۔ اور اسے ترک کر دے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز کبھی نہ کھائی جائے اگر کسی وقت اس کے کھانے کا اتفاق مجبوراً یا شوقیہ ہو جائے تو وہ ضرور تکلیف دیگی۔ کیونکہ معدہ کو اس کی عادت نہیں۔ دانشمندی یہ ہے کہ کھانے کی ہر ایک چیز غذا کے کام میں لائیں۔ روز مرہ کوئی نہ کوئی ثقیل غذا استعمال کرنے کا نفع یہ ہے کہ معدہ بوقت ضرورت ایسی چیزوں کو قبول کر لیتا ہے اور انسان تکلیف نہیں اٹھاتا۔ البتہ دو بُرے اور نقصان دینے والے ایک ساتھ کبھی نہ کھاؤ۔" فی الواقع جبرئیل کی یہ طبی نصیحت گرہ میں باندھنے کے قابل ہے ۔

داؤد بن سرافیون۔ جبرئیل کا ایک لائق ہم عصر تھا۔ اس کے نوجوان فرزند نے کسی مجلس میں کہا کہ سوتے سے اُٹھ کر پانی ہرگز نہ پینا چاہیئے۔ جبرئیل بھی اس مجلس میں آ رہا تھا۔ یہ بات سن کر کہنے لگا "کیا احمق ہے! جس کے کلیجے میں آگ لگی ہو وہ اُسے بجھائے نہیں" ابن داؤد نے کہا۔

"جناب یہ آپ ہی کی تو ہدایت ہے کہ سوتے سے اٹھ کر کیسی ہی پیاس ہو مگر پانی نہ پیؤ"۔
جبرائیل "صاحبزادے! میں نے یہ کب کہا کہ عام طور پر کوئی ایسا نہ کرے۔ گرم و خشک مزاج والے کو ضرور پانی پینا چاہئے۔ مگر بلغمی اور تر مزاج والا اس سے پرہیز کرے"۔
ابن داؤد "لیکن یہ شناخت کہ مزاج کیا ہے کسی آپ جیسے لائق طبیب کو ہو گی عام آدمی اسے کیا جانیں کہ اُن کو پیاس کیوں لگی ہے۔ وہ پانی پی کر تکلیف اُٹھائینگے"۔
جبرئیل "بارک اللہ! یہ بات سمجھ کی کہی۔ اچھا سنو! رات کو سوتے میں پیاس معلوم ہو تو پہلے کچھ دیر کے واسطے اپنے پیر لحاف سے باہر نکال دو اور چپکے پڑے رہو۔ اِس طرح تسکین ہو جائے تو خیر۔ ورنہ زیادہ پیاس معلوم دینے کی صورت میں ضرور ہے کہ گرم غذا۔ یا اندرونی حرارت کا سبب ہو گا ایسی صورت میں پانی پی لینا لازم ہے"
یہ بھی ایک کار آمد طبی ہدایت ہے اِس لئے ہم نے افادۂ ناظرین کے لئے اس کا درج کرنا مناسب خیال کیا۔

۲۱۳ھ میں خلیفہ مامون الرشید نے ممالک روم پر حملہ کیا۔ اُس وقت جبرئیل کو مرض شدید لاحق ہوا۔ وہ اس مہم میں خلیفہ کے ہمراہ جا نہیں سکتا تھا۔ آخر مامون نے اُس کے بیٹے بختیشوع بن جبرئیل کو ساتھ لیا۔ جبرئیل کا یہ مرض طول کھینچ کر اُس کی وفات کا سبب بن گیا۔ اور اُس نے مرنے سے قبل ایک وصیت نامہ مرتب کر کے خلیفہ مامون الرشید کو دینے کی ہدایت کر دی۔ جبرئیل کا جنازہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ شہر مدائن کے کنیسہ "سینٹ سرجس" میں دفن کیا گیا۔ اُس کے اخلاق کو یاد کر کے اہل بغداد نے مدت تک اُس کا ماتم کیا اور شعراء نے مرثیئے لکھے۔

بختیشوع بن جبرئیل۔ خلیفہ کے ہمراہ ملک روم سے واپس آیا تو اُس نے کنیسے کے راہبوں کو بہت کچھ مالی امداد اور وظائف سے خوش کیا۔ اصل یہ ہے کہ جورجس اور اُسکے خاندان اور اولاد کے اخلاق نہایت شریفانہ تھے۔ غریبوں کی خبر گیری۔ مریضوں کے ساتھ سچی ہمدردی اور لاطمعی اس خاندان کا خاصہ تھی۔ اسی وجہ سے ان کی عزت دلوں میں گھر کئے رہی اور اس خاندان نے وہ عروج پایا جو کسی کو نصیب نہ ہوا تھا۔

جبرئیل کی مالی آمدنی کا حال خود اُس کے یادداشت کے اعتبار سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ۲۳ سال کے عرصہ میں اُسے بہ تفصیل ذیل آمد ہوئی تھی:۔ (۱)۔ عام مخلوق کی نقد فیس سے ماہوار دس ہزار درم۔ ۲۳ سال میں ۲۶ لاکھ ۶۰ ہزار درم ۔ عوام کے تحائف ماہوار مالیتی پانچ ہزار درم۔ ۲۳ سال کی میزان ۱۳ لاکھ ۸۰ ہزار درم ۔ (۲)۔ خاص طبقہ سے بایں تفصیل آمدنی ہوتی تھی ۔ (الف) ہر سال ماہ محرّم میں ۵۰ ہزار درم نقد۔ میزان بابت ۲۳ سال ۱۱ لاکھ ۵۰ ہزار درم ۔ (ب) پارچات ماہوار ۵۰ ہزار درم قیمت کے۔ میزان ۲۳ سال ۱۱ لاکھ ۵۰ ہزار درم ۔ (ج) ہر سال دو مرتبہ خلیفہ رشید کی فصد کھلوانے کے بابت فی مرتبہ ۵۰ ہزار درم ۔ سالانہ ایک لاکھ۔ ۲۳ سال کے ۲۳ لاکھ درم ۔ اسی قدر سال میں دو بار کے حساب سے خلیفہ کی دوا پینے کا انعام ۲۳ سال کے ۲۳ لاکھ درم ۔ (د) درباری اُمرا اور خلیفہ کے مصاحبین سے نقد۔ کپڑے۔ سواری کے جانور۔ دوا کی قیمت سب ملا کر ایک لاکھ درم سالانہ اُس کی میزان بھی ۲۳ سال کی بابت ۲۳ لاکھ ہوئی اور کل میزان اس آمدنی کی ۵۰۸۰۰۰۰۱ درم ہوئی ۔ یہ تو صرف فن طب کے ذریعہ سے اُس کو حاصل ہوا۔ اور اُس کے علاوہ جائداد کے محاصل اور خارج از یادداشت رقوم نذرانہ وغیرہ سے ۷ لاکھ اشرفی اور ۲ لاکھ درم ۲۳ سال کے عرصہ میں اُس نے اور کمائے تھے ۔

جبرئیل بن بختیشوع نے خلیفہ مامون الرشید کے نام جو وصیت نامہ لکھا تھا اُس کو مطالعہ کر کے خلیفہ نے اُس کی تمام املاک و جائداد اُس کے فرزند بختیشوع بن جبرئیل کے حوالہ کر دی اور اُس میں سے کچھ ضبط نہیں کیا ۔

جبرئیل کی تصانیف یہ ہیں:۔

(۱)۔ رسالہ غذا اور پینے کی چیزوں کے بیان میں یہ رسالہ اُس نے خلیفہ مامون کے لئے لکھا تھا۔ کھانے پینے کے متعلق مفید ہدایتوں کا ایک عمدہ مجموعہ تھا ۔

(۲)۔ کتاب المدخل۔ منطق میں ۔

(۳)۔ کتاب الباہ ۔ (۴)۔ بیاض مطب ۔

(۵)۔ ایک مختصر طبی رسالہ ۔

(۶)۔ کتاب بخور بنانے کی ترکیبیں۔ یہ بھی خلیفہ مامون کے لئے لکھی تھی ۔

(۷۶) جبرئیل بن عبید اللہ بن بختیشوع (حکیم)

خاندان جو جس جندی ساپوری کا چھٹا نامی طبیب اور اپنے بزرگوں کا نام روشن کرنیوالا تھا۔ علاج اور تشخیص مرض میں اپنے زمانہ کے اطباء پر سبقت لے گیا۔ مریض کو دیکھتے ہی نسخہ تجویز کرنا اُس کی خاص صفت تھی۔ فن طب میں بہت سی قابل قدر کتابیں تصنیف و تالیف کیں۔ جس طرح اُس کے باپ دادا اپنے اپنے وقت میں یکتائے روزگار طبیب رہ چکے تھے وہی بات اس کو بھی حاصل ہوئی۔

ابتدائی حالات:۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ بختیشوع بن جبرئیل کی وفات کے بعد دربار خلافت کے وزیر و امیر اُس کی دولت و ثروت ضبط کرلینے کے درپے ہوئے اور اُس کی اولاد بغداد کی سکونت چھوڑ کر ملک کے اطراف میں نکل بھاگی۔ عبید اللہ بن بختیشوع کچھ عرصہ تک ملک کے کسی حصہ میں مختصر سے علاقہ کا تحصیلدار رہا۔ خلیفہ مقتدر باللہ نے مسند خلافت پر متمکن ہو کر اُسے دربار میں طلب کیا اور عزت و نعمت سے سرفراز بنایا۔ عبید اللہ عرصہ تک خلیفہ کی خدمت میں رہ کر فوت ہو گیا۔ جبرئیل ابن عبید اللہ نے ایک کمسن لڑکا اور ایک لڑکی جو ہنوز ماں کی گود میں تھی۔ یہ بچے اپنی یادگار چھوڑے جس روز عبید اللہ مرا ہے اُسی شب کو خلیفہ مقتدر کے اہلکاران ضبطی اُس کے گھر کا تمام سامان اُٹھا لے گئے۔ عبید اللہ کی بی بی جو حرسون نامی کسی حاکم ضلع کی بیٹی تھی اپنے باپ کے پاس جا کر پناہ گزیں ہوئی۔ خلیفہ کے ملازموں نے حرسون کو بھی گرفتار کر لیا اور اُس کا بہت سا مال و اسباب ضبط کر لیا گیا۔ حرسون اس صدمہ میں مرگیا اور اب اُس کی بیوہ و بیکس لڑکی دو کمسن بچوں کو لیکر خفیہ طور سے عکبرا نامی ایک بستی میں جا رہی۔ وہاں اُس نے کسی طبیب سے نکاح کر لیا۔ اور اپنے بیٹے جبرئیل کو مقام دقوقا میں اپنے ایک چچا کے پاس بھیج دیا۔ عبید اللہ کی بیوی یعنی جبرئیل کی ماں تھوڑے دن رہ کر فوت ہو گئی تو اُسکے دوسرے شوہر نے اُس کا تمام سامان جبرئیل کے حوالہ کر دیا۔ یہ کچھ بڑا قیمتی سامان نہ تھا۔ لیکن اس سے جبرئیل کو اتنی مدد ضرور ملی کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے قابل ہو گیا۔

چنانچہ وہ بغداد میں آکر ایک طبیب سے جس کا نام "ترزمرہ" تھا علم طب پڑھنے میں مصروف ہوا۔ ترزمرہ خلیفہ مقتدر کا درباری طبیب اور نہایت معزز شخص تھا۔

ترزمرہ کے علاوہ "یوسف واسطی" سے بھی اُس نے پڑھا۔ اور شفاخانہ میں جا کر مریضوں کی حالت دیکھنے میں غور سے کام لیتا رہا۔ قدرتی شوق کی مدد سے اُس کا علم روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا اور اُستاد کی توجہ خواہ مخواہ اس کی طرف رہتی تھی۔ طالب علمی کے ایام میں جبرئیل اپنے ماموؤں کے گھر رہا کرتا تھا۔ وہ بغداد کے رومی محلّہ میں رہتے تھے۔ مگر اُس کی غربت اور بیکسی کے باعث وہ لوگ اُسے نہایت حقیر سمجھتے اور اُس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے تھے۔ بلکہ حقارت اور ہنسی کے طور پر اُس سے کہتے کہ "تو کیوں پڑھتا ہے؟ کیا یہ چاہتا ہے کہ اپنے دادا جبرئیل اور بختیشوع کے مانند ہو جائے تو اُن کے برابر تو کیا ہوگا پہلے ہماری ہی برابری کرے۔" جبرئیل ان طعنوں کی کچھ پروا نہ کرتا اور اپنے کام میں مشغول رہتا۔

نام و نمود کی ابتداء:۔ جبرئیل ہنوز طالب علم ہی تھا کہ اتفاق سے معزالدولہ ابن بویہ دیلمی فرمانروائے بغداد کے پاس ملک کرمان (فارس) سے کچھ تحائف لیکر آیا۔ ان تحفہ جات میں ایک گُلدار گدھا۔ ایک سات بالشت طویل قد و قامت کا آدمی۔ اور دوسرا صرف دو بالشت قد کا پستہ قامت شخص تھا۔ یہ قاصد شہر بغداد کے مشرقی حصہ میں ٹھہرایا گیا۔ جس محل میں اُسے رکھا گیا وہ قصر فرخ کہلاتا تھا اور جبرئیل بن عبیداللہ کا مطب جو ایک معمولی طبیب کی دکان تھی اسی محل کے قریب واقع تھی۔ کرمان کا قاصد اکثر اس کے مطب میں آ بیٹھتا اور اس سے بخندہ پیشانی باتیں کرتا رہتا۔ ایک دن اُس نے جبرئیل کو اپنے گھر بلا کر فصد کھلوانے کا مشورہ کیا۔ جبرئیل نے اُسے رائے دی اور اُس کی فصد لی۔ دو دن جبرئیل اپنے دیلمی دوست کی خبر لینے جاتا رہا تیسرے روز جب اُس نے پٹی کھولی تو دیلمی امیر نے اپنے ملکی دستور کے موافق پٹیوں کی صینی طشت۔ لوٹا۔ اور دیگر سامان جو فصد میں برتا گیا تھا۔ جبرئیل کی نذر کیا اور اُس سے کہا کہ آپ میرے ساتھیوں کو بھی دیکھیں ان کے امراض کا علاج کریں۔ دیلمی امیر کے

پاس ایک حسین وجمیل لونڈی تھی۔ اُس کو تھوک میں خون آنے کا عارضہ تھا۔ کرمان وفارس اور عراق میں کوئی طبیب ایسا نہ تھا جس کا علاج نہ ہوا ہو لیکن اُس لونڈی کو صحت نہیں ہوئی۔ جبرائیل نے اُس کو دیکھ کر ایک معجون تیار کر دیا۔ چالیس روز میں اس دوا سے لونڈی کو کلّی صحت ہوگئی۔ دیلمی امیر اپنی محبوبہ کی تندرستی سے اس قدر خوش ہوا کہ گویا دولتِ جہاں اُسے مل گئی۔ جبرئیل کو بلوا کر ایک ہزار درہم نقد اُس کی نذر کئے اور چند قیمتی کپڑے بھی بطور خلعت دئے۔ پھر مریضہ نے بھی ہزار درہم نقد۔ دو جوڑے عمدہ کپڑے اور ایک خچر عمدہ ساز و یراق کا اُس کی نذر کیا۔ اسی کے ساتھ ایک زنگی غلام بھی دیا۔ اب تو جبرئیل اچھا مالدار بن گیا۔ وہ اپنے گھر پہنچا تو اُس کے ماموں اُسے پیسے والا اور خوش لباس دیکھ کر خلافِ معمول بڑی خاطر و مدارات سے پیش آئے اور اُس کی عزت کرنے لگے۔ جبرئیل نے اُن سے کہا کہ آپ میری عزت تو کرتے نہیں۔ ان کپڑوں کی قدر کر رہے ہیں۔

دیلمی امیر بغداد سے اپنے ملک میں واپس گیا تو جبرئیل کے علاج کا وہاں خوب شہرہ پھیلایا اور اس طرح جبرئیل کو بغداد سے شیراز جانے کا اتفاق ہوا۔ شیراز کے گورنر عضدالدولہ کے دربار میں اُس کی رسائی ہوئی۔ عضدالدولہ کو وجع المفاصل نقرس اور آنتوں کی کمزوری کی شکایت لاحق تھی۔ جبرئیل نے ۳۵۷ھ میں عضدالدولہ کے واسطے "جوارش تفاحی" تیار کر دی جس کے استعمال سے اُس کو بیحد فائدہ ہوا اور جبرئیل خلعت و انعام سے مالا مال بنا دیا گیا۔ اس کے بعد عضدالدولہ بغداد میں آگیا۔ جبرئیل اُس کے خواص میں داخل اور ہمرکاب تھا۔ یہاں آکر عضدالدولہ نے اُس کی تنخواہ مقرر کر دی۔ تین سو درہم ماہوار اُسے خزانہ شاہی سے ملتے تھے۔ اور تین سو درہم ماہوار شفاخانہ کی امدادی رقم پاتا تھا۔ یہ شفاخانہ اُس کے بزرگوں کی یادگار تھا جسے جبرئیل نے از سر نو درست کیا۔ ہفتہ میں دو دن رات وہ شفاخانہ میں رہتا تھا اور باقی اوقات دربار اور عام مطب میں صرف کرتا۔ تنخواہ کے ماسوائے معقول وظیفہ اور اخراجات خانگی بھی خزانہ سے اُس کو ملتے تھے۔

صاحب بن عباد شہر رَے کا حاکم معدہ کی خرابی میں مبتلا ہوا۔ عضدالدولہ نے

جبرئیل کو اُس کے علاج کے لئے بھیجا اور وہاں بھی اُس نے کامیابی کے ساتھ علاج کر کے خوب انعام و اکرام حاصل کیا۔ یہیں اُس نے صاحب بن عباد کی فرمائش سے اپنی کتاب "قرابادین صغیر" لکھی جس میں تمام امراض کا مختصر بیان مع اسباب و علامات اور علاج کے کیا ہے۔ اِس کے صلہ میں ایک ہزار اشرفی کا قیمتی تحفہ صاحب بن عباد نے جبرئیل کو عطا کیا۔ اس کے بارہ میں جبرئیل ہمیشہ کہا کرتا کہ میں نے دو سو (۲۰۰) ورق تصنیف کر کے ایک ہزار دینار صلہ حاصل کیا۔ وہ شہر رَے سے بغداد واپس آیا تو اس شان و شوکت سے کہ تمام معاصرین اُس پر رشک کھانے لگے۔ یہاں تک کہ اُن میں سے بے تکلّف دوستوں نے کہا بھی کہ "ہم نے تم کو بغداد سے نکال کر اپنے لئے میدان صاف کیا تھا لیکن تم پھر آ گئے اور اس شان سے کہ پہلے کی نسبت بدرجہا زائد رسوخ اور عزت حاصل کر لی"۔ جبرئیل نے اُس دوست کو جواب دیا "بھائی عزت و ذلت میرے یا تمہارے بس میں نہیں۔ یہ خدا کی دین ہے وہ جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے بخش دے۔ اس پر حسد و رشک کرنا فضول ہے"۔ رے سے واپس آکر جبرئیل تین سال کامل بغداد میں رہا اور روز بروز اُس کی مقبولیت بڑھتی گئی۔

خسرو شاہ بن مبادر۔ فرمانروائے دَیلم کی علالت کا علاج شہر رَے کے قابل اطبّاء نہ کر سکے تو اُس نے صاحب بن عباد کو لکھا کہ کوئی اچھا ماہر طبیب بھیجو۔ اُس نے جبرئیل کو بھیج دیا۔ یہ تیسرا سفر تھا جو بغداد چھوڑ کر جبرئیل کو باہر لے گیا۔ دَیلم میں پہنچ کر خسرو شاہ سے جبرئیل نے یہ شرط پیش کی کہ میں آپ کا علاج اُسی صورت میں کروں گا جبکہ دیگر اطبّاء یہاں سے رخصت کر دئے جائیں۔ چنانچہ اُس کی یہ شرط مانی گئی اور اُس نے کامیابی کے ساتھ یہاں بھی علاج کیا۔ پھر خسرو شاہ کی فرمائش پر اُس کے لاحقہ مرض کے متعلق اُس نے ایک کتاب لکھ دی تاکہ پھر ایسی ہی تکلیف لاحق ہو تو وہ ہدایت نامہ کا کام دے۔ دَیلم سے واپس ہوتے ہوئے مقام رَے میں صاحب بن عباد کی فرمائش پر اُس نے ایک رسالہ خون کے بیان میں لکھا جو اپنی وضع میں بے مثل ہے۔ اور اسی عرصہ میں وہ اپنی کتاب "قرابادین کبیر" بھی لکھ رہا تھا۔

اِس مرتبہ جبرئیل بغداد میں واپس آیا تو عضد الدولہ فوت ہو چکا تھا۔ لہذا وہ گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر تصنیف و تالیف میں مصروف ہؤا۔ چند سال میں اُس نے اپنی کتاب قرابا دین اعظم مکمل کی۔ اِس کا نام "الکافی" رکھا۔ "کافی" صاحب بن عباد کا لقب تھا۔ چونکہ اُس سے جبرئیل کو بہت محبت تھی اس لئے یہ کتاب اُسی کے نام پر معنون کی اور اور اُس کا ایک نسخہ دار العلم بغداد کو نذر کیا۔ اُس کی دیگر تصانیف یہ ہیں:۔

(۱)۔ کتاب المطابقۃ بین قول الانبیاء والفلاسفہ۔ اس میں حکماء اور انبیاءؑ کے اقوال کی باہم تطبیق کی ہے۔

(۲)۔ ایک مقالہ تردید یہود میں۔ اس میں نسخ کا جواز۔ حضرت مسیحؑ کی رسالت پر دلائل۔ ردّ قُل۔ اور شراب کو قربانی میں چڑھانے کا جواز۔ وغیرہ مذہبی امور سے اچھی بحث کی۔ اور چند چھوٹے رسالے دینی مباحث پر لکھے ہیں جن کا ذکر اس کتاب میں ضروری نہیں۔

جبرئیل کو اب بغداد سے باہر جانے کی خواہش نہیں رہ گئی تھی۔ مگر مجبوری وہ اور بھی کئی مرتبہ باہر گیا۔ ایک بار بیت المقدس کی زیارت کو گیا وہاں سے واپسی میں بمقام دمشق ملک العزیز نے اُسے مصر میں چلنے کی ترغیب دی۔ لیکن جبرئیل وہاں سے پیچھا چھڑا کر بغداد چلا آیا اور مصر نہیں گیا۔ پھر موصل کے حکمران حسام الدولہ نے اُسے بلوایا۔ اور فرمانروائے دیلم نے بھی ایکبار اُس کو اور طلب کیا۔ اور ہر مرتبہ علاج میں نمایاں کامیابی حاصل کرتا رہا۔

اخیر میں جبرئیل کسی قدر نازک مزاج ہوگیا تھا۔ اور حق بھی تھا کہ وہ ایسی نازک مزاجی دکھلائے۔ کیونکہ اُس وقت کے امرا اور سلاطین نئے اہل علم کا مباحثہ اور مناظرہ کے ذریعہ سے امتحان لینے کے عادی ہو رہے تھے اور جبرئیل کی شہرت و لیاقت امتحان دینے کی محتاج نہ تھی اس لئے وہ ناخوش ہو جاتا تھا۔ چنانچہ امیر ممہد الدولہ حاکم "میا فارقین" نے اُسے طلب کیا اور جبرئیل نے اُس کو مُسہل دیا۔ امیر نے خلاف ہدایت بجائے اسکے کہ صبح کو دوا پیتا پچھلی رات میں دوا پی اور صبح تک دستوں سے فراغت پاکر دار الامارۃ میں آبیٹھا۔ جبرئیل سویرے مزاج پرسی کی غرض سے گیا تو امیر کو دیوان عام میں دیکھ کر

حیران ہوا۔ اُس نے نبض دیکھی اور پوچھا کہ دوا نے کیا عمل کیا۔ امیر کو امتحان منظور تھا۔ وہ کہنے لگا کہ دوا نے کچھ بھی اثر نہیں دکھایا۔ جبرئیل نے کہا "نبض بتاتی ہے کہ دوا اپنا کام کر چکی ہے اور وہ زیادہ پہنچی ہے"۔

امیر۔ (ہنسکر) "آپ کے خیال میں دوا کس قدر اثر کر سکتی ہے"

جبرئیل "آپ کو پچیس دست آئینگے۔ کم نہ زائد۔ اور دوسروں کو اس سے زیادہ"

امیر "مجھے تو صرف ۲۳ دست آئے" جبرئیل "میں نے جو عرض کیا ہے اُس میں خلاف نہ ہوگا دو دست اور آئینگے" پھر ٹھنڈائی وغیرہ کا نسخہ لکھ کر وہاں سے غصہ میں بھرا ہوا واپس آیا اور قیام گاہ پر پہنچتے ہی اسباب سفر بندھوالیا۔ امیر معہد الدولہ نے سُنا کہ جبرئیل خفا ہو کر جا رہا ہے تو اُس سے کہلا بھیجا کہ یہ آپ کیا کرتے ہیں۔ جبرئیل نے جواب دیا "آپ نے میرا امتحان لیا۔ میں اس امر کا محتاج نہیں ہوں" امیر نے اُس کو راضی کر کے روک لیا۔ اور جانے نہیں دیا۔ پھر وہ عرصہ تک وہیں میافارقین میں رہا اور باوجود کئی جگہ سے طلب آنے کے کہیں نہیں گیا۔

آٹھویں ماہ رجب ۳۹۶ھ روز جمعہ کو ابو عیسیٰ جبرئیل بن عبیداللہ بن بختیشوع نے ۸۵ سال کی عمر پاکر دنیا سے رحلت کی اور وہ میافارقین سے باہر عیدگاہ اہل اسلام میں مدفون ہوا۔

(۲۷۶) جمال الدین بن الرحبی (حکیم)

جمال الدین عثمان بن یوسف بن حیدرۃ الرحبی۔ رضی الدین الرحبی کا فرزند۔ اور شرف الدین ابن الرحبی کا بھائی تھا۔ باپ اور برادر کلاں کی طرح یکتائے زمانہ عالم و فاضل تھا۔ دمشق کے بڑے فضلاء میں شمار ہوتا ہے اور سرآمد علماء گنا جاتا ہے۔ فن طب اپنے باپ سے پڑھا تھا اور اُسی کے ساتھ مطب کر کے علاج میں کمال حاصل کیا۔ تشخیص مرض میں اس کے فہم کی رسائی قابل ذکر تھی۔ اُس نے بھی باپ و بھائی کے بعد دمشق کے بیمارستان کبیر میں معالج رہ کر کئی سال تک یہ خدمت ادا کی۔

جمال الدین بن الرجبی کو تجارت کا شغل بہت مرغوب تھا اور وہ اسی ذریعہ سے کسب معاش کیا کرتا تھا۔ بعض اوقات شام کا مال لیکر مصر جاتا اور وہاں اُسے فروخت کر کے مصر کا مال دمشق میں لے آتا۔ یوں ہی وہ تجارت میں مشغول رہا۔ جس وقت ۶۵۸ھ میں تاتاری فاتح شہر دمشق پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ جمال الدین وہاں سے مصر کو چلا گیا۔ اور وہیں شہر قاہرہ میں مقیم رہا۔ پھر وہ قاہرہ ہی میں رہ پڑا۔ جہاں ۶۵۹ھ میں اُس کو مرض الموت لاحق ہُوا اور فوت ہو گیا۔

(۲۷۷) جمال الدین بن ابی الحوافر (حکیم)

امام ابو عمرو عثمان بن ہبۃ اللہ بن احمد بن عقیل القیسی۔ معروف بہ ابن ابی الحوافر۔ اپنے زمانہ کا سر آمد علماء اور افضل الاطباء تھا۔ دمشق میں پیدا ہُوا۔ وہیں تعلیم و تربیت پائی امام مہذب الدین بن نقاش۔ اور شیخ رضی الدین الرجبی کا شاگرد رشید تھا۔ تکمیل و تحصیل علم کے بعد جب اسکی قابلیت کا شہرہ ہوا تو اپنے کمال کی وساطت سے ملک العزیز عثمان بن ملک الناصر صلاح الدین فرمانروائے مصر و شام کا طبیب مقرر ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے دربار کا افسر الاطباء بن گیا۔

ابن ابی الحوافر۔ ملک العزیز عثمان کے ساتھ مصر میں آیا۔ اور قاہرہ میں سکونت اختیار کر لی۔ وہ نہایت صاحب مروت اور دوست نواز تھا۔ خلق کے ساتھ احسان و حسن سلوک سے پیش آتا۔ ہر شخص اُس کی عزت و حرمت کیا کرتا تھا۔ مزاج میں خودداری بہت تھی۔ اور پیشہ کی عزت رکھنے کا بہت خیال کیا کرتا تھا۔ اُس کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک دن بازار میں کسی کحال کو ایک چنے بیچنے والے کی آنکھ میں دکان پر کھڑے ہو کر سرمہ لگاتے دیکھا تو حالت غیظ میں اُس کو ایک تازیانہ رسید کیا اور ڈانٹ بتائی کہ کیا کرتا ہے۔ اگر تو ذلیل ہے تو پیشہ کو ذلیل کرنے کی کیا وجہ۔ ایک بازاری کے پاس کھڑے ہو کر اُسی کی آنکھ میں سرمہ لگانے کے کیا معنی۔ ایسا ہی کرنا ہو تو اُس کے پاس بیٹھ کر علاج کر۔ چنانچہ اُس کحال سے توبہ کرالی اور عہد لے لیا کہ آئندہ وہ فن کی عزت کریگا۔

اور کوئی حرکت ایسی نہ کریگا جو اس پیشہ کی وقعت پر حرف لائے ؞

ملک العزیز عثمان ابن ابی الحوافر کی نہایت عزت و حرمت کرتا تھا اور انعام و اکرام سے اُس کو مالا مال کرتا رہتا ۵۹۵ھ میں ملک العزیز بمقام قاہرہ فوت ہو گیا تو اُس کے بعد ابن ابی الحوافر اُس کے جانشین ملک الکامل محمد بن ابی بکر بن ایوب کا درباری طبیب رہا۔ اور کئی سال اُس کی خدمت میں بسر کر کے خود بھی قاہرہ ہی میں دُنیا سے رحلت کی۔ اُس کی وفات کا سنہ معلوم نہیں ہو سکا مگر غالباً ساتویں صدی ہجری کے اوایل میں فوت ہؤا ہے ؞

ابن ابی الحوافر سے کئی لائق و نامور علماء نے فن طب کی تحصیل کی تھی۔ حکیم شہید الدین علی بن خلیفہ اُس کے شاگردوں میں سب سے ممتاز اور جلیل القدر طبیب تھا۔ اور بھی کئی نامور اطباء مصر میں اُس کی شاگردی کا فخر رکھتے تھے ؞

(۲۷۸) جمال الدین علی بن انزدی (حکیم)

جمال الدین۔ ابوالحسن علی بن ابی الغنائم سعید بن ہبۃ اللہ بن علی بن انزدی طب کے پیشہ میں اچھا ماہر۔ علم و عمل دونو لحاظ سے عمدہ رسوخ رکھتا ہے ؞

(۲۷۹) جینز ولیم { JENNER Sir William Jenner } (ڈاکٹر)

ولیم جینز ۳۰ جنوری ۱۸۱۵ء کو چیتھم (انگلستان) میں پیدا ہوا تھا۔ اور اُس کی تعلیم یونیورسٹی کالج لنڈن میں ہوئی۔ وہیں سے سند حاصل کرنے کے بعد اس نے مطب شروع کر دیا۔ لنڈن یونیورسٹی نے اُسے ایم ڈی کی ڈگری عطا کی۔ اور ۱۸۴۴ء میں وہ پیشۂ طبابت سے وابستہ ہو گیا۔ یہ شخص علم تشخیص امراض میں بڑا قابل تھا۔ چنانچہ ۱۸۴۹ء میں یونیورسٹی کالج لنڈن میں تشریح الامراض کا پروفیسر اور اُسی کے ہسپتال کا اسسٹنٹ فزیشن مقرر کیا گیا ؞

یہ محقق ڈاکٹر سالہا سال تک مریضان بخار کے شفاخانے میں ٹائی فائیڈ فیور

(بخار محرقہ اسہالی) کے متعلق تحقیقات کرتا رہا۔ ۱۸۴۹ء میں اُس نے ایک علمی رسالہ میں ٹائی فس فیور (محرقہ دماغی) اور ٹائی فائیڈ فیور (محرقہ اسہالی) کے عنوان سے ایک سلسلہ مضامین لکھنا شروع کیا، جس میں ان بخاروں کی علامات کی مشابہت اور عدم مشابہت سے بحث کی گئی تھی، اسی میں اس امر پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی کہ اُن ۶۶ مریضوں میں جو فیور ہسپتال لندن میں فوت ہوئے اس مسلسل بخار کی کیا علامات ظہور پذیر ہوئیں۔ اور وفات کے بعد کون کونسی خاص علامتیں نمایاں ہوئیں آخر نتیجہ یہ نکالا گیا کہ یہ دونو قسم کے بخار جنہیں انگلستان کے ڈاکٹر قبل ازیں ایک ہی قسم کے بتاتے تھے۔ درحقیقت وہ علیحدہ علیحدہ قسم کے بخار ثابت ہوئے ⁂

اِس قسم کے بخار کے متعلق سابقہ تحقیقات اور متضاد رائیں ڈاکٹر مرکی سن نے اپنی کتاب "مسلسل بخارات برطانیہ" میں نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کی ہیں سب سے پہلے جینوا کے ڈاکٹر سی اے ج نے تحقیقی طور پر یہ رائے قائم کی تھی۔ کہ برطانیہ عظمےٰ میں دو قسم کے بخار پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف اور متمیز ہیں، ان میں سے ایک تو محرقہ دماغ متعدی ہے اور دوسرا مرض افرادی جو خاص خاص مقامات میں پھیلتا اور تھوڑے آدمیوں تک محدود رہتا ہے، جیسے محرقہ فرانسیسی، لیکن وہ ان دونو کی جملہ علامات کو امتیازی طور پر بیان نہیں کرسکا۔ اس کے بعد ہَینڈل رفیہ (امریکہ) کے دو نامی ڈاکٹروں نے اس بخار کے متعلق یہ قطعی رائے قائم کی، اور بتایا کہ وہاں جو بخار ہوتا ہے وہ برطانیہ کے محرقہ دماغی سے عین مشابہت رکھتا ہے۔ نیز یہ متعدی و مہلک ہوتا ہے، زیادہ تر جیلخانوں، جہازوں اور فوجوں کے درمیان پھیلا کرتا ہے، اگر محرقہ اسہالی کی سب سے بڑی اور خاص علامت اسہال ہیں۔ اور یہ متعدی بھی نہیں ہوتا۔ مابعد کی تحقیقات سے اور ڈاکٹروں نے بھی مذکورہ بالا خیالات سے اتفاق کیا ⁂

ڈاکٹر ولیم جینر نے جو مضامین ۱۸۴۹ و ۱۸۵۰ء میں شائع کئے اُن میں ان دونو بخاروں کی علیحدہ علیحدہ علامات بیان کی ہیں۔ اور مختلف مریضوں کی علالت کا ذکر کیا ہے،

مرض کے لاحق ہونے سے پیشتر اُن کی صحت رنگت عمر، جنس، مرض کی مدت قیام، دوران مرض کی علامات، چہرے کا رنگ، درد سر، بحران، عصبی قوت اور حس کا ضائع ہوجانا، زبان کی رنگت، درد، بھوک، پیاس، نبض، کھانسی، اور پھیپھڑوں کی خرابی وغیرہ کے متعلق سب باتیں درج کیں۔ اور اُن کے علاوہ وہ تغیّرات جو وفات کے بعد اُن کی لاشوں کو چیرنے سے مختلف اعضاء میں پائے جاتے ہیں اُن کا ذکر بھی کیا ہے، انہی مضامین میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ محرقہ اسہالی عموماً کم عمر کے لوگوں کو اور محرقہ دماغی بیشتر زیادہ عمر والوں کو لاحق ہوتا ہے نیز اول الذکر بتیسویں دن اور آخر الذکر میں چودھویں دن موت واقع ہوا کرتی ہے۔ ان دونو بیماریوں میں مریض کی جلد پر ننھے ننھے دھبے سے نکل آتے ہیں جو ہاتھ لگانے سے محسوس ہوتے ہیں ان میں رنگ کے متعلق کوئی خاص تعیین نہیں ہوتا، (اس علامت کا وجود ہندوستان میں کم لیکن انگریزوں میں نمایاں ہوتا ہے) محرقہ دماغی میں ان دھبوں کی شکل شہتوت کی بیرونی سطح سے ملتی جلتی ہے۔

ڈاکٹر جینر نے ایک اور ضروری مسئلہ کی تحقیقات کی اور وہ یہ تھا کہ آیا یہ دونو بخار ایک ہی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں یا مختلف وجوہات سے، آخر اُس فاضل محقق نے متواتر و مسلسل غور و تامل اور مشاہدات کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ ان دونو کے اسباب ایک دوسرے سے مختلف ہوا کرتے ہیں۔ اُس نے ۱۸۴۹ء کے اواخر میں ایک طبی انجمن کے سامنے ایک مضمون پڑھا جس میں ثابت کیا تھا کہ ۴۷ و ۴۸ و ۱۸۴۹ء میں جس قدر مریض دیکھنے میں آئے، اُن میں سے کوئی دو مریض جو ایک ہی گھر سے آئے تھے، ایک ہی شکایت میں مبتلا نہ پائے گئے۔ بلکہ مختلف محلوں اور کوچوں کے بیماروں میں اُن دونو بخاروں کی جداگانہ علامات پائی گئی تھیں۔ ہاں اگر ایک ہی مکان یا محلہ میں دو مریض ایک ہی مرض میں مبتلا پائے جاتے۔ تو علامات بھی ایک دوسرے سے متشابہ ہوتیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محرقہ اسہالی اور محرقہ دماغی مختلف اسباب سے پیدا ہوتے ہیں۔ حال کی تحقیقات نے بھی ڈاکٹر جینر کے ان خیالات کی تائید اور تصدیق کر دی ہے۔

اِس اہم تحقیقات کی وجہ سے ڈاکٹر جینر بہت سے اعلے مناصب پر مقرر کیا گیا۔ یہاں تک کہ ۱۸۶۱ء میں اُسے ملکہ وکٹوریہ کے خاص طبیب کا منصب دیا گیا۔ اور ملکہ ممدوحہ کے خاوند کی علالت کے زمانے میں وہ اُن کا معالج بھی رہا۔ ۱۸۶۲ء میں وہ مستقل طور پر شاہی طبیب بن گیا۔ اور ۱۸۶۸ء میں اُسے نائٹ کا موروثی خطاب عطا کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۸۷۲ء میں ملک معظم مرحوم کا جو اُس وقت ولیعہدی کی حالت میں محرقہ اسہالی میں مبتلا ہو گئے تھے، علاج کرنے کے صلہ میں اسکو کے سی۔ بی کا اعلے خطاب دیا گیا۔

سر ولیم جینر نے مریضوں کی حالت دکھا کر علم طب سکھانے کے ہنر پر کئی ایک لیکچر دئے جو طبی رسالوں میں شائع ہوتے رہے۔ ۱۸۶۱ء میں خناق وبائی پر ایک رسالہ شائع کیا۔ اور اُس کے لیکچر جو اُس نے برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن کو ۱۸۶۹ء اور امراض وبائیہ کی سوسائٹی میں ۱۸۶۶ء میں دئے علم الادویہ کے سرمایہ میں بہترین اضافہ ہیں۔ اُن میں اس بات پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے کہ آئندہ علم ادویہ میں ترقی کرنے کے لئے کون سے اصول ہونے چاہئیں۔ اور نیز اس امر پر بھی بہت زور دیا گیا ہے کہ امراض کی روک تھام کیونکر ہو سکتی ہے۔

(۲۸۰) جینر ایڈورڈ { JENNER
Edward Jenner } (ڈاکٹر)

ایڈورڈ جینر جس نے چیچک کا ٹیکہ دریافت کیا تھا، ۱۷ مئی ۱۷۴۹ء کو قصبہ ابرکلے (انگلستان) میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے باپ کا نام پادری اسٹیفن جینر تھا۔ ایڈورڈ پانچ برس کا تھا جب باپ کا انتقال ہو گیا۔ مگر بڑے بھائی نے اُس کی پرورش اور تعلیم کا انتظام کیا۔ تیرہ سال کی عمر میں اُسے ایک ڈاکٹر کا شاگرد بنایا گیا۔ جو شہر برسٹل کے قریب ایک قصبہ میں مطب کرتا تھا۔ یہ ہونہار طالب علم چھ سال تک اُس کی نگرانی میں طبی تعلیم حاصل کرتا رہا۔

ایڈورڈ تیرہ سال کی عمر میں غرض چیچک کے ٹیکہ کا تجربہ کیا گیا۔ یہ تجربہ اُس زمانے میں چھ ہفتے سے پہلے ختم نہ ہوتا تھا۔ سب سے پہلے یہ بات دریافت کرنے کے لئے

کہ اُس کا خون پاک وصاف ہے یا نہیں اُس کی فصد کھولی گئی۔ پھر بتکرار مُسہل دئے گئے۔ غذا کی مقدار گھٹائی اور ایک ایسی دوا پلائی گئی جس سے اُس کا خون میٹھا ہو جائے اس سے وہ بہت کمزور و نحیف ہو گیا۔ اس کے بعد اُسے اُن مریضوں میں رکھا گیا جو مرض چیچک میں مبتلا تھے۔ جس کی وجہ سے اُس پر بھی چیچک کا خفیف سا اثر پڑا لیکن چند ہی روز میں صحت ہو گئی۔

جینر اپنے زمانے میں علم خواص الاشیاء اور علم حیوانات و نباتات کا بہت بڑا ماہر تھا۔ لیکن ٹیکہ کی دریافت کے باعث اُسے لوگوں میں اس قدر ہر دلعزیزی اور شہرت حاصل ہو گئی کہ علم ادویہ اور جراحی وغیرہ سے متعلق اُس کی اہم تحقیقات کی شہرت کو لوگوں نے نظرانداز ہی کر دیا۔ حالانکہ وہ طب کے متعلق بہت سے کاموں میں کافی مہارت رکھتا تھا۔

یہ فاضل ڈاکٹر ریڈبرو اور آلوسٹن کی دو سوسائٹیوں کا روح رواں تھا جن کے اغراض و مقاصد یہ تھے کہ لوگوں میں باہمی ربط و ضبط کو ترقی دی جائے اور سائنس کی باتوں کو عام طور پر پھیلایا جائے۔ ان سوسائٹیوں کے جلسوں میں ایڈورڈ جینر اکثر اطبا کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا رہتا تھا کہ گائے کے تھن پر جو دانے نکلتے ہیں اُن میں اکثر امراض کو روکنے کی خاصیت بتائی جاتی ہے۔ اس لئے اُس کی بابت تحقیقات کے ذریعہ سے کوئی یقینی رائے قائم کرنی چاہئے۔ لیکن اُسکی یہ تمام کوششیں رائگاں گئیں بلکہ دوسرے طبیب اُس سے نفرت کرنے لگے۔ ایک دفعہ اُنہوں نے صاف طور پر کہہ دیا کہ اگر تم اس فضول بات کو بار بار پیش کرنے سے باز نہیں آؤ گے تو ان سوسائٹیوں سے تمہیں ناچار خارج کر دینا پڑیگا۔ اگرچہ ڈاکٹر جان ہنٹر نے اپنے لیکچروں میں اُس کی اس رائے کی طرف لوگوں کی توجہ کو کھینچنا چاہا اور اس طرف مائل کرنے کی بیشتر کوشش کی لیکن کسی نے مطلق خیال نہیں کیا۔ جینر دھن کا پکا تھا وہ اپنی رائے پر بدستور قائم رہا حتےٰ کہ ۱۷۹۸ء میں جبکہ اس کی عمر تقریباً ۵۰ سال تھی دُنیا کو اُس کی ایجاد کا حال معلوم ہو گیا۔

گو ۱۷۸۰ء ہی میں یہ محقق طبیب اپنے دوست ایڈورڈ گارڈنر سے اپنی رائے

نیز اُس کے متعلق اپنی امیدیں اور اندیشے بیان کر چکا تھا لیکن اب اِس نے یہ اظہار کیا کہ "جو لوگ ایسی گاؤں کو دوہتے ہیں جن کے تھنوں پر ایسے دانے ہوتے ہیں وہ مختلف قسم کے امراض کا شکار ہوتے ہیں لیکن اُن کے بدن میں چیچک کا مرض سرایت نہیں کر سکتا" نیز یہ بتایا کہ اُس میں ایک انسان سے دوسرے انسان کے جسم میں منتقل ہونے اور مرض کی روک تھام کرنے کی خاصیت موجود ہے۔

الغرض ڈاکٹر جینر نے اپنی تحقیقات کے تجربے شروع کر دئیے اور بہت سی محنتوں اور دقتوں کا سامنا کیا۔ لیکن وہ ہمت نہ ہارا۔ یہاں تک کہ اپنے مدعا میں کامیاب ہو گیا۔ وہ اِس نتیجہ تک یقینی طور پر پہنچ گیا کہ گائے کے تھن کی سیتلا (دونو) میں سے جو زہریلا مادّہ نکلتا ہے اگر جسم انسان پر اُس سے آبلہ پیدا کیا جائے۔ تو انسان چیچک کے مرض سے محفوظ رہتا ہے۔

اگرچہ جینر ۱۷۸۰ء ہی میں لندن کے اندر سرایڈورڈ ہوم اور مشہور اشخاص اور نامور اطباء کو گائے کے تھنوں کی سیتلا کے نقشے دکھا چکا تھا، اور انہوں نے اُسے تحقیقات جاری رکھنے کی جرأت دلائی تھی، لیکن حقیقی طور پر اس جستجو میں کامیابی کا پہلا دن ۱۴۔مئی ۱۷۹۶ء تھا۔ جب اُس نے اِس قسم کے ایک مریض سے دوسرے مریض انسان میں مرض منتقل کر لینے میں اپنی سعی کو مشکور ہوتے دیکھ لیا۔ اُس وقت ایک عورت کو جو دودھ مکھن کے ایک کارخانہ میں کام کرتی تھی گائے کے تھنوں کی سیتلا کا مرض لاحق ہو گیا۔ جب اُس کے جسم سے مادّہ نکال کر ایک تنومند ہشت سالہ لڑکے کے جسم میں داخل کیا گیا تو اُسے بھی گئو سیتلا کا مرض ہو گیا۔ مگر لڑکے کو اُس سے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا۔ اُس پر بھی اُس نے مزید اطمینان کی غرض سے اپنی تحقیقات کے نتائج کی اشاعت نہ کی۔ اس کے بعد ۱۷۹۸ء کے موسم بہار میں جینر نے مختلف مقامات پر لوگوں کو اپنی تحقیقات کا تجربہ کرایا اور اُن کی رائے سے لندن گیا۔ لیکن وہاں دوماہ کے قیام میں ایک شخص بھی چیچک کا ٹیکہ کرانے پر راضی نہ ہوا۔ اس لئے وہ واپس چلا آیا۔ پھر ایک ہم پیشہ آدمی (ڈاکٹر) کو لندن میں پہلی ہی مرتبہ ٹیکہ لگانے میں کامیابی

حاصل کی۔ چنانچہ اُسی ڈاکٹر نے ایک خط کے ذریعے سے جینر سے درخواست کی کہ وہ لندن آجائے اور اُسے اُمید دلائی کہ وہاں آکر اُسے طبابت کے پیشہ سے دس ہزار پونڈ سالانہ کی آمدنی ہوسکتی ہے۔ لیکن جینر نے اس درخواست کو منظور نہیں کیا۔

سب سے پہلے ایک صاحب مرتبہ لیڈی نے اپنے لڑکے کو چیچک کا ٹیکہ لگوایا۔ اس کے بعد ہی ایک اور عالی خاندان لیڈی نے اُس کی کامیابی کو شہرت دینے میں کوشش کی۔ سنہ ۱۷۹۹ء سے ٹیکہ کا رواج ترقی پذیر ہونے لگا۔ یہاں تک کہ وائنا۔ ہنووا۔ جنوا وغیرہ میں بھی اس کی خاصی شہرت ہوگئی۔ وائنا کے ایک ڈاکٹر ڈی۔ کرو" نے اُس کی بہت سی حمایت کی اور اُسی سال برلن اور ممالک متحدہ امریکہ میں بھی ٹیکہ چیچک رواج پاگیا۔ اس کے بعد اس کا رواج ہسپانیہ میں ہوا۔ یہاں تک کہ سارے یورپ میں چیچک کا ٹیکہ مقبول ہوگیا اور بالآخر وہ یورپ سے گذر کر ساری دُنیا میں عالمگیر ترویج پاگیا۔ یعنی ہر رنگ اور ہر ملک کے لوگوں تک پہنچ گیا۔ چنانچہ سنہ ۱۸۰۱ء میں برطانیہ کے محکمہ بحری کے ڈاکٹروں نے ڈاکٹر جینر کو اُس کی ایجاد کے صلے میں ایک سُنہری تمغہ عطا کیا۔

اگرچہ چیچک کا ٹیکہ دافع چیچک ثابت ہوچکا تھا پھر بھی بہت سے لوگوں نے اُسکے متعلق رنگارنگ کی مخالفتیں کیں، اُسے مذہب کے خلاف قرار دیا گیا، اُس کے متعلق نامعقول طور پر کہا گیا کہ "ٹیکہ لگوانے والوں کی شکل بیل کی سی ہوجاتی ہے۔ ایک عورت نے بیان کیا کہ جب سے ٹیکہ لگوایا گیا ہے اُس کی لڑکی گائے کی طرح ڈکراتی ہے۔ ایک مقام پر یہ مشہور کیا گیا کہ جن لوگوں کو ٹیکہ لگایا جاتا ہے وہ بیل کی طرح ڈکارنے لگ جاتے ہیں۔ جن جن ڈاکٹروں نے اپنے مطب میں اس ٹیکہ کو رائج کیا یا تو اُن کا کام بند ہوگیا یا بہت کم رہ گیا۔ اس کے بعد ایک ایسا وقت بھی آگیا کہ رفتہ رفتہ مخالفت سرد پڑ گئی۔ (یورپ میں بعض ڈاکٹر اب بھی اس کی مخالفت کر رہے ہیں) مؤلف۔

سنہ ۱۸۰۲ء میں شاہ انگلستان کی سفارش سے ہاؤس آف کامنز برطانیہ نے جینر کو اُس کی ایجاد کے صلہ میں ۱۰ ہزار پونڈ کا عطیہ مرحمت فرمایا۔ سنہ ۱۸۰۳ء میں رائل جینرین انسٹی ٹیوشن" قائم کیا گیا جس کے لئے پریسیڈنٹ بھی ڈاکٹر جینر کو بنایا گیا۔ بادشاہ خود

اُس کا سرپرست بنا۔ اس انسٹی ٹیوشن کا مقصد اسکے سوا کچھ نہ تھا۔ کہ چیچک کے ٹیکہ کو رواج دے۔ شہنشاہ نپولئن اعظم نے بھی اُس محقق عہد کی بڑی عزت افزائی کی۔ اور ہمیشہ اُس کا بہت سا لحاظ کرتا رہا۔ مگر اپنے وطن میں وہ چنداں عزت کی نگاہوں سے نہ دیکھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس کی جو عزت برطانیہ سے باہر تھی اُس کی عشر عشیر بھی برطانیہ کے اندر نہ تھی ۱۸۰۲ء میں پھر انگریزی پارلیمنٹ نے اُسے ۲۰ ہزار پونڈ اور عطا کئے۔ اور کلکتہ بمبئی مدراس وغیرہ سے ساڑھے سات ہزار پونڈ کا چندہ علیحدہ بھیجا گیا۔ اور اُس کے قابل قدر اکتشاف کی اچھی قدر کی گئی۔

۱۸۱۵ء میں اُس کی بیوی کا انتقال ہوگیا۔ اور اُسے سخت قلق ہوا۔ نیز اس حادثہ سے اُس کے دل و دماغ پر بہت بُرا اثر پڑا۔ اسی حالت میں اُس کو ایک ایسا مرض لاحق ہوگیا جس سے ۲۶ جنوری ۱۸۲۳ء کو وہ اس جہان سے رحلت کر گیا۔ اس میں شک نہیں کہ جینر ایک نیک دل اور صوفی طبع آدمی تھا۔ اُس نے بنی نوع انسان کو بہت ہی گراں قدر فائدہ پہنچایا۔

(۲۸۱) جَوَاد (حکیم)

جَوَاد الطبیب مذہباً عیسائی۔ اور امیر محمد بن عبدالرحمٰن الاوسط ہی کے عہد میں تھا۔ بعض مرکب دوائیں اس کی ترکیب دی ہوئی نہایت مشہور اور طبی کتب میں مذکور ہیں۔ مثلاً لعوق جواد۔ دواء الراہب۔ شربت جواد۔ عرق جواد۔ سفوف جواد۔ وغیرہ۔

(۲۸۲) جُودَر (حکیم)

ہندوستان کے علماء و فضلاء میں ممتاز اور اپنے زمانہ کا فاضل شخص تھا۔ علم طب میں مہارت رکھتا تھا۔ اور علوم حکمیہ پر بھی اُس کی نظر محیط تھی۔ اس کی تصانیف میں سے صرف ایک کتاب "کتاب الموالید" ہے جس کا ترجمہ عربی میں ہوگیا ہے۔

(۲۸۳) جُورجس (حکیم)

یہ پہلا شخص تھا جس نے طبی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ جب خلیفہ منصور عباسی نے اُس کو اپنے دربار میں طلب فرمایا اور اس کے ساتھ بہت احسان و مروّت کا برتاؤ کیا۔ تو اس نے ابنائے عرب کی فائدہ رسانی کے لئے طبی کتابیں یونانی سے عربی زبان میں ترجمہ کیں۔ جُورجس کے حالات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

(۲۸۴) جُورجس بن جبرئیل (حکیم)

خلیفہ منصور عباسی کا طبیب خاص اور اپنے فن میں کامل اکمل تھا۔ مختلف اقسام کی دواؤں اور علاج کے طریقوں سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ خلیفہ منصور عباسی اس کی بہت قدر کرتا اور انعام و اکرام سے مالامال بناتا رہتا۔ اس نے خلیفہ منصور کے لئے یونانی سے بہت سی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کی تھیں۔

منصور ۱۴۸ھ میں بیمار ہوا۔ معدہ کی خرابی اور بھوک نہ لگنے کی شکایت تھی۔ ہر چند علاج کیا گیا مرض بڑھتا ہی چلا جاتا تھا اور کوئی دوا کارگر نہیں ہوتی تھی۔ آخر خلیفہ نے اپنے حاجب ربیع سے کہا کہ تمام اطباء کو بلا کر اُن سے مشورہ کرو کہ اب کیا تدبیر کی جائے۔ درباری اطباء حاضر ہوئے۔ خلیفہ نے دریافت کیا کہ بتاؤ تم سے اچھا کوئی اور طبیب بھی ہے؟ سب نے جواب دیا کہ شہر جندی سابور کا افسر الاطباء جُورجس اپنے فن میں لاثانی اور قابل قدر کتابوں کا مؤلف ہے۔ منصور نے فوراً جُورجس کے طلب میں آدمی بھیجے حاکم جندی سابور نے جُورجس کو خلیفہ کی طلب کا ذکر سنا کر بغداد جانے کا حکم دیا۔ جُورجس نے معذرت کی کہ اس وقت اُسے چند ضرورتیں لاحق ہیں اور وہ اپنا مکان چھوڑنے سے معذور ہے۔ لیکن حاکم کی طرف سے تاکیدی فرمان ملا اور کہا گیا کہ خوشی سے نہ گئے تو زبردستی جانا پڑیگا۔ جُورجس اب بھی منکر ہوا۔ حاکم نے کہا کہ اس کو گرفتار کر لو اور لے جاؤ۔ شہر کے معززین اور وہاں کا مطران (پادریوں کا افسر) سب اس خبر کو سن کر جمع ہو گئے۔

اُنہوں نے جورجس کو سمجھایا کہ کیوں انکار کرتا ہے۔ خلیفہ کے دربار میں جانا باعث عزت ہے چلا جا۔ مجبوراً جورجس نے شفاخانہ کا اہتمام اپنے فرزند بختیشوع کے حوالہ کیا اور خود مع دو شاگردوں۔ ابراہیم اور عیسیٰ بن شہلا کے بغداد کی طرف روانہ ہوا۔

جورجس کے بیٹے بختیشوع نے باپ کو رخصت کرنے وقت خواہش کی کہ اُسے بھی ہمرکاب چلنے کی اجازت ملے۔ جورجس نے کہا۔ جان پدر! گھبراؤ نہیں۔ تم کو شاہی دربار میں جگہ ملیگی۔ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ جورجس دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ خلیفہ کو اُس نے عربی و فارسی دونوں زبانوں میں سلام کیا اور دعائے جان درازی منصور کو اُس کی خوش بیانی پسند آئی۔ وجاہت ظاہری کا بھی خلیفہ کے دل پر اثر ہوا۔ جورجس کو اپنے سامنے بٹھالیا اور کئی باتیں پوچھ کر اس طرف سے اطمینان کرلیا کہ وہ فی الواقع فاضل طبیب ہے۔ پھر اُس سے کہا "مجھے تمہاری نسبت جیسا خیال تھا تم کو ویسا ہی پا کر میں بہت خوش ہوں۔ اب میری شکائتیں سُنو" یہ کہہ کر تمام حالت اُسے سُنائی۔ جورجس نے خلیفہ کو تسکین دی اور عرض کیا کہ "میں آپ کا ویسا ہی علاج کرونگا جیسا کہ آپ پسند کریں"۔

خلیفہ نے اپنے حاجب ربیع کو حکم دیا کہ جورجس کو خلعت دیا جائے اور شاہی مہمان بنا کر بڑی عزت و راحت سے رکھا جائے۔ اپنے قصر کے نزدیک ہی ایک خوشنما مکان اُس کے لئے خالی کرادیا۔ اور فرمان صادر کیا کہ جس چیز کی خواہش اس کو پیدا ہو فوراً مہیا کردی جائے۔ حتیٰ کہ اُس کے واسطے شراب بھی بہم پہنچانے کی ہدایت کی۔ جورجس کے علاج سے خلیفہ کو بہت جلد صحت حاصل ہوئی۔ وہ دربار میں بہت عزت و حرمت کے ساتھ دو سال تک حاضر رہا۔ ایک دن خلیفہ نے اُس سے کہا کہ اپنے بیٹے کو بھی یہاں بلوالو۔ میں نے اُس کی بڑی تعریف سُنی ہے۔ جورجس نے عرض کیا کہ۔ امیرالمومنین! جندی ساپور کو اُس کی بے حد ضرورت ہے وہ یہاں آئیگا تو وہاں کے شفاخانہ کا انتظام درہم و برہم ہو جائیگا اور غرباء کو سخت تکلیف ہوگی۔ میرا شاگرد عیسیٰ بن شہلا یہاں موجود ہے۔ وہ ہر طرح لائق ہے۔ حضور اُس کو کسی امر میں مجھ سے کم

نہ پائینگے۔ خلیفہ نے بھی عیسےٰ کا امتحان لیا اور اُس کی لیاقت سے مسرور ہو کر خلعت سے سرفراز کیا۔

جُورجس کی تنہائی کا خیال کر کے خلیفہ نے ایک دن تین حسین لونڈیاں اور تین ہزار روپے اُس کے لئے ارسال کئے۔ جُورجس لونڈیوں کو دیکھ کر بہت خفا ہُوا۔ اپنے شاگرد عیسےٰ سے کہا "اے شیطان کے چیلے! یہ کیا ہے؟" عیسےٰ نے جواب دیا۔ قبلہ! آپ کے لئے خلیفہ نے یہ تحفہ ارسال کیا ہے"۔ جُورجس فوراً سوار ہو کر ایوان شاہی میں پہنچا اور داروغۂ محل کو وہ لونڈیاں واپس کر دیں۔ خلیفہ نے یہ حال سُن کر جُورجس کو بلایا اور دریافت کیا کہ لونڈیاں کس لئے واپس کر دی ہیں؟ جُورجس نے عرض کی "امیرالمومنین ہم عیسائی ایک سے زیادہ بیوی نہیں رکھتے۔ میری زوجہ زندہ ہے اور گو وہ اب ضعیف ہو گئی ہے لیکن میں اُس کی خاطر و مُدارات میں کمی نہیں کر سکتا۔ خلیفہ کو جورجس کی یہ بات اتنی پسند آئی کہ وہ پہلے کی نسبت بدرجہا اُس کی عزت کرنے لگا اور حکم دیا کہ جورجس اُس کے حرم سرا میں جا کر بیگمات شاہی کا علاج کیا کرے۔ ۱۵۲ھ میں جُورجس سخت علیل ہُوا۔ خلیفہ اُس کی مزاج پرسی کے لئے برابر آدمی بھیجتا رہتا۔ یہاں تک کہ ایک دن اُسے دیوان عام میں منگوا کر خود دیکھا اور مزاج کا حال دریافت کیا۔ جورجس نے رو کر عرض کی کہ "اگر حضور اجازت دیں تو اپنے گھر جا کر بال بچوں کا دیدار کر لوں۔ مر گیا تو باپ دادا کے قبرستان میں دفن بھی ہو سکونگا"۔

خلیفہ منصور نے کہا "جُورجس۔ خدا سے ڈرو اور مُسلمان ہو جاؤ۔ میرا ذمہ ہے کہ تم جنتی ہو گے"

جُورجس "میں اپنے آبائی دین کو پسند کرتا ہوں اور اُسی پر مرونگا۔ تاکہ اُن سے جُدا نہ ہوں۔ جنت میں رہوں یا جہنم میں اپنے بزرگوں کے ساتھ تو رہونگا"۔

خلیفہ اُس کی یہ گفتگو سُن کر ہنس پڑا۔ اُس نے کہا "جُورجس! جب سے تم یہاں آئے میں اپنی تندرستی کی طرف سے بہت آرام میں رہا۔ دِل نہیں چاہتا کہ تمہیں جُدا کروں"

جُورجس "امیرالمومنین! میرا شاگرد عیسےٰ بن شہلا حضور کی خدمت کریگا۔ مجھے اجازت دیجئے"

بہرحال خلیفہ نے اُس کو انعام اور زرِ نقد دیکر رخصت کیا۔ ایک خاص افسر کو اُس کے ہمراہ بھیجا اور حکم دیا کہ حکیم کا راستہ میں انتقال ہو جائے تو اُس کی لاش اس کے گھر پہنچا دینا تاکہ اپنے خاندانی مقبرہ میں دفن ہونے کی آرزو میں ناکام نہ رہے۔ جُورجس صحیح و سلامت گھر پہنچا اور عرصہ تک زندہ رہا ۔

عیسٰے بن شہلا دربار خلافت میں عروج پاکر اپنی شرارت کے جوہر دکھانے لگا۔ اُس نے عیسوی مذہب کے دینی پیشواؤں کو دبا کر اُن سے روپیہ اور تحائف جمع کرنے پر کمر باندھی۔ ایک مطران کو لکھا کہ اپنے کنیسہ کے فلاں فلاں تحائف فوراً بھیج دو۔ اگر دیر کی تو یاد رکھو کہ خلیفہ کی جان میرے ہاتھ میں ہے۔ میں اُس سے تمہاری شکایت کر کے بُری گت بنواؤنگا۔ مطران کو اس امر سے سخت رنج ہوا۔ وہ خفیہ طور سے خلیفہ منصور کے حاجب ربیع تک پہنچا اور اُسے تمام واقعہ کی اطلاع دیکر خط دکھایا۔ ربیع نے خلیفہ سے شکایت کر دی اور عیسٰے کی شامت آگئی۔ وہ دربار سے نکالا ہی نہیں گیا بلکہ اُس کا تمام مال و اسباب بھی ضبط کر لیا گیا ۔

عیسٰے کو نکلوا کر خلیفہ نے جندی سابور کے حاکم کو لکھا کہ جُورجس زندہ ہو تو اُسے ورنہ اُس کے بیٹے کو دربار میں ارسال کرے۔ جس وقت یہ فرمان پہنچا اتفاق سے اُنہی دنوں جُورجس بلندی سے گر کر سخت زخمی اور ناتواں ہو گیا تھا۔ اُس نے حاکم شہر سے معذرت کی اور اپنے شاگرد ابراہیم کو دربار میں روانہ کیا۔ ابراہیم کی لیاقت آزما کر خلیفہ منصور نے اُسے اپنا مقرّب بنایا اور انعام واکرام سے مالا مال کیا۔ یہ طبیب خلیفہ منصور کے دربار میں حاضر رہا اور منصور نے اسی کے سامنے وفات پائی ۔

جُورجس کی مشہور بیاض اودیات حنین بن اسحٰق نے سُریانی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کی ہے اور یہ اُس کی مشہور تصنیف تھی ۔

(۲۸۵) چیمبرس { CHAMBERS William Fredric Chambers } (ڈاکٹر)

ولیم فریڈرک چیمبرس ایک ہندوستان کے انگریز افسر کا بیٹا تھا۔ ہندوستان

میں ۱۷۸۶ء کو پیدا ہوا۔ اور ۱۷۹۳ء میں انگلستان بھیجا گیا اُس نے "ہائتھ ویسٹ منسٹر" اور ٹرینٹی کالج کیمبرج میں تعلیم حاصل کی، اور ۱۸۰۸ء میں بی اے کی ڈگری پائی، کالج کی فیلوشپ سے محروم رہنے پر اُس نے علم الادویہ کی طرف توجہ کی۔ اور لندن کے "ونڈمل اسٹریٹ" نامی سکول میں داخل ہوگیا۔ اس کے بعد اُس نے ایک سال ایڈنبرا میں صرف کیا۔ علاوہ ازیں کئی ہسپتالوں میں بھی طبی تجربات حاصل کرتا رہا۔ وہ علم ادویہ کی تعلیم اور چیر پھاڑ کے اعمال میں نہایت عالی دستگاہ تھا۔ اس لئے سینٹ جارج ہسپتال لندن کے ڈاکٹر ہیلیم وارن کے مستعفی ہونے پر ۱۸۱۶ء میں وہ اُس کی جگہ مقرر کیا گیا۔ اُس وقت اُس کی عمر ۳۰ سال سے زائد نہ تھی۔ ۱۸۱۹ء میں وہ ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کا مشیر طبی منتخب ہوا۔ لیکن اب تک بھی اُس کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوا تھا۔ ۱۸۲۵ء میں اُس کی آمدنی کل تین ہزار روپے سالانہ تھی۔ لیکن جب ۱۸۳۵ء میں ڈاکٹر مارٹن فوت ہوگیا۔ اور ہالفریڈ نے تقاضائے عمر کی وجہ سے مطب کرنا چھوڑ دیا۔ اُس وقت چیمبرس کا کوئی مدمقابل نہ رہا۔ چنانچہ ۱۸۳۶ء اور ۱۸۵۱ء کے درمیانی زمانے میں اُس کی سالانہ آمدنی صرف فیسوں کے لحاظ سے سات اور نو ہزار گنی تک ہوگئی۔ ۱۸۳۶ء میں ملکہ ایڈی لیڈ نے اُس سے طبی مشورہ لیا۔ اور ۱۸۳۷ء میں وہ شاہ ولیم چہارم کا مستقل طبیب مقرر ہوا۔ اس فاضل شخص نے نائٹ کا خطاب لینے سے انکار کیا۔ کچھ مدت تک وہ ملکہ وکٹوریہ مرحومہ کا بھی طبیب رہا۔ اور ۱۸۵۱ء میں خرابی صحت کی وجہ سے اُس نے اپنا پیشہ ترک کر دیا۔ اس کے بعد لیمنگٹن میں سکونت اختیار کی جہاں اُس نے ۱۷ دسمبر ۱۸۵۵ء کو وفات پائی ؎

چیمبرس نے تحریر، تعلیم یا ایجاد کے باعث شہرت حاصل نہیں کی۔ وہ وجاہت جسمانی اور خوبصورتی کے علاوہ بڑا اصاف گو تھا۔ اُس میں حیرت انگیز قوت فیصلہ تھی اور سخت و شدید امراض کا علاج نہایت کامیابی کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ وہ دوسروں میں ترقیات اور اُن کے اصولوں کو ہمیشہ مدنظر رکھتا تھا۔ اُس نے سینے کے تقس کوپ (سماع صدریہ) کا استعمال اُس کے رواج کے بعد ہی شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنی ذمہ داریوں

کو خوب سمجھتا تھا۔ نیز طبعی طور پر کوئی غلطی یا بُرا کام کرنے سے ہمیشہ ڈرتا تھا۔ اور اُس کا طریق علاج بڑی چھان بین پر مبنی ہوتا تھا جس کی وجہ سے اُسے نہایت عرق ریزی اور محنت سے کام لینا پڑتا تھا۔ وہ ہسپتال میں اوسنج کے طور پر جن مریضوں کا علاج کرتا اُن کی علالت سے متعلق کل باتیں اپنے ہاتھ سے قلمبند کر لیتا تھا۔ اس سے اُس کی یادداشتیں ۶۰ جلدوں تک پہنچ گئی تھیں۔ ان میں وہ بعض اوقات نسخہ کے پہلو بہ پہلو اعضائے ماؤفہ کا خاکہ بھی کھینچ دیتا تھا۔ محنتی اس قدر تھا کہ وہ اپنے کام میں رات کو بہت دیر تک بلکہ بعض اوقات صبح تک مصروف رہتا۔ اس پر بھی دو تین گھنٹے کے آرام کے بعد ۹ بجے پھر کام شروع کر دیتا۔ اس کثرت کار کی وجہ سے اُس کی صحت خراب ہوگئی اور وہ دن میں صرف ایک دفعہ کھانا کھا سکتا تھا۔ اس حالت میں بھی دن بھر سواری کے ذریعہ سے وہ مریضوں کو دیکھتا پھرتا تھا۔ ایک مریض ذات الجنب کی نعش کی دیکھ بھال سے اُس کے جسم میں زہریلا مادہ داخل ہوگیا اور اُس کے داہنے ہاتھ میں پھوڑے نکل آئے۔ ہاتھ بالکل خراب ہوگیا۔ اگرچہ اُس کی آمدنی نہایت معقول تھی لیکن کچھ تو خرابی صحت اور کچھ فیاضی طبیعت کی وجہ سے وہ زیادہ دولت جمع نہ کر سکا۔ ایام علالت میں ڈاکٹر بنجمن براڈی جیسے مشہور ڈاکٹر اُس کی مزاج پرسی کو آیا کرتے تھے۔

(۲۸۶) حاجُونا (حکیم)

"بارہ برج" کے نام سے یاد کئے جانے والے طبیبوں میں سے گیارھواں شخص ہے۔

(۲۸۷) حُبَیش الاعسم (حکیم)

حُبیش نام حسن کا بیٹا۔ دمشق کا رہنے والا تھا۔ حُنین ابن اسحٰق کا بھانجا۔ اور فن طب میں اُسی کا شاگرد تھا۔ ترجمۂ کتب۔ گفتگو۔ اور دیگر حالات میں اپنے ماموں اور اُستاد حُنین کا مقلد بننا چاہتا تھا۔ لیکن اُس کی برابری نہ کر سکتا۔ حُنین نے کسی

موقع پر حُبیش کے بارہ میں یہ رائے دی ہے کہ "حُبیش یوں تو ذہین اور سمجھدار ہے۔ لیکن اُس میں اجتہاد کی قوت نہیں۔ بلکہ وہ ایک طرح پر کچھ کُند اور سُست ہے۔ اگرچہ اُس کی تیز طبعی نہایت بڑھی ہوئی تھی مگر وہ اپنی ذہانت کے موافق غور و فکر میں کوشش و محنت نہیں کیا کرتا تھا۔ حُنین کی کتاب المسائل جو اُس نے طب کے ابتدائی طلبہ کے واسطے لکھنی شروع کی تھی۔ حُبیش ہی نے اُس کو مکمل کیا۔ کیونکہ حُنین اپنی زندگی میں اُس کا تکملہ نہیں کر سکا تھا۔

حُبیش کی تالیف و تصنیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ کتاب مسہلہ دواؤں کی اصلاح کے بیان میں۔
(۲)۔ کتاب مفرد دواؤں کے ذکر میں۔
(۳)۔ کتاب غذاؤں کے بیان میں۔
(۴)۔ کتاب مرض استسقاء (جلندھر) کے ذکر میں۔
(۵)۔ ایک مقالہ نبض کے بارہ میں باعتبار تقسیم اقسام نبض۔

(۲۸۸) حجاج بن المطران (حکیم)

اس نے خلیفہ مامون عباسی کے لئے کتابیں ترجمہ کی تھیں۔ کتاب اُقلیدس اسی کی ترجمہ کی ہوئی ہے۔ حجاج بن مطران کے بعد اس کتاب کے عربی ترجمہ کی "ثابت بن قُرّہ حرّانی" نے دوبارہ اصلاح کی۔ ثابت بن قُرّہ کا نام عبد المسیح بن عبداللہ ہے۔ وہ ملک شام کے شہر حمص کا رہنے والا تھا۔ اور قبیلۂ بنی ناعم کا فرد۔ اگرچہ اس نے بہت کم کتابوں کا ترجمہ کیا ہے۔ لیکن اُس کا ترجمہ زیادہ قابل تعریف نہیں۔

(۲۸۹) حرث بن کلدہ ثقفی (حکیم)

یہ شہر طائف کا رہنے والا تھا۔ دُنیا کے متمدن ممالک میں سفر و سیاحت کر کے ملک فارس میں فن طب کی تحصیل کی۔ وہیں امراض کی تشخیص اور دواؤں کے فوائد کا تجربہ کیا۔ پھر ایران سے ملک یمن میں آکر وہاں کے اطباء کی صحبت سے بھی مستفید ہوا۔ اس حکیم عرب کو فن موسیقی میں بھی کمال تھا۔ عُود (ستار) بجانے میں فرد اور اُس کی

تعلیم ایران میں حاصل کر چکا تھا۔ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد سے زمانۂ خلفائے راشدینؓ اور امیر معاویہؓ کے نزدیک زندہ اور موجود رہا۔

امیر معاویہؓ نے اُس سے دریافت کیا "حارث الطب کس چیز کا نام ہے؟" حارث نے جواب دیا "پرہیز" کا حارث بن کلدہ۔ عرب کا طبیب کہلاتا اور بہت نامی معالج تھا۔ سعد بن ابی وقاصؓ مکّہ میں علیل ہوئے۔ رسول پاک اُن کو دیکھنے گئے۔ اور آپ نے حارث کو بلوایا تاکہ سعدؓ کے لئے کوئی دوا تجویز کرے۔ حارث نے بتایا "حُلبہ اور عجوہ کے کھجوروں کا جوشاندہ بنا کر اس کو پلا دو۔ تندرست ہو جائیگا" چنانچہ یہی دوا استعمال کرائی گئی اور سعدؓ کو صحت حاصل ہو گئی۔ حارث اسی طریقہ پر وحشی اور غیر متمدن اہل عرب کے حسب حال اُن کا علاج کیا کرتا اور وہ اکثر صحت پاتے۔ اُس نے اہل عرب کے مزاج اور اُن کی عادات کا بڑی محنت سے مطالعہ کیا تھا۔ اور وہ اُن کے واسطے نسخوں کی تجویز میں کمال رکھتا تھا۔

حارث بن کلدہ پر مرض الموت نے حملہ کیا۔ اور اُس کا وقت اخیر ہوا تو اُس کے معتقدین نے اُس سے دریافت کیا "ہمیں کچھ ایسی ہدایت کر جائیے جس پر ہم آپکے بعد کاربند رہیں۔ حارث نے کہا "جوان عورت کے سوا دوسری عورت سے شادی نہ کرنا۔ میوے اور پھل خوب پکے ہوئے کھانا۔ جب تک بدن بیماری کو برداشت کر سکے اُس وقت تک علاج ہرگز نہ کرنا۔ دن کا کھانا کھاتے ہی ذرا لیٹ رہنا۔ اور رات کا کھانا کھا کر چہل قدمی کیا کرنا"۔

وہ کہتا تھا "دوا کے استعمال سے حتی الامکان بچتے رہو۔ اور اگر ضرورت سے مجبور ہو کر استعمال کرنا پڑے تو اُسی وقت تک استعمال کرو جب تک ضرورت ہے۔ بلاضرورت دوا کھانا بھی مرض پیدا کرتا ہے"۔

ایکبار حارث کے سامنے ایک مریض پیش کیا گیا۔ واقعہ یہ تھا کہ دو بھائیوں میں بے حد محبّت تھی۔ بڑا بھائی سفر کو جاتے ہوئے گھر بار چھوٹے بھائی کے سپرد کر گیا۔ اتفاق سے اُس کی غیر حاضری میں چھوٹے بھائی کی نظر اپنی بھاوج پر جا پڑی اور آپ

اُس کے عاشق ہوگئے۔ بڑا بھائی سفر سے واپس آیا تو اپنے عزیز برادر کو بیمار و پریشان حال دیکھ کر سخت گھبرایا۔ متعدد اطباء کا علاج کیا کچھ نفع نہ ہُوا۔ آخر حرث بن کلدہ کی طرف رجوع کیا۔ حرث نے مریض کو دیکھ کر کہا "یہ مریض کچھ عجیب قسم کا ہے آنکھیں کھولتا نہیں۔ میں نے ایسا مرض نہیں دیکھا۔ اچھا ٹھیرو میں اس کو آزماتا ہوں" پھر کہا کہ اُس کو شراب پلاؤ شراب کا سرور ہوتے ہی بیمار صاحب الاپنے لگے ؎

أَلَا رِفْقًا أَلَا رِفْقًا۔ قَلِيلًا مَا أَكُونَنَّهْ ‏ أَلَمَّا بِي إِلَى الْأَبْيَاتِ۔ بِالْخَنِيفِ أَزُرْهُنَّهْ

ٹھیرو ٹھیرو ذرا مجھے ہوش میں آلینے دو۔ مجھ کو ذرا حنیف کے گھر دکھا دو تاکہ میں اُن کو دیکھ سکوں۔

غَزَالًا مَا رَأَيْتُ الْيَوْمَ۔ فِي دُورِ بَنِي كِنَّهْ ‏ أَسِيلُ الْخَدِّ مَرْبُوبٌ۔ وَفِي مَنْطِقِهِ غُنَّهْ

وہاں ایک ایسا غزال رعنا ہے جس کو آج میں بنی کنّہ کے گھروں میں نہیں پایا۔ اُس کے رخسار تاباں ہیں اور اُس کی آواز غضب کی شیریں اور غنّہ دار ہے۔

ان اشعار سے پتا چل گیا کہ حضرت سلامت مبتلائے مرض عشق ہیں۔ اور اُسکے اہل خاندان خوش ہو کر حارث سے کہنے لگے کہ عرب میں آپ سے بڑھ کر کوئی طبیب نہیں۔ حارث نے کہا۔ اچھا اُس کو تھوڑی شراب اور پلاؤ۔ اب نشہ تیز ہوا تو عاشق صاحب نے سارا ماجرا دوسری نظم میں خود ہی بیان کر دیا۔ بڑے بھائی نے عزیز برادر کی الفت میں بیوی کو طلاق دیدی اور بھائی سے کہا کہ اب تو اس سے نکاح کر لے۔ مگر سعید بھائی قسم کھا گیا کہ وہ بھابھی سے ہرگز نکاح نہ کریگا اور زندگی بھر اپنا یہ اقرار نباہا۔

حرث بن کلدہ کی تصانیف میں صرف ایک کتاب ہے۔ یہ کتاب ایران کے تاجدار نوشیرواں اور حرث بن کلدہ کے طبّی سوال و جواب کا مجموعہ ہے جس کا کسی قدر اقتباس ناظرین کی دلچسپی اور وسعت معلومات کے خیال سے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:-

حارث کی شاہ ایران سے گفتگو:- حارث نوشیرواں تاجدار ایران کے دربار میں گیا۔ جس وقت وہ باریاب ہو کر ادب سے سلام بجالایا اور استادہ ہوگیا۔ نوشیراں نے اُس سے دریافت کیا "تم کون ہو؟" "حرث بن کلدہ ثقفی" حارث نے جواب دیا۔

سوال۔ تم کیا کام کرتے ہو؟

جواب۔ طبیب ہوں ؛

سوال۔ تم اعرابی ہو؟

جواب۔ خالص اور بڑے نامی گھرانے کا ؛

سوال۔ جاہل عرب طبیب کا کیا بناتے ہیں؟ وہ بے وقوف بلا خوار۔ علاج معالجہ کیا جانیں "

جواب۔ جہاں پناہ۔ اگر اہل عرب ایسے ہی ہیں جیسا کہ حضور نے فرمایا تو اُن کے لئے ایسے شخص کی بیحد ضرورت ہے۔ جو اُن کے جہل و نادانی کی اصلاح کر سکے۔ اُن کی کجی دور کرے۔ اُن کے صحت جسمانی کی تدبیر کرے۔ کیونکہ سمجھدار تو خود ان باتوں کو جانتا ہے۔ وہ اپنے مرض اور دوائے مرض کو پہچانکر اُس کا علاج کر سکتا ہے "

سوال۔ اگر اہل عرب اکھڑ نہ ہوتے تو وہ جاہل کیوں کہے جاتے۔ مگر تم یہ تو بتاؤ کہ اُن کے امراض و شکایات کی شناخت تمہیں کس طرح ہوتی ہے "

جواب " جہاں پناہ! بچہ کا علاج اُسے لوریاں دیا جاتا ہے۔ اور سانپ کا افسوں اُس کو قتل کر ڈالنا۔ جہاں پناہ! عقل خدا کی دین ہے۔ بندوں کو اپنی اپنی استعداد کے موافق اس کا حصہ مل گیا ہے۔ جس طرح روزی مقسوم ہے ویسے ہی عقل بھی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی قوم کو زیادہ حصہ ملا۔ اور کسی کو کم۔ یہی حالت رزق کی ہے کسی کو اُس کی حاجت سے بہت زیادہ ملا ہے۔ تو کسی کو بالکل نہیں دیا گیا۔ ایک دولت و ثروت میں چین مناتا ہے۔ تو دوسرا فاقہ کشی کرتا رہتا ہے۔ کوئی دانا اور ہوشیار ہے تو کسی کے سر پر جہل و نادانی کا بھوت سوار۔ یہ خدا کی حکمت اور اسکی تقدیر ہے۔ انسان اس بارہ میں مجبوری سے پابزنجیر ہے "

سوال۔ (حرث کی خوش بیانی سے حیرت زدہ ہو کر) آخر اہل عرب میں تم کو کیا باتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ مجھے بھی بتاؤ "

جواب " جہاں پناہ! وہ کریم النفس بہادر دل۔ فصیح زبان۔ بلیغ بیان۔ صحیح النسب۔ شریف الحسب۔ اُن کی زبان سے کلام یوں نکلتا ہے جیسے کماندار کی چٹکی سے تیر۔ یعنی وہ بڑے زبان آور ہیں۔ اُن کی گفتگو شیریں اور نرم ہوتی ہے۔ وہ خشک سالی میں غربا کو کھانا کھلاتے ہیں میدان جنگ میں شمشیر و تیر کے جوہر دکھلاتے

ہیں۔ پڑوسی کی مدد اور خاطرداری۔ پناہ
چاہنے والوں کی پناہ وہی۔ اُن کا شیوہ
ہے۔ جس کی وہ عزت کریں اُس کو پھر ذلیل
نہیں کرتے۔ تمام دنیا کو اپنے مقابلہ میں بخیل
اور بداخلاق سمجھتے ہیں۔ ہاں جہاں پناہ
کے فضل و کرم کا اُن کو اعتراف ہے کیونکہ
آپ کی ذات منبع اوصاف ہے۔"

کسریٰ کو حرث کی گفتگو نے اپنا گرویدہ
کرلیا۔ وہ خوش ہوکر اپنے اہل دربار سے
مخاطب ہوا اور کہا "یہ شخص واقع میں
حکیم و تجربہ کار ہے۔ اس کا کلام راحت
روح اور آویزۂ گوش شہریار ہے۔ بات
سچی کہتا ہے۔ اور اپنی قوم کی مدح میں کسر
نہیں لگا رکھتا۔ پھر حرث کو حکم دیا کہ "اچھا
آرام سے بیٹھ جاؤ" اور اُس کے بعد یوں
سوال و جواب کا سلسلہ آغاز ہوا۔

سوال۔ تم طب کو کیا سمجھتے ہو؟
جواب۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے آزما لیجئے۔
سوال۔ طب کی اصل کیا ہے۔
جواب "ازم"
سوال۔ ازم کیا ہے۔
جواب۔ دونوں ہونٹوں کو قابو میں رکھنا
اور دونوں ہاتھوں پر رحم کھانا۔

سوال۔ خوب کہا۔ اچھا اب بتاؤ کہ
سخت ترین مرض کیا ہے۔
جواب۔ کھانے پر اور کھا لینا۔ اسی امر
سے دنیا تباہ ہوتی اور جنگل کے وحشی
جانور بھی ہلاک ہو جاتے ہیں۔
سوال۔ ٹھیک ہے۔ اب بتاؤ وہ
چنگاری کیا ہے جس سے امراض کی آگ
سلگ اُٹھتی ہے؟
جواب "وہ تخمہ ہے اگر پیٹ میں رہ جائے
تو جان نکال لے اور تحلیل ہو جائے تو
بیمار ڈال دے۔
سوال۔ سچ کہتے ہو۔ فصد کے بارہ میں
تمہاری کیا رائے ہے۔
جواب۔ فصد زوالی میں ایسے دن لینا
چاہیئے جو بالکل صاف ہو۔ ابر کا نام و نشان
مطلع پر نہ ہو۔ دل پر حد سے زیادہ خوشی
یا سخت رنج نہ طاری ہو۔ اور رگیں اپنی
اپنی جگہ ساکن ہوں۔
سوال۔ حمام میں کب جانا چاہیئے۔
جواب۔ ایسی حالت میں جبکہ پیٹ
کھانے سے بھرا ہو کبھی حمام میں نہ جاؤ۔
رات کو ننگے نہ اُٹھو۔ غصہ کی حالت میں
کھانا کھانے نہ بیٹھو۔ اپنی جان پر رحم کھاؤ

زیادہ محنت نہ اُٹھاؤ۔ اِس سے دل کو راحت ملیگی۔ کھانا کم کھاؤ تو خوب آرام سے نیند آئیگی "

سوال۔ دوا کے بارہ میں کیا کہتے ہو؟

جواب۔ جب تک تندرستی رہے دوا سے بچو۔ اگر کوئی مرض زور کرے۔ تو اُس سے قبل کہ وہ جڑ پکڑ جائے اُس کے دفعیہ کی تدبیر کر لو۔ کیونکہ بدن کی مثال زمین کی طرح ہے۔ اُس کو درست رکھو تو خوب آباد ہو گی اور بے توجہ چھوڑ دو تو ویران بن جائیگی ٭

سوال "گوشت کس جانور کا بہتر ہے ٭

جواب۔ جوان بھیڑ کا گوشت اور نمک سود خشک گوشت اپنے کھانے والے کو ہلاک کر دیتا ہے۔ گائے اور اونٹ کے گوشت سے پرہیز رکھو ٭

سوال۔ میوہ جات کی نسبت کیا کہتے ہو؟

جواب۔ بھری فصل اور پختہ ہونے کے زمانہ میں خوب کھاؤ۔ یاں فصل کے خاتمہ کا زمانہ آتے ہی اُن کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ۔ انار اور اُترج میووں میں بہترین ہیں۔ بنفشہ اور گلاب کے پھول خوب تر ٭

سوال "پانی پینا کیا ہے؟

جواب۔ پانی بدن کو زندگی بخش اور اُس کے قیام کا موجب ہے۔ اندازے سے پینا مفید۔ اور سونے سے اُٹھ کر پینا مضر ہے صاف نتھرا ہوا پانی بہتر ہے۔ بڑے بڑے شیریں دریاؤں کا سرد پانی جو کہ جنگلوں کے گندہ پانی سے مخلوط نہ ہوا اور جس میں خراب پانی کا میل نہ ہو سکے ٭

سوال۔ پانی کا ذائقہ کیا ہونا چاہئیے "

جواب۔ پانی کا مزہ کیسا ہی ہو وہ ہر حال زندگی بخش ہے ٭

سوال۔ پانی کا رنگ کیا ہونا چاہئیے ؟

جواب۔ رنگ کی کوئی قید نہیں۔ جس رنگ کے ظرف میں پانی ہو وُہی رنگ اُس کا معلوم ہوگا ٭

سوال۔ کیا تم حقنہ کا حکم دیتے ہو "

جواب۔ ہاں۔ میں نے حکماء کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ حقنہ پیٹ کو صاف کرتا اور اُس کے اندر کی بیماریوں کا دافع ہے۔ اگر کوئی شخص حقنہ کا استعمال کرنے کے باوجود قبل از وقت بوڑھا ہو جائے اور لاولد رہے تو یہ کمال حیرت کی بات ہے۔ یہ سخت نادانی ہے کہ جس چیز کا نقصان معلوم ہو آدمی اسی کو کھائے۔ اور اپنے بدن کی راحت پر نفس کی خواہش کو مقدم سمجھے ٭

سوال۔ پرہیز کس چیز کا نام ہے؟
جواب۔ ہر چیز میں اعتدال کا پابند رہنا۔ کھانا۔ پینا۔ سونا کوئی بات ایک خاص حد سے نہ بڑھائے ؛

(۲۹۰) حسدائی بن اسحٰق (حکیم)

فن طب کا دلدادہ اور امیر الحکم بن عبدالرحمٰن بن ناصر لدین اللہ کا درباری طبیب تھا یہ بھی یہودی اور اپنے دین کا معزز عالم تھا۔ دین موسوئی کی شریعت اور عقائد و اعمال کا علم اس کو بہت اعلےٰ درجہ کا تھا۔ اندلس میں جس قدر یہودی آباد تھے اُن کو حسدائی سے قبل ایک بڑی دقت یہ رہتی تھی کہ جہاں کوئی دینی مسئلہ آپڑا۔ یا مذہبی اور قومی تاریخ کا کچھ حال معلوم کرنا ہوا۔ تو اُن کو اُس کام کے لئے بغداد کے یہودی علماء کی طرف رجوع کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ملتا تھا۔ بصد دقت اتنے دور دراز مقام سے اپنے سال و تاریخ کا حساب اور تیوہاروں کے ایام کی جنتری وغیرہ منگوایا کرتے۔ ایک ہی مرتبہ وہ تین سال کا حساب بنوا کر منگاتے۔ کیونکہ فاصلہ بہت بعید تھا۔ مگر جب حسدائی کو امیر "الحکم" کے دربار میں رسوخ حاصل ہوا اور وہ شاہی ملازمت سے ممتاز بنایا گیا۔ تو اُس نے امیر سے درخواست کی کہ مشرق سے یہودی مذہب کی ضروری کتابیں منگوا دے۔ چنانچہ امیر نے اُس کی خواہش کے مطابق جن جن کتابوں کا اُس نے ذکر کیا۔ سب بغداد اور دیگر مقامات کے علمائے یہود سے منگوا دیں اور یوں اندلس کے یہودی ایک بڑی مصیبت سے نجات پاکر خود اپنے دینی علوم کے عالم و ماہر بن سکے ؛

(۲۹۱) حسن بن زیرک (حکیم)

امیر احمد بن طولون حاکم مصر کا درباری طبیب اور نہایت تجربہ کار معالج تھا۔ ابن طولون جب سفر میں جاتا تو ایک اور طبیب "سعید بن توفیل" نامی اُس کے ساتھ رہتا تھا۔ جس زمانہ میں ابن طولون نے دمشق کا سفر کیا اور وہاں سے وہ سرحدی مقامات

کے دورہ پر چلا گیا تو اس سفر میں بکثرت بھینس کا دُودھ استعمال کرنے کے باعث احمد بن طولون کو اسہال کی سخت شکایت پیدا ہو گئی اور کوئی علاج کارگر نہ ہُوا ۔

احمد بن طولون مصر میں واپس پہنچا۔ اُس کی نظر سعید بن توفیل کی طرف سے بدل گئی تھی۔ اپنی بد پرہیزی کا خیال نہ تھا۔ تمام الزام بیچارے طبیب کے سر ڈالتا تھا کہ اُس نے علاج اچھا نہیں کیا۔ مصر میں آکر "حسن بن زیرک" سے سعید کی شکایت کی حسن بن زیرک نے امیر ابن طولون کو اطمینان دلایا کہ وہ دل قوی رکھے۔ یہ کوئی مرض نہیں۔ اسہال بہت جلد بند ہو جائینگے۔ دوا دینے اور تسکین خاطر کرنے رہنے کی حسن بن زیرک نے ایسی اچھی روش اختیار کی کہ ابن طولون کو بہت جلد افاقہ ہو چلا۔ کچھ تو دوا کا اثر۔ اور بہت زیادہ طبیب کی دلدہی سے قوت قلیلہ اطمینان خاطر کا زور۔ یہ باتیں مل ملا کر امیر کو تندرست بنانے لگیں ۔

لیکن ابن طولون بد پرہیز اعلےٰ درجہ کا تھا اور حرم سے اُس کو خاص تعلق تھا اس لئے طبیب کی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تھی۔ آخر حسن بن زیرک سے بھی ناخوشی کی نوبت آئی۔ اور اُس کو اچھا علاج نہ کرنے کا قصور وار ٹھہرایا گیا پھر تمام درباری و غیر درباری شہر کے اطبّاء نے مل کر باہمی مشورہ سے دوائیں دیں۔ اور آرام ہو چلا۔ مگر اسی اثناء میں ابن طولون نے ایک دن کسی لونڈی سے جو مچھلی نہایت نفیس پکاتی تھی خفیہ مچھلی پکانے کی فرمائش کی۔ جیسے ہی اُس نے مچھلی کھائی ہے کہ دست چھوٹ پڑے۔ مگر نازک مزاج اور بد پرہیز امیر نے اپنی غلطی کا بار پھر اطبّاء پر ڈالا۔ اور اُن کو بلوا کر دھمکی دی کہ تم لوگ کچھ علاج نہیں کر جانتے۔ اگر میں بہت جلد بالکل تندرست نہ ہُوا تو سب کی گردن مروا دونگا۔ امیر کا غضب دیکھ کر تمام اطبّاء کانپ گئے اور متفکر و مغموم اپنے گھروں کو واپس گئے۔ حسن بن زیرک کو سب سے زیادہ خوف تھا۔ بڑھاپے کی عمر تھی۔ فکر کا زور جگر میں حرارت پیدا کر گیا اور بھوک پیاس کے ساتھ ہی نیند بھی اُڑ گئی۔ طبیعت اِس کوفت کی متحمل نہ ہو سکی۔ ہول کے مارے دست آنے لگے اور تپ نے زور کیا۔ بخار کی حالت میں ہذیان بکتا اور ابن طولون کی بیماری ہی کا ذکر کیا کرتا تھا۔ بیماری نے

وہ زور پکڑا کہ وہ ہی دن کے اندر اُسے جہان کو چھوڑنا پڑا ۔

(۲۹۲) حسن فسوی (حکیم)

ملک فارس کے شہر "فسا" کا رہنے والا مشہور طبیب اور اپنے ہنر میں ممتاز و ہمچشموں میں سرفراز تھا ۔ سلطنت بنی بویہ کا خاص طبیب رہا اور خاصکر سلطان بہاء الدولہ بن عضد الدولہ کی خدمت میں زیادہ ممتاز ہوا ۔ سفر و حضر میں برابر سلطان کے ساتھ رہا کرتا ۔ بہاء الدولہ کا بیٹا امیر الامراء ابو منصور بویہ ولی عہد سلطنت ہمیشہ نظر بند رہتا تھا ۔ باپ کو اُس کی طرف سے اس قدر ڈر تھا کہ کسی فوجی افسر یا درباری امیر کو اُس سے ملنے نہ دیتا نہ ایکدم کے لئے اُسے اپنے سامنے سے ہٹاتا ۔ ہر وقت فرزند کو ساتھ رہنے کا حکم تھا ۔ اتفاق سے ماہ رجب ۳۹۰ھ میں جبکہ شہزادۂ مذکور اپنے باپ کے ساتھ شہر بصرہ میں موجود تھا ۔ بہاء الدولہ کا ارادہ ہوا کہ وہ مقام تستر کو شکار کھیلنے کی غرض سے جائے ۔ اُسی وقت امیر الامراء ابو منصور کو سخت بخار آگیا سلطان شکار کا سامان کر چکا تھا ۔ اُس نے پیش خدمت کو حکم دیا کہ ولی عہد کو بھی ساتھ لے چلے ۔ ولیعہد کے طبیب نے عرض کیا کہ شہزادہ خطرناک طور پر بیمار ہے ۔ اگر اس حالت میں اُس کو حرکت دی گئی تو وہ زندہ نہ بچ سکیگا ۔ مگر بادشاہ اپنی ضد پر اڑ گیا اور اُس نے اپنے طبیب حسن فسوی کو حکم دیا کہ "شہزادہ کو جا کر دیکھے اور پھر بتائے کہ آیا وہ ساتھ چل سکتا ہے یا نہیں" حسن نے جا کر شہزادہ کی نبض دیکھی اور بادشاہ سے آکر خفیہ طور پر کہا کہ شہزادہ کی علالت خطرناک ہے شائد ہی وہ اس مرض سے جانبر ہو سکے ۔ چنانچہ بادشاہ اُسے بصرہ میں چھوڑ جانے پر راضی ہوگیا اور شہزادہ اسی مرض میں کئی شاخ در شاخ بیماریاں پیدا ہو جانے کے باعث آخر کار ایک ماہ بیمار رہ کر فوت ہوگیا ۔

حفید (دیکھو الحفید ابوبکر بن زُہر) **حقیر** (دیکھو الحقیر النافع)

(۲۹۳) حکم دمشقی (حکیم)

ابوالحکم کا بیٹا اور فن طب اور علاج میں باپ کا ہم پلہ تھا ۔ اس کا قیام ہمیشہ دمشق

میں رہا اور بہت طویل عمر پائی ۔ ۲۱۰ھ میں فوت ہوا۔ مرتے وقت اُس کی عمر ۱۰۵ سال کی تھی مگر عقل میں ذرا بھی فتور نہیں آیا تھا۔ ایک بار دمشق کے بازار میں جا رہا تھا کسی جگہ بھیڑ بھاڑ دیکھ کر دریافت کیا کہ لوگ کیوں جمع ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایک جرّاح نے کسی کی فصد باسلیق کھولی ہے اور غلطی سے نشتر نے شریان کو کاٹ دیا۔ اب خون رُکتا نہیں اور جرّاح سے کوئی تدبیر نہیں بن آتی۔ حکم نے لوگوں کو ہٹا کر خود مریض کا ملاحظہ کیا۔ پہلے اپنے ہونہار فرزند اور دیگر شاگردوں سے کہا کہ خون روکنے کی تدبیر کریں۔ اُنہوں نے مکڑی کا سفید جالا۔ اور برادہ لگا کر خون روکنا چاہا مگر کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔ حکم اُن کی گھبراہٹ دیکھ کر ہنسا اور ایک دانہ پستہ کا لیکر اُس کے دو ٹکڑے کردئے نصف پستہ کا چھلکا اُتار کر اُسے فصد کے زخم پر رکھا اور مضبوط ریشم کی پٹی سے خوب کس کر بندش کردی کہ مریض بلبلانے لگا۔ بعد ازاں اُس کو اُٹھوا کر بَرَدی کے کنارہ لے گیا اور زخمی ہاتھ پانی میں ڈلوا دیا۔ اُس کو ہدایت کی کہ وہیں نہر کے کنارے لیٹ جائے۔ اور صبح تک زخمی حصّہ کو پانی سے نہ نکالے۔ خوراک میں نیم برشت انڈے بتائے اور ایک شاگرد کو اُس کے پاس چھوڑ کر سمجھا دیا کہ ہاتھ پانی سے نکلنے نہ دے۔ ہاں سردی سے جان پر صدمہ ہو تو ذرا دیر کو نکال لے اور پھر ڈال دے۔ تمام رات اِس پر عمل ہوا۔ صبح کو مریض اپنے گھر گیا۔ اور حکم نے منع کر دیا کہ فصد کی جگہ کو پٹی سے بند نہ کرنا۔ پٹی بدستور کسی رہی۔ تیسرے دن ہاتھ ورم کر آیا اور اتنا سوج گیا کہ اُس میں ٹیسیں پڑنے لگیں۔ طبیب نے پانچ دن تک پٹی ڈھیلی کرنے سے منع کر رکھا تھا۔ آخر اُس سے حال کہا گیا۔ حکم نے جواب دیا کہ "موت کے مقابلہ میں ورم کی تکلیف آسان ہے"۔ اور پھر کسی قدر پٹی ڈھیلی کردی۔ پانچویں روز پٹی کھولی گئی۔ پستہ کا چھلکا گوشت سے چمٹ کر مل گیا تھا۔ مریض سے کہہ دیا کہ خبردار اس کو ہاتھ نہ لگانا۔ یہ خود بخود گر جائیگا۔ ساتویں دن چھلکا خود گر گیا۔ اور اُس کے نیچے جمے ہوئے خون کا ٹکڑا نظر پڑا۔ اب بھی یہی ہدایت تھی کہ اس خون کو نہ چھیڑنا یہ آپ ہی پپڑی بنکر علیحدہ ہو رہیگا۔ غرضیکہ پورے چالیسویں دن مریض کو بالکل صحت ہوگئی ۞

(۲۹۴) حکیم الزمان عبد المنعم الجلیانی (حکیم)

حکیم الزمان ابو الفضل عبد المنعم بن عمر بن عبد اللہ بن حسان الغسانی۔ اندلسی الجلیانی۔ فن طب اور کحالی میں اپنے زمانہ کا علامۂ وقت۔ اور بے نظیر معالج تھا۔ ادیب و شاعر بھی تھا۔ اندلس سے ملک شام میں آیا اور وہیں مقیم ہو گیا۔ دمشق کے محلۂ لبادین میں اس کا مطب تھا۔ اور ملک الناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب اس کی نہایت عزت و حرمت کیا کرتا تھا۔ حکیم الزمان نے سلطان موصوف کی مدح میں کئی قصائد لکھے ہیں۔ اور کئی کتابیں اُس کے نام پر معنون کر کے تالیف و تصنیف کی ہیں۔ سلطان صلاح الدین کی سرکار سے حکیم الزمان کو بہت کچھ انعام و اکرام بھی ملتا رہتا تھا۔ حکیم الزمان عبد المنعم کو کیمیا سازی کا بھی شوق تھا اور اس خبط میں وہ اکثر گرفتار رہتا۔ حکیم الزمان نے ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں بمقام دمشق وفات پائی ۔

اِس فاضل اور متبحر طبیب جلیانی کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-

(۱)۔ کلیات نظم و نثر مشتمل ہے دس دواوین پر ۔ **اوّل**۔ دیوان الحکم و میدان الکلم اِس میں ہر ایک علم کے باریک اور مخفی مسئلہ کی طرف۔ عقل کے واضح مسلک کی جانب اور جادۂ فضیلت باہرہ کی سمت اشارہ کیا ہے۔ یہ دیوان نظم ہے ۔ **دوم**۔ دیوان الشوق الی الملاء الاعلیٰ یہ بھی نظم ہے ۔ **سوم**۔ دیوان ادب السلوک یہ مقولے اور حکمت آمیز کلام پر مشتمل ہے جس میں اعلیٰ درجہ کی نصیحتیں درج ہیں **چہارم**۔ کتاب نوادر الوحی اِس میں قرآن کریم اور حدیث رسول صلعم کے عجیب و غریب معانی پر کلام کیا ہے ۔ **پنجم**۔ کتاب تحریر النظر۔ اِس میں بسیط و مرکب اشیاء اور قوتوں اور حرکتوں کے مفردات پر کلام کیا ہے ۔ **ششم**۔ کتاب سر البلاغۃ و صنائع البدیع فی فصل الخطاب ۔ **ہفتم**۔ دیوان المبشرات والقدسیات یہ نظم اور نثر کا مجموعہ ہے۔ اِس میں سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب فاتح بیت المقدس کی اُن لڑائیوں کے حالات بیان کئے ہیں جو ۵۸۳ھ میں واقع ہوئیں ۔ **ہشتم**۔ دیوان غزل و قصائد و ابیات

وغیرہ نظم ۔ نہم۔ دیوان تشبیہات والغاز و رموز و ہجویات و مدائح و جزئیات غیرہ منظوم ۔
دہم۔ دیوان رسائل و تقریر وغیرہ مختلف موضوعوں پر ۔
اوران دواوین ادب کے علاوہ ذیل کی علمی کتابیں بھی حکیم الزمان کی تصنیف ہیں:-
(۱)۔ کتاب مناوح الممادح و روضۃ المفاخر والمآثر الملک الناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب ۔
(۲)۔ تعالیق فی الطب ۔ | (۳)۔ صفات ادویۂ مرکبہ ۔

(۲۹۵) حکیم الملک گیلانی (حکیم)

شمس الدین نام ہے، حکمت و طب میں جالینوس زمان اور مسیح دوران، نیز دیگر علوم مروّجہ میں بھی اقران و امثال میں ممتاز تھا۔ مذہبی طور پر نہایت راسخ الاعتقاد اور بندگانِ خدا کا سچا خیر خواہ تھا۔ دوست پروری، اور مہمان نوازی میں اُس کی طبیعت نہایت فیاض واقع ہوئی تھی۔ اپنے طلباء کو بیحد محبت سے درس دیتا اور اُن کی سرپرستی کرتا، اُن کو ہمیشہ اپنے ساتھ کھانا کھلاتا، اسی وجہ سے خود کسی کے مکان پر بہت کم جایا کرتا تھا ۔

ایک دفعہ شیخ اسلیم چشتی کی مجلس میں فقہ اور فقہا کی مذمت اور طریقہ حکماء کی مدح سرائی کر رہا تھا، اسی ضمن میں اُس نے شیخ بوعلی سینا کی بے حد توصیف کی۔ اِس زمانے میں علماء و حکماء کا باہم مجادلہ اور مناقشہ زوروں پر تھا۔ ملّا عبدالقادر بدایونی صاحبِ منتخب التواریخ بھی مجلس میں موجود تھا مگر نو وارد ہونے کی وجہ سے اُس کو مباحثہ کی اصلیت معلوم نہ تھی، وہ لکھتا ہے کہ میں نے شیخ شہاب الدین سہروردی کے یہ اشعار پڑھے:-

وکم قلتُ للقوم انتم علے شفا حفرۃ من کتاب الشفا

میں نے اِن لوگوں کو حتی الامکان بہت سمجھایا۔ کہ تم کتاب شفاء (مصنفہ شیخ) کی وجہ سے خطرہ کے گڑھے میں گرنے والے ہو ۔

فلما استھانوا بتوبیخنا فرغنا الی اللہ حسبی کفا

لیکن جب اُنہوں نے اس تنبیہ کی قدر نہ کی۔ تو ہم نے اُن کا خیال چھوڑ کر خدا سے لو لگائی۔

فماتوا علی دین رسطالیس　　وعشنا علی ملة المصطفیٰ

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کا ارسطا طالیس کے مذہب پر خاتمہ ہوا۔ اور ہم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے دین پر رہ کر زندگی بسر کی۔

اِس کے بعد مولانا جامی کا یہ عارفانہ شعر سنایا جو اُس عارفِ خدا نے تحفۃ الاحرار میں لکھا ہے۔

نورِ دل از سینۂ سینا مجوئے　　روشنی از چشم نابینا مجوئے

دل کا نور یا ضمیر کی روشنی بو علی سینا کے سینہ سے نہیں مل سکتی، اندھے کی آنکھ سے نور کو تلاش کرنا بیفائدہ کوشش ہے۔

اس پہ حکیم الملک خفا ہوا، اور شیخ اسلیم چشتی نے کہا کہ ان لوگوں میں پہلے ہی سے مخالفت کی آگ بھڑکی ہوئی تھی، تم نے اُس پر اور تیل ڈال دیا۔

حکیم الملک نے مشائخ و علماء کا معرکہ ختم ہونے پر حتی الوسع مخالفانِ دین سے بھی معرکہ آرائی کی، آخر ۹۸۸ھ یا ۹۸۹ھ میں حج کے لئے بیت اللہ کی طرف روانہ ہو گیا اور وہیں فوت ہوا۔ خدا نے اُس کی محنت ٹھکانے لگائی۔

(۲۹۶) حکیم حسن گیلانی (حکیم)

اِس کی حذاقت کا بہت شہرہ تھا اگرچہ علمیت کے اعتبار سے چنداں ممتاز نہ تھا، لیکن اُس کے اخلاق و اوصاف نہایت قابل تعریف تھے۔

(۲۹۷) حکیم مصری (حکیم)

علم و عمل طب میں ماہر، اور دیگر علوم غریبہ مثلاً علم دعوت اسماء، علم حروف اور تکسیر میں بھی اچھا دخل رکھتا تھا، نہایت خندہ رو اور خوش طبیعت پائی تھی۔ علاج میں اُس کے دست شفاء کی شہرت تھی، مگر شیخ فیضی کے معالجہ میں بے حد

کوشش کرنے کے باوجود کچھ فائدہ ظاہر نہ ہوا حقیقت یہ ہے کہ قضائے مبرم کے سامنے
سب عاجز ہوجاتے ہیں۔ اگر اطباء کی حذاقت سے عمر بڑھ سکتی تو کوئی طبیب دنیا سے
رخصت نہ ہوتا۔

حکیم موصوف کبھی کبھی فارسی میں ظریفانہ شعر کہا کرتا، چنانچہ ایک دفعہ خواجہ شمس الدین
دیوان خوافی کے لئے کہا ؎

خواجہ شمس الدین چہ ظلمے مے کند　　　در طبابت نیز دخلے مے کند

پھر ایک مرتبہ شہنشاہ اکبر نے لاہور میں صحن محل کے اندر ایک مسجد تعمیر کرائی اور حکم دیا۔
کہ جو شخص چاہے یہاں آکر نماز پڑھا کرے، حکیم مصری نے حسب عادت مثنوی کے دو شعار کہدئیے ؎

شاہ ما کرد مسجدے بنیاد　　　ایہا المؤمنوں مبارک باد
اندریں نیز مصلحت دارد　　　تا نمازاں گذار بشمارد۔

نہایت سادہ طبع اور بے غرض شخص تھا، دنیا سے بہت کم دلچسپی رکھتا۔ اس کے
بعض معالجات نہایت کامیاب شہرت رکھتے ہیں، آخر عمر میں برہان پور خاندیس میں گیا
اور وہیں پیوند خاک ہوا۔

(۲۹۸) حُلمانُس (حکیم)

ان طبیبوں کی جماعت کا بارھواں اور آخری رکن ہے جن کو علم ادویہ کی قابل قدر
خدمت نے "دوازدہ بروج" کا لقب دلایا اور قبول عام کا تاج پہنایا۔

(۲۹۹) محمد بن ابان (حکیم)

یہ حاذق اور تجربہ کار طبیب امیر محمد بن عبد الرحمن الاوسط کے عہد میں تھا۔
اور صاحب جاگیر و منصب۔ اپنی جائداد ہی کی آمدنی سے گزر اوقات کیا کرتا اور خلق خدا
کو نفع پہنچاتا۔

(۳۰۰) حُنین بن اسحٰق (حکیم)

ابو زید کنیت۔ حنین بن اسحٰق نام۔ عرب قبیلۂ بنی عباد کا فرد۔ اور مذہباً عیسائی تھا۔ اس کا تمام قبیلہ دین عیسوی کا پابند اور سرزمین عراق کے شہر حیرہ میں سکونت رکھتا تھا۔

حُنین بن اسحٰق۔ نہایت خوش بیان۔ زبان آور۔ اور شاعر تھا۔ اُس نے عرصہ تک شہر بصرہ میں رہ کر علوم عربیت میں کمال حاصل کیا۔ زباندانی اور ادب میں امامِ فن خلیل بن احمد کا شاگرد رشید تھا۔ پھر بصرہ سے بغداد چلا گیا اور وہاں فن طب حاصل کر کے اس پیشہ میں نام پیدا کیا۔ وہ یوحنا بن ماسویہ کے حلقۂ درس میں شریک ہُوا مگر چونکہ ذہین اور ذی علم تھا اس لئے علمی مسائل میں اس طرح اعتراضات کر بیٹھتا جن کا جواب یوحنا سے بن نہ آتا ایک دن کسی مسئلہ میں ایسی ہی صورت پیش آئی اور یُوحنا لاجواب ہو کر شرمندہ ہو گیا تو اُس نے حُنین کو سختی کے ساتھ اپنے حلقہ سے نکال دیا اور کہا "تو صرّاف بچہ ہو کر طب پڑھنے چلا ہے۔ جا پیسے بیچ کر روٹی پیدا کر۔ طب پڑھنے میں تجھے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔"

حُنین رنجیدہ اور ملول ہو کر چلا گیا۔ اور تین سال تک اپنے تمام دوستوں اور ہم جماعتوں سے روپوش رہا۔ اُس کے بعد کسی دوست کی معرفت ایک یونانی رسالہ کا ترجمہ یُوحنا کے پاس بھجوایا۔ یوحنا اُس ترجمہ کو دیکھ کر سخت متحیّر ہُوا اور لانے والے سے کہنے لگا "کیا کوئی مؤید من اللہ اس کا مترجم ہے؟" حُنین کے دوست نے کہا "نہیں اس کا مترجم وُہی حُنین بن اسحٰق ہے جس کو آپ نے بڑی بُری طرح اپنے حلقۂ درس سے نکال دیا تھا"۔ یُوحنا نے پہلے یہ بات تسلیم نہیں کی لیکن جب ماننا پڑا تو حُنین سے اُسی دوست کی معرفت صفائی اور ملاپ کر کے پھر اُس کو بڑی توجّہ کے ساتھ فن طب کی تعلیم دی۔ حُنین نے اپنے اُستاد کے لئے کئی طبّی کتابوں کا یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا اور چند کتابوں کا سُریانی زبان میں بھی۔ ان کتابوں میں خاصکر جالینوس کی کتابیں زیادہ تھیں۔

حنین اپنے زمانہ میں سُریانی۔ یونانی۔ اور فارسی زبانوں کا سب سے اچھا عالم تھا۔ خلیفہ مامون الرشید کے وقت میں حکمائے یونان کی بہت سی کتابیں اس نے عربی میں ترجمہ کیں اور محکمۂ ترجمہ کا افسر بھی تھا۔ خلیفہ مامون اس کو ہر کتاب کے ترجمہ کا معاوضہ یوں دیتا تھا کہ مسودہ ترجمہ کے ہم وزن خالص سونا تول کر عطا کرتا۔

فن طب میں اس کی شہرت ہوئی تو خلیفہ مامون نے اس کو درباری اطباء میں داخل کر لیا اور اس کی آزمائش کی غرض سے زہریلی دوا تیار کرنے کا حکم دیا۔ لیکن حنین نے عرض کی کہ "امیر المؤمنین! مجھ کو مفید ادویات کے سوا اور کوئی دوا آتی ہی نہیں۔ خلیفہ نے بہت کچھ مال و زر کی لالچ دلائی۔ اس طرح کام نہ چلا تو قید کر دیا اور سال بھر تک قید رکھا۔ پھر زندان خانہ سے بلوا کر ایک طرف جاگیر کا فرمان خلعت اور انعام رکھ دیا اور دوسری طرف قتل کے لئے تلوار اور بوریا۔ اور حنین سے فرمایا "یا تو زہریلی دوا تیار کر اور انعام و خلعت و جاگیر لے۔ یا قتل ہونا گوارا کر" حنین نے عرض کی امیر المومنین۔ یہ فن شریف یعنی طب جس وقت نوع انسان کو عطا ہوا تو خدائے پاک نے اُس سے عہد لے لیا کہ قاتل اور مُضر دوا کسی کو نہ بتانا اور مخلوق کو ایذا نہ دینا۔ طبیب ضامن ہے۔ مریض اُس کی ضمانت میں دیا گیا ہے۔ میں اس عہد کو توڑ کر خدا اور اُس کی شریعت کا مجرم کیونکر بنوں۔ آپ مجھے شوق سے قتل فرمائیں اگر میں بے قصور ہوں تو اس مصیبت کو برداشت کرنے کا ثواب پاؤنگا اور شہید ہونگا" خلیفہ کو اُس کی یہ بات بہت پسند آئی اور وہ ہنس کر بولا "حنین! تم سچے ہو۔ میں تمہارا امتحان لیتا تھا۔ اب یہ خلعت و انعام لو اور آج سے تم میرے معالج رہو گے"

اِس لائق طبیب کی ولادت ۱۹۴ھ میں ہوئی تھی۔ اور اُس نے خلیفہ متوکل علی اللہ عباسی کے عہد میں ۹۔ صفر ۲۶۴ھ کو ستر برس کی عمر پاکر وفات پائی۔ حنین کی قدر و منزلت دیکھ کر تمام دوسرے درباری اطباء اُس سے خار کھانے لگے۔ اور آخر کار اُس پر ایک سخت بے دینی کی تہمت قائم کرکے خلیفہ سے اُس کی شکایت کر دی خلیفہ نے حنین کا تمام مال و متاع ضبط کر لیا اور اُسے قید میں ڈال کر روزانہ تازیانوں کی

سزا دینے کا حکم صادر کیا۔ اسی طرح چھ مہینے حُنین بہت بُری حالت میں مبتلا رہا۔ اُس کے دشمن روزمرّہ خلیفہ کو اُس کے قتل پر آمادہ کرتے رہتے تھے۔ آخر ایک دن خلیفہ نے اُن سے وعدہ کر لیا کہ صبح کو حُنین کی گردن ماری جائیگی۔ اُس وقت خلیفہ عرصہ سے بیمار تھا۔ تمام درباری اطبّاء معالج تھے اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ اُسی رات کو جبکہ خلیفہ نے درباری اطبّاء سے حُنین کے قتل کا وعدہ کیا ہے ایک خواب دیکھا اور حنین کو بھی زندان خانہ میں خواب ہُوا کہ تو اب رنج و بلا سے چھوٹ جائیگا۔ اور خلیفہ کو تیرے علاج سے صحت ہوگی۔ فجر کے وقت داروغۂ زندان خلاف معمول حُنین کے پاس آیا تو وہ سمجھا کہ اب وقت اخیر ہے۔ مگر داروغہ نے اُسے اپنے ساتھ آنے کی ہدایت کی اور قید خانہ سے باہر لاکر غُسل کرا کے صاف و عمدہ لباس پہنایا۔ پھر خلیفہ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ اور خلیفہ نے اُس کو اپنے پاس بٹھا کر نبض دیکھنے اور دوا تجویز کرنے کی ہدایت فرمائی۔ دیگر اطبّا خلیفہ کے پاس آئے حُنین کو وہاں موجود پاکر سمجھے کہ اب اس کے قتل کا حکم صادر ہونے والا ہے۔ لیکن خلیفہ نے انہیں سُنایا کہ رات کو حضرت مسیح نے خواب میں اُسے حُنین کی جرم بخشی کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا اب تم لوگ اپنے بد ارادوں سے باز آجاؤ اور جن لوگوں نے رات کے وقت مجھے اُسکے قتل پر آمادہ بنایا تھا اُن میں سے ہر شخص دس دس ہزار درم بطور جُرمانہ اُس کو دینے کے لئے میرے پاس ابھی لائے ورنہ میں اُس کی گردن اُڑا دونگا۔ حُنین نے خلیفہ کو مسہل دیا۔ اور ایک ہی دن میں اُس کی طبیعت سنبھل گئی۔ اب حُنین کو بہت کچھ انعام و اکرام ملا اور وہ دو تین دن میں کئی لاکھ درم نقد۔ تین شاہی مکانات۔ بہت سے مال و متاع۔ اور سامان ضروری کا مالک بن گیا ؞

تصانیف و تراجم:۔ حُنین نے بہت سی کتابیں خود تالیف و تصنیف کیں اور بیشمار فلسفہ۔ حکمت۔ طب۔ اور دیگر علوم و فنون کی کتابوں کا یونانی فارسی اور سُریانی زبانوں سے عربی میں ترجمہ کیا۔ جن کی مفصّل فہرست دینا موجب طوالت ہوگا مگر اس کتاب کے حسب حال طبّی کتابوں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ کتاب المسائل۔ یہ کتاب فن طب کے مبتدی کے لئے اچھی ہے۔ مختصر طور پر ضروری مسائل اس میں بڑی خوبی سے جمع کر دئے ہیں۔ یہ کتاب حنین نے پوری نہیں کی تھی۔ بلکہ اس کا تکملہ اُس کے شاگرد رشید "الاعسم جیش" نے کیا۔ ابن ابی صادق اس کتاب کی شرح میں لکھتا ہے حنین بن اسحٰق نے اس کے مسودہ کا کچھ ہی حصہ اپنی زندگی میں صاف کیا تھا۔ پھر وہ فوت ہو گیا۔ اُس کے بعد اُسکے شاگرد اور خواہرزادہ حُبیش الاعسم نے اس کے باقی اجزاء صاف کئے اپنی طرف سے اس میں بہت کچھ بڑھایا اور حُنین کے وہ اقوال اس میں درج کئے جو وہ اپنی کتاب "دستور" میں لکھ گیا تھا۔ اسی وجہ سے یہ کتاب "کتاب المسائل حُنین بزیادات حُبیش الاعسم" کے نام سے مشہور ہے حُبیش نے اس میں کہاں سے اضافہ کیا۔ اس بارہ میں اختلاف ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امراض اربعہ کے اوقات کا جہاں بیان ہوا ہے اُس کے بعد آخر تک حبیش کی تحریر ہے۔ مگر بقول ابن ابی صادق حبیش نے صرف تریاق کے بیان کو کتاب میں زیادہ کیا۔ ورنہ باقی کتاب حُنین ہی کی تصنیف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حُنین نے یہ کتاب خلیفہ متوکل علی اللہ عباسی کے عہد میں شروع کی تھی جبکہ وہ بغداد میں تمام اطباء کا سردار بنا دیا گیا تھا ؎

(۲)۔ کتاب عشر مقالات۔ امراض چشم کے بیان میں۔ اس کے مقالات کچھ بے ترتیب ہیں حُنین نے یہ کتاب ۳۰ تیس سال میں مختلف اوقات میں لکھی تھی۔ پھر اخیر میں حبیش کی فرمائش سے اس کے سابقہ ۹ نو مقالات پر ایک مقالہ اور بڑھا کر اسے مکمل دس مقالوں کی کتاب کر دیا۔ دماغ کا بھی اس میں تفصیلی بیان ہے۔ کیونکہ آنکھ کا تعلق اس کے ساتھ ہے حُنین کا ایک اور مقالہ بھی امراض چشم کے بارہ میں پایا جاتا ہے۔ اگر اُس کو کتاب مذکور پر اضافہ کر دیا جائے تو اسکے ۱۱ گیارہ مقالے ہو جائینگے ؎

(۳)۔کتاب العین۔یہ دوسری کتاب سوال وجواب کے طور پر تین مقالوں میں لکھی ہے۔اِس کی تالیف اپنے بیٹوں داؤد اور اسحٰق کے لئے کی تھی۔اس میں جالینوس کی ۱۶ کتابوں کے ۲۰۹ مسائل مختصر سوال وجواب کے پیرایہ میں بیان کئے ہیں ❊

اِس عالم جیّد نے سوال وجواب کے انداز پر جتنی کتابیں تالیف کیں۔اُن میں سے اکثر اپنے بیٹوں کی تعلیم کی غرض سے لکھیں ❊

(۴)۔کتاب التریاق۔۲ مقالات میں جالینوس کی کتاب ادویات مفردہ کا اختصار گیارہ مقالات میں۔پہلے یہ اختصار سُریانی زبان میں تیار کیا تھا اور پھر اُس کا عربی ترجمہ کر ڈالا۔مگر عربی میں صرف پہلا حصہ جس کے پانچ مقالات ہیں نقل کیا ❊

(۵)۔مقالہ۔جالینوس کی اُن کتابوں کے بیان میں جن کا اُس نے ترجمہ کیا تھا۔اور اس میں بعض غیر مترجم کتابوں کا بھی حال ہے۔یہ مقالہ علی بن یحیٰی منجم کے لئے لکھا تھا ❊

(۶)۔مقالہ۔جالینوس کی اُن کتابوں کے ذکر میں جن کا ذکر خود جالینوس کی مرتبہ فہرست تصانیف میں نہ تھا۔حُنین نے جن کتابوں کو اپنے نزدیک بلا شبہ جالینوس کی تصنیف خیال کیا وہ سب اس میں درج کردی ہیں۔اور لکھا ہے کہ شاید یہ کتابیں جالینوس نے اپنی تصانیف کی فہرست مرتب کرنے کے بعد لکھی ہوں ❊

(۷)۔مقالہ۔اس میں جالینوس کی طرف سے اُس کے اُن اقوال کی بابت معذرت کی ہے۔جو اُس نے اپنی کتاب مسائل افلاطون و بقراط کے مقالہ ہفتم میں درج کئے ہیں ❊

(۸)۔جالینوس کی کتاب البول کے اہم مسائل پر ایک مقالہ بطور سوال و جواب ترتیب دیا ❊

(۹)۔جالینوس کی کتاب پر جس میں اُس نے فاضل طبیب کے لئے فیلسوف ہونیکا وجوب ثابت کیا ہے بطور سوال و جواب ایک اختصار ❊

(۱۰)۔اقوال جالینوس۔بقراط کی صحیح اور غیر صحیح کتب کے بارہ میں ❊

(۱۱)۔ جالینوس کی کتاب ترغیب تعلیم طب کے اہم اقوال بطور سوال وجواب ٭

(۱۲)۔ جالینوس کی کتاب الفنی کے کارآمد مسائل بطور سوال وجواب ٭

(۱۳)۔ جالینوس کی اُس شرح کے منتخب مقامات جو اُس نے بقراط کی کتاب الفصول پر لکھی ہے۔ بطور سوال و جواب۔ اس کے سات مقالے ہیں۔ حُنین نے اس کتاب کو سُریانی زبان میں لکھا تھا اور بعد ازاں عربی میں ترجمہ ہوا۔ مترجم کا نام عیسے بن صہر بخت ہے ٭

(۱۴)۔ جالینوس کی کتاب تقدمۃ المعرفۃ کے انتخابات بطور سوال وجواب ٭

(۱۵)۔ جالینوس کی اُس شرح کا ماحصل جو اُس نے بقراط کی کتاب جراحات الراس پر تحریر کی تھی۔ بطور سوال وجواب ٭

(۱۶)۔ جالینوس کی اس شرح کا خلاصہ جو اُس نے بقراط کی کتاب ابیذیمیا پر ستّرہ مقالات میں لکھی تھی۔ یہ بھی سوال وجواب کے طرز میں ہے ٭

(۱۷)۔ جالینوس کی شرح۔ کتاب قاطیطریون مُصنفۂ بقراط۔ کا سوال وجواب کے پیرایہ میں خلاصہ ٭

(۱۸)۔ بقراط کی کتاب آب و ہوا۔ ازمنہ اور ممالک پر جالینوس کی شرح کا خلاصہ بشرح مذکورۂ بالا ٭

(۱۹)۔ ایسے ہی بقراط کی دوسری کتاب دربارۂ آب وہوا و مکان سکونت کی شرح لکھی ہے مگر وہ ناتمام رہی ٭

(۲۰)۔ بقراط کی کتاب الغذاء کی شرح ٭

(۲۱)۔ بقراط کی کتاب طبیعۃ الانسان کی شرح مؤلفہ جالینوس کے تیسرے مقالہ کا خلاصہ ٭

(۲۲)۔ بقراط کی کتاب ہشت ماہ پیدا ہونے والے بچوں کا خلاصہ ٭

(۲۳)۔ کتاب ابیذیمیا کی چند منتخب فصلیں ٭

(۲۴)۔ کتاب الاہویہ والبلدان۔ اور کتاب الفصول میں شہروں کی آب وہوا کے متعلق جو باتیں مذکور تھیں اُن کا نچوڑ حسب تفسیر جالینوس ٭

(۲۵)۔ صحت یافتہ مریضوں کی داشت پر ایک مقالہ۔ یہ ابی جعفر محمد بن موسیٰ کے واسطے تالیف کیا تھا ٭

(۲۶)۔ ایک رسالہ قرص عود کے بیان میں ٭

(۲۷)۔ایک رسالہ بنام طیفوری قرص الورد کے باب میں ۔

(۲۸)۔ایک خط بنام خلیفہ معتمد۔ اس میں حسب استفسار خلیفۂ موصوف حنین نے دوائے مسہل اور غذا کا فرق بیان کیا ہے ۔

(۲۹)۔کتاب قوی الاغذیہ۔اس میں غذا کی قوتیں بیان کی ہیں۔اور اُس کے تین مقالے ہیں ۔

(۳۰)۔چند مسائل پیشاب کے بیان میں یہ بقراط کی کتاب ابیذیمیا سے اخذ کیئے ہیں ۔

(۳۱)۔مرغ کے چوزوں کی پیدائش پر ایک مقالہ تحریر کیا۔اس میں بیان کیا ہے کہ چوزہ انڈے کی سفیدی سے بنتا ہے اور زردی اُسکی غذا ہوتی ہے ۔

(۳۲)۔دلائل امراض پر ایک عمدہ مقالہ۔ اس میں وہ علامتیں اور دلیلیں بیان کی ہیں جن کے ذریعے سے مرض کی شناخت کی جاتی ہے ۔

(۳۳)۔کتاب النبض ۔

(۳۴)۔کتاب الحمیات ۔

(۳۵)۔کتاب البول ۔اس میں پیشاب کی رنگتوں سے امراض کی شناخت کرنے کے متعلق بقراط و جالینوس کے اقوال سے بحث کی ہے ۔

(۳۶)۔کتاب امراض معدہ اور اُن کے علاج اس میں دو مقالے ہیں ۔

(۳۷)۔کتاب حالات الاعضاء ۔

(۳۸)۔کتاب الیُبس۔اُس میں خشکی کا بیان ہے ۔

(۳۹)۔کتاب تحفظ دندان و لثّہ ۔

(۴۰)۔کتاب آٹھ ماہ میں پیدا ہونیوالے بچّہ کی نسبت ۔

(۴۱)۔کتاب امتحان الاطباء۔اس میں طبیب کو آزمانے اور اُس کی لیاقت کا اندازہ کرسکنے کے اصول بتائے ہیں ۔

(۴۲)۔کتاب غذا کی طبائع کے بیان اور حفظ صحت کے اصول میں ۔

(۴۳)۔کتاب اسماء ادویات مفردہ۔حروف تہجی کی ترتیب پر۔اس میں مفرد دواؤں کا بیان کیا گیا ہے ۔

(۴۴)۔کتاب اعضاء کے نام نہاد کی وجہیں حسب ترتیب جالینوس ۔

(۴۵)۔کتاب ترکیب العین ۔

(۴۶)۔کتاب افعال الشمس والقمر۔اس میں چاند

سورج کے اثر اور اُن کے افعال کا بیان ہے ٭

(۴۷)۔ مقالہ مدّ و جزر (جوار بھاٹا) کے بیان میں ٭

(۴۸)۔ کتاب سوداوی مزاج لوگوں کے علاج میں ٭

(۴۹)۔ کتاب حفظان صحت اور تندرست آدمیوں کی غذا اور اُن کے لباس کے بارہ میں ٭

(۵۰)۔ کتاب دود کے بیان میں ٭

(۵۱)۔ کتاب مرض استسقا کے بیماروں کے علاج میں ٭

(۵۲)۔ کتاب اسرار الادویۃ المرکبۃ ٭

(۵۳)۔ کتاب اسرار الفلاسفۃ فی الباہ ٭

اور حسب ذیل مقالات ان خاص موضوع پر لکھے ہیں :-

(۵۴)۔ حمّام ٭

(۵۵)۔ ضیق النفس ٭

(۵۶)۔ پٹک اور کھٹک جو ورم یا دنبل میں ہوتی ہے ٭

(۵۷)۔ عمر اور موت کے وقت کے بیان میں ٭

(۵۸)۔ پیدائش انسان اور اسباب کے بیان میں کہ اُس کا محتاج امداد ہونا اُس خدا کا فضل اور اُسکے حق میں سراسر مفید ہے ٭

(۵۹)۔ دو پتھروں کے مابین آگ کیوں پیدا ہوتی ہے ٭

(۶۰)۔ سمندر کا پانی کھاری کیوں ہے ٭

(۶۱)۔ رنگتوں کے بیان میں ٭

(۶۲)۔ پتھری پیدا ہونے کے بیان میں ٭

(۶۳)۔ محرق دوائیں کس لئے اختیار کی جاتی ہیں ٭

(۶۴)۔ امراض چشم کی تقسیم میں ٭

(۶۵)۔ قرگی کے بیان میں ٭

(۶۶)۔ ترکیب کے ذکر میں باعتبار اُن آراء کے جن پر بقراط و جالینوس کا اتفاق ہے ٭

(۶۷)۔ حفظ صحت وغیرہ کے متعلق امور پر ٭

(۶۸)۔ قوس قزح کے بیان میں ٭

(۶۹)۔ ماں کے شکم میں بچہ کیونکر بنتا ہے؟ اِس بارہ میں جالینوس و بقراط کے تمام مستند اقوال جمع کردئے ہیں ٭

(۷۰)۔ کتاب الفوائد ٭

(۷۱)۔ کتاب اُن کتابوں کے بیان میں جو افلاطون کی کتابوں سے پہلے پڑھی جانی چاہئیں ٭

(۷۲)۔ کتاب مزدوں کے اختلاف کے ذکر میں ٭

(۷۳)۔ کتاب آلات غذا کی تشریح میں اُس کے تین مقالے ہیں ٭

(۷۴)۔ بقراط کی کتاب النفخ پر شرح ٭

(۷۵)۔ زوفس کی کتاب حفظان صحت پر شرح ٭
(۷۶)۔ جالینوس کی مخفی دواؤں کی کتاب پر شرح ٭
(۷۷)۔ رسالہ اس بیان میں کہ تقدیر توحید الٰہی پر دلالت کرتی ہے ٭
(۷۸)۔ رسالہ ابن سلمویہ کے نام بجواب اُن سوالات کے جو سلمویہ نے حُنین سے جالینوس کے مقالۂ عادات کے ترجمہ کے بارہ میں کئے تھے ٭
(۷۹)۔ کتاب بطور سوال و جواب اس بارہ میں کہ حمام کے اندر کیسا پانی برتنا چاہئے ٭
(۸۰)۔ بولس طبیب کی قرابادین کا اختصار ٭
(۸۱)۔ بقراط کی کتاب ابیذیمیا کے اہم مسائل بطور سوال و جواب ایک کتاب میں جمع کر دئے ہیں ٭
(۸۲)۔ فرفوریوس کی کتاب المدخل نامی پر ایک مقدمہ لکھا ہے جس کو فرفوریوس کی کتاب سے قبل پڑھ لینا مناسب ہے ٭
(۸۳)۔ ارسطاطالیس کی کتاب الفراست پر شرح ٭
(۸۴)۔ اغذیہ کے نقصانات دفع کرنے پر ایک کتاب ٭
(۸۵)۔ کتاب الزینت ٭

(۸۶)۔ کتاب خواص الاحجار ٭
(۸۷)۔ کتاب البیطرۃ (سالوتری یعنی علاج چار پائگان کے متعلق) ٭
(۸۸)۔ کتاب تحفظ اسنان (دنداں) ٭
اِن کے ماسوا منطق۔ فلسفہ۔ دینیات و دینی مباحثات۔ اور تاریخ میں بھی اُس کی کئی کتابیں پائی جاتی ہیں۔ علی بن یحییٰ مسلمان عالم نے اُس کو قبول اسلام کی دعوت بذریعہ تحریر دی تھی۔ حُنین نے اس خط کا جواب ایک بسیط کتاب میں دیا ہے ٭
(۸۹)۔ کتاب تاریخ العالم والمبداء والانبیاء والملوک والامم والخلفاء والملوک فی الاسلام تاریخ میں اچھی تالیف ہے۔ اس میں حُنین نے آدمؑ سے لیکر اپنے زمانہ یعنی خلیفہ متوکل علی اللہ عباسی کے عہد تک تا امکان سب حالات درج کئے ہیں۔ بنی اسرائیل۔ یونانی۔ اور رومی بادشاہوں کے حالات اسلام کی ابتداء۔ شاہان بنی اُمیہ شاہان بنی ہاشم۔ ترتیب وار سب کے حال درج ہیں ٭

(۳۰۱) جیرون بن رابطہ (حکیم)

مترجم تو تھا۔ مگر ترجمہ کی خوبی اور خوش اسلوبی میں کوئی شہرت نہیں رکھتا۔

(۳۰۲) خالد بن یزید (حکیم)

بن رومان۔ مذہبًا یہ بھی عیسائی تھا۔ اپنے زمانہ میں بہت بڑا طبیب حاذق، اور قرطبہ میں عیسائیوں کے ایک کنیسہ کے نزدیک رہا کرتا تھا۔ اس کا گھر ابن الخطیب شاعر کا گھر" مشہور تھا۔ خالد بن یزید نے پیشہ طبابت سے بہت کچھ دولت اور جائداد پیدا کی۔ خود اعلیٰ درجہ کا دستکار اور دوا ساز تھا۔ مرکب دواؤں کی معلومات میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اس کی ذات سے شہر والوں کو بہت کچھ نفع پہنچا۔ مصر کے نامور طبیب قسطاس بن جریج نے ایک رسالہ قارورہ کے بارہ میں لکھ کر خالد بن یزید ہی کے پاس ارسال کیا تھا۔

خالد نے ایک بیٹا اپنا جانشین چھوڑا جس کا نام یزید تھا۔ لیکن گو وہ بھی علاج کر لیتا تھا۔ لیکن طب میں باپ کا ہمسر نہ ہو سکا۔

(۳۰۳) خسروشاہی (حکیم)

شمس الدین عبدالحمید بن عیسےٰ خسروشاہی۔ "خسروشاہ" شہر تبریز (ایران کے نزدیک ایک گاؤں ہے)۔ شمس الدین وہاں کا رہنے والا تھا اسی لحاظ سے وہ خسروشاہی مشہور ہوا۔ اپنے زمانہ میں سر آمد اطبا اور افضل العلماء تھا۔ مسلمان علماء اور حکماء میں اس پایہ کے لوگ معدودے چند ہی ہوئے ہیں۔ علوم حکمیہ میں سربرآوردہ عالم۔ اور قوانین طبیہ کا موجد و مصلح تھا۔ علوم دینیہ میں بھی اچھی دستگاہ رکھتا تھا۔ اور امام فخرالدین رازی ابن خطیب الرّے کا شاگرد رشید تھا۔

ملک شام میں وارد ہو کر خسروشاہی کا تعلق سلطان صلاح الدین داؤد بن ملک المعظم

کے دربار میں ہو گیا جہاں وہ طبی خدمت پر مامور کیا گیا۔ اور قلعۂ کرک میں سلطان مذکور کے ساتھ عزت و وقار کے ساتھ رہنے لگا۔ سلطانی انعام و اکرام سے مالا مال ہوتا رہتا تھا اور آرام کی زندگی بسر کرتا رہا۔ کچھ دن وہاں رہ کر پھر دمشق میں چلا آیا اور باقی عمر وہیں گزاری۔ خسروشاہی نے ماہ شوال ۶۵۲ھ میں دُنیا سے رحلت کی۔ اور جبل قاسیون میں دفن کیا گیا۔ بہت سے اہل فضل علماء اور شعراء نے اس عالم یگانہ کی وفات کا غم و الم کیا اور اس کے مرثئے لکھے ۔

شمس الدین خسروشاہی کی تصانیف میں یہ کتابیں ہیں :-

(۱)۔ مختصر کتاب المہذب۔ یہ فقہ مذہب شافعی میں ابی اسحٰق شیرازی کی کتاب المہذب کا اختصار ہے۔

(۲)۔ مختصر کتاب الشفاء مصنفہ شیخ الرئیس بوعلی بن سینا ۔

(۳)۔ تتمہ کتاب آیات البینات مصنفہ امام فخر الدین رازیؒ جس کو امام ممدوح نے صرف دوسری شکل ہی تک لکھ پایا تھا کہ اُن کی وفات کے باعث کتاب ناتمام رہ گئی۔ یاد رہے کہ یہ وہ آیات بینات نہیں جو عام طور سے مشہور۔ اور دس باب کی ہے ۔

(۳۰۴) خُصَیب (حکیم)

یہ عیسائی اور شہر بصرہ کا رہنے والا تھا۔ وہیں مقیم رہا۔ اپنے فن میں کامل اور اچھا معالج تھا۔ محمد بن ابی العباس السفاح بصرہ کا گورنر تھا۔ وہ بیمار ہوا تو خصیب سے علاج کرانا شروع کیا گیا۔ اس نے مریض کو ایسی دوا دی کہ وہ اور زیادہ بدحال ہو گیا اور جب اُس کے زندہ بچنے سے مایوسی پیدا ہوئی تو اُسے بغداد لے گئے۔ جہاں اُس نے وفات پائی۔ خُصَیب اس الزام میں پکڑ لیا گیا کہ اُس نے علاج میں غلطی کی اور قید میں ڈال دیا گیا۔ چنانچہ اُس نے اسی قید ہی کی حالت میں دنیا سے رحلت کی ۔

(۳۰۵) خَلَفُ الطُولُونی (حکیم)

ابوعلی خلف الطولونی۔ خلیفہ کا آزاد کردہ غلام۔ اور فن طب کا اچھا ماہر تھا۔ آنکھوں

کے امراض کا خاص طور پر علاج کرتا۔ یہ صاحب تصنیف بھی ہے۔ اس کی ایک کتاب النہایۃ والکفایۃ موجود ہے۔ اس میں آنکھوں کی ترکیب۔ نیز اُن کے امراض اور علاجات کا مفصل بیان ہے۔ یہ کتاب خلف نے ۲۶۴ھ میں شروع کر کے ۳۰۴ھ میں تمام کی۔ گویا پورے چالیس سال کے طویل عرصہ میں اس کی تالیف مکمل ہوسکی ۔

(۳۰۶) دانیال طبیب (حکیم)

خوش اخلاق، وجیہ۔ اور معالجہ سے اُنس رکھنے والا تھا۔ مزاج میں ایک طرح کی غفلت اور بے اعتنائی تھی۔ جس کی وجہ سے فوراً اُس کا دماغ صحیح مفہوم یا بہترین نتیجہ پر نہیں پہنچا کرتا تھا۔ وہ زبان قابو میں نہ رکھ سکتا اور جو بات دل میں ہوتی فوراً اُسکی زبان پر آجایا کرتی تھی۔ یہی امر اُس کی موت کا سبب بنا۔ ایک دن وہ امیر معز الدولہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس امیر کی سرکار سے اُس کا تعلق تھا۔ امیر نے دانیال کو مخاطب بنا کر کہا "دانیال! تمہارے علم میں یہ مانا ہوا مسئلہ ہے کہ امرود اگر کھانا کھانے سے قبل کھایا جائے تو قبض پیدا کرتا ہے۔ اور غذا کے بعد اُس کو کھائیں تو دست لاتا ہے" مگر میں کھانے کے بعد امرود کھاتا ہوں تو وہ مجھے آرام دیتا ہے اور کبھی اسہال نہیں لاتا۔" دانیال کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا "یہ تو آدمیوں کا مزاج نہیں" معز الدولہ نے دانیال کا یہ بھونڈا جواب سنتے ہی نہایت غضبناک ہو کر ایک زور کا ہاتھ اُس کے سینہ پر مارا اور کہا "دور ہو۔ پہلے جا کر شاہی دربار کے آداب سیکھ اور پھر یہاں آ۔" دانیال دربار سے نکل گیا۔ اُس گھونسے کے صدمہ سے اُس کو تھوک میں خون آنے لگا اور کچھ مدت تک اسی علت میں مبتلا رہ کر مر گیا۔

عبیداللہ بن جبرئیل طبیب دانیال کے اس واقعہ کی بنا پر کہتا ہے کہ یہ علماء کی غلطی اور لغزش ہے۔ ورنہ ایسی صاف بات اور دانیال کے فہم میں نہ آئی۔ بات یہ ہے کہ امرود جب بعض ایسے کمزور معدوں میں پہنچتا ہے جو اپنا فضلہ خارج کرنے میں قوی نہیں ہوتے امرود اُن کو طاقت دیکر فضلہ خارج کرا دیتا ہے اور طبیعت

مجیب ہو جاتی ہے۔ لیکن قوی معدے جو باقاعدہ فضلہ کو دفع کرتے رہتے ہیں اُن پر امرود کا یہ اثر نہیں ہو سکتا۔ بہت آدمی ایسے ملینگے کہ امرود کا شربت سکنجبین قے لانے میں اُن کا مددگار ہو گا۔ اور بعض کو اس کے پینے سے اسہال ہو جائیگا۔ غرضیکہ یہ سب مشہور و معروف باتیں ہیں جن کو معمولی طبیب بھی جانتا ہے۔ دانیال سے غلطی ہو گئی۔ اُس کا دماغ قدرتی فراموش کاری کی وجہ سے چُوک گیا۔ اور یوں بیچارے کی جان گئی۔ اُس کی تاریخ ولادت اور وفات کا کچھ پتہ نہیں ملتا۔

(۳۰۷) دَیلم (حکیم)

بغداد کے نامور اطبّاء میں تھا۔ حسن بن مُخلد وزیر کی خدمت میں رہا کرتا۔ وزیر مذکور کا تعلق خلیفہ معتمد باللہ عباسی کے دربار سے تھا۔ دَیلم درباری طبیبوں میں کبھی شامل نہیں ہُوا۔ اگرچہ اُس کی قابلیت اور فن طب کی اعلےٰ مہارت اُسے اس امر کا مستحق قرار دیتی تھی کہ۔ دیگر ہمعصر اطبّاء کی طرح اُس کی رسائی بھی دربار خلافت تک ہوتی، لیکن شائد قناعت کی صفت۔ اور ممکن ہے کہ وسیلہ کافی نہ ہونے کی وجہ سے وہ دربار تک نہ پُہنچا ہو۔ مگر جب ہم اسی کے ساتھ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ خلیفہ معتمد باللہ کے وزیر حسن بن مُخلد کا طبیب رہا تھا۔ تو اس کی کوئی وجہ نہیں پاتے کہ اُس کو دربار میں جانے کے وسائل حاصل نہ تھے۔ اور اُس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ طبعًا ایک قانع آدمی تھا۔ ایک بار خلیفہ معتمد نے فصد کھلوائی۔ قاعدہ تھا کہ فصد مُسہل۔ اور حجامت یعنی پچھنے لگانے کے بعد خلفاء اور امرا کو صحت ہوتی تو وہ تمام اطبّاء کو انعام و خلعت دیا کرتے تھے۔ خلیفہ نے وزیر حسن بن مُخلد کو حکم دیا کہ درباری اطباء کی فہرست پیش کرے تاکہ اُس پر مناسب انعام کا حکم صادر کیا جائے۔ ابن مُخلد نے دَیلم کا نام بھی داخل فہرست کر دیا۔ دَیلم اپنے گھر بیٹھا تھا۔ یکایک خلیفہ کا ملازم خزانہ اُس کے پاس آیا اور ہزار دینار کی تھیلی اُس کو دیکر چلا گیا۔ دَیلم حیران تھا کہ آخر یہ بات کیا ہے۔ وزیر کی خدمت میں آیا اور اُس سے واقعہ بیان کیا۔ وزیر نے تبسّم کرکے

کہا۔ امیرالمؤمنین نے فصد کھلوائی تھی۔ انعام عطا کرنے کے لئے اطباء کی فہرست مجھ سے طلب کی گئی۔ تو میں نے تمہارا نام بھی درج کر دیا۔ اور خلیفہ نے ہزار دینار تم کو عطا کئے۔"

(۳۰۸) داؤد بن دیلم (حکیم)

بغداد کے ممتاز اطباء میں شمار ہوتا۔ اور معالجہ میں اعلیٰ درجہ کا مستند مانا جاتا تھا خلیفہ معتضد باللہ کی خدمت میں خاص طور پر عزت و حرمت حاصل کی۔ خلیفہ کے فرمانات داؤد بن دیلم ہی کے دستخطوں سے اجرا ہوا کرتے تھے۔ یعنی اس کا تقرب اس درجہ کا تھا کہ اس کا دستخط خلیفہ کا دستخط سمجھا جاتا۔ خاص حرم سرائے خلافت کی خدمت طبابت اسی کو سپرد تھی۔ بے روک ٹوک ہر وقت حضوری کا موقع اس کو ملتا تھا۔ انعام و اکرام بے شمار خلیفہ سے پاتا رہتا۔ اور عزت کی زندگی بسر کرتا تھا۔

داؤد بن دیلم نے ۵۔ محرم یوم شنبہ ۳۲۹ھ کو بمقام بغداد وفات پائی۔

دخوار (دیکھو الدخوار مہذب الدین)

(۳۰۹) دنیسری عماد الدین (حکیم)

عماد الدین ابو عبداللہ محمد بن قاضی خطیب تقی الدین عباس بن احمد بن عبیدالربعی نام و نسب۔ بڑا عالی حوصلہ۔ شریف النفس۔ با مروت اور کامل الصفات عالم و فاضل تھا۔ ۶۰۵ھ میں شہر "دنیسر" میں پیدا ہوا اور ابتدائی تعلیم و تربیت کے مرحلہ کو طے کر کے علم طب کی تحصیل میں مصروف ہوا۔ ذہن خداداد اور طبع وقاد کی مدد سے بہت جلد اس علم میں کمال حاصل کر لیا اور اس کے فروع و اصول پر بخوبی حاوی ہو گیا۔ وہ شاعر اور اعلیٰ درجہ کا ادیب و زبان آور تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ طب میں فخر متقدمین و متاخرین تھا۔ تو نظم کی صنعت میں بھی اس کو یکتائے روزگار ماننا پڑیگا۔ بڑے بڑے شیوا بیان ادیب و شاعر اس کے سامنے لب تک نہیں کھول سکتے تھے۔

عماد الدین نے طلب علم کے شوق میں اصلی وطن دنیسر سے ملک مصر کا سفر کیا اور وہاں سے واپسی میں دمشق کو اپنی جائے سکونت بنایا۔ جہاں وہ سلطان ملک الناصر یوسف کے شاہی محلات واقع قلعۂ دمشق کا طبیب خاص مقرر ہوا اور پھر شفاخانۂ نوری میں معالجہ کرنے کی خدمت انجام دی ۔

عماد الدین دنیسری کی تصانیف میں سے یہ کتابیں ہیں :-

(۱)۔ المقالۃ المرشدۃ فی درج الادویۃ المفردۃ ۔ (۲)۔ کتاب نظم التریاق الفاروق ۔ (۳)۔ کتاب فی تقدمۃ المعرفۃ بقراط ۔ (۵)۔ ارجوزہ ۔ (۶)۔ دیوان اشعار ۔

(۳۱۰) دیاسقوریدس۔ اوّل (حکیم)

یہ طبیب بقراط کے بعد اور جالینوس سے پہلے ہوا ہے۔ اِس نے بقراط کی کتابوں پر شرحیں لکھی تھیں ۔

(۳۱۱) دیاسقوریدس (حکیم)

((Dioscorides)) عین زربی۔ یہ زکی النفس اور خدمت انسانی کا دلدادہ تھا۔ اس نے بنی نوع کی قابل قدر خدمت انجام دی دُنیا کے ممالک میں سفر کرکے مفرد دواؤں کا علم حاصل کیا۔ اُن کو آزمایا۔ اور اُن کے افعال و خواص جانچے۔ براعظم۔ جزائر۔ اور سمندر۔ غرضیکہ کوئی حصّہ خشکی و تری کا ایسا نہیں چھوڑا جس میں جڑی بوٹیوں کی جستجو نہ کی ہو۔ ہر ایک بوٹی کی تصویر کھینچی۔ پھر اُس کو آزما کر اُس کے فوائد قلمبند کئے۔ اور جس وقت خواص کا علم ہوگیا تو ظاہر ہے کہ افعال خود بخود سمجھ میں آسکتے ہیں۔ دیاسقوریدس کا یہ اصول نہایت معقول تھا کہ وہ دواؤں کا تجربہ مقدم خیال کرتا اور جو نتیجہ اس آزمائش سے حاصل ہوتا اُسی کے بنا پر دوا کی خاصیت اور اُس کا فعل صحیح طور سے قرار دیتا۔ اور ایسی ہی دیگر دواؤں کے زمرہ میں اُس کو بھی داخل کرتا تھا ۔

دیاسقوریدس۔ مفرد دواؤں کی تحقیقات کا بانی اور موجد ہوا ہے۔ اُس کے بعد آنے والے اطباء اس فن میں اُسی کے خرمن تحقیقات کی خوشہ چینی کرتے رہے متاخرین اطباء کو مفرد دواؤں کی جانچ پڑتال کا غم نہیں اُٹھانا پڑا۔ نہ اُنھوں نے صحرا و بیابان۔ اور کوہ و دریا کی خاک چھانی۔ یہ کام اُن کو کیا کرایا مل گیا اور اُسی پہ اُنھوں نے اپنے تازہ تجربوں کا اضافہ کر لیا۔ علم طب اس نیک دل محقق کے باراحسان سے کبھی سبکدوش نہ ہو سکیگا۔ مبارک تھا یہ پاک نفس جس نے کلفت و رنج اُٹھا کر بنی نوع کو فائدہ پہنچایا اور عالم انسانی کی بے مثل خدمت کر گیا۔

پہلی یا دوسری صدی مسیحی میں گزرا اس کا وطن اور مولد و مسکن یونان کا شہر "عین زربہ" تھا۔ اس کے ہمقوم اُسے "ازدش نیادیش" کہا کرتے تھے جس کے معنی ہیں" ہمارے گروہ سے باہر" کیونکہ دیاسقوریدس اپنے بھائی بندوں اور ہمقوموں سے ملنے جلنے اور اُن کے ساتھ معاشری برتاؤ کرنے سے بے تعلق رہتا تھا۔ اُس کا مشغلہ تو یہ تھا کہ جنگلوں اور پہاڑوں میں جہاں طرح طرح کی جڑی بوٹیاں ہوتیں ہر وقت وہیں رہتا اور ہر ایک روئیدگی کا تجربہ کیا کرتا۔ لہذا اُس کی قوم نے اُسے مذکورۂ بالا نام سے موسوم کر دیا۔

دیاسقوری۔ یونانی زبان میں درختوں اور روئیدگی کو کہتے ہیں۔ اور "دوس" کے معنی ہیں۔ اللہ۔ گویا اس کا نام یہ معنی رکھتا تھا کہ" خداوند پاک اُسے نباتات کا علم الہامی قوت سے بتاتا ہے۔" دیاسقوریدس نے دُنیا کے ملکوں میں پھر کر ہر ایک جڑی بوٹی کو جہاں وہ پیدا ہوتی تھی بغور معائنہ کیا اور پہلے اُس کی تصویر اُتاری۔ اور بعد ازاں اُس کا تجربہ کیا۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب میں اُس شخص سے خطاب کرتا ہے جو کتاب لکھا کرتا تھا اور کہتا ہے:۔" ہمارا حال یہ ہے کہ بچپن ہی سے ہمیں علاج کا ہیولیٰ معلوم کرنے کا اندازہ سے باہر شوق دامنگیر ہوا۔ اِس لئے ہم نے اسی شوق میں آباد دنیا کے بہت سے ملکوں میں سفر کیا تاکہ روئیدگیوں کی شناخت حاصل کریں اور اُنہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ تم کو معلوم رہے کہ ہمارا زمانہ خانہ بدوشی میں بسر ہوا ہے

کبھی ایک جگہ کچھ عرصہ تک رہنا نصیب نہ ہو سکا۔"

دیاس قوری دس رومی لشکر کے ہمراہ بطور فوجی طبیب جایا کرتا تھا۔ اس طرح اس نے اُن ممالک کے روئیدگی سے واقفیت پیدا کر لی۔ جن سے سپاہ کا گزر ہوتا تھا۔ اس نے ایک "میٹریا میڈیکا" (مخزن الادویہ) تالیف کی تھی جس میں اُس زمانہ کے معلوم پودوں کے حالات اور خواص لکھے تھے۔ اس کے انتقال کے بعد پندرہ سو برس تک یہ طبیب پودوں اور جڑی بوٹیوں کے علم میں سند سمجھا جاتا رہا۔ ترکوں اور موروں کے درمیان اب تک بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کی کتاب کا ترجمہ لاطینی اور یورپ کی چند زبانوں نیز عربی میں بھی کیا گیا تھا۔

دیاسقوریدس کی یہ کتاب پانچ مقالوں پر مشتمل ہے۔ مگر یہ پانچوں مقالے محض ادویۂ مفردہ کے بیان میں ہیں۔ اور اُن کے بعد دو اور مقالے چھٹے اور ساتویں جانوروں کے زہروں کے بیان میں بھی اُسی کی جانب منسوب ہیں۔ کتاب دیاسقوریدس کے مقالات میں حسب ذیل مباحث اور اغراض ہیں:۔

مقالہ اوّل:۔ میں خوشبودار دواؤں کی مہک۔ روغن۔ گوند۔ اور بڑے بڑے درختوں کا بیان ہے۔

مقالہ دوم:۔ میں حیوان۔ اُن کی رطوبتوں۔ غلّوں۔ ترکاریوں۔ کھانے کے ساگ پات۔ چرپرے ساگ۔ اور تیز و تند زبان کو جلا دینے والی دوائیں بیان کی ہیں۔

مقالہ سوم:۔ میں نباتات کی جڑوں۔ کانٹے دار روئیدگیوں۔ تخموں۔ گوند کی قسموں۔ اور پھولدار گھاسوں کا بیان کیا ہے۔

مقالہ چھارم:۔ میں ایسی دوائیں ذکر کی ہیں جو اکثر ٹھنڈی جڑی بوٹیاں ہیں۔ اور اسی میں گرم دست آور۔ اور قے لانے والی نباتات کا بھی ذکر ہے۔ اور اس مقالہ کے خاتمہ میں زہر کے اثر کو دور کرنے والی جڑی بوٹیوں کا بیان ہے۔

مقالہ پنجم:۔ اس میں انگور کی بیل۔ شراب کی قسموں۔ اور معدنی دواؤں کا ذکر اور بیان کیا ہے۔

جالینوس۔ اس کتاب کے بارہ میں کہتا ہے کہ "میں نے مختلف حکماء کی چودہ کتابیں مفرد دواؤں کے بیان میں نہایت غور کی نظر سے دیکھی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دیاسقوریدس کی کتاب سے بڑھ کر کامل اور نافع کتاب کوئی نہ پائی۔ اور دیاسقوریدس "عین زربہ" کا باشندہ تھا۔"

(۳۱۲) دیمقراطیس۔ دوم (حکیم)

زمانۂ ابین جالینوس وبقراط۔ میں ایک ہوشیار طبیب تھا۔

رازی (دیکھو ابن خطیب الرے)

رازی (دیکھو ابوبکر محمدؒ بن زکریا رازی)

(۳۱۳) ربن الطبری (حکیم)

حکیم جمال الدین ابن القفطی اپنی کتاب تاریخ الحکماء میں لکھتا ہے کہ۔ ربن مذہبًا یہودی اور مقام "طبرستان" کا رہنے والا تھا۔ فن طب میں ممتاز۔ اور نجوم میں ماہر کامل۔ علوم ہندسہ وریاضیات کا اچھا عالم اور نامور حکیم تھا۔ اس نے متعدد کتابیں فن حکمت کی دیگر زبانوں میں ترجمہ کیں۔

ربن کا باپ "علی بن ربن" بھی اعلیٰ درجہ کا طبیب تھا۔ وہ اپنے وطن طبرستان سے ملک عراق میں آ رہا تھا اور بغداد کے نزدیک مشہور شہر "سُرّمن رأے" میں اس نے سکونت اختیار کی تھی۔ خود "ربن" یہود کے مذہبی علوم میں بڑا کامل اکمل تھا۔ بلکہ کہا تو یہ جاتا ہے کہ "ربن"۔ "ربین"۔ اور۔ "راب" علمائے یہود کے علمی خطابات ہیں۔

کتاب مجسطی کا ترجمہ جو اس طبیب ربن نے کیا تھا وہ بہت مستند ہے اور اس میں ہی تمام وکمال کتاب کا ترجمہ موجود ہے کیونکہ بطلیموس نے علم روشنی کے بیان میں جہاں شعاعوں کے گرنے کا بیان کیا اور اُن کی روش کا حال لکھا ہے اس کا ترجمہ کسی قدیم نسخوں میں نہیں ملتا مگر ربن کے نسخہ میں ہے۔ ورنہ ثابت بن قرہ

حنین بن اسحق۔ اسحق الکندی وغیرہ بڑے بڑے مترجمین نے بھی اس مشکل مقام کے ترجمہ کی جرأت نہیں کی تھی۔

(۳۱۴) زرویا بن ماتخوہ ناعمی حمصی (حکیم)

معمولی مترجم۔ اور اپنے سے پہلے مترجموں کے درجہ کا نہ تھا۔

(۳۱۵) رشید الدین ابن الصوری (حکیم)

ابو المنصور بن ابی الفضل بن علی۔ ملک شام کے شہر "صور" کا باشندہ۔ اور فن طب کا اچھا ماہر تھا۔ مفرد ادویات کے علم میں کمال رکھتا تھا۔ اس نے بہت سی دواؤں کا نیا نیا تجربہ کر کے اُن کے مزید خواص معلوم کئے اور اُنکی تاثیرات کا پتا چلایا۔

رشید الدین ابو المنصور ۵۷۳ھ میں شہر صور کے اندر پیدا ہوا۔ اور وہیں پرورش و تربیت پانے کے بعد ابتدائی تعلیم سے فراغ حاصل کیا۔ فن طب میں وہ حکیم عبد اللطیف بغدادی کا شاگرد رشید تھا۔ جب اس علم میں اُس نے کمال اور شہرہ حاصل کر لیا۔ اُس کے بعد کچھ زمانہ تک شہر قدس شریف میں مقیم رہا۔ وہ اس شہر میں ایک عام شفاخانہ کا طبیب بھی رہ چکا ہے۔ شیخ ابی العباس الجبائی کی خدمت سے بھی مستفید ہو چکا تھا۔ حد درجہ کا خوش خلق۔ ملنسار۔ نیک مزاج، اور خیر پسند تھا۔ دینداری میں بھی اس کی طبیعت معاصرین پر فائق تھی۔ ۶۱۲ھ میں ملک العادل ابی بکر بن ایوب کا درباری طبیب بھی رہ چکا ہے۔ اس زمانہ میں ملک العادل ملک شام سے مصر کو جا رہا تھا۔ اور یہ حکیم شہر قدس سے اُس کا ہمرکاب ہو گیا تھا۔ اُس وقت سے ملک العادل کی وفات تک برابر اس حکیم نے اس کی خدمتیں انجام دیں۔ اور اُس کے بعد ملک المعظم بن ملک العادل کا درباری طبیب رہا۔

حکیم سدید الدین ابو المنصور نے سلطان ملک المعظم کے ساتھ کئی جنگوں میں بھی شرکت کی۔ یہ لڑائیاں یورپ کے صلیبی مجاہدین سے ہوئی تھیں اور یہ یورپین حملہ آور

بندرگاہ دمیاط (مصر) پر قابض ہوگئے تھے۔ پھر ملک المعظم کے بیٹے ملک الناصر کا دورِ حکومت آیا تو اس نے حکیم ابوالمنصور کا تمام وظیفہ جو عرصہ سے مقرر تھا بجنسہٖ بحال رکھا۔ اس نے ملک المعظم کے عہد میں تریاق کبیر کے نسخہ کی پڑتال کر کے یہ دوا تیار کی تھی اور اس سے مخلوق کو بیحد نفع پہنچایا ۔

حکیم سدید الدین ابوالمنصور نے ۶۳۹ھ میں بمقام دمشق دنیا سے رحلت کی۔ اور حسبِ ذیل کتابیں اس کی علمی استعداد کی گواہ اور اس کی زندہ یادگار ہیں ۔

(۱)۔ کتاب ادویۂ مفردہ۔ سدید الدین نے اس کتاب کو ملک المعظم کے عہد میں تالیف اور اسی کے نام سے موسوم کیا تھا۔ اس میں ادویات کا بیان کمال تلاش و جستجو کے بعد کیا گیا ہے۔ بعض ایسی ادویات کا بھی مفصل حال لکھا ہے جن کی نسبت قدیم اطباء نے کوئی رائے نہیں ظاہر کی۔ اور نہ انہوں نے ان کا ذکر کیا تھا۔ سدید الدین اس کتاب کو لکھتا ہوا بہت اہتمام سے کام لیتا تھا۔ جب کسی دوا کو اس کے اگنے کی جگہ میں دیکھنے جاتا ایک ماہر مصور اپنے ساتھ لے جاتا۔ اور ہر قسم کے رنگ و سامان مصوری اس کے پاس ہوتے۔ پہلے سرسبز و شاداب بوٹی کی تصویر بنواتا۔ پھر اس کی کملائی ہوئی اور بعد ازاں خشک شدہ صورتیں الگ الگ نمایاں کیا کرتا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ناظرین معلوم کر سکتے ہیں کہ کون سی دوا کہاں پیدا ہوتی ہے اور کس رنگ کی ہے گویا اہل فن کو ایک بڑی دقت سے بچا دیا ۔

(۲)۔ حکیم تاج الدین بلغاری کی کتاب ادویۂ مفردہ کا رد ۔

(۳)۔ چند تعلیقات و فوائد اور طبی نصائح۔ جو ابن ابی اصیبعہ مؤلف تذکرۃ الاطباء کو لکھ کر ارسال کی تھی ۔

رشید الدین (دیکھو ابوحلیقہ)

(۳۱۶) رشید الدین ابوسعید (حکیم)

جلیل القدر عالم اور حکیم ابوسعید بن موفق الدین یعقوب بیت المقدس کے عیسائی

اطباء میں سے نہایت ممتاز۔ طب کے علمی و عملی شعبوں میں باخبر۔ تیز طبع۔ زبان آور فصیح اور زباندان تھا۔ علم نحو کا اُستاد او رشیخ تقی الدین ابن خزعل بن عسکر بن خلیل کا شاگرد تھا اور اُس سے زباندانی کی تکمیل کی تھی۔ علم طب میں حکیم رشید بن علی بن خلیفہ کے روبرو زانوے ادب تہ کیا۔ حکیم موصوف سلطان ملک المعظم کا طبیب خاص تھا۔ اور رشیدالدین ابوسعید اُس کے شاگردوں میں اوّل درجہ کا طالب علم گنا جاتا تھا۔ ابوسعید نے حکیم علی بن خلیفہ کی حاضری صحبت کا ایسا بے مثل التزام کیا کہ سفر و حضر ہر جگہ اسکے ساتھ ہی رہا اور بڑی محنت سے فن طب کی تمام ضروری کتابیں اُس سے پڑھیں۔ پھر حکیم مہذب الدین عبدالرحیم بن علی سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں یہاں تک کہ اس فن میں کامل اور فخر اقران و اماثل ہوگیا ۔

فراغت تحصیل کے بعد رشیدالدین ابوسعید کا تعلق ۶۳۲ھ میں ملک الکامل کی سرکار سے ہوگیا اور اس کی بیش قرار تنخواہ مقرر ہوگئی ملک الکامل کے بعد اُس نے نو سال تک ملک الصالح نجم الدین ایوب کی خدمت کی۔ اور چونکہ رشیدالدین ابوسعید اور رشیدالدین ابوحلیقہ کی ہمعصر ہونے کی وجہ سے باہم چشمک تھی اس لئے ایک بار جبکہ ملک الصالح کو دمشق میں بدگوشت کا مرض پیدا ہوگیا اور اُس کی ران بالکل سڑنے لگی۔ رشیدالدین ابوحلیقہ کا علاج کارگر نہ ہوسکا تو سلطان نے رشیدالدین ابوسعید کو طلب کیا اور اس سے مرض کا حال کہا۔ ابوسعید نے ابی حلیقہ کے علاج میں غلطی نکالی اور سلطان بنظر قہر ابی حلیقہ پر نگراں ہوا۔ وہ دربار سے اُٹھکر چلا گیا۔ مگر ابوسعید سے بھی علاج نہ بن آیا۔ اور وہ دربار میں مصروف علاج ہی تھا کہ اُس پر سخت فالج گرا۔ ہاتھ پیر سب بیکار ہوگئے۔ اور اُٹھا کر گھر پہنچایا گیا جہاں چوتھے دن فوت ہوگیا۔ اُس کا سال وفات ۶۴۶ھ ہے اور وہ دمشق میں فوت ہوا تھا ۔

رشیدالدین ابی سعید کی تصانیف میں حسب ذیل کتابیں ہیں :۔

(۱)۔ کتاب عیون الطب۔ یہ ملک الصالح نجم الدین ایوب کے نام سے معنون ہے اور فن طب کی جلیل القدر کتاب شمار ہوتی ہے۔ اس میں منتخب معالجات جمع کئے ہیں ۔

(۲)- ابی بکر محمدؒ بن زکریا رازی کی کتاب الحاوی پر بعض مفید حواشی لکھے ہیں ⁂

(۲۱۷) رشید الدین علی بن خلیفہ (حکیم)

ابوالحسن علی بن خلیفہ بن یونس بن ابی القاسم بن خلیفہ- انصار کے قبیلۂ خزراج کا فرد اور حضرت سعد بن عبادہؓ کی اولاد میں سے تھا جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ عشرہ مبشرہ رسول خدا (صلعم) کے اُن دس صحابہؓ کو کہتے ہیں جن کو آنحضرت صلعم نے اُن کی زندگی ہی میں داخل جنت ہونے کی بشارت دی تھی ⁂

رشید الدین علی بن خلیفہ شہر حلب (ملک شام) میں ۵۷۹ھ میں پیدا ہوا۔ اور قاہرہ (مصر) میں نشو ونما پائی۔ علی بن خلیفہ اور اُس کے بڑے بھائی قاسم بن خلیفہ دونو کی عمر میں صرف ایک سال کی کمی بیشی تھی۔ اور دونو بھائیوں کا درباری طبیب باپ تھا جب قاہرہ میں اُس نے اپنے ہر دو فرزندان کی عمر تعلیم کے قابل پائی تو اُنہیں اپنے ایک دلی دوست جمال الدین ابن ابی الحوافر کے سپرد کیا اور اُس سے علم طب پڑھانے کی خواہش کی کیونکہ اس شریف فن کو وہ بہت پسند کرتا تھا اور جانتا تھا کہ اُس کے وسیلہ سے دنیا میں بآرام زندگی بسر ہونے کے علاوہ اگر صداقت وخلوص کے ساتھ کام کیا تو نجات آخرت کی بھی امید ہو سکتی ہے۔ جمال الدین ابی الحوافر بڑا فاضل طبیب تھا اور اُس کے سوا ایک اور دوست شہاب الدین ابوالحجاج یوسف سے جو کحالی میں اپنا آپ ہی نظیر تھا اُن بچوں کو تعلیم دینے کی درخواست کی ⁂

علی بن خلیفہ اور اُس کے بھائی قاسم بن خلیفہ نے ہر دو بزرگ اُستادوں کے خرمن علم سے خوشہ چینی شروع کی۔ اور پوری طرح علمی استعداد بہم پہنچانے کے بعد دیگر اساتذۂ وقت کی خدمت میں بھی فیض حاصل کرنے کے لئے گئے چنانچہ رئیس موسیٰ القرطبی وغیرہ سے مستفید ہوئے۔ علی بن خلیفہ زیادہ تر جمال الدین بن ابی الحوافر کی صحبت میں رہا اور اُس سے علم طب کے تمام فروع واصول سیکھے۔ علی بن خلیفہ کی ابتدائی تعلیم مصر کے ایک نامور معلم کے ہاتھوں انجام پائی تھی جس کا نام "نقی المعلم" مشہور تھا۔

اس نیک سیرت و شستہ خصلت بزرگ نے علی کو قرآن شریف یاد کرایا۔ اور پھر علم حساب وغیرہ کی تعلیم دی تھی "تقی المعلم" کا نام ابوالتقی صالح بن احمد بن ابراہیم بن حسن بن سلیمان القرشی المقدسی تھا۔ وہ بہت سے علوم میں فاضل اور طرز تعلیم میں بے مثل طریقہ کا موجد تھا۔ یوں ابتدائی تعلیم ایک زبردست عالم کے پاس پانے سے بنیاد خوب پختہ ہو گئی تھی ؛

علی بن خلیفہ کا اُستاد طبیب جمال الدین بن ابی الحوافر اپنے وقت کا رئیس الاطباء اور ملک العزیز عثمان بن سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں عزت و امتیاز رکھتا تھا۔ کتابی تعلیم اُس کے پاس حاصل کرتا اور پھر بیمارستان میں جا کر مریضوں کو دیکھتا۔ اُن کے امراض اور علاج کے متعلق اطباء سے علمی بحث کیا کرتا۔ مصر کے شاہی شفاخانہ میں اُس وقت بہت سے نامور طبیب جمع تھے۔ اور علی بن خلیفہ سب سے کچھ نہ کچھ فیض حاصل کیا کرتا تھا۔ علی بن خلیفہ نے اسی اثناء میں کحالی کا پیشہ بھی سیکھا اور اس شعبہ میں قاضی نفیس الدین بن الزبیر کو اپنا اُستاد بنایا جو اُس وقت بیمارستان مصر میں خاص آنکھوں کے علاج کی خدمت پر مامور اور اس بارہ میں اختصاصی مانا جاتا تھا۔ قاضی نفیس الدین بن الزبیر اعمال بالید میں بھی ید طولے رکھتا تھا اور علی بن خلیفہ نے اس کام کی مشاقی بھی اُسی کی صحبت میں حاصل کی ؛

انہی دنوں قاہرہ میں ایک زبردست عالم شیخ موفق الدین عبداللطیف بغدادی وارد ہوا۔ علی بن خلیفہ نے اُس سے عربی زبان دانی اور علم حکمت کی تحصیل کی۔ وہ سدید الدین منطقی سے بھی علوم حکمیہ میں استفادہ کیا کرتا تھا۔ علم نجوم اُس نے ابی محمد بن جعدی سے پڑھا جو یکتائے روزگار نجومی تھا۔ ابن دہجور مصری سے فن موسیقی سیکھا علی بن خلیفہ بچپن ہی سے بجز تحصیل علم و کمال اور مطالعہ میں مصروف رہنے کے کوئی کام ہی نہیں کرتا تھا۔ علماء اور حکماء کی صحبت میں رہتا۔ یا تنہائی میں کتابیں دیکھا کرتا۔ لہو و لعب سے اُس کو کچھ بھی سروکار نہ تھا۔ اور یہی آثار نیک بتا رہے تھے کہ وہ کچھ بلکہ بہت کچھ ہو کر رہیگا ؛

۵۹۷ھ میں علی بن خلیفہ اپنے باپ کے ساتھ مصر سے ملک شام میں چلا آیا۔ اُس وقت اُس کی عمر بیس سال کے قریب تھی۔ شام میں آکر وہ مطب کرنے لگا۔ دمشق میں اُس کے معالجہ کا شہرہ ہُوا۔ وہاں شیخ رضی الدین یوسف بن حیدرۃ الرحبی علی بن خلیفہ سے بہت محبت کرنے لگا اور اکثر اُس سے صحبت رکھا کرتا۔ بیمارستان کبیر میں علی کو اپنے ساتھ لے جاتا اور پیچیدہ بیماریوں کے مریضوں کو دکھاتا۔ دمشق کے بیمارستان کبیر میں اُس وقت موفق الدین بن المطران۔ اور مہذب الدین عبدالرحیم بن علی جیسے اساتذۂ فن اور علامۂ روزگار اطباء موجود تھے۔ علی کو ہر ایک سے مستفید ہونے کا پورا موقع ملا۔ علی نے دمشق میں عربی علم ادب اور دیگر علوم و فنون کی بھی بے مثل روزگار اساتذہ سے مزید توسیع کی۔ یہاں تک کہ وہ پچیس سال سے کم عمر میں تمام مروجۂ زمانہ علوم و فنون میں کامل ہوگیا۔ وہ شاعر بھی تھا۔ فارسی زبان اور اُس کے علم ادب پر قدرت رکھتا تھا۔ ترکی زبان میں بھی گفتگو کرسکتا تھا۔ نظم فارسی میں صاحب دستگاہ تھا۔

۶۰۵ھ کے ماہ رمضان میں علی بن خلیفہ کے فضل و کمال کا شہرہ سُن کر اُس کی طلبی دربار سلطانی میں ہوئی۔ ملک المعظم عیسیٰ بن ملک العادل نے اُسے بلوایا اور اُس کی گفتگو سُن کر گرویدہ ہوگیا۔ سلطان نے علی کو دربار کی ملازمت کا حکم دیا لیکن اُس کے باقاعدہ تقرر میں سلطان کے بار بار باہر سفر پر جانے کی وجہ سے التواء پڑتا گیا اور ابھی وہ اِس دربار میں ملازم نہ ہوسکا تھا کہ فرمانروائے بعلبک ملک الامجد مجد الدین بہرام شاہ نے اُس کا شہرۂ لیاقت سُن کر طلبی کا قاصد بھیجا اور علی کو مع اُس کے باپ کے اپنے دربار میں طلب فرماکر بیش قرار تنخواہ اور وظیفہ پر طبی خدمات تفویض کیں۔ علی بن خلیفہ سے سلطان کو اس قدر اُنس ہوگیا تھا کہ ہر وقت اُسے اپنی صحبت سے جدا نہ کرتا تھا۔ اور علم حساب میں اُس کی مہارت معلوم کرکے اُس سے ایک کتاب اس علم میں تصنیف کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ علی نے چار مقالوں کی ایک عمدہ کتاب فن حساب میں ملک الامجد کے نام پر تصنیف کی۔

علی بن خلیفہ ملک الامجد کی خدمت میں بعزت و اکرام تمام رہتا تھا۔ اسی اثنا میں ملک الامجد کو ایک غنیم سے جنگ پیش آئی اور اُس کی کمک کے لئے اُس کا بھائی ملک المعظم بھی بعلبک میں آیا تو علی بن خلیفہ دونوں کی بزم عشرت کا جزو لاینفک بن گیا کیونکہ وہ اپنے عہد کا بے مثل موسیقی داں اور عود نواز تھا۔ خوش گلوئی اور عود کے بجانے میں اُسے یہ کمال حاصل تھا کہ سامعین کو محو بنا دیا کرتا۔ اُس کو لوگ اپنے زمانہ کا ابی نصر کہا کرتے تھے۔ ملک المعظم اُس کا دلدادہ بن گیا۔ اور اپنے پایۂ تخت کو واپس جاتے وقت ملک الامجد سے باصرار تمام علی بن خلیفہ کو مانگ لے گیا۔ چنانچہ ۶۱۰؁ھ کے ماہ جمادی الاولیٰ سے وہ ملک المعظم کی سرکار میں رہنے لگا۔ بیش قرار مشاہرہ اور وظیفہ مقرر ہوگیا۔ اور انعام و اکرام بالائی۔ اکثر اوقات سلطان اُس کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اور اسی کے طبی مشاورات پر اعتماد کیا کرتا۔

جب علی بن خلیفہ ملک المعظم کے دربار میں تھا۔ اُس زمانہ میں ملک الکامل اور ملک الاشرف ملک المعظم کے دونو بھائی ملنے آیا کرتے تو علی بن خلیفہ کو اپنی صحبت سے جدا نہ کرتے اور اُس کے گرویدہ بنے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ملک الکامل نے اُس کی بذلہ سنجی پر مسرور ہو کر خلعت ہفت پارچہ اور پانچ سو دینار نقد انعام بھی اُسے عطا کیا۔ ملک المعظم نے قیام دمشق کے زمانہ میں علی بن خلیفہ کو فوج کا بخشی بنا دیا۔ علی سلطان کے حکم سے انکار نہ کر سکا اور اس عہدہ کے فرائض انجام دینے میں مصروف ہوا۔ مگر چونکہ اس کام میں اُس کا سارا وقت ضائع جاتا تھا۔ اور علمی مشاغل اور مطالعہ کی اُسے فرصت نہیں ملتی تھی لہذا جلد اس سے گھبرا کر مستعفی ہوگیا اور بڑی بڑی سفارشوں سے سلطان کو راضی کیا کہ وہ اُس کو اس کام سے معاف فرمائے۔ بمشکل اُس کو نجات ملی اور وہ اپنی سابقہ خدمت پر واپس آیا۔ اسی زمانہ میں علی بن خلیفہ نے ملک المعظم کے ساتھ حج بیت اللہ کا فرض ادا کیا۔

۶۱۵؁ھ میں اہل فرنگ کے حملہ آور ہونے پر ملک المعظم اور ملک العادل دونوں اُن سے جنگ میں مصروف ہوئے۔ ملک المعظم نابلس (شام) کی طرف چلا گیا۔ اور ملک العادل

دمشق میں آ رہا۔ علی بن خلیفہ بھی سلطان ملک العادل کے ہمرکاب دمشق آیا۔ اور پھر وہاں سے ملک الناصر داؤد بن ملک المعظم کے ہمرکاب گیا۔ مگر عجلون میں پہنچ کر بیمار رہا۔ مرض نے طول کھینچا اور حرکت جو سفر میں لازمی تھی مضر ثابت ہوئی تو سلطان کی اجازت سے دمشق کو واپس چلا آیا۔ دمشق میں واپسی کے بعد ۶۱۵ھ میں ملک العادل نے اُسے بیمارستان کبیر کی خدمت طبابت سپرد کر دی اور قلعہ کی طبی خدمت بھی اُسی کو مفوض ہوئی۔ علی بن خلیفہ دونو کام کرتا رہا۔ اور اسی کے ساتھ وہ طب کا درس بھی دیا کرتا تھا۔ سلطان کی طرف سے معقول وظیفہ ملنے کے علاوہ مطب کی کثیر آمدنی اُس کو ہوتی تھی اور ملک العادل کی بہن "ست الشام" کی طرف سے بھی ایک رقم وظیفہ کی مقرر تھی۔ اس مرتبہ قیام دمشق کے زمانہ میں رشید الدین علی بن خلیفہ نے اپنے مشاغل مطب' درس' اور مطالعہ کے علاوہ بعض سرآمد روزگار علماء سے علم ہیئت۔ ہندسہ اور فن حدیث کا سبق بھی لیا۔ اور روایت حدیث کی سند حاصل کی *

۶۱۶ھ میں علی بن خلیفہ کو ملک الصالح اسمٰعیل بن ملک العادل نے خاص دستخطی فرمان بھیج کر بصرہ میں بلوایا جہاں سخت وبا پھیل گئی تھی۔ اور اُس کے علاج سے سلطان کی ماں اور بہت سے امرا اور عام لوگوں کو صحت حاصل ہوئی۔ علی نے انعام و خلعت کی قسم سے بہت کچھ پایا۔ لیکن اخیر میں اُس کو تیز بخار کا مرض لاحق ہو گیا اور وہ مریض ہو کر دمشق چلا آیا۔ اگرچہ دمشق کے نامور اطباء نے اُس کے معالجہ میں بڑی توجہ فرمائی۔ مگر یہ مرض اُس کے حق میں مرض الموت ثابت ہُوا اور وہ روز بروز کمزور و ناتواں ہو کر آخر کار ۱۷ شعبان ۶۱۶ھ کو ۲۸ سال کی عمر میں دُنیا سے رحلت کر گیا۔ اور باب الفرادیس کے نزدیک باپ اور بھائی کے پہلو میں مدفون ہُوا *

رشید الدین علی بن خلیفہ کے بہت سے حکیمانہ اقوال مشہور ہیں۔ بعض اُن میں سے یہاں مذکور ہوتے ہیں۔ کہتا ہے :-

(۱)۔ اگر صبر پر عمر کو نہ خرچ کرنا پڑے تو وہ بہت اچھی چیز ہے *

(۲)۔ خدا سے خوف کھانے والوں کی تعداد خود غرضوں کے مقابلہ میں بیحد کم ہے *

(۳)۔ ظلم ہر طبیعت کا خاصہ ہے محض تلوار یا خوف روز جزا اُس سے باز رکھتا ہے۔

(۴)۔ کسی مریض کا علاج کرتے ہوئے خوف خدا کو پیش نظر رکھو۔ اور کوشش کرو کہ تم جس بات پر عمل کروگے وہ تم کو یقینی طور پر معلوم ہو۔ اور نہ ہو سکے تو کم از کم اس کا علم علم الیقین کے قریب یعنی گمان غالب تو ضرور ہو۔

(۵)۔ اگر ایک بیماری کی بہت سی دوائیں ہوں تو اُن میں سے وقت و حالت کے مطابق دوا کا انتخاب کرنا لازم جانو۔

رشید الدین کے اشعار بیحد آبدار ہوتے تھے۔ اور وہ "لغز" یعنی نظم چیستاں اور پہیلیاں اکثر کہا کرتا تھا۔ اُس کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ الموجز المفید۔ علم حساب میں اس کے چار مقالے ہیں۔ ملک الامجد کے لئے تالیف کی تھی۔

(۲)۔ کتاب المساحۃ۔

(۳)۔ کتاب طب میں۔ ملک الناصر صلاح الدین یوسف کے لئے لکھی تھی۔ اس میں فن طب کے کلی مسائل۔ امراض کی شناخت اور اُن کے اسباب کی معلومات کو فراہم کیا ہے۔

(۴)۔ کتاب طب الشوق۔ (راز داری طبابت) اپنے کسی شاگرد کے لئے تالیف کی تھی۔ اس میں عام اور بکثرت حادث ہونے والے امراض کا بیان اور اُن کا آسان علاج درج کیا ہے۔

(۵)۔ مقالہ نبض کی نسبت اور حرکات موسیقاریہ سے اُس کا موازنہ کرنے کے بیان میں۔

(۶)۔ مقالہ۔ پہاڑوں کے آفرینش کے ذکر میں۔

(۷)۔ کتاب الاُسطقسات۔

(۸)۔ تعالیق اور مجربات طب میں۔

(۳۱۸) رضی الدین الرحبی (حکیم)

شیخ زمانہ حکیم و امام رضی الدین ابو الحجاج یوسف بن حیدرۃ بن الحسن الرحبی۔ فن طب کے اکابر علماء میں سے تھا۔ اور اس پیشہ کے منتخب لوگوں میں سے اس کا نام

عام وخاص طبقوں میں ایکساں مشہور تھا۔ دربارشاہی میں اُس کی عزت وتکریم ہوتی تھی۔ عام اہل ملک اُس کے بدل گرویدہ تھے۔ وہ بڑا عالی حوصلہ۔ محقق نیک اطوار۔ ملنسار۔ اور خیر پسند تھا۔ بیماروں کے علاج میں دل سے کوشش کیا کرتا اور ہر شخص کے حال پر کامل توجہ فرماتا۔ امرا کی نسبت غربا پر اُس کا لطف عام رہتا۔ خلق خدا کی ہمدردی میں اپنی آپ نظیر تھا۔ زبان نہایت شستہ اور پاکیزہ تھی۔ کوئی سخت یا مکروہ لفظ مجال کیا کہ زبان پر لائے۔ تمام عمر میں کبھی کسی سے کڑوی بات نہیں کہی۔ نہ کسی کی غیبت یا منقصت کی۔

رضی الدین کا باپ شہر رحبہ کا باشندہ تھا۔ اسی نسبت سے وہ رحبی کہلایا۔ اگرچہ رضی الدین طب میں اچھا ماہر تھا لیکن اس کا میلان خاطر کحالی کی طرف بڑھا ہوا رہا اور اسی کام میں اُس نے نام پیدا کیا۔ اُس کی ولادت جزیرۂ ابن عمر میں ہوئی تھی۔ اور وہیں اُس نے نشو ونما پائی۔ پھر تحصیل علم کے زمانہ میں کئی کئی سال نصیبین اور رحبہ کے شہروں میں مقیم رہا۔ بعد ازاں علم کے شوق میں بغداد وغیرہ مشہور علمی مرکزوں کا سفر اختیار کیا۔ اس سفر میں اُس نے علم طب کی تحصیل وتکمیل کر لی۔ اور اخیر میں مصر کے نامور عالم اور حکیم شیخ موفق الدین ابن جمیع کی خدمت میں رہ کر مطب اور تجربۂ علاج کی تکمیل کی۔

حکیم رضی الدین ۵۵۵ھ میں دمشق آیا اور وہاں مقیم ہو گیا۔ اُس نے یہاں خود اپنا مطب قائم کر لیا جس کی رونق خوب بڑھی۔ دمشق میں اُس نے حکیم مہذب الدین ابن النقاش سے فیض حاصل کیا۔ اور اُسی کے ذریعہ سے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دربار میں رسائی پائی۔ سلطان نے بہت چاہا کہ رضی الدین اُس کے ہمراہ رہے لیکن رضی الدین نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ آخر کار سلطان نے اُس کا تیس دینار ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور حکم دیا کہ قلعہ اور بیمارستان کی طبی خدمات انجام دیتا رہے۔

رضی الدین کو عرصہ تک یہ خدمت سپرد رہی۔ اس زمانہ میں کئی سلطان ہوئے اور سب اُس کے وظیفہ اور خدمت کو برقرار رکھتے چلے آئے۔ البتہ سینکڑوں طلبہ نے فائدہ اُٹھایا اور اُس کا فیض کچھ ایسا تھا کہ کوئی شخص اُن میں سے ناکارہ نہ رہا۔

اوّل تو رضی الدین ہمیشہ ایسے ہی لوگوں کو پڑھایا کرتا تھا جو علم کے اہل ہوتے۔ اور دوسرے یہ کہ بعض اساتذہ ہوتے ہی بابرکت ہیں اور اُن کے تلامذہ لائق وسعید نکلتے ہیں۔ رضی الدین کے شاگرد اطباء کی تعداد بہت کثیر تھی۔ اگر ملک شام کے تمام اطباء کا جو اُس کے زمانہ میں یا اس سے بعد ہوئے ہیں صحیح حال دریافت کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ یا تو رحبی کا شاگرد ہے یا اُس کے اُستاد کا حتّٰی کہ شیخ مہذب الدین عبدالرحیم بن علی بھی ابن المطران کے حلقۂ درس میں داخل ہونے کے قبل ابتدائی زمانہ میں رضی الدین رحبی ہی کا شاگرد بنا تھا۔

رضی الدین الرحبی مسلمان اور ہونہار طلبہ کے علاوہ ذمّی لوگوں کو کبھی نہیں پڑھاتا تھا۔ حکیم عمران اسرائیلی (یہودی) اور ابراہیم بن خلف السامری کے سوا کہ اِن دونوں کی نسبت بڑی بڑی سفارشوں نے رضی الدین کو مجبور کر دیا۔ کوئی غیر مُسلم اُس کے حلقۂ درس سے نہیں نکلا۔ اور یہ دونو بھی علم و کمال میں بے مثل گزرے ہیں۔ رضی الدین الرحبی امورِ حفظانِ صحت کا بہت خیال رکھتا تھا۔ غذا کے متعلق اُس کا قول تھا کہ جب تک اشتہائے صادق نہ ہو کبھی نہ کھانا چاہیئے۔ اوقات غذا کا وہ بالکل پابند نہ تھا۔ بلکہ کہتا تھا کہ جب بھوک لگے دن ہو یا رات۔ دن میں ایکبار ہو یا دس مرتبہ۔ کھانے میں کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔ کسی نے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ جواب دیا "تاکہ انسان عمر طبعی تک زندہ رہے"۔ ایک اور عجیب امر یہ ہے کہ آپنے تمام عمر میں ایکبار سے زائد زینہ پر چڑھنے کی تکلیف نہیں اُٹھائی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ سیڑھیوں پر چڑھنا مخل حیات کے حق میں مضر ہے۔

حکیم رضی الدین نے ایک سو برس کے قریب عمر پائی۔ وہ اخیر وقت تک ہر طرح تندرست رہا۔ بصارت اور سماعت میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ البتہ اخیر وقت میں حافظہ کسی قدر دھوکا دینے لگا تھا۔ وہ بھی قریب زمانہ کی سُنی اور مطالعہ کی ہوئی باتوں میں پُرانی باتیں کبھی نہیں بھولتی تھیں۔ جب مرض الموت میں گرفتار ہُوا اپنا علاج خود کرتا تھا۔ ایک دن خود بائیں ہاتھ سے داہنے ہاتھ کی نبض دیکھی۔ کچھ دیر سوچتا رہا۔

اور پھر دست افسوس ملنے لگا۔ کیونکہ اُس کو معلوم ہو چکا تھا کہ اب قوت مدبرہ جو باعث حیات ہے سلب ہو چکی ہے۔ چنانچہ اُسی وقت سر کے نیچے سے تکیہ الگ کر دیا اور آمادۂ مرگ ہو گیا ۔

حکیم رضی الدین کا سنہ ولادت ۵۴۹ھ اور سال وفات ۶۳۱ھ ہے۔ اُس نے دمشق میں وفات پائی اور جبل قاسیون پر دفن ہُوا۔ شرف الدین ابو الحسن علی۔ اور جمال الدین عثمان۔ دو فاضل و لائق بیٹے اپنی یادگار میں چھوڑے ۔

حکیم رضی الدین کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-

(۱)۔ تہذیب شرح الطبیب لکتاب الفصول لبقراط ۔

(۲)۔ اختصار کتاب المسائل حنین بن اسحٰق یہ ناتمام رہ گئی ۔

(۳۱۹) رفیع الدین الجیلی (حکیم)

قاضی رفیع الدین ابو حامد عبد العزیز بن عبد الواحد بن اسمٰعیل بن الهادی الجیلی علاقۂ جیلان کے شہر "فیلمان" کا باشندہ تھا۔ اور نہایت زبردست عالم و امام وقت۔ علوم حکمیہ اصول دین و فقہ، علم طبعی۔ اور طب میں اچھا ماہر اور زبردست فاضل تھا۔ دمشق میں مقیم تھا اور مدرسۂ عذرادیہ میں علوم دینیہ کا درس دیتا تھا۔ یہ مدرسہ باب البصر کے اندر ہے۔ اس کا حلقۂ درس نہایت وسیع ہوتا تھا جس سے علم طب اور دیگر علوم کے طلبا فیضیاب ہُوا کرتے تھے۔

رفیع الدین نہایت خوش بیان۔ تیز طبع۔ مطالعہ اور درس کا شائق تھا۔ اکثر اوقات کام میں مشغول رہتا۔ شہر بعلبک میں اُس نے مدت تک قضاءت کے عہدہ پر کام کیا۔ الصاحب امین الدولہ سے اور رفیع الدین سے بہت گہری دوستی تھی۔ جس وقت سلطان ملک الصالح عماد الدین اسمٰعیل شہر دمشق پر قابض ہو گیا۔ اور قاضی القضاۃ شمس الدین خوئی واصل بحق ہُوا۔ اُس وقت صاحب امین الدولہ کی سفارش سے سلطان نے رفیع الدین کو دمشق کا منصب قاضی القضاۃ عطا کر دیا اور وہ اب نہایت عزت و دولتمندی سے متمتع ہو کر آرام کی زندگی بسر کرنے لگا۔ اگرچہ اکثر آدمی رفیع الدین

کی سخت مزاجی اور برتاؤ کے شاکی تھے لیکن بقول کسی کہ "مرہی بیار و مرلیٰ بجوز" صاحب امین الدولہ کی سعی و کوشش اس کو اپنے منصب پر جمائے رہی۔ مگر تا کجے آخر ایک دن قاضی رفیع الدین کو اپنے ظلم و بدمزاجی کا بُرا نتیجہ دیکھنا پڑا۔ صاحب امین الدولہ وزیر سے اُس کی ناچاقی ہوگئی اور دوستی کی جگہ دونوں میں دشمنی ٹھن گئی۔ وزیر مذکور نے سلطان سے کہہ کر قاضی رفیع الدین کو گرفتار کرا لیا اور شہر بعلبک کے نزدیک ایک نہایت گہرے اور تاریک غار میں گرا کر قتل کرا دیا۔ یوں ۱۴۲ھ میں اس کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا ✤

قاضی رفیع الدین جیلی کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-

(۱)۔ شرح الاشارات والتنبیہات ۔ یہ کتاب ملک المظفر کے نام پر لکھی تھی ✤

(۲)۔ اختصار الکلیات من کتاب القانون لابن سینا ✤

(۳)۔ کتاب جمع ما فی الاسانید من حدیث النبی صلعم ✤

رمیلی (دیکھو الرمیلی)

(۳۲۰) روفس اعظم (حکیم)

یہ حکیم شہر "افسس" کا باشندہ۔ اور اپنے زمانہ کا بے مثل طبیب تھا۔ جالینوس نے اپنی بعض طبی کتابوں میں اس کا ذکر کیا۔ اور اس کے کچھ اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ یہ صاحب تصنیف تھا ✤

(۱)۔ کتاب مالیخولیا۔ اس کی اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے اس میں دو مقالے ہیں ✤

(۲)۔ دوسری کتاب "چہل مقالہ" بھی اسکی مشہور تصنیف ہے ✤

(۳)۔ کتاب تسمیۃ اعضاء الانسان جس میں انسان کے اعضاء کی وجہ تسمیہ اور اُن کے نام درج ہیں۔ ایک مقالہ میں ✤

(۴)۔ ایک مقالہ اُس بیماری کے بیان میں جس کی وجہ سے بیمار پانی کو دیکھ کر خوف کھاتا ہے ✤ یعنی کزاز کے بیان میں

(۵)۔ مقالہ یرقان اور مرار کے بیان میں ✤

(۶)۔ مقالہ جوڑوں کی بیماریوں کے ذکر میں ✤

(۷)۔ مقالہ گوشت کے نقائص میں ✤

(۸)۔ کتاب اُن سریع الاثر دواؤں کے بیان میں جو طبیب کے بروقت نہ ملنے پر مریض خود استعمال کر سکے اس میں دو مقالے ہیں ✤

(۹)۔ مقالہ ذبیحہ کے بیان میں ٭
(۱۰)۔ کتاب طب بقراط ٭
(۱۱)۔ مقالہ استعمال شراب کے ذکر میں ٭
(۱۲)۔ مقالہ بانجھ عورتوں کے علاج میں ٭
(۱۳)۔ مقالہ ہدایات حفظ صحت کے باب میں ٭
(۱۴)۔ مقالہ در بیان صرع (مرگی) ٭
(۱۵)۔ مقالہ چوتھیہ بخار کے بیان میں ٭
(۱۶)۔ مقالہ ذات الجنب اور ذات الریہ کے بیان میں ٭
(۱۷)۔ کتاب التدبیر اس میں دو مقالے ہیں ٭
(۱۸)۔ کتاب الباہ ایک مقالہ کی ٭
(۱۹)۔ کتاب الطب ایک مقالہ کی ٭
(۲۰)۔ مقالہ اُن اعمال کے بیان میں جو شفاخانوں میں استعمال ہوتے ہیں ٭
(۲۱)۔ مقالہ دودھ کے بارہ میں ٭
(۲۲)۔ مقالہ فراق کے ذکر میں ٭
(۲۳)۔ مقالہ کنواری عورتوں کے بیان میں ٭
(۲۴)۔ مقالہ انجیر کے بیان میں ٭
(۲۵)۔ مقالہ مسافروں کی تدبیر علاج پر ٭
(۲۶)۔ مقالہ گندہ دہنی کے ذکر میں ٭
(۲۷)۔ مقالہ قے کے باب میں ٭
(۲۸)۔ مہلک دواؤں پر ایک مقالہ ٭
(۲۹)۔ مقالہ گردہ اور مثانہ کی بیماریوں پر ٭
(۳۰)۔ مقالہ اس امر کے بیان میں کہ آیا دعوتوں میں دوا کا بکثرت پینا مفید ہے ؟
(۳۱)۔ مقالہ یادداشت کے بارہ میں ٭
(۳۲)۔ مقالہ مرض ویونوسوس کے باب میں جو کہ جزرک ہے ٭
(۳۳)۔ مقالہ زخموں کے بیان میں ٭
(۳۴)۔ مقالہ سخت ورموں کے بیان میں ٭
(۳۵)۔ مقالہ بڑھاپے کی تدبیر علاج میں ٭
(۳۶)۔ مقالہ جو اطبا کی ہدایتوں پر مشتمل ہے ٭
(۳۷)۔ مقالہ حقنہ کے بیان میں ٭
(۳۸)۔ مقالہ در باب ولادت ٭
(۳۹)۔ مقالہ در بیان خلع ٭
(۴۰)۔ مقالہ احتباس طمث کے بیان میں ٭
(۴۱)۔ مقالہ پرانی بیماریوں کے بیان میں حسب قرارداد بقراط ٭
(۴۲)۔ مقالہ ادویہ کے مراتب کے بارہ میں ٭
(۴۳)۔ مقالہ اس ذکر میں کہ طبیب کو مریض سے کن باتوں کا سوال کرنا ضروری اور مناسب ہے ٭
(۴۴)۔ مقالہ پرورش اطفال کے ذکر میں ٭
(۴۵)۔ مقالہ دوران سر کے باب میں ٭
(۴۶)۔ مقالہ پیشاب کے بیان میں ٭
(۴۷)۔ مقالہ اُس فقار کے بیان میں جس کو

سوسا کہتے ہیں ٭
(۴۸)۔ مقالہ نزلہ زکام کے ذکر میں ٭
(۴۹)۔ مقالہ کہنہ امراض جگر کے باب میں ٭
(۵۰)۔ مقالہ اس بیان میں کہ مردوں کو سانس رک جانے کا عارضہ کیوں ہوتا ہے؟ ٭
(۵۱)۔ مقالہ غلاموں کی خریداری کے ذکر میں ٭
(۵۲)۔ مقالہ بچوں کی مرگی کے علاج میں ٭
(۵۳)۔ مقالہ باردار عورتوں کی تدبیر حفاظت میں ٭
(۵۴)۔ مقالہ تخمہ کے ذکر میں ٭
(۵۵)۔ مقالہ سداب کے بیان میں ٭
(۵۶)۔ مقالہ پسینہ کے بارہ میں ٭
(۵۷)۔ مقالہ در بیان ایلاوس ٭
(۵۸)۔ مقالہ در بیان ایلسیا ٭

رئیس موسیٰ (دیکھو الرئیس موسے)
رئیس ھبۃ اللہ (دیکھو الرئیس ہبۃ اللہ)
زاھد العلماء (دیکھو ابوسعید منصور)

(۳۲۱) زکریا بن طیفوری (حکیم)

عبداللہ مذکور کا بیٹا اور اچھا طبیب تھا۔ دولت عباسیہ کے نامور سپہ سالار افشین کا ملازم رہا۔ اور عزت کی زندگی بسر کی۔ ایکبار ایسا اتفاق ہوا کہ افشین نے اپنے کمپ کے سب تاجروں کے حالات کی تحقیقات کرنی چاہی۔ دوا فروشوں کی جانچ زکریا کے سپرد ہوئی۔ اس نے کہا" اگر امیران کا امتحان لینا چاہتا ہے تو کوئی نام جو دوا کا نام نہ ہو غلاموں کو بتا کر اُن کے پاس بھیجیں۔ سمجھدار اور نیک دوافروش کبھی دوا نہ دینگے اور جاہل وصول کے باز قیمت لے کر جو کچھ چاہیں گے اُٹھا دینگے۔ چنانچہ اسی طرح تجربہ کیا گیا۔ اور افشین نے اُن دوا فروشوں کو اپنے کمپ سے نکلوا دیا۔ جنہوں نے بے سمجھے سوچے کوئی دوا اُٹھا دی تھی ٭

(۳۲۲) زین الدین الحافظی (حکیم)

صدر العلماء امام زمانہ امیر زین الدین سلیمان بن موید بن علی بن خطیب عقرباء فن طب میں شیخ مہذب الدین عبدالرحیم بن علی کا شاگرد رشید تھا۔ طب کے علم و عمل دونوں شعبوں میں ماہر اور مشّاق نکلا۔ اور ملک الحافظ نورالدین ارسلان شاہ بن ابی بکر بن ایوب کا طبیب خاص مقرر ہوا۔ ارسلان شاہ قلعۂ جعبر (شام) کا فرمانروا تھا۔ زین الدین الحافظی نے اس دربار میں بڑا رسوخ پیدا کر لیا۔ وہ شعر و زباندانی میں بھی اچھا ماہر تھا۔ فن سپہ گری سے بھی طبعی مناسبت رکھتا تھا اور اکثر اوقات لڑائیوں میں اپنی دلیری و مردانگی کے جوہر دکھاتا رہتا۔

ملک الحافظ کی وفات کے بعد زین الدین الحافظی نے اس کی اولاد کے دربار میں اس قدر منزلت حاصل کر لی کہ وہ سلطنت کا ایک رکن ہو گیا۔ اور اس کے مشورہ پر کاروبار حکومت چلنے لگا۔ ملک الحافظ کی وفات کے بعد قلعۂ جعبر پر حلب کے تاجدار ملک الناصر یوسف ابن محمد بن غازی نے قبضہ کر لیا۔ اس کارروائی کا بانی زین الدین تھا۔ اور اسی نے خفیہ خطوط بھیج کر شاہ حلب کو اس قلعہ پر تسلط کر لینے کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد وہ حلب کو چلا گیا۔ اور ملک الناصر کے دربار میں اس کا اقتدار بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے رئیس حلب کی بیٹی سے شادی کی اور خوب دولت جمع کی۔

پھر جس وقت ملک الناصر یوسف بن محمد نے دمشق پر تسلط کیا اس وقت زین الحافظی اس کے ساتھ دمشق میں چلا گیا اور اس سلطنت میں اسے بہت بڑا اقتدار حاصل رہا۔ طبی خدمت کے علاوہ امارت اور سپہ سالاری میں بھی اسے دخل تھا۔ اور حکومت کے ہر کام میں اس کا مشورہ ضروری سمجھا جاتا تھا۔

ملک الناصر عرصہ تک دمشق میں مقیم اور تمام ملک شام کا بے شریک و سہیم بادشاہ رہا۔ مگر اسی اثناء میں شام پر غارتگر تاتاریوں نے حملہ کیا۔ ان کے قاصد ملک الناصر

کے پاس بھی کثیر نذرانہ وتحائف کا مطالبہ لے کر آئے ورنہ چڑھائی کی دھمکی تھی زین الدین حافظی نے خفیہ طور پر تاتاری بادشاہ ہلاکو خاں سے خط وکتابت کرکے اپنے آقا کی سلطنت اُس کے ہاتھ بیچ ڈالنے کی کمینہ کارروائی کی۔ بظاہر وہ ملک الناصر کا ہولخواہ بنا رہا۔ لیکن اُس کو تاتاریوں کی قوت وشوکت سے ڈراتا اور تاتاری بادشاہ کو دمشق پر حملہ کرنے کی رغبت دلاتا رہا۔ یہاں تک کہ اہل تاتار نے حلب پر تسلط کرکے وہاں خوب لوٹ مار کی اور پھر اُنہوں نے دمشق کو بھی آگھیرا۔

ملک الناصر تاتاریوں کے خوف سے مصر کو بھاگ گیا اور چاہا کہ وہ ملک فتح کرکے وہاں اپنی حکومت قائم کرے۔ لیکن مصر کے نامور بادشاہ ملک المظفر قطز نے لشکر اسلام کے ساتھ مصر سے نکل کر ملک الناصر کا مقابلہ کیا اور اُسے شکست فاش دیکر تباہ وبرباد کر ڈالا۔ ادھر تاتاری صلح کے ذریعہ دمشق پر قابض ہوگئے تھے۔ اور اُنہوں نے وہاں اپنا ایک نائب مقرر کردیا تھا۔ زین الدین الحافظی بھی اُس وقت دمشق ہی میں تھا۔ اور ایک لشکر کا سپہ سالار وامیر بنایا گیا تھا۔ چنانچہ اُس کے ماتحت سپاہی اُسے ملک زین الدین لکھتے تھے۔

ملک المظفر قطز فرمانروائے مصر اسلامی سپاہ کے ساتھ تاتاریوں کے مقابلہ پر بڑھا اور ملک شام کی وادئے کنعان میں اُس نے تاتاریوں کو ایسی عظیم شکست دی جو تاریخ میں یادگار رہیگی۔ ہزارہا تاتاری وحشی اُس نے قتل کئے اور اِس غارتگر وموذی گروہ کا زور ہمیشہ کے لئے توڑ کر خلق خدا کو اُن کے ہاتھ سے نجات دلوادی اُس وقت تاتاریوں کا وہ نائب جو دمشق میں تھا خوف سے بھاگ گیا اور زین الدین بھی مسلمانوں کے خوف سے تاتاری نائب ہی کے ساتھ نکل بھاگا۔ ورنہ مسلمان اُس سے سمجھ لیتے۔ ان واقعات کے بعد ملک شام پر ملک المظفر قطز کا پرچم اقبال اُڑنے لگا اور وہ مصر وشام ہردو ممالک کا فرمانروا ہوگیا۔ جس کے بعد ملک الظاہر سلطان رکن الدین بیبرس ان ہردو ملکوں کا فرمان فرما بنا اور شان وشکوہ کے ساتھ اُن پر حکمرانی کرتا رہا۔

زین الدین الحافظی پر بعد میں کیا گزری؟ اُس کا کوئی پتا نہیں چلتا۔

(۳۲۳) زینب (طبیبہ)

یہ عورت قبیلۂ بنی اَوْد سے تھی۔ اور بڑی ماہر طبیبہ اور معالج۔ خاصکر آنکھوں کے امراض اور پھوڑوں پھنسیوں کے علاج میں بڑی ہوشیار تھی۔

(۳۲۴) زینل شیرازی (حکیم)

علم و فضل میں ممتاز۔ اور دربار شاہی کے مقربوں میں خاص درجہ رکھتا تھا۔

(۳۲۵) سائم { SYME James Syme } (ڈاکٹر)

جیمز سائم جو اسکاٹ لینڈ کا ایک نامور جرّاح و ڈاکٹر تھا۔ ۱۷۔ نومبر ۱۷۹۹ء کو ایڈنبرا میں پیدا ہوا۔ اُس نے اسی شہر کے ایک ہائی سکول میں تعلیم پائی۔ اُس کے زمانہ طالب علمی میں اُس کی غیر معمولی ذہانت کی شہرت نہیں ہوئی، مگر اُس نے اس امر میں خاص طور پر نام حاصل کیا کہ وہ اپنے سبق بڑی کوشش اور محنت سے تیار کرنے لگا۔ کھیلنے کودنے کا اُسے مطلق شوق نہ تھا۔ ہاں پودے لگانے اور اُن کی نگہداشت کا وہ بیحد شتاق تھا۔ جب اُسے فرصت ہوا کرتی تو وہ چھوٹے چھوٹے جانوروں کے ڈھیچر بھی بنایا کرتا۔ اس کے علاوہ کیمسٹری سے اُس کی طبیعت کو خاص طور پر اُنس تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے وقت کا بہت سا حصہ کیمیائی تجربات میں صرف کیا کرتا۔ ان حالات سے ظاہر ہے کہ وہ لڑکپن ہی میں اس پیشہ کا کس قدر اہل اور اُس کے لئے کیسا موزون تھا۔ اور اسی کو اُس کی اعلےٰ ترین شہرت اور کامیابی کا راز سمجھنا چاہیئے۔

۱۸۱۵ء کے بعد سائم ایڈنبرا کی یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ سائنس اور آرٹس (تاریخ، ادبیات، زبان دانی) میں سے اپنے لئے خاص مضامین مقرر کئے۔ اور اُن کی

تعلیم بڑے بڑے اُستادوں سے حاصل کی۔ کیمیاوی تجربات کرتے کرتے اتفاقاً اُس نے موم جامہ کا مصالحہ دریافت کیا۔ اور ربڑ کو تحلیل کرنے کی ترکیب نکالی جس سے وہ لچکدار ٹیوب (نالی) بنانے کے قابل ہوگیا۔ اسی ربڑ کی مدد سے اُس نے ایک ایسا محلول تیار کیا کہ جس چیز پر اُسے چڑھا دیا جاتا اُس پر پانی کا کوئی اثر نہ ہوتا لیکن چونکہ اپنے لئے وہ ڈاکٹری سے زیادہ موزون کسی کام کو نہیں سمجھتا تھا۔ اس لئے اُس نے اس انکشاف اور حل تیار کرنے کی ترکیب شائع کردی۔ تاکہ جو چاہے فائدہ اُٹھائے۔ گلاسگو کے ایک اور آدمی نے موم جامے بنانے کی ترکیب رجسٹری کرالی لیکن سائم نے اس اپنی دریافت سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا۔

اِس کے بعد سائم کا ایک اور نامی ڈاکٹر سے تعارف ہوگیا۔ جس کا نام لسٹن تھا، اسی کی وجہ سے وہ ۱۸۱۷ء میں بارکلے کی "اکسٹرا اکیڈمیکل کلاس" میں شامل ہوگیا دوسرے سال موسم سرما میں لسٹن نے اپنے طور پر پڑھانے کا انتظام کیا۔ تو سائم اُس کے ساتھ شریک ہوگیا۔ اور تجربات کے ساتھ لیکچر دینے لگا۔ ادھر اپنا مطالعہ بھی بڑی محنت اور استقلال سے جاری رکھا، وہ ۱۸۲۲ء میں پیرس چلاگیا تاکہ علم تشریح اور عملی فن جرّاحی میں اعلےٰ دستگاہ حاصل کرے۔ وہاں اُسے دو نامور ڈاکٹروں کی تعلیم اور اُن کے جرّاحی اعمال مشاہدہ کرنے سے اُس کو بہت فائدہ پہنچا۔

جن دنوں سائم۔ لسٹن کی کلاسوں کو عملی تجربے کراتا تھا اُنہیں دنوں وہ ساتھ ساتھ ایک دو طبی سکولوں میں تعلیم بھی حاصل کرتا رہا۔ اُسے اس عرصہ میں یہ امر معلوم ہوگیا کہ فصد کھول کر زیادہ خون نکالنا ڈاکٹری پہلو سے بہت مضر عمل ہے ۱۸۲۳ء میں اُس نے جرّاحی میں اعلےٰ مہارت کی سند حاصل کرلی۔ اور شہر ایڈنبرا میں مطب کرنے لگا۔ اسی زمانے میں اُس نے ایک اہم عمل جرّاحی کیا، جس کی وجہ سے دور و نزدیک اس کی شہرت ہوگئی۔ اس میں اُس نے کولھے کے جوڑ کو قطع کیا تھا۔ جو ایک نہایت نازک اور مشکل عمل تھا۔ اور سائم ہی پہلا جرّاح تھا جس نے

اِس کے کرنے کی جُرأت کی۔ اِس عمل میں اُس کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی، یہی وجہ تھی کہ اُس کی ہنرمندی اور استعداد عمل جرّاحی کا ہر طرف شہرہ ہو گیا۔ اور اُس کی محنتوں کی آیندہ باروری کے لئے رستہ کھُل گیا۔

اسی سال لسٹن نے تشریح کا درس دینا چھوڑ دیا اور یہ کام بھی سائم ہی کے سپرد ہُوا۔ ۱۸۲۲ء کا سارا موسم گرما اُس نے اہل جرمنی کی جراحی کے مشاہدہ اور مطالعہ میں صرف کیا۔ اسی اثناء میں سائم اور لسٹن میں باہمی مغائرت اور سرد مہری ترقی کر گئی۔ اِس لئے سائم نے ایک اور ڈاکٹر کے ساتھ شریک ہو کر ایک علیحدہ نیا ڈاکٹری سکول جاری کر دیا۔ اب اِس میں سائم تشریح اور جراحی کا درس دینے لگا۔ اور دوسرا ڈاکٹر علم الادویہ، فن قابلہ (دایہ گری) اور فزیالوجی یعنی علم افعال الاعضاء وغیرہ علم پڑھاتا رہا۔ جراحی کی کلاس میں پچاس طالب علم داخل ہو گئے لیکن چیر پھاڑ کے لئے لاشے نہ ملنے کے باعث سائم کی بہت دلشکنی ہوئی۔ اور اس کے ساتھ ہی دوسرے شریک کے ساتھ بھی کسی معاملہ میں جھگڑا ہو گیا۔ اس لئے اس سکول سے بھی قطع تعلق کرنا پڑا۔ اِس کے بعد اُس نے اپنے آپ کو فن جرّاحی کی تکمیل کے لئے وقف کر دیا۔ مگر وہاں اور بھی چار، پانچ بڑے بڑے اُستاد تھے جن کے مقابلہ میں کامیاب ہونا کچھ آسان کام نہ تھا، تاہم سائم بھی اپنے فن کا ایسا یکتا اُستاد تھا۔ کہ ۲۹-۱۸۲۸ء میں اُس کے پاس صرف جرّاحی کا فن سیکھنے کے لئے ڈھائی سو لڑکے آئے۔ اور اُس کا مطب بھی بہت کچھ وسیع ہو گیا۔ ۱۸۲۶ء میں اُس نے زخموں کے علاج کے متعلق کسی طبّی انجمن کے سامنے ایک عالمانہ مضمون پڑھا جس میں زیادہ تر زور اس امر پر دیا گیا تھا کہ زخموں کا علاج کرنے میں اخراج مواد کے لئے کافی گنجائش چھوڑنا لازمی بات ہے، حالانکہ اُس وقت کا دستور یہ تھا کہ زخموں کو مرہم وغیرہ لگا کر ایسے ڈھنگ سے باندھ دیا جاتا کہ اندرونی مواد کے نکلنے کے لئے کوئی راستہ نہ رہتا۔ اس کے بعد ۱۸۲۷ء میں سائم نے ایک اور نازک ترین عمل جراحی کیا، جس سے اُس کی شہرت کو اور بھی چار چاند لگ گئے۔ یہ عمل

چہرے کے متعلق اور نہایت مشکل تھا اگلشٹی ایسے موقع پر تھی کہ عمل جراحی کرتے وقت نچلے جبڑے کی ہڈی کو کاٹنے کی بھی ضرورت تھی۔ اور کوئی لائق سے لائق جراح بھی اس دشوار آپریشن کی جرأت نہ کرتا تھا۔ سائم کا دل اس بات کا خواہشمند تھا کہ اُسے کسی ہسپتال میں عمدہ اسامی مل جائے، چنانچہ ایک جگہ کے خالی ہونے پر اس نے درخواست بھیج، لسٹن بھی اسی جگہ کا امیدوار تھا۔ اور ان دونوں میں باہمی رقابت تھی اس لئے اول الذکر کی عرضی مسترد ہوگئی۔ اُس نے فی الفور ایک مختصر سا شفاخانہ قائم کردیا جس میں ۲۴ مریضوں کے علاج کی بآسانی گنجائش نکل سکتی تھی، اُس سکول کے متعلق باا ثر اور ذی عزت آدمیوں کی ایک کمیٹی بھی بنالی، اگرچہ شفاخانہ کے مصارف کا کچھ حصہ چندوں کی آمدنی سے ادا کیا جاتا تھا۔ لیکن بایں ہمہ سائم کو ایک بہت بڑی رقم اپنی جیب سے خرچ کرنا پڑتی تھی، مثلاً چندہ سے ۱۷ ۲ پونڈ وصول ہوئے اور اُس نے اپنی گرہ سے ۹۷ ۷ پونڈ خرچ کئے۔ اس رقم میں ۴۰۰ پونڈ طلباء کی فیس کے بھی شامل تھے۔ اس کے بعد اُس نے شادی کرلی اور گھوڑا گاڑی وغیرہ خرید لی۔ جس سے وہ مالی مشکلات میں بے طرح پھنس گیا۔ اور چند سال تک ان پریشانیوں کا ہجوم رہا۔ مگر پھر اُس کی آمدنی بڑھ گئی اور قرض کے بوجھ سے بآسانی سبکدوش ہوگیا۔

سائم کا طریقہ تعلیم بھی سب سے نرالا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ ہردلعزیز ہوگیا، وہ مریض کو لیکچر کے کمرے میں بُلا کر اُس سے سوالات پوچھتا اور طلبہ کو اُس کے مرض کی خصوصیات سمجھاتا۔ تشخیص اور اسباب وعلامات وغیرہ کا مختصر طور پر ذکر کرتا۔ عندالضرورت آپریشن بھی اُنہیں کے سامنے کرتا۔ اس فاضل جراح کی تعلیم میں ایک بہت بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ خارج از مبحث اور غیر ضروری باتیں کبھی بیان نہ کرتا۔ بلکہ نہایت مفید اور اہم امور پر نہایت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ لیکچر دیکر طلبہ کے ذہن نشین کردیتا۔

ڈاکٹر لسٹن اور سائم کی عداوت آخر الذکر کی کامیابی کے پہلو بہ پہلو بڑھتی

گئی ۱۸۳۰ء میں اول الذکر نے اپنے حریف کی نسبت آبروریز الفاظ تحریر کئے، جن کے لئے اُسے بعد میں عذر خواہی کرنی پڑی۔ اس کے بعد دوسرے سال بھی لِسٹن کی دشمنی نے سائم سے پروفیسری حاصل کرنے کا ایک اور موقعہ چھین لیا۔ ۱۸۳۳ء میں ایڈنبرا یونیورسٹی نے ایک اسامی خالی ہونے کا اعلان کیا۔ یہ محقق چونکہ مدت سے اس قسم کے موقع کا منتظر تھا، اُس نے ایک پروفیسر سے یہ بندوبست کیا کہ اگر تم مجھے اپنی جگہ پر مقرر کرا دو تو میں تمہاری زندگی تک تمہیں بڑی خوشی سے تین سو پونڈ سالانہ الاؤنس دیتا رہونگا۔ چنانچہ اُس نے یہ قرار داد منظور کر لی۔ اور ۱۸۳۳ء میں وُہ اُس اسامی پر مقرر ہوگیا۔ وہاں شفاخانہ کے وارڈ بھی سائم کے سپرد کئے گئے کیونکہ وہ لڑکوں کو جیسا کہ پہلے بیان ہؤا۔ بیماروں کی حالت دکھلا دکھلا کر لیکچر دیا کرتا تھا۔ جس سے انہیں ڈاکٹری کی عملی تعلیم سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ملتا تھا۔

ڈاکٹر لِسٹن بھی وہیں پڑھاتا تھا اُس نے مخالفانہ پہلو لیکر اس بات پر بہت زور دیا کہ سائم طلباء کو وارڈوں میں لے جا کر تعلیم دینے سے روک دیا جائے۔ مگر اُس کی اس بیجا کوشش کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اُسی وقت سے ان دونو ڈاکٹروں کی باہمی عداوت بھی دور ہوگئی اور ۱۸۳۹ء میں لِسٹن نے اپنی ایک تازہ تصنیف سائم کے پاس بھیجی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ باہمی دلی کدورت اور مغائرت کا خاتمہ کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ ان دونو میں پھر وہی دوستانہ مراسم قائم ہوگئے جو کہ پندرہ بیس برس پیشتر تھے۔

جب لِسٹن لنڈن چلا گیا تو سائم اسکاٹ لینڈ کا سب سے بڑا جرّاح سمجھا جانے لگا اُس کی عمر اُس وقت پینتیس ۳۵ سال کی تھی۔ ملکہ وکٹوریہ کے تخت نشین ہونے سے تھوڑا ہی عرصہ بعد یہ فاضل محقق مستقل شاہی [illegible] کیا گیا۔ اور اُس کا مطب بھی بہت کچھ بڑھ گیا۔ جس سے اُسے معقول آمدنی ہونے لگی۔ انہیں ایام میں اُسے ایک ترکہ کی بہت بڑی رقم مل گئی۔ جس سے اُس کی آسودگی میں

بہت کچھ اضافہ ہوگیا۔ جراحی اعمال سے فرصت پاکر اُس نے کئی ایک عالمانہ اور قابل قدر مضامین پیتھالوجی (علم الامراض) اور فن جرّاحی پر لکھے۔ اسی ضمن میں اُس نے کئی معرکۃ الآرا مضامین پر بحث کی، جنہیں غانغرایا شنجوخی (بڑھاپے میں کسی حصہ جسم کا مُردار پڑ جانا) ہڈیوں کی جھلیوں میں نئی ہڈیوں کے بنانے کی قوت۔ ٹانگ کے ناصور، ٹخنہ کے جوڑ سے پاؤں کو کاٹنا، پیشاب کی نالی کی رکاوٹ کے علاج اور پتھری نکالنے کے متعلق بہت مسائل تھے، سائم نے ان مباحث میں نئے نئے خیالات کا اظہار کیا اور علاج کے متعلق انوکھے اور اچھوتے طریقے بیان کئے جن میں سے اکثر کو ڈاکٹروں نے اختیار کیا۔ ۱۸۴۷ء میں لِسٹن کے انتقال سے لنڈن یونیورسٹی کالج میں ایک اسامی خالی ہوئی۔ اور سائم سے اس کے قبول کرنے کے لئے درخواست کی گئی، جس کو اُس نے بہت سے غور و فکر کے بعد قبول کرلیا۔ جب وہ لنڈن روانہ ہونے کو تھا۔ تو ایڈنبرا کے ایک سو سے زائد ڈاکٹروں نے اُسے ایک شاندار رخصتی دعوت دی۔ مسٹر رابرٹ کرسٹی سن نے جو اس دعوتی جلسہ کے پریسیڈنٹ تھے اپنی تقریر میں سائم کی نسبت حسب ذیل الفاظ بیان کئے۔ "آج تک کسی ڈاکٹر کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ وہ چھوٹی سی عمر میں تمام قوم کا مشیر جراح بن جائے"

بہرحال یہ نامور ڈاکٹر ۱۸۴۸ء کو لنڈن روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر اُس نے اپنے عہدہ کا چارج لے لیا، تھوڑے ہی عرصہ بعد کالج کے منتظموں نے سسٹومیٹک سرجری (اصولی جرّاحی) کا مضمون لینے کے لئے بھی کہا۔ چونکہ وہ کلنیکل سرجری (جراحی کلنیکی) تو پہلے ہی سے پڑھاتا تھا، اس لئے اُس نے خیال کیا کہ ان دونو مضامین کے پڑھانے کے لئے بہت سا وقت درکار ہوگا۔ اور یہ سخت مشکل ہے، اسی اثناء میں کالج کا تقسیم انعام کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس میں پروفیسروں کی نسبت کھلم کھلا ہتک آمیز الفاظ کہے گئے۔ سائم نے تیرا یا چار روز بعد نیا مضمون پڑھانے سے انکار کر دیا اور اس مستقل آسامی سے مستعفی ہوگیا۔ پھر ایڈنبرا جا کر اس نے اپنی وہی جگہ جو اب تک خالی پڑی تھی، سنبھال لی، اُسے آنے جانے میں دو ہزار پونڈ کا خسارہ اُٹھانا پڑا۔

لنڈن کے ڈاکٹروں نے اُس کے ساتھ عمدہ سلوک کیا تھا مگر یونیورسٹی کالج کے منتظموں کا برتاؤ بالکل اچھا نہ تھا۔

اِس کے بعد اُس قابل جرّاح کو ہر سال کوئی نہ کوئی نیا اعزاز حاصل ہوتا رہا، نیز کئی ایک نازک اور وقت طلب اعمال جرّاحی بھی اُسے کرنے پڑے، جن کے باعث اُسے بیش از پیش عزت اور شہرت حاصل ہوئی ۱۸۴۹ء و ۱۸۴۸ء میں وہ میڈیکو سرجیکل سوسائٹی (طبّی و جرّاحی انجمن) کا پریسیڈنٹ منتخب ہوا ۱۸۵۱ء و ۱۸۵۰ء میں وہ جرّاحوں کے کالج کا بھی پریزیڈنٹ بنایا گیا۔ اُس نے کئی سال تک منتھلی میڈیکل جرنل (طبّی ماہواری رسالہ) میں مفید مضامین لکھے، جن میں سے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی نئی بات ضرور ہوا کرتی تھی۔ اُس کے مشہور جرّاحی عملوں میں ایک بالائی جبڑے کی ہڈی نکالنے کا عمل بھی تھا۔ جس میں اُسے شاندار کامیابی حاصل ہوئی یہ ہڈی اس طرح نکالی گئی کہ جریان خون کے بغیر صرف گال میں چیرا دیکر نہایت صفائی سے ہڈی کو باہر نکال لیا، اور بعد میں زخم بھر گیا۔ مریض کی طاقت پر اس آپریشن کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ اِس کے بعد ۱۸۵۵ء میں سائم نے وہ عمل شریانی رسولی پر بھی کئے۔ یہ اعمال بھی از حد نازک اور دشوار تھے اُس نے شریانوں کو ملا کر باندھ دیا۔ اور ایسی خوبی کے ساتھ کام کیا کہ دور و نزدیک، اِس کی حذاقت کا چرچا ہونے لگا۔

۱۸۶۲ء کی نمائش میں سائم آلات جرّاحی کی خوبیوں کا فیصلہ کرنے والی کمیٹی کا ممبر مقرر ہوا ۱۸۶۳ء وہ ڈبلن کو گیا، اور وہاں کے جرّاحوں کے سامنے اپنے طریقہ کی نسبت لیکچر دیا۔ اس قابل اور ماہر ڈاکٹر کا لقوہ کے متواتر حملوں سے ۱۸۷۰ء میں انتقال ہو گیا۔ اُس نے اپنی عمر میں دو شادیاں کیں، وہ نہایت خوش مزاج اور زندہ دل شخص تھا۔ ہر قسم کے فضول جھگڑوں اور بکھیڑوں کو اُٹھا کر گھر سے باہر پھینک دیا کرتا تھا۔ وہ نمایشی دینداری سے متنفر اور سچا دیندار تھا۔ حق بات کا متلاشی اور شیدا تھا اِس لئے دیگر محققین اور علماء سے اس کی اکثر چھیڑ چھاڑ رہتی، لیکن وہ بے بات کی بات پیدا کرنے اور ناحق کے جھگڑے مول لینے کا عادی

اور شائق نہ تھا۔ اُس کی طرز تحریر نہایت مدلّل اور بلیغ ہوتی تھی۔ وہ چند الفاظ میں بہت سے عمیق اور گہرے مطالب ادا کر جاتا تھا۔ بے مطلب اور غیر ضروری باتیں کرنے پر خموشی اور غور و فکر کو ترجیح دیتا تھا۔ اُس کے متعلق ایک فاضل ڈاکٹر کا یہ خیال ہے کہ اُس نے نہ تو کبھی کوئی غیر ضروری بات کی اور نہ بلا وجہ کوئی سیاہی کا قطرہ یا خون کی بوند ضائع کی تشخیص امراض اور اعمال جرّاحی میں اُسے ید طولیٰ حاصل تھا۔ ٹخنہ کے جوڑوں کے متعلّق آپریشن کرنے کے لئے اور جوڑوں کو کاٹنے کی بجائے چیرے سے کام لینے کے باعث جو شہرت اُسے حاصل ہوئی ہے۔ وہ ہمیشہ قائم رہیگی۔

(۳۲۶) سائمن { SIMON John Simon } (ڈاکٹر)

جان سائمن جس نے حفظان صحت، جرّاحی اور ماہیت امراض کی مہارت میں نہایت اعلےٰ شہرت حاصل کی تھی، ۱۸۱۶ء میں پیدا ہوا تھا۔ اُس نے کنگس کالج لنڈن میں تعلیم پائی اور ۱۸۴۴ء میں لنڈن کے کالج اطبّاء کا فیلو مقرر ہوا۔ اس کے بعد ۱۸۴۷ء میں وہ سینٹ ٹامس ہسپتال لنڈن میں پیتھالوجی (ماہیت امراض) کا اُستاد بنایا گیا۔ اُس نے سوزش کے متعلّق بہت سی تحقیقات کی اور مفصل تحریرات کے ذریعہ سے اُس کی تشریح کی۔ جس عہدہ کے لئے اُسکو منتخب کیا گیا وہ ہر طرح سے اُسکے قابل قدر ثابت ہوا۔ ۱۸۵۰ء میں اُس نے جنرل پیتھالوجی (کلیات علم الامراض) پر عالمانہ لیکچر شائع کئے۔ جن میں بیماریوں کی تشخیص اور معالجہ کو عقلی اصول کے مطابق ٹھہرایا یعنی اس پر زور دیا کہ علامات کو دیکھ کر استدلال کرنا اُس سے صحیح نتیجہ نکالنا اور پھر اُسی قاعدہ کے مطابق علاج کرنا چاہئے۔

سب سے پہلے ڈاکٹر سائمن شہر لنڈن کے بورڈ حفظان صحت کا مشیر طبّی مقرر ہوا اس کے بعد افسر حفظان صحت اور بالآخر پریوی کونسل کا طبّی مشیر قرار پایا۔ اس حیثیت سے اُس نے جو کام اس نہایت اہم پہلو (حفظان صحت) میں کیا وہ نہایت قابل قدر ہے۔ پریوی کونسل کی مسلسل سالانہ رپورٹوں سے اُس کے شاندار کارناموں پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

پریوی کونسل میں جو پہلی رپورٹ اُس نے پیش کی تھی، اُس میں ظاہر کیا تھا کہ ملک میں ہر سال جس قدر اموات ہوتی ہیں اُن میں نصف سے زیادہ حفظ صحت کی خرابیوں کے باعث ہوتی ہیں، پھر گیارھویں رپورٹ میں لکھا کہ "گذشتہ چند سال میں جو ترقی قوانین حفظ صحت کے متعلق ہوئی اُن قوانین کو عملی صورت میں لانے سے تعداد اموات تقریباً صفر رہ جائیگی۔ ڈسٹرکٹ اور لوکل حکام کو حفظ صحت کے طریقوں کو عمل میں لانے کے لئے مزید اختیارات عطا کئے گئے ہیں۔ کھانے پینے کی اشیاء کی فروخت میں نہایت عمدہ طریقہ کی پابندی کردی گئی ہے۔ مفلس اشخاص کے علاج اور خوراک کا بار سرکار نے اپنے ذمّے لے لیا ہے۔ وبائی امراض کے دفعیہ کا مرض لوکل حکام کے سر ڈالا گیا ہے وہ طبیبوں کو مقرر کرینگے اور ٹیکہ وغیرہ کا خرچ سرکار ادا کریگی"

بالجملہ ڈاکٹر سائمن نے اہل انگلستان کی حفظ صحت کی ترقی میں نہایت عظیم الشان اور قابل قدر خدمات انجام دیں، اور اُن کے گران قدر کارناموں کا عام طور پر اعتراف کیا گیا۔ حتیٰ کہ "کالج آف سرجنز" (کالج اطبّاء) نے پبلک چندے کے خرچ سے اُس کا سنگ مرمر کا ایک مجسمہ نصب کرایا۔ وہ کالج آف سرجنز کا پریسیڈنٹ اور سینٹ جارج ہسپتال کا نہایت مشہور طبیب تھا۔

(۳۲۷) سٹوکس { STOKES William Stokes } (ڈاکٹر)

ولیم سٹوکس جولائی ۱۸۰۴ء کو ڈبلن میں پیدا ہوا تھا۔ اُس کا باپ وہاں کی یونیورسٹی میں ڈاکٹری کا پروفیسر تھا اُس کو نہایت بلند خیال، بالغ خرد، ذی عزت اور قابل اُستاد خیال کیا جاتا تھا، باپ اور بیٹے دونو نے ایڈنبرا کے ڈاکٹری سکول میں تعلیم پائی تھی۔ کچھ عرصہ تک گلاسگو میں پڑھنے کے بعد سٹوکس ایڈنبرا یونیورسٹی میں داخل ہوا جس سے تھوڑا ہی عرصہ بعد ڈاکٹر ایلی سن سے اُس کی ملاقات ہوگئی اور اُن کی طبیعت و عادت کا اُس پر بہت گہرا اثر پڑا۔ ۱۸۲۵ء میں اُس نے ایک چھوٹی سی کتاب آلہ استماع الصدر (سٹیتھس سکوپ) کے استعمال پر لکھی، اس کے بعد وہ ڈبلن کو

چلا گیا اور وہاں جا کر اپنا مطب جاری کر دیا۔ اسی زمانے میں وہ اپنے باپ کی جگہ میتھ ہسپتال ڈبلن کا ڈاکٹر منتخب ہوا۔ بائیس سال کی عمر میں اُس نے اپنے پیشہ میں اتنی قابلیت پیدا کر لی تھی کہ وہ اور نوجوانوں کو ڈاکٹری پر لیکچر دیتا۔ وہ بیماروں کے کمروں میں لیجا کر اُن کی حالت دکھا کر تعلیم دینے کے لئے مشہور ہو گیا۔

انہیں ایام میں ڈبلن کے اندر آلو کی فصل کے خراب ہو جانے سے عام طور پر بخار پھیل گیا۔ اور سینکڑوں مریض اُس ہسپتال میں داخل ہوئے جس کا انچارج ولیم سٹوکس تھا۔ اِس موقع پر اُس پر بہت سا بوجھ آ پڑا۔ مگر تاہم اُس نے انتہا درجہ کی دانائی مستعدی ہوشیاری اور ہمدردی کے ساتھ مریضوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ دور و نزدیک اُس کی شہرت ہو گئی۔ ان مصروفیتوں کے زمانے میں اُس کا دل ایک خاص [illegible] کی طرف لگا ہوا تھا اور وہ رات دن اُسی کے متعلق [illegible] اور مشاہدہ کیا کرتا۔ اُسی خاص [illegible] اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی [illegible] کوشش میں لگا رہنا، یہ خاص مبحث اُمراض سینہ کی تحقیقات تھی جس میں وہ حد سے زیادہ منہمک رہتا تھا امراض سینہ کے متعلق جو نئی بات اُسے معلوم ہوئی اُسے اچھی طرح سے دیکھتا بھالتا اور مختلف طریقوں سے اُس کی جانچ اور تصدیق کرتا ۱۸۳۷ء میں اُس نے امراض سینہ کے متعلق اپنے مشاہدات کو ایک کتاب کی شکل میں شائع کر دیا۔ جو بیحد قدر کی نگاہوں سے دیکھے گئے۔ اس کتاب کی اشاعت سے سٹوکس کی بڑی شہرت ہوئی اور اُسے اعلےٰ درجہ کے محقق اور اصحاب فکر اطباء میں شمار کیا گیا۔ سینہ کی بیماریوں اور مزمن کھانسی کی حالت میں آلہ کے ذریعہ سے تشخیص مرض کی جس طرح اُس نے تشریح کی ہے وہ نہایت مفید اور قابل قدر سمجھی گئی ہے۔

۱۸۴۲ء میں وہ ڈبلن یونیورسٹی میں طب کا شاہی اُستاد مقرر کیا گیا۔ یہ وہ عُہدہ تھا جس پر کچھ عرصہ اُس کا باپ بھی رہ چکا تھا اس کے بعد کئی سال تک ڈبلن کے ڈاکٹری رسالہ میں وہ گاہے گاہے مضامین لکھتا رہا۔ اور بعض مریضوں کی خصوصیات کا تذکرہ شائع کرتا رہا۔ اُس نے ۱۸۵۴ء میں جو کتاب امراض قلب کے متعلق لکھی

اُس نے اُس کی شہرت اور امتیاز کے آفتاب کو اور بھی درخشاں بنا دیا۔ اس کتاب میں اُس نے دل کے اُن امراض فعلی پر خوب روشنی ڈالی جو عضوی شکایت کے بغیر وقوع پذیر ہوا کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے "گو دل ایک ننھا سا عضو ہے مگر اُس کے اندر اتنی مختلف الحال بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ جن کی علامات ایک دوسری سے بہت کچھ ملتی جلتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی تشخیص میں بڑی دقت واقع ہوتی ہے۔ اس بناء پر آئندہ ایسا طریقہ وضع کیا جائیگا کہ امراض قلب کی شناخت میں کسی قسم کی دقت و مشکل نہ ہوا کریگی۔ بعض دفعہ قلب کے اندر کوئی پُرانا مرض جڑ پکڑ جاتا ہے جس کے سبب سے کئی ایک تبدیلیاں وقوع میں آتی ہیں مگر وہ علامات طبیعیہ میں نمایاں نہیں ہوتیں۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرض کی ترقی کے ساتھ ساتھ اصلی اور ابتدائی علامات ناپیدا ہوتی جاتی ہیں۔"

سٹوکس کی کتاب میں امراض دل کی جامع واضح اور مکمل کیفیت پائی جاتی ہے اور اُسے ایک نہایت مستند تصنیف کے درجہ پر سمجھا جاتا ہے۔ اسی سال میں اُس فاضل محقق نے رسالہ "میڈیکل ٹائمز و گزٹ" میں بخار کی نسبت مسلسل لیکچر شائع کرائے تھے۔ جو ۱۸۷۴ء میں نظرثانی اور ازدیاد حواشی کے بعد کتابی صورت میں چھپ گئے۔ ان لیکچروں میں اُس نے جنر اور مرکی سن کے خیالات سے سخت اختلاف کیا، اور ایلی سن کے اس نظریہ کو قائم رکھا کہ "فی الحقیقت سب بخار یکساں ہوتے ہیں۔"

سٹوکس کا مطب شروع ہی سے چل نکلا تھا۔ اُس کی عادت تھی کہ اپنے ہم پیشہ لوگوں اور ڈاکٹری کے طالب علموں کا بڑا طرفدار رہتا۔ اُن کے فوائد کی ترقی اور حفاظت میں جتنے الوسع کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا۔ کئی دفعہ اُس نے بڑی سختی سے لکھا کہ آئرلینڈ کے ڈاکٹر ہیضہ اور تبخار کی انسدادی کوششوں میں اپنی جانیں تک ضائع کر دیتے ہیں، مگر افسوس ہے کہ گورنمنٹ اُن کی خدمات کا بہت کم معاوضہ دیتی ہے۔ اس روشن خیال طبیب نے مرض کی روک تھام کے

مسئلہ پر بھی توجہ کی۔ اُس وقت علم حفظانِ صحت کی ابتدا نہیں ہوئی تھی، اُس نے ایک ایڈریس کے دوران میں کہا کہ "وہ وقت آنے والا ہے جب مرض کا انسداد و استیصال (بیخکنی) کرنے والا، سینکڑوں معرکوں کے فاتح سے زیادہ عزت اور نیکنامی کا مستحق سمجھا جائیگا"

سٹوکس گوناگوں مذاق رکھتا تھا۔ طبعی مناظر اور پرفضا نظاروں کا شیدائی اور مصوری کا قدردان تھا؛ اُس نے کئی ایک دلکش مقامات کی لفظی تصویر کھینچی ہے۔ جسے پڑھنے سے ایک خاص قسم کا لطف حاصل ہوتا ہے؛ اُسے آئرلینڈ کے پرانے حالات، نشانات اور تحقیقات کا بھی شوق تھا۔ ان متعدد خوبیوں کی وجہ سے وہ ۱۸۷۴ء میں شاہی اکیڈمی کا پریسیڈنٹ مقرر کیا گیا۔ علی الصباح اُٹھنا ڈاکٹر سٹوکس کی موروثی عادت تھی۔ وہ چار اور پانچ بجے کے درمیان اُٹھتا اور آٹھ بجے تک لکھتا یا پڑھتا رہتا تھا۔ نہایت زندہ دل اور بشاش طبع تھا اپنے طلبہ اور مریضوں کو ظریفانہ باتوں سے خوب ہنساتا اور خوش کرتا۔ مہمان نوازی میں بھی بیحد سرگرمی کا اظہار کیا کرتا۔

۱۸۶۶ء میں اُس کی بیوی کا انتقال ہوگیا۔ اس قلق اور صدمہ کو اُس نے ایسا محسوس کیا کہ خود بھی اُس کے بعد کچھ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا۔ ۱۸۷۵ء میں وہ سب عہدوں اور کاموں سے علیحدہ ہوگیا اور بالآخر ۷۔ جنوری ۱۸۷۸ء کو دُنیا سے چل دیا۔ سر ہنری آکلینڈ اُس کی بابت لکھتے ہیں کہ "انسان کے مطالعہ کا شوق اُس کی فطرت میں ودیعت ہوا تھا۔ وہ جسمانی اور ذہنی دونو حالتوں کو نہایت توجہ کے ساتھ دیکھتا تھا۔ قیافہ سے انسان کی طبیعت اور قابلیت کا اندازہ کرلینا اُس کا نہایت آسان کام تھا۔ اُس کی پہلی نظر طبعی خصوصیات کو بھانپ لیتی تھی۔ ہر قسم کے لوگوں کو بغور دیکھنے کی عادت نے اُس میں یہ خوبی پیدا کردی تھی؛ بیمار ہو یا تندرست، امیر ہو یا غریب، جاہل ہو یا عالم، شہری ہو یا دہقانی کوئی اُس کی نظر سے نہ بچ سکتا تھا۔ وہ ہر ایک انسان کے کاموں کو اُس کی عقلی اور باطنی تمناؤں کا اظہار سمجھتا تھا؛ ظرافت زندہ دلی اور مذاق میں اُسے خاص لطف حاصل ہوتا تھا"

ڈاکٹر اسٹوکس کا نام امراض سینہ و قلب کی تحقیقات کی وجہ سے بقائے دوام کا تاج حاصل کر چکا ہے، اور ان عظیم الشان مساعی جمیلہ کی بدولت جو اُس نے بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے کی ہیں دُنیا میں اُس کا ذکر ہمیشہ نہایت عزت کے ساتھ کیا جائیگا۔

(۳۲۸) سدید الدین ابن رقیقہ (حکیم)

ابو الثناء محمود بن عمر ابن محمد بن ابراہیم بن شجاع الشیبانی۔ آلحاتوی معروف ابن رقیقہ۔ نہایت صاحب فضیلت، با مروت اور فن طب میں پورا ماہر تھا۔ متقدین و متاخرین کے طبی اقوال کا فرق اُس کو بخوبی معلوم تھا۔ ذہن خداداد اور طبع رسا کی مدد سے تمام ہمچشموں پر فوقیت لے گیا۔ ادیب و شاعر کامل تھا۔ اس کے کلام میں محاورات و امثال کی بندشیں اور حکیمانہ اقوال و مسائل بہت کثرت سے ہیں۔ نظم پر اُسے یہ قدرت حاصل تھی کہ فن طب کی کوئی کتاب اُسے دے دی جاتی وہ بلا تکلف بحر رجز میں اُس کو نظم کرتا چلا جاتا۔ اور مجال کیا کہ کوئی بات چھوٹ جائے یا فضول الفاظ کی بھرتی سے کلام بے رونق ہونے پائے۔ بندش الفاظ و بلاغت معانی کی پابندی بھی پوری رکھتا تھا۔

ابن رقیقہ فن طب میں عرصہ تک شیخ فخر الدین محمد بن عبد السلام ماردینی کے خرمن علم و فضل کا خوشہ چین رہا۔ اسی اُستاد سے اکثر علوم حکمیہ بھی پڑھے۔ وہ جراحی اور کحالی میں بھی دستگاہ رکھتا تھا اور اس کام میں شہرت پا چکا تھا۔ امراض چشم کے علاج میں گرم لوہے سے اکثر داغ دیا کرتا تھا۔ آنکھوں کو قدح بھی کیا کرتا۔ گویا اس فن کا اختصاصی تھا۔ وہ نشتر جس کے ذریعہ سے وہ قدح کا عمل کیا کرتا اندر سے کھوکھلا اور کسی قدر کج تھا۔ یوں آنکھ کے ڈھیلے میں نشتر چبھو کر وہ نزلہ کا پانی نکال لیتا تھا۔ اور یہ علاج کا طریقہ بیحد زود اثر اور عمدہ ہوتا تھا۔

ابن رقیقہ کو علم نجوم میں بھی مہارت کامل حاصل تھی۔ موسیٰ بن شاکر کے بیٹوں کی تقلید میں اُس نے بڑی خوبی سے کام کیا اور نام پایا۔ علم نحو اور زباندانی میں بھی

فاضل وقت تھا۔ اور حدیث کی سماعت و روایت بھی کی تھی۔ حدیث کی روایت میں اس کو شیخ فخر الدین محمد بن عبد السلام سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

ابن رقیقہ کا ایک فاضل بھائی معین الدین نامی عربی زبان دانی میں یکتائے وقت عالم اور زبردست شاعر تھا۔ اُس کی ولادت ۵۶۴ھ میں بمقام حینی ہوئی وہیں اُس نے نشو و نما پائی۔ چنانچہ جب وہ اپنے اصلی وطن ہی میں تھا اتفاق سے وہاں کے فرمانروا نور الدین ارتق کو آنکھ کی کوئی بیماری لاحق ہوئی۔ کچھ عرصہ تک شیخ فخر الدین اُس کا معالج رہا۔ لیکن جس وقت شیخ موصوف حینی سے باہر جانے کا عازم ہوا۔ سدید الدین ابن رقیقہ کو اپنا قائم مقام بنا گیا۔ اُس وقت سدید الدین ابن رقیقہ کی عمر بیس سال سے بھی کم تھی۔

سدید الدین ابن رقیقہ نے نور الدین ارتق کی مدت تک خدمت کی۔ اور اُس کے بعد وہ حماۃ کے فرمانروا الملک المنصور محمد بن تقی الدین عمر کے دربار کا طبیب ہو گیا۔ نور الدین ارتق کو چونکہ سدید الدین کے علاج سے بہت جلد شفائے کامل حاصل ہو گئی تھی لہذا وہ اس کی بڑی خاطر کرتا تھا اور بیش قرار وظیفہ اس کے واسطے مقرر کر دیا تھا۔ ملک المنصور کے دربار میں بھی سدید الدین نے بڑا رسوخ پایا۔ اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر بعد میں خلاط چلا گیا جہاں کہ ملک الاوحد نجم الدین ایوب بن ملک العادل کا طبی مشیر مقرر ہوا۔ اس اثناء میں وہ ملک الاوحد کے سالے صلاح الدین بن باغیسان اور اُس کی بہن ملک الاوحد کی ملکہ کا بھی معالج رہا اور دونوں کی سرکاروں سے بیش قرار انعام حاصل کرتا تھا۔

۶۰۹ھ میں ملک الاوحد بعارضۂ ذات الجنب مبتلا ہو کر فوت ہو گیا۔ اُس کی وفات کے بعد سدید الدین بن رقیقہ نے خلاط کو چھوڑ دیا اور میا فارقین میں ملک الاشرف ابو الفتح موسیٰ بن ملک العادل کی خدمت میں جا رہا۔ پھر ۶۳۲ھ میں وارد دمشق ہوا۔ اور وہاں شاہی حرم سرا اور شفاخانۂ اعظم میں علاج کرتا رہا۔ وظیفہ اُس کا برابر ملتا جاتا تھا۔ سدید الدین بن رقیقہ شناخت امراض اور علاج میں بلا کا دماغ رکھتا تھا۔

اُس کی تشخیص معجزہ معلوم ہوتی تھی۔ علم طب پر اُسے وہ قدرت حاصل تھی کہ باید و شاید۔ ابن رفیقہ زندگی کے باقی دن دمشق ہی میں بسر کر کے ۶۵۰ھ میں فوت ہو گیا۔

سدید الدین بن رفیقہ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ لطف المسائل وتحف للسائل۔ اِس کتاب میں ابن رفیقہ نے حنین کی کتاب المسائل اور ابن سینا کی کتاب کلیات القانون کو بحر رجز کے اندر نظم کیا ہے۔ اور بہت سی دیگر ضروری باتیں اس میں درج کی ہیں جو فن طب میں کارآمد ہیں۔

(۲)۔ کتاب مذکورۂ بالا کی شرح۔

(۳)۔ بعض مفید حاشیے۔

(۴)۔ موضحۃ الاشتباہ فی ادویۃ الباہ۔

(۵)۔ الفریدۃ الشاہیۃ والقصیدۃ الباہیۃ یہ قصیدہ اُس نے مقام میا فارقین میں نظم کیا تھا۔ اور دو دن کے اندر اس کو ملک الاشرف موسیٰ بن ملک العادل کے نام پر موسوم کیا ہے۔

(۶)۔ کتاب مذکورہ بالا کی مکمل شرح بھی لکھی ہے۔

(۷)۔ قانون الحکماء و فردوس الندماء۔

(۸)۔ الغرض المطلوب فی تدبیر الماکول والمشروب۔

(۹)۔ مقالہ چند مسائل در بیان حمّیات بطور سوال و جواب۔

(۱۰)۔ ایک قصیدہ فصد کے ذکر میں۔

سدید الدین (دیکھو ابی المنصور)

(۳۲۹) سڈنہم { SYDENHAM Thomas Sydenham } (ڈاکٹر)

ٹامسن سڈنہم ۱۶۲۴ء میں بمقام ون فورڈ انگل پیدا ہوا۔ اُس کی ابتدائی عمر کا حال معلوم نہیں ہے۔ وہ ۱۶۴۲ء میں میگڈلین ہال کالج آکسفورڈ میں داخل ہوا۔ اور شاہ چارلس کے خلاف جنگ میں اُسے پارلیمنٹ کے حامیوں کی حمایت میں ہتھیار اُٹھانے پڑے۔ اُس کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اپنے ایک ڈاکٹر دوست کے کہنے پر طبابت کا پیشہ اختیار کیا تھا۔

خانہ جنگی کے خاتمہ پر وہ میگڈلین کالج کو واپس چلا گیا۔ اور وہاں آل سولز کالج

کا فیلو مقرر کیا گیا۔ ۱۶۴۷ء میں اُس نے ایم۔بی کی ڈگری حاصل کی۔ اور آکسفورڈ ہی میں قیام اختیار کیا۔ یہاں آئے ہوئے اسے ابھی زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ وہ سنگ مثانہ اور وجع المفاصل کے امراض میں مبتلا ہو گیا۔ ان امراض نے عمر بھر اُس کا ساتھ دیا۔

۱۶۶۳ء میں اُس نے "کالج آف فزیشنز" سے سند حاصل کی لیکن ایم۔ڈی کی سند ۱۶۷۶ء میں حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۶۶۶ء میں اُس کی سب سے پہلی تصنیف الموسوم بہ "طریق علاج حمیّات" شائع ہوئی۔ جس میں تپ نوبتی تپ مسلسل اور چیچک کا ذکر ہے۔ اس کتاب کے دیباچہ میں مفصلہ ذیل ہدایات درج ہیں:

(۱)۔ طبیب کو یہ خیال کرنا چاہئے کہ جن بیماروں کا اُسے علاج کرنا ہے اُن کی زندگیوں کا حساب اسے خدا کو دینا ہوگا۔

(۲)۔ طب کو خدا کی حکمت ظاہر کرنے اور ہمجنسوں سے بھلائی کرنے کا ذریعہ بناؤ نہ کہ طمع کا آلہ۔

(۳)۔ مریض کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ کرو۔

اِس کتاب میں اسی قسم کی اور بھی کئی ایک مفید باتیں مندرج تھیں اِس لئے غیر زبانوں میں اُس کے بہت سے ترجمے کر لئے گئے۔ اِس میں علم ادویہ اور علاج کی بابت یہ دو بڑے اصول ظاہر کئے گئے ہیں یہ کہ "قدرت امراض کا علاج کرتی ہے۔ اور ہر ذی روح شے میں شفا کی خاصیت موجود ہے۔" دوسرا یہ کہ "مریض کی زبان گویا علامات ہیں۔ اس زبان سے طبیب جو کچھ سُنے اُسے غور سے سُنے۔"

اِن دو نو گراں بہا اصولوں سے ظاہر ہے کہ ڈاکٹر سڈنہم نے طبیبوں کو کامل مشاہدہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور علاج و معالجہ کا ایک صحیح اور بہترین راستہ یا طریقہ واضح کر دیا ہے۔

۱۶۶۸ء میں اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا گیا جس میں بہت سی ضروری باتیں اضافہ کی گئی تھیں یا اُس کے ساتھ جدید طبی مشاہدات کا ضمیمہ لگایا گیا تھا۔ اس کے بعد اور بھی متعدد ایڈیشن چھپے اور ہر مرتبہ ضروری نوٹ بڑھا دئے جاتے رہے۔ آخر اس طب کے محقق فاضل نے ۱۶۸۹ء میں بمقام لندن انتقال کیا۔

سڈنم نے اپنے کسی ڈاکٹر دوست کو ایک خط لکھا تھا جس میں بہت سی ضروری باتیں تھیں۔اس میں ایک یہ رائے بھی ظاہر کی گئی تھی کہ میں علم طب پر غور وخوض اور مشاہدہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔کہ علم ادویہ کو حاصل کرنے کا مناسب بلکہ انسب طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ اُس کی مشق اور اُس پر عمل کیا جائے۔اسی سے امراض کی صحیح علامات بھی معلوم ہو سکتی ہیں ؀

علاج ومعالجہ کے متعلق سڈنم کا اصول یہ تھا کہ جس قدر کسی طبیب کا تجربہ وسیع ہوگا اُسی قدر وہ عمدہ علاج کر سکیگا۔نیز یہ کہ مرض کی قدرتی ہیئت کو معلوم کرنا چاہئے۔اس لائق مُصنف نے اس خیال کو بھی بہت کچھ وسعت دی ہے کہ" معالج کو مریض کی خواہشوں اور دلچسپیوں کی طرف بھی توجہ کرنی ضروری ہے" مثلاً ایک مریض جو بخار سے جل رہا ہو وہ تھوڑی سی شراب پینا چاہتا ہے۔طبیب اجازت نہیں دیتا،نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سرے سے غذا ہی ترک کر دیتا ہے، حالانکہ علم طب کی رو سے بہتر یہ ہے کہ مریض غذا کھائے۔ بقراط کا یہ قول کس قدر اچھا ہے کہ" جو غذا مریض کی خواہش کے مطابق ہو مگر زیادہ صحت بخش نہ ہو اُسے بدذائقہ اور مفید غذا پر ترجیح دینی چاہیئے" ؀

سڈنم کی تحقیقات امراض کی ماہیت علاج اور غذا پر مشتمل ہیں۔اسی وجہ سے اُس کو" بقراط انگلستان" کہا جاتا ہے ؀

(۳۳۰) سَرجِس (حکیم)

ساکن راس العین۔ایک قول کے اعتبار سے سرجس پہلا شخص تھا جس نے یونانی اطبّاء کی کتابیں سُریانی زبان میں ترجمہ کیں۔وہ بڑا فاضل تھا اور خود اُس کی بھی بہت سی تصنیفات علم طب اور فلسفہ میں ہیں۔اپنے زمانے میں نہایت مستند طبیب مانا جاتا تھا۔اس کی مترجمہ کتابیں وقعت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں ؀

(۳۳۱) سرجس الراسی (حکیم)

مصر کے شہر "راس العین" کا رہنے والا۔ اور بہت سی کتابوں کا مترجم ہے۔ یہ اوسط درجہ کا مترجم تھا۔ حنین اس کے تراجم پر نظر ثانی اور اُن کی اصلاح کیا کرتا۔ چنانچہ جن کتابوں کی حنین نے اصلاح کر دی ہے وہ اعلےٰ درجہ کی بن گئی ہیں۔ اور غیر اصلاح شدہ متوسط درجہ کی ۔

(۳۳۲) سعدالدین بن عبدالعزیز (حکیم)

جلیل القدر حکیم اور امام زمانہ سعدالدین ابو اسحٰق ابراہیم۔ حکیم موفق الدین عبدالعزیز کا فرزند رشید۔ اور صورت وسیرت میں باپ کا مشابہ تھا۔ علم ومعرفت میں سرآمد علماء اور حذاقت میں یکتائے وقت تھا۔ دینداری۔ اور نیک مزاجی میں اپنی آپ نظیر تھا۔ ماہ رمضان میں پورا مہینہ جامع دمشق کے اندر گوشہ نشینی میں بسر کیا کرتا تھا اور اس زمانہ میں کسی سے بات چیت تک نہ کرتا۔ ملک الاشرف موسیٰ بن ملک العادل کے عہد میں حنبلیوں کا جو نیا مدرسہ دمشق کے بازار سوق القمح میں تعمیر ہوا اُس کی نگرانی اسی سعدالدین کو سپرد ہوئی تھی۔ یہ مدرسہ امام مستنصر باللہ عباسی خلیفۂ بغداد کے حکم سے تعمیر ہوا تھا ۔

حکیم سعدالدین علم طب میں علمی اور عملی ہر پہلو سے یگانۂ روزگار شخص تھا۔ اور ہمیشہ علاج کیا کرتا۔ اس کے مطب میں خلق خدا کا ہجوم رہتا تھا ۔

سعدالدین بن عبدالعزیز ۵۸۳ھ میں بمقام دمشق پیدا ہوا۔ اور اپنے علامہ باپ کے زیر سایہ بہترین اصول پر تعلیم وتربیت پائی۔ تحصیل علم سے فراغت اور علم وکمال میں شہرت پاکر بیمارستان کبیر واقع دمشق کا افسر الاطباء مامور ہوا۔ پھر سلطان ملک الاشرف ایوبی کے دربار میں بزمرۂ اطباء ملازم ہوگیا۔ سلطان مذکور حکیم سعدالدین کی نہایت عزت وحرمت کرتا تھا۔ اور بلاد مشرق یعنی ملک شام کے مشرقی حصہ اور

عراق عرب میں جہاں ملک الاشرف کی حکومت تھی۔ اُس کو اپنے ہی پاس رکھتا تھا۔ چنانچہ جس وقت ملک الاشرف نے شہر دمشق پر حملہ کرکے اپنے بھتیجے ملک الناصر داؤد بن ملک المعظم سے یہ شہر لے لیا اور اسی کو اپنا پایۂ تخت قرار دیا اُس وقت حکیم سعد الدین بھی ملک الاشرف کے ہمرکاب دمشق میں آیا اور وہاں رئیس الاطباء مقرر ہوا۔

ملک الاشرف ۴۔ محرم ۶۳۵ھ کو قلعۂ دمشق میں فوت ہوگیا۔ اور اسی سال ماہ جمادی الاولی میں ملک الکامل محمد بن ابی بکر بن ایوب نے دمشق کو اپنے زیر نگیں کرلیا۔ تو اُس نے حکیم سعد الدین کا پورا وظیفہ جو اُس کے بھائی ملک الاشرف کے عہد میں تھا بحال کردیا۔ حکیم سعد الدین تا وقت وفات برابر دمشق ہی میں رہا۔ وہ طب اور دیگر علوم کا درس دیا کرتا تھا۔ اُس نے ۶۴۶ھ میں دنیا سے رحلت کی۔

سعید بن ابی الخیر بن عیسےٰ (دیکھو ابونصر)

(۳۴۳) سعید بن اثردی (حکیم)

ابوالضائم سعید بن ہبۃ اللہ بن اثردی۔ بغداد کے مشہور طبیبوں میں اور بیمارستان عضدی کا ملازم تھا۔ خلیفہ مقتفی لامر اللہ کے عہد میں اُس کو بہت کچھ عزت و جاہ حاصل ہوئی۔

(۳۴۴) سعید بن بطریق (حکیم)

مصر کے قدیم اسلامی پایۂ تخت شہر فسطاط کا رہنے والا۔ مذہباً عیسائی۔ علم اور عمل دونوں کے اعتبار سے فاضل طبیب اور اپنے کام کا عمدہ ماہر تھا۔ اپنا مذہبی علم بھی بہت اچھا رکھتا تھا۔ ۲۶۳ھ میں پیدا ہوا۔ قاہر باللہ فاطمی خلیفہ مصر کے عہد میں اسکندریہ کا بطریرک مقرر ہوکر "اُوتوشیوس" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہ واقعہ ۳۲۱ھ کا ہے اُس وقت سعید بن بطریق کی عمر تقریباً ساٹھ سال کی تھی۔ سات برس چھ ماہ اِس معزز دینی عہدہ پر رہا۔ اس مدت میں اُس کو اپنی قوم کے سخت اختلاف کی وجہ سے

بہت پریشان رہنا پڑا۔ آخر اسکندریہ ہی میں ماہ رجب ۳۲۸ھ کی آخری تاریخ کو بعارضہ اسہال علیل ہو کر دنیا سے گزر گیا ؛

سعید بن بطریق کی تصانیف حسب ذیل ہیں :

(۱)۔ کتاب الطب۔ علم و عمل دونو شعبوں کی ایک بیاض ہے۔ اور طب میں بس اسکی یہی ایک تالیف ہے۔ اسکے علاوہ اور کتابیں دیگر مباحث پر ہیں۔ مثلاً ؛

(۲)۔ کتاب الجدل بین المخالف والنصرانی۔ دینی مباحثہ پر ؛

(۳)۔ کتاب نظم الجواہر تین مقالوں میں۔ یہ بھی عیسائی مذہب کی دینیات سے متعلق ہے۔ اور اس میں مسیحی اصحاب کی مقدس تواریخ۔ تہوار کے دن۔ ان کے پیشرو خلفا اور شاہان معظام۔ بطریرکوں وغیرہ کے حالات زندگی۔ تاریخ ولادت و وفات اور سرگذشت حیات پر سب تفصیل مناسب درج ہے۔ اس کتاب میں ایک ضمیمہ سعید بن بطریق کے بعد اس کے کسی رشتہ دار یحیٰی بن سعید بن یحیٰی نامی نے اور شامل کیا ہے جس کا نام کتاب تاریخ الذیل ہے ؛

(۳۳۵) سعید بن توفیل (حکیم)

مذہباً عیسائی اور ماہر طبیب تھا۔ امیر احمد بن طولون حاکم مصر کا درباری طبیب اور معتمد علیہ تھا۔ سفر و حضر ہر حالت میں اسی کی خدمت کیا کرتا۔ مگر جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے جب ابن طولون سفر شام سے مرض اسہال میں مبتلا ہو کر سخت ضعیف و نزار ہوا۔ اور مصر میں واپس آیا تو سعید کو نظروں سے گرا دیا۔ ہرچند یہ لائق حکیم اسے نیک مشورہ دیتا لیکن ابن طولون اس کی ہدایتوں کے خلاف کر کے اپنی موت کا خود سامان کرتا رہا۔ ایک روز جبکہ امیر کو حرم کی عورتوں کے لئے کسی طبیب کے مقرر کرنے کی ضرورت تھی اس نے سعید بن توفیل سے مشورہ کیا۔ سعید نے اپنے فرزند کو اس خدمت کے لئے پیش کیا جو ایک ہونہار معالج اور خوش شکل نوجوان تھا۔ امیر نے اس کو دیکھ کر کہا۔ "حرم میں ایسے حسین جوان کا کام نہیں۔ وہاں نہایت بدصورت طبیب رکھنا مناسب ہے"

سعید کے پاس ایک بدصورت سیاہ فام خادم تھا جو بعض اوقات دواسازی میں مصروف رہتا۔ سعید نے اُس کو طبیب بنا کر امیر کے حضور میں پیش کر دیا اور ابن طولون نے اِس بدشکل کریہ المنظر کو حرم سرا کا طبیب مقرر کیا۔ اِس شخص کا نام ہاشم تھا۔ ہاشم نے بیگمات کو حُسن افزا اور بال بڑھانے والی، معین حمل اور دیگر عورات کے حسب منشاء دوائیں دے دیکر اپنا ایسا گرویدہ کر لیا کہ آخر وہ اُن کی سفارش سے امیر کا بھی طبّی مشیر بن گیا۔ اور طبعی کمینہ پن کے سبب اپنے محسن آقا سعید بن توفیل کو ضرر پہنچانے پر تُل گیا۔ ابن طولون کو دست کی شکایت بہت دق رکھتی تھی۔ ہاشم نے اُس کو سخت اور قابض غذا کھانے کی رائے دی۔ اِس سے دست تو رُک گئے مگر گرانی شکم پیدا ہوئی۔ سعید نے دوا دی اور پھر اسہال آنے لگے۔ پھر تو ابن طولون اُس پر بہت بگڑا اور اُسے سزائے تازیانہ دلا کر شہر میں تشہیر کیا۔ ابن طولون نے خیال کیا کہ سعید اُس کو دست آور دوائیں دیکر جان سے مارنا چاہتا ہے۔ سعید اس اہانت کی کوفت سے چند روز بیمار رہ کر مرگیا۔ اور اُسی سال سعید کی وفات سے چند ماہ بعد ابن طولون بھی فوت ہُوا۔ سعید کی وفات کا سنہ ۲۶۹ھ تھا۔

(۳۳۶) سَعِید بن عَبدِ رَبِّہٖ (حکیم)

ابو عثمان کنیّت۔ سعید بن عبدالرحمٰن بن محمّد بن عبد ربّہٖ نام۔ سلاطین و خلفائے بنی اُمیّہ اندلس کے خانہ زاد۔ اور مشہور عربی شاعر احمد بن محمد بن عبد ربّہٖ مصنّف کتاب "العقد" کا بھتیجا تھا۔ احمد بن محمد بن عبد ربّہٖ شاعر کی ولادت ماہ رمضان سنہ ۲۴۶ھ میں ہوئی تھی۔ اور وہ ماہ جمادی الاولیٰ سنہ ۳۲۸ھ میں فوت ہُوا۔

سعید بن عبد ربّہٖ فاضل طبیب اور اعلےٰ درجہ کا شیریں کلام شاعر تھا۔ طب میں اُس کی ایک عمدہ نظم بحر رجز میں پائی جاتی ہے جس سے اس کی علمی قابلیّت اور تحقیق مذاہب قدماء کا پتا چلتا ہے۔ علم طبیعیّات، نجوم، اور فلکیات میں بھی خاصہ دخل رکھتا تھا۔ علاج میں اُس کا مذہب یہ تھا کہ بخاروں کے معالجہ میں سرد دواؤں کے ساتھ کسی قدر گرم دوا بھی

ضرور شریک کیا کرتا۔ اُس نے کسی بادشاہ کی طبّی خدمت نہیں کی۔ قبل از وقت بانظہور مرض سے پہلے آدمی کی شکل اور حالت دیکھ کر آئندہ بیماری کا حال معلوم کر لینے میں اُس کی نگاہ بہت گہری تھی۔ آب وہوا کے تغیّرات کا علم بخوبی رکھتا تھا ۰

سلیمان بن ایوّب نامی ایک فقیہ عالم کا بیان ہے کہ وہ بخار میں سخت علیل تھا۔ اور کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا تھا۔ اتفاق سے ایک دن سعید بن عبدربّہ اُس کے مکان کی طرف سے شہر کے حاکم احمد بن عیسٰے کے یہاں جاتا ہُوا گزرا۔ سلیمان کا باپ ایوّب دروازۂ مکان پر بیٹھا تھا۔ اُس نے سعید سے سلام اور مزاج پُرسی کی۔ سعید نے سلیمان کو علیل اور ضعیف دیکھ کر دریافت کیا کہ اس جوان کا کیا حال ہے۔ مرض کی کیفیت بیان کی گئی علاج کی نسبت دریافت کیا وہ بھی بتایا گیا۔ سعید نے کہا کہ یہ علاج غلط ہوا ہے۔ اور اپنے گھر جاکر چودہ گولیاں بھیجدیں کہ ایک گولی روزمرّہ استعمال کی جائے۔ دو ہفتہ میں کامل صحت ہوگئی اور کوئی شکایت باقی نہ رہی ۰

سعید بن عبدربّہ کی تصانیف میں حسب ذیل کتابیں ہیں :-

(۱)۔ کتاب قرابادین ۰ (۲)۔ تعلیقات اور تجرّبات طبیّہ ۰ (۳)۔ ایک قصیدہ طب میں ۰

(۳۳۷) سعید بن ہبۃ اللہ (حکیم)

ابوالحسن۔ سعید بن ہبۃ اللہ بن الحسین۔ فن طب کے ممتاز ماہرین میں۔ اور علوم فلسفہ و حکمت میں فاضل اجل تھا۔ خلیفہ مقتدی بامراللہ کے زمانہ میں اُس کا درباری طبیب رہا۔ پھر مقتدی بامراللہ کے بیٹے خلیفہ مستظہر باللہ کی خدمت میں بھی سربرآوردہ اطبّاء کے شمار میں شامل تھا۔ نہایت نامور اور اچھا معالج مانا جاتا تھا۔ بلکہ اپنے زمانہ کا فرد اکمل ۲۳۰ جمادی الاخریٰ یوم شنبہ ۴۳۶ھ میں پیدا ہُوا۔ ابی العلاء بن التلمیذ۔ ابی الفضل بن یسفات۔ اور عبدان کاتب۔ سے طب۔ فلسفہ۔ اور منطق وغیرہ کی اکثر کتابیں پڑھیں اور فراغت تحصیل کے بعد علوم حکمیہ کے درس و طبّی معالجات میں ایسی شہرت پائی کہ بہت جلد دربار شاہی میں رسائی حاصل کرلی۔ تصنیف و تالیف کے مشاغل سے بھی

خالی نہ رہا۔ بکثرت طبی۔ فلسفی۔ اور منطق کتابیں اُس کی یادگار ہیں۔ ۶۔ ربیع الاولیٰ یوم یکشنبہ ۴۹۵ھ کو (۶۵) سال کی عمر پا کر فوت ہو گیا۔ اُس نے اپنے لائق شاگردوں کی ایک جماعت زندہ یادگار چھوڑی۔ زندگی بھر بیمارستان عضدی واقع بغداد میں اعلےٰ معالج رہا۔

اس کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ کتاب المغنی فی الطب۔
(۲)۔ مقالہ اُن دواؤں کی ترکیب میں جو کتاب المغنی میں بیان ہوئی ہیں۔
(۳)۔ کتاب الاقناع۔ یہ بھی فن طب میں ہے۔
(۴)۔ کتاب التلخیص النظامی۔
(۵)۔ کتاب خلق الانسان۔
(۶)۔ کتاب یرقان کے بیان میں۔
اور چند دیگر کتب۔

(۳۳۸) سقالس (حکیم)

بقراط کے مابعد زمانہ میں جبکہ یونان فن طب کے موجدوں اور مجدّدوں سے خالی تھا۔ اس حکیم نے علاج میں نام پایا اور بقراط کی کتابوں پر شرحیں لکھیں۔

(۳۳۹) سقراط (حکیم)

سقراط۔ سفرونسقس کا فرزند ارجمند تھا۔ یونان کے مشہور شہر "ایتھنز" میں پیدا ہوا۔ اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ بدو شعور سے پاکبازی۔ انصاف پسندی۔ ریاضت۔ نیکدلی۔ خدا پرستی۔ سچائی۔ دنیا سے بےتعلقی۔ اور حلم و بردباری کی مثال رہا۔ تمام زندگی علم و حکمت کی خدمت اور لوگوں کو بت پرستی سے نفرت دلانے میں گذار دی۔ یہی خدا پرستی اُس کی موت کا سبب بنی۔ کیونکہ اُس کی قوم بت پرست تھی اور وہ ہمیشہ اُن کو بتوں کی عبادت سے باز آنے اور ایک بےمثل اور ان دیکھے خدا کی طاعت کرنے کی ہدایت کرتا رہتا تھا۔ بڑے بڑے معزز یونانی سرداروں اور اُن کے دینی پیشواؤں سے اس بارہ میں بحث و مناظرہ کیا کرتا۔ یہاں تک کہ وہ اُسکی

دلیلوں کا جواب دینے سے عاجز رہے تو کھسیانے ہوکر جاہل عوام کو اُس کے خلاف جوش دلایا اور فرمانروائے وقت کو مجبور کیا کہ وہ سقراط کو قتل کردے۔ بادشاہ سقراط کے علم وفضل کا گرویدہ تھا اور چاہتا تھا کہ اس خدا پرست حکیم کو معزز و مکرم رکھے لیکن عام رعایا کی شورش سے ناچار ہوگیا۔ سقراط کو اُن کے خوش کرنے کے لئے قید کردیا۔ اور پھر عوام کی شرارت رد کرنے کے لئے اُسے زہر پلا کر قتل کردیا۔

بادشاہ اور سقراط کے مابین کئی مناظرے ہوئے تھے۔ وہ مناظرات محفوظ رہے سقراط کی پر از حکمت باتیں۔ اُس کے زرّین مقولے۔ نصیحتیں اور وعظ کی تقریریں اُس کے فضل وحکمت پر دال ہیں۔ صفات باری تعالےٰ میں اُس کے آراء کا جوڑ فیثاغورس اور بندقلیس کی رائیں ہیں اختلاف ہے تو صرف اتنا کہ اعتقاد کے بارہ میں وہ کمزور پہلے رکھتا تھا اور اس معاملہ میں اُس کا مذہب نہ تو تحقیقی مذاہب ملتا جلتا تھا اور نہ خالص فلسفی خیالات کا نتیجہ متصور ہوسکتا تھا۔

اہل یونان نے اپنے دستور کے مطابق اُس پر زور ڈالا کہ وہ شادی کرے۔ یونان والے اپنے نامور حکماء کو لاولد اور مقطوع النسل نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ سقراط نے اُن کی بات تو مان لی لیکن شرط یہ قرار دی کہ حد درجہ کی بدمزاج اور جاہل عورت سے عقد کریگا۔ آخر ایسی ہی عورت تلاش کی گئی اور وہ سقراط کے پلّے باندھی گئی۔ آپ بڑی فراخ دلی سے اُس کی بدمزاجی اور غیظ وغضب کو برداشت کرتے تھے۔ اور کہا کرتے کہ عام جاہلوں کی تلخ وترش باتیں سننے کی برداشت یونہی پیدا ہوسکتی ہے۔

حکمت کی قدر ومنزلت اس درجہ تک مدنظر تھی کہ اپنے بعد آنے والے علم دوست شایقین کو اپنے دماغی کارناموں سے محروم رکھا۔ آپ کی رائے میں علم وحکمت کا تقیید تحریر لانا اُس کو خوار کرنے کے برابر تھا۔ کہا کرتے کہ "حکمت ایک مقدس لطیف اور فساد سے بری جوہر ہے اِس لئے اُسے زندہ نفوس ہی میں ودیعت رکھنا لازم ہے اور مردار جانوروں کی کھالوں میں لپیٹنے سے اُس کو ضائع کرنا ہے۔ اسی خیال سے نہ تو کوئی کتاب تصنیف کی اور نہ شاگردوں کو اجازت دی کہ وہ درس کی تقریر

لکھ لیا کریں۔ بس زبانی ہی تعلیم دیتا اور تلامذہ کو حافظہ سے کام لینے کی ہدایت کرتا رہتا۔ درس کا یہ طریقہ سقراط نے اپنے اُستاد طیماتاوس۔ سے سیکھا تھا۔ بچپن میں جب وہ اُس کے پاس پڑھا کرتا تھا ایک دن اُستاد سے کہا کہ آپ کیوں اجازت نہیں دیتے کہ جو کچھ میں آپ کی زبان مبارک سے سُنتا ہوں اُس کو لکھ کر مدوّن کروں "طیماتاوس نے جواب دیا" تم کو مردار جانوروں کی کھالوں پر بڑا اعتماد ہے۔ اور زندہ دلوں سے اتنا اجتناب۔ مان لو کہ تم کو راستہ میں کوئی آدمی ملے اور کوئی علمی مسئلہ دریافت کر بیٹھے تو کیا یہ اچھا ہوگا کہ تم اُس سے کہو" گھر چل کر اور کتابیں دیکھ کر جواب دونگا" ؟ اگر یہ بات پسندیدہ نہیں ہوسکتی تو لازم ہے کہ حافظہ سے کام لو اور علم کو دل و دماغ میں محفوظ رکھو" سقراط نے یہ بات گرہ میں باندھ لی اور اسی پر خود بھی عامل رہا۔ وُہ دُنیا کی بہت کم پروا کرتا تھا اور عیش و راحت کے سامان کا بالکل خواہاں نہ تھا۔

فرمانروایان یونان کی عادت تھی کہ وہ دشمن سے جنگ یا غیر ملکوں پر حملہ کرنے جاتے تو اپنے ملک کے حکماء کو بھی ساتھ لیجایا کرتے۔ اسی دستور کے موافق سقراط بھی ایک بار شاہ یونان کے جلو میں میدان جنگ کی طرف گیا۔ سب تو خیموں اور خرگاہوں میں رہتے مگر آپ ایک آٹے ہوئے کوئیں میں رہتے اور سردی سے بچنے کے لئے رات کو اُس میں گھس جاتے اور صبح کو دھوپ میں نکل بیٹھتے۔ اسی وجہ سے آپ کا نام "سقراط الجُب" مشہور ہوگیا۔ ایک دن اسی طرح کوئیں کے مُنہ پر بیٹھے تھے کہ بادشاہ کا گذر اُس طرف ہوگیا اور وُہ آپ کو اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگا" سقراط! کیا سبب ہے کہ تم ہم سے نہیں ملتے۔ کیوں دربار میں نہیں آتے ؟" سقراط "۔ جہاں پناہ فرصت نہیں کہ حاضر ہوں" بادشاہ " آخر وہ کیا ایسا کام ہے جس سے آپ کو فرصت نہیں ملتی ؟" ۔ سقراط۔" یہی زندگی بسر کرنے کے سامان کی فکریں" بادشاہ " تو پھر ہمارے پاس آؤ یہ سامان وہاں تیار ہے اور تم کو ہمیشہ ملتا رہیگا" سقراط " جہاں پناہ! اگر میں سمجھتا کہ وہ سامان آپ کے

پاس مل جائیگا تو پھر اُسے کیوں چھوڑتا" بادشاہ "میں نے سُنا ہے کہ تم بتوں کی پرستش کو بُرا کہتے ہو؟" سقراط "میں یوں تو نہیں کہتا" بادشاہ "پھر کیا کہتے ہو؟" سقراط "میں تو یہ کہتا ہوں کہ بتوں کی پوجا بادشاہ کو مفید اور سقراط کو مضر ہے۔ کیونکہ بادشاہ اُس کے ذریعہ سے اپنی رعایا پر حکمرانی کرتا اور ملک کا خراج وصول کیا کرتا ہے اور سقراط کو معلوم ہے کہ بتوں کی عبادت سقراط کا اُس وقت تک کچھ بنا بگاڑ نہیں سکتی جب تک کہ وہ ایک رزق دینے والے خالق کا قائل ہے۔ اور مانتا ہے کہ وہ پروردگار اُس کو بدی کی سزا اور نیکی کا ثواب دیگا" بادشاہ "تو پھر تمہیں کچھ ضرورت ہے؟" سقراط "بے شک۔ اور وہ یہ کہ آپ اپنے گھوڑی کی باگ موڑ کر میرے پاس سے تشریف لے جائیں۔ آپ کے سپاہیوں نے میری دھوپ روک لی ہے" بادشاہ حکیم کا یہ استغنا دیکھ کر متحیر رہ گیا اور اُس کے لئے خلعت فاخرہ اور زر نقد منگوا کر پیش کیا۔ سقراط نے ریشم اور دیبا کے کپڑے اور زر و جواہر کی کشتیاں دیکھ کر بادشاہ سے کہا "حضور والا وعدہ تو آپ نے یہ کیا تھا کہ زندگی قائم رکھنے کا سامان عطا کرینگے مگر دیتے ہیں وہ چیز جو موت کی نشانی ہے۔ سقراط کو کنکر پتھر اور کیڑوں کے لعاب کی کوئی حاجت نہیں۔ اُس کو جس چیز کی ضرورت ہے۔ وہ ہر جگہ اُس کے پاس موجود ہے ؎

سقراط کی گفتگو رمز و کنایہ کے طور پر ہوا کرتی تھی۔ اس امر میں فیثاغورس کا پیرو تھا مثلاً اُس کا قول ہے "میں نے حیات کی علت تلاش کرتے وقت موت کو پایا۔ اور جب موت کو پالیا تو مجھے معلوم ہؤا کہ میرے حق میں کس طرح زندگی بسر کرنا مناسب تھا" مطلب یہ ہے کہ جو شخص خداپرستی کی زندگی حاصل کرنا چاہے اُس پر واجب ہے کہ پہلے ظاہری افعال اور خواہشوں سے اپنے بدن کو مُردہ بنالے یعنی پاک کر ڈالے اور اپنی طاقت کے اندر جہاں تک اُس سے ہو سکتا ہے نفس کُشی اور ریاضت کرے۔ پس ایسی صورت میں وہ حق پرستی کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہوگا۔ اور اسی طرح اور بہت سے مقولے اُس سے منقول ہیں ؎

سقراط کے معاصرین نے اُس سے بُت پرستی کے بارہ میں دریافت کیا کہ یہ کیسی چیز ہے تو اُس نے کہا "بہت بُری چیز ہے۔ خبردار بت پرستی کے پاس نہ جانا۔ اس مذموم عادت کو ترک کرو۔ عبادت کے لائق خدائے واحد کی ذات ہے۔ جس نے تمام دنیا کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا وہ صاحب حکمت اور ہر شے پر قادر ہے۔ خود اپنے ہاتھ سے تراشا اور گھڑا ہوا پتھر جو نہ بولتا ہے اور نہ دیکھتا اور سنتا ہے۔ اور نہ اُسے کسی چیز کا احساس ہے۔ کب اس قابل ہے کہ اُس کی پرستش کی جائے" سقراط نے لوگوں کو نیکی اور اچھے کام کرنے پر ترغیب دلائی۔ اچھی باتوں کی ہدایت کی اور بُرے کاموں سے منع کیا۔ اُس زمانہ کے کاہنوں اور دینی ارکان کو سقراط کی دعوت کا علم ہُوا۔ اور وہ آگاہ ہوئے کہ سقراط بُت پرستی کا دشمن ہے اور لوگوں کو اس سے باز رکھتا ہے تو اُنہوں نے اُس کے واجب القتل ہونے کا فتوٰے صادر کر دیا۔ سقراط کے قتل کا فتوٰے ایتھنز کے گیارہ قاضیوں نے دیا تھا۔ اُس کو قونیوں نامی زہر پلایا گیا۔ قاضیوں نے سقراط کو واجب القتل قرار دیا تو بادشاہ کو یہ بات سخت گراں گذری لیکن اُس کی مجال نہ تھی کہ قاضیوں کے حکم کی خلاف ورزی کرتا لہذا اُس نے سقراط سے دریافت کیا کہ وہ کس طریقہ سے قتل ہونا پسند کرتا ہے۔ سقراط نے زہر پی کر جان دینا پسند کیا اور بادشاہ نے اُس کی خواہش منظور کر لی۔

اہل ایتھنز کا معمول تھا کہ وہ ہر سال ایک جہاز تحائف سے بھر کر اپولوں دیوتا کے مندر پر نذر چڑھانے کے لئے روانہ کیا کرتے تھے اور جب تک وہ جہاز واپس نہ آتا ایتھنز والے کسی مجرم کو قتل یا کوئی اور کام نہیں کیا کرتے تھے سقراط واجب القتل قرار پاکر قید کر دیا گیا کیونکہ جہاز دیوتا کے مندر کو گیا تھا اور باد مخالف وطوفان نے اُس کی واپسی میں بہت دیر لگا دی اس لئے سقراط عرصہ تک قید رہا۔ اُس کے شاگرد اور معتقدین زنداں خانہ میں اُس سے ملنے جایا کرتے تھے اور وعظ و حکمت کی باتیں سُنا کرتے۔ تلامذہ علمی مسائل حل کرتے رہتے اور اس خیال سے کہ اب اس حکیم اُستاد زمانہ کا اخیر وقت بہت قریب ہے کمال رنج والم

اُن کے دلوں پر چھایا ہوا تھا۔ ایک دن شاگردوں کا گروہ حسب معمول زندان خانہ میں گیا۔ اُن میں سے اقریطون نامی ایک شاگرد جو سقراط کا نہایت عزیز خیرخواہ تھا اُس نے کہا کل یا پرسوں جہاز واپس آجائیگا۔ میں نے بمشکل ان محافظوں اور جیل کے پاسبانوں کو رشوت دیکر راضی کر لیا ہے کہ آپ کو خفیہ طور سے بھگا کر شہر "رومیہ الصغریٰ" اور وہاں پہنچ کر ہم اہل ایتھنز کے قبضہ سے باہر ہو جائینگے۔" سقراط نے جواب دیا "تم کو بخوبی معلوم ہے کہ میرے پاس چارسو روپیوں کی رقم نہیں ہے۔" اقریطون "ہم یہ کب کہتے ہیں کہ آپ روپے کا انتظام کریں اور قرض دام سے جس طرح ممکن ہو ہم پہنچائیں۔ ہماری دولت کس کام آئیگی۔ ہم بخوشی آپ پر اپنا تمام مال قربان کرنے کو تیار ہیں۔" سقراط "اقریطون! یہ شہر میرا وطن ہے اور مجھ پر جو ظلم ہو رہا ہے وہ اپنے ملک والوں اور بھائی بندوں کی طرف سے ہے۔ تم بخوبی جانتے ہو کہ میں کوئی مجرم نہیں۔ نہ میں نے خون کیا ہے۔ نہ چوری اور بدکاری کا مرتکب ہُوا ہوں۔ صرف اس وجہ سے کہ اہل ملک کو ظلم و بدکاری سے منع کرتا۔ بتوں کی پوجا سے باز رکھنا چاہتا اور خدائے واحد کی عبادت پر متوجہ بناتا ہوں۔ اُنھوں نے میرے قتل کا فتوےٰ دیدیا ہے۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ میں جہاں کہیں بھی جاؤنگا اِس عادت کا مجھ سے چھوٹنا غیر ممکن ہے۔ تو ایسی حالت میں رومیہ کے لوگ میرے ساتھ کب رعایت کرینگے۔ جبکہ خود میرے اہل وطن میرے دشمن ہو گئے تو غیر بدرجہ اولیٰ مخالف اور دشمن جان ہونگے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ میں اپنوں کے ہاتھ سے مارا جاؤں اور غیروں کی ایذا نہ اُٹھاؤں۔"

اقریطون "خیر اگر آپ اپنی جان عزیز نہیں رکھتے تو کم از کم اپنے بال بچوں ہی پر رحم کریں۔ آپ کے بعد اُن کا پرساں حال کون ہوگا؟"

سقراط "وہ رومیہ بھیج دئے جائیں تو وہاں اُن کی خبر کون لیگا۔ یہاں میں نہ ہونگا تو تم لوگ موجود ہو اور مجھے یقین ہے کہ اُن کی دستگیری کروگے۔"

تیسرے دن صبح سویرے ہی سقراط کے شاگرد اُس کے پاس آپہنچے۔ اُن کے

آنے کے کچھ دیر بعد داروغۂ جیل خانہ بھی آگیا اور گیارھوں قاضی بھی آموجود ہوئے۔ قاضی دیر تک سر جھکائے سقراط کے پاس کھڑے رہے اور پھر باہر چلے گئے۔ داروغۂ جیل نے سقراط کی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں کھول دیں۔ اور اُسکے شاگردوں کو اُستاد سے آخری ملاقات کی اجازت دیدی۔ شاگردوں کی جماعت آئی اور سقراط کو حلقہ میں لے کر بیٹھ گئے۔ سقراط پلنگ سے اُتر آیا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنی پنڈلیاں کھول کر اُنہیں ہاتھوں سے ملا اور پھر کپڑے سے مضبوط باندھ دیا۔ اور جب اس کام سے فارغ ہوگیا تو کہا "خدا کی مرضی کے بھی کچھ عجیب کھیل ہیں۔ اُس نے ایک دوسرے کی مخالف چیزوں میں باہم یوں فرق کیا ہے کہ ایک دوسرے کی فاصل اور جدا بنانے والی ہے۔ کوئی آرام ایسا نہیں جس کے بعد تکلیف نہ ہو اور ہر تکلیف کے بعد راحت کا ہونا بھی یقینی ہے" سقراط کی اس بات پر علمی بحث شروع ہوگئی سیمیاس۔ اور فیدون نے اُس سے افعال نفس کے متعلق سوالات کئے اور سقراط نے تقریر آغاز کی۔ اُس وقت سقراط اپنے معمول کے مطابق تقریر کر رہا تھا۔ رنج اور خوف کی کوئی علامت اُس کے بشرہ سے عیاں نہ تھی۔ وہ بڑے اطمینان سے علمی مسائل کی تشریح کرتا رہا۔ اثنائے گفتگو میں ظرافت اور مذاق کی چاشنی بھی آتی جاتی تھی۔ لوگ سقراط کی جرأت اور دل کی مضبوطی کے قائل ہوگئے اُن کو حیرت تھی کہ اس شخص کو موت کا کچھ بھی ہراس نہیں اور اُس کے اخلاق میں ذرا بھی فرق نہیں آیا ہے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اُس کے قتل کا حکم صادر ہی نہیں ہُوا ہے۔ مگر سقراط کے شاگردوں کے دل رنج سے بھرے تھے۔ آخر سیمیاس نے کہا کہ "اس وقت جبکہ آپ مہیائے مرگ ہو رہے ہیں۔ آپ سے باریک علمی مسائل دریافت کرنا بُرا معلوم ہوتا ہے اور سخت نامناسب حرکت ہے لیکن چپ رہنے میں سخت حسرت رہ جائیگی کیونکہ کل کو ہماری تسکین و تشفی کرنے والا خاک میں مل گیا ہوگا"

سقراط نے جواب دیا "سیمیاس۔ تم کو جو کچھ دریافت کرنے کی ضرورت ہو بلا تامل پوچھو۔ میں اس بحث سے نہایت خوش ہوتا ہوں۔ تحقیق حق سے بہتر

کوئی بات نہیں۔ اور میرے نزدیک سب حالتیں یکساں ہیں اس حالت اور دوسری حالت میں مجھ کو اظہار حق کے لیئے کوئی فرق نہیں نظر آتا۔ اگرچہ اب میں بہت سے شریف نیکدل اور خوش اخلاق دوستوں سے جدا ہوجاونگا لیکن اگر تم مجھ سے سنی ہوئی باتوں کے معتقد اور یقین کرنے والے ہو تو سمجھ رکھو کہیں یہاں سے جاکر اُن دوسرے نیک صفات۔ معزز۔ اور فاضل بھائیوں سے ملونگا جن کے نام "ارسلاوس"۔ ایارس۔ اور ارفلیس۔ ہیں اور تمام وہ بے مثل حکیم جو مجھ سے پہلے گزر گئے ہیں اب مجھے اُن کی ملاقات کا حظ حاصل ہوگا*

نفس کے بارہ میں گفتگو ختم ہوچکی تو شاگردوں نے سقراط سے دُنیا کی ہیئت آسمانوں کی حرکتوں۔ اور اسطقسات کی ترکیب کے بابت دریافت کیا۔ اور سقراط بڑے اطمینان کے ساتھ اُن کے تمام سوالوں کے جواب دیتا گیا۔ پھر اُس نے بہت سے علم الٰہیات اور اسرار خداوندی کے قصے اُن لوگوں سے بیان کیئے اور اس سے فارغ ہو کر کہا "اچھا اب ہمارے غسل کرنے کا وقت آگیا ہے۔ جس کے بعد ہم نماز پڑھینگے اور مناجات کرینگے۔ یہ مناسب نہیں کہ دوسروں کو غسل میت کی تکلیف دیں دیکھو آرماتی ہم کو بلاتا ہے۔ وہ زاوس ہمارے استقبال کو آرہا ہے۔ اب تم سب واپس جاؤ اور اپنے گھروں میں جاکر آرام کرو" یہ کہہ کر اُٹھا اور ایک مکان میں داخل ہوکے غسل کیا۔ پھر نماز پڑھی اور دیر تک دعا و مناجات میں مصروف رہا۔ باہر لوگوں کا مجمع حسرت بھرے دل سے آنے والی مصیبت کا انتظار کرتا اور یہ خیال کرکے کہ اب کچھ دیر میں ایسا لائق اور دانا حکیم اُن کے ہاتھوں سے نکل جائیگا جو اُن پر باپ کی طرح مہربان تھا اور اُن کے دماغوں اور عقلوں کو جہالت و بد اخلاقی کے زنگ سے پاک کیا کرتا تھا۔ وہ روتے تھے کہ اب ہم یتیم ہونے والے ہیں۔ اور ہمارا روحانی باپ ہم سے جُدا ہوتا ہے*

سقراط نماز و دعا سے فارغ ہو کر باہر آیا۔ وہ بالکل مطمئن تھا۔ اُس نے اپنی بیوی اور بچوں کو بلایا۔ اُنہیں صبر و سکون سے کام لینے کی نصیحت کی سقراط کا ایک

بڑا لڑکا جوان تھا اور دو چھوٹے بچے تھے۔ انہیں وصیت کرکے گھر جانے کا حکم دیا تو اقریطون نے کہا "آپ ہم کو اپنے بچوں اور گھر والوں کے لئے کیا حکم دیتے ہیں؟" سقراط نے جواب دیا "میں تم کو کسی نئی بات کی ہدایت نہیں کرتا۔ اب بھی وہی کہتا ہوں جو ہمیشہ کہتا رہا۔ اپنے نفس کے اصلاح کی کوشش کرنا۔ اگر تم اس کام میں پورے اُترے تو مجھ کو بھی خوش بناؤ گے اور خود بھی مسرور رہو گے۔" پھر وہ سر جھکا کر دیر تک خاموش رہا اور اُس کے ساتھ حاضرین پر بھی سناٹے کا عالم چھا گیا۔ اسی حالت میں گیارہ ججوں کا خادم آگے بڑھا اور اُس نے سقراط سے کہا "سقراط میں دیکھتا ہوں کہ اس حالت میں بھی تمہارا دل نہایت مضبوط ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ میں تمہاری موت کا سبب نہیں ہوں بلکہ تمہارے قاتل یہ گیارہ جج ہیں اور میں مجبور اور حکم کا بندہ ہوں میں سچ کہتا ہوں کہ جتنے آدمی اس جگہ میں میرے سامنے آئے اُن میں مجھے تم سب سے افضل اور محبوب ہو۔ اب تم ہنسی خوشی دوا پی لو اور اُس کی تکلیف و بیچینی کو صبر کے ساتھ برداشت کرو۔" یہ کہتے ہوئے جلاد کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ واپس چلا گیا۔ سقراط نے اُس سے کہا "تم کو کچھ بھی الزام نہیں دیا جاتا تم جس کام پر مامور ہو اُسے پورا کرو۔" یہ کہہ کر سقراط ذرا دیر خاموش رہا اور پھر اقریطون کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اس آدمی سے کہدو کہ موت کا پیالہ لائے۔" اقریطون نے ایک لڑکے کو اشارہ کیا کہ جلاد کو بلا لائے اور جلاد زہر کا پیالہ ہاتھ میں لئے ہوئے آموجود ہوا۔ سقراط فوراً پیالہ اُس کے ہاتھ سے لیکر پی گیا۔ اور حاضرین یہ دیکھ کر کہ اُن کے محبوب حکیم نے زہر کا پیالہ پی لیا ہے رونے لگے۔ سقراط اُن کو ملامت اور فہمائش کرنے لگا اور اُس نے کہا "میں نے عورتوں کو یہاں سے اسی لئے ہٹا دیا کہ وہ نوحہ و زاری کرینگی۔ اور اب تم لوگ اُن کے نائب بنتے ہو۔" حاضرین شرما کر چپ تو ہو گئے مگر رنج و غم کی آگ سے اُن کے دل جل رہے تھے۔ سقراط کچھ دیر ٹہلتا رہا اور پھر بولا کہ میرے دو نو پیر بوجھل ہو گئے ہیں جلاد نے کہا لیٹ جایئے اور جلاد اُس کے پیر دبانے لگا اُس نے سقراط سے دریافت کیا کہ پیروں کا دبانا تم کو محسوس ہوتا ہے یا نہیں؟ سقراط نے

کہا" نہیں" پھر اور زور سے دبا کر پوچھا کہ اب کچھ معلوم ہوا جواب ملا کہ نہیں۔ اب سقراط کا بدن دم بدم سرد ہونے لگا۔ اور جلاد نے اُس کے شاگردوں سے کہا کہ اس ٹھنڈک کا اثر دل تک پہنچتے ہی حکیم کا دم فنا ہو جائیگا۔ اقریطون نے اُس سے سوال کیا کہ" امام حکمت! ہماری عقلوں سے آپ کی عقل بہت رسا ہے اِس لئے کچھ ہم کو نصیحت فرمائیے" سقراط نے کہا" وہی حکم جو میں تم کو پہلے دے چکا ہوں اب بھی اُسی کی تاکید کرتا ہوں" اور اپنا ہاتھ بڑھا کر اقریطون کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اقریطون نے فاضل اُستاد کا ہاتھ اپنے گال پر رکھ کر کہا" پیارے اُستاد! آپ جو کچھ چاہتے ہوں ہمیں اُس کا حکم دیں" سقراط کی زبان بند ہو چکی تھی۔ وہ بول نہ سکا اور آنکھیں پھیلا کر اقریطون کو دیکھتا رہا پھر اُس نے کہا" میں نے حکیموں کی جان نکالنے والے کو اپنی جان بھی سپرد کر دی" اور اسی جملہ کے ساتھ وہ حکیم دُنیا سے چل بسا۔

اقریطون نے اُس کی آنکھیں بند کر دیں اور ڈھاٹا باندھ دیا۔ افلاطون بوجہ بیماری کے اس موقع پر موجود نہ تھا۔ باقی شاگردوں کا گروہ حاضر تھا اور وہ سب اس مصیبت کی وجہ سے رو رہے تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت سقراط مرا ہے اُس وقت خاص اُس کے شاگرد اور شاگرد در شاگرد بارہ ہزار تھے۔

سقراط کا حُلیہ یہ تھا سفید مگر کسی قدر بھورا رنگ۔ کرنجی آنکھیں۔ چوڑی ہڈیاں بدصورت۔ سینہ تنگ۔ جسم بھدّا اور سُست مگر جواب دینے میں بلا کا تیز تھا داڑھی گھنی اور پیچدار تھی۔ زیادہ لنبی بھی نہ تھی۔ اُس سے کچھ پوچھا جاتا تو ٹھوڑی پر سر جھکا کے غور کرتا اور پھر ایسے الفاظ میں جواب دیتا کہ سائل کی تسکین ہو جاتی۔ تنہائی کو بہت پسند کرتا۔ کھانے پانی کی اُس کو بہت کم پرواہ ہوتی۔ عبادت بکثرت کیا کرتا اور موت کی یاد ہر وقت تازہ رکھتا تھا سفر کی کم عادت تھی۔ ریاضت میں بیحد کوشش کرتا رہتا۔ لباس ادنے قسم کا پہنتا۔ مگر اُس کی گفتگو دلنشین ہوتی اور سامع کو رعب میں لے آیا کرتی تھی۔ کلام مسلسل ہوتا تھا اور اُکھڑی اُکھڑی باتیں نہیں کیا کرتا تھا۔ سقراط کی مدّت زندگانی کی نسبت مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول

ہے کہ وہ ایک سو سال سے بھی اونچی عمر پاکر زہر سے فوت ہوا۔ اور حکیم افلاطون کی کتاب میں سقراط کی آخری تقریر درج ہے جو اُس نے اہل ایتھنز کے روبرو کی تھی اور وہ گویا قطع حجت تھی۔ اس تقریر میں خود سقراط نے کہا ہے۔ کہ "میری عمر ستر سال کی ہوگئی ہے" اور چونکہ یہ قطع حجت کی گفتگو سقراط کی وفات سے کچھ ہی دن پہلے ہوئی تھی لہٰذا قیاس کیا جاتا ہے کہ اُس نے ستر یا اکہتر سال کی عمر پائی۔ تیسرا قول حنین بن اسحٰق کا ہے اور وہ کہتا ہے کہ سقراط اور افلاطون نے قریب قریب عمر پائی تھی اور یہ اُس کے بیان کے رو سے افلاطون کی عمر اسّی سال کی ہوئی تھی ۔

سقراط کی انگشتری پر یہ قول منقوش تھا "جس کی نفسانی خواہش اُس کی عقل پر غالب آجائیگی وہ رسوا ہوگا" سقراط کی حکمت آمیز باتیں بہت ہیں۔ اُن میں سے دو چار حکمتیں نمونہ کے طور پر یہاں لکھ دی جاتی ہیں۔ کہتا ہے "جس شخص کو دنیا کا فانی ہونا معلوم ہوگیا ہو اُس کی بابت سخت تعجب ہوتا ہے کہ پھر دنیا اُسے غیر فانی چیز (یعنی آخرت) سے کیونکر غافل و بے پروا بنا دیتی ہے"۔ چھ آدمی ہمیشہ رنجیدہ اور متردد رہتے ہیں۔ کینہ ور۔ حاسد۔ نیا دولتمند۔ فقر سے ڈرنے والا مالدار۔ کسی مرتبہ کا طالب جو اُس رتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور ادب لوگوں کا بے ادب ہمنشین"

"عقلیں خدا کی دین ہیں۔ اور علوم اپنی محنت سے حاصل ہونے والی چیزیں"

"انسان اُس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اُس کا دشمن اُس پر اعتماد نہ کرے لیکن اگر اُس کی یہ حالت ہو کہ دوست بھی اُس سے بے خوف نہ رہے تو اُسے کمال کیونکر حاصل ہو"

"عقلمند کو جاہل سے یوں باتیں کرنی چاہئیں جیسے کہ طبیب بیماروں سے باتیں کرتا ہے"

سقراط سے سوال ہوا کہ "سب سے بڑھکر مزہ دار چیز کیا ہے؟" اُس نے جواب دیا

"ادب سے فائدہ حاصل کرنا اور ایسی خبر کا سُننا جو پہلے کبھی نہ سُنی ہو"

"خوش اخلاق ہمیشہ خوش و خرّم اور مصیبت سے بچا رہتا ہے"

عورتوں کے بارہ میں سقراط کی رائے دریافت کی گئی تو اُس نے کہا "وہ

کنیر کے درخت سے مشابہ ہیں۔ دیکھنے میں خوشنما اور دلفریب مگر کھاؤ تو زہر قاتل۔
تصانیف کے بارہ میں سقراط کی جو رائے تھی اُس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اِس لئے اُس نے بہت ہی تھوڑی کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں۔ ایک رسالہ جو اُس نے اپنے بھائیوں کے نام فلسفہ اور سُنّت (قانون قدرت) کا باہم قیاس کرنے کے بارہ میں لکھا تھا۔ کتاب معاتبۃ النفس۔ ایک مقالہ سیاست میں اور کہا گیا ہے کہ عمدہ عادت کی صفت میں بھی اُس کا ایک رسالہ لکھنا صحیح ثابت ہوا ہے ۔

(۳۴۰) سفراطس طبیب (حکیم)

بقراط کے زمانہ سے بعد اور عہد جالینوس سے پہلے یونان میں اُس کو شہرت حاصل تھی ۔

(۳۴۱) سکرۃ الحلبی (حکیم)

حلب کا رہنے والا مذہبًا یہودی۔ اور پستہ قامت شخص تھا۔ علاج میں اُس کو نہایت مہارت تھی اور مرض کی خوب تشخیص کرتا تھا۔ ملک العادل نورالدین محمود بن زنگی کی ایک کنیز نہایت حسینہ وجمیلہ تھی۔ سلطان کا دل اُس پر مائل تھا۔ اتفاق سے جب سلطان حلب میں تھا وہ کنیزک سخت بیمار ہوئی اور درباری اطباء کا علاج کارگر نہ ہو سکا۔ سلطان نے کنیزک کو دمشق بھیج دیا اور وزراء کو حکم لکھ بھیجا کہ اُس کا علاج کمال توجہ سے کیا جائے۔ اتفاق سے سکرہ بھی دیگر اطباء کے ہمراہ مریضہ کو دیکھنے گیا اور جب اور طبیب واپس چلے گئے تو سکرہ نے مریضہ کو تنہا دیکھنے کی درخواست کی۔ تنہائی میں اُس سے جان کی امان لیکر اُس کا مولد ومسکن اصلی دریافت کیا اور معلوم کرلیا کہ وہ اپنے وطن میں گوشت گاؤ کھانے اور نبیذ پینے کی عادی تھی۔ سکرہ نے اُسے اطمینان دلایا کہ تین دن میں آپ اچھی ہوجائینگی۔ اور گھر آکر ایک فربہ گوسالہ ذبح کیا جس کا گوشت بھون کرلے گیا اور مریضہ کو کھلایا۔ بعدازاں

اُسے نبیذ پلائی۔ اور تین دن یہی عمل کیا۔ کنیزک کی صحت بالکل بحال ہوگئی اور اُس نے سکرہ کی سفارش سلطان کو لکھ بھیجی۔ چنانچہ سلطان نے سکرہ سے خوش ہوکر اُسے معافی اور جاگیر عطا کی جس کی وجہ سے وہ فکر معاش سے فارغ البال ہوگیا اور باقی زندگی آرام سے بسر کرتا رہا۔ یہی جاگیر ورثتاً اُس کی اولاد میں پشتہا پشت تک منتقل ہوتی گئی اور وہ امیرانہ زندگی بسر کرتے رہے۔

(۳۴۲) سلامۃ بن رحمون (حکیم)

ابوالخیر سلامۃ بن مبارک بن رحمون بن موسیٰ مصر کے فاضل اطبّاء میں شمار ہوتا ہے۔ یہودی تھا۔ فن طب میں اُس کے کارنامے قابل قدر ہیں۔ افرائیم کا شاگرد رشید تھا۔ اور مدت تک اُس کے ساتھ مطب میں بیٹھا تھا۔ منطق اور علوم حکمیہ میں بھی دستگاہ رکھتا تھا۔ اس فن میں وہ امیر مبشر بن فاتک کا شاگرد تھا۔ مغرب کا نامور طبیب اور فیلسوف ابی الصّلت مصر میں آیا تو سلامۃ بن رحمون سے اُس کا علمی مباحثہ ہُوا تھا۔ اس مباحثہ کا ذکر ابوالصّلت نے اپنی کتاب الرسالۃ المصریہ میں کیا ہے۔

ابوالصلت نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ مصر میں آیا ہے اُس وقت وہاں ایک اور طبیب جرجس فیلسوف نامی انطاکیہ کا باشندہ بھی اُسے ملا تھا۔ اگرچہ جرجس کوئی ذی علم اور حقیقت عالم و حکیم نہ تھا۔ لیکن اُس کی لفاظی کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اور جاہلوں کو اپنے کمال کا خوب قائل بنا لیا کرتا تھا۔

سلامۃ بن رحمون کی تصانیف یہ ہیں:-

(۱)۔ کتاب نظام الموجودات۔
(۲)۔ مقالۃ فی السبب الموجب لقلۃ المطر بمصر۔
(۳)۔ مقالۃ فی العلم الالٰہی۔
(۴)۔ مقالۃ فی خصب ابدان النساء بمصر عند تناہی الشباب۔

(۳۴۳) سلمویہ بن بنان (حکیم)

خلیفہ معتصم باللہ عباسی کا خاص طبیب تھا۔ اس کو دربار معتصم میں بیحد رسوخ حاصل تھا جس قدر احکام و فرامانت خلیفہ صادر کرتا وہ اسی کے قلم سے لکھے ہوتے تھے۔ وہ اپنے زمانہ کا بہت بڑا ذی علم طبیب تھا۔ خلیفہ معتصم اس کو بہت دوست رکھتا تھا۔ جس وقت سلمویہ مرض الموت میں مبتلا ہوا تو خلیفہ خود اُس کی عیادت کو گیا اور رو کر دریافت کرنے لگا کہ آپ کے بعد میری تندرستی کی تدبیر کون کریگا۔ سلمویہ نے جواب دیا کہ آپ کو علاج کی ضرورت ہو تو یوحنا بن ماسویہ سے مشورہ کیجیئےگا۔ مگر وہ بڑا فضول گو ہے۔ جو کچھ بتائے اُسے ذرا سوچ سمجھ کر استعمال فرمائیگا۔ سلمویہ چند روز میں فوت ہو گیا۔ خلیفہ معتصم نے اُس کا جنازہ محل میں منگا کر عیسائی طریقہ پر اُس کی نماز اپنے سامنے پڑھوائی اور پھر مدفن کو بھیج دیا۔ معتصم کو سلمویہ کی موت کا اتنا صدمہ تھا کہ اُس نے ایک دن رنج کے مارے کچھ کھایا پیا نہیں ۔

سلمویہ کے بعد اُس کے حسب ہدایت یوحنا بن ماسویہ کو اُس نے اپنا طبی مشیر مقرر کیا لیکن اُس سے علاج بن نہ آیا اور خلیفہ کی تندرستی خراب ہو چلی چنانچہ بیس ہی دن بعد وہ فوت ہو گیا ۔

(۳۴۴) سلیمان ابوبکر بن تاج (حکیم)

خلیفہ ناصر اموی کے عہد میں درباری طبیب تھا۔ علاج میں دستگاہ رکھتا تھا اور اس کی دربار رسی کا وسیلہ یہ ہوا کہ خلیفہ کو آشوب چشم ہوا تھا۔ کسی ذریعہ سے اس کے علاج کی نوبت آئی اور سلیمان نے اپنی بنائی ہوئی شیاف سے ایک ہی دن میں اچھا کر دیا۔ خلیفہ نے صحت کے بعد چاہا کہ شیاف کا نسخہ اُس سے لے لیکن سلیمان راضی نہ ہوا اسی طرح ایک اور شاہی افسر کو ضیق النفس کی سخت شکایت تھی۔ تمام اطباء کے علاج سے کوئی نفع نہ ہوا تھا۔ مگر سلیمان نے ایک لعوق کھلا کر اُس کو بالکل تندرست کر دیا۔ در دیگر

کا علاج وہ اپنی بنائی ہوئی خاص گولیوں سے ایسا نادر کرتا تھا کہ پھر شکایت باقی ہی نہیں رہتی تھی۔ اور فوراً افاقہ ہوجاتا تھا۔ ایسے ہی نادر نسخے اُس کے پاس تھے۔ لیکن وہ اُن کو عیب سے بھی زیادہ مخفی رکھتا اور کسی پر ظاہر نہ کرتا۔ اخیر وقت میں اُس کو ایک ایسی بیماری ہوئی کہ اُس کی وجہ سے وہ مجبور ہوگیا اور اُسے اپنا عُضو تناسل کٹوا ڈالنا پڑا۔ اس مرض میں وہ اپنی کمزوری پر اچھی طرح واقف ہوگیا اور اُس نے سمجھ لیا کہ قدرت ایزدی کے سامنے بندہ بالکل لاچار ہے ٭

(۳۴۵) سَمَوْأَل (حکیم)

سموأل بن یحییٰ۔ بن عباس المغربی۔ علوم ریاضیہ کا فاضل۔ فن طب کا عالم۔ اور در اصل ممالک مغرب کا رہنے والا تھا۔ ایک مدت تک بغداد میں سکونت رکھنے کے بعد پھر ملک عجم کی طرف چلا آیا۔ اور اخیر عمر تک وہیں رہا۔ سموأل کا باپ یحییٰ بھی علوم حکمیہ کا ماہر تھا۔ شیخ موفق الدین عبداللطیف بغدادی مؤرخ کہتا ہے کہ "یہ سموأل بغداد کا ایک یہودی نوجوان تھا۔ بغداد میں مشرف باسلام ہوگیا۔ اور اس نے جوانی ہی کی عمر میں بمقام مراغہ وفات پائی۔ علم الاعداد (حساب) کا بے نظیر عالم تھا اور اپنے زمانہ کا یکتا فاضل نہایت تیز ذہن تھا۔ فن جبر و مقابلہ میں امام وقت ہوا ہے۔ اس کا قیام دیار بکر کے علاقہ میں اور آذربائیجان میں زیادہ رہا۔ اس کے متعدد رسائل علم جبر و مقابلہ میں پائے جاتے ہیں۔ جن میں اس نے ابن الخشاب نحوی پر چوٹیں کی ہیں۔ ابن الخشاب سموأل کا ہم عصر تھا اور وہ بھی حساب اور جبر و مقابلہ میں اچھی معلومات رکھتا تھا۔"

جمال الدین ابن القفطی کا بیان ہے کہ "سموأل جس وقت افریقہ سے سرزمین ایشیا میں داخل ہوا۔ تو پہلے ملک آذربائیجان میں گیا اور وہاں "پہلوان" اور اُس کے خاندان کی حکومت و امارت کی خدمت کرتا رہا۔ اس کا قیام شہر مراغہ میں رہتا تھا۔ وہیں اس کے کئی بیٹے پیدا ہوئے اور سکونت پذیر رہے۔ جو باپ کے بعد اُسی کے نقش قدم پر چل کر مطب کیا کرتے تھے۔ پھر سموأل نے شہر موصل اور علاقہ دیار بکر کی

طرف سفر کیا۔ جہاں پہنچ کر اُس نے اسلام قبول کر لیا۔ اور اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ اسلام لانے کے بعد اُس نے ایک کتاب یہودیوں کے معائب۔ اُن کی جعلسازی۔ دروغگوئی اور بغداد شریف میں تحریف کرنے کے متعلق لکھی۔ اس میں ظاہر کیا کہ کن کن مقامات پر علمائے یہود نے توراۃ میں تغیر و تبدل کیا ہے۔ سموئل نے ۵۷۰ھ کے قریب شہر مراغہ ہی میں وفات پائی ؀

سموئل کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-

(۱)۔ کتاب المفید الاوسط علم طب میں۔ یہ کتاب ۵۶۲ھ میں بمقام بغداد۔ وزیر مؤیدالدین ابی اسمٰعیل حسین بن محمد کے لئے لکھی تھی ؀

(۲)۔ رسالہ بنام ابن خدو و مسائل حسابیہ اور جبر و مقابلہ میں ؀

(۳)۔ کتاب اعجاز المہندسین۔ یہ کتاب نجم الدین ابی الفتح شاہ غازی کے لئے لکھی تھی جس کا لقب ملک شاہ بن طغرل بک تھا اور اُس کی تصنیف سے ماہ صفر ۵۷۰ھ میں فارغ ہوا ؀

(۴)۔ کتاب المثلث القائم الزاویہ۔ یہ کتاب شریف نامی ایک باشندہ حلب کے واسطے تصنیف کی تھی اور اس میں قائم الزاویہ مثلث کی نہایت اچھی شکلیں اور مثالیں دی ہیں ؀

(۵)۔ کتاب المنبر فی مساحۃ اجسام الجواہر المختلطۃ لاستخراج مجہولہا ؀

(۶)۔ کتاب قوت باہ کے بیان میں ؀

(۳۴۶) سمسن SIMPSON. Sir James Young Simpson (ڈاکٹر)

سر جیمس ینگ سمسن جس کا نام طب و جراحی کی تاریخ میں نہایت روشن حرفوں میں لکھا گیا ہے۔ وہ اَنَس تھے ٹکس (مُخدّرات) کا دریافت کرنے والا ہے اور یہ ایسی کارآمد شے ہے کہ چاہے کتنا درد ہوتا ہو اُن کے لگانے سے ساکن ہو جاتا ہے۔ کلوروفارم سونگھا کر مریض کو بے ہوش کر دینا اور پھر اُس پر عمل جراحی کرنا اسی کا ایجاد کردہ طریقہ ہے۔ اور اسی میں اُس کی شہرت اور نیکنامی کا راز ہے۔ جیمز سمسن ایک نانبائی کا لڑکا

تھا وہ جون ۱۸۱۱ء کو پیدا ہوا تھا اُس وقت اُس کے باپ کی مالی حالت بہت کمزور تھی۔ اُس کی ماں بہت خداترس، نیک بخت اور شریف طبیعت عورت تھی، وہ نو سال کا تھا جب اُس کے سر سے ماں کا دست شفقت ہمیشہ کے لئے اُٹھا لیا گیا +

اُس نے اپنی غیر معمولی عقلی خوبیوں کا ثبوت بارہا بچپن میں بھی دیا۔ چنانچہ اُسے بعض لوگ نوجیز فلاسفر اور بعض "خرد بزرگ" کہا کرتے۔ وہ پڑھنے لکھنے میں بڑا ہشیار تھا کتاب ہاتھ میں لیکر دُکان پر بیٹھ جاتا۔ پڑھنے اور روٹیاں بیچنے کے دو نو کام ساتھ ہی ساتھ کئے جاتا +

چودہ سال کی عمر میں وہ ۱۸۲۵ء کو ایڈنبرا کی یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ دو سال تک یونانی، لاطینی اور ریاضیات کا مطالعہ کیا۔ سمسن علم ادب سے بھی دلچسپی رکھتا تھا +

یونیورسٹی میں اس کے ساتھ ایک پرانا ہم سبق بھی داخل ہوا جو تشریح پڑھتا تھا، یہ دونو ہمسائے تھے اسی کی طرف دیکھ کر سمسن کو بھی ڈاکٹری پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ ایڈنبرا یونیورسٹی میں جہاں یہ پڑھتا تھا جراحی کا اُستاد ڈاکٹر لسٹن تھا۔ اس نے اِس علم کی تحصیل میں بھی بہت جلد نام پیدا کر لیا۔ اُستاد جو کچھ بولتا اُسے غور سے سُنتا بلکہ بعض ضروری باتوں کو نوٹ بھی کر لیتا۔ یہ زمانۂ طالب علمی میں اُستادوں کی حرف گیری نہایت بے تکلفی سے کیا کرتا، پٹی (بینڈیج) باندھنے کا کام بھی کچھ عرصے تک لسٹن کی زیر نگرانی کرتا رہا۔ اور اپنی ہنرمندی اور ہوشیاری سے اُستاد کو بہت خوش کیا کرتا۔ یہ ہونہار طالب علم نہایت رقیق القلب اور رحمدل تھا۔ ایک دفعہ ایک عورت کا پستان اُس کے سامنے کاٹا گیا، اُسے بہت سخت تکلیف ہوئی۔ اس عرصہ میں ایک بار سمسن نے جراحی سے دست بردار ہو کر وکیل کا منشی بننے کا ارادہ کر لیا جس میں وہ کامیاب بھی ہو گیا، لیکن اُس نے بہت جلد اس قصد سے رجوع کر لیا +

۱۸۳۰ء میں اُس کا باپ ایک ہفتہ کی علالت کے بعد فوت ہو گیا، اُس کا امتحان قریب تھا اور اُسے احتمال تھا کہ شاید وہ اُس میں شریک نہ ہو سکیگا۔ لیکن بایں ہمہ وہ چند ہی روز بعد امتحان میں شامل اور کامیاب ہو گیا۔ اُنیس سال کی عمر میں

وہ ایڈنبرا کے "کالج جراحان" کا ممبر بنایا گیا۔ اس کے بعد ۱۸۳۱ء میں پھر اس نے ایم ڈی کی سند کے لئے تیاری شروع کر دی۔ اور ان ایام میں اُس کا بھائی ڈیوڈ اُسے مدد دیتا رہا۔ ۱۸۳۲ء میں اُس نے یہ امتحان بھی پاس کر لیا۔ پھر اُس نے "مرگ بذریعہ سوزش" پر ایک اعلیٰ مضمون لکھا جسے دیکھ کر وہاں کے پتھالوجی (علم الامراض) کے اُستاد نے اُس کو پچاس پونڈ ماہوار پر اپنا معاون مقرر کر لیا۔ اُس نے زیمنسن کو یہ صلاح بھی دی کہ وہ فن قابلہ (دایہ گری) کا مطالعہ کرے۔ اُس نے اس مفید مشورہ سے فائدہ اُٹھا کر فوراً اُس فن کو بھی سیکھنا شروع کر دیا۔ وہ جو کچھ سیکھتا اُس پر اپنے دل میں غور کیا کرتا اگر کوئی ڈاکٹری طریقہ یا خیال غلط معلوم ہوتا تو اس کی کامل تفتیش کے بعد ترمیم واختراع کی کوشش میں مصروف ہو جاتا۔ اور عموماً کامیاب ہوتا۔

۱۸۳۵ء میں اُس نے رائل میڈیکل سوسائٹی ایڈنبرا کے سامنے امراض مشیمہ پر ایک مضمون پڑھا، جس سے اُس کی غیر معمولی ذہانت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا۔ اس مضمون کا ترجمہ فرنچ، جرمن اور اطالوی زبانوں میں ہوا۔ وُہ ہر مسئلہ کی گذشتہ تاریخ سے واقفیت حاصل کرنے کا متمنی رہتا۔ واقعات اور آراء سے اپنے مشاہدات کی تصدیقات بہم پہنچاتا۔ اُس کے ایک ہی پہلے مضمون سے اُس کی وسعت معلومات اور بہت سی کتابوں کے عبور پر کافی روشنی پڑتی ہے کیونکہ اُس میں ایک سو کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اگر وُہ کسی مصنف کی زبان سے آشنا نہ ہوتا تو کسی سے پڑھوا کر مطلب اخذ کر لیتا تھا۔

وہ اپنے سے پہلے لوگوں کے کمالات اور کارناموں کا تہ دل سے قدر دان تھا مگر اُس کے وہ یہ معنی نہ سمجھتا تھا کہ اُن کے نقش قدم پر چلنا یا اندھا دُھند تقلید کرنا بھی ضروری ہے۔ ۱۸۳۵ء میں اُس کے چھوٹے بھائیوں نے جیمز سمسن کو براعظم یورپ کو بھیجا تاکہ وہ وہاں کے ڈاکٹروں کی حالت سے واقفیت حاصل کرے۔ چنانچہ اُس نے اس سفر سے کامیاب واپس آکر اپنا مطب کھول دیا۔ لیکن مطب کی آمدنی اُس کی ضروریات زندگی کے لئے مکتفی نہ ہوتی۔ اُس کے علاوہ پھر وہ ایک

ہسپتال کا ہاؤس سرجن بھی مقرر کیا گیا۔ اور ایک سال تک اس خدمت کو انجام دیتا رہا
اس تقرری نے اُس کے مطب کو بھی پہلے کی نسبت زیادہ چمکا دیا۔ اب اُس نے فن
قابلہ و دایہ گری پر بھی لیکچر دینے شروع کر دئے۔ جب پیتھالوجی (علم الامراض) کا
اُستاد مستعفی ہوگیا تو سمسن عارضی طور پر اُس کی جگہ لیکچر دیتا رہا۔ اس اثناء میں وہ
اپنے مضامین (لیکچر) نہایت محنت اور عرقریزی سے تیار کرتا تھا۔ وہ اِس قدر صاف گو
تھا کہ اُس کی صاف گوئی سے اکثر اشخاص کی دلشکنی بھی ہو جاتی۔ اور بحث و تکرار کے
موقع پر ایسی جلی کٹی سنانے لگتا تھا کہ سننے والے کو کبھی گوارا نہ ہو سکے۔ اسی وجہ
سے کئی دفعہ دوسرے ڈاکٹروں سے اُس کا جھگڑا ہو گیا ؛

۱۸۴۰ء میں جب اُس کی عمر اٹھائیس سال کی تھی، وہ ایڈنبرا یونیورسٹی میں فن
دایہ گری کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اس عہدے کے حاصل کرنے کی کوششوں میں اُسے
ساڑھے سات ہزار روپیہ خرچ کرنا پڑا۔ اور یہ جو کچھ اُس نے خرچ کیا اپنے پاس
روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے رشتہ داروں سے قرض لیکر کیا۔ مگر پروفیسری کا عہدہ
ملتے ہی اُس کے مطب کو بہت کچھ فروغ ہوا جس کے پہلو بہ پہلو اخراجات بھی
بڑھ گئے۔ بہت سے تاجر اپنی دواؤں کے متعلق اس کی تصدیق یا سند حاصل کرکے
فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے۔ جفاکشی کا یہ عالم تھا کہ بعض دفعہ رات بھر بیٹھا او
لکھتا رہتا تھا۔ یونیورسٹی میں وہ اس قدر شہرت پا گیا تھا کہ اُس کے لیکچروں میں
کثیر التعداد طالب علم شامل ہوتے تھے ؛

۱۸۴۲ء میں اُس کی مالی حالت بہت عمدہ ہو گئی اور تیس برس کی عمر میں اُس نے
دولت اور شہرت دونو چیزیں حاصل کر لیں۔ اور اس کے ساتھ ہی نیک کاموں میں
بھی نام پیدا کیا۔ فیسوں کے ذریعہ سے ہزاروں پونڈ سالانہ کی آمدنی شروع ہوگئی
اس زمانے میں اُس سے ایک کمزوری ظاہر ہوئی، وہ یہ کہ اُس سے اپنا وعدہ قائم
نہ رکھا گیا، بعض مریضوں کے پاس اتنی دیر لگ جاتی کہ دوسروں کے لئے وقت
ہی باقی نہ رہتا ؛

بعض لوگ اُسے دوسرے کاموں کے لئے ٹھہرا لیتے مگر وہ رحم دل اور نیک شخص تھا کسی کی دل شکنی گوارا نہ کرتا۔ لوگ اُس کی جیب میں نوٹ اور چیک وغیرہ ڈال دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ رات کے وقت کوئی آدمی سمسن کو بلانے آیا۔ اُس نے کھڑکی کھولنے کی کوشش کی، مگر وہ کچھ ایسی طرح بند تھی کہ نہ کھلی، روشنی کرنے کے لئے جیب سے ایک کاغذ نکال کر جلا دیا، صبح کو معلوم ہوا کہ وہ دس پونڈ کا نوٹ تھا۔ اُس نے انتہائی عدیم الفرصتی کے باوجود عورتوں کے امراض مخصوصہ کے متعلق کئی ایک مختصر یا مفصل مضامین اپنے ہاتھ سے لکھے، یا منشی کو لکھائے۔ جن میں بیشتر مفید اور کارآمد باتیں تھیں۔ اور ہر ایک مضمون بجائے خود جامع اور مکمل تھا۔ اس کا یہ شوق خبط کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا کہ اُس سے پہلے کے ڈاکٹروں نے جو کچھ لکھ دیا ہے اُس سے پوری اور مکمل واقفیت حاصل ہو جائے۔ چنانچہ وہ ہر بات کے متعلق اقوال قدیمہ سے باخبر ہو کر پھر اپنے خیالات سے اُس میں اضافہ کرتا تھا۔ اور اس کوشش و محنت کے بعد اپنی رائے کے ظاہر کرنے میں ذرا تامل نہ کرتا تھا +

جب سمسن نے سب سے پہلے عورتوں کی بیماریوں اور فن قابلہ یعنی دایہ گری میں کلوروفورم سے کام لیا ہے اُس وقت وہ دور دور تک مشہور ہو چکا تھا۔ فن قابلہ میں اُس کی بے نظیر قابلیت مسلّم تھی اور طبابت میں وہ وحید العصر تھا۔ ۱۸۴۷ء میں جبکہ اُس نے مخدرات (سن کر دینے والی دوائیں) کا مطالعہ شروع کیا تھا، وہ اسکاٹ لینڈ کی طرف سے ملکہ وکٹوریہ کا طبیب خاص مقرر ہو گیا۔ اس فاضل محقق سے پیشتر کئی ڈاکٹروں نے ازالۂ درد کے متعلق کوششیں کرتے ہوئے کئی ایک چیزوں کے تجربے کئے۔ پریسٹلے نے اپنے کیمیائی تجربات میں یہ امر دریافت کیا تھا کہ نشہ آور ادویہ کے سونگھنے سے درد میں تخفیف ہو سکتی ہے۔ پہلے پہل آکسیجن سُنگھا کر عمل جراحی کیا گیا۔ ۱۷۹۵ء میں ڈاکٹر پیئرسن متوطن برمنگھم نے پھیپھڑے کی بیماری کے لئے ایتھر سنگھانا تجویز کیا تھا، سرہمفری ڈیوی نے نائٹرس آکسائڈ گیس (غاز مضحکہ)

کو دافع درد قرار دیا۔ اور اپنے مسوڑوں کے درد کو زائل کرنے میں اس سے کام لیا۔ اور ساتھ ہی اس امر کی اشاعت بھی کردی کہ اس دافع درد چیز کو اعمال جراحی میں استعمال کرنا مناسب ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ مخدرات کے ابتدائی استعمال اور کامیابی کا سہرا سر ہمفری ڈیوی کے سر باندھنا چاہئے۔ اُس سے تقریباً ایک سال بعد اُس کے شاگرد فراڈے نے یہ بیان کیا تھا کہ سلفیورک ایتھر کے بخارات کا بھی وہی اثر ہوتا ہے جو نائٹرس اوکسائڈ کا۔ پھر کئی سال تک مخدرات کے تجربے بند رہے ؎

۱۸۳۵ء میں لنڈن کے ایک ڈاکٹر نے ایتھر سونگھنے کے تجربات اپنے طلباء پر کئے۔ جس سے ان پر کامل بے ہوشی طاری ہوگئی۔ ۱۸۳۹ء میں کالیر ایک ڈاکٹر نے شہر نیو آرلینز میں ایک حبشی کا جب کہ وہ رم کے بخارات سونگھ کر بے ہوش ہو گیا تھا، اس کے کوٹھے کے اترے ہوئے جوڑ کو چڑھا دیا تھا اور اُسے ذرا درد نہیں ہوا تھا۔ اس بے ہوشی میں درد وغیرہ کا احساس نہ ہونے کی وجہ سے اس کو مسمریزم سے تطبیق دی گئی تھی۔ اسی ڈاکٹر نے ۱۸۴۲ء میں الکحل کے جوہر میں خشخاش کے دانے تر کرکے اور کشنیز خشک کے دانے بھگو کر ایک آدمی کو سنگھائے اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ پھر ۱۸۴۴ء میں ایک اور امریکن ڈاکٹر نے ایک شخص پر نائٹرس اوکسائڈ کا تجربہ کیا۔ جیسے دانت نکالنے پر کسی قسم کا درد محسوس نہیں ہوا۔ رفتہ رفتہ اس دوا کا استعمال پھیلتا گیا۔ لوگوں کو دانت نکلوانے میں بڑی آسانی ہوگئی۔ امریکہ میں اور ڈاکٹروں نے بھی اس کے تجربے کئے۔ جن میں زیادہ نائٹرس اوکسائڈ غاز مضحکہ اور سلفیورک ایتھر وغیرہ استعمال کی گئی۔ ۱۸۴۶ء میں ایک شخص کا گھٹنا کاٹنے کی ضرورت لاحق ہوئی تو اُسے ایتھر سونگھائی گئی جس سے وہ بے ہوش ہوگیا۔ ۱۸۴۷ء میں اس کا استعمال عام طور رواج پا گیا۔ سمسن نے سب سے پہلے اسے خود سونگھا اور اُس کے بعد ایک عورت کو جس کے بچہ ہونے والا تھا سونگھایا۔ لیکن اُس کے اثر سے اُسکے رحم کے پیٹھے سکڑنے نہیں پائے۔ سمسن کا بہت کچھ حوصلہ

بڑھا اُس نے اپنے تجربے اور مشاہدہ کا جلد اعلان کر دیا۔ سمپسن پہلا شخص تھا جس نے فن قابلہ (دایہ گری) میں مخدرات سے کام لیا۔

سلفیورک ایتھر کے استعمال سے کئی ایک خرابیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں، اس لئے اُس نے اسی قسم کی اور دواؤں کے تجربے شروع کر دئے کئی ڈاکٹروں نے اُسے کلورا فارم استعمال کرنے کا مشورہ دیا۔ اس کی دریافت ۱۸۳۱ء میں ہوئی تھی اور ۱۸۳۵ء میں اس کی پوری پوری ماہیت معلوم ہو گئی تھی۔ بہت سی محنت اور صرف زر کے بعد یہ محقق اس نتیجہ تک پہنچ سکا کہ کلورا فارم میں نہ تو ایتھر کی سی بدبو ہے اور نہ اس کی بے ہوشی بہت جلد طاری ہونے والی ہے، اس کے علاوہ مقدار خوراک بھی ہلکی دینی پڑتی ہے، چنانچہ اُس نے دائی جنائی کے کام میں اسے برتنا شروع کر دیا۔ اور اپنے جراح دوستوں کو مشورہ دیا کہ وہ بھی جراحی اعمال میں اس سے فائدہ اٹھایا کریں۔ رفتہ رفتہ کلورا فارم کا رواج اس قدر ترقی پذیر ہو گیا کہ ایڈنبرا کے دوا سازساتھ ہزار خوراک روزانہ تک تیار کرنے لگے۔

کلورا فارم کے استعمال پر دو قسم کے حلقوں سے صدائے مخالفت بلند ہوئی۔ (۱)۔ ڈاکٹروں کا ایک زمرہ۔ (۲)۔ پادریوں کا گروہ۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اعمال جراحیہ میں کلورا فارم کے استعمال سے بہت لوگ مر جایا کرتے تھے۔ کیونکہ اس دوا کا اثر دل پر نہایت مضر پڑتا ہے، اُن کا خیال تھا کہ اس کی بجائے ایتھر، نائٹرس آکسائیڈ، یا ئی کلورائیڈ آف میتھلین وغیرہ سے کام لیا جائے تو بہتر ہے۔ اس کے بعد ایک اور مرکب تیار ہوا جس میں ایک حصہ الکحل، دو حصے کلورا فارم، اور تین حصے ایتھر ملائی جاتی تھی۔ بہت سے ڈاکٹروں نے اسے کلورا فارم کے تنہا استعمال پر ترجیح دی۔

اس مخدر اعظم یعنی کلورا فارم کو رواج دینے سے سمپسن کی شہرت دو چند ہو گئی، اُس کا مطب اس قدر فروغ پا گیا کہ دنیا کے ہر حصہ سے اُس کے پاس مریض آنے لگے۔ اگرچہ لوگوں نے اُسے لنڈن میں سکونت اختیار کرنے پر بہت مجبور کیا مگر اُس نے ایڈنبرا کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جو شخص اُس کے پاس آتا وہ اُس کی خاطر و تواضع

میں نہایت سرگرمی کا اظہار کرتا ۔

۱۸۵۹ء میں اُس نے سالہا سال کی محنت، تجربہ اور غور و فکر کے بعد ایک کتاب شائع کی، اس میں اُس نے جراحی اعمال کے بعد شریانوں کے مُنہ بند کرنے کے متعلق نرالے طریقے بیان کئے ہیں اور اس بات پر بے حد زور دیا ہے۔ کہ پتلی اور باریک سوئیاں استعمال کرنی چاہئیں، اس امر کا تجربہ کرنے کے لئے دوسرے ڈاکٹروں کو بھی ترغیب دی۔
۱۸۶۹ء میں اُس نے شفاخانوں کے اندرونی انتظام اور صفائی کے متعلق کوشش کرنی شروع کی۔ اس بحث کا سلسلہ چلا کر "ایک کمرہ میں متعدد مریض رکھنا سخت مضر ہے"۔ بیسیوں واقعات اور مشاہدات سے اپنے دعوے کی تائید و تصدیق کی، اس انوکھی تجویز کی مخالفت بھی نہایت زور کے ساتھ کی گئی۔ لیکن اُس نے کچھ پروانہ کی، وہ جس بات کو اپنی دانست میں مفید سمجھتا اُس کی کوششوں میں دن رات مصروف رہتا۔ کبھی مضامین لکھتا، کبھی تجربات و مشاہدات کرتا غرض کہ وہ ہر وقت مختلف قسم کے منصوبوں میں اُلجھا رہتا۔ اس اثناء میں اُس کا مطب بھی بڑھ گیا تھا۔ اور اس طرح سے اُس کی گوناگوں مصروفیتوں نے جمع ہو کر اُسے عدیم الفرصت بنا دیا تھا۔

یہ محقق نہایت نامور ڈاکٹر تھا اُس نے بنی آدم کی بہتری کے لئے بہت سے کام کئے اور بہت سی کارآمد چیزیں دریافت کیں جن کی وجہ سے اُس کی شہرت تمام مہذب دُنیا کے اِس سرے سے اُس سرے تک پھیل گئی۔ اور ہر طرف سے عزت افزائی ہوئی۔ فرانس کی ایک علمی انجمن نے اُسے بنی نوع انسان کی بہتری کی تجاویز اختراع کرنے کے صلہ میں دو ہزار فرینک کا انعام دیا۔ ۱۸۶۶ء میں اُسے نائٹ کا مستقل خطاب شاہ انگلستان کی طرف سے عطا ہُوا۔

سر جیمز سمپسن کو سخت سخت صدمے بھی اُٹھانے پڑے۔ اُن کے کئی لڑکے عین عالم شباب میں گذر گئے، سب سے بڑا لڑکا بہت ذہین تھا۔ سمپسن زندگی کے آخری سالوں میں کلیسیا کے کارندوں میں شریک ہو گیا۔ اور مذہبی کاموں میں نہایت جوش و ہمدردی کے ساتھ حصہ لیا۔ ۱۸۷۰ء میں اُسے دردِ دل کا عارضہ لاحق ہُوا جس سے بہت جلد

۶- مئی ۱۸۷۶ء کو وہ انتقال کر گیا۔ اُس کا بھائی الیگزنڈر اُس وقت اُس کے پاس تھا۔ ایڈنبرا پر اُس کی وفات کے دن تاریکی چھا گئی، لوگوں نے کاروبار بند کر دیا۔ اُس کی بیوی بھی قابل شوہر کے رنج مفارقت سے جانبر نہ ہو سکی اور چند ہی روز بعد وہ بھی فوت ہو گئی۔ دوسرا لڑکا والڈ خاندانی مال واسباب اور خطاب وغیرہ کا وارث بنا۔ اِس لائق موفائق اور محقق انسان کی زندگی ہر حیثیت سے نہایت درجہ کی سبق آموز اور قابل قدر تھی ۔

سمرقندی (دیکھو بدرالدین محمدؒ سمرقندی)

(۳۴۷) سنبلقیوس (حکیم)

بقراط۔ اور جالینوس کے ظہور میں جو فاصل زمانہ گزرا ہے اُس میں بہت سے نامی طبیب یونان میں اور بھی ہوئے لیکن اُن کو مجتہد فن اور امام وقت ہونے کا رتبہ نصیب نہ ہوسکا۔ اُنہی اطباء میں سے سنبلقیوس تھا۔ یہ حکیم بقراط کا شاگرد۔ اور اُسکی کتابوں پر شرح لکھنے میں مشہور ہوا ہے ۔

(۳۴۸) سورانوس (حکیم)

اس طبیب کا لقب تھا "ذہبی" (زریّن) یہ جالینوس سے قبل ہوا ہے ۔

(۳۴۹) سوروس (حکیم)

بقراط وجالینوس کے زمانوں کے مابین یونان کا ایک فاضل طبیب تھا ۔

(۳۵۰) سوناخس (حکیم)

یہ حکیم بقراط اور جالینوس کے زمانوں کے مابین جو مدّت فاصل ہوئی اُس میں یونان کے شہر ایتھنز کا ایک نامی طبیب تھا۔ دواؤں کی شناخت اور دواسازی کے کام میں اعلیٰ درجہ کا ماہر تھا اسی وجہ سے "دواساز" مشہور بھی ہو گیا ۔[1]

[1] سہروردی (دیکھو شہاب الدین) ۔

(۳۵۱) سہلان (حکیم)

ابوالحسن سہلان بن عثمان بن کیسان۔ مصر کا باشندہ اور مذہباً عیسائی تھا۔ مصر کے خلفاء کا درباری طبیب رہا۔ خاصکر خلیفہ عزیز باللہ فاطمی کے عہد میں اس کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ مالی آمدنی میں کوئی طبیب اس کی ہمسری نہیں کرسکتا تھا۔ ۳۸۰ھ میں فوت ہوا۔ اور بہت کچھ مال و دولت ترکہ میں چھوڑ گیا۔ اس کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے اُٹھا تھا۔

(۳۵۲) سہل کوسہ (حکیم)

ابو شاپور بن سہل نام۔ اہواز کا باشندہ تھا۔ ڈاڑھی خوب گنجان اور بھری ہوئی تھی مگر بقول "برعکس نہند نام زنگی کافور" لقب "کوسہ" بے ریش مشہور ہوگیا۔ علم طب کا ماہر تھا۔ اور نہایت ظریف مزاج۔ مذاق کی عادت اس پر ایسی غالب ہوئی کہ متانت سے دور اور اچھا خاصا مسخرہ بن گیا۔ جورجس بن بختیشوع۔ ابوزکریا طیفوری عیسیٰ بن حکم۔ اور یوحنا بن ماسویہ۔ وغیرہ کا ہم عصر تھا۔ زبان میں کسی قدر لکنت ہونے کی وجہ سے گفتگو بہ تکلف کرسکتا۔ کبھی اپنے معاصر نامی اطبّاء کے ساتھ کسی مریض کے علاج میں شریک ہوتا تو بجز اس کے کہ اُن کے برابر گفتگو و بحث میں عاجز رہتا اور کسی قسم کی کمی اُس میں محسوس نہ ہوتی۔ علاج میں اُن کا ہم پلہ تھا۔ اس کی زبان درازی سے سب نامی اطبّاء ڈرتے رہتے تھے کیونکہ یہ بڑا مُنہ پھٹ اور بدلگام تھا۔ امیر سلام الابرش سے اس کا گہرا تعلق تھا اور زیادہ تر اُسی کی خدمت میں رہتا۔ سلام کے ذریعہ سے اس کی رسائی ہرثمہ بن اعین کی مجلس تک بھی ہوگئی اور اُس کا طبّی مشیر بنا۔

اس کی تصانیف میں ایک اچھی کتاب قرابادین یادگار ہے۔

(۳۵۳) سیف الدین آمُدی (حکیم)

ابوالحسن علی بن ابی علی بن محمد بن سالم۔ تغلبی آمدی۔ یکتائے زمانہ فاضل اور اپنے عہد کا سرآمد علماء تھا۔ سیف الدین لقب ہے۔ ذہن و ذکاء میں نادر روزگار اور ہر علم کا ماہر و فاضل تھا۔ خصوصاً علوم حکمت و فلسفہ میں اپنی آپ ہی نظیر تھا۔ دینیات اور طب میں بھی اس کے علم کا پایہ بے حد رفیع تھا۔ حسن صورت و سیرت سے متمتع تھا۔ خوش بیان اور اعلیٰ درجہ کا مصنف تھا۔

سلطان ملک المنصور ناصرالدین ابوالمعالی محمد بن ملک المظفر تقی الدین عمر بن شاہنشاہ بن ایوب فرمانروائے شہر "حماۃ" (شام) کے دربار میں سیف الدین کو طبی خدمت سپرد تھی۔ بیش قرار وظیفہ و ماہوار پانے کے علاوہ انعام و خلعت سے بھی مالا مال ہوتا رہتا تھا۔ کئی سال تک اسی دربار میں رہا اور نہایت عزت کے ساتھ۔ سلطان ہر روز اس کے مرتبہ اور تقرب کو بڑھاتا رہتا اور یہ رسوخ پیدا کرتا جاتا۔ مگر ۶۱۷ھ میں ملک المنصور نے دنیا سے رحلت کی اور ایسے قدردان کے اُٹھ جانے سے سیف الدین کا دل "حماۃ" سے اُچاٹ ہو گیا۔ وہ حماۃ سے دمشق چلا آیا اور یہاں آکر ملک المعظم کی سرکار سے تعلق پیدا کر لیا۔

ملک المعظم نے بھی اس فاضل طبیب اور بے نظیر عالم کی قدر افزائی میں کوئی کمی نہیں کی۔ ہر طرح عزت و حرمت کے ساتھ اس کو دمشق میں رہنے کا حکم دیا۔ اور مجلس درس قائم کرنے کا ایماء فرمایا۔ جس وقت سیف الدین آمُدی مدرسہ میں بیٹھ کر درس دیتا۔ بڑے بڑے علماء اُس کی فصاحت سے بھری ہوئی تقریر سن کر دنگ رہ جاتے اور خواہ کیسا ہی بے علم کیوں نہ ہوتا اُس کے بیان سے باریک ترین علمی مسائل کو سمجھ لیا کرتا تھا۔ مناظرہ اور بحث میں مجال نہ تھی کہ کوئی اس سے جیت جائے سب کو بند ہونا پڑتا تھا۔

سیف الدین علوم حکمیہ کا درس نہیں دیتا تھا۔ کسی کو پڑھایا ہو تو شاذ و نادر طور سے

جبکہ کوئی زبردست سفارش یا خاص بات ہوئی ہو۔ مثلاً ابن ابی اُصیبعہ کتاب طبقات الاطبا کے مصنف کو سیف الدین نے خود اپنی مصنفہ کتاب "رموز الکنوز" جو فن حکمت میں ہے اس وجہ سے پڑھادی تھی کہ اُس کے باپ اُصیبعہ سے سیف الدین کے گہرے مراسم تھے۔ اور سیف الدین بقیہ عمر تک دمشق ہی میں مقیم رہا جہاں اُس نے ماہ صفر ۶۳۱ھ میں دنیا سے رحلت کی۔ سیف الدین شاعر بھی تھا۔

اس فاضل طبیب کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ کتاب دقائق الحقائق۔
(۲)۔ کتاب رموز الکنوز۔
(۳)۔ کتاب لباب الالباب۔
(۴)۔ کتاب ابکار الافکار۔ اصول فقہ میں۔
(۵)۔ کتاب غایۃ المرام۔ علم کلام میں۔
(۶)۔ کتاب کشف التمویہات فی شرح التنبیہات۔ یہ کتاب ملک المنصور فرمانروائے شہر حماۃ کے لئے لکھی تھی۔
(۷)۔ کتاب غایۃ الامل۔ علم جدل میں۔
(۸)۔ کتاب منتہی السالک فی رتب السالک۔
(۹)۔ کتاب المبین فی معانی الفاظ الحکماء والمتکلمین۔
(۱۰)۔ دلیل متحد الائتلاف وجار فی جمیع مسائل الخلاف۔
(۱۱)۔ کتاب الترجیحات فی الخلاف۔
(۱۲)۔ کتاب المواخذات فی الخلاف۔
(۱۳)۔ کتاب التعلیقۃ الصغیرہ۔
(۱۴)۔ کتاب التعلیقۃ الکبیرہ۔
(۱۵)۔ عقیدہ کی کتاب جس کا نام "خلاصۃ الابریز" ہے۔
(۱۶)۔ ایک تذکرہ ملک العزیز صلاح الدین کے لئے۔
(۱۷)۔ کتاب منتہی السؤل فی علم الاصول۔
(۱۸)۔ کتاب منائح القرائح۔

(۳۵۴) شاپور بن سہل (حکیم)

سہل کا بیٹا اور شہر جندی شاپور کے شفاخانہ کا نگراں اور معالج تھا۔ باپ کی نسبت علمی لیاقت بہت اچھی تھی۔ مفرد دواؤں کی خاصیت اور مزاج کا ماہر اور ترکیب نسخہ کا خاص ملکہ رکھتا تھا۔ خلیفہ متوکل کے دربار میں اس کو عزت و منزلت

حاصل ہوئی۔ اُس کے بعد بھی کئی خلفاء کی خدمت میں رہا۔ اُس نے روز دوشنبہ ۲۱۔ ذی الحجہ ۲۵۵ھ کو وفات پائی ۔

اس کی تصانیف حسب ذیل ہیں ۔

(۱)۔ قرابادین کلاں۔ اس کے ۱۷ باب ہیں اور اُس کے وقت میں شفاخانہ اور دوا فروشوں کی دکان پر اسی کتاب کی ہدایتیں عمل میں لائی جاتی تھیں ۔

(۲)۔ کتاب قوت ہائے غذا اور اُس کے فوائد و نقصان کے بیان میں ۔

(۳)۔ کتاب تردید اقوال حنین بن اسحٰق اس میں اُن باتوں کی تردید کردی ہے جو کہ حنین بن اسحٰق نے اپنی کتاب الفرق بین الغذاء والدواء والمسہل میں لکھی تھیں ۔

(۴)۔ القول فی النوم والیقظہ ۔

(۵)۔ کتاب ابدال الادویہ ۔

(۳۵۵) شاناق (حکیم)

یہ بھی ہندوستان کے نامور اطباء میں سے ہے۔ اس کے معالجات اور تجربات بکثرت تھے۔ دیگر علوم اور خاصکر فلسفہ و حکمت میں اچھی طبیعت پائی تھی۔ علم نجوم میں امام وقت تھا۔ خوش بیان۔ زبان آور۔ اور علم مجلس کا ماہر تھا۔ فرمانروایان ہند کے دربار میں رسوخ و اعزاز پر فائز رہا۔ شاناق اپنی کتاب "منتحل الجواہر" میں بادشاہِ وقت کو یہ زریں نصیحت کرتا ہے:۔

"شاہا! زمانے کی گردشوں سے ڈرتا رہ۔ ایّام کی نیرنگی اور غلبۂ مصائب سے خوف رکھ۔ بخوبی جان لے! کہ ہر کام کی کچھ نہ کچھ جزا ضرور ہے۔ زمانہ کے پے در پے آنے والے حوادث اور مسرتوں کے انجام سے ہوشیار رہنا لازم سمجھ۔ کیونکہ زمانہ غدار اور مسرت ناپائدار و بے وفا ہے۔ ہوشیار وہی ہے جو ہر وقت چوکنا رہے۔ قدرت کے احکام کا کسی کو علم نہیں۔ وہ بالکل مخفی باتیں ہیں۔ آدمی کو ہر وقت تیار رہنا چاہئے اور مصیبت کے انگیز کرنے پر کمربستہ۔ زمانہ کی گردش اور اُلٹ پلٹ کا اعتبار کیا۔ نہیں معلوم وہ کب پلٹا کھائے۔ پس اُس کے ہر انقلاب کو برداشت کرنے کے لئے

مستعد رہنا چاہئے۔ اِس بد طینت دشمن کا حملہ بالکل اچانک ہوا کرتا ہے۔ دانا وہ ہے جو اس کے چشم زخم سے ڈرتا ہی رہے۔ یہ بہت جلد آدمی کو دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔ اس کی نیرنگی اور بے وفائی سے بے خوف نہ ہونا چاہئے۔ اگر آج یہ موافق ہے تو ضرور ہے کہ کل مخالف بھی ہو جائیگا۔ شہر یارا! آپ کو معلوم رہے کہ جو شخص اس دنیاوی زندگی میں اپنے نفس کا گناہ کی بیماریوں سے پاک بنانے کے لئے علاج نہیں کرتا وہ ایسے جہان میں جہاں کوئی دوا ہرگز میسّر نہ ہوگی روحانی شفا سے بہت دور رہیگا۔ جو شخص اپنے حواس کو اپنا مطیع بنا کر اُن سے نفس کے لئے نیک کام لیگا۔ اور دوسری دنیا کے واسطے توشۂ خیر جمع کریگا وہ اپنی بزرگیٔ نفس اور دانائی کا ثبوت دے جائیگا۔ اور جو حکمران اپنے اکیلے نفس۔ اور قلیل التعداد یعنی صرف پانچ حواس کو بھی قابو نہ کر سکیگا وہ کس طرح ہزاروں اور لاکھوں سپاہ و امراء ارکان مملکت پر قابو رکھ کر کروڑوں رعایا و بندگان خدا کی باگ اپنے قبضہ میں لے سکیگا"

شاناق کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ کتاب السّموم۔ اس کے پانچ مقالے ہیں۔ منکہ ہندی نے اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اس پر شرح لکھی۔ ابی حاتم بلخی نامی ایک شخص منکہ کے زیر دست اس کتاب کو لکھنے پر مامور تھا۔ اور یہ ترجمہ اور شرح کا کام یحییٰ بن خالد برمکی کے حکم سے ہوا تھا۔

(۲)۔ کتاب البیطرہ۔

(۳)۔ ایک کتاب علم نجوم میں۔

(۴)۔ کتاب منتحل الجواہر۔ شاناق نے یہ کتاب اپنے عہد کے کسی بادشاہ کے لئے تصنیف کی تھی۔ جس کا نام "ابن قانص" ہندی تھا۔

(۳۵۹) شرف الدین ابن الرّحبی (حکیم)

علاّمۂ عصر۔ فرید دہر۔ حکیم۔ امام۔ عالم فاضل شرف الدین ابوالحسن علی بن یوسف بن حیدرۃ بن الحسن الرّحبی۔ ۵۸۳ھ میں بمقام دمشق پیدا ہوا۔ ابتدائی سے لیکر

اعلےٰ تعلیم تک اپنے علائے عصر باپ سے حاصل کی۔ اور طب میں علاوہ پدر بزرگوار کے شیخ موفق الدین عبداللطیف بغدادی سے بھی اخذ کیا۔ ادب میں شیخ علم الدین سخاوی کا شاگرد تھا اور دیگر علماء کے فیض سے بھی مستفیض ہوا تھا۔ علم ادب میں بہت بڑی دستگاہ رکھتا تھا۔ اور شاعری کا بھی ملکہ حاصل تھا۔

شرف الدین الرّحبی کو خلوت بہت پسند تھی۔ تنہائی میں مطالعہ اور درس کی تیاری کے لئے جدوجہد کیا کرتا ۔ قدیم حکماء کی تالیفات کا مطالعہ اور اُن کے اقوال کا علم حاصل کرنا اُس کو بے حد مرغوب خاطر تھا۔ شرف الدین اکثر صفات و اخلاق میں اپنے باپ کا نظیر اور اُسی کی طرح بلند ہمت۔ خوددار۔ اور امراء و سلاطین کی درباداری سے متنفر تھا۔ دمشق کے بیمارستان کبیر میں عرصہ تک علاج کی خدمت انجام دیتا رہا۔ اور جب وقت شیخ مہذب الدین عبدالرحیم بن علی نے اپنا ایک مکان وقف کر کے اُس کو مدرسۂ طبیہ بنا دیا۔ اُنھوں نے وصیت نامہ میں لکھ دیا تھا کہ اس مدرسہ کا مدرس اوّل شرف الدین ابن الرّحبی قرار دیا جائے۔ کیونکہ شیخ ممدوح کو اس کے علم و فضل کا حال بخوبی معلوم تھا۔ چنانچہ شرف الدین نے عرصہ تک یہ خدمت انجام دی۔ اِس مدرسہ میں صرف مسلمان طلبا تعلیم پاتے تھے۔

شرف الدین الرّحبی کی وفات ۶۶۷ھ میں بمقام دمشق واقع ہوئی اور وہ جبل قاسیون میں دفن کیا گیا۔ مرض موت عارضۂ ذات الجنب تھا۔ شرف الدین کو تصانیف کا بہت شوق تھا۔ ایک عمدہ کتاب اور چند کتابوں پر حواشی اُس کی یادگار ہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ اُس نے اپنی وفات کی خبر کئی ماہ قبل اپنے شاگردوں کو دیدی تھی اور اُس نے کہہ دیا کہ وہ قِرانُ السَّعْدَین کے وقت مریگا۔

شرف الدین ابن الرّحبی کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ کتاب فی خلق الانسان وہیئۃ اعضائہ ومنفعتہا۔ یہ کتاب نہایت نادر اور اپنے رنگ میں بے مثل ہے۔

(۲)۔ قانون شیخ پر حواشی۔

(۳)۔ حنین بن اسحٰق کی کتاب المسائل پر شرح ابن ابی صادق کے حواشی۔

(۳۵۷) شریف شرف الدین اسمٰعیل (حکیم)

یہ سلطان علاءُالدین محمدؐ خوارزم شاہ کے دربار کا عالی مرتبت طبیب اور نہایت ذی علم، صاحب عزت، اور ذی جاہ تھا۔ ایک ہزار ماہوار تنخواہ کے علاوہ سلطان سے ہر روز انعام و اکرام کی کثیر مقدار حاصل کرتا رہتا۔ اس کے علاج نہایت کارگر اور نادر ہوتے تھے۔ فن طبابت میں اس نے اپنی قابل قدر یادگاریں چھوڑی ہیں۔ خوارزم شاہ کے عہد ہی میں فوت ہُوا *

اس کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔

(۱)۔ ذخیرۂ خوارزم شاہیہ۔ یہ طب کی کتاب فارسی زبان میں ہے اور اس کی بارہ ضخیم جلدیں ہیں *

(۲)۔ کتاب الخفی العلائی یہ بھی طب کی کتاب اور فارسی زبان میں ہے۔ اسکی دو چھوٹی جلدیں ہیں *

(۳)۔ کتاب الاغراض۔ طب میں بزبان فارسی۔ دو جلدیں *

(۴)۔ کتاب یادگار۔ طب میں بزبان فارسی۔ یہ ایک ہی جلد میں ہے۔ اور خوارزم شاہ کے لیے تصنیف کی گئی تھی *

(۳۵۸) شریف کحّال (حکیم)

سید برہان الدین ابوالفضل سلیمان۔ اصل میں ملک مصر کا باشندہ تھا مگر شام میں نقل مکان کر کے رہائش اختیار کر لی تھی۔ شریف الاصل۔ خوش خُلق۔ پاکیزہ سیرت اور صاحب فضل و علم تھا۔ کحّالی میں بہت ماہر تھا اور سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں اسی خدمت پر مامور تھا۔ عربی زبان دانی اور شاعری میں اس کو کمال حاصل تھا۔ سلطان ممدوح ہی کی خدمت میں زندگی بسر کی اور تادم مرگ اسی دربار کا وظیفہ خوار رہا *

(۳۵۹) شریف محمدؐ بن محمدؐ الحسنی (حکیم)

ابو عبداللہ محمدؐ بن محمدؐ بن عبداللہ بن ادریس الحسنی ملقب بہ "العالی باللہ" ادویات

مفردہ کی قوتوں کا اور اُن کے فوائد و نقصانات وغیرہ کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس کو ہر دوا کی جائے پیدائش اور اُس کی شکل و صورت و رنگت کا پورا پورا عالم تھا۔ تصانیف میں اس کی بھی صرف ایک ہی کتاب مفردادویات کے بیان میں ہے ؀

(۳۶۰) شمس الدین ابن اللبودی (حکیم)

شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن عبدان بن عبدالواحد بن اللبودی۔ علوم حکمیہ اور علم طب میں اپنے زمانہ کا علامۂ وقت تھا۔ ملک شام سے طلب علم کے شوق میں ایران کو گیا اور وہاں نجیب الدین اسعد ہمدانی سے علم حکمت کی تحصیل کی۔ فن طب بھی ایران کے ایک نامور فن داں سے حاصل کیا جو ایلاقی محمد کے شاگرد ابن سہلان کا تلمیذ تھا ؀

شمس الدین بن اللبودی بڑا عالی حوصلہ، صاحب فہم و ذکا، سلیم الفطرت، اور صدر حجر کا شائق علم تھا۔ اُس نے حکمت و طب میں نام حاصل کیا۔ فن مناظرہ و مجادلہ میں بھی اپنے ہمچشموں پر فوقیت لے گیا۔ یہاں تک کہ اپنے عہد کا علامہ اور امام مانا گیا اور مشہور اُستاد ہوا۔ اس کا مطب بڑے زور کا ہوتا تھا۔ ملک الظاہر غیاث الدین غازی بن سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی خدمت میں کار طبابت انجام دیتا تھا۔ حلب میں اس سلطان کے ساتھ رہا اور سلطان ممدوح اُس پر اعتماد کرتا تھا ؀

شمس الدین اللبودی ملک الظاہر کی وفات کے بعد حلب سے دمشق میں چلا آیا اور وہاں علم طب کا درس دینا شروع کیا۔ وہ شفاخانہ نوری میں جو سلطان نورالدین محمود بن زنگی کا تعمیر کردہ تھا معالجہ بھی کیا کرتا تھا ؀

شمس الدین ابن اللبودی نے اکیاون سال کی عمر پاکر ۶۲۱ھ میں بمقام دمشق دُنیا سے رحلت کی ؀

اُس کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔

(۱)۔ کتاب الرائی المعتبر فی القضاء والقدر ؀

(۲)۔ شرح کتاب الملخص مصنفہ ابن خطیب الرّے ؀

(۳)۔ رسالہ وجع مفاصل کے بیان میں ؀

(۴)۔ شرح کتاب المسائل مصنفہ حنین بن اسحق عبادی ؀

(۳۶۱) شمس الدین الخوئی (حکیم)

قاضی القضاۃ شمس الدین حجۃ الاسلام سید العلماء والحکماء ابوالعباس احمد بن خلیل بن سعادت بن جعفر بن عیسیٰ شہر "خوے" کا باشندہ۔ علوم حکمیہ میں یگانۂ روزگار عالم اور علوم شرع کا بے مثل فاضل تھا۔ اصول طب کا عالم اور دیگر فنون حکمت میں کامل۔ بڑا عاقل۔ باحیا۔ حسن صورت وسیرت سے بہرہ ور۔ اور اُس کی طبیعت خیر پسند واقع ہوئی تھی۔ نماز وروزہ۔ قرأت قرآن امور دینداری کا بہت پابند تھا جس وقت ملک المعظم عیسیٰ بن ملک العادل کے عہد میں ملک شام پہنچا۔ سلطان نے اُس کو دربار میں طلب کیا اور اُس کے فضل وکمال پر مطلع ہوکر باکرام تمام اُسے اپنے دربار میں جگہ دی۔ ملک المعظم خود بھی اچھا عالم تھا اور علم دوست۔ خصوصًا فقہ اور علوم دینی میں اُس کو دستگاہ کامل حاصل تھی۔ چونکہ اُس نے شمس الدین خوئی کو تمام علوم مروجہ میں یکتائے زمانہ عالم پایا لہٰذا اُس کا دل سے قدردان بن گیا اور بیش قرار وظیفہ دیکر اپنی خدمت میں رکھا۔ پھر کچھ زمانہ کے بعد سلطان نے شمس الدین کو دمشق کا قاضی القضاۃ بنادیا ❊

شمس الدین خوئی کی مجلس درس خوب آراستہ رہتی تھی۔ اکثر علوم کے طلبہ اُس سے پڑھا کرتے۔ ابن ابی اصیبعہ صاحب کتاب طبقات الاطباء بھی اُس کی صحبت سے مستفید ہوا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "میں نے ابن سہلان کی کتاب التذکرۃ امام شمس الدین سے پڑھی ہے" شمس الدین نہایت خوش بیان فصیح وبلیغ۔ صاحب مروت۔ جوانمرد اور کریم النفس تھا۔ اور امام فخرالدین رازی ابن خطیب الرے کے ارشد تلامذہ میں سے تھا۔ اگرچہ دمشق کے قاضی القضاۃ کا عہدہ اُس کو حاصل تھا۔ لیکن لوگوں سے بہت خلق وتواضع کے ساتھ ملتا۔ مزاج میں غرور کا نام نہ تھا۔ شیریں کلام اور منکسر المزاج تھا جمعہ کے دن مسجد جامع کو پیادہ پا جایا کرتا۔ نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا۔ اور اوقات کا پابند تھا ❊

شمس الدین کی تصنیفات نہایت اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ اُس کی سکونت شہر دمشق

کے مدرسۂ عادلیہ میں تھی جہاں وہ علوم دینیہ کا درس دیتا تھا اور بڑے بڑے علماء اُس سے پڑھنے آتے تھے۔ شمس الدین نے بمقام دمشق عین عالم جوانی میں مبتلائے دق ہوکر وفات پائی۔ وہ ۶۳۷ھ میں فوت ہوا تھا۔

شمس الدین کی تصانیف حسب ذیل ہیں:-

(۱)۔ تتمۂ تفسیر کبیر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ۔
(۲)۔ کتاب النحو۔
(۳)۔ کتاب علم اصول فقہ میں۔
(۴)۔ کتاب جو رموز حکمیہ پر مشتمل ہے اور یہ سلطان ملک معظم کے نام سے نامزد کرکے لکھی ہے۔

(۳۶۲) شمس الدین بن ہُبَل (الحکیم)

شمس الدین ابوالعباس احمد بن مہذب الدین ابی الحسن علی بن احمد بن علی بن ہُبَل۔ روز جمعہ بیسویں جمادی الاخری ۶۰۷ھ میں پیدا ہوا۔ اور یگانۂ روزگار باپ ہی کے زیر سایہ پرورش و تعلیم و تربیت پائی۔ فن طب میں اچھا ماہر اور ادیب تھا۔ دولتمند صاحب وجاہت تھا۔ اور عزت کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اُس نے ملک روم کا سفر کیا تھا۔ روم کے فرماں روا ملک الغالب کیکاؤس بن کیخسرو۔ نے اُس کی بڑی خاطر و مدارات کی اور شمس الدین کچھ زمانہ تک شاہ مذکور کے پاس مقیم بھی رہا۔ پھر وہیں وفات پائی اور اُس کی لاش شہر موصل میں لاکر دفن کی گئی۔ شمس الدین بن ہُبَل نے دو فاضل اور بڑے زبردست عالم بیٹے اپنی یادگار میں چھوڑے جن کا مقام شہر موصل ہی میں رہا۔

شمس الدین محمد الکلی (دیکھو ابو محمد)

(۳۶۳) شمعون (الحکیم)

یہ طبیب راہب (گوشہ نشین) تارک دنیا تھا اور عوام میں "طیبویہ" کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا۔

(۳۶۴) شہاب الدین السہروردی امام (حکیم)

امام المتکلمین شیخ الاشراقیئن۔ امام العابد شیخ شہاب الدین ابوحفص عمر السہروردی علیہ الرحمۃ علوم حکمیہ کا یگانۂ روزگار عالم اور فنون فلسفیہ کا جامع اصول فقہ میں یکتائے زمانہ اور ہر علم و فن میں بے مثل و بے ہمتا شخص تھا۔ ذہن و ذکاء کا عجیب حال تھا۔ طبیعت کیا تھی کہ مجلّی آئینہ تھا۔ جس میں ہر وقت انوار علوم و حکمت کا انعکاس ہوا کرتا۔ نہایت فصیح البیان تھا۔ بحث میں کوئی اُن سے عہدہ برآنہ ہو سکتا۔ بڑا زبردست عالم اور اپنی عقل سے بہت زیادہ علم رکھتا۔ اسی وجہ سے مبتلائے آفت ہوا۔ اور دُنیا کو اپنے علم و کمال سے جیسا چاہیئے تھا فائدہ نہ پہنچا سکا۔

شیخ فخر ا[...]ین ماردینی سے امام سہروردیؒ کی بہت دوستی تھی۔ اکثر اُن سے [...] ایک دن فخرالدین نے اپنے شاگردوں اور ہمصحبتوں سے کہا کہ یہ [...]ب الدین بڑا ذکی اور زبان آور ہے۔ میں اس زمانہ میں اس کو بے مثل عالم [...]ل۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس کی طبیعت اُس کے قابو میں نہیں اور خوف [...]ہے کہ اس کی عدم عاقبت بینی اور دلیری کہیں اس کو ہلاک نہ کردے۔ اتفاق سے جب شہاب الدین سُہروردی شہر حلب (ملک شام) میں آئے اور وہاں کے علماء کو اُنہوں نے علمی مباحثہ میں بند کر دیا۔ سلطان ملک الظاہر بن ملک الناصر صلاح الدین شہاب الدین کا دلدادہ ہوگیا اور اُن کو خاص اپنے قلعہ میں لیجا کر رکھا۔ دربار منعقد کیا۔ علماء طلب ہوئے اور مجلس مناظرہ گرم کی گئی۔ امام شہاب الدین سُہروردی کے سامنے ایک عالم بھی نہ ٹھہر سکا۔ سب کو اُنہوں نے بند کر دیا۔ سلطان کی نظر میں امام کی عظمت بڑھی اور علماء حلب کو حسد پیدا ہوا۔ اُن سے اور تو کچھ بن نہ آیا۔ شہاب الدین پر کفر کے فتوے لگا دئے اور ایک محضر لکھا سلطان صلاح الدین کے پاس دمشق میں ارسال کیا۔ اِس میں لکھا تھا کہ "شہاب الدین بے دین اور ملحد ہے اگر ملک الظاہر کی صحبت میں رہا تو اُسے گمراہ اور دین سے برگشتہ کر دیگا۔ اور جہاں

وہ جائیگا۔ کفر و الحاد پھیلائیگا مصلحت یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور خلق خدا کو ضلالت سے بچایا جائے"۔ سلطان صلاح الدین نے ملک الظاہر کو لکھا کہ وہ شہاب الدین کو فوراً قتل کر دے اور اُس کی باتیں سُننے سے قطعاً احتراز کرے۔ فرمان نہایت تاکیدی اور واجب التعمیل تھا۔ ملک الظاہر اُس کو رد نہ کر سکا۔ اور شہاب الدین کو بھی معلوم ہو گیا کہ اب جان کا بچنا محال ہے لہذا قضائے ایزدی پہ راضی ہو گئے اور ملک الظاہر سے کہا کہ اُن کو کسی اور طرح نہ قتل کرائے۔ صرف ایک مکان میں مقید کر دے اور آب و دانہ بند۔ یہاں تک کہ بے آب و دانہ وہ جان بحق ہو جائیں۔ ملک الظاہر نے یہ بات مان لی۔ اور شیخ شہاب الدین نے تنہا مکان میں بیٹھ کر عبادت الٰہی شروع کر دی۔ چنانچہ اسی طرح بے آب و دانہ عبادت کرتے رہنے سے طاقت رفتہ رفتہ سلب ہوتی گئی اور آخرکار خشک ہو کر جان بحق تسلیم ہو گئے۔ یہ واقعہ سنہ ۵۸۶ھ میں بمقام قلعہ حلب ہوا تھا۔ اور وفات کے وقت شیخ شہاب الدین سہروردی کی عمر صرف ۳۶ سال کی تھی۔

امام شہاب الدین علم سیمیاء (شعبدات) کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اکثر حکایتیں عجیب و غریب اُس کی نسبت مشہور ہیں جو سمجھ میں نہیں آتیں۔ ایکبار چند مریدوں اور شاگردوں کے ساتھ شہر دمشق کے باہر کسی وسیع میدان میں جا رہا تھا علم شعبدہ و نیرنگ اور شیخ کے اس میں بے نظیر ماہر ہونے کا ذکر آنے پر شیخ نے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا" واہ واہ! دیکھو تو شہر دمشق کس قدر خوبصورت اور دلفریب ہے"۔ لوگوں نے دیکھا کہ میدان میں اُن کے سامنے نہایت شاندار خوشنما عمارتوں کا سلسلہ موجود ہے۔ قصروں میں پائیں باغ لگے ہیں۔ ہر طرف بڑی چھوٹی نہریں جاری ہیں۔ حسین و مہ جمال عورتیں دریچوں میں بیٹھی ہیں۔ رقص و سرود کی آواز چلی آ رہی ہے۔ غرضیکہ ایک ایسا دلکش سماں پیش نگاہ ہے جس سے چشم و گوش جنت فردوس کا لطف نظارہ حاصل کر رہے ہیں۔ سب آدمی محو ہو کر اس تماشا کو دیکھتے رہے کہ یکایک تمام باتیں نگاہ سے اوجھل ہو گئیں اور وہ حیرت زدہ مبہوت

کھڑے رہ گئے۔ جن شخصوں نے یہ تماشا دیکھا تھا وہ بہ حلف بیان کرتے تھے۔ کہ عرصہ تک اس منظر کی لذت وہ اپنے دل میں محسوس کرتے رہے۔

یونہی ایک مرتبہ سفر میں شیخ مع چند معتقدین کے جا رہے تھے۔ چند ترکمان چوپان ایک بھیڑوں کا گلہ لئے جاتے تھے۔ کسی رفیق نے کہا "شیخ! اس وقت تو دل چاہتا ہے کہ ایک بھیڑ خرید کر اس کا گوشت کھائیں"۔ شیخ نے دس درم نکال کر اُس کو دئے اور کہا "خرید لو"۔ رفیق گیا اور ایک شخص سے ایک بھیڑ خرید لایا۔ ابھی وہ گلہ سے کچھ ہی دور آیا ہوگا کہ دوسرا ترکمان دوڑا ہوا آیا اور کہنے لگا "میرا ساتھی بیچنا نہیں جانتا۔ تم یہ بھیڑ کم قیمت میں لے آئے ہو۔ اس کا دام زیادہ ہے۔ اس کو واپس کرو اور دوسری اُس سے چھوٹی لے لو"۔ شیخ کے رفیق نے انکار کیا اور ترکمانی لڑنے پر مستعد ہوگیا۔ شیخ بھی اُن کے پاس چلے گئے اور رفیق کی طرف سے ترکمانی کو سمجھانے لگے۔ وہ کب مانتا تھا اپنی ضد پر اڑا رہا اور آمادہ بجنگ ہوگیا۔ شیخ نے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ بھیڑ لے کر چلے جائیں اور خود ترکمانی سے باتیں کرتے رہے۔ جب اُن کے ساتھی فاصلہ پر نکل گئے تو شیخ بھی ترکمانی کو چھوڑ کر چلے۔ وہ ان کے پیچھے دوڑا۔ شیخ بھاگے۔ ترکمانی نے ہاتھ پکڑ لیا اور زور سے ان کو اپنی طرف کھینچا۔ شیخ کا ہاتھ شانہ سے الگ ہو کر ترکمانی کے ہاتھ میں رہ گیا۔ اور یہ بھاگے چلے گئے۔ خون بہ رہا تھا۔ ترکمانی اس بات کو دیکھ کر مبہوت ہوگیا اور بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا۔ شیخ شہاب الدین اپنے ساتھیوں سے ملنے جا رہے تھے۔ آخر ترکمانی نے اُن کا ہاتھ زمین پر پھینک دیا اور خود خوف کے مارے بھاگ کر اپنے ہمراہیوں کے پاس چلا گیا۔ شیخ نے وہ ہاتھ اُٹھا لیا اور رفیقوں کے پاس آئے تو اُنہوں نے دیکھا کہ شیخ کے جسم کو کچھ بھی آسیب نہیں پہنچا ہے۔ اور اُن کے ہاتھ میں ایک رومال کے سوا کوئی اور چیز نہیں۔

شیخ شہاب الدین کو دنیاوی زیب و زینت سے سخت بے تعلقی تھی میلا کچیلا

لباس پھٹا پرانا۔ پہنے رہتے۔ اور نہایت مسکینوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن کو دیکھ کر کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا کہ اس شخص میں علم کا دریا موجیں مار رہا ہے۔ نظم نہایت بلیغ اور اعلیٰ درجہ کی کہتے تھے۔ وفات کے وقت آپ نے جو اشعار کہے ہیں اُن میں سے چند ابیات یہ ہیں:۔

قُل لِاَصحَابٍ رَاُونِی مَیِّتًا فبکونی اذ راُونی حزنًا

دوست جو مجھ کو مردہ سمجھ کر میری لاش پر روتے ہیں اُن سے کہ دو کہ

لَاتَظُنُّونِی بِاَنِّی مَیِّتٌ لَیسَ ذَاالمَیِّتُ وَاللّٰہِ اَنَا

مجھے مردہ نہ سمجھو۔ واللہ یہ لاش میں نہیں ہوں۔

اَنَا عُصفُورٌ وھٰذَا قفصی طِرتُ عنہ فتخلّٰی رھنًا

میں تو ایک چڑیا ہوں اور یہ لاش میرا پنجرہ تھی میں اس سے چھوٹ کر اُڑ گیا اور آزاد ہو گیا

وَاَنَا الیَومَ اُنَاجِی مَلَاءً وأری اللہ عیانًا بِھنَا

آج میں تمام ملاء اعلیٰ سے باتیں کرتا اور آرام سے دیدار الٰہی کر رہا ہوں۔

فَاخلَعُوا الاَنفُسَ عَن اَجسَادِھَا لِتَرَونَ الحَقَّ حَقًّا بَیِّنًا

جانوں سے جسموں کو خالی کرو۔ تاکہ حق کو واضح اور سچی طرح دیکھ سکو۔

امام شہاب الدین سُہروردی کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ کتاب التلویحات اللوحیۃ والعرشیۃ۔
(۲)۔ الالواح العمادیۃ۔ یہ کتاب عماد الدین ابی بکر بن قرا ارسلان بن داؤد بن ارتق کے لئے تصنیف کی تھی۔
(۳)۔ کتاب اللمحۃ۔
(۴)۔ کتاب التلویحات۔
(۵)۔ کتاب ہیاکل النور۔
(۶)۔ کتاب المعارج۔
(۷)۔ کتاب المطارحات۔
(۸)۔ کتاب حکمۃ الاشراق۔

(۳۶۸) شہاب الدین بن فتح الدین (حکیم)

اپنے زمانہ کا سرا[illegible] افسر الاطباء نہایت فاضل طبیب تھا۔ پیشہ طبابت

میں علم و عمل ہر لحاظ سے خاص ملکہ پیدا کیا۔ حفظ صحت اور اس کی تدابیر میں اپنے وقت کا یکتائے عالم تھا۔ امراض کے دور کرنے اور اُن کے علاج میں خوب دستگاہ پائی تھی۔ ملک مصر میں مقیم رہا۔ اور ملک الظاہر رکن الدین بیبرس کا درباری طبیب تھا۔

شہدی کرخی (دیکھو ابن شہدی)

شیخ الرئیس بوعلی سینا (دیکھو بوعلی)

شیخ السدید ابی البیان (دیکھو الشیخ السدید)

شیخ السدید رئیس الطب (دیکھو الشیخ السدید رئیس الطب)

(۳۶۶) شیخ بینا جراح (حکیم)

شیخ حسن متطبب سرہندی کا بیٹا تھا۔ جراحی اور فیل کے معالجہ میں کامل مہارت رکھتا تھا۔

شیخ زینل شیرازی (دیکھو زینل شیرازی)

(۳۶۷) شیر شوع بن قطرب (حکیم)

یہ شہر جندی سابور کا معزز باشندہ تھا۔ علمی کتابوں کے مترجمین سے فیاضانہ سلوک کیا کرتا۔ اُن کو تحفے اور ہدایا بھیجتا رہتا۔ اور جس قدر روپیہ ممکن ہوتا اُتنا دیکر مترجمین سے کتابوں کے ترجمے حاصل کرتا رہتا۔ اُس کو سُریانی زبان میں ترجمہ کرانے کی زیادہ چاٹ تھی۔ عربی میں بہت کم کسی کتاب کا ترجمہ کراتا تھا۔ یہ شخص معمولاً نہایت کنجوس تھا مگر اس بارۂ خاص میں اُس کی طبیعت فیاضی پر مائل ہو جاتی تھی۔

(۳۶۸) صاعد بن بشر بن عبدوس (حکیم)

ابو منصور کنیت۔ صاعد نام۔ بشر بن عبدوس کا بیٹا۔ ابتدا میں بغداد کے بڑے سرکاری شفاخانہ میں فصاد تھا۔ بعد میں علم طب کا شوق پیدا ہوا۔ فصد

کھولنے کا کام چھوڑ کر معالجات و تشخیص امراض میں کوشش شروع کی۔ رفتہ رفتہ اپنے زمانہ کا ایک ممتاز طبیب بن گیا۔ اور بڑے بڑے صائب الرائے اطباء میں شمار ہونے لگا۔ تقلید کے دائرہ سے نکل کر اجتہاد کی راہ کا سالک بنا۔ اکثر ایسے امراض جن کا علاج مخالف مرض سخت گرم دواؤں سے کیا جاتا تھا۔ اُن میں فصد لینے۔ ٹھنڈا پانی پلانے۔ اور مسہل دینے کے علاوہ شربت بزوری کا استعمال کرانے کی تدبیر ایجاد کی۔ اور اپنی اس اختراع میں اُسے وہ کامیابی ہوئی کہ بایدو شاید۔ اکثر وہ امراض جو سردی یا استرخاء کے سبب سے پیدا ہوتے اُن کے معالجہ میں شیخ ابوالمنصور صاعد ٹھنڈائیوں ہی کا استعمال کرتا۔ اور مریضوں کو غذا نہ دیتا۔ بتدریج اُس کے نام کا شہرہ دربار شاہی تک پہنچ گیا اور اُس کی رسائی وہاں تک ہوگئی جو اہل علم و فضل کی معراج ترقی کا انتہائی زینہ ہے۔

وزیر ابوالقاسم مغربی کا بیٹا رئیس ابی یحییٰ راوی ہے کہ اُس کے باپ وزیر ابوالقاسم کو مقام انبار میں مرض قولنج لاحق ہوا۔ بیماری سخت تھی۔ وہ حمام میں رہنے لگا۔ کئی مرتبہ تیز دواؤں کا حقنہ لیا۔ اور متعدد بے حد گرم و دست آور دوائیں پیں۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر ایک قاصد بغداد کو روانہ کیا۔ صاعد کو بلوایا۔ وہ آیا اور مرض کی کیفیت دیکھ کر سخت گھبرایا۔ پیاس کے مارے وزیر کی زبان میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ وہ جب پیتا تھا گرم پانی پیتا تھا۔ اور اُس سے مزید تکلیف ہوتی تھی۔ تمام جسم گرم ادویات کے اثر اور حمام کی حرارت کے باعث آگ کی طرح دمک رہا تھا۔ ابی المنصور صاعد نے فوراً ٹھنڈا برف کا پانی ایک گلاس منگا کر وزیر کو دیا کہ اُسے نوش کرے۔ وزیر پہلے تو کچھ جھجکا۔ مگر کچھ تو طبیعت کی مانگ اور زیادہ تر طبیب کی اجازت کے سبب سے جرأت کر کے وہ پانی پی گیا۔ پانی پیتے ہی اُس کی آنکھیں کھل گئیں۔ طبیعت کو سکون معلوم دیا۔ روح تازہ ہوگئی۔ دل ہرا ہوا۔ پھر صاعد نے فصاد کو بلوا کر فصد کھلوائی اور بہت سا خون نکلوا دیا۔ اس کے بعد شربت بزوری اور تخموں کا شیرہ اُسے پلایا۔

جس میں کچھ دواؤں کا لعاب اور سکنجبین بھی شامل کی تھی۔ بعد ازاں وزیر کو حمام سے نکال کر جیش خانہ میں رکھا اور کہا۔ جناب والا۔ خدا نے آپ پر اپنا فضل کر دیا ہے۔ اب آپ کو نیند آئیگی۔ خوب آسودہ ہو کر آرام کریں۔ آنکھ کھلیگی تو پسینہ سے تمام جسم تر ہوگا۔ اور اجابت آئیگی۔ کئی مرتبہ قضائے حاجت کو جائیگا۔ اور فارغ ہو کر آرام کیجیگا۔ پھر جیسی تدبیر مناسب ہوگی وہ کرونگا۔

وزیر خوب مزے سے سو رہا۔ پانچ گھنٹہ تک غافل پڑا رہا۔ پسینہ یوں جاری تھا۔ جیسے کسی نے گھڑوں پانی ڈال دیا ہے۔ پانچ گھنٹہ کے بعد آنکھ کھلی تو فراش کو بلایا۔ اُس نے آکر دیکھا کہ تمام کپڑے زرد رنگ پسینہ سے تر ہیں۔ لباس و بستر بدلا۔ ایک دست خوب کھل کر ہوا۔ اُس کے بعد طبیب نے ہدایت کی کہ پھر سو جائے۔ چنانچہ دوبارہ سو گیا۔ اسی طرح کئی اجابتیں ہوئیں اور طبیعت ہر دفعہ پہلے سے زیادہ ہلکی ہوتی گئی۔ رات کو پرہیزی غذا دی۔ اور بعد ازاں تین دن صرف آش جو کھانے کو دی گئی۔ چوتھے دن وزیر کو بالکل آرام ہوگیا۔ وزیر مذکور اس کے بعد ہمیشہ کہا کرتا تھا۔" وہ آدمی بڑا ہی خوش نصیب ہے جس کو تین باتیں میسّر ہوں۔ ایک یہ کہ اُس کا گھر بغداد میں دریائے دجلہ کے کنارہ پر ہو۔ دوم اُس کا طبیب ابو المنصور صاعد ہو۔ اور سوم اُس کا منشی ابو علی بن موصلایا ہو۔ جسے یہ تینوں نعمتیں مل گئیں پھر اُس کو کسی آرزو کی ضرورت نہیں۔

ابی المنصور صاعد نے بچھو کے کاٹنے کا علاج کافور کی مالش سے کیا ہے اور اس سے فوراً سوزش کو تسکین پہنچی ہے۔

بغداد کا ایک وزیر علی بن بُلبُل تھا۔ اُس کے بھانجے کو خونی سکتہ کا مرض لاحق ہوا۔ وُہ مردہ کی طرح پڑا تھا۔ بغداد کے تمام اطبّاء موجود تھے۔ اور ہر طرح دیکھ بھال کر اس بات کا فیصلہ کر چکے تھے کہ بیمار مر گیا ہے۔ ابی المنصور صاعد بھی موجود تھا۔ اور چپ چاپ سب حالات دیکھتا تھا۔ آخرکار وزیر نے میّت کے غسل و کفن کا سامان کیا۔ عورتوں میں کہرام شروع ہوگیا۔ لوگ ماتم پُرسی کے لئے جمع ہوگئے۔

مگر صاعد بن بشر ہنوز خاموش بیٹھا تھا۔ وزیر نے اُس کو چپ دیکھ کر دریافت کیا۔ "کیوں ابی المنصور! کیا تم کچھ کہنا چاہتے ہو" صاعد۔ ہاں جناب! اگر اجازت ہو اور آپ مانیں۔ تو میری یہ گزارش ہے کہ آپ کے عزیز کو خونی سکتہ لاحق ہے۔ میری رائے میں ابھی یہ زندہ ہے۔ ممکن ہے کہ میں غلطی پر ہوں۔ لیکن اس میں حرج کیا ہے کہ ایک نشتر چبھو کر دیکھ لیا جائے اور وہ موثر نہ ہو تو دوسرا بھی۔ بات بن گئی تو فھو المراد۔ ورنہ پھر جو کچھ ہو رہا ہے یہی ہو گا"

وزیر نے اُس کی بات مان لی۔ فصد کا سامان منگوا لیا گیا۔ عورتیں ہٹا دی گئیں ترت پھڑا دینے۔ سونگھانے اور سلگنے کی خوشبودار چیزیں اور دوائیں مہیا کر دی گئیں۔ صاعد نے مریض کا بازو پٹی سے کس کر باندھ دیا۔ اور ایک آدمی کی گود میں اُسے بٹھا کر رگ کو اُبھار کے نشتر لگایا۔ نشتر کے چبھتے ہی خون کا فوارہ اُبل چلا۔ اور جس گھر میں ماتم برپا تھا وہاں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ تین سو درہم خون ایک ہاتھ سے نکلا تو مریض نے آنکھ کھول دی۔ مگر بول نہ سکا۔ پھر صاعد نے دوسرے ہاتھ کی فصد لی اور اتنا ہی خون نکالا جتنا پہلے ہاتھ سے نکالا تھا۔ اب مریض باتیں کرنے لگا۔ اور اُس کو غذا وغیرہ دی گئی۔ مسکن دوائیں پلائی گئیں۔ تیسرے دن مریض گھوڑے پر سوار ہو کر نماز جمعہ پڑھنے گیا اور چوتھے دن دربار خلافت میں حاضر ہوا خلیفہ نے حکم دیا کہ اُس پر درم و دینار نثار کئے جائیں۔ صاعد کو انعام سے مالا مال کیا گیا۔ اور وہ اُسی وقت سے تمام اطبائے بغداد میں ممتاز بنا دیا گیا ❖

صاعد کی تصانیف میں صرف ایک کتاب مقالہ مرض مراق اور اُس کے علاج کے بیان میں پائی جاتی ہے۔ اُس نے یہ کتاب اپنے کسی عزیز بھائی کے لئے تصنیف کی تھی ❖

(۳۶۹) صالح بن بہلہ ہندی (حکیم)

ہندوستان کے ممتاز علماء میں سے تھا اور ہندوستانی ویدک معالجات کا بہت بڑا ماہر۔ اس کی حذاقت کے بہت سے نادر قصے مشہور ہیں۔ قبل از ظہور

مرض بیماری کی پیشینگوئی کر دینا اور اس کی رائے کا ٹھیک اترنا۔ ایک حیرت انگیز امر تھا۔ صالح بن بہلہ بھی دربار رشیدی کا طبیب اور رسوخ و اقتدار سے بہرہ ور تھا۔ اس کے ایک معرکے کے علاج کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کے چچازاد بھائی ابراہیم بن صالح کے معالجہ میں اس نے مسیحائی دکھا دی تھی ٭

ایک روز خلیفہ ہارون الرشید کھانے پر بیٹھا اور جبریل بن بختیشوع اپنے طبیب کو حاضر نہ پا کر اسے طلب کیا۔ خلیفہ کی عادت تھی کہ بغیر جبریل کے ساتھ بیٹھے ہوئے کھانا تناول نہ کرتا۔ جبریل کی تمام محلوں میں تلاش ہوئی۔ نہ وہ اپنے گھر پر ملا اور نہ شاہی حرم سرا میں جہاں اس کے حاضر ہونے کا معمول تھا وہاں۔ خلیفہ کو دیر کے بعد اطلاع ہوئی کہ جبریل کا کہیں پتا نہیں۔ تو اس نے برہم ہو کر جبریل کو سخت و سست کہنا شروع کیا۔ مگر اسی اثناء میں جبریل آ گیا۔ اور خلیفہ کو اپنے اوپر برہم دیکھ کر بولا "امیر المومنین! مجھ پر ناراضی سے کیا فائدہ۔ یہ وقت آپ کے کھانے پینے کا ہے یا اپنے عزیز چچازاد بھائی ابراہیم بن صالح کی حالت پر رونے کا" خلیفہ نے متحیر ہو کر دریافت کیا "کیوں اس کو کیا ہوا؟" جبریل "جناب! بس دم شماری ہے اور گھڑی دو گھڑی کا اور مہمان رہ گیا ہے" یہ سن کر خلیفہ نے دستر خوان بڑھانے کا حکم دیا اور خود زار و قطار رونا شروع کیا۔ ابراہیم کے محل تک ڈاک لگا دی گئی کہ ہر لحظہ کی خبریں آئیں۔ خلیفہ کی بیتابی دیکھ کر اس کے وزیر اعظم جعفر نے عرض کی کہ امیر المومنین! جبریل یونانی طبیب ہے۔ اور صالح بن بہلہ ہندی۔ دو نو ممالک کے طریقۂ علاج میں بہت فرق ہے۔ ذرا آپ صالح کو تو حکم دیں کہ وہ ابراہیم کو دیکھ آئے" جعفر کا یہ مشورہ منظور ہوا اور صالح نے جا کر ابراہیم کو دیکھا۔ جب وہ خلیفہ کے پاس واپس آیا جعفر نے اس سے بیمار کا حال دریافت کیا۔ صالح نے کہا۔ میں خلیفہ کے حضور میں عرض کرونگا۔ جعفر کے اصرار نے کوئی کام نہ دیا اور صالح نے خلیفہ کے حضور میں جا کر بڑی متانت کے ساتھ بیان کیا۔ "امیر المومنین! آپ کو گواہ بنا کر عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ کے عزیز بھائی کی زندگی پر

آج کے دن کوئی حرف آجائے تو میرے تمام غلام راہ خدا میں آزاد۔ اور تمام مال ومتاع خیرات وصدقات میں صرف۔ اور میری تمام بیویاں تین طلاق پاجائیں۔ آپ شوق سے کھانا کھائیے اور پھر چل کر اُن کو دیکھئے" خلیفہ کو صالح کے طرز کلام سے کچھ ایسا اطمینان ہو گیا کہ اُس نے کھانا تناول کیا اور نبیذ منگا کر پی رہا تھا کہ ناگہاں ابراہیم کے جان بحق تسلیم ہونے کی خبر آگئی۔ پھر کیا تھا۔ خلیفہ نے نبیذ کا پیالہ پھینک دیا۔ استفراغ کر کے تمام کھانا پیٹ سے نکال ڈالا۔ رونے اور ہندی اطباء کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ اور ماتمی لباس پہن کر اپنے مُردہ بھائی کے گھر گیا۔ وہاں خلیفہ کے لئے پرتکلف فرش کیا گیا تھا۔ ہارون الرشید نے ریشمی فرش دیکھ کر کہا کہ ماتم خانہ میں اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ سادہ فرش کافی ہے۔ چنانچہ سفید فرش بچھا اور خلیفہ تلوار ٹیک کر سوگوار بنا ہوا اُس پر بیٹھ گیا۔ میت کو غسل دیکر کفن بھی پہنایا جاچکا تھا۔ اور اب جلد تر جنازہ لے چلنے کی تیاری ہو رہی تھی۔ صالح سے یہ حال دیکھ کر صبر نہ ہو سکا۔ وہ خلیفہ کے سامنے آیا اور عرض کرنے لگا" امیر المومنین! خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے اور اپنی جان پر بھی۔ یہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ میری بیویاں طلاق پاجائینگی۔ میرا مال وزر ضائع ہوگا۔ اور آپ اپنے عزیز بھائی کو زندہ درگور کرینگے۔ چلئے میرے ساتھ چل کر دیکھئے۔ آپ کا بھائی زندہ ہے" پہلے تو خلیفہ نے اس کے کہنے پر کوئی توجہ نہ کی لیکن بار بار کے اصرار سے وہ مان گیا اور صالح کو لے کر بھائی کے جنازہ پر پہنچا۔ صالح نے ابراہیم کا کفن چاک کر کے اُس کا ہاتھ باہر نکالا اور اُس کے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کو پکڑ کر ناخن کے نیچے ایک سوئی چبھو دی۔ ابراہیم نے معًا اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اور صالح خلیفہ کو یہ تماشا دکھا کر بولا" امیر المومنین! کیا مُردوں کو بھی دُکھ محسوس ہُوا کرتا ہے؟" خلیفہ نے جواب دیا" نہیں" صالح "پھر اگر آپ کا حکم ہو تو یہ ابھی اُٹھ کر آپ سے ہمکلام ہو جائے" خلیفہ" صالح! خدا کے لئے جلد ایسی تدبیر کرو" صالح" امیر المومنین! مگر میں اس حالت میں تو کچھ نہ کرونگا اگر وہ ہوش میں آکر اپنے تئیں کفن میں لپٹا دیکھیگا تو بے موت بھی مر جائیگا۔ اِس کا

کفن اُتارا جائے۔ غسل وکیرکافور وغیرہ کی خوشبو اس کے جسم سے دور کی جائے اور معمولی لباس پہنا کر عطر وغیرہ لگا دیا جائے۔ تب میں اس کا علاج کر سکتا ہوں ؟

جب صالح کی ہدایتوں پر عمل کیا گیا۔ اور ابراہیم کو ایک پلنگ پر لٹا دیا گیا۔ اُس وقت صالح نے ایک لمبی سی چاندی کی نلی لیکر اُس میں "کُندُس" کا سفوف بھر دیا۔ اور خلیفہ۔ اُس کا خاص مصاحب مسرور۔ اور دو تین دیگر ارکان دربار صالح کے ساتھ اُس کمرہ میں گئے جہاں ابراہیم اُسی مُردہ نما صورت سے بستر پر پڑا ہوا تھا صالح نے نلی کا وہ سرا جس میں دوا بھری تھی ابراہیم کی ناک سے ملا کر دوسری طرف پھونک لگائی اور تمام سفوف اس طریقہ سے مریض کے دماغ میں پہنچا دیا۔ اس عمل کو دس منٹ بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ یکایک مریض کو نہایت زور کی چھینک آئی اور اُس کے بدن میں حرکت محسوس ہوئی۔ چھینک آنے کے ساتھ ہی ابراہیم اُٹھ کر بیٹھ گیا اور آنکھ کھول دی۔ اُس نے خلیفہ کو پاس بیٹھے دیکھا۔ اور گھبرا کے اُس کے ہاتھ چومنے کو جھک گیا۔ پھر دریافت کیا کہ امیرالمومنین کیسے تشریف لائے۔ اور یہ کہ وہ کس حالت میں تھا جو اُسے حضور کے قدوم کی خبر تک نہ ہوئی۔ خلیفہ نے اُس کو اطمینان دلایا اور کہا۔ "تم کچھ ایسے غافل سوئے ہوئے تھے کہ تم کو ذرا بھی اپنی خبر نہ تھی۔ ایسی نیند ایک حیرت ناک امر ہے۔ میں تم کو دیکھنے آیا تھا۔ اب بتاؤ تم کو کیا معلوم ہوتا تھا ؟"

ابراہیم " امیرالمومنین ! کیا کہوں۔ اس مزے کی نیند تھی کہ شائد ہی کبھی ایسی شیریں نیند نصیب ہوئی ہو۔ مگر دنیا کیسی بُری بلا ہے۔ آہ۔ اس دنیا میں آرام اور سچا آرام بہت جلد زائل ہو جاتا ہے۔ میں نے اسی راحت کے عالم میں یہ خواب دیکھا کہ ایک کُتا مجھ پر حملہ آور ہوا ہے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے اُس کو روکنا اور پکڑ کر دور پھینک دینا چاہا تو اُس نے میرے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں کاٹ کھایا۔ اور کمبخت کے کاٹنے کا درد ابھی تک محسوس ہوتا ہے " یہ کہکر اپنا وُہی انگوٹھا جس میں صالح نے سوئی چبھوئی تھی خلیفہ کو دکھانے لگا ۔

ابراہیم اس حادثہ کے بعد عرصہ تک زندہ اور تندرست رہا۔ اُس کی شادی خلیفہ کی بھتیجی عباسہ بنت مہدی کے ساتھ ہوئی اور ملک مصر کا حاکم مقرر ہوا جہاں اُس نے وفات پائی اور وہیں مدفون ہے۔

(۳۷۰) صدقۃ السامری (حکیم)

صدقہ بن منجا بن صدقۃ السامری۔ بہت بڑا طبیب اور اس فن کے ممتاز ماہرین میں سے تھا۔ علاج بہت توجہ اور کوشش سے کیا کرتا۔ علم و فہم میں کامل اکمل فلسفہ میں صاحب دستگاہ۔ اُس کے اسرار اور باریکیوں سے آگاہ۔ اور طب کا اچھا مدرس تھا۔ نظم سے بھی طبیعت کو لگاؤ تھا اور اوسط درجہ کا شاعر تھا۔ کبھی کبھی اپنے کلام میں حکمت کی نادر باتیں بھی نظم کر لیا کرتا تھا۔ مثنوی کی قسم کی نظم اکثر کہتا تھا۔ حکمت و طب کے فنون میں اُس کی کئی تصانیف ہیں۔ ملک الاشرف موسیٰ بن ملک العادل ابی بکر کا شاہی طبیب رہا اور کئی سال تک ممالک مشرق میں اُس کے ہمرکاب موجود رہتا تھا۔ اسی ملازمت کی حالت میں اُس نے وفات پائی۔

ملک الاشرف صدقۃ السامری کو بہت معتمد علیہ رکھتا تھا۔ اور اُس کا بیش قرار وظیفہ مقرر رکھا تھا۔ انعام و اکرام تنخواہ کے علاوہ بہت کچھ دیتا۔ صدقۃ السامری نے ملک شام کے شہر حران میں ۶۲۰ھ کے چند سال بعد وفات پائی اور لاولد مرا۔ اُس نے اپنے ترکہ میں بیحد دولت چھوڑی تھی۔

صدقۃ السامری کے اقوال حکیمانہ بہت سے ہیں۔ وہ کہتا ہے:۔

"روزہ اس کا نام ہے کہ جسم کو غذا سے، حواس کو خطا سے، اور اعضاء کو گناہوں کے ارتکاب سے روکا جائے۔ تمام عبادتیں آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں۔ لیکن روزہ ایسی عبادت ہے کہ اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ یہ باطنی عمل ہے اور خالص صبر سے اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ روزہ کے تین درجے ہیں۔ ایک تو عام روزہ۔ اور یہ اس طرح کا روزہ ہے کہ شکم اور شرمگاہ کو اس کی خواہش پوری کرنے سے

باز رکھے۔ دوم خاص روزہ۔ اور اُس کے یہ معنیٰ ہیں کہ دل کو دُنیا کی فکروں سے پاک بنا کر بالکل یادِ الٰہی پر مائل ہو جائے"۔

"اُس کا قول ہے کہ بدن سے خارج ہونے والی رطوبات میں سے جو رطوبتیں کسی خاص مقام میں بند رہ کر دوسری صورت حاصل نہیں کرتیں۔ مثلاً آنسو۔ پسینہ اور لعاب دہن وغیرہ۔ وہ پاک ہوتی ہیں۔ لیکن بخلاف اس کے جو کسی خلائے عضوی میں بند رہتی اور شکل بدلتی ہیں۔ مثلاً بول و براز وغیرہ۔ وہ ناپاک سمجھی جاتی ہیں"۔

"وزیر کا لفظ وِزر سے مشتق ہے جس کے معنی بوجھ کے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وزیر کو اپنے مخدوم (بادشاہ) کا بوجھ اُٹھانا یا دوسرے الفاظ میں مہام مملکت میں ہاتھ بٹانا لازم ہے۔ اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ جسمانی یا اخلاقی کسی اعتبار سے ناقص نہ ہو۔ اوّل الذکر پہلو سے وزیر کو متناسب الاعضاء نیز صحیح الحواس ہونا ضروری ہے۔ اور موخّر الذکر لحاظ سے اُس میں علوِ ہمّت۔ اصابت رائے ذکاوت ذہن اور جودت عقل وغیرہ اوصاف حمیدہ موجود ہونے چاہئیں۔ اُس کو امورِ سلطنت کے حلّ و عقد اور بست و کشاد سے باخبر ہونے کے علاوہ عالی حوصلہ۔ صاحب مروّت اور مخیّر ہونا لازمی ہے۔ اگر اُس کی ذات میں یہ تمام اوصاف بدرجۂ اتمّ ہونگے تو اُس میں کچھ شک نہیں کہ وہ دولت کا بہترین رُکن۔ اُس کے اندرونی و بیرونی انتظامات کا مُصلح۔ قلمرو کو ہر قسم کی تباہی اور تقسیم و تجزیہ سے بچانے والا نیز تمام قسم کی آفات و صدمات سے دار الملک کا محافظ ثابت ہوگا۔

صدقۃ السّامری کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ شرح توراۃ شریف۔

(۲)۔ کتاب النفس یہ تعلیقات ہیں علم طب میں جس کے اندر امراض۔ اُن کی علامات۔ اور اُن کے اسباب کا بیان کیا ہے۔

(۳)۔ بقراط کی کتاب الفصول کی شرح۔ ناتمام۔

(۴)۔ مقالہ مفردادویات کے نام ہیں۔

(۵)۔ مقالہ چند طبّی مسائل کے جواب میں۔ یہ سوالات اسعد المحلی یہودی طبیب نے کئے تھے۔

(۶)۔ کتاب علم عقائد میں اس کا نام

کتاب الاکثر فی الفوز ہے ۔ (۷)۔ کتاب الاعتقاد ۔

(۳۷۱) ضیاء الدین ابن البیطار (دیکھو ابن البیطار) (حکیم)

(۳۷۲) طاہر بن ابراہیم السنجری (حکیم)

شیخ ابو الحسین طاہر بن ابراہیم بن محمد بن طاہر السنجری۔ یہ ایک فاضل طبیب فن طب کا اچھا عالم۔ علاج کا کامل ماہر۔ اور اپنے وقت کا ممتاز حکیم مانا گیا ہے ۔

اس کی تصانیف میں حسب ذیل کتابیں ملتی ہیں ۔

(۱)۔ کتاب ایضاح منہاج محجۃ العلاج اس نے یہ کتاب قاضی ابی الفضل محمد بن حمویہ کے لئے تالیف کی تھی۔

(۲)۔ کتاب فی شرح البول والنبض۔ اس میں نبض و قارورہ کا مفصل بیان کیا ہے ۔

(۳)۔ بقراط کی کتاب الفصول کی تقسیم ۔

طیبوبہ (دیکھو شمعون طیبوبہ)

(۳۷۳) طیفوری (حکیم)

عبداللہ طیفوری دانشمند شیریں کلام۔ اپنے فن میں ہوشیار تھا۔ کسی قدر زبان میں لکنت تھی خلیفہ ہادی عباسی کا بڑا منہ چڑھا اور مقرب تھا۔ کئی عظیم الشان خلفاء کا اتالیق اور طبیب رہا۔ اور سب کے زمانوں میں دولت و نعمت سے سرفراز ہوا۔ آرام سے زندگی بسر کی ۔

(۳۷۴) طیماوس فلسطینی (حکیم)

یہ طبیب سرزمین فلسطین (پیلسٹائن) کا باشندہ اور علم و کمال کے شوق میں یونان میں آرہا تھا۔ اس نے بقراط کی کتابوں پر شرحیں لکھی ہیں ۔

(۳۷۵) ظافر بن جابر السکری (حکیم)

جابر بن منصور السکری کا فرزند رشید اور فن طب کا مسلم الثبوت ماہر تھا۔ علوم حکمیہ

میں بھی مہارت رکھتا اور دیگر علوم میں بھی دستگاہ تھی۔ بغداد میں ابی الفرج بن الطیب کی صحبت پائی اور اُس کے ساتھ مطب کیا تھا۔ باپ کی طرح اس نے بھی اچھی عمر پائی۔ اور ۶۲۱ھ میں زندہ و سلامت موجود تھا۔ دراصل اس کا گھر شہر موصل میں تھا لیکن بعد میں ملک شام کے شہر حلب کو اپنا مسکن بنالیا اور تادم مرگ وہیں رہا۔ اُس کی نسل سے ایک جماعت اطبّاء کی حلب میں گزری ہے۔

ظاہر بن جابر السکری کی تصانیف میں حسب ذیل ایک مقالہ اس ذکر میں ہے کہ حیوان باوجود اس بات کے کہ غذا اُس کے تحلیل شدہ حصہ جسم کا معاوضہ پیدا کردیتی ہے ضرور مر جاتا ہے۔

(۳۷۶) عبداللہ بن اسحٰق (حکیم)

اِس کو بھی کتابوں کا ترجمہ کرنے اور اُن کو حاصل کرکے جمع کرنے کی دھن تھی۔

عبداللہ طیفوری (دیکھو طیفوری)

(۳۷۷) عبدالرحمٰن بن اسحٰق بن الہیثم (حکیم)

اُندلس کے نامور اور ممتاز اطبّاء میں سے تھا جو اُستاد وقت اور امامِ فن مانے گئے ہیں۔ قرطبہ کا رہنے والا تھا۔ صاحب تصانیف ہے۔

اس کی کتابیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ کتاب الکمال والتمام مسہل اور قے لانے والی دواؤں کے بیان میں۔

(۲)۔ کتاب الاقتصار والایجاز۔ اس میں ابن الجزار کی غلطیوں کا اظہار کیا ہے۔

(۳)۔ کتاب الاکتفاء بالدواء من خواص الاشیاء۔ (۴)۔ کتاب السمائم۔ زہروں کے بیان میں۔

(۳۷۸) عبدالعزیز بن مسلمۃ الباجی (حکیم)

دراصل ملک مغرب کے شہر باجہ کا رہنے والا اور اندلس کے سربرآوردہ

لوگوں میں سے تھا۔ اس کا مشہور نام "ابن الحفید" ہے۔ فن طب کا زبردست ماہر ادیب و شاعر اعلےٰ درجہ کا۔ اور المصدوم کا شاگرد رشید تھا۔ بہت سے معرکۃ الآرا معالجات میں کامیابی حاصل کی۔ اپنے معاصرین میں نہایت ممتاز مرتبہ پایا۔ خلیفہ المستنصر کا درباری طبیب رہا اور اُس کے عہد میں بمقام مراکش وفات پائی۔

(۳۷۹) عبدالملک بن ابجر کنانی (حکیم)

ذی علم اور ہوشیار طبیب تھا۔ جزئیات و کلیات فن میں وسیع النظر اور تشخیص و علاج میں کامل تھا۔ ابتداً اُس کا قیام شہر اسکندریہ میں بحیثیت ایک مدرس کے رہا۔ کیونکہ سابق میں جن اسکندریہ کے نامور اطباء کا ذکر ہو چکا ہے ان کے بعد دار العلم اسکندریہ میں یہی سب سے بڑا مدرس مانا جاتا تھا۔ اس کے زمانہ میں ملک مصر پر روم کے عیسائی شہنشاہ حکمران تھے۔ جس وقت مسلمانوں نے ملک مصر کو فتح کیا ہے۔ اور وہ اسکندریہ پر بھی قابض ہوئے تو ابن ابجر حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہو گیا۔ اُس زمانہ میں عمر بن عبدالعزیزؒ صرف ایک ملکی حاکم اور امیر تھا۔ خلیفہ نہیں ہوئے تھے۔ ابن ابجرؒ مسلمان ہو کر اُن کے ساتھ رہنے لگا۔

سنہ ۹۹ھ میں عمر بن عبدالعزیز مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو اُنھوں نے علم طب کا مدرسہ اسکندریہ سے انطاکیہ اور حرّان میں منتقل کر دیا۔ ان دو مقامات کے علاوہ اور بھی کئی مقامات پر فن طب کا درس جاری ہو گیا تھا۔ ابن ابجرؒ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا شاہی طبیب تھا۔ اور وہ اسی سے اپنا علاج کراتے تھے۔

ابن ابجرؒ کا قول ہے "معدہ بدن میں بمنزلہ حوض کے ہے۔ اور رگیں اُس سے نکلی ہوئی نالیاں۔ اگر اُس میں کوئی تندرستی بخش چیز جائیگی تو بدن تندرست رہیگا۔ اور خراب شے معدہ میں پہنچیگی تو یقیناً اُس سے مرض پیدا ہو گا"۔

عبدالمنعم الجلیانی (دیکھو حکیم الزمان)

(۳۸۰) عبدالمؤمن بن عبدالمنعم (حکیم)

حکیم الزمان عبدالمنعم کا فرزند اور بے مثل کحال تھا۔ شاعری کا مذاق بھی رکھتا تھا۔ ملک الاشرف ابو الفتح موسیٰ بن ملک العادل ابی بکر بن ایوب کا طبیب خاص رہا اور معقول وظیفہ پایا کیا۔ عبدالمؤمن نے ۶۲۱ھ میں بمقام رہا۔ وفات پائی۔ اس کی کوئی تصنیف نہیں ملتی۔ ہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ امراء اور سلاطین کا مداح رہا ہے اور کئی مدحیہ قصائد لکھے ہیں۔ جن کا مزید ذکر کرنا ہمارے مبحث سے خارج ہے۔ ممکن ہے کہ اُن قصائد کا کوئی ضخیم مجموعہ موجود ہو مگر ہماری نظر سے نہیں گذرا۔

(۳۸۱) عبدوس (حکیم)

بغداد میں خوبی معالجہ کے اعتبار سے نہایت مشہور طبیب تھا۔ اس کی تجویز بہت عمدہ ہوا کرتی۔ مرکب دواؤں کا بڑا ماہر تھا۔ اس کے اعتبار سے نہایت مشہور طبیب تھا۔ اس کے طبی تجربات اور علاج کی ترکیبیں بہت پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔ ایک بار جبکہ خلیفہ معتضد باللہ کا مرض بہت ترقی کر گیا تھا۔ اور اُس کو استسقاء کی شکایت تھی۔ اس کی وجہ مزاج کا بگاڑ تھا۔ اور یہ بات متعدد بیماریوں کے منتقل ہونے سے پیدا ہو گئی تھی۔ خلیفہ کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں یہ بیماری اُس کی جان نہ لے۔ اُس نے عبدوس اور داؤد بن دیلم کو جو بغداد میں اُس وقت اچھے طبیب شمار ہوتے تھے بلوایا اور اُن سے سوال کیا: "تم کہا کرتے ہو کہ جب ہمیں مزاج اور بیماری کی شناخت ہو جائے تو ہم ضرور کارگر علاج کر سکتے ہیں" اُنھوں نے جواب دیا "بے شک۔ یہی بات ہے"

خلیفہ "پھر کیا وجہ ہے کہ تم سے میرا علاج نہیں بن آتا۔ کیا تم نے میرا مرض نہیں پہچانا۔ میرے مزاج کا حال نہیں جانتے ہو۔ یا جانتے ہو اور کچھ نہیں کرتے خواہ مخواہ مجھے آفت میں ڈال رکھا ہے؟"

عبدوس اور ابن دیلم دونو خلیفہ کا یہ سوال سن کر ڈر گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ خلیفہ اگر بگڑ گیا تو جان کی خیر نہیں۔ ہوش و حواس غائب ہو چلے۔ مگر عبدوس نے دل مضبوط کیا اور کہا "امیر المومنین! جب کسی مرض کے اسباب پر کما حقہٗ آگاہی ہو جائے اور طبیب کی عقل پورے طور پر اُس کے اجزا پر حاوی ہو جائے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ مواد شفائیہ سے اُس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور علاج کارگر ہوتا ہے۔ ہم نے اس بارہ میں جو کچھ عرض کیا وہ بالکل درست ہے لیکن بات یہ ہے کہ ہم کو اب تک آپ کے مرض کا پورا اندازہ نہیں ہو سکا ہے جس وقت ہمیں معلوم ہو گیا کہ آپ کی شکایت کے اجزا کیا ہیں۔ بس ہم اسی وقت اُنہی اجزاء کے مطابق دوائیں بنا کر آپ کی صحت درست کر دینگے۔ ابھی تو مزاج کا رنگ دیکھ رہے ہیں اور مختلف ادویات کی ترکیب سے یہ پتا چلانے میں مصروف ہیں کہ آپ کا مزاج کس مرکز پر قرار پکڑتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ہماری کوششوں کی علت غائی اور منتہٰے مدعا یہی ہے کہ آپ بہت جلد شفایاب ہو جائیں ہم سے امکانی تدابیر میں کسی طرح کی کوتاہی کرنا ممکن ہی نہیں۔ خدا کو منظور ہے۔ تو آخر کار ہم کامیاب ہونگے" خلیفہ اس جواب سے مطمئن ہو گیا اور اُن کو حکم دیا کہ اچھا اپنی تدبیر کرو۔ عبدوس کہتا ہے "ہم نے مل کر باہم مشورہ کیا اور یہ رائے قائم کی کہ خلیفہ کو گرم تنور میں بٹھائیں۔ چنانچہ اس کا انتظام کیا اور ایک بند مکان کو اچھی طرح گرم کر کے خلیفہ کو اُس میں داخل کر دیا۔ اس تدبیر سے اُس کو خوب پسینہ آیا۔ مرض میں بظاہر تخفیف ہو گئی۔ کیونکہ اب بیماری ظاہر نہیں رہ گئی تھی۔ بلکہ وہ اندرونی مرض بن گئی۔ اور گرمی کا اثر قلب پر پہنچ گیا۔ ہمارا مقصد بھی یہی تھا کہ دیکھنے میں وہ تندرست معلوم ہو۔ مگر در اصل موجودہ حالت سے زیادہ خطرناک حالت میں گرفتار ہو۔ چنانچہ کچھ ہی دن بعد وہ عارضۂ قلب کا شکار بنکر فوت ہو گیا اور خدا نے ہم کو اُس کے شر سے بچا دیا۔ خلیفہ معتضد ۲۳۔ ربیع الآخر ۲۸۹ھ کو فوت ہوا تھا۔

عبدوس کی تصنیف صرف ایک کتاب موسوم بہ "کتاب التذکرہ" فن طب میں ایک گرانمایہ اور مفید کتاب ہے ؂

(۳۸۲) عبدوس بن زید (حکیم)

یہ اپنے باپ کی طرح فاضل اور حاذق طبیب تھا۔ علوم متعارفہ میں کافی دستگاہ رکھنے کے علاوہ انتہا درجہ کا ذہین اور طباع تھا۔ اس کے ہاتھ سے بھی کئی معرکہ کے علاج ہوئے خصوصًا درد قولنج کا بے مثل علاج کرتا تھا۔ اس کی تصنیف کتاب التذکرہ فن طب کی عمدہ کتاب ہے ؂

(۳۸۳) عبدیشوع بن بہریز (حکیم)

شہر موصل کا مطران (میٹروپولیٹ۔ ایک دینی عہدہ ہے) اور جبرئیل بن بختیشوع کا گہرا دوست تھا۔ اس نے جبرئیل مذکور کے لئے چند عمدہ کتابوں کا ترجمہ کیا۔ جو اپنی خوبیوں کے لحاظ سے نہایت قدر و وقعت کی نگاہوں سے دیکھی گئیں اور فوائد کے اعتبار سے اس کے لئے باقیات الصالحات کی ذخیرہ اندوز ثابت ہوئیں ؂

(۳۸۴) عبیداللہ بن جبرئیل (حکیم)

نام و نسب :۔ عبیداللہ نام۔ ابو سعید کنیت۔ جبرئیل بن عبیداللہ بن بختیشوع بن جبرئیل بن بختیشوع بن جورجس کا فرزند۔ فن طب میں نہایت فاضل اور علاج کی خوبی میں مشہور تھا۔ اپنے خاندان میں سر برآوردہ اور اپنے زمانہ کا کامل الفن شخص تھا۔ اس کے نوادر علاج کی بہت شہرت تھی۔ اقران و اماثل میں نامور تھا۔ طبیعت نہایت رسا پائی تھی۔ مذہب عیسوی کا زبردست عالم اور اس دین کے علوم کا پورا ماہر تھا۔ فن طب سے اس کو خاص لگاؤ رہا۔ اس علم کی اس نے کئی

اچھی کتابیں تصنیف کیں۔ وہ میّافارقین ہی میں مقیم رہا۔ ابن بُطلان اُس کا ہمعصر تھا۔ ابن بُطلان اور عبیداللہ کی بہت گہری دوستی تھی۔ اکثر اُن کی باہمی صحبت رہا کرتی ۔

اِس کی طبّی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ اختلاف الالبان۔ دودھ کے اختلاف کے بیان ہیں ۔

(۲)۔ کتاب مناقب الاطبّاء۔ یہ طبیبوں کی مختصر تاریخ ہے ۔

(۳)۔ کتاب الروضۃ الطبیّہ ۔

(۴)۔ کتاب التوصل الی حفظ التناسل ۔

(۵)۔ ایک رسالہ وجوب طہارت (صفائی) کے بیان ہیں ۔

(۶)۔ رسالہ وجوب حرکت نفس کے ذکر ہیں ۔

(۷)۔ نوادر المسائل۔ قدیم اطبّاء کے چیدہ علمی مسائل کا مجموعہ ہے ۔

(۸)۔ تذکرۃ الحاضر وزاد المسافر ۔

(۹)۔ الخاص فی علم الخواص۔ دواؤں کی خاصیتوں کے ذکر ہیں ۔

(۱۰)۔ کتاب طبائع الحیوان وخواصہا۔ اس میں حیوانات کے مزاج۔ اُن کی خاصیت اور اُن کے اعضاء کے فوائد بیان کئے ہیں ۔

عبیداللہ بن جبرئیل نے ۴۵۰ھ کے قریب ایک سال بعد وفات پائی۔ ٹھیک سنہ وفات معلوم نہیں ہوسکا اور نہ عمر کی بابت کچھ پتا چلتا ہے مگر قیاس یہ ہے کہ ساٹھ ستر سال سے زائد عمر پائی ہوگی۔ واللہ اعلم ۔

عزّ الدین ابن السُّوَیدی (دیکھو ابن سویدی)

(۳۸۵) عفیف بن سکرہ (حکیم)

عفیف بن عبدالقاہر بن سکرہ۔ یہودی۔ حلب کا رہنے والا۔ اچھا نامور اور ماہر طبیب تھا۔ خواص الادویہ کی مہارت اور طریق علاج کی خوش اسلوبی کے باعث اپنے زمانہ میں کافی شہرت حاصل کی تھی۔ اس کی اولاد اور اہل خاندان میں بہت سے آدمی پیشۂ طبابت کرتے تھے اور سب شہر حلب ہی میں رہتے تھے۔

عفیف صاحب تصنیف بھی ہے۔ اُس کی تصانیف سے ایک مقالہ "قولنج" کے بیان میں ہے جس کو اُس نے ملک الناصر صلاح الدین ایوبیؒ کے لئے ۵۸۴ھ میں لکھا تھا ◆

(۳۸۶) علم الدین ابونصر (حکیم)

بن ابی حلیفہ۔ مہذب الدین کا بھائی اور عمر میں سب سے چھوٹا مگر ذہانت وفطانت میں بلا کا آدمی تھا۔ اپنے وقت کا زبردست عالم اور علم ودانش میں اعلیٰ درجہ کا شخص شمار ہوتا تھا۔ طب میں خاص امتیاز پایا۔ اور اپنے خاندان کا معزز فرد ہوا۔ طبی دُنیا میں مشہور اور باوقعت سمجھا جاتا تھا اس کے علمی کارنامے اگرچہ مذکور نہیں ہوئے۔ مگر ان کے وجود سے انکار نہیں ہوسکتا ◆

(۳۸۷) علیؒ (حکیم)

حکیم الملک کا بھانجا۔ طب میں اپنے ماموں اور شاہ فتح اللہ شیرازی کا شاگرد تھا۔ دیگر علوم نقلیہ میں شیخ عبدالنبی سے تلمذ تھا۔ علوم شرعیہ میں کامل مہارت رکھنے کے باوجود اُس کے غالی شیعہ ہونے میں کوئی کمی نہیں آئی طبی کتابوں کا اچھا ماہر اور معالجہ میں طاق تھا۔ لیکن جوان ہونے کی وجہ سے طبیعت میں خودپسندی زیادہ تھی۔ تجربہ بھی زیادہ وسیع نہ تھا۔ اِس لئے بعض اوقات اُس کا شربت بیمار کے حق میں شربت فنا کا اثر دکھاتا تھا۔ چنانچہ اپنے اُستاد شاہ فتح اللہ شیرازی کو تپ محرقہ میں غذا کے طور پر ہریسہ بتا کر طعمۂ اجل بنایا ◆

(۳۸۸) علی سرپرست (حکیم)

اس کا مشہور نام "الفیوم" ہے۔ فیوم (مصر) کا ایک شہر ہے۔ یہ وہاں کا تحصیلدار تھا۔ اور اسی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ علم کا قدردان اور علماء کا خادم تھا۔ اس کا وجود اشاعت علم و فن کے لحاظ سے غنیمت سمجھا جاتا تھا۔ اکثر علمی تراجم اس کی وجہ سے ہوئے اور مترجمین کو اس کی طرف سے عطایا ملتے رہتے۔ اور وہ اس کے احسانات کی شکر گزاری کیا کرتے تھے۔

(۳۸۹) علی بن ابراہیم بن بکس (حکیم)

فاضل طبیب اور اس فن کا اچھا عالم۔ علاج اور استعداد علمی میں مشہور تھا۔ ترجمہ خوب کیا کرتا۔ اس نے بھی بہت سی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کی ہیں۔ جن میں سے ہر ایک اپنی خوبیوں کے لحاظ سے قابل قدر سمجھی گئی۔

علی بن خلیفہ (دیکھو رشید الدین علی بن خلیفہ)

(۳۹۰) علی بن رضوان (حکیم)

ابوالحسن علی بن رضوان بن علی بن جعفر۔ مقام "جیزہ" ملک مصر میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ رضوان بن علی تنور ساز تھا۔ علی بن رضوان نے ایک پیشہ ور کی اولاد کی طرح پرورش اور تربیت پائی۔ لیکن چونکہ قدرت نے اس کو علم و کمال کی تحصیل پر مائل بنایا تھا۔ لہٰذا وہ بہ نسبت پیشہ میں مصروف ہونے کے علم کا مشغلہ زیادہ پسند کرتا۔ اور طبعاً اس کا رجحان تحصیل علم کی طرف تھا۔ دوسرے کاموں سے جو وقت بچتا اس سے آرام کرنے کی بجائے پڑھنے لکھنے میں صرف کرتا اور اس کی طبیعت اسی

میں آسائش اور تفریح پائی۔ علی بن رضوان نے اپنی سوانح عمری خود لکھی ہے اور ہم ذیل میں خلاصۃً اُس کے حالات اُسی کی یادداشت سے اخذ کرتے ہیں۔ کیونکہ بہ نسبت اوروں کے وہ خود اپنی نسبت جو کچھ کہتا ہے۔ یقیناً وہ زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے۔ علی بن رضوان لکھتا ہے:۔

"ہر شخص کو وہی پیشہ یا کام اختیار کرنا زیادہ موافق آتا ہے جو اُس کے حسب مزاج ہو۔ میری ولادت کا طالع بحساب نجوم ایسا واقع ہُوا تھا کہ مجھے طب سے خاص لگاؤ ہونا بیحد ضروری تھا۔ بچپن سے مجھ کو ادھر رغبت تھی۔ میری طبیعت فضیلت کی زندگی پسند کرتی اور یہ زندگی مجھے تمام باتوں سے زیادہ اچھی معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے میں نے پندرہ سال کی عمر میں طب کی تحصیل شروع کی۔ میری تعلیم کا سلسلہ چھ سال کی عمر سے آغاز ہوا تھا۔ چار برس اپنے گاؤں ہی میں ابتدائی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ دس سال کی عمر ہوئی تو میں دیہات سے بڑے شہر (مصر) میں چلا آیا۔ اور کمال شوق و محنت کے ساتھ علم کی تحصیل میں منہمک ہو گیا۔ چودہ سال کا ہو کر میں نے فلسفہ اور طب کا مطالعہ شروع کیا۔ مگر تنگدستی روزی پیدا کرنے کی ضرورت پیش کرتی تھی۔ سرمایہ کوئی نہ تھا جس سے بآرام کھانے پینے کی فکر چھوڑ کر محض پڑھنے لکھنے میں مصروف رہتا۔ اس مجبوری نے میری راہ میں مشکلات کا پہاڑ کھڑا کر دیا۔ حصول علم کے ساتھ ہی روٹی کمانے کی فکر بھی سر پر سوار تھی۔ کبھی نجوم کے احکام بیان کر کے۔ گاہے علاج معالجہ کر کے اور کسی وقت اوروں کو تعلیم دیکر اپنی بسر اوقات کے لئے کچھ روپیہ پیدا کر لیتا تھا۔ اور بمحنت تمام علم و کمال کے حاصل کرنے میں کوشاں رہتا۔

بتیس سال کی عمر میں میرے علاج اور طبابت کا شہرہ بہت پھیل گیا۔ اور مطب سے مجھ کو اتنی آمدنی ہونے لگی کہ ضروری اخراجات پورے کر لینے کے بعد کافی رقم بچ رہتی اُنسٹھ سال کی عمر تک یونہی گزری۔ اس عرصہ میں میرے

پاس جو رقم پس انداز ہوئی تھی اُس سے میں نے شہر میں جائداد خرید لی۔ تاکہ اگر خداوند کریم زندگی میں برکت دے تو بڑھاپے میں بآرام بسر اوقات کا ذریعہ بنے ٭

تینتیس سال سے میں نے اپنی روزمرہ کی سرگزشت روزنامچہ کے طور پر لکھنے کا التزام کیا۔ ہر سال یہ روزنامچہ نیا بدل دیا کرتا ساٹھ برس کی عمر میں سابقہ زمانہ کی تمام یادداشتوں کو بیکار کر کے اُن سے یہ مختصر حالات مرتب اور قلمبند کئے۔ اس عرصہ میں میرا اصول یہ رہا کہ ہر روز اتنا ہی کام کرتا جو مجھے جسمانی ورزش کا بھی وقت دے تاکہ صحت پر کوئی بُرا اثر نہ پڑے۔ ورزش کر کے کچھ دیر آرام کرنا اور پھر ایسی غذا کھاتا جو مفید صحت ہو ٭

مطب کے وقت میں تمام مریضوں اور آنے والوں سے تواضع کے ساتھ پیش آتا۔ غریب و مصیبت زدہ لوگوں کی دلدہی۔ اُن کی خبر گیری اور مالی مدد کرنے میں مجھ کو خاص لطف ملتا تھا۔ لوگوں پر احسان کرنے سے میرا دل سچی مسرّت پاتا۔ اور میری آمدنی بفضل الٰہی اتنی ہوتی تھی کہ اپنا ضروری خرچ چلا کر کافی رقم پس انداز کر لیتا۔ میرا طرز زندگی صاف و ستھرا تھا۔ اخراجات میں نہ تو اتنی کمی کرتا جس کو بخل کہا جائے اور نہ اتنی زیادتی جو فضول خرچی کہلائے۔ کھانے۔ کپڑے مکان اور سامان خانہ داری میں صفائی اور اوسط درجہ کو ملحوظ رکھتا۔ ہر قسم کی ضروریات خوراک و لباس وغیرہ پوری کر چکنے کے بعد جو کچھ مجھ کو بچ پڑتا وہ جائداد بڑھانے۔ عزیزوں۔ دوستوں۔ پڑوسیوں اور غریب اشخاص کی خاطر داری اور امداد میں خرچ کرتا۔ مکانات بنواتا۔ املاک کی آمدنی جمع کرتا رہتا تاکہ بوقت ضرورت مرمّت اور تجدید عمارات وغیرہ کا خرچ اُسی محفوظ سرمایہ میں سے کیا جائے۔ کسی مکان بنوانے۔ یا تجارتی کاروبار شروع کرنے سے پہلے اُسکے تمام نشیب و فراز سوچ کر یہ اندازہ کرتا کہ آیا میری مالی حالت اس کو نباہ دینے کے قابل ہے اور اس کام کو پورا کر لینا میرے لئے بآسانی ممکن ہے یا نہیں۔ اگر وہ کام ممکن نظر آیا۔

اور زیادہ تر خیال اُس میں کامیابی کا سا ہوتا ہے۔ خوشبو کا استعمال کرتا ہوں۔ کسی کی عیب جوئی اور بدگوئی کبھی نہیں کرتا۔ زبان کو غیبت اور بدکلامی سے روکنا میرا شعار رہتا ہے۔ میری کوشش یہی رہتی ہے کہ بس میری زبان سے تُلے اور نپے ہوئے الفاظ نکلیں۔ خدا کا شکر ہے کہ بیجا کلام کرنا۔ زیادہ بولنا۔ فضول قسم کھانا۔ بُرے خیالات کا اظہار کرنا وغیرہ عیوب مجھ میں نہیں۔ غرور۔ خود پسندی۔ دوسروں پر خواہ مخواہ برتری کی آرزو۔ حرص۔ لالچ۔ اور بیکار رنج و غم کرنا میری طبیعت کے خلاف ہے۔ مصیبت یا ناگہانی افتاد کے وقت خدا تعالےٰ پر نظر رکھتا ہوں۔ صبر و استقلال سے بے بہرہ نہیں ہوں۔ عقلمندی کے ساتھ مشکلات کے برداشت کرنے کو بزدلی کا شکار بننے پر ترجیح دیتا ہوں۔ بیباکی و دلیری میں حد سے نہیں بڑھتا۔ جس سے معاملہ کرتا ہوں۔ بس ہاتھوں ہاتھ کر لیتا ہوں۔ قرض لینا اور دینا میرا شیوہ نہیں۔ دن بھر کے کام سے جو وقت بچتا اور ورزش جسمانی سے بھی فاضل ہوتا ہے وہ خدائے پاک کی عبادت میں صرف کر دیتا ہوں۔ ایسے اوقات میں میرا کام یہ ہوتا ہے کہ قدرت ایزدی اور اُس کے کائنات کا مطالعہ کروں۔ ارسطو کے مقالۂ تدبیر کا مطالعہ رکھوں اور اُس کی ہدایتوں پر عمل پیرا ہوں۔ خلوت میں اپنے روزمرہ کے کاموں کا محاسبہ کیا کرتا ہوں۔ اچھے کاموں کو یاد کر کے خوش۔ اور خدا کا شکر گذار۔ اور بُرے کاموں کی یاد سے مغموم ہوتا۔ اور دل میں عہد کرتا ہوں کہ خداوند کریم توفیق عطا کرے تو پھر اس کو نہ کرونگا۔

قدماء کی تمام کتابوں کا مطالعہ کر کے میں نے اُن میں سے صرف حسب ذیل کتب کا انتخاب کر لیا ہے۔ پانچ کتابیں علم ادب کی۔ دس کتابیں دینیات کی۔ فن طب میں جالینوس و بقراط کی کتابیں یا ان کی تصنیف کے مانند کوئی اور کتاب مثلاً دیوسقوریدس کی کتاب مفردات الادویہ۔ یا روفس۔ اریباسیوس۔ اور بولس۔ کی کتابیں اور رازی کی کتاب الحاوی۔ اور دو اسازی اور علم فلاحت کی چار کتابیں۔ مجسطی اور اُس کے مداخل وغیرہ فوائد۔ مصنفہ بطلیموس۔ اور افلاطون۔ ارسطو۔ اسکندر۔ ثامسطیوس

ابونصر فارابی کی کتب۔ بس انہی کتابوں کا جمع کرنا اور زیرِ مطالعہ رکھنا لازم ہے۔ اور ان کے سوا میرے خیال میں جتنی دوسری کتابیں ہیں قدماء کی ہوں یا زمانۂ حال کے مؤلفین و مصنفین کی۔ اُن سب کو یا تو انسان بیچ ڈالے۔ اور یا جلاکر خاک کردے۔ تاکہ فضول کتابوں کے جمع رکھنے کا دردِ سر نہ اُٹھانا پڑے۔

علی بن رضوان اخیر عمر میں کچھ پاگل ہو گیا تھا۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ پورا مجنون تھا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ علی بن رضوان نے ایک یتیم لڑکی کو لیکر پرورش کیا تھا۔ جب وہ ہوشیار ہوئی تو ایک دن موقع پاکر علی بن رضوان کا تمام زرِ نقد اور قیمتی اندوختہ لے کے کہیں بھاگ گئی اور اُس کا کچھ پتا نہ ملا۔ اِس صدمہ نے علی بن رضوان کو ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا۔

علی بن رضوان کی عادت تھی کہ وہ اپنے ہمعصر اطبّاء اور اکثر متقدمین مثل شیخ الرئیس بوعلی سینا۔ زکریا رازی وغیرہ کے اقوال کی تردید کیا کرتا تھا۔ اِس بارہ میں وہ سخت بدلگام تھا۔ بسا اوقات جبکہ تردید پر زبان کھولتا یا قلم اُٹھاتا تا اُن کی شان میں نامناسب کلمات تک لکھ جایا کرتا۔ اس امر سے اُس کے اخلاق کے دامن پہ ایک بدنما داغ پایا جاتا ہے۔ خاصکر حنین بن اسحٰق ابی الفرج بن طیب اور زکریا رازی کو تو اُس نے بہت ہی بُرا بھلا کہا ہے۔

علی بن رضوان فنِ طب میں محض اُستادِ خرد کا شاگرد تھا۔ کوئی اُستاد بجز کتابوں کے اُس نے اس علم میں نہیں بنایا۔ اور اُس کا قول تھا کہ علم جس قدر مطالعہ اور کتابوں پر غور کرنے سے بڑھتا ہے۔ اُستاد کے روبرو سبقاً سبقاً پڑھنے سے ہرگز وہ ترقی نصیب نہیں ہو سکتی۔

علی بن رضوان نے ۴۵۳ھ میں بعہد خلافت مستنصر باللہ فاطمی العلوی مصر میں وفات پائی۔ اُس کے بعض حکیمانہ مقولے حسب ذیل ہیں:۔

(۱) :۔ اگر انسان کوئی ایسا پیشہ جانتا ہے کہ اپنے ہاتھ پیر کو آرام دیکر اُس کے ذریعہ سے لوگوں میں عزت اور روزانہ بسر اوقات کے قابل دولت بخوبی پیدا کر لیتا ہے

تو اُس کو اپنا باقی وقت خدا کی عبادت میں صرف کرنا لازم ہے۔ اور خدا کی افضل ترین عبادت اُس کے آثار قدرت پر غور کرنا ہے"

(۲) "جالینوس و بقراط کے نزدیک طبیب میں یہ خصلتیں ہونی لازم ہیں۔ اوّل یہ کہ اُس کا کوئی عضو ناقص نہ ہو۔ اخلاق درست ہوں طبیعت رسا اور ذہن و یادداشت میں پختہ ہو۔ اور طبعًا نیک ہو۔ دوم یہ کہ خوش لباس اور خوش باش ہو۔ سوم مریضوں کے راز چھپائے اور اُن کے شرمناک امراض کا پردہ فاش نہ کرے۔ چہارم مریضوں کو صحت دلانے کا خیال بہ نسبت اُن سے نذر و اجرت لینے کے زیادہ رکھے اور امیروں کی نسبت غریبوں کا علاج زیادہ توجہ سے کرے۔ پنجم دل کا پاک، نظر کا عفیف، سچا، بدچلنی سے بالکل بری، اور طمع سے منزہ ہو۔ ششم علم و تعلیم اور لوگوں کی فائدہ رسانی پر حریص ہو۔ ہفتم معتمد اور مریضوں کی جان کا محافظ ہو۔ قاتل زہر اسقاط حمل۔ یا بچہ کو مار ڈالنے والی دوا کبھی نہ کرے اور دشمن کا علاج بھی سچے دل سے دوست کی طرح کرے"

(۳)۔ اگر تم کسی مریض کا علاج کرنا شروع کرو تو پہلے اُس کو ایسی دوائیں دیکر اُس کا مزاج دریافت کرو جو اُس کو کچھ نقصان نہ دیں۔ اور پھر مزاج شناسی اور تشخیص مرض کے بعد پوری توجہ سے مریض کا علاج کرو۔

علی بن رضوان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ جالینوس کی کتاب الفرق کی شرح۔
(۲)۔ جالینوس کی کتاب الصناعۃ الصغیرہ کی شرح۔
(۳)۔ جالینوس کی کتاب النبض الصغیر پر۔
(۴)۔ اس کی کتاب اغلوقن پر۔
(۵)۔ اُس کے پانچ مقالات میں سے پہلے مقالہ۔
(۶)۔ اور دوسرے مقالہ پر شرحیں۔
(۷)۔ جالینوس کی کتاب اسطقسات پر شرح۔
(۸)۔ جالینوس کی کتاب المزاج کے کچھ حصہ کی شرح۔
(۹)۔ کتاب الاصول طب میں۔
(۱۰)۔ کناش۔
(۱۱)۔ رسالہ علاج جذام کے بیان میں۔

(۱۲)۔ کتاب حنین بن اسحٰق کے مسائل کی چھان بین پر۔ دو مقالوں ہیں ۔

(۱۳)۔ کتاب النافع در کیفیت تعلیم طب ۔

(۱۴)۔ مقالہ اس بارہ میں کہ جالینوس نے وود کے بارہ میں جو کچھ کہا صحیح کہا ہے اور اُس نے غلطی نہیں کی ۔

(۱۵)۔ مقالہ مصر میں حفظ صحت جسمانی کے بیان میں ۔

(۱۶)۔ مقالہ اپنے حالات میں ۔

(۱۷)۔ مقالہ آش جو کے ذکر میں ۔

(۱۸)۔ جواب بر مسائل شیر شتر مادہ ۔

(۱۹)۔ طبی حواشی ۔

(۲۰)۔ حواشی دوا سازی کے باب میں ۔

(۲۱)۔ مقالہ اس بیان میں کہ بقراط تعلیم طب کی نسبت کیا رائے رکھتا تھا ۔

(۲۲)۔ کتاب عبداللہ بن طیب کے سوفسطائی حال کے افضل الحالات ہونے کے بیان میں۔ پانچ مقالوں پر مشتمل ہے ۔

(۲۳)۔ مقالہ اس بیان میں ہر نسل کا پہلا باپ اور بانی نسل فلسفہ کی رُو سے کون ہوتا ہے ۔

(۲۴)۔ فیثاغورس کے مقالہ فضیلت کی شرح ۔

(۲۵)۔ افرائیم اور ابن زرعہ کی تردید میں ایک مقالہ ۔

(۲۶)۔ جالینوس نے بقراط کی کتابوں پر جو شرحیں لکھیں اُن کے انتزاعات

(۲۷)۔ الانتصار لارسطوطالیس ۔

(۲۸)۔ شرح کتاب ناموس الطب مصنفہ بقراط ۔

(۲۹)۔ شرح وصیت بقراط ۔

(۳۰)۔ کلام فی الادویۃ المسہلہ ۔

(۳۱)۔ کتاب معجون و شربت سازی کے ذکر میں ۔

(۳۲)۔ تمیمی کی کتاب الاغذیہ والادویہ پر حواشی ۔

(۳۳)۔ ذوسیدینوس کی کتاب اشربۃ الافتحاو پر حواشی ۔

(۳۴)۔ فیلغریوس کی کتاب الاشربۃ المفیدہ للمرضیٰ کی شرح بطور حواشی ۔

(۳۵)۔ مقالۃ الباہ ۔

(۳۶)۔ مقالہ ہر عضو کے اپنے مشابہ خلط سے غذا حاصل کرنے کے ذکر میں ۔

(۳۷)۔ مقالہ شمار حمیات کا طریقہ بنانے میں ۔

(۳۸)۔ الکلام علی القوی الطبیعۃ ۔

(۳۹)۔ جواب مسائل فی النبض ۔

(۴۰)۔ بچوں کے مرض داءالفیل اور داءالاسد کے علاج میں ایک رسالہ ۔

(۴۱)۔ الدستور فی علاج الفالج ۔

(۴۲)۔ فوائد از کتاب حیلۃ البرء مؤلفہ جالینوسؒ

(۴۳)۔ فوائد بطور تعلیق از کتاب تدبیر الصحۃ جالینوس ۔

(۴۴)۔ فوائد بطور تعلیق از کتاب الکثرۃ لجالینوس ۔

(۴۵)۔ فوائد کتاب الفصد لجالینوس بطور تعلیق ۔

(۴۶)۔ فوائد بطور تعلیق از کتاب الادویۃ المفردہ لجالینوس ۔

(۴۷)۔ فوائد از کتاب البحران لجالینوس ۔

(۴۸)۔ فوائد از کتاب قاطاجانس لجالینوسؒ

(۴۹)۔ فوائد بطور تعلیق جو جالینوسؒ بقراط کی متعدد کتابوں سے ماخوذ ہیں ۔

(۵۰)۔ کتاب حل شکوک الرازی علی جالینوسؒ

(۵۱)۔ مقالہ حفظ صحت کے ذکر میں ۔

(۵۲)۔ مقالہ فی دواء الحمیات ۔

(۵۳)۔ مقالہ فی التنفس الشدید۔ یعنی ضیق النفس ۔

(۵۴)۔ رسالہ بنام ابی زکریا یہودا بن سعادۃؒ

(۵۵)۔ مقالہ در تردید اقوال ابن بطلان دربارۂ چوزہ و مرغ ۔

(۵۶)۔ مقالہ فی الفار ۔

(۵۷)۔ مقالہ فیما اوردہ ابن بطلان فی التجزؒ

(۵۸)۔ مقالہ اس بیان میں کہ جو بات اُس نے نہیں جانی وہ یقین و حکمت ہے اور ابن بطلان کا علم غلط اور سفسطہ ہے ۔

(۵۹)۔ مقالہ اس بیان میں کہ ابن بطلان خود اپنی بات نہیں سمجھتا تو دوسرے کی کیا خاک سمجھیگا ۔

(۶۰)۔ رسالہ بنام اطبّاء مصر و قاہرہ ۔

(۶۱)۔ قول فی جملۃ الرّد علی ابن بطلانؒ

(۶۲)۔ کتاب ان سوالات کے بیان میں جو علی بن رضوان اور ابن الہیثم کے مابین مجرّہ (آسمانی سڑک) کے بارہ میں ہوئے ۔

(۶۳)۔ رسالہ در بیان اوقات امراضؒ

(۶۴)۔ رسالہ طب سے راہ سعادت پانے کے بیان میں ۔

(۶۵)۔ رسالہ حمیات کی مدتوں اور اُن کے اسباب و قرائن کے بیان میں ۔

(۶۶)۔ جواب دربارۂ یکے از مریضان فالجؒ

(۶۷)۔ مقالہ فی الاورام ۔

(۶۸)۔کتاب ادویۃ المفردہ بترتیب حروف تہجی ٭

(۶۹)۔مقالہ فی شرف الطب ٭

(۷۰)۔رسالہ فی الکون والفساد ٭

(۷۱)۔مقالہ فی سبیل السعادۃ۔اپنے طرز عمل کی ہدایتیں ٭

(۷۲)۔رسالہ نفس کے بعد از موت باقی ... کے بیان میں ٭

(۷۳)۔مقالہ فی فضیلۃ الفلسفہ ٭

(۷۴)۔مقالہ فی ان فی الوجو نقط وخطوط طبیعیہ ٭

(۷۵)۔مقالہ فی بقاء النفس علی رائے افلاطن وارسطو طالیس ٭

(۷۶)۔کتاب القیاس کے بعض منطقی مسائل کے جوابات ٭

(۷۷)۔مقالہ یحیٰی بن عدی کے شکوک موسوم بہ المحرسات کے حل میں ٭

(۷۸)۔مقالہ فی حدث العالم ٭

(۷۹)۔مقالہ فی الخر ٭

(۸۰)۔مقالہ ثبوت بعثت محمد صلعم از تورات شریف وفلسفہ ٭

(۸۱)۔مقالہ جھوٹے نجومیوں کے عہدہ کے بیان میں ٭

(۸۲)۔مقالہ فی الخلاط الضروری والوجودی ٭

(۸۳)۔مقالہ فی کسب الحلال من المال ٭

(۸۴)۔مقالہ دربیان کسب حلال ٭

(۸۵)۔مقالہ فی الفرق بین الناس من الفاضل والسدید والعطب ٭

(۸۶)۔مقالہ فی کل السیاسۃ ٭

(۸۷)۔رسالہ فی السعادۃ ٭

(۸۸)۔مقالہ در معذرت از نقص محدثین ٭

(۸۹)۔مقالہ فی التوحید الفلاسفۃ و عباداتہم ٭

(۹۰)۔کتاب فی الرد علی الرازی فی العلم الالٰہی واثبات الرسل ٭

(۹۱)۔کتاب المستعمل من المنطق فی العلوم والصنائع ٭

(۹۲)۔رسالہ خرد در بیان ہیولی ٭

(۹۳)۔تذکرہ الکمال والکامل ٭

(۹۴)۔تذکرہ السعادۃ القصوی۔یہ کتاب نامکمل رہ گئی تھی ٭

(۹۵)۔یہ غیر مکمل ہے ٭

(۹۶)۔تعالیق علی بن رضوان بر فوائد کتاب افلاطون ٭

(۹۷)۔فوائد بر کتاب المدخل مصنفہ فرفوریوس ٭

(۹۸)۔ تہذیب کتاب الحابس *

(۹۹)۔ تعالیق اس بارہ میں کہ خط استواء بالطبع رات سے زیادہ تاریک ہے *

(۱۰۰)۔ کتاب اس بارہ میں کہ طبیب کی دکان میں کن ادویات کا ہونا مناسب ہے *

(۱۰۱)۔ مقالہ ہوائے مصر کے بیان میں *

(۱۰۲)۔ مقالہ مزاج شکر کے بیان میں *

(۱۰۳)۔ مقالہ فی التنبیہ علی ما فی کلام ابن بطلان من الہذیان *

(۱۰۴)۔ رسالہ فی دفع مضار الحلوے بالمحرر *

(۳۹۱) علی بن سلیمان (حکیم)

فاضل طبیب۔ علوم حکمیہ اور ریاضیات کا ماہر کامل اور فن طبابت میں اعلیٰ دستگاہ رکھتا تھا۔ احکام نجوم کے بارہ میں اُس کو یکتائے زمانہ کہا گیا ہے۔ عزیز باللہ۔ اور الحاکم بامر اللہ۔ دونو کے زمانہ میں موجود تھا۔ الحاکم کے بیٹے الاعزاز لدین اللہ کا ابتدائی عہد حکومت بھی اُس نے دیکھا تھا *

علی بن سلیمان کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔

(۱)۔ محمد بن زکریا الرازی کی کتاب الحاوی کا اختصار *

(۲)۔ کتاب الامثلہ والتجارب الاخیار والنکت والخواص الطبیعۃ المنتزعۃ من کتب بقراط وجالینوس وغیرہ ایک تذکرہ اور ریاضۃ کے طور پر اس کتاب کی چار جلدیں ہیں۔ اس کی تالیف ۳۹۱ھ میں بمقام قاہرہ شروع کی تھی *

(۳)۔ کتاب التعالیق الفلسفیۃ اس کتاب کی تصنیف علی بن سلیمان نے ۱۱۴ھ میں بمقام حلب شروع کی تھی *

(۴)۔ مقالہ اس بیان میں کہ جو جسم تجزیٰ کو قبول کرتا ہے وہ جزء لایتجزیٰ تک کبھی منتہی نہیں ہوتا *

(۵)۔ چند شکوک جو ارسطاطالیس کے مقالہ الابصار پر وارد ہوتے ہیں *

(۶)۔ اور چند شکوک جو وہم وانتشار کے بارہ میں ہیں *

(۳۹۲) علی بن عباس (حکیم)

گبر آتش پرست۔ اہواز (فارس) کا باشندہ۔ قابل قدر طبیب اور اپنے پیشہ میں ممتاز تھا۔ مشہور طبی کتاب "الملکی" کا یہی مصنف ہے۔ اس نے یہ کتاب سلطان عضد الدولہ بن بُویہ دیلمی کے لئے لکھی تھی۔ یہ نہایت عمدہ کتاب ہے۔ اس میں فن طب کے تمام علمی و عملی اجزاء شامل ہیں۔ اور اس کے بیس مقالات ہیں۔ علی بن عباس نے ابی ماہر موسیٰ بن سیار کے سامنے فن طب میں زانوے شاگردی تہ کیا تھا۔

(۳۹۳) علی بن عیسیٰ یا عیسیٰ بن علی کحال (حکیم)

کحالی (سُرمہ سازی) میں نہایت حاذق اور ہوشیار مشہور تھا۔ اس شق میں اُسے خاص امتیاز حاصل تھا۔ آنکھوں کے امراض کی تشخیص اور اُن کے علاج میں یہ امام فن مانا گیا ہے اور تمام ہمعصر اور مابعد کے اطبّاء نے اس بارہ میں علی بن عیسیٰ ہی کی پیروی کی ہے۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ اُس کا نام کیا تھا علی بن عیسیٰ یا عیسیٰ بن علی۔ مگر مشہور نام علی بن عیسیٰ ہے اس لئے ہم اسی کو درست مانتے ہیں۔

علی بن عیسیٰ کی تصانیف میں صرف ایک کتاب "تذکرۃ الکحالین" پائی جاتی ہے۔ اور جتنے اطبّاء آنکھوں کا علاج خاص طور پر کرنے والے ہیں۔ وہ اس کتاب کا مطالعہ میں رکھنا فرض خیال کرتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ سُرمہ سازی اور امراض چشم کے علاج و شناخت وغیرہ میں اس سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں اور یہی سبب ہے کہ اس فن میں اور جتنی کتابیں ہیں اُن کو کوئی دیکھتا تک نہیں۔ اس کتاب کے تین مقالات ہیں۔ اُس نے پانچویں صدی ہجری کے وسط میں دنیا سے رحلت کی۔

(۳۹۴) علی بن ہبۃ اللہ بن اثردی (حکیم)

ابوالحسن علی بن ہبۃ اللہ بن علی بن اثردی - بغداد کا رہنے والا - فاضل طبیب اور معالجات میں اعلیٰ پایہ رکھنے کی حیثیت سے مشہور تھا - خدا نے اس کو دست شفا عطا کیا تھا - تصنیف و تالیف میں بھی جوہر طبع دکھائے ہیں - اس کی تصانیف میں - کتاب دعوۃ الاطباء مشہور کتاب ہے - اُس نے یہ کتاب ابی العلاء محفوظ بن مسیحی طبیب کے لئے لکھی تھی ۔

(۳۹۵) علی بن یحییٰ (حکیم)

یہ ابن المنجم کے نام سے مشہور ہے - خلیفہ مامون کا میر منشی اور مصاحب تھا - فضل و علم کا دلدادہ تھا اور فن طب سے خاص مناسبت رکھتا تھا - کئی مترجمین نے اس کے واسطے متعدد طبی کتابوں کا ترجمہ کیا ۔

عماد الدین الدینیسری (دیکھو دنیسری)

(۳۹۶) عمار بن علی الموصلی (حکیم)

مشہور کحّال - اور نامور معالج - امراض چشم کے عام علاج اور لوہے سے داغ دیکر معالجہ کرنے میں اس کو ید طولیٰ حاصل تھا - اگرچہ یہ اصل میں شہر موصل کا رہنے والا تھا لیکن مصر میں آرہا اور وہیں سکونت اختیار کر لی - اس کی ایک کتاب "المنتخب فی علم العین وعللہا ومداواتہا بالا دویۃ والحدید" اس کی یادگار ہے - عمار نے یہ کتاب خلیفہ الحاکم بامر اللہ فاطمی کے نام پر لکھی تھی - اس میں امراض چشم کا ادویہ اور لوہے کے داغ کے ذریعہ سے علاج بتایا گیا ہے ۔

عمران الاسرائیلی (دیکھو اوحد الدین)

(۳۹۷) عمران بن ابی عمرو (حکیم)

فاضل طبیب اور امیر عبدالرحمن کا درباری تھا۔ اسی عمران بن ابی عمرو نے امیر ممدوح کے لئے "حب انیسوں" کا نسخہ تجویز کیا تھا۔ اس کی تصنیف میں ایک "کناش" پائی جاتی ہے۔

(۳۹۸) عمر بن حفص بن برتق (حکیم)

فاضل طبیب۔ اور قرآن کریم کا قاری تھا۔ آواز نہایت دلکش پائی تھی۔ قیروان جاکر ابی جعفر ابن الجزار سے فن طب حاصل کیا۔ اندلس میں کتاب زاد المسافر سب سے پہلے یہی لایا تھا۔ اس ملک میں اس نے بڑا نام پایا۔ امیر ناصر کا شاہی طبیب رہا۔ بیازرہ کا حاکم صاحب بن طرفہ عمر بن حفص کا بڑا قدردان تھا۔ اس نے عمر بن حفص کو اپنا خاص طبیب اور مصاحب بنایا۔ اور بہت کچھ انعام واکرام سے مالا مال کرتا رہا۔ مگر اس کی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ جوانی ہی کی عمر میں فوت ہوگیا۔

(۳۹۹) عنتری (حکیم)

ابو المؤید۔ محمد بن المجلی بن الصائغ الجزری۔ مشہور طبیب اور نامور عالم تھا۔ معالجہ بہت عمدہ کیا کرتا تدبیر و تجویز اعلےٰ درجہ کی ہوتی تھی۔ نہایت زبردست فاضل اور فیلسوف تھا۔ علم ادب میں ممتاز اور علمی نظم کہنے میں بے نظیر ہے۔ حکمت وغیرہ علوم کے مسائل و نکات (باریکیاں) بڑی خوبی سے سلک نظم میں باندھی ہیں۔ عنتری کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ شروع شروع میں وہ "عنتر عبسی" کی حدیثیں لکھا کرتا تھا۔ لہٰذا اسی کی طرف منسوب ہوکر شہرت پاگیا۔

عنتری کے چند حکمت آمیز مقولے حسب ذیل ہیں:۔

"جانِ پدر! علم ضرور سیکھو۔ چاہے اُس کے ذریعہ سے دنیا میں تمہیں اتنا ہی فائدہ ملے کہ کوئی تم کو جا و بے جا طور پر اپنا غلام نہ بنا سکے۔"

"جانِ بابا! حکمت عقلیہ تم کو یہ بات معلوم کرادیگی کہ تمام دنیا کو جہالت کی باگ ڈور ہی غلطی اور ناراستی کی طرف کشاں کشاں لے جاتی ہے۔"

"جاہل غلام ہے۔ قید غلامی سے اُس کی آزادی صرف علم و معرفت پر منحصر ہے۔"

"حکمت نفس کے لئے بمنزلہ چراغ کے ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو نفس کو حق نہ سوجھ پڑیگا۔"

"حکمت نفس کی غذا اور آرائش ہے اور مال جسم کی غذا اور زیبائش۔ اگر یہ دونو کسی آدمی کے پاس جمع ہو جائیں تو اُسکے کمال میں کوئی کسر نہیں رہتی۔ وہ کامل اور خوش دل ہو جاتا ہے۔"

"حکمت ابدی موت سے بچانے والی دوا ہے۔"

"انسان کے واسطے بہ نسبت نسب کے حکمت زیادہ عزت کی چیز ہے۔ وہ آدمی کے لئے حسب سے بہتر ہے۔ اور بہ نسبت مال کے اُس کی آبرو کو زیادہ بڑھانے والی۔ حسن صورت اور وجاہت سے زیادہ اُس کا نام چمکانے والی ہے۔"

ابی المؤید عنتری کا عالمانہ کلام یوں تو بہت کچھ ہے لیکن ہم اس مختصر میں نمونہ کے طور پر اُس کی دو نظمیں مع مطلب خیز ترجمہ کے درج کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک قصیدہ علم طب کے مسائل اور طبیب کو مناسب ہدایات پر مشتمل ہے۔ جو حسب ذیل ہے:۔

اَحْفِظْ بُنَیَّ وَصِیَّتِیْ وَاعْمَلْ بِھَا　　فَالطِّبُّ مَجْمُوْعٌ بِنَصِّ کَلَامِیْ

جانِ پدر! میری ہدایت یاد رکھو اور اس پر عمل کرو۔ کیونکہ میرے اس کلام میں تمام طب جمع کر دی گئی ہے۔

قَدِّمْ عَلٰی طِبِّ الْمَرِیْضِ عِنَایَۃً　　فِیْ حِفْظِ قُوَّتِہٖ مَعَ الْاَیَّامِ

مریض کے علاج پر اس بات کو مقدم رکھو کہ۔ زمانۂ مرض بڑھنے کے ساتھ ساتھ اُس کی قوت کو محفوظ رکھ سکو۔

بِالشِّبْہِ تُحْفَظُ صِحَّۃٌ مَوْجُوْدَۃٌ　　وَالضِّدُّ فِیْہِ شِفَاءُ کُلِّ سَقَامٖ

مشابہ و طبیعت کی مانند چیزوں سے موجودہ صحت کی حفاظت کرو۔ اور مرض کی مخالف دواؤں میں ہر بیماری کی شفاء ہے۔

اَقْلِلْ نِكَاحَكَ مَا اسْتَطَعْتَ فَإِنَّهُ　　مَاءُ الْحَيَاتِ يُرَاقُ فِي الْأَرْحَامِ

جہاں تک ہو سکے مباشرت کم کرو کیونکہ وہ آب زندگی ہے جو ارحام میں ڈالا جاتا ہے۔

وَاجْعَلْ طَعَامَكَ كُلَّ يَوْمٍ مَرَّةً　　وَاحْذَرْ طَعَامًا قَبْلَ هَضْمِ طَعَامِ

ہر روز صرف ایک دفعہ کھانا کھاؤ۔ اور ایک غذا ہضم ہونے سے پہلے دوسری غذا کھانے سے دُور رہو۔

لَا تَحْقِرِ الْمَرَضَ الْيَسِيرَ فَإِنَّهُ　　كَالنَّارِ تُصْبِحُ وَهِيَ ذَاتُ ضِرَامِ

تھوڑے مرض کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ وہ آگ کی چنگاری کی طرح سُلگ کر شعلہ زنی کرنے لگتا ہے۔

لَا تَهْجُرَنَّ الْقَيْءَ وَاهْجُرْ كُلَّ مَا　　كَيْمُوسُهُ سَبَبٌ إِلَى الْأَسْقَامِ

قے کو کبھی نہ چھوڑو۔ اور ہر ایسی چیز کو جس کا کیموس بیماریوں کا سبب ہو قطعاً ترک کرو۔

إِنَّ الْحِمْيَ عَوْنُ الطَّبِيعَةِ مُسْعِدٌ　　شَافٍ مِنَ الْأَمْرَاضِ وَالْآلَامِ

اس میں شک نہیں کہ پرہیز طبیعت کا مددگار اور اُسے خوشحال بنانے والا ہے۔ امراض اور آلام سے شفا دیتا ہے۔

لَا تَشْرَبَنَّ بِعَقْبِ أَكْلٍ عَاجِلًا　　أَوْ تَأْكُلَنَّ بِعَقْبِ شُرْبِ مُدَامِ

ہرگز کھانا کھانے کے بعد ہی جلدی سے پانی نہ پیا کرو۔ یا شراب پینے کے بعد تکیہ لگا کر بیٹھنے کا ارادہ کرو۔ (یعنی اس سے محترز رہو)۔

وَالْقَيْءُ يَقْطَعُ وَالْقِيَامُ كِلَاهُمَا　　بِهِمَا وَلَيْسَ بِنَوْعٍ كُلِّ قِيَامِ

قے اور دست دونوں اُس سے بند ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ بات ہر قسم کے دستوں میں نہیں ہوا کرتی۔

وَخُذِ الدَّوَاءَ إِذَا الطَّبِيعَةُ كُدِّرَتْ　　بِالْاِحْتِلَامِ وَكَثْرَةِ الْأَحْلَامِ

جبکہ طبیعت احتلام اور کثرت بدخوابی سے مکدر ہو تو دوا فوراً استعمال کرو۔

وَإِذَا الطَّبِيعَةُ مِنْكَ نَقَّتْ بَاطِنًا　　فَدَوَاءُ مَا فِي الْجِلْدِ بِالْحَمَّامِ

اور جبکہ خود تمہاری طبیعت کسی اندرونی مرض کو اُچھال کر اُوپر لے آئے اور وہ بیماری جلد میں آجائے تو جلدی امراض کی دوا حمام کرنا ہے۔

إِيَّاكَ تَلْزَمُ أَكْلَ شَيْءٍ وَاحِدٍ　　فَتَقُودُ طَبْعَكَ لِلْأَذَى بِزِمَامِ

اس سے بہت بچو کہ ہمیشہ ایک ہی چیز کھاتے رہو۔ کیونکہ یہ امر تمہاری طبیعت کو تکلیف پہنچائیگا۔

وَتَزِيْدُ فِي الْأَخْلَاطِ اِنْ نَقَصَ ... زَادَتْ فَنَقِّصْ فَضْلَهَا بِقَوَامِ

اگر اخلاط میں کمی آجائے تو اُن کی ... بہ

وَالطِّبُّ جُمْلَتُهُ اِذَا ... ۔ ... زیادتی پوری کرلو۔ اور زیادتی ہو جائے تو اندازے کے مطابق کم کرو۔

بہر حال طب کا نچوڑ اگر بہ نظ...

... حَقِّقْتَهُ حَلٌّ وَعَقْدُ طَبِيْعَةِ الْأَجْسَامِ

... یق دیکھو۔ تو وہ اجسام کی طبیعت کا حل و عقد ہے۔ اور کچھ نہیں۔

وَلِعَقْلِ تَدْبِيْرِ الْمِـ ... جِ فَضِيْلَةٌ يَشْفِي الْمَرِيْضُ بِهَا وَبِالْأَوْهَامِ

تدبیر مزاج کی سمجھ کو بڑی ...

اور اُسی کا کا فضیلت ہے اُسی سے مریض تندرست ہوتا ہے اور کچھ اوہام سے بھی

عَدِّلْ مِزَاجَكَ ...

... ہے :۔

جہاں تک ہو سکے مَا اسْتَطَعْتَ وَلَا تَكُنْ كَمُسَوِّفٍ اَوْدَىٰ بِهِ التَّخْلِيْطُ

آمیزش ہلاکت ... بنے مزاج کو معتدل کرو اور اُس خود رلے کی طرح نہ بنو جس کو جا و بے جا

وَاحْفَظْ ...

... میں ڈالتی ہے ؂

... اپنے جسم کی گرا ... حَرَارَةً بِرُطُوْبَةٍ تَبْقٰى فَتَرْكُكَ حِفْظَهَا تَفْرِيْطُ

کمی کر ... اور رطوبت کے ساتھ محفوظ رکھو تم باقی رہوگے۔ اور اس کا تحفظ چھوڑ دینا ہی حد سے

وَاعْلَمْ ؂

خوب معلوم ... ـنَّكَ كَالسِّرَاجِ بَقَاؤُهُ مَادَامَ فِيْ طَرَفِ الذُّبَالِ سَلِيْطُ

میں تیل موجود ... تم ایک چراغ ہو جس کا باقی (روشن) رہنا اُسی وقت تک ممکن ہے کہ جب کہ فتیلہ

... د ہے ؂

ہے۔ کو نظموں ... ں سے پہلا قصیدہ عنتری کے سوا اور لوگوں کی طرف بھی منسوب

اور بعض ... ہے کہ شیخ الرئیس بوعلی سینا کا ہے۔ اور کسی نے امین الدولہ بن التلمیذ۔

... نے ابن بطلان سے منسوب کیا ہے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ عنتری کی فکر کا نتیجہ ہے۔

(۱)۔ ...ری کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔

... ب النور المجتنیٰ من روض الندماء و تذکار الفضلاء الحکماء و نزہۃ الحیاۃ الدنیا۔

... جس میں ادیبوں کی ایک جماعت کے کلام اور مفید نظموں کو مع اپنے منتخب

... کے جمع کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کتاب میں اُس نے اپنے علم و فضل کی

نہایت روشن دلیل دی ہے۔ اس کتاب نیب سال کی فصلوں کے مطابق کی گئی ہے ؎

(۲)۔ کتاب الجمانتہ۔ علم طبیعیات والہیات میں۔

(۳)۔ کتاب قرابادین۔ یہ بہت بڑی قرابادین ہے۔ مرکب دواؤں کا ذکر بہت تحقیقات سے کیا ہے اور بڑی خوبی سے ترتیب لکھی ہے ؎

(۴)۔ رسالۃ الشعری الیمانیۃ الی الشعری الشامیہ۔ دمشق کے نحوی عالم (معروف) کو بجواب اُس کے رسالہ کے یہ رسالہ لکھ کر ارسال کیا تھا ؎

(۵)۔ رسالہ حرکتہ العالم۔ ایک وزیر کو حصول مسند وزارت کی مبارکباد دیتے ہوئے لکھا تھا۔

(۶)۔ رسالہ الفرق مابین الدھر والزمان والکفر والایمان ؎

(۷)۔ رسالہ العشق الالٰہی والطبیعی ؎

(۴۰۰) عیسیٰ طبیب خلیفہ قاہر باللہ

خلیفہ قاہر باللہ عباسی کا معتمد اور محرم راز طبیب و مصاحب تھا۔ اس نے ۳۵۸ھ میں بمقام بغداد وفات پائی۔ یہ فوت ہونے سے دو سال قبل نابینا ہوگیا تھا۔ اس کی ولادت ۲۷۱ھ میں ہوئی تھی۔ اس حساب سے ۸۷ سال عمر پاکر فوت ہوا ؎

(۴۰۱) عیسیٰ ابی قریش (حکیم خلافت)

ابتداً ایک معمولی دوا فروش۔ اور قصر خلافت کے دروازہ کے قریب پر بیٹھا رہتا تھا۔ عادات وخصائل کے اعتبار سے نہایت دیندار اور پرہیزگار تھا۔ اتفاق سے ایک دن کوئی لونڈی محل سے ہاتھ میں قارورہ لئے ہوئے [illegible] اس نے قارورہ دیکھتے ہی لونڈی سے کہا کہ یہ جس عورت کا قارورہ ہے اُس کو حمل ہے اور اولاد نرینہ کی امید ہے۔ یہ لونڈی خلیفہ مہدی کی منظور نظر کنیز خیزران کی خادمہ تھی۔ محل میں واپس جاکر اُس نے اپنی مالکہ کو مژدہ سنایا۔ خیزران

اُسے اُلٹے پیروں واپس بھیجا اور کہا کہ اچھی طرح دریافت کر آ۔ لونڈی پھر عیسےٰ کے پاس آئی اور پوچھنے لگی "کیا تم نے خوب غور کر کے یہ بات کہی ہے یا یونہی بڑ ہانک دی"

عیسےٰ "میں نے بالکل سچ کہا ہے۔ لیکن اس خوشخبری کا انعام تجھ سے لے لونگا"

لونڈی "کیا انعام لوگے؟" عیسےٰ "ایک پیالہ فالودہ اور ایک اعلےٰ درجہ کا خلعت"

لونڈی "اگر تمہارا قول سچ نکلا تو دنیا کی دولت و نعمت سے مستغنی ہو جاؤ گے"

یہ کہکر وہ محل میں چلی گئی۔ اس بات کے چالیس دن بعد خیزران کو حمل کی علامتیں ظاہر ہوئیں۔ اور نو ماہ گزرنے پر "خلیفہ موسیٰ ہادی" اُس کے بطن سے پیدا ہوا۔ خیزران نے علامت حمل محسوس کرتے ہی ایک ہزار درہم عیسےٰ کو بھیج دئے تھے۔ اب فرزند دلبند کی ولادت کے بعد اُس نے خلیفہ مہدی سے عیسےٰ کی پیشگوئی کا ذکر کیا۔

جورجس بن جبریل کو بھی اس بات کی خبر ملی۔ مگر اُس نے اِس کو غلط افسانہ بتایا۔ خیزران بگڑ گئی اور اُس نے جورجس کو بُرا بھلا کہکر ایک سو خوان فالودہ کے اور اسی قدر نفیس کپڑے مع ایک زین و لگام سے آراستہ گھوڑے کے عیسےٰ کو بھجوا دئے۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی دن بعد خیزران پھر حاملہ ہو گئی۔ اِس دفعہ بھی اُس نے عیسےٰ کے پاس قارورہ بھیجا۔ عیسےٰ نے پھر فرزند نرینہ کی خوشخبری سُنائی۔ جورجس کو یہ خبر ملی تو وہ خلیفہ مہدی سے کہنے لگا کہ عیسےٰ جھک مارتا ہے۔ خلیفہ نے کہا اچھا ہم اس کو خود آزمائیں گے۔ مہدی نے تاریخ لکھ لی۔ مدت حمل پوری ہو چکی تو خلیفہ ہارون الرشید نے بطن مادر سے دنیا میں قدم رکھا۔ خلیفہ مہدی نے عیسےٰ کو دربار میں طلب کیا اور اپنے سامنے استادہ کر کے خلعت اور روپیہ اشرفی کا اُس کے گرد اتنا ڈھیر لگا دیا کہ وہ بالکل اُس انبار میں چھپ گیا۔ پھر عیسےٰ کو بٹھا کر موسیٰ اور ہارون دونو لڑکے اُس کی گود میں دے دئے اور اُسے "ابو قُریش" کے لقب سے ممتاز بنایا۔ اُسی وقت سے عیسےٰ ابو قُریش درباری طبیب اور عزت و منزلت میں جورجس بن جبریل کا ہم پلّہ ہو گیا۔

عیسیٰ ابو قریش کے ہاتھ سے کئی نہایت معرکے کے علاج ہوئے جن کا ذکر دلچسپی اور فائدہ سے خالی نہیں :-

(۱)۔ خلیفہ ہارون الرشید کا بھائی علی بن مہدی جامع مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے گیا۔ سخت گرمی کا موسم تھا مسجد دور تھی۔ واپسی میں گرمی کی شدت نے سر میں درد پیدا کر دیا اور آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ تمام اطباء جمع ہو گئے اور باہمی مشورہ سے علاج کی تدبیر کرنے لگے۔ سب سے آخر میں عیسیٰ ابو قریش بھی آیا۔ اور حاضرین کو مخاطب بنا کر کہا "تم مشورہ ہی کرتے رہو گے اور بیمار کی آنکھیں اندھی ہوئی جاتی ہیں" یہ کہکر روغن بنفشہ۔ عرق گلاب۔ اور سرکۂ شراب انگوری منگا کر ایک برتن میں ۷ ماشہ روغن بنفشہ ڈالا۔ اُس میں کچھ گلاب و سرکہ ملایا اور تھوڑا سا پانی اضافہ کر کے اُس میں برف کا ڈلا ڈال دیا۔ پھر برتن کو خوب ہلایا جس وقت دوا اچھی طرح سرد اور باہم آمیز ہو گئی اُس وقت ایک چلّو دوا مریض کے سر پر ڈالی اور اتنی دیر صبر کیا کہ وہ دوا خشک ہو چلی پھر دوسرا چلّو ڈالا۔ اس طرح تین دفعہ کیا گیا تھا کہ مریض نے آنکھیں کھول دیں اور سب درد وغیرہ کافور ہو گیا۔

(۲)۔ عیسیٰ بن جعفر بن منصور۔ نہایت بے ڈول موٹا ہو گیا تھا۔ اس کا موٹاپا اس قدر خطرناک تھا کہ اخیر میں زندگی پر حرف لاتا۔ خلیفہ ہارون الرشید اپنے عزیز کی یہ حالت دیکھ کر کمال مغموم تھا۔ کسی طبیب سے علاج نہ بن پڑا آخر عیسیٰ کی باری آئی اور خلیفہ ہارون نے اُس سے کہا کہ تم کوئی تدبیر کرو۔ عیسیٰ نے جواب دیا "امیر المومنین! آپ کے بھائی کو خدا نے ہر طرح تندرست کیا ہے۔ اُس کا معدہ بیحد قوی ہے۔ ہر قسم کا سامان راحت میسّر۔ خوب کھاتا پیتا ہے۔ کوئی فکر پاس نہیں پھٹکتی۔ اس حالت میں ہزار علاج کرنا بھی غیر مفید ہوگا۔ ہاں آپ اجازت دیں اور یہ انتظام کریں کہ عیسیٰ کے ہاتھ سے میری جان محفوظ رہے تو میں ایک تدبیر کرتا ہوں۔ امید ہے کہ اُس کو

فائدہ ہو جائیگا۔ خلیفہ ہارون نے وعدہ کر لیا کہ تمہاری جان میں بچا لونگا۔ تم اپنی
تدبیر کرو۔ عیسیٰ ابو قریش خلیفہ کے چند غلام بغرض حفاظت ساتھ لے کر عیسیٰ
بن جعفر کے پاس گیا۔ اُس کی نبض دیکھی اور مُنہ بنا کر کہا "میں ابھی کچھ
نہیں کہہ سکتا۔ دو دن اور نبض دیکھوں تو علاج کے متعلق رائے قائم کرونگا"۔
یہ کہکر واپس چلا آیا۔ پھر دو دن اور گیا اور نبض دیکھی۔ تیسرے دن بہت
مغموم و متفکر صورت بنا کر کہنے لگا "جناب عالی! خطا معاف۔ شمنو کی زندگی
محال ہے۔ میں بڑے افسوس سے عرض کرتا ہوں کہ جو کچھ آپ کو وصیت
کرنی ہو چالیس دن کے اندر کر لیں ورنہ آپ کا وقت قریب آ رہا ہے" اور یہ
کہکر روتا ہوا وہاں سے چلا آیا۔ عیسیٰ بن جعفر پر طبیب کے مایوسانہ کلمات
اور اُس کی غمناک صورت نے اتنا اثر کیا کہ اُس کی جان خشک ہو گئی۔
موت نظروں تلے پھرنے لگی۔ کھانا پینا۔ سونا اور آرام کرنا سب بھول گیا
روز بروز دُبلا ہوتا جاتا۔ اور دل اندر ہی اندر بیٹھا جاتا۔ جب اس کو پورے
چالیس دن ہو چکے تو عیسیٰ ابو قریش جو اس عرصہ میں دربار سے غیر حاضر بھی
رہا تھا۔ خلیفہ ہارون کے پاس گیا۔ اور اُس سے کہا کہ اب خواہ آپ عیسیٰ
بن جعفر کو اپنے پاس بلائیں یا خود اُس کے پاس جائیں اُسے آرام ہو گیا ہے۔
خلیفہ ہارون فوراً سوار ہوا۔ ابو قریش کو ہمراہ لیا اور عیسیٰ بن جعفر کے مکان
پر گیا۔ عیسیٰ بن جعفر طبیب کی صورت دیکھتے ہی پیچ و تاب کھا کر خلیفہ سے
کہنے لگا "امیر المؤمنین! مجھے اس کافر کی گردن مارنے دیجئے۔ ظالم نے
میرا خون خشک کر ڈالا۔ (پیٹی کمر کے گرد لپیٹ کر) دیکھئے۔ میری کمر پانچ گرہ
گھٹ گئی اور میرا جسم اس قدر دُبلا ہو گیا ہے"۔ خلیفہ ہارون ہنس کر کہنے لگا
بھائی صاحب! اُس نے آپ کا بے نظیر علاج کیا ہے۔ میں نے اُس کو دس ہزار
درہم انعام دئے ہیں۔ اب آپ بھی صحت کے شکریہ میں کچھ دلوائیں۔ چنانچہ
اتنی ہی رقم عیسیٰ بن جعفر نے بھی نذر کی اور پھر وہ زندگی بھر موٹا نہیں ہوا۔

(۴۷) - ایک علاج خود خلیفہ رشید کا کیا - وہ مقام رقہ میں سخت بیمار ہو گیا تھا - بختیشوع بن جورجیس اُس کا خاص معالج تھا - مگر صحت کی جگہ مرض روز بروز بڑھتا گیا - آخر خلیفہ بغداد میں آیا - ابو قریش عیسے نے اُس کی حالت دیکھی - رشید گھل کر محض پوست و استخوان رہ گیا تھا - عیسے سمجھ گیا کہ تمام آفت سخت پرہیز کی ہے اُس نے رشید سے کہا "آپ کے والد خلیفہ مہدی مرحوم کی قسم ہے میں کل آپ کا علاج کرونگا" اور پھر داروغۂ مطبخ کو ہدایت کی کہ تین نہایت فربہ چوزے منگائے - چوزے آئے تو ان کو ذبح کرا کے لٹکوا دیا اور کہا کہ کل ان کی نسبت مناسب حکم ملیگا - دوسرے دن تین نہایت شیریں خربزے جو رات بھر برف میں لگے رہے تھے ساتھ لیکر خلیفہ رشید کے پاس آیا اور ایک خربزہ تراش کر اُسے ایک قاش دی کہ اس کو کھاؤ - خلیفہ نے کہا "بختیشوع مجھے خربزہ کی خوشبو سے منع کرتا ہے اور تم کھلاتے ہو" ابو قریش " وہ کیا جانے - میں عرض کرتا ہوں آپ بے تکلف تناول کیجئے اور خوب چھک کر کھائیے - غرضیکہ دو خربزے اُس کو کھلا دئے - پھر تیسرا کاٹ کر ایک قاش اور دی کہ اس کو دوا کے طور پر کھاؤ - خلیفہ رشید آسودہ ہو چکا تھا - مگر طبیب کے اصرار سے بمشکل ایک قاش اور کھا گیا - ابو قریش نے ایک اور قاش دی کہ اس کو بھی کھاؤ - اور پہلے سے زیادہ اصرار کیا - رشید نے اُگل نگل کر آدھی قاش کھائی ہو گی کہ اُبکائی آئی اور اس زور سے قے ہوئی کہ جس قدر کھایا تھا اُس سے کئی حصہ زیادہ آلائش پیٹ سے نکل پڑی - کئی طشت صفرا سے بھر گئے اور خلیفہ بے ہوش ہو گیا - ابو قریش نے اُس کو گرم کپڑے اُڑھا دئے - خوب پسینہ آنے لگا - دوپہر کے بعد رشید کی آنکھ کھلی - جسم ہلکا تھا اور بھوک کے مارے بُرا حال - پہلے اشتہا نام کو بھی نہیں ہوتی تھی - اب چوزوں کی یخنی پلاؤ - اور بریاں گوشت کھایا اور پھر نیند آئی تو سو گیا - دو تین گھنٹے آرام کر کے عصر کے بعد بیدار ہوا - تو بالکل تندرست اور ہر طرح چاق وچست تھا - اور آئندہ اُس کو کبھی یہ بیماری پھر نہیں ہوئی ◆

ابو قریش عیسے کی عمر و تاریخ وفات کا حال بھی ویسا ہی نامعلوم ہے جس طرح اُس کے ابتدائی حالات ؂

(۱۰۵) عیسیٰ الرقی (حکیم)

مشہور نام "التفلیسی" ہے۔ اپنے زمانہ میں نامور طبیب اور علم طب کا بڑا ماہر تھا۔ اُس کے معالجات اور طبی کارنامے نہایت نادر ہیں۔ سیف الدولہ بن حمدان کے خاص اطبّاء میں سے تھا۔ سیف الدولہ کا دستور تھا کہ وہ اپنے دربار کے اہل علم کو اُن کے علوم میں مہارت رکھنے کے لحاظ سے وظائف دیا کرتا۔ جو شخص ایک علم جانتا ہوتا اُسے ایک اور ایک سے زائد علوم کے ماہرین کو کئی تنخواہیں ملتی تھیں ؂

عیسے رقی چونکہ سریانی زبان کا اچھا ماہر اور اُس سے عربی میں ترجمہ کر لیتا تھا۔ لہٰذا اس کو ایک تنخواہ اس نام سے بھی ملتی۔ اور ایک مشاہرہ طب کے نام سے۔ اِس کے علاوہ دو اور علوم میں ماہر ہونے کی وجہ سے وہ دو تنخواہیں اور پاتا تھا۔ یوں مل ملا کر اُس کو چار وظیفے ملتے تھے۔ سیف الدولہ کی خدمت میں ہر وقت جبکہ وہ کھانا کھاتا ۲۴ طبیب حاضر رہتے تھے ؂

عیسے رقی المعروف بہ تفلیسی نہایت نیک چلن اور خوش خلق شخص تھا۔ اسکی کئی ایک مذہبی تصانیف اور دیگر علوم کی کتابیں ہیں۔ اُس نے متعدد کتابوں کا سریانی زبان سے عربی میں بھی ترجمہ کیا۔ اس کی تاریخ وفات نامعلوم ہے ؂

(۱۰۶) عیسیٰ بن بطریق (حکیم)

سعید بن بطریق کا بھائی۔ مذہباً عیسائی۔ فن طب کے علم و عمل دونوں میں حاذق و ماہر۔ اور علاج کی جزئیات میں بہت بڑا مبصّر تھا۔ شہر مصر قدیم میں قیام رکھتا تھا۔ زندگی بھر وہیں مقیم رہا۔ حتیٰ کہ وہیں فوت بھی ہوا ؂

(۱۰۷) عیسیٰ بن حکم دمشقی (حکیم)

اِس کا مشہور نام "مسیح" ہے۔ اس کی تصنیف کتاب "کناش کلاں" بہت مشہور ہے۔ اور کتاب "منافع الحیوان" بھی۔ یہ بڑا فاضل طبیب اور مشہور معالج تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی کی والدہ سخت بیمار ہوئی۔ قولنج کا درد اُٹھا۔ عیسیٰ علاج کے لئے بُلایا گیا۔ اور اُس نے حقنہ کی صلاح دی۔ لیکن خلیفہ کی ماں نجومیوں کی بیحد معتقد تھی۔ اُس نے ساعت دریافت کرنے کی فکر میں جان دی اور علاج کی نوبت نہ آئی۔ یہ راہبانہ زندگی پسند کرتا تھا۔ پیاز وغیرہ ایسی چیزیں جو قوت باہ بڑھائیں استعمال کرنے سے محترز رہتا۔ ایک بار کسی دوست نے پیاز کی بہت تعریف کی اور یہ مذمت کرتا رہا۔ دوست نے کہا۔ واہ۔ میں نے اس میں ایک عجیب تاثیر دیکھی ہے۔ عیسیٰ نے حیرت سے پُوچھا۔ وہ کیا؟ دوست نے جواب دیا۔ "بیت المقدس کے سفر میں جا بجا کھارا پانی ملتا تھا۔ ایک بار تھوڑا سا کچا پیاز کھا کر میں نے پانی پیا تو خوب میٹھا معلوم ہُوا۔"

عیسیٰ اس بات کو سُن کر زور سے ہنس پڑا۔ وہ بہت کم ہنسا کرتا تھا۔ دوست نے قہقہہ لگانے کی وجہ دریافت کی۔ عیسیٰ نے جواب دیا۔ "جو بات پیاز میں سخت بُری ہے تم جیسا دانشمند اُسی کو اچھی بات بتاتا ہے۔ ہنسوں نہیں تو کیا کروں عزیز من کیا تم نہیں جانتے کہ دماغ میں کچھ فساد آتے ہی حواس غائب ہوجاتے ہیں؟

دوست "ہاں یہ تو صحیح ہے" عیسیٰ۔ "پیاز بھی دماغ میں خرابی پیدا کر دیتا ہے اسی وجہ سے تم کو پانی کے مزہ کا امتیاز نہ ہوسکا اور تم اُس کو شیریں محسوس کرنے لگے"

عیسیٰ نے ایک دوست سے کہا "میرا باپ ۱۰۵ سال کی عمر میں مرا مگر اُس کے قوائے ذرا بھی کمزور نہیں ہوئے تھے کیا میں اس کا سبب بھی تم کو بتا دوں؟"

دوست "اِس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ فرمائیے"

عیسیٰ "تم ہمیشہ حمّام سے نکل کر ٹھنڈے پانی سے ہاتھ پیر دھویا کرنا۔

جس قدر زیادہ سرد پانی ملے اُتنا ہی مفید ہوگا۔ اور خشک گوشت کبھی نہ کھا۔"

(۱۰۸) عیسیٰ بن علی (حکیم)

فاضل طبیب اور وسیع المعلومات حکیم تھا۔ حکمت میں اُس کی بہت سی تصانیف ہیں۔ اُس نے فن طب حنین بن اسحٰق عبادی سے پڑھا تھا اور اُس کا جلیل القدر شاگرد تھا۔ خلیفہ احمد بن متوکل جو معتمد علی اللہ کے لقب سے مسند آرائے خلافت ہُوا۔ عیسیٰ بن علی اُس کا خاص طبیب تھا۔ اور عرصہ سے یعنی ولی عہدی کے زمانہ سے برابر اُس کی خدمت میں رہتا آیا تھا۔ معتمد علی اللہ نے خلافت پاکر اُسے بہت کچھ عزت و مرتبت عطا کی۔ کئی بار خلعت و اسپ خاصہ عطا کیا۔ اور زر نقد دیا۔

عیسیٰ بن علی کی تصانیف یہ ہیں :۔

(۱)۔ کتاب المنافع جو کہ حیوان کے اعضاء سے مستفاد ہوتے ہیں۔

(۲)۔ کتاب السموم۔ اِس کے دو مقالے ہیں۔

(۱۰۹) عیسیٰ بن قسطنطین (حکیم)

اس کی کنیت ابو موسیٰ تھی۔ وہ فاضل طبیب تھا۔ اُس کی تصنیفات میں حسب ذیل کتابیں ہیں :۔

(۱)۔ کتاب ادویہ مفردہ۔

(۲)۔ کتاب البواسیر۔ اس میں امراض بواسیر اور اُن کے علاج درج کئے ہیں۔

(۱۱۰) عیسیٰ بن ماسرجیس (حکیم)

یہ اپنے باپ کا ہم پلہ تھا۔ کتاب الالوان (رنگتوں کے ذکر میں) اور کتاب الروائح والطعوم۔ (خوشبوؤں اور مزوں کے بیان میں) اس کی یادگار ہیں۔

(۱۱۱) عیسیٰ بن ماشہ (حکیم)

اپنے وقت کا ممتاز فاضل اور فن طب کے نامور ماہرین میں سے تھا۔ بیماروں کا علاج نہایت عمدہ طریقہ سے کرتا۔ اس کی تصانیف یہ ہیں :۔

(۱)۔ کتاب قوی الاغذیہ ٭
(۲)۔ کتاب من لایحضرہٗ الطبیب ٭
(۳)۔ چند مسائل نسل اور ذرّیت کے بیان میں ٭
(۴)۔ کتاب الرویاء۔ اس میں اُس نے حاملہ عورتوں کے علاج سے اپنی دستکشی کا سبب بیان کیا ہے اور چند دیگر باتیں ٭
(۵)۔ کتاب اُن ستاروں کے طلوع کے بیان میں جن کا ذکر بقراط نے اپنی فصد اور پچھنے لینے کی کتاب میں کیا ہے ٭
(۶)۔ ایک رسالہ استعمال حمّام کے بیان میں ٭

(۱۱۲) عیسیٰ بن یحییٰ بن ابراہیم (حکیم)

یہ بھی حنین بن اسحٰق عبادی کا شاگرد تھا۔ اور اپنے استاد ہی کے پاس مطلب کرتا تھا ٭

(۱۱۳) عیسیٰ بن یونس کاتب و محاسب (حکیم)

ملک عراق کے فاضل اشخاص میں سے تھا۔ قدیم کتابوں اور یونانی علوم کی فراہمی پر بے حد توجہ رکھتا تھا ٭

(۱۱۴) غالب (حکیم)

طبیب المعتضد کے لقب سے مشہور۔ خلیفہ معتضد باللہ عباسی کی خدمت میں ممتاز اور اُس کا خاص طبیب تھا۔ پہلے وہ خلیفہ موفق باللہ طلحہ بن متوکل علی اللہ کی خدمت میں رہا تھا کیونکہ غالب نے طلحہ کی خدمت و پرورش اُس کے باپ خلیفہ متوکل کے زمانہ سے کی تھی۔ متوکل کی سب اولاد نے غالب کے بیٹوں

کے ساتھ دودھ پلا کر پرورش پائی تھی۔ یعنی غالب کی بی بی اپنے بچوں کو اور خلیفہ کے لڑکوں کو ایک ساتھ دودھ پلایا کرتی تھی۔ اِس لئے غالب کو خلیفہ کے بیٹوں سے وہی الفت تھی جیسی کہ خاص اپنے فرزندوں سے اور جب وہ اُن کو دیکھتا تو خوشی سے باغ باغ ہو جاتا تھا۔ خصوصًا موفق باللہ تو غالب کو بالکل اپنا باپ ہی مانتا تھا۔ ہر وقت اُسی کے زیر نگرانی رہتا۔ غالب ہی اُس کو سُلاتا اور کپڑے پہناتا۔ وہی اُس کے درد و دکھ کی تیمار داری کرتا ؞

ایک بار خلیفہ موفق باللہ کے تیر کا سخت زخم آیا تھا۔ اُس کا معالج غالب رہا۔ اور خدا نے خلیفہ کو شفا بخشی۔ خلیفہ نے خود جو کچھ انعام و اکرام دیا وہ تو دیا اُس نے اپنے خاص غلاموں کو بھی حکم دیا کہ جس کو میری خاطر منظور ہے وہ غالب کو بھی خوش کرے۔ خلیفہ موفق کے غلامان حضوری میں ذی شان غلام بڑے معزز اور صاحب دولت تھے۔ اُن میں ہر ایک نے ہزاروں روپے اور سیکڑوں جوڑے کپڑے عمدہ سے عمدہ غالب کو بطور تحفہ بھیجے۔ اور غالب ایک دم میں بڑا مالدار بن گیا ؞

خلیفہ موفق نے اپنے دو ماتحت امیروں کو سرکشی کے جرم میں گرفتار و قید کیا جن کے نام صاعد اور عبدون تھے عبدون کے بہت سے عیسائی غلام بھی اُس کے ساتھ ضبطی میں آ کر حاضر دربار کئے گئے۔ اُن غلاموں میں سے چند تو مشرف باسلام ہو کر آزادی اور وظائف سے بہرہ یاب ہوئے۔ مگر جو مسلمان نہ ہوئے خلیفہ نے اُن کو اپنے طبیب غالب کے پاس بھجوا دیا۔ یہ غلام سنتر تھے۔ غالب دربار میں آیا اور اُس نے خلیفہ سے عرض کیا "امیر المومنین! میں اُن کو لے کر کیا کرونگا۔ یہ تو میری آمدنی میں شریک ہو کر مجھے دقت میں ڈال دینگے"۔ خلیفہ ہنسا اور اُس نے حکم دیا کہ ایک نہایت سیر حاصل گاؤں غالب کو جاگیر میں دیا جائے اور اُس سے کہا کہ لو یہ سات ہزار دینار سالانہ آمدنی کی جائداد ہے۔ اور اُس کے ساتھ پچاس ہزار درم سالانہ نقد اور تم کو ملینگے۔ بس اب تو اُن کے

خرچ سے تم پر تنگی نہ ہوگی"

خلیفہ موفق باللہ کے بعد غالب اُس کے فرزند خلیفہ معتضد باللہ ابی العباس احمد کا طبیب خاص رہا۔ خلیفہ معتضد اُس کی بیحد خاطر کیا کرتا تھا۔ اُسے غالب کے ساتھ ساتھ خاص عقیدت تھی اور اُس کا علاج اس کے سوا کوئی اور طبیب نہیں کرتا تھا۔ جس وقت خلیفہ معتضد باللہ مقام آمد میں تھا وہیں غالب کا انتقال ہوا۔ اُس وقت غالب کا بیٹا سعید بن غالب بھی خلیفہ کے ساتھ موجود تھا۔ اور خلیفہ سعید کی بھی بہت خاطر کرتا تھا۔ غالب کی وفات کی خبر خلیفہ کو پہلے ملی تھی سعید ابھی اس اندوہناک امر سے واقف نہیں ہوا تھا۔ وہ دربار میں آیا تو خلیفہ نے نہایت تاسف کے لہجہ میں اُس کی ماتم پرسی کی اور کہا "سعید۔ خدا تمہاری عمر میں برکت دے اور صبر کی توفیق۔ افسوس ہے کہ تمہارے بزرگ باپ نے دنیا سے رحلت کی" سعید اس رنج دہ خبر کو سن کر ملول و مغموم دربار سے واپس گیا۔ اور اُس کے ساتھ خلیفہ بھی اُس کے خیمہ تک تشریف لے گیا۔ کئی غلامان خاص خلیفہ کے ساتھ تھے۔ اور اُن کے علاوہ تمام درباری امرا۔ فوجی سپہ سالار اور ارکان سلطنت سعید کی ماتم پرسی کے لئے اُس کے یہاں گئے۔ کئی وقت تک خلیفہ برابر اُس کے واسطے اپنے خاصہ خانہ سے کھانے کا خوان ارسال کرتا رہا اور پھر وزراء و امراء کے یہاں سے برابر کھانا آتا رہا۔ سات دن سعید نے اپنے باپ کی وفات کا ماتم کیا آٹھویں دن خلیفہ نے وہ تمام وظائف و جاگیریں جو غالب کو دی گئی تھیں سعید بن غالب کے نام منتقل کر دیں۔ اور اُس پر ویسا ہی مہربان رہا جیسا اُس کے باپ پر تھا۔ سعید بن غالب اور اُس کا بیٹا اپنی زندگی تک برابر اُن مناصب و وظائف پر قابض رہے۔

(۱۱۵) غالوس (حکیم)

اُس زمانہ میں جو بقراط۔ اور جالینوس کے عہد میں حد فاصل تھا یہ ایک نامی طبیب ہوا ہے۔

(۱۱۷) غورس (حکیم)

علم طب کے بانیوں میں دوسرا شخص تھا۔ اسقلیبیوس کے بعد اسی کا نمبر ہے یونان کے وہ نامور اطباء جو اپنے وقت میں امام فن اور مستند مانے گئے۔ آٹھ تھے۔ اسقلیبیوس اُن میں سب سے اوّل ہے۔ اور دوسرا یہ غورس تھا اُس نے ۴۸ سال عمر پائی۔ ۱۷ برس بچپن اور تعلیم میں بسر ہوئے۔ اور تیس سال علم و کمال حاصل کرکے دوسروں کو فیض پہنچانے اور اور معالجات میں شہرت پانے کا زمانہ رہا۔ یہ اسقلیبیوس کی وفات کے ۵۰ ۸ سال بعد پیدا ہوا۔ اور اس زمانہ میں جو اسقلیبیوس اور غورس کے مابین گزرا کئی ایک نامی طبیب اور بھی ہوئے۔ مگر وہ سب اسقلیبیوس کے پَیرو تھے اور انہوں نے علم طب کے مسائل پر کچھ اضافہ نہیں کیا تھا۔

غورس نے تجربہ کے مسئلہ پر نظر ثانی کی اور اُس میں جو خرابیاں پائیں اُن کو دور کرکے اُس کی بنیاد مستحکم اصولوں پر رکھی۔ اُس نے خاص اپنے بیٹوں اور عزیزوں میں سے سات لائق شاگرد اپنی یادگار چھوڑے۔ جو اس کی تحقیقات کے مقلد رہے۔ اور علم طب کو اپنے خاندان ہی میں محفوظ رکھتے چلے گئے۔

(۱۱۸) غورس طارنطائی (حکیم)

یہ بقراط کے بعد اور جالینوس سے قبل کے زمانہ میں فاضل طبیب ہوا ہے۔

فارابی (دیکھو ابو نصر)

(۱۱۹) فتح اللہ گیلانی (حکیم)

علم طب اور علم ہیئت کی کتابوں کا بہت ماہر تھا۔ اُس نے قانون شیخ پر فارسی میں ایک شرح بھی لکھی ہے۔

(۴۲۰) فتح الدین بن جمال بن ابی الحوافر (حکیم)

علم و فضل میں اپنے بزرگ باپ ابن ابی الحوافر کا ہم پلہ۔ اور بڑا عالی حوصلہ، پاک سیرت، ذہین اور صائب الرائے تھا۔ امراض کی شناخت میں اُس کی طبیعت خوب لڑتی تھی۔ علاج بڑے معرکہ کا کرتا۔ امراض کے اسباب و علامات کا ماہر تھا۔ خوش بیان۔ نیک سیرت۔ با مروت۔ اور لوگوں سے بحسن سلوک پیش آتا تھا۔ ملک الکامل محمد بن ابی بکر بن ایوب کا اور اُس کے بعد ملک الصالح نجم الدین ایوب ملک الکامل کے فرزند کا درباری طبیب رہا۔ اور ملک الصالح ہی کے عہد حکومت میں بمقام قاہرہ فوت ہوا۔

(۴۲۱) فشتون الترجمان (حکیم)

اِس کی ترجمہ کی ہوئی کتابیں سخت غلط پائی گئیں۔ عربی ادب سے محض نابلد تھا۔

(۴۲۲) فخر الدین ابن ساعاتی (حکیم)

رضوان بن محمد بن علی بن رستم الخراسانی الساعاتی۔ نام و نسب ہے۔ شہر دمشق میں پیدا ہوا اور وہیں نشو و نما پائی۔ اس کا باپ محمد خراسان سے جو اُس کا وطن اصلی تھا دمشق میں آکر قیام پذیر ہو گیا۔ وہ جوتش اور نجوم کے علم میں اپنے زمانہ کا یکتائے روزگار ماہر تھا۔ اس کے علاوہ وہ گھڑی سازی کے فن کا بھی زبردست ماہر تھا۔ چنانچہ دمشق کی مشہور اور تاریخی مسجد جامع بنو اُمیہ کے دروازہ پر جو گھڑی اور گھنٹہ گھر ہے وہ اِسی محمد بن علی خراسانی کی دستکاری کا نمونہ ہے۔ اُس نے یہ گھڑی ملک العادل نور الدین محمود بن زنگی کے عہد میں بنائی تھی۔ اور سلطان موصوف نے ازراہ قدر شناسی اُسے انعام کثیر اور بیش قرار وظیفہ مرحمت فرمایا تھا۔ محمد بن علی کو اس گھنٹہ گھر کی خدمت زندگی بھر سپرد رہی اور جب وہ فوت ہو لیے اس وقت تک برابر اپنے فرائض بڑی خوبی سے ادا کرتا رہا۔ محمد بن علی نے دو فرزند ارجمند اپنی یادگار چھوڑے

جو دو نو خاندان کے نام بردار ہوئے۔ ایک بیٹا ابو الحسن علی بن ساعاتی نامی اپنے زمانہ کا یکتا شاعر بلکہ ملک الشعراء ہُوا۔ اور دوسرا فرزند یہی فخر الدین ابن ساعاتی تھا جس نے علوم حکمیہ۔ ادب اور فن طب میں کمال حاصل کر کے غیر فانی نام پایا ۔

فخر الدین ابن ساعاتی نے فن طب میں شیخ رضی الدین الرحبی۔ اور شیخ فخر الدین المارونی۔ جیسے علامۂ روزگار اساتذہ کے روبرو زانوے ادب تہ کیا تھا۔ وہ خوشنویس بھی اعلیٰ درجہ کا تھا بلکہ ایک خاص قسم کے خط کا موجد مانا گیا ہے۔ شاعری کا مذاق بھی رکھتا تھا۔ علوم منطق و حکمت میں ماہر کامل تھا اور علم ادب میں شیخ تاج الدین الکندی کی صحبت سے فیض پایا تھا۔

فخر الدین ابن ساعاتی ملک العادل ابی بکر بن ایوب فرمانروائے شام و مصر کا طبیب خاص رہا اور بتدریج دربار سلطانی میں تقرب و رسوخ حاصل کرتا ہوا منصب وزارت تک ترقی کر گیا۔ بعد ازاں ملک المعظم عیسیٰ بن ملک العادل کا طبیب اور وزیر و مشیر رہا۔ اکثر اوقات وہ سلطان ممدوح کی صحبت و ہمنشینی میں عود نوازی کر کے اُس کی دلچسپی کا سامان کیا کرتا تھا اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن الساعاتی کو علم موسیقی میں بھی ملکہ حاصل تھا اور وہ زاہد خشک نہ تھا ۔

فخر الدین ابن ساعاتی کو شیخ الرئیس بوعلی بن سینا کی تصانیف سے خاص اُنس تھا۔ اکثر اُس کی طبی کتابیں زیر مطالعہ رکھتا اور اس جلیل القدر حکیم کے علمی کارناموں کی دل سے قدر کیا کرتا تھا۔ فخر الدین ابن ساعاتی نے بمقام دمشق مرض یرقان میں مبتلا ہو کر وفات پائی ۔ فخر الدین ابن ساعاتی کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ تکمیل کتاب القولنج مؤلفہ شیخ الرئیس بوعلی بن سینا ۔ (۲) شیخ کی کتاب قانون پر حواشی (۳)۔ کتاب المختارات اشعار وغیرہ میں ۔

(۴۲۳) فخر الدّین ماردینی (حکیم)

امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد السلام بن عبد الرحمن بن عبد الستار انصاری

اپنے زمانہ کا فرد یگانہ اور علامہ تھا۔ علوم حکمت میں امام عصر مانا گیا۔ تیزی ذہن نہایت قوی تھی۔ طبیعت میں نیکی بہت تھی۔ پاک دامن۔ باحیاء منکسر المزاج اور متواضع تھا اعمال طبیہ میں بہت توجہ سے مصروف رہتا اور تحقیق کا خیال کبھی نہ چھوڑتا۔ جو مسئلہ یا مرض اُس کی نظر سے گزرتا اُس کی تمام باریکیوں کو سمجھے اور سارے اسباب کا پتا لگائے بغیر نہ رہتا۔ مجرّبہ بھی اعلےٰ درجہ کا تھا۔ اور عربی زبان دانی میں اعلےٰ پایہ رکھتا تھا ؛

فخرالدین کی ولادت دیار بکر کے شہر ماردین میں ہوئی۔ اُس کے باپ دادا شہر قدس کے رہنے والے تھے۔ اُس کا باپ قاضی تھا۔ سلطان نجم الدین الغازی ابن ارتق۔ نے شہر بیت المقدس کو فتح کر کے فخرالدین کے دادا عبدالرحمٰن کو ماردین میں سکونت کی جگہ عطا کی۔ اور عبدالرحمٰن اور اُس کی اولاد نے یہیں اپنے رہنے کی جگہ اختیار کی ؛

فخرالدین ماردینی علوم حکمت و فلسفہ میں شیخ نجم الدین ابن الصلاح کا شاگرد ہے۔ یہ فیلسوف عالم شہر ہمدان (ایران) کا باشندہ تھا۔ سلطان غازی پسر ارتق کے بیٹے سلطان حسام الدین تمرطاش نے نجم الدین بن الصلاح کے فضل و کمال کا شہرہ سُن کر اسے اپنے دارالحکومت شہر قدس شریف میں بلوایا تھا۔ وہیں اُس کے حلقۂ درس میں فخرالدین بھی شریک ہُوا۔ نجم الدین بن الصلاح فن حکمت کا بہت اچھا ماہر اور اُس کی باریکیوں سے بخوبی واقف تھا۔ اس علم میں اُس کی اعلےٰ درجہ کی تصانیف موجود ہیں۔ وہ اخیر وقت میں دمشق میں اقامت گزین ہُوا۔ وہیں وفات پائی۔ اور صوفیہ کے مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ اُس کی قبر شہر دمشق کے باہر "بانیاس" ندی کے کنارہ پر ہے ؛

فخرالدین ماردینی۔ نے علم طب کی تحصیل امین الدولہ بن التلمیذ کی خدمت میں کی۔ خود ابن التلمیذ اُس سے فن منطق پڑھا کرتا تھا۔ تحصیل علم کے دوران میں فخرالدین کی ذہنی اور دماغی قوتوں کے جوہر ایسے آشکار ہوتے تھے کہ اُس کے

اساتذہ خواہ مخواہ اُس پر مہربانی کرتے اور نہایت توجہ سے اُس کو درس دیا کرتے تھے۔
فراغت تحصیل کے بعد فخر الدین نے شہر "حصنی" میں ایک عرصہ تک قیام کیا۔ وہاں وہ سلطان نجم الدین بن ارتق کی خدمت میں رہا۔ پھر وہ ۵۸۷ھ میں شہر دمشق کو گیا اور وہاں کئی سال نہایت عزت و حرمت کے ساتھ مقیم رہا۔ دمشق میں اُس کا مطب اور حلقۂ درس خوب چمکا۔ نہایت لائق اور معزز علماء اُس کے شاگرد بنے۔ حکمت وطب کا درس دیا کرتا تھا۔ وہ ۵۸۹ھ کے وسط تک دمشق میں رہ کر پھر اپنے اصلی وطن شہر ماردین کی طرف چلا۔ اُس وقت دمشق کا ایک زبردست فاضل شیخ مہذب الدین فخر الدین سے کتاب "قانون شیخ الرئیس بوعلی سینا" پڑھ رہا تھا اور کتاب تمام نہیں ہوئی تھی۔ مہذب الدین نے ہر چند درخواست کی کہ فخر الدین رُک جائے اور تین سو درم ماہوار تک دینے کو تیار رہا مگر فخر الدین نے معاوضہ لینے سے انکار کیا اور وطن کو روانہ ہو گیا۔ لیکن جب وہ اثنائے راہ میں شہر حلب میں پہنچا تو ملک الناصر صلاح الدین کے بیٹے ملک الظاہر غازی فرمانروائے حلب نے اُس کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ فخر الدین کی گفتگو سے اُس کے علم و کمال کا اندازہ کر کے ملک الظاہر نے اُس سے خواہش کی کہ وہ اُس کے دربار میں رہے۔ فخر الدین عذر کرتا رہا مگر اُس کی معذرت نہ سُنی گئی۔ ملک الظاہر نے بہت کچھ انعام و اکرام اور روزینہ دیکر فخر الدین کو اپنی خدمت میں رکھ لیا۔ دو سال کے قریب زمانہ تک وہ ملک الظاہر کی خدمت میں بڑی عزت و منزلت کے ساتھ حاضر رہا۔ اس کے بعد اپنے وطن ماردین کو چلا گیا۔

فخر الدین ماردینی۔ روز شنبہ ۲۱۔ ذی الحجہ ۵۹۴ھ کو ۶۲ سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اُس کا انتقال مقام "آمد" میں ہوا تھا۔ وفات سے قبل اُس نے اپنی سب قابل قدر کتابیں عام نفع رسانی کے لئے وقف کر دی تھیں۔ یہ کتابیں اُس کتب خانہ میں شامل ہوئیں جو کہ شہر ماردین کے ایک متبرک مزار سے متعلق تھا اور جس کو امیر حسام الدین بن ارتق نے قائم کیا تھا۔ امیر مذکور بڑا ذی علم حکیم و فیلسوف تھا۔ اور اُس نے بہت سی نادر کتابیں فراہم کی تھیں۔ شیخ فخر الدین کی کتابیں اس اعتبار سے بہت قابل قدر تھیں

کہ وہ اُس کی پڑھی اور پڑھائی - اور نہایت محنت سے صحیح و محشٰی کی ہوئی تھیں۔
شیخ فخرالدین بڑا خدا پرست تھا۔ بوقت وفات تسبیح و تہلیل کرتا ہوا جان بحق ہوگیا۔
اُس کی تصانیف میں صرف دو کتابیں ہیں :-

(۱)۔ شرح جو اُس نے شیخ الرئیس بوعلی سینا کے قصیدہ "ہبطت الیک من المحل الارفع" پر لکھی۔

(۲)۔ رسالہ جس میں اپنے بعض بدنام کرنے والوں کی خبر لی ہے جو اُس پر کسی بُرے مذہب کی جانب میلان رکھنے کا الزام لگاتے تھے۔

(۴۲۴) فرفوریوس تالیفی (حکیم)

یہ طبیب بہت سی مفید کتابوں کا مصنف اور مولف تھا۔ اعلٰے درجہ کا فلاسفر اور طب میں نامور تھا۔ اس کو فن طب پر ایسا عبور حاصل تھا کہ بہت سے آدمی اُسے طبیب ہی کہتے تھے اور بعض جو اس کی فلسفی لیاقت کے واقف تھے وہ اس کو فیلسوف کہا کرتے۔ اس کا زمانہ بقراط کے بعد اور جالینوس سے قبل تھا۔

(۴۲۵) فرگسن { FERGUSON Sir William Ferguson } (ڈاکٹر)

سر ولیم فرگسن ۲۰۔ مارچ ۱۸۰۸ء کو قصبہ پریسٹن پانس واقعہ اسکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں ایک وکیل کے پاس منشی ہوگیا۔ مگر اُس نے بہت جلد معلوم کیا کہ اس کی طبیعت کو قانون کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔ چنانچہ ۱۷ سال کی عمر میں وہ ڈاکٹری سیکھنے لگا۔ اُس کا باپ بھی اسی بات کا خواہشمند تھا کہ وہ ڈاکٹر بنے۔ سب سے پہلے اُسے رابرٹ ناکس نامی ایک ڈاکٹر کا جو تشریح کا ایک بہت بڑا ماہر تھا، شاگرد بنایا گیا۔ اُستاد نے فوراً بھانپ لیا کہ یہ طالب علم چیر پھاڑ اور ڈاکٹری کے کام کے لئے نہایت موزون ہے۔ اِس لئے وہ اُس پر نہایت مہربان رہا اور ہر طرح سے اُس کی حوصلہ افزائی اور مدد کرنے لگا۔ فرگسن نے روز بروز اپنی ہنرمندی، مستعدی، استقلال اور جفاکشی کا بیّن ثبوت دیا۔ چیر پھاڑ میں اُس کا ہاتھ بہت

صاف اور درست تھا۔ اب وہ بارہ چودہ گھنٹے روزانہ اسی کام میں صرف کرنے لگا۔ ایک دفعہ اُس نے چہرے کے اعصاب کو ایسی صفائی سے کاٹ کر الگ کیا کہ اُنہیں ایڈنبرا کے کالج آف سرجینز (کالج اطبا) کے عجائب خانے میں رکھا گیا۔ جب اُس کی عمر بیس سال تک پہنچی تو اُستاد نے اُسے اپنا معاون مقرر کرکے چیر پھاڑ اور تجربات دکھانے کا کام اُسی کے سپرد کر دیا۔ دوسرے سال امتحان دیکر وہ "کالج جراحاں" کا فیلو منتخب ہؤا۔ اور اُس کے بعد تشریح کا لیکچرار مقرر ہو گیا۔ طلبہ کو جراحی تشریح کے تجربات دکھانے کے لئے بھی اسی کو مامور کیا گیا۔ اس کے کام کی بہت کچھ قدر دانی کی گئی۔ پھر وہ عملی فن جراحی میں اپنی ہنرمندی اور کمال ظاہر کرنے لگا۔ ۱۸۱۳ء میں ایڈنبرا کی شاہی ڈسپنسری کا سرجن بنایا گیا۔ وہاں اُس نے بڑی دلیری اور کمال درجہ کی دانائی سے عظم الترقوہ (ہنسلی کی ہڈی) کے نیچے کی شریان کو باندھنے کا تجربہ کیا۔ اس عمل کی طرف اُس سے پہلے صرف دو ڈاکٹروں کو توجہ ہوئی تھی۔ ۱۸۲۹ء کو وہ شاہی مریض خانہ کا سرجن اور رائل سوسائٹی آف ایڈنبرا کا فیلو بن گیا۔ اُس وقت اُس کا مطب بھی نہایت وسعت پذیر ہو گیا تھا۔ اور آمدنی کے اعتبار سے بھی اُسے ڈاکٹر سایم کے مطب سے پہلو بہ پہلو رکھنے کا وقت آگیا تھا۔ دوسرے سال فرگسن لنڈن چلا گیا جہاں شفاخانہ کے متعلق اُس کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ پہلے سال لنڈن میں اُس کے پرائیویٹ مطب کی آمدنی صرف ایک سو پونڈ تھی۔ تیسرے سال اس آمدنی کی میزان ایک ہزار پونڈ تک ترقی کر گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کے جانے کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں کئی ایک نامی اور قابل جرّاح راہیِ عدم ہو گئے۔ اُس کے لئے میدان صاف ہو گیا اور اُس نے اپنے جراحی اعمال کی صفائی اور عمدگی کے باعث بہت جلد نام پیدا کر لیا۔ اگرچہ اُس کو فن جراحی میں انتہائی مہارت حاصل تھی تاہم وہ حتی الوسع کسی عضو کو کاٹنے کی بجائے اُسے بچانے کو زیادہ استحسان کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اور اپنی پوری کوششوں کو اس بات پر صرف کر دیتا تھا کہ عمل جرّاحی کئے بغیر آرام ہو جائے ؎

فرگسن کا سب سے بڑا حریف سائم تھا۔ اِس لئے دونو میں بہت کچھ نوک جھوک رہتی۔ اِس پر بھی یہ منصف مزاج محقق اپنے نامور اور قابل ہم عصر کی خدمات کا معترف تھا۔ پُرانے طریقے سے جوڑ کاٹنے کا ڈھنگ سائم ہی نے ازسرنو رائج کیا تھا۔ جس کی تقلید خود فرگسن نے بھی کی ⁂

یہ قابل قدر محقق دل چلا۔ چابک دست اور دلیر ہونے کے ساتھ ہی انتہا درجہ کا ہوشیار، محتاط اور ضابطا الحواس بھی تھا۔ پتھری نکالنے کے عمل میں اُس کو وہ یدطولیٰ حاصل تھا کہ ایک منٹ میں نکال کر رکھ دیتا۔ ۱۸۵۰ء میں اُس نے گھٹنوں کے امراض کی تحقیقات شروع کردی۔ سخت بیماریوں میں جوڑوں کو بھی کاٹتا رہا۔ غرض پندرہ سال اسی کام میں صرف کردیئے اگرچہ اُس کی سخت مخالفت ہوتی رہی اور ابتداً مریضوں کے حسب منشاء نہ ملنے کے باعث اعمال میں بھی چنداں کامیابی نہ ہوئی۔ مگر اُس نے ہمت نہ ہاری اور استقلال کے ساتھ اپنا کام کرتا رہا۔ آخرکار اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ وہ ایک نہایت ہوشیار اور متین شخص تھا۔ اِس لئے کسی مشکل میں گھبراتا نہ تھا۔ وقت پر ہر ایک مجروح کے مناسب حال وسائل اور تجاویز سوچکر اختیار کرلیتا۔ جزئیاتِ فن کو انتہائی احتیاط اور ہوشیاری سے ملحوظ رکھتا۔ موقع اور ضرورت کے تغیرات کے ساتھ کام کرنے کے طریقوں میں بھی تبدیلیاں کرتا رہتا یہی اُس کی سب سے بڑی خوبی تھی۔ اور اسی کی طفیل اُس نے شہرت اور نیکنامی حاصل کی تھی ⁂

اُس نے اُن مضامین اور مسائل کو جو اُس کے پیشہ کی کامیابی اور اعانت کے کفیل ہوسکتے تھے۔ نہایت محنت اور عرق ریزی سے مطالعہ کیا تھا۔ اور عملی فن جراحی کے متعلق اُس نے ایک کتاب لکھی تھی جس کے بہت تھوڑے عرصہ میں پانچ ایڈیشن شائع ہوگئے تھے ۱۸۶۵ء و ۱۸۶۷ء میں وہ کالج آف سرجنز (کالج جراحان) میں "تشریح و جراحی کی ترقی" پر لیکچر دیتا رہا۔ جو بیحد قابل قدر اور مفید سمجھے گئے۔ جہاں باقاعدہ لیکچر دیتے۔ اور مریضوں کی حالت دکھا کر علامات و امراض

کا علم نہ کھانے سے۔ اُسے کچھ زیادہ ناموری حاصل نہ ہوئی تھی۔ وہاں چیر پھاڑ اور فن جراحی میں اُسے فرد واحد تسلیم کیا جاتا تھا۔ اور اسی میں اُس کی شہرت کا راز مخفی تھا۔

بعض مسائل اور مباحث میں اُس کی واقفیت نہایت نکمی اور نامکمل تھی۔ جس کی بناء پر اُس نے ایک دفعہ شہر کے لئے خالص پانی کا ذخیرہ بہم پہنچانے کی تجویز پر مخالفانہ آواز اٹھائی تھی۔ اور زندہ جانوروں پر تجربے نہ کرنے کی تحریک کا حامی تھا۔ سنہ ۱۸۴۰ء میں وہ رائل سوسائٹی آف سرجنز کا ممبر اور سنہ ۱۸۴۴ء میں اُس کا فیلو مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد سنہ ۱۸۴۹ء میں ملکہ وکٹوریہ کے شوہر کا سنہ ۱۸۵۵ء میں خود ملکہ ممدوحہ کا خاص سرجن اور سنہ ۱۸۶۷ء کو اُن کا سرجنٹ سرجن بنایا گیا۔ سنہ ۱۸۶۱ء اور سنہ ۱۸۶۸ء میں وہ سخت مخالفت ہونے کے باوجود کالج جراحاں کا خاص ممبر اور سنہ ۱۸۷۰ء میں اُس کا پریزیڈنٹ منتخب ہوا۔ پھر سنہ ۱۸۷۳ء میں برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن کا بھی پریسیڈنٹ بنا۔ اور سنہ ۱۸۶۶ء میں اُسے نائٹ کا مستقل خطاب عطا ہوا۔

فرگسن کام کا بیحد شائق تھا۔ اِس سے اُسے ایک خاص حظ حاصل ہوتا تھا۔ وہ گانے بجانے میں بھی اُستاد تھا۔ علم ادب اور ڈراما کا بھی شائق تھا۔ اگر کسی وجہ سے کسی شخص کی دلشکنی ہو جاتی۔ تو جب تک اُس سے معافی مانگ کر میل جول نہ کر لیتا اُسے چین نہ آتا۔ نہایت حلیم الطبع اور نیک طینت شخص تھا۔ غرور اور گھمنڈ سے کوسوں دور۔ طلبہ پر مہربان اور ہم پیشہ لوگوں کا معاون رہتا۔ اس قدر معزز اور مشہور ہونے کے باوجود ہر قسم کے لوگوں سے محبت اور مروّت کے ساتھ پیش آتا۔ ایک اہل الرّائے شخص اُس کی بابت لکھتا ہے کہ "وہ ایک سچا مسیحی تھا"۔

مریضوں کے ساتھ نہایت مہربانی اور خُلق کا سلوک کرتا۔ اُن کی تکالیف کو دور کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا۔ اس میں اپنے آرام و آسائش کی مطلق پروا نہ کرتا۔ اُسے بائیٹس ڈیزیز (مرض برائٹ[1]) لاحق ہو گیا۔ جس سے اُس کا بدن گھلتا چلا گیا آخر کار وہ ۱۰۔ فروری سنہ ۱۸۷۷ء کو اسی مرض میں جان بحق ہو گیا۔ اُس کی بہترین یادگار

[1] سوزش کلیہ مزمن۔

اُس کے فاضل شاگرد ہیں جن کے دلوں میں اُس کی عزّت اور نیکنامی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور وہ اُس کا نام ہمیشہ عزّت و ادب کے ساتھ لیتے ہیں ٭

(۴۲۶) فضل بن جریر تکریتی (حکیم)

یہ بڑا وسیع المعلومات۔ فن طب میں فاضل اجل۔ اور عمدہ معالج تھا۔ امیر نصر الدولہ بن مروان کا طبیب خاص رہا۔ اس کی تصنیف سے صرف ایک مقالہ امراض کے ناموں اور اُن ناموں کے ماخذ اشتقاق کے بیان میں ہے۔ اُس نے یہ مقالہ اپنے ایک دوست یوحنّا بن عبدالمسیح کے لیئے لکھا تھا ٭

(۴۲۷) فنون طبیب (حکیم)

اپنے فن میں سر برآوردہ اور سپہ سالار امیر بختیار کا خاص طبیب تھا۔ بختیار اُس کی بہت کچھ عزّت و تکریم کیا کرتا۔ ایک بار بختیار کی آنکھیں دُکھنے آئیں۔ اُس نے اپنے طبیب فنون سے کہا" ابا نصر! خدا کی قسم میں تم کو اپنے پاس سے اُس وقت تک ہرگز نہ جانے دونگا جب تک کہ میری آنکھیں اچھی نہ ہو جائیں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ یہ ایک ہی دن میں درست ہوں۔ یہ میرا حکم قطعی ہے "٭

ابو نصر فنون نے کہا" اگر آپ آج ہی صحت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو غلاموں اور فرّاشوں کو حکم دیجئے کہ وہ میرے کہنے پر عمل کریں اور آپ کے فرمان کو نہ مانیں یعنی آج کے دن اُن پر حکومت کرنے میں مجھ کو وُہی اختیار حاصل ہو جو آپ کے نائب کو ہو سکتا ہے۔ حتّٰی کہ اُن میں سے جو شخص میرے احکام کی ذرا بھی خلاف ورزی کریگا۔ میں اُس کے قتل کیئے جانے کا حکم دونگا"۔ بختیار نے فنون کی حسب مرضی حکم صادر کردیا۔ ابو نصر فنون نے طبرزد شہد کا ایک بھرا ہوا ظرف منگا کر بختیار کے دونو ہاتھ اُس میں ڈبو دیئے۔ اور پھر اُس کی آنکھوں میں دوا لگانی شروع کی۔ شیاف سفید۔ اور آشوب چشم کی دوائیں برابر استعمال کرتا رہا۔

بختیار غلاموں کو ہر چند ڈانٹتا اور اس زحمت سے نجات پانے کی تدبیر کرتا رہا کوئی اُس کی فریاد نہ سُن سکا۔ طبیب نے تمام دن اسی طرح اُس کی آنکھوں میں دوائیں لگائیں۔ اور بختیار مجبور بنا ہوا پڑا رہا۔ یہاں تک کہ دن کے اخیر حصّہ میں وہ بالکل اچھا ہو گیا ٭

خلیفہ اور سپہ سالار بختیار کے مابین سفارت کا کام یہی ابو نصر فنون طبیب انجام دیتا تھا۔ اور خلعتیں بھی اسی کی معرفت لوگوں کو ملتی تھیں۔ چنانچہ اس مد سے اُس کو بہت بڑی آمدنی ہوتی تھی ٭

(۴۲۸) فوریس (حکیم)

یہ طبیب آنکھوں کے علاج اور اُن کو قدح کرنے میں خاص مہارت رکھتا تھا۔ بقراط کے بعد اور جالینوس سے قبل کے زمانہ میں ہوا ہے ٭

(۴۲۹) فیثاغورس (حکیم)

یہ حکیم بندقلیس کے کچھ ہی دن بعد یونان میں مشہور ہوا۔ اُس نے حکمت کی تحصیل حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاگردوں سے ملک مصر میں کی تھی حضرت سلیمانؑ کے تلامذہ ملک شام سے مصر میں آئے تھے تو فیثاغورس اُس وقت وہاں موجود تھا اور علمائے مصر سے علم ہندسہ کی تحصیل کر رہا تھا۔ چنانچہ اُس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاگردوں سے بھی فیض حاصل کیا اور علم و فضل میں کامل ہو کر اپنے وطن ملک یونان کو واپس آیا ٭

فیثاغورس نے یونان پہنچ کر اپنے اہل ملک کو علم ہندسہ اور علم طبیعیات کی تعلیم دینی شروع کی۔ وہ علم دین بھی پڑھاتا اور تہذیب اخلاق کا درس دیا کرتا تھا فیثاغورس نے اپنی ذہانت اور طبّاعی سے علم موسیقی کے اصول ایجاد کئے اور راگ اور سُر کے قواعد اعداد کے ساتھ نسبت دیگر وضع کئے۔ فیثاغورس آخرت اور معاد کے متعلق کچھ

عجیب و غریب خیالات رکھتا تھا۔ اس بارہ میں اُس کی رائے ہنڈقلیس کی رائے سے ملتی جلتی تھی۔ قدیم اہل یونان اس دنیوی زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی کے قائل نہ تھے۔ مگر فیثاغورس نے اُن کو بتایا کہ اس طبیعی عالم اور مادّی دنیا سے بالاتر ایک دوسری دنیا بھی ہے جس کو عالم روح اور آخرت کہتے ہیں۔ مادّی عقل اُس نورانی عالم کے حسن و زیبائش کا ادراک نہیں کر سکتی۔ صرف پاک و صاف نفوس ہی اُس کے طالب ہوتے ہیں۔ اور جو آدمی غرور۔ خود پسندی۔ مکر۔ حسد۔ اور ایسی ہی بُری باتوں سے اپنا دل پاک کرتا ہے وہ نفسانی خواہشیں ترک کر کے روحانی عالم میں پہنچ سکتا اور وہاں کی حالت سے واقف ہو جاتا ہے۔ عالم روحانیات میں گذر پانے کے بعد انسان کا نفس ایسا صاف و شفاف ہو جاتا ہے کہ عالم قدس کے دلکش راگ بلا واسطہ اُس کو سنائی دیتے ہیں اور وہ واصل الی اللہ ہو جاتا ہے ؞

اُس نے ریاضت نفس اور مجاہدہ کی تعلیم دی۔ عبادت بدنی پر زور دیتا تھا۔ روزہ رکھنا۔ کتابوں کا مطالعہ۔ اور ایسی ہی مفید باتوں میں مصروف رہنے کی ہدایت کیا کرتا۔ بالخصوص جس وقت وہ یونان کے مندروں کا اعلےٰ نگراں اور وہاں کے پجاریوں کا افسر مقرر کر دیا گیا۔ تو اُس نے اپنی جاہل اور بت پرست قوم کو علم الٰہیات کی تعلیم دینے میں بیحد کوشش سے کام کیا۔ وہ ہدایت کرتا تھا کہ مردوں کو مرد اور عورتوں کو عورتیں تعلیم دیں۔ اُس کی تاکید رہتی کہ اہل یونان تقریر کرنے میں مشق و مہارت بہم پہنچائیں۔ بادشاہوں کو نیک نصیحت کرنا اُس کا دستور تھا۔ اور وہ کہتا تھا کہ نفس ناطقۂ انسانی (روح) غیر فانی ہے اور دنیاوی زندگی سے بعد روح اپنے اعمال کے موافق عذاب و ثواب کا حصّہ پاتی ہے ؞

اُس نے اپنی عادتوں کو ایسے اعتدال کے سانچہ میں ڈھال لیا تھا کہ کبھی کسی امر سے اُس کو تکلیف نہیں پہنچ سکتی تھی۔ نہ زیادہ کھاتا پیتا نہ بہت آرام اُٹھاتا۔ سخت محنت و مشقّت سے بھی بچتا تھا۔ اور اسی سبب سے وہ نہ بہت موٹا ہوتا اور نہ بیحد دُبلا۔ اور ہمیشہ تندرست و چست بنا رہتا۔ کسی شخص نے اُس کو کبھی

رونے یا ہنستے نہیں دیکھا تھا وہ اپنے ساتھیوں کا آرام خود اپنے نفس پر مقدم رکھتا
اُس کا قول ہے کہ " دوستوں کا مال دوستوں کے لئے حلال ہے" تندرستوں کو حفظان
صحت کے اصول بتانا اور بیماروں کا علاج کر کے اُنہیں تندرست بنانا اُس کا کام
تھا۔ زیادہ تر روحانی قوت اور راگ کے اثر سے بیماروں کو چنگا کرتا تھا۔ لوگوں کو
ہر قسم کی امانت اور وفائے وعدہ کی نصیحت کرتا اور اُنہیں پاکیزہ زندگی کی طرف
رہنمائی کرتا رہتا ۔

فیثاغورس کے باپ کا نام مینارخوس تھا۔ وہ شہر صور کا باشندہ تھا۔ فیثاغورس
کے چند اور بھائی بھی تھے اُن میں سے بڑے بھائی کا نام اونوطوس اور دوسرے کا
طوریتوس ہے۔ فیثاغورس کی ماں بوثایس شہر ساموس کے باشندہ اجقاوس کی بیٹی
تھی۔ شہر صور پر۔ لیمنون۔ یمفرون۔ اور سقوروون نامی تین قبائل نے تسلط کر کے
وہاں کے اصلی باشندوں کو نکال دیا تو فیثاغورس کا باپ بھی جلاوطن ہو کر مقام
البحیرہ میں آرہا اور پھر وہاں سے روٹی کمانے کے لئے شہر ساموس چلا گیا۔ ساموس
میں اُس کو بہت عزت حاصل ہوئی اور وہ یہیں رہ پڑا ۔

ساموس کے رئیس اندروقلوس نے فیثاغورس کی ذہانت دیکھ کر اُسے اپنا
متبنّٰی بنا لیا اور اُس کی تعلیم کے واسطے اچھے لائق اُستاد مقرر کئے۔ فیثاغورس بچپن
ہی میں زباندانی۔ شاعری۔ موسیقی۔ اور ادب و تہذیب کی تعلیم پا کر فارغ ہو گیا۔
پھر وہ جوان اور سبزہ آغاز ہو گیا تو اندروقلوس نے اُس کو حکیم انکسیماندر کے حوالہ کیا
کہ وہ اُسے حکمت۔ ہندسہ۔ طبیعیات۔ اور نجوم کے علم سکھائے۔ فیثاغورس ان علوم
میں ماہر ہو گیا تو اب اُس کو مزید کسب کمال کا شوق دامنگیر ہوا اور اُس نے تحصیل
علم کے غرض سے دنیا میں سفر اختیار کیا۔ مصر۔ کلدان اور دیگر ملکوں میں جہاں کہیں
علم و فضل کا چرچا سُنا پہنچ کر علم حاصل کیا۔ کاہنوں یعنی دینی پیشواؤں سے جو عہد
قدیم میں علم و کمال کے بلاشرکت غیری مالک بنے رہتے تھے فیثاغورس نے خاص
ربط و ضبط بڑھا کر اُن کے مخفی علوم سیکھے اور اس طرح وہ حکمت۔ فلسفہ۔ اور دیگر علوم

میں ماہر بن گیا ۔

فیثا غورس نے اہل مصر کی تمام مروجہ زبانیں اور کتابت کے طریقے جو اُس عہد میں رائج تھے بخوبی سیکھ لیئے وہ آرا قلیبا (ہیرا کلیس) میں تھا تو وہاں کے بادشاہ کا مصاحب تھا۔ اور بابل میں آکر خلدائی رئیسوں کا یار غار رہا۔ اور یہاں وہ علوم حاصل کیئے جن کی وجہ سے اُس کو تزکیہ نفس کا ملکہ بہم پہنچا اور اُس میں یہ قوت پیدا ہوئی کہ لوگوں کو اپنے اثر سے متاثر بنا لیتا تھا۔ فیثا غورس کی ہدایات کا اثر خلق پر اچھا ہونے کا بھی راز تھا کہ وہ قلبی قوت اور باطنی توجہ سے سامعین پر ایسا اثر ڈال دیتا کہ وہ اُس کے حکم سے سر نہ پھیر سکتے۔ چنانچہ اُس نے بہت سی قوموں کو راہ حق دکھائی اور اپنی حکمت کو اعلےٰ درجہ کی کامیابی پر فائز کیا ۔

مصر کے کاہنوں سے فیثا غورس کے تحصیل علم کرنے کا ماجرا بہت دلچسپ ہے وہ اپنے منہ بولے باپ کا خط شاہ مصر کے نام لیکر گیا تھا۔ شاہ مصر نے کاہنوں سے اُس کی سفارش کی۔ اور کاہنوں نے فیثا غورس کو بُرے دل سے اپنے پاس رکھا اُس سے سخت ریاضتیں کرائیں اور طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرنے کی زحمت دیتے رہے۔ مگر فیثا غورس کا شوق علم اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اُس نے تمام مشکلوں کو آسان خیال کیا اور ہر ایک کڑی جھیل کر مصری کاہنوں کا امتحان پاس کر لیا۔ مصر کے کاہن مجبور ہو گئے کہ بادشاہ کے حسب ہدایت ابتدائی امتحان میں کامیابی کے بعد فیثا غورس کو اپنے علوم سکھائیں۔ لیکن پھر بھی اُنھوں نے اُسے کچھ نہ بتایا اور شہر عین شمس کے اعلےٰ مندر میں اُس کا داخلہ ضروری قرار دیا۔ وہاں فیثا غورس پر پہلے سے بدرجہا بڑھ کر سختیاں کی گئیں۔ مگر اُس نے سب کو برداشت کر لیا یہاں تک کہ اس مندر کا امتحان داخلہ بھی پاس کر گیا۔ اس کے بعد عین شمس کے کاہنوں نے اُسے ایک اور مندر میں بھیج دیا جہاں فیثا غورس پر دونو اگلے مندروں سے بھی بڑھ کر ریاضت کرنے کا حکم صادر ہوا۔ اور علم کے شوق میں اُس نے یہ کڑی بھی جھیل لی۔ اس آخری امتحان میں کامیاب اُترنے سے فیثا غورس کا نام اور اُس کی ریاضت

پرہیزگاری تمام ملک مصر میں مشہور ہوگئی اور شاہ مصر نے اُسے دیوتاؤں پر چڑھائی جانے والی قربانیوں کا اعلےٰ نگران مقرر کردیا۔ یہ ایسا منصب تھا کہ کبھی کوئی پردیسی شخص اس پر مقرر نہیں کیا گیا تھا۔

مصری کاہنوں کے علوم پر آگاہ ہونے کا مرحلہ طے کرکے فیثاغورس وہاں سے اپنے ملک کو واپس آیا اور شہر آیونیا میں ایک درسگاہ کھول کر لوگوں کو علوم و فنون کی تعلیم دینے میں مصروف ہُوا۔ اہل ساموس اُس کے حلقۂ درس میں بکثرت آیا کرتے تھے وہ اس کے علم و کمال سے مستفید ہوکر واپس جاتے اور دُور دُور تک فیثاغورس کی حکمت کا چرچا پھیلاتے۔ شہر سے باہر ایک جگہ اُس نے اپنی خلوتگاہ کے طور پر مہیا کی تھی۔ وہاں اپنے چند خاص شاگردوں کے ساتھ اکثر اوقات چلّہ کشی کیا کرتا۔

فیثاغورس کی عمر چالیس سال کی ہوگئی اور اُس نے دیکھا کہ فولوقراطیس اُس کا منہ بولا باپ عرصہ دراز تک حکومت کرکے اب گوشہ نشین ہونا چاہتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ فولوقراطیس اُسے عرصہ تک اپنی نیابت میں رکھ کر آزما چکا ہے کہ یہ حکومت کا بار اُٹھا لیگا۔ اور ضرور ہے کہ اب وہ یہ بار میری گردن پر رکھ دے۔ تو اُس نے خیال کیا کہ حکیم کو حکومت سے کیا سروکار لہٰذا بہتر ہے کہ یہاں سے ٹل چلو اور دنیا کا سفر اختیار کرو۔ فیثاغورس کو علمی تحقیقات خصوصاً جغرافیائی معلومات کا بھی شوق دامنگیر ہُوا۔ اور وہ وطن سے روانہ ہوکر ملک اٹلی کو چلا گیا۔ کچھ دن اٹلی میں بسر کرکے فیثاغورس قروطونیا پہنچا۔ اہل قروطونیا۔ اُس کی وجاہت۔ دولت اور علم و حکمت کو دیکھ کر اُس کے شیدا بن گئے اور حکیم کو اپنے سر آنکھوں پر جگہ دی۔ فیثاغورس کو بھی اُن کی علمی قدردانی پسند آئی اور وہ بدل و جان قروطونیا کے باشندوں میں علوم و آداب کی اشاعت پر مستعد ہوگیا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کا کورس تیار کرایا اور اپنے وعظ و درس سے اُنہیں مستفید بناتا رہا۔ فیثاغورس کے حلقۂ درس میں ہزاروں مردوں۔ عورتوں۔ بچوں اور بوڑھوں کا مجمع ہوا کرتا۔ سب کے سب کامل توجّہ سے اُس کے حکمت آمیز کلام سنتے اور جان و دل سے

اُس کی ہدایتوں پر کاربند ہوتے۔ اس طرح فیثاغورس کی عزت و عظمت بہت ترقی کر گئی اور اُس نے بھی اقروطونیا کے صدہا باشندوں کو علوم میں ماہر کامل بنادیا ۔

فیثاغورس کے اعلےٰ فضائل اور نیک خصائل کی شہرت بڑھتی گئی۔ باشندگان اطراف ملک کے علاوہ بربر کے حبشی تک اُس کی خدمت میں فیضیاب ہونے کے لئے آنے لگے۔ بڑے بڑے نامور بادشاہ تاج و تخت چھوڑ کر اُس کے حلقۂ درس میں شریک ہوگئے اور اقروطونیا کی عام مخلوق میں تو کوئی انسان ایسا نہ تھا جو فیثاغورس کا دل و جان سے مطیع نہ ہو۔ مگر قاعدہ ہے کہ جہاں اچھے لوگ ہوں وہاں بُرے بھی ضرور ہوتے ہیں اور خاصکر اہل دَوَل کی حالت اخلاق ہر قوم و ملک میں بیحد ابتر ہوا کرتی ہے۔ اس کلیہ سے اقروطونیا بھی مستثنےٰ نہ تھا چنانچہ ایک دن جبکہ فیثاغورس مجلس وعظ میں بیٹھا ہؤا لوگوں کو حکمت و اخلاق کی باتیں سنا رہا تھا۔ ایک مقامی امیر "قولون" نامی اُس کی مجلس میں آکر حکیم پر اعتراضات کرنے اور اُسے اپنی تعریف سنانے میں مصروف ہو گیا۔ قولون بڑا مغرور اور ظالم تھا۔ فیثاغورس اُس کی بیہودہ گفتگو سُنتے سُنتے عاجز آگیا تو اُس نے حسب معمول اُسے بھی ملامت اور نصیحت کی کہ خودستائی اور تکبر مذموم بات ہے اس سے باز آ اور خلق خدا کے ساتھ مہربانی اور انصاف کا سلوک کر۔ حکیم نے تو اُس کو نصیحت کی لیکن سنگدل "قولون" اُسی وقت سے حکیم کا جانی دشمن بن گیا۔ وہ منہ پھُلائے اور غصہ سے بھرا ہوا حکیم کی مجلس سے اُٹھ گیا۔ باہر جا کر اپنے یاروں مددگاروں کے سامنے حکیم کی بُرائی کرنے لگا۔ اور کہا یہ بے دین و کافر واجب القتل ہے اور اُس کے شاگردوں کا مار ڈالنا بھی ضروری ہے ورنہ وہ اوروں کو گمراہ کرتے رہینگے۔ غرضیکہ "قولون" بہت سے آدمیوں کو لیکر حکیم کے مکان پر حملہ آور اور اُسے قتل کرنے کے درپے ہؤا۔ فیثاغورس کے شاگردوں اور دوستوں نے مدافعت کی اور لڑائی ہونے لگی چالیس آدمی حکیم کے ساتھیوں میں سے جنگ میں کام آئے اور باقی پراگندہ ہو کر ادھر اُدھر چھپ رہے۔ حکیم کو بھی اُنہوں نے پوشیدہ کر دیا۔ "قولون" کا جوش انتقام فرو نہیں ہوا تھا۔ وہ حکیم

اور اُس کے دوستوں کی تلاش میں مصروف رہا اور جسے پا گیا بغیر قتل کیے نہ چھوڑا۔ یہ حالت دیکھ کر قروطونین کے باشندوں نے کسی تدبیر سے حکیم کو خفیہ وہاں سے بھگا کر دوسرے شہر میں پہنچایا مگر قولون کے گرگے وہاں بھی پہنچے اور حکیم کو مار ڈالنے کی فکر سے غافل نہ رہے۔ اہل شہر حکیم کے پاس آئے اور اُس سے کہا" جناب! ہمارے مذہب میں قتل و خونریزی حرام ہے۔ اگر ہم آپ کی حفاظت کریں تو آپ کے دشمنوں سے لڑنا پڑے گا۔ ورنہ آپ کو اُن کے حوالہ کرنا ضروری ہوگا۔ اور یہ دونو امر ہمارے اصول کے خلاف ہیں۔ پس آپ مہربانی کرکے یہاں سے کسی اور جگہ چلے جائیے اور ہمیں مشکل میں نہ پھنسائیے۔

فیثاغورس وہاں سے دوسرے شہر کو چلا گیا۔ مگر "قولون" کا اثر کہیں بھی اُسے پناہ نہیں ملنے دیتا تھا۔ وہ جہاں جاتا قولون کے آدمی اُس کے پیچھے لگے جاتے تھے۔ آخر کار دق ہو کر حکیم فیثاغورس نے ایک مستحکم مندر میں پناہ لی اور چالیس۴۰ خاص شاگردوں کے ساتھ اُس میں بند ہو کر بیٹھ گیا۔ قولون کے شریر ملازم مندر کا محاصرہ کرکے حکیم کو چالیس۴۰ دن بے آب و دانہ رکھنے کے باوجود بھی اُس پر قابو نہ پا سکے تو اخیر میں بہت سی لکڑیاں مندر کے گرد چُن کر اُن میں آگ دیدی اور مندر کی عمارت جلنے لگی۔ جب آگ خوب تیز ہو گئی اور گرمی کی وجہ سے حکیم اور اُس کے ساتھیوں کا دم فنا ہونے لگا تو شاگردوں نے حکیم کو اپنے حلقہ میں لے لیا اور موت پر مستعد ہو کر بیٹھ گئے۔ مقصد یہ تھا کہ جب تک ہمارے جسم میں جان ہے اُس وقت تک فاضل اُستاد پر آنچ نہ آنے دینگے۔ آگ نے تمام مندر کی عمارت نمونۂ جہنم بنادی اور حکیم کے سب شاگرد اُسی طرح اُستاد کے ساتھ چمٹے ہوئے مر چکے تو اخیر میں حکیم پر بھی غشی طاری ہوئی اور وہ بیہوش ہو کر گرتے ہی فوت ہو گیا۔

فیثاغورس ۵۷۴ء اور ۵۶۶ء قبل مسیح کے مابین گزرا ہے اُس کی ولادت کا ٹھیک وقت معلوم نہیں ہو سکا اُس نے علوم طبیعیہ کے متعلق بہت سی باتیں دریافت کی تھیں اور دنیا میں چل پھر کر جغرافیائی معلومات حاصل کی جس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے

ہیں۔ زمین کے متحرک ہونے کا مسئلہ سب سے پہلے اسی نے دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ ہاں وہ اس بات کی تعیین نہیں کر سکا کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔ صبح و شام کے ستارہ کا ایک ہونا بھی اُسی کی تحقیقات کا نتیجہ ہے۔

علم الارض کی بابت اُس کی دریافتوں میں سے یہ امور ہیں کہ جہاں خشکی میں سمندر کے گھونگھوں کا پتا ملتا ہے یہ اس کی علامت ہے کہ کسی زمانہ میں وہاں سمندر موجود تھا۔ اُس نے اور اُس کے شاگردوں نے جغرافیہ طبیعی کے حسب ذیل مسائل قرار دئے :- (۱)۔ زمین سمندر کی شکل میں بدل جاتی ہے اور سمندر زمین بن جاتا ہے۔ یہ قیاس اُس مشاہدہ کا نتیجہ تھا جو فیثا غورس نے دریائے نیل کے دہانہ پر مٹی کے اجتماع سے مثلث شکل کی زمین بنتے دیکھ کر قائم کیا اور جس کو موجودہ جغرافی اصطلاح میں ڈلٹا کہا جاتا ہے۔ (۲)۔ بہتے ہوئے پانی کی دھار وادیوں کو گہرا کر کے اُن میں گڑھے ڈال دیتی ہے۔ پہاڑیاں سیلاب میں بہ جاتی ہیں۔ اور اس طرح زمین کی جگہ سمندر لے لیتا ہے۔ (۳)۔ جزیرہ نما خشکی کا حصّہ تھا۔ جس کو سمندر نے گھیر کر قریب قریب خشکی سے الگ کر دیا۔ (۴)۔ ڈلٹا کی ساخت یا نئی مٹی کے ایک جگہ جمع ہونے کا انجام یہ ہوا کہ جزیرے خشکی سے مل کر براعظم کے جزو ہو گئے۔ (۵)۔ ایسے ہی سمندر کی کاٹ نے جزیرہ نماؤں کو خشکی سے الگ بنا کر جزیرہ کر دیا۔ (۶)۔ زلزلوں کے جھٹکے خشک مقامات کے سمندر میں غرق ہو جانے کا سبب بنے جیسے ابھی حال میں بمقام میسینیا (جنوبی اٹلی) واقع ہوا ہے یا یونان کے دو قدیم شہر ہلیکس اور بورسی سمندر میں غرق ہیں اور اُن کی دیوار فصیل اب تک پانی میں معلوم دیتی ہے۔ غرضیکہ اسی طرح اُس نے اور اُس کے شاگردوں نے جوالامکھی پہاڑوں کی تبدیلی۔ لکڑی وغیرہ اشیاء کو پتھر بنا دینے والے چشموں اور بہت سی مفید باتوں کو دریافت کر کے علمی دُنیا پر لازوال احسان کیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ فیثا غورس نے ۲۸۰ کتابیں تصنیف کی تھیں۔ اور بے شمار لائق شاگرد اپنی یادگار میں چھوڑ گیا۔ اُس کی انگشتری پر یہ عبارت کندہ تھی۔

"تھوڑی دیر کی مصیبت اُس خوشی سے اچھی ہے جو ناپائدار ہو"
اور اُس کی پیٹی کی ڈاب پر نقش تھا "چپ رہنا پشیمانی سے بچاتا ہے"
فیثاغورس کے حکمت آمیز کلمات بکثرت ہیں۔ ان میں سے چند مقولے بطور نمونہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔
"جس طرح اللہ تعالٰے نے ہم کو پیدا اور موجود کیا ہے۔ ویسے ہی ہمیں لوٹ کر بھی اُسی کے پاس جانا پڑیگا"
"غور فکر کا وصف خدائے پاک کی محبت دل میں پیدا کرتا ہے۔ خدا کی محبت اُس کے پسندہ کاموں کے کرنے پر راغب بناتی ہے۔ خدا کے پسند کئے ہوئے کام کرنے کا نتیجہ قرب الٰہی ہے اور نزدیکی الٰہی فوز ونجات کا وسیلہ"
"بُرا کام پوشیدہ وظاہر کسی حال میں بھی نہ کرو۔ اگر تم اپنے نفس سے خود شرمندہ ہو تو یہ بات بہ نسبت اس کے اچھی ہے کہ اوروں سے شرماؤ"
"زندگی میں اپنے خیال اور عقل کو بیدار رکھو۔ کیونکہ خیال ورائے کی کمزوری مردہ دلی کے برابر ہے"
"یاد رکھو کہ خدا کا خوف رحمت الٰہی ہے"
"بولنے اور چپ رہنے کا وقت پہچاننا سب سے اچھی بات ہے"
تصانیف:۔ فیثاغورس کی تصانیف جیسا ہم پہلے لکھ چکے ۲۸۰ بتائی جاتی ہیں۔ مگر اُن میں سے خاص اُسی کی تصانیف اتنی نہ تھیں بلکہ زیادہ اور لوگوں کی کتابیں اس میں ملی جلی تھیں جو غلطی سے یا لوگوں کی شرارت اور غلط بیانی سے اُس کی طرف منسوب ہوگئیں۔ پھر وہ سب کتابیں ملتی بھی نہیں اور جو مشہور ومتداول ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱)۔ کتاب ارثمیطیک ٭
(۲)۔ کتاب الالواح ٭
(۳)۔ کتاب فی النوم والیقظہ۔ (اس میں سونے اور جاگنے کا بیان ہے) ٭
(۴)۔ کتاب دربیان کیفیت نفس وجسم ٭
(۵)۔ رسالہ بنام سرکش سسلی ٭

(۶) - رسالہ ذہبیہ - اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جالینوس اس رسالہ کی اتنی عظمت کیا کرتا تھا کہ اُس کو سنہرے پانی سے لکھ کر اپنے پاس رکھتا - اور اُسے برابر پڑھتا اور پڑھاتا رہتا تھا ؁

(۷) - ایک رسالہ سفائس کے نام لکھا تھا اس میں علم معانی کا بیان ہے ؁

(۸) - رسالہ در بیان سیاست عقلی ؁

(۹) - ایک رسالہ بنام میمو وسیوس ؁

(۴۳۰) قیلس (حکیم)

یہ طبیب "خلدونیا" کا باشندہ تھا - اس کا لقب "قادر" ہے - کیونکہ یہ معرکے کا علاج کرتا اور نہایت جوکھم کے امراض پر ہاتھ ڈال کر بیماروں کو بحکم الٰہی شفا سے ہمدوش بنا دیتا تھا - چاہے کیسی ہی کٹھن بیماری ہو لیکن قیلس بے دھڑک اُس کا علاج شروع کر دیتا اور مرض کو قابو میں لا کر رہتا - اُس نے کبھی علاج میں غلطی نہیں کی - اور اسی وجہ سے اُس کا لقب "قادر" مشہور ہوا گویا وہ بیماری کو معدوم کرنے پر پوری قدرت رکھتا تھا ؁

(۴۳۱) قاسم بن خلیفہ کحّال (حکیم)

رشید الدین علی بن خلیفہ کا بڑا بھائی اور فن کحالی میں خاص امتیاز رکھتا تھا تعلیم دونوں نے ایک ساتھ مشترک اُستادوں سے پائی - مگر قاسم کی طبیعت آبائی پیشہ کحالی کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتی تھی لہذا ابی الحجاج یوسف کی خدمت میں وہ اسی فن کی طرف زیادہ مائل رہا - مصر کے بڑے شاہی شفاخانہ میں عرصہ تک اُستاد کے ساتھ کام کیا اور ہر قسم کے آنکھوں کے امراض کا علاج دیکھتا رہا - طب کے علم کو اُس نے اگرچہ پوری طرح حاصل کیا تھا - لیکن طبیعی میلان کے سبب آنکھوں کا علاج اُس کو بہت پسند تھا ؁

جس وقت خلیفہ یعنی رشید الدین علی اور قاسم کے باپ کو مع اُس کے دونو فاضل

بیٹوں کے ملک الامجد فرمانروائے بعلبک نے اپنے دربار میں طلب کیا ہے۔ اتفاق سے اُنہی دنوں ملک العادل کے ایک منظورِ نظر خادم سلیطہ کی آنکھیں جوش کر آئیں۔ درباری اطبّاء کے علاج سے بجائے نفع الٹا نقصان ہُوا۔ بینائی زائل ہو چلی۔ خادم مذکور آنکھوں کو رو بیٹھا۔ بڑے بڑے نامی گرامی اطبّاء اور کحّال علاج سے جواب دے گئے۔ اور کہنے لگے کہ اب دوا اس پر اپنا فعل کبھی نہ کریگی ٭

قاسم بن خلیفہ نے اس خادم کی آنکھیں دیکھ کر دعوےٰ کیا کہ وہ دوا کریگا اور خدا نے چاہا تو شفا حاصل ہوگی۔ چنانچہ اُس نے علاج شروع کیا۔ اور اس کے معالجہ سے مریض کو صحت حاصل ہونے لگی یہاں تک کہ چند ہی دن میں وہ بالکل اچھا اور بھلا ہو گیا۔ قاسم بن خلیفہ کا یہ علاج بڑا معرکے کا تھا۔ اس کو معجزہ تسلیم کیا گیا اور قاسم کو بے شمار انعام و اکرام کے علاوہ اُسی وقت سے امراضِ چشم کے علاج میں خاص شہرت حاصل ہو گئی۔ ملک العادل اُس سے بیحد خوش ہُوا اور خلعتِ فاخرہ عطا فرما کر اُسے اپنے رکابِ ظفر تاب میں رہنے کا حکم دیا کیونکہ قاسم بن خلیفہ سلیطہ خادم کی آنکھوں کا علاج کرنے سے قبل قلعہ اور شبستانِ سلطانی میں کحّالی کی خدمت پر مامور رہ چکا تھا اور اکثر شاہی بساط کے حاشیہ نشینوں کو اس کے سحر تاثیر معالجہ سے شفائے کامل حاصل ہو چکی تھی۔ ملک العادل کو قاسم کی اِن کارگزاریوں کا علم تھا اور اب سلیطہ خادم کا معالجہ دیکھ کر اور بھی قاسم کی قدر اُس کی نظر میں بڑھ گئی۔ سلطان نے قاسم بن خلیفہ کو دربار اور معیّت میں رہنے کا ایماء فرمایا تو وہ خاموش رہ گیا۔ اور اُس کے کسی جواب نہ دینے پر سلطان کو معلوم ہوا کہ قاسم دمشق کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہے۔ اس لئے سلطان ملک العادل نے مزید اصرار نہ کیا اور از راہِ کمال قدر دانی قاسم کا بیش قرار وظیفہ مقرر کر کے اُسے بیمارستان کبیر میں کحّالی اور خلق اللہ کی خدمت کا کام تفویض کیا۔ قاسم بن خلیفہ کو یہ خدمت ۶۰۹ھ میں ملی تھی ٭

قاسم بن خلیفہ نے ملک العادل کے بعد اُس کے بیٹے ملک المعظم اور پھر ملک المعظم کے فرزند داؤد کی خدمت انجام دی۔ ہر عہد میں اُس کی عزت و عظمت بدستور قائم

رہی اور وہ حسن خدمات کا وظیفہ یاب رہا۔ ملک الناصر داؤد نے اپنی اقامتگاہ کے لئے ملک شام کا قلب اور مستحکم قلعہ کرک نامی منتخب کیا اور وہاں رہنا شروع کر دیا تو قاسم بن خلیفہ دمشق سے باہر جانے پر راضی نہ ہوا۔ اور اپنی مقررہ تنخواہ لیکر قلعہ اور سلطانی محلات کی خدمتگزاری کرتا رہا۔ اس کے ساتھ وہ بیمارستان اعظم میں بھی کام کیا کرتا تھا۔ اور دور دور کے مریض اُس کے بے مثل علاج کا شہرہ سُن کر اُس کے پاس آیا کرتے تھے۔ قاسم بن خلیفہ میں ایک خاص وصف یہ تھا کہ وہ اکثر ایسے امراض کا جو گرم لوہے کو داغ کر دفع کیئے جاتے ہیں۔ مالش یا دیگر داخلی اور خارجی ادویات کی مزاولت استعمال سے زائل کر دیا کرتا تھا۔ اور اس خوبی کو جالینوس نے اپنی تصنیف میں بہت سراہا ہے اور اعلےٰ درجہ کی ذہانت و طبّاعی اس کا نام رکھا ہے۔ قاسم بن خلیفہ کو خدا داد دست شفا سے بہرۂ وافی ملا تھا۔ بہت ہی کم مریض اُس کے ہاتھ سے تندرستی نہ پاتے ورنہ اکثر اچھے ہوجایا کرتے تھے ؎

قاسم بن خلیفہ اپنے فن میں یکتائی اور کمال کی زندگی بسر کرکے ۶۲۲ھ میں بمقام دمشق دنیا سے عالم آخرت کا سفر کر گیا۔ اور باب الفرادیس کے باہر کوہ قاسیون کے دامن میں مدفون ہُوا ؎

(۴۳۲) قافولوش (حکیم)

"دوازدہ بروج" کے نام سے مشہور بارہ علم ادویہ کے ماہر طبیبوں میں سے چھٹا شخص ہے۔ اور اُس زمانہ میں ہوا ہے جو بقراط اور جالینوس کے مابین حدّ فاصل تھا۔

(۴۳۳) قرشی (حکیم)

علاؤالدین ابوالحسن علی بن حازم کی لقب ہے اور اسی سے شہرت ہے۔ اس علامۂ عصر کو جالینوس ثانی کہتے ہیں۔ فنون حکمیہ میں وہ مہارت تھی کہ اپنے وقت میں بے عدیل تھا۔ مکہ معظمہ میں پیدا ہُوا اور دمشق میں سکونت اختیار کی۔

موجز القانون اس متبحر طبیب کی قابل قدر تصنیف ہے۔ جس کی مشہور شرحیں نفیسی سدیدی اور اقسرائی کے ناموں سے موجود ہیں ۔

اس عالی دماغ حکیم نے خود فصول بقراط کی دو شرحیں لکھی ہیں۔ ایک صغیر جس میں فصول کی عبارت لکھ کر خود شرح کی ہے۔ اور دوسری کبیر جس میں اول بقراط کی عبارت پھر جالینوس کی شرح اور پھر دونو پر اپنا ریمارک کیا ہے ۶۸۷ھ میں فوت ہوا ۔

(۴۳۴) قسطا بن لوقا البعلبکی (حکیم)

اچھا مترجم کئی زبانوں کا ماہر۔ علوم حکمت وغیرہ میں فاضل۔ تھا۔ اس کا حال آگے چل کر کسی موقع پر بیان ہوگا ۔

(۴۳۵) قطب مصری (حکیم)

امام قطب الدین۔ ابراہیم۔ بن علی۔ بن محمد السلّی۔ اصل میں ملک مغرب کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے مصر میں چلے آئے اور ایک مدت مصر میں رہنے کے بعد ملک عجم (ایران) کی سیاحت اختیار کی۔ اُسی سفر کے اثناء میں آمام فخرالدین رازی المعروف بہ ابن خطیب الرّے۔ کے درس سے مستفید اور اُن کے تلامذہ میں خاص طور پر مشہور و ممتاز ہونے کا موقع ملا۔ امام فخر آلدین کے شاگردوں میں قطب مصری کا رتبہ سب پر افضل و اعلےٰ تھا۔ اُنہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ علوم حکمت اور طب دونو میں ان کی تصانیف پائی جاتی تھیں۔ لیکن تاتاریوں کی غارتگری میں ان کی اکثر کتابیں ضائع ہوگئیں ۔

قطب مصری نے شیخ الرئیس بوعلی بن سینا۔ کی کتاب کلیّات قانون کی پوری شرح لکھی ہے۔ وہ اپنی اس تصنیف میں ابوسہل مسیحی۔ اور اپنے اُستاد امام فخرالدین کو شیخ پر فضیلت دیتے ہوئے لکھتے ہیں "مسیحی فن طب میں شیخ کی نسبت سے بہت زیادہ علم رکھتا تھا۔ کیونکہ ہمارے اساتذہ مسیحی کو علماے طب کی ایک ایسی کثیر جماعت کے

بھی ترجیح دیتے ہیں جو کہ شیخ بوعلی بن سینا سے اس فن کے جاننے میں افضل تھے۔ اس کے علاوہ بڑی بات یہ ہے کہ مسیحی کی عبارت نہایت شستہ ہوتی ہے اور شیخ کا کلام گنجلک معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کہتا کیا ہے۔ بس الفاظ کی بھرتی دیکھ لو"۔ اور اپنے اُستاد امام فخرالدین کی فضیلت شیخ پر ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: "دو عظیم الشان اماموں کے کلام سے جو بات حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے۔ ان دونو اماموں میں ایک باعتبار زمانہ کے مقدم اور دوسرا مؤخر ہے لیکن علم و عمل۔ اور اعتقاد و مذہب۔ میں پچھلے کو اگلے پر شرف ہے"۔

قطب الدین مصری تاتاری حملہ آوروں کے ہاتھ سے عجم کے شہر نیشاپور میں مقتول ہوئے۔ ان خونخوار قاتلوں نے عام مخلوق کے ساتھ اس فخر زمانہ عالم کی جان بھی لے لی اور یوں علمی دنیا کو نہایت شدید صدمہ پہنچایا۔

تصانیف میں قطب مصری کی صرف ایک کتاب "شرح کلیات قانون شیخ" پائی جاتی ہے۔ اور کسی کتاب کا پتا نہیں چلتا۔

(۴۳۶) قویری (حکیم)

ابراہیم نام۔ ابی اسحٰق کنیت۔ علوم حکمت و فلسفہ میں کامل اکمل۔ اور فن منطق کا بے مثل اُستاد تھا۔ اس نے بہت سی فلسفی اور منطقی کتابوں پر شرحیں لکھی ہیں۔ ابو بشر متی بن یونان منطق و فلسفہ میں قویری ہی کا شاگرد تھا۔ مگر قویری کی تصنیف کی ہوئی کتابوں میں ایک سخت قباحت یہ ہے کہ اُن کی عبارت نہایت گنجلک اور بدمزہ ہے۔ اس کی تصانیف میں حسب ذیل کتابیں ہیں:۔

(۱)۔ شرح کتاب قاطیغوریاس بطور شجرہ۔
(۲)۔ کتاب باریمیاس بطور شجرہ۔
(۳)۔ کتاب انالوطیقائے اولی شجرہ نما۔
(۴)۔ کتاب انالوطیقائے ثانیہ بطور شجرہ۔

(۴۳۷) قیضا الرہاوی (حکیم)

حنین کے پاس ترجمہ کی کتابوں کا زیادہ ڈھیر ہو جاتا اور وقت کی تنگی محسوس ہوتی

تو وہ اس سے کچھ مدد لے لیا کرتا۔ اور پھر بعد میں اس کے ترجمہ کی خود بھی اصلاح کر دیتا۔

(۴۳۸) کارٹر { CARTER Brudenell Carter } (ڈاکٹر)

بروڈی نل کارٹر اکتوبر ۱۸۲۸ء میں پیدا ہوا تھا۔ پرائیویٹ اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اُس نے ایک ڈاکٹر کی شاگردی اختیار کر لی۔ اور کچھ عرصہ کے بعد لنڈن کے نامی ہسپتال میں داخل ہوا۔ ۱۸۵۱ء میں وہاں کے "کالج آف سرجنز" کا ممبر بن گیا۔ اور ایک قصبہ میں مطب جاری کر دیا۔ ۱۸۵۳ء میں کارٹر نے ایک کتاب شائع کی۔ جس میں اختناق الرحم کی علامات تشخیص اور علاج سے بحث کی گئی تھی اگرچہ اس کتاب میں ایک حد تک کسی دوسرے نامی ڈاکٹر کے خیالات آراء اور اُسی کے طریقہ علاج سے فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔ لیکن تاہم کتاب کی تالیف و ترتیب کے دیکھنے سے یہ امر بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ اُس کا مصنف نہایت واضح البیان اور اپنے فن کا بے نظیر ماہر ہے۔

اس کے دو سال بعد کارٹر نے ایک اور ضخیم اور مفید کتاب لکھی جس میں نظام اعصاب کی بیماریوں کے تعلیم و تربیت کے ذریعے سے انسداد کرنے کی مناسبت پر زور دیا گیا ہے۔

کارٹر نے اپنے مطب کے دوران میں اس بات کا تجربہ کیا تھا کہ نظام عصبی کے امراض میں زیادہ تر وہی لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔ جن کی تعلیم نامکمل اور ناقص ہوتی ہے۔ یہ کتاب تین حصوں میں منقسم ہے۔ جن میں سے ایک حصہ میں نظام اعصابیہ دوسرے میں تربیت جسمانی اور تیسرے میں اخلاقی تعلیم سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف ایک وسیع الخیال۔ میانہ رو اور معقول پسند شخص تھا۔ لیکن اُس کی آیندہ عالمگیر شہرت پر اس سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ اس کے بعد وہ فوجی سرجن مقرر ہو کر کریمیا کو چلا گیا۔ جب جنگ ختم ہوئی تو پھر انگلستان واپس آیا۔ اور شہر ناٹنگم میں مقیم ہوا۔ اسی زمانے میں اُس نے وہاں

امراض چشم کے متعلق ایک شفا خانہ قائم کرنے سے پبلک کے لئے بہت مفید کام کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ ایک اور قصبہ میں گیا اور وہاں بھی معالجات چشم کے لئے ایک ہسپتال قائم کرا دیا۔ پھر ۱۸۶۴ء میں وہ امتحان دیکر لندن کے کالج جراحاں کا فیلو مقرر ہوا۔ اس کے بعد وہ اپنے دل سے اس امر کا فیصلہ کر کے لنڈن کو چلا گیا "کہ اگر مطب کی آمدنی ضروریات کو کافی نہ ہوئی تو میں اخبارات میں مضامین لکھ کر گذارہ کیا کرونگا" مضمون نگاری میں وہ پہلے ہی سے شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اُس کی طرز تحریر بہت شُستہ اور صاف تھی۔ ۱۸۶۹ء میں کارٹر سینٹ جارج ہسپتال لندن میں آنکھوں کا معالج اور جراح مقرر ہُوا۔ وہ کئی برس تک موجودہ طریق تعلیم کی جس سے طلبہ کی بینائی میں فرق آجاتا ہے نہایت سختی سے عیب چینی اور مذمت کرتا رہا۔ ایک رسالہ لکھ کر اُس نے یہ بات ظاہر کی کہ "سکولوں میں مصنوعی حماقت کس طرح پیدا کی جاتی ہے" جو نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ؛

۱۸۷۵ء میں کارٹر نے امراض چشم کے علاج پر ایک اعلےٰ پایہ کی کتاب لکھی جس میں اُس نے منجملہ اور باتوں کے یہ بھی بتایا کہ آنکھ میں بعض قسم کے ایسے معمولی نقائص ہوتے ہیں۔ جن کی وجہ سے دوربین یا خُردبین بالکل بے فائدہ اور نکمی ثابت ہوتی ہے۔ یہ نقائص طبعی ہوتے ہیں اِس وجہ سے یہ آلہ انہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ سادہ مِلز کی فطری حالت کے سبب سے برہنہ آنکھ کسی قسم کا تکلف محسوس نہیں کرتی۔ وہ سب کچھ دیکھتی ہے۔ کسی شئے کے مشاہدہ میں دقت واقع نہیں ہوتی۔ مگر جب دوربین یا خردبین سے کسی چیز کو دیکھنے کی کوشش کی جائے تو آنکھ کچھ کام ہی نہیں کرتی۔ اور آلہ بیکار محض ثابت ہوتا ہے۔ اس کتاب میں اُس نے آنکھ کے عمل جراحی کی نسبت ڈاکٹروں کے لئے خاص ہدایات لکھی ہیں جن کے مطابق آپریشن کرنے سے بہت فائدہ اور سہولت ہوتی ہے۔ اس امر کو بھی نہایت ضروری بتایا ہے کہ باریک تیز اور عمدہ اوزار استعمال کرتے چاہئیں ؛

۱۸۷۷ء میں اُس نے بصارت کے اُن نقائص پر لیکچر دئے جو عینک وغیرہ

سے اچھے ہو جاتے ہیں۔ اسی سال میں یہ لیکچر جو لندن کے "کالج آف سرجنز" میں بحیثیت اُستاد دئے تھے۔ کتابی صورت میں شائع کر دئے گئے۔ سنہ ۱۸۸۱ء میں اُس نے ایک اور کتاب "حفاظت بینائی" پر تصنیف کی۔ جس میں یہ ظاہر کیا کہ بہت لوگ خصوصاً باریک کام کرنے والے۔ عینک کے فوائد سے بے خبر ہونے کی وجہ سے اپنی آنکھیں خراب کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اُنہیں تیز اور عمدہ بینائی کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کارٹر کی یہ قطعی رائے ہے کہ چاہے نظر کمزور ہو یا قوی لیکن باریک کام کرنے والے کاریگروں کو ضرور عینکوں سے کام لینا چاہئے۔ کیونکہ اس سے بصارت پر نامناسب دباؤ نہیں پڑتا۔ اور زیادہ کام لینے سے بھی اُن کی قوت زائل نہیں ہوتی۔ اِس محقق نے اُس گہری دلچسپی کی وجہ سے جو اُسے طبعی طور پر تعلیمی معاملات کے ساتھ تھی کہ اُس نے کوشش کر کے چھوٹی عمر کے طلباء کے لئے یہ قاعدہ جاری کرا دیا تھا کہ اُن کو نصف وقت پڑھائی میں اور باقی نصف وقت باغ کے اندر کام کرنے میں صرف کرنا پڑتا تھا۔ اُس سے اُس مضر اثر کا نہایت خوبی کے ساتھ انسداد ہو گیا جو خورد سالی کے زمانے میں بچوں کی بینائی پر ہُوا کرتا ہے۔ تجربہ نے ظاہر کر دیا کہ اس طریق عمل سے لڑکوں کو بے حد فائدہ پہنچا۔

کارٹر نے دو جرمن کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اور ایک کتاب "گھر کی صفائی" پر تصنیف بھی کی۔ اُس نے آنکھوں کی بیماریوں کے کامیاب علاج میں بہت شہرت حاصل کی تھی۔ اس شخص میں قدرت کی طرف سے گوناگوں قابلیتیں ودیعت کی گئی تھیں اور اُس نے اہل ملک کو مختلف قسم کے فائدے پہنچائے۔

(۴۲۹) کرسٹی سن { CHRISTISON / Sir Robert Christison } (ڈاکٹر)

رابرٹ کرسٹی سن جولائی ۱۷۹۷ء کو ایڈنبرا میں پیدا ہُوا۔ جہاں اُس کا باپ فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) اور تشریح کا اُستاد تھا۔ اُس نے یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کر کے ڈاکٹری کو بطور پیشہ قرار دیا۔ اور شاہی مریض خانہ میں داخل ہو گیا۔ جہاں

ڈھائی سال تک رہا۔ ۱۸۱۹ء میں اُس نے ایم۔ڈی کی سند حاصل کی۔ اِس کے بعد ڈیڑھ سال تک وہ لنڈن کے بارتھولومیو ہسپتال میں رہا۔ پھر پیرس گیا اور وہاں کیمسٹری کی تعلیم پاتا رہا۔ اسی اثناء میں ایڈنبرا کی یونیورسٹی میں میڈیکل جوارسپروڈنس (طب قانونی) کی جگہ خالی ہوئی۔ اور اُس کے متعلق کرسٹی سن کا نام پیش کیا گیا۔ آخر ایک رئیس کی کوشش سے جو اُس کے باپ کا پُرانا شاگرد تھا۔ وہ اس ذی عزت آسامی پر مقرر ہو گیا۔

ابتداءً کرسٹی سن کی جماعت میں نصف درجن طلباء بھی نہ تھے۔ مگر اُس نے اِس امر کا مصمم ارادہ کر لیا کہ اُسے ترقی دے کر اپنی پروفیسری کو مفید و مشہور بنائے۔ اِس لئے اُس نے نہایت محنت اور جانفشانی سے کام کرنا شروع کیا۔ اُس کی قوت طبعی بہت اعلےٰ تھی جو مرتے دم تک بحال رہی۔ ایڈنبرا کے تمام طول و عرض کے درمیان کوئی شخص ایسا نہ تھا جو دوڑنے۔ پیدل چلنے اور کشتی کھیچنے میں اُس کے مقابلے پر بازی لے جاسکے۔ وہ لیبوریٹری (دارالتجارب) میں بہت کام کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے اُس نے کئی انکشافات کئے اور بہت شہرت حاصل کی۔ زہرخورانی کے مقدمات میں جب کبھی عدالت میں وہ شہادت دینے کے لئے طلب کیا جاتا تو نہایت برجستہ اظہار دیتا۔ اور اُس کے متعلق نہایت مفصل وجوہات بیان کرتا۔

۱۸۲۹ء سے ۱۸۶۶ء تک اسکاٹ لینڈ اور نیز انگلینڈ میں اُس کی شہادت ناطق سمجھی جاتی رہی۔ اُس کی علمیت اور تحقیقات زہرخورانی کے مقدمات میں بہت وسیع ہو گئی تھی۔ وہ عموماً اپنی ذات پر تجربات کرنے کی کوشش کیا کرتا۔ مثلاً اُس نے سنکھیا کے ایسڈ کو خود چکھ کر اُسے میٹھا ظاہر کیا حالانکہ دوسرے نامی ڈاکٹروں نے اُس کا مزہ تلخ بتایا تھا۔ ایک دفعہ اُس نے ایک ایسے پودے کی جڑیں جو انگلستان اور دیگر کئی ایک ممالک یورپ میں زہر ہلاہل سمجھا جاتا تھا تقریباً آدھ چھٹانک کھا لیں۔ مگر خیر یہ ہوئی کہ اسکاٹ لینڈ کا پودا زیادہ زہریلا ثابت نہ ہُوا۔ پھر ایک مرتبہ اُس نے رات کو ایک پودے (کیبلے باریں) کے بیج کھا لئے اور تھوڑی دیر کے

بعد اُن کا اثر افیون کی طرح نمایاں ہُوا۔ دوسرے دن صبح کو پہلے سے زیادہ مقدار میں کھا گیا۔ جس سے اُس کا بدن مفلوج سا ہو گیا۔ اور کام کاج کے قابل نہ رہا۔ اُس نے فوراً ایک قے آور دوا پی کر اُسے نکال دیا لیکن پھر بھی پورا آرام نہ ہُوا۔ اِس لئے مشورہ کے لئے ایک دوسرے ڈاکٹر کو بلانا پڑا ٭

کرسٹی سن نے زہروں کے افعال و خواص کی تحقیقات کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ اور وہ اس علم کا کامل ماہر سمجھا جاتا تھا۔ ۱۸۲۹ء میں اُس نے زہروں کے متعلق ایک مشہور کتاب لکھی جس کے کئی ایک ایڈیشن شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے۔ اِس کے علاوہ اُس نے ڈاکٹری اخباروں اور رسالوں میں کئی مضامین شائع کرائے۔ جن میں زہروں کی شناخت اور اُن کے کیمیاوی اجزاء کو بخوبی واضح کیا گیا۔ ایک مضمون اُس نے اس عنوان پر کہ "مرکب سیالوں میں سنکھیا کی نہایت کم مقدار کس طرح سے دریافت کی جا سکتی ہے" نہایت شرح و بسط اور جامعیت کے ساتھ لکھا تھا۔ سنکھیا کے ذائقہ پر اور اس کی اس خاصیت پر کہ جو لوگ زہر سنکھیا سے مر جاتے ہیں ان کے لاشے زیادہ متعفن نہیں ہوتے۔ نیز کئی ایک نباتی جوہروں کی سمی تاثیرات پر کئی ایک مضامین لکھے ٭

۱۸۳۲ء میں جب اُس نے پروفیسری سے سبکدوشی حاصل کی اُس وقت اُس کی جماعت میں نوسّے طلباء تھے۔ اب چونکہ اُس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ طلبہ کو مریضوں کی حالت دکھا دکھا کر تشخیص امراض کے سبق پڑھائے اور مختلف بیماریوں میں ادویات کے اثر کی تحقیقات کرے۔ اِس لئے اُس نے "میٹریا میڈیکا" کی آسامی کو اپنے لئے انتخاب کیا۔ لیکن مطب کے زیادہ فروغ پذیر ہو جانے کی وجہ سے وہ اپنے اس ارادے میں پوری کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ اُس نے میٹریا میڈیکا کا عجائب خانہ بنا لیا۔ اور اُس کے لیکچروں کی بھی بڑی شہرت ہوئی۔ مگر جو نام اُس نے علم سمیات میں پیدا کیا تھا وہ علم تشخیص الامراض اور خواص الادویہ میں اُسے نصیب نہ ہُوا ٭

ایڈنبرا یونیورسٹی کے انتظام میں اُسے بہت کچھ دخل تھا۔ اُس نے ذات الجنب

اور بخاروں کے متعلق قدیم خیالات کی مخالفت کی۔ ۱۸۳۱ء سے ۱۸۴۶ء تک ایڈنبرا کے کالج اطباء کا اور ۱۸۶۸ء سے ۱۸۷۳ء تک رائل سوسائٹی آف ایڈنبرا کا وہ پریسیڈنٹ رہا۔ اس کے ساتھ ہی ۱۸۵۸ء سے ۱۸۷۳ء تک جنرل میڈیکل کونسل کا ممبر اور کئی سال تک ملکہ وکٹوریہ کا مستقل ڈاکٹر بھی رہا۔ ۱۸۷۱ء میں اُس کی خدمات حسنہ کا اعتراف نائٹ کے معزز خطاب کی شکل میں کیا گیا۔ اُس کے بعد ۱۸۷۵ء میں وہ برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن کا پریسیڈنٹ منتخب ہُوا۔ پھر کچھ عرصہ بعد اُس نے مطب اور ملازمت سے قطع تعلق کر لیا۔ اس کا انتقال جنوری ۱۸۸۴ء میں ہُوا۔

وہ اپنے خیالات میں راسخ اور اس بات کا بہت خواہاں تھا کہ اُس کی آرا کو عام طور پر مستند سمجھا جائے۔ وہ ہر ایک قاعدہ کو ایک قانون یا اصول قرار دیتا۔ وہ ایک نہایت زندہ دل اور نیک طینت آدمی تھا۔ اخلاق میں شائستگی کا دلدادہ اور قول و فعل میں راستی اور درستی کا پابند تھا۔

(۴۴۰) کلن { CULLEN William Cullen } (ڈاکٹر)

ولیم کلن جو ایڈنبرا کے میڈیکل سکول کا تعلیم یافتہ اور نہایت مشہور لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اپریل ۱۷۱۰ء کو پیدا ہُوا تھا۔ چند سال کے بعد وہ ایک سکول میں داخل ہُوا۔ جہاں وہ اپنی ذکاوت۔ ذہانت اور غیر معمولی یادداشت کے باعث ممتاز ہو گیا۔ پھر وہ ایڈنبرا کی یونیورسٹی میں داخل ہُوا۔ اور بعدہٗ ایک ڈاکٹر کا شاگرد بنا۔ طالب علمی کے زمانے میں اُس کی یہ ایک بہت بڑی خوبی دیکھی گئی تھی کہ جس مسئلہ سے اُس کو واقفیت نہ ہوتی۔ اُس کے متعلق اپنے ہم سبقوں کے ساتھ بحث و تکرار میں شریک نہ ہوتا۔ لیکن بعد میں اُس مسئلہ کا خوب مطالعہ کرتا اور اُن سے آگے نکل جاتا۔ ۱۷۲۹ء میں کلن لنڈن گیا اور ایک دوا ساز کے ہاں ملازم ہو گیا۔ فرصت کا وقت مطالعہ کتب میں گذارتا۔ ۱۷۳۱ء میں جب اُس کا بڑا بھائی فوت ہو گیا تو اُسے واپس اسکاٹ لینڈ آنا پڑا کیونکہ چھوٹے بھائی بہنوں کی تعلیم وغیرہ کا

انتظام اب اسی کے ذمے آپڑا تھا۔ اپنے قصبہ کے پاس مطب کھولا اور ساتھ ہی کتابیں بھی پڑھتا رہا ٭

گلن کو اس زمانے میں ایک مختصر سا تذکرہ ملا جس کا اُس کی زندگی پر بہت گہرا اثر پڑا۔ اُس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اپنے شہر میں جرّاح بن کر جائے اور وہاں کامیابی کے ساتھ مطب کرے۔ ادبیات اور فلسفہ کا مطالعہ کرنے کے لئے وہ نارتھمبرلینڈ کے ایک پادری کے پاس گیا۔ اس کے بعد ۱۷۳۴ء میں ایڈنبرا کے میڈیکل اسکول میں تعلیم پائی۔ یہاں سے فارغ ہو کر اپنے شہر کو گیا اور پریکٹس شروع کر دی۔ وہاں کے ایک رئیس نے گلن کو اپنا مشیر طبّی مقرر کر لیا۔ اس کے علاوہ دیگر شرفاء و اعزّہ نے بھی اُسی کو اپنا معالج بنایا۔ ایک دفعہ ایک رئیس نے ایڈنبرا کے مشہور ڈاکٹر کلارک کو اپنے پاس بلایا اور گلن سے اُس کی ملاقات کرائی جو بہت دوستی کی حد تک پہنچ گئی۔ اسی زمانے میں ولیم ہنٹر نے گلن کی شاگردی اختیار کی اور ڈاکٹری کو اپنا پیشہ قرار دیا ٭

۱۷۴۰ء میں گلن ایم۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کی غرض سے گلاسگو یونیورسٹی میں داخل ہُوا۔ اب اُس نے چیر پھاڑ کے کام کے لئے ایک اور جرّاح کو ملازم رکھ لیا اور اس وسیلہ سے کسی قدر فراغت کے ساتھ اپنے مطالعہ میں مصروف رہا۔ ۱۷۴۱ء میں اُس نے ایک باسلیقہ اور نیک خصال لیڈی سے شادی کر لی۔ جس کے بطن سے چھیالیس سال کے عرصہ میں سات لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اب وہ بہت دُور دُور تک مشہور ہو چکا تھا۔ ۱۷۴۴ء میں اُس نے گلاسگو میں نقل مکان کر لیا۔ جہاں اُس کا مطب نہایت کامیابی کے ساتھ فروغ پذیر ہُوا وہاں کے اکثر ذی عزّت اور با اثر لوگوں کے ساتھ اس کا رسوخ ہو گیا۔ اُس نے وہاں ایک ڈاکٹری سکول کھولنے کی کوشش شروع کر دی جس میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ اس سکول میں وہ علم الادویہ پر لیکچر دیتا رہا۔ بعد میں کیمسٹری۔ میٹریا میڈیکا۔ اور نباتات وغیرہ مضامین بھی پڑھانے لگا۔ ان علوم میں اُس نے بہت کچھ ترقی کر لی۔ وہ صرف اپنے زمانے کے عالموں اور محققوں کے خیالات ہی سے واقف نہ تھا بلکہ اُس نے خود بھی کئی ایک نئی باتیں اپنی طبیعت سے پیدا کی تھیں

جن کو طبّی حلقوں میں نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ بالجملہ گلاسگو کے اِس نئے ڈاکٹری سکول کو بہت کچھ ترقی نصیب ہوئی۔ عمل کیمیائی سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے اُس کے متعلق کُلن نے چند نئی باتیں دریافت کیں۔ مرکبات کے ٹھنڈے ہونے سے جو خاصیتیں ظاہر ہوتی ہیں اُن کو بھی غور کے ساتھ مطالعہ کیا۔ اُس نے اپنی جدید دریافتوں میں سے بہت سی باتوں کو تو مشتہر کر دیا اور بعض باتیں ۱۷۵۵ء تک پوشیدہ رہیں۔ اس فاضل محقق نے اپنے شاگرد رشید جوزف بلیک نامی کو حرارت مخفی کی بابت کئی ایک مفید اور کارآمد باتیں بتائیں ۔

۱۷۵۱ء میں وہ ایک مہربان رئیس کی بدولت گلاسکو یونیورسٹی میں علم الادویہ کا پروفیسر مقرر ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مشہور ماہر علم الاقتصاد ایڈم سمتھ یونیورسٹی مذکور میں منطق کا اُستاد منتخب ہُوا تھا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد کُلن نے کیمسٹری کے اِس پہلو کی طرف توجہ کی کہ اُس سے صنعت و زراعت وغیرہ میں کیا کیا کام لئے جا سکتے ہیں۔ اُس نے نمک کو صاف کرنے کا بھی تجربہ کرنا چاہا۔ مگر چونکہ یہ بہت سے مصارف کا کام تھا۔ اس لئے اس خیال کو عملی صورت میں نہ لا سکا ۔

کُلن کو جب اس بات کا یقین ہو گیا کہ گلاسکو میں کوئی بڑا طبّی مدرسہ قائم نہیں کیا جا سکیگا۔ اور ساتھ ہی اُس کی طبیعت میں یہ میلان بھی پیدا ہوا کہ چندے باہر جا کر بھی علاج معالجہ کا کام کرنا چاہئے۔ تو اُس نے ایڈنبرا جانے کا قصد کیا۔ مگر یہ قصد بھی تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ آخر کار وہ ۱۷۵۶ء کے آغاز میں ایڈنبرا یونیورسٹی کے اندر کیمسٹری (کیمیا) کا پروفیسر مقرر ہو گیا۔ اور اب اُس کی زندگی کے اُس حصہ کی ابتداء ہوئی جو نہایت معزز سمجھا جاتا ہے۔ پہلے پہل جب اُس نے اڈنبرا میں اپنے لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا تو صرف سترہ طلباء تھے۔ دوسرے سلسلے میں ۴۵۔ اور تیسرے میں ۵۹ تک تعداد پہنچ گئی۔ اسی کے ساتھ ساتھ اُس کی ذاتی پریکٹس بھی چمکتی گئی جس سے وہ مالی مشکلات سے بالکل آزاد ہو گیا ۔

۱۷۵۷ء میں اُس نے مریضوں کی حالت دکھا دکھا کر طلباء کو علم تشخیص امراض و

علاج امراض پر لیکچر دینے شروع کر دئے۔ جس کی وجہ سے وہ بہت جلد نامور ہو گیا۔ مطب کے دوران میں اُسے بہت سا تجربہ اور علم حاصل ہو گیا تھا۔ کیمسٹری اور میٹریا میڈیکا میں بھی اُس کی واقفیت بہت کچھ بڑھ گئی تھی۔ وہ امراض کے مشاہدہ اور اُن کی تشریح و کیفیت بیان کرنے کی بھی غیر معمولی استعداد رکھتا تھا۔ ان خوبیوں کی وجہ سے اُس کی اُستادی کی دھوم پڑ گئی تھی۔ اٹھارہ سال تک وہ انہیں علوم کا درس دیتا رہا۔ اپنے لیکچروں کو بڑی احتیاط اور ہوشمندی کے ساتھ تیار کرتا تھا۔ وہ نہایت نیک نیت صاف باطن اور راست گو آدمی تھا۔ اُس کے لیکچر سلاست۔ سادگی۔ وسعت علم اور بلاغت نظر کے لئے خاص شہرت رکھتے تھے۔ عام فہم مثالوں سے اپنے بیان کو ذہن نشین کر دینے کا اُسے اعلےٰ سلیقہ حاصل تھا۔ اُس کا طلبہ سے عموماً یہ خطاب ہوا کرتا تھا کہ "ہمیشہ مرض کی طبعی حالت کو دیکھا کرو۔ ضروری اور غیر ضروری علامات میں امتیاز کرنا سیکھو۔ اس بات کو ہرگز نظرانداز نہ کرو کہ دوائی علاج کی نسبت فطری علاج کا اثر زیادہ مفید پڑتا ہے۔ میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ جس مرض کا علاج یہاں کیا جائے اُس کا کامل تجربہ تم کو ہو جانا چاہئے۔ اس بات پر تمہارا حیران ہونا بیجا ہے کہ میں دو تین دواؤں کی بجائے صرف ایک دوا سے مریض کا علاج کرتا ہوں۔ کیونکہ جب تم معلوم کر لو کہ مفرد دوا سے افاقہ ہو رہا ہے تو مرکب ادویہ کا استعمال کرانا بالکل غیر ضروری بلکہ مُضر ہے۔ کیونکہ ایسی حالت میں ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اتنی دواؤں میں کس کا زیادہ اثر ہوا ہے"

کُلن ہمیشہ یہ کوشش کرتا تھا کہ ڈاکٹری کے بارہ میں ڈاکٹروں کے معقول اور مدلل خیالات ملیں جن کی بنا تجربات اور واقعات پر رکھی گئی ہو۔ طلباء کو معمولی امراض کے بیمار دکھاتا اور اُن کے علامات پر بسیط لیکچر دیتا جس سے اُن کی ماہیت سے وہ بخوبی واقف ہو جاتے۔ وہ ہمیشہ نسخوں میں سیدھی سادی ادویہ استعمال کرتا۔ اُس کی محققانہ کوششوں نے کئی ایک نئی ادویہ کا استعمال رائج کر دیا۔

کُلن دوسرے ڈاکٹروں کے اصول و خیالات کا چنداں پابند نہ تھا۔ اُس کے اپنے

طریقہائے علاج اڑکھے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کئی ڈاکٹر اس سے ناراض ہو جاتے اور اسے بڑے بڑے ماہر استادوں کے اصول کو نظر انداز کرنے کا الزام دیتے تھے۔ لیکن حق یہ ہے کہ وہ مریضوں کا علاج بے حد احتیاط اور عمدگی سے کرتا اور اپنے لیکچروں کو نہایت دلچسپ انداز میں ادا کرتا تھا۔ بیماروں سے مہربانی اور اخلاق کے ساتھ پیش آتا۔ اور اپنی فیس وغیرہ کی چنداں پرواہ نہ کرتا۔ اسی میں اس کی ہر دلعزیزی کا راز مخفی تھا۔ وہ جس کے گھر میں جاتا اُس کا دوست بن جاتا۔ اپنے ہم پیشہ لوگوں کا بڑا مددگار تھا اُن سے مروت و ہمدردی کا سلوک کرتا۔ اور اپنا کتب خانہ اُن کے سامنے کھول کر رکھ دیتا۔ مشکل کے وقتوں میں اُن کے کام آنے اور اُن کی حوصلہ افزائی کرنے کو اپنا خوشگوار فرض خیال کرتا۔

۱۷۶۶ء میں وہ اصول ادویہ کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ اور ایک اور ڈاکٹر کے ساتھ مل کر ادویہ کا استعمال و عمل سکھانے لگا۔ یہ دونو باری باری سے اپنے مفید اور عالمانہ لیکچروں سے طبی سکول کو فائدہ پہنچاتے تھے۔ تھوڑے عرصہ میں اس فاضل لیکچرار کی قابلیت شہرۂ آفاق ہوگئی ۱۷۷۳ء میں وہ عمل ادویہ کا علم پڑھانے لگا اور اُس کی جگہ اُس کا شاگرد رشید بلیک مقرر ہوگیا۔

کلن نے ایک مشہور کتاب علم امراض اُن کے نام اور تشریح کے متعلق لکھی جس میں بیماریوں کو جماعت بندی کے طور پر قلمبند کیا اور اُسے نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ پھر ۱۷۷۸ء اور ۱۷۸۵ء کے اثنائی عرصے میں ایک اور کتاب چار جلدوں میں شائع کی جو عملی علم الادویہ کے متعلق تھی۔ اس کے متعدد ایڈیشن چھپ کر ملک میں پھیل گئے۔ اس کتاب میں خصوصیت کے ساتھ اس امر پر زور دیا گیا تھا کہ نظام اعصاب پر امراض کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اب یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ مصنف نے اس میں زیادہ تر اصولی بحث کی ہے اور اپنے خیالات کی تائید واقعات سے نہیں کی۔ فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) اور علم تشریح میں اُس کی علمیت بہت محدود تھی۔ اس لئے اُس کی کتابیں آج کل کے ڈاکٹروں کے لئے زیادہ مفید نہیں ہو سکتیں۔ اُس کی شہرت کی

سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اُس نے طب پر مستقل اثر ڈالا۔ جو دیر تک قائم رہا۔
کُلن اپنے طلباء پر بے حد مہربانی کیا کرتا تھا۔ تین تین چار چار کو اپنے گھر پر بلا کر دوستانہ طریق پر باتیں کرتا جس سے اُسے اُن کا اعتماد حاصل ہوتا تھا۔ جن طلباء کی نسبت اُسے معلوم ہوتا کہ وہ افلاس کی وجہ سے تعلیمی فائدے حاصل نہیں کر سکتے اُن کو بلا فیس اپنے لیکچروں میں شریک ہونے کی اجازت دیتا اور ہر طرح سے اُن کی دستگیری کے لئے تیار رہتا۔ سب سے پہلے کُلن نے یہ دستور نکالا کہ یونیورسٹی کے طلبہ سے فیس نہ لی جایا کرے۔ فیاض طبع ہونے کی وجہ سے مرنے کے بعد اُس کی کوئی معقول جمعیت نہیں رہی۔
یہ فاضل شخص ۱۷۷۹ء تک یونیورسٹی میں لیکچر دیتا رہا۔ ۳۱ دسمبر ۱۷۷۹ء کو وہاں سے مستعفی ہوا۔ ۵ جنوری ۱۷۹۰ء کو اسّی سال کی عمر پا کر اس جہان سے رخصت ہوا۔
شکل و شباہت کے لحاظ سے وہ نہ زیادہ خوبصورت تھا نہ زیادہ بدصورت۔ اُس کی بینائی نہایت تیز تھی۔ گفتگو کے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زبان کی بجائے اپنی آنکھوں سے بولتا ہے۔ دراز قامت اور چھریرے بدن کا آدمی تھا۔ آخری عمر میں بہت سا کُبڑا ہو گیا تھا۔ اُس کی دماغی قابلیت معمولی نہ تھی۔ وہ باہمت۔ دلیر۔ فیاض خلیق با مروّت اور مستعد و جود رکھتا تھا۔ اپنے اصول کا پابند اور تنگ خیالی سے متنفر تھا۔

(۴۴۱) کلوپیٹرا (طبیبہ)

یہ طبیبہ اور نہایت عقلمند عورت تھی۔ جالینوس نے اس کی شاگردی کی ہے اور اِس کے مطب سے بہت سی دوائیں اور متفرق علاج کے طریقے اخذ کئے ہیں۔ خاصکر امراض نسوانی کے متعلق اُس کی تمام معلومات کا سرچشمہ اسی قابلہ کی تحقیقات تھی۔

(۴۴۲) کمال الدین الحمصی (حکیم)

ابو المنصور مظفر بن علی بن ناصر۔ القرشی۔ مشہور فاضل و عالم تھا۔ با مروّت۔ خیر پسند کریم النفس اور خلق کے ساتھ احسان کرنے میں خوش ہوا کرتا تھا۔ فن طب میں شیخ رضی الدین

الرحبی وغیرہ علماء سے درس حاصل کیا تھا۔ اور جس وقت حکیم قاضی بہاؤالدین ابی الثناء محمود بن ابی الفضل منصور بن الحسن بن اسمٰعیل الطبری المخزومی۔ دمشق میں آیا۔ کمال الدین نے اُس سے قانون شیخ اسہال دماغی کے علاج تک پڑھا۔ اور علم ادب میں شیخ تاج الدین الکندی کا شاگرد تھا۔

کمال الدین الحمصی کو بھی تجارت کا شغل بہت مرغوب تھا اور یہی اُس کی وجہ معاش تھی۔ دمشق کے بازار الخواصین میں اُس کی دکان تھی۔ طب کے ذریعہ سے کچھ کمانا بُرا خیال کرتا تھا۔ یوں تو امرا اور سلاطین اُس کو علاج کے واسطے بلواتے تھے۔ کیونکہ اُس کے علم و فضل کا شہرہ دُور دُور تک پُہنچا ہُوا تھا۔ ملک العادل ابی بکر بن ایوب نے اُسے دربار میں طبی خدمت دینے کی خواہش کی لیکن کمال الدین نے انکار کردیا۔ پہلے دمشق کے بیمارستان کبیر میں مفت علاج کیا کرتا تھا۔ بعدازاں جب وہاں مستقل طور سے مطب کرنے لگا تو اُس کا وظیفہ مقرر ہوگیا۔ اور اسی خدمت میں اُس نے زندگی بسر کردی اُس نے ۶۱۲ھ میں وفات پائی۔

کمال الدین حمصی کی تصانیف یہ ہیں:۔

(۱)۔ مقالہ باہ۔
(۲)۔ جالینوس کی کتاب العلل والاعراض کے کچھ حصہ کی شرح۔
(۳)۔ الرسالۃ الکاملہ فی الادویۃ المسہلہ۔
(۴)۔ ابو محمد زکریا رازی طبیب کی کتاب الحاوی کا ناتمام خلاصہ۔
(۵)۔ مقالہ در بیان استسقاء۔
(۶)۔ کتاب کلیات القانون پر تعلیقات۔
(۷)۔ تعالیق فی الطب۔
(۸)۔ تعالیق در بارۂ قارورہ۔
(۹)۔ حنین بن اسحٰق کی کتاب المسائل کا اختصار یہ بہت اعلےٰ درجہ کا خلاصہ تیار کیا ہے۔

(۴۴۳) کمال الدین بن یونس (حکیم)

کمال الدین ابو عمران موسیٰ بن یونس بن محمد بن منعۃ۔ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم اور فاضل یگانہ۔ سردار علماء و فضلاء اور سرآمد حکماء تھا۔ حکمت و فلسفہ میں کامل اکمل

اور دیگر علوم میں بھی سربرآوردہ فاضل تھا۔ خصوصاً علوم دینی یعنی فقہ۔ حدیث۔ تفسیر میں دستگاہ کامل رکھتا اور موصل کے مدرسہ میں مدرس تھا۔ ہر علم وفن کی کتابیں بڑی خوبی سے پڑھاتا اور شائقین علم وکمال کو اپنے سرچشمۂ علوم سے مستفید کرتا رہتا۔ اُس کی متعدد اعلیٰ درجہ کی تصانیف بھی ہیں۔ اخیر وقت تک شہر موصل ہی میں مقیم رہا ✦

ملک الرحیم بدرالدین لوٗلوٗ حکمران موصل کے پاس فرنگ کے بادشاہ آنبرور کا ایک ذی علم نجومی قاصد آیا تھا۔ اُس نے کمال الدین بن یونس سے کچھ علمی سوالات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ بدرالدین نے کمال الدین سے کہلا بھیجا کہ فرنگیوں کے بادشاہ کا قاصد آپ کے پاس آنا چاہتا ہے ذرا اچھی حیثیت میں اُس سے ملاقات کرنا۔ بدرالدین واقف تھا کہ شیخ کمال الدین بہت معمولی لباس وحیثیت میں رہتا اور نمائش جاہ وجلال کی کچھ بھی پروا نہیں کرتا ہے۔ چنانچہ جب فرنگی ایلچی اُس کے گھر آیا تو اُس نے عمدہ رومی قالینوں کا فرش۔ غلامان زریں کمر اور ہر طرح کی زیب و زینت دیکھی۔ وہ شیخ سے ملا۔ اور اپنے سوالات پیش کئے۔ کمال الدین نے قلم برداشتہ جواب شافی لکھ دیا۔ اور ایلچی اُس کے علم وکمال کا قائل ہوکر واپس گیا۔ مگر ایلچی کے جاتے ہی شیخ کی مجلس میں نہ وہ غلام وخادم رہے اور نہ فرش وفروش۔ معمولی بوریا تھا۔ اور سادہ لباس۔ کسی مقرب دوست نے شیخ سے اتنی جلد تمام زیب و زینت دور کردینے کا حال دریافت کیا اور وجہ پوچھی تو اُس نے ہنس کر جواب دیا۔ ”بھائی! علم اِسی کا نام ہے۔“ یعنی علم کو زیب و زینت ظاہری سے کیا تعلق۔ علم خود زینت ہے اور انسان کی شرف وعظمت کا وسیلہ ✦

ایک بار امیر بدرالدین لوٗلوٗ سے کمال الدین کو کچھ کام تھا۔ نماز فجر کے بعد یہ اُس سے ملنے چلا۔ بدرالدین کا قاعدہ تھا کہ ہر صبح کو تیز رو گھوڑے پر سوار ہوکر ہواخوری کے لئے جایا کرتا۔ اُس روز حسب معمول سواری کا اسپ خاصہ لایا گیا اور وہ سوار ہوا تو گھوڑے نے قدم بھی نہ اُٹھایا۔ اُسے چھوڑ کر دوسرا گھوڑا منگایا تو اُس کی بھی وہی حالت ہوئی کہ چلتا ہی نہیں۔ بدرالدین حیران کھڑا تھا کہ یہ بات کیا ہے۔ اتنے میں شیخ کمال الدین آگئے اور اُنہوں جو کچھ کہنا تھا کہا۔ بدرالدین نے شیخ کی آرزو پوری

کردی اور پھر اُن سے کہا "اچھا! اب میں سمجھا۔ آپ آرہے تھے اسی لئے میرا گھوڑا چلتا نہ تھا" شیخ نے ہنس کر جواب دیا "جناب یہ فقیروں کی دُعا ہے"

علاقہ حُوران متعلق ملک شام میں ضلع صرخد کے دو دیہات قمرا۔ اور متان۔ نامی تھے۔ ان دیہات کی خاک سے دو شخص نجم الدین قمراوی۔ اور شرف الدین متانی پیدا ہوئے۔ خدا نے اُن کو طبع رسا اور ذہن و ذکاء کا پورا حصہ دیا تھا۔ یہ علوم دینیات کی وطن میں تکمیل کر کے علم حکمت و فلسفہ اور دیگر علوم حاصل کرنے کے لئے سیاحت کو نکلے اور حصول کمال میں خوب نام پیدا کیا۔ وہ موصل میں آئے تو شیخ کمال الدین کے حلقۂ درس میں بھی پہنچے۔ اور طلبہ کے ساتھ بیٹھ کر درس سُننے لگے۔ فقہ کے مسائل پر بحث ہو رہی تھی۔ ان دونوں نو واردوں نے کچھ اِس خوبی سے کلام کیا کہ شیخ کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی اور تمام حاضرین سے آگے بٹھائے گئے۔ شیخ نے دریافت کیا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ جواب ملا کہ علم کے پیاسے ہیں علمی چشموں کی تلاش میں دلیس دلیس مارے پھرتے ہیں۔ دن ختم ہو چلا تھا۔ شیخ نے قیام کا حکم دیا۔ مجلس برخاست ہوئی تو انہوں نے شیخ سے عرض کیا کہ ہم آپ کی فلاں کتاب دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ شیخ نے علم حکمت میں وہ کتاب لکھی تھی۔ اُس میں ایک چیستاں تھی جس کو کسی نے اب تک حل نہیں کیا تھا۔ شیخ نے کہا "آج تک میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو اُس کتاب کو حل کر سکے۔ اس واسطے مجھے اُس کی بے حد قدر ہو گئی ہے اور میں کسی کو وہ کتاب دیتا نہیں" دونوں نو وارد کہنے لگے "جناب ہم پردیسی ہیں اور یہی اشتیاق ہم کو خدمت والا میں لایا ہے۔ ہم صرف آج رات بھر کے لئے اُس کے طالب ہیں۔ آپ کے مدرسہ ہی میں رہینگے اور یہیں اُس کو دیکھ کر اپنی تشنگی شوق بجھا لینگے۔ صبح کے وقت کتاب حاضر خدمت کر دی جائیگی۔ آپ بالکل مطمئن رہیں"

شیخ کمال الدین اُن کے حُسن طلب سے مجبور ہو گیا۔ کتاب اُن کو دے دی۔ نجم الدین اور قمرالدین رات بھر جاگتے رہے۔ ایک کتاب کی عبارت بولتا اور دوسرا لکھتا جاتا تھا۔ ساری کتاب نقل کر لی تو اُس کا مقابلہ کیا اور پھر کئی بار اُسے غور سے

مطالعہ کیا۔ رات بھر میں تو خاک بھی نہ سمجھے مگر صبح کے قریب کتاب کا کچھ پچھلا حصہ فہم میں آیا۔ اب جو دیکھا تو رفتہ رفتہ ساری کتاب سمجھ گئے اور چیستاں بھی حل کر لیا۔ نماز فجر کے بعد جب دن نکلا اور مجلس درس جمی۔ یہ دونو شیخ کے پاس آئے کتاب واپس دی اور عرض کیا "جناب والا۔ ہم آپ کی بڑی کتاب کے طالب تھے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں فلاں فلاں مسائل اس کے اندر ہیں اور صرف ایک مشکل مقام ہے تو وہ بھی قدیم کتابوں میں ہماری نظر سے گزر چکا ہے۔ آپ کا دل چاہے تو اس میں ہمارا امتحان کر لیجئے"۔

شیخ کو حیرت ہوئی۔ اُس نے امتحان لیا۔ جوابات سُن کر خوشی اور حیرت میں غرق ہو گیا۔ دریافت کیا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ جواب ملا "ملک شام" کے۔ شیخ نے کہا "شام کے کس علاقہ میں رہتے ہو؟" دونو نے جواب دیا "حوران"۔ یہ سُن کر شیخ نے فرمایا۔ پھر بلا شبہ تم میں سے ایک نجم الدین قمراوی اور دوسرا شرف الدین اور نجم الدین نے شیخ کی تصدیق کی۔ اور شیخ نے اُنہیں بعزت تمام اپنا مہمان بنایا۔ پھر وہ کچھ زمانہ تک حاضر خدمت رہ کر اُس کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔

شیخ کمال الدین کے کئی بیٹے شہر موصل میں ہی زبردست دینی عالم اور دیگر علوم کے اچھے ماہر تھے۔ اُن کے درس و تصنیف کا دُور دُور تک شہرہ ہُوا۔ شیخ کمال الدین بن یونس کی تصانیف میں حسب ذیل کتابیں ہیں:-

(۱)۔ کتاب کشف المشکلات و ایضاح المعضلات۔ تفسیر قرآن میں۔

(۲)۔ شرح کتاب التنبیہ۔ فقہ میں دو جلد۔

(۳)۔ کتاب مفردات الفاظ القانون۔

(۴)۔ کتاب اصول فقہ میں۔

(۵)۔ کتاب عیون المنطق۔

(۶)۔ کتاب النغز۔ حکمت میں۔

(۷)۔ کتاب الاسرار السلطانیہ۔ نجوم میں۔

(۴۴۴) کنکہ (حکیم)

ہندوستان کے قدیم اطبّاء میں ایک سربرآوردہ حکیم و طبیب اور معزز فرد تھا۔ فن علاج اور دواؤں کی قوت کے پہچاننے میں اُسے ایک خاص قسم کا ملکہ حاصل تھا۔

کائنات کے خواص پر اُس کا غور نہایت سچا ہُوا کرتا تھا۔ علم ہیئت اور فلکیات میں اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم اور اعلےٰ درجہ کا جوتشی تھا۔ ابو معشر جعفر بن محمد بن عمر بلخی نے لکھا ہے کہ "ہندوستان کے تمام عہد قدیم کے علماء اور نجومیوں میں کنکہ کو پیش دستی کا مرتبہ حاصل تھا"۔

کنکہ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ کتاب النمودار فی الاعمار۔
(۲)۔ کتاب اسرار المواليد۔
(۳)۔ کتاب القرانات الکبیر۔
(۴)۔ کتاب القرانات الصغیر۔
(۵)۔ اور ایک کتاب فن طب میں جو کناش (بیاض) کے قائم مقام ہے۔
(۶)۔ کتاب توہم کے بیان میں۔
(۷)۔ کتاب احداث عالم اور دور قرانات کے بیان میں۔

(۴۴۵) کبولڈ COBBOLD Spencer (Cobbold) (ڈاکٹر)

ٹامس کبولڈ جس نے جراثیم کی تحقیقات کے متعلق نہایت قابل قدر کام کیا ہے۔ یہ نامور شخص ۱۸۲۸ء میں انگلستان کے اندر پیدا ہُوا۔ اس کا باپ پادری تھا۔ معمولی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ ناروچ کے ہسپتال میں ۱۸۴۴ء کو داخل ہُوا۔ اور ایک ڈاکٹر کی زیر نگرانی ڈاکٹری سیکھنے لگا۔ بعد ازاں ایڈنبرا میں جاکر پڑھتا رہا۔ مگر ساتھ ہی کچھ نہ کچھ کام بھی کرتا۔ پروفیسر گڈسر کا اُس پر بہت اثر ہُوا۔ اُسی نے اُس کے دل میں علم تشریح کے مطالعہ کا شوق پیدا کیا۔ ۱۸۵۱ء اُس نے اپنے فن کے متعلق سند حاصل کی۔ اس کے ساتھ دو اور طلبا نے بھی آخری امتحان پاس کیا۔ جن کو بھی اس کے ساتھ ہی طلائی تمغے عطا کیے گئے۔ اس کے بعد کبولڈ پیرس چلا گیا اور وہاں جاکر مطالعہ کرتا رہا۔ پھر ایڈنبرا جاکر تشریح کے عجائب خانہ کا مہتمم مقرر ہوگیا۔ جو جانور نمونے کے طور پر وہاں بھیجا جاتا وہ اُس کی چیر پھاڑ بھی کرتا۔ اُس نے زرافہ اور جگالی کرنے والے جانوروں پر اُسی زمانے میں ایک عمدہ مضمون لکھا تھا۔ اُس کو طبّی اور جراحی تحقیقات کے علاوہ جیالوجی (علم طبقات الارض) کی تحقیقات کا بھی شوق تھا جسے اُس کی ماں کا ورثہ کہنا چاہیئے۔

وہ عموماً اپنے طلبہ کو ساتھ لیکر پہاڑوں میں چلا جاتا اور انہیں طبقات ارضیہ کی ترکیب بتایا کرتا۔ سنہ ۱۸۶۸ء سے سنہ ۱۸۷۲ء تک اُس نے ایک شخص کے یادگاری لیکچروں کا سلسلہ جاری رکھا۔ جسے نہایت مفید اور عالمانہ سمجھا گیا اور جس کی وجہ سے اُس کی شہرت دُور دُور تک پہنچی ۔

اب اُس نے اپنی پہلی اسامی کو چھوڑ کر شفاخانہ سینٹ میری میں علم نباتات پر لیکچر دینے شروع کئے۔ دو سال کے بعد وہ مڈل سیکس کے ہسپتال میں اُستاد مقرر ہوگیا۔ جہاں تیرہ سال تک علم حیوانات اور تشریح اضافی پر لیکچر دیتا رہا۔ اسی اثنا میں اُس نے ڈاکٹری اور علم الحیوانات کے اُن شعبوں کی تحقیقات شروع کردی جو نہایت اہم تھے۔ تین سال تک وہ چڑیا گھر کے مرے ہوئے جانوروں کی نعشوں کا معائنہ کرتا رہا اور اُس میں اس کا مقصد یہ تھا کہ ان جانوروں کی بیماریوں کے موجب جراثیم کی تحقیقات کرے۔ بالآخر اُس نے اپنے مشاہدات و تجربات کو چند مضامین میں قلمبند کیا۔ اور اُس کی متعدد کاپیاں علمی انجمنوں کے پاس بھیجدیں۔ سنہ ۱۸۶۴ء میں وہ رائل سوسائٹی کا ممبر منتخب ہوا۔ اور اسی سال اُس نے "جراثیم" کے متعلق ایک چھوٹی سی کتاب لکھی جس سے اُس کی شہرت دوبالا ہوگئی ۔

سنہ ۱۸۶۵ء سے پیشتر وہ سائنس کی تحقیقات میں لگا رہا۔ لیکن جب اُس نے دیکھا کہ بیس سال کے عرصہ میں اُسے کوئی حسب منشا عہدہ نہیں ملا تو اُس نے تجربہ کے طور پر مطب کرنا شروع کردیا۔ انسان کے پیٹ میں جو کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں اُن کا علاج اور ان کی عادات و خصوصیات کا مشاہدہ کرتا رہا۔ جس سے اُس کے تجربہ اور علم میں بہت سے مفید اضافے ہوئے۔ نیز اُس کے مطب کو بھی کامیابی اور شہرت حاصل ہوئی۔ چند سال بعد اُس نے ٹیپ ورم (کدو دانہ) پر ایک کتاب لکھی جسے نہایت اہمیت کے ساتھ دیکھا گیا۔ اس کے علاوہ اُس نے انسانی اور حیوانی کیڑوں کے متعلق پے در پے کئی ایک کتابیں لکھیں اور شائع کیں ۔

سنہ ۱۸۷۳ء میں گیتولڈ رائل وٹرنری کالج میں علم نباتات کا پروفیسر مقرر ہوا۔ پھر

علم دیدان الحیوانات (جانوروں کے کیڑوں کا علم) اور اُن کا طریق علاج بھی پڑھانے لگا۔ اُس نے پالتو جانوروں کی بیماریوں کا مشاہدہ کیا۔ اور وٹیرنری طلباء کو تعلیم دی۔ بعدہٗ ہاتھی گھوڑے وغیرہ کی دیدانی بیماریوں کا بھی علاج دریافت کیا اور اس بحث میں ایک کتاب لکھی۔ انسان کے دِیدانِ شکم (پیٹ کے کیڑوں) سے بھی کافی بحث کی۔ کبّولڈ کا طریقۂ تعلیم نہایت دلچسپ اور آسان تھا اور اِسی میں اُس کی مزید شہرت کا راز تھا۔

(۶۶۶) سَر اَیسٹلے کُوپَر { COOPER Sir Astley Cooper } (ڈاکٹر)

سَر اَیسٹلے کُوپَر جو اپنے زمانے کا ایک مشہور ترین ڈاکٹر تھا۔ ۲۳۔ اگست ۱۷۶۸ء کو ناریچ (انگلستان) میں پیدا ہُوا۔ اس کا دادا سرجن۔ باپ پادری۔ اور ماں ادیبہ تھی جو اپنی طبعی فیاضی اور بے نفسی کے لئے بھی خاص طور پر مشہور تھی۔ اَیسٹلے نے اپنے لڑکپن ہی میں کئی ایک ایسے معرکوں اور اولوالعزمیوں کی وجہ سے شہرت حاصل کر لی تھی جن میں وہ ایک سے زیادہ دفعہ موت کے منہ سے نکل کر آیا۔ اور بال بال بچا تھا۔ وہ مشہور یونانی۔ لاطینی کتابوں اور ادبیات کا چنداں شائق نہ تھا۔ اس کی طبیعت میں تُندی اور وحشت سی تھی۔ شکل وصورت کے لحاظ سے وہ وجیہ اور خوش وضع تھا۔ اخلاقی طور پر اُس کی طبیعت نہایت ملنسار اور خلیق واقع ہوئی تھی۔ وہ بیحد زندہ دل اور بات چیت میں ایسا ہشیار اور زبان آور تھا کہ سُننے والے کے دل پر اُس کے اقوال کا نہایت خوشگوار اثر پڑتا۔ علم جراحی کے مطالعہ کا شوق اُسے دادا اور چچا نے دلایا تھا۔ ایک دفعہ وہ ناریچ ہسپتال کو دیکھنے گیا وہاں کسی مریض پر عمل جراحی کیا جا رہا تھا۔ اُس وقت وہ پہلی دفعہ اس فن کی سودمندی کا قائل ہُوا۔ ۱۷۸۲ء میں جب اُس کا چچا لندن سے رخصت پر گھر آیا تو واپسی کے وقت اپنے ہونہار بھتیجے کو بھی ساتھ لیتا گیا۔ اور وہاں پہنچ کر اُسے نہایت شفقت کے ساتھ فن جراحی کی تعلیم دینی شروع کی۔ اور بعد میں اُسے

ایک دوسرے ڈاکٹر کے سپرد کر دیا۔ جہاں ہنٹر کے لیکچر سُننے کا موقع ملا۔ اُن لیکچروں کا نوجوان طالب علم کی علمی حالت پر نہایت مفید اور گہرا اثر پڑا۔ اب وہ خود بھی چیر پھاڑ کا کام کرنے لگا۔ رات کے وقت اپنے ہمنشینوں کے ساتھ مُردوں کی نعشیں تلاش کرنے کے لئے باہر چلا جاتا۔ یہ کام اُس کی وحشت پسند طبیعت کے مناسب حال تھا ؛

اِس کے بعد ۱۷۸۷ء سے ۱۷۸۸ء تک وہ ایڈنبرا میں ڈاکٹری تعلیم حاصل کرتا رہا۔ جرّاحی اور تشریح میں اُس نے پہلے ہی سے بہُت کچھ ترقی کر لی تھی۔ وُہ کلِن۔ بلیک اور فالِف کی تحریروں اور دریافتوں کا سب سے زیادہ قدردان تھا۔ ایڈنبرا سے لوٹنے پر جان ہنٹر اور دیگر مشہور و معروف سرجنوں کے لیکچروں میں شریک ہوتا رہا۔ اکیس سال کی عمر میں وہ گُوپر سینٹ ٹامس ہسپتال میں تجربے دکھانے کا اُستاد مقرر ہُوا۔ دو سال کے بعد اُس کے پہلے اُستاد نے اُسے تشریح اور جرّاحی پر لیکچر دینے میں اپنے ساتھ شریک بنایا۔ جون ۱۷۹۲ء میں وہ اپنی بیوی کو ساتھ لیکر پیرس گیا۔ اور وہاں تین ماہ تک رہا۔ اُسی زمانے میں فرانس کی طرزِ حکومت کا ہولناک انقلاب شروع ہُوا تھا۔ لیکن وہ امن کے ساتھ فرانسیسی ڈاکٹروں کا طریقۂ جرّاحی مشاہدہ کرتا رہا۔ اس طوفانِ بے تمیزی اور خوفناک آشوب کے وقت کُوپر کو کسی نے ایذا نہیں پُہنچائی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ انقلابِ مذکور کے متقدر جو انگلستان میں رہتے تھے اُس کے آشنا تھے ؛

لیکچروں سے کافی آمدنی ہونے کے علاوہ اُسے جہیز میں بھی ایک خطیر رقم ملی جس کے باعث وہ فکرِ معاش سے بالکل مستغنی ہو کر ڈاکٹری تحقیقات میں مصروف رہنے لگا۔ شفاخانے میں علمی اور عملی جرّاحی پر لیکچر دینے کا کام اُس کے سپرد تھا۔ جہاں وہ طلباء کو نعشیں چیر چیر کر دکھایا کرتا۔ علاوہ ازیں خاص قسم کے مریض جو وہاں آتے تھے اُن کو دیکھنا بھی اسی کا کام تھا۔ اُن کی بیماریوں کی مختلف علامات کا خاص طور پر خیال رکھتا۔ اُس نے جرّاحی کو تشریح اور فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) سے علیحدہ کر دیا تھا۔ اور اپنے خاص مضمون پر اصولی بحث کیا کرتا۔ اس وجہ سے

اُسسے چنداں قابل ذکر کامیابی نہیں ہوئی۔ اُس نے خود بھی اس قباحت کو محسوس کرتے ہوئے ہسپتال کے مریضوں کی حالت پر لیکچر دینے شروع کئے جس کی عام طور پر قدر ہوئی اور اُس کی جماعت میں بکثرت طلباء داخل ہوگئے۔ تھوڑے دنوں بعد وہ لنڈن کے کالج جراحاں میں تشریح کا لیکچرار مقرر ہُوا۔ اور وہ اپنے لیکچروں میں مجرموں کی نعشیں چیر کر کالج کے طلباء کو دکھایا کرتا۔

اُن ایّام میں میڈیکل سکول کے اُستادوں کو چیر پھاڑ کرنے کے لئے مُردوں کی نعشیں نہیں دی جاتی تھیں۔ اِس لئے یہ دستور تھا کہ مجرم اور لاوارث مُردوں کی نعشیں گاڑنے والوں کو کچھ دے دلا کر اُن سے نعشیں حاصل کر لی جاتی تھیں۔ لیکن بعد میں جب سرکار کو معلوم ہوتا تو اُن لوگوں کو قانونی خلاف ورزی کی وجہ سے سزا دی جاتی تھی۔ کوپر کا قاعدہ تھا کہ یہ اُن سزایاب لوگوں کے بیوی بچوں کی پرورش کا بوجھ خود اُٹھا لیتا تھا۔ اسی طرح چیر پھاڑ کے لئے مُردے حاصل کرنے اور طلباء کو علمی تجربے دکھانے کے لئے وہ صدہا روپے خرچ کرتا رہا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد اپنی نیکنامی کو برقرار رکھنے کے لئے وہ اس خلاف قانون کارروائی سے تائب ہوگیا۔ اُس زمانے میں نعش حاصل کرنے کے لئے بڑی قیمت دینی پڑتی تھی۔ اِس لئے بعض لوگ جیتے جی اپنے جسم فروخت کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص نے کوپر کو لکھا کہ میں اپنا جسم مرنے کے بعد آپ کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ اُس نے جواب میں لکھا کہ "ایسے خلاف انسانیت سودے کے لئے تمہیں پھانسی لٹکا دینا چاہئے"۔ لیکن بخلاف ازیں جب کوئی آدمی عمل جراحی سے مرجاتا تو وہ فوراً معقول معاوضہ دیکر اُس کی لاش خرید لیتا۔ اور جراحی اعمال کے نمونے جمع کرنے کے خیال سے اپنے عجائب خانہ میں رکھوا دیتا۔ اُس نے ایک دفعہ پارلیمنٹ کی کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے وقت یہ بیان کیا تھا۔ کہ "کوئی شخص چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ میں اگر چاہوں تو اُس کی نعش کی چیر پھاڑ کر سکتا ہوں۔ قانون صرف قیمت پر زور دیتا ہے۔ مگر وہ کسی نعش کو قبر سے باہر نکالنے میں مانع نہیں آسکتا"۔

۱۸۲۹ء میں قانون تشریح پاس کیا گیا جس کی رو سے نعشوں کی چیر پھاڑ کو خاص قواعد کی رو سے جائز ٹھہرایا گیا۔ اِس قانون کے معرض وجود میں لائے جانے کی وجہ یہ تھی۔ کہ ڈاکٹروں نے مُردے حاصل کرنے کے عجیب عجیب طریقے اختیار کر رکھے تھے۔ وہ رات کو قبروں میں سے تازہ مُردے نکال لاتے۔ جب یہ کیفیت طشت ازبام ہو گئی تو ناچار پارلیمنٹ کو قانون وضع کرنا پڑا۔

انسانی جسموں کے علاوہ جانوروں کے بدن کی بھی چیر پھاڑ کی جاتی اور اس کا مقصد بھی فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) کی تشریح و توضیح تھی۔ اس کام کے لئے دوسرے جانوروں کے علاوہ اکثر کُتّے بھی لائے جاتے تھے۔ اس وجہ سے کتوں کی چوری ہونے لگی۔ کوپر کا نوکر کُتا لانے والے کو دو ڈھائی روپے دے دیا کرتا۔ اور اور کُتّے کو اُس مکان میں بند کر دیتا جو اُن کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ ایک مرتبہ ایک ہاتھی کی نعش چیر کر دیکھی گئی۔ اور کئی ٹکڑے کاٹ کر سینٹ ٹامس ہسپتال کے عجائب خانے میں رکھوائے گئے۔ کوپر پرندوں مچھلیوں اور مرغیوں کو بھی چیر کر دیکھا کرتا۔ جو لوگ پرندوں کے مر جانے کے بعد اُن کی کھال میں بھوسہ بھر کر رکھا کرتے وہ بھی اُنہیں اِسی محقق کے پاس لاتے تھے۔

کوپر کا مطلب تمام بڑے بڑے ڈاکٹروں کی طرح بتدریج (آہستہ آہستہ) بڑھا اُس کا اپنا بیان ہے کہ پہلے سال سوا پانچ پونڈ۔ پانچویں سال سو پونڈ۔ نویں سال گیارہ سو پونڈ سالانہ آمدنی ہوئی۔ اسی سال وہ گائی ہسپتال کا سرجن مقرر ہوا۔ یہ ۱۸۰۰ء کا ذکر ہے اُس وقت اُس کا چچا وہاں پر سرجن تھا اُس نے اپنے بھتیجے کے تقرر کی مخالفت کی لیکن کچھ اثر نہ ہوا وہ اُس اسامی کے لئے منتخب ہو گیا۔ ۱۸۰۰ء میں ایسٹلے کوپر نے ایک مضمون کان کی جھلی کے متعلق لکھ کر رائل سوسائٹی لندن کے سامنے پیش کیا۔ جس میں اس امر پر بحث کی کہ اس جھلی میں چھید کرنے سے قوت سماعت پر کوئی مضرات نہیں پڑتا۔ چنانچہ اُس نے اِس نظریہ کو مدنظر رکھ کر اُس بہرے پن کا علاج کیا جو کان کی اندرونی نالی کی بیماری سے واقع ہوتا ہے۔ دوسرے سال اُس نے

ایک اور مضمون لکھا جس میں بیس مریضوں کے امراض۔ علامات اور معالجات کا ذکر تھا۔ اُس نے عمل جراحی کا ایک خاص طریقہ جاری کیا اگرچہ اُس وقت اُس کا خاطرخواہ نتیجہ نہ نکلا اور بعد میں اُس کا عام طور پر رواج ہوا۔ تاہم اُس پر رائل سوسائٹی نے اُسے ایک تمغہ عطا کرنے کے علاوہ اپنا فیلو بھی منتخب کر لیا۔

اُن دنوں کوپر اس خیال میں منہمک تھا کہ جس صورت سے بھی ممکن ہو اپنے علم میں اضافہ کیا جائے۔ اس غرض سے اُس نے کئی ایک علمی انجمنوں کی بناء ڈالی اور مختلف معاملات پر بحث مباحثہ جاری کر دیا۔ ایڈنبرا میں "انجمن محافظ حقوق طلباء" کا وہ پریسیڈنٹ بنایا گیا۔ اُس کا ملکۂ بحث بہت کچھ بڑھا ہوا تھا۔ وہاں پر وہ ایک فلسفی انجمن میں بھی شریک ہوا۔ ایک مضمون پڑھا اور مسئلہ "جبر و قدر" پر خوب بحث کی۔ اُس نے لندن میں شاہی میڈیکو کراجیکل سوسائٹی (انجمن طبابت و جراحی) کی بنیاد ڈالی۔ جو میڈیکل سوسائٹی لندن سے علیحدہ قائم ہوئی تھی۔ کوپر کے بارے میں ایک باائر ڈاکٹر یوں لکھتا ہے "وہ صاف دل اور راستگو تھا" اُس کے معلومات بہت وسیع تھے۔ اُس کے پہلو میں نہایت مہربان دل تھا۔ اُس کے مختلف المذاق ملنے والے اُس کی باتوں سے خوش ہو جایا کرتے تھے۔ باوجودیکہ وہ زیادہ مطالعہ کرنے والا نہ تھا۔ تاہم ہر قسم کے ضروری اور قابل قدر معلومات کے حاصل کرنے میں کمال رکھتا تھا۔ اور پھر ضرورت کے وقت بھی وہ سب اُس کے ذہن میں منتخضر پائے جاتے تھے۔

کوپر نے ۱۸۰۴ء اور ۱۸۰۷ء کے درمیانی زمانے میں۔ مرض فتق کے متعلق دو حصوں میں ایک کتاب شائع کی تھی۔ جس سے اُس کی شہرت میں بہت کچھ ترقی ہوئی۔ ۱۸۰۸ء میں اُس نے اپنی قائم کی ہوئی سوسائٹی کی کتاب میں ایک مضمون لکھا جو سباتی شریان کی رسولی (انورسما یا ابورسما) کے متعلق تھا۔ اُس نے رسولی کے نیچے سے شریان کو باندھ کر جراحی عمل کیا تھا۔ جو بعد میں رائج ہو گیا۔ اِس قسم کے تجربوں اور تحریروں سے اُس کا نام دُور دُور تک مشہور ہو گیا۔ اور بعض امراض

میں اُس کی رائے مستند تسلیم ہونے لگی۔ اس فاضل محقق نے تشریح کا مطالعہ اور تحقیق اس غرض سے کی تھی کہ اُسے اس علم پر عبور حاصل ہو جائے۔ وہ اپنے طلباء کو ہمیشہ ہر ایک بات بطور خود دیکھنے اور دریافت کرنے کی ہدایت کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اس بات کی پروا نہ کرو کہ دوسرے کیا کہتے ہیں خود تحقیقات کرو اپنی رائے قائم کرو۔ کوپر کے مطب میں بہت سے مریضوں کا انبوہ رہتا لیکن اُس کا وقت بٹا ہوا تھا۔ ہسپتال جانے میں ذرا دیر ہو جاتی تو نوکر پر بے حد خفا ہوتا اور گالیاں دیتا ہوا بھاگ جاتا۔ بعض دفعہ مریضوں کی کھینچ تان سے بچنے کے لئے گھر کے پچھلے دروازہ سے نکل کر چل دیتا اس پر بھی مریض بکثرت آتے۔ وہ علے الصباح اُٹھتا اور آدھی رات تک اپنے کام میں مصروف رہتا۔ شام کے وقت بیماروں کے گھروں میں جا کر اُن کو دیکھتا۔ ہسپتال میں طلباء اُس کے لیکچروں کو نہایت شوق سے سنتے۔ وہ اُنہیں کمروں میں لیجا کر مریضوں کی حالت دکھاتا اور اُن کے علاجات پر اظہار رائے کرتا۔

کوپر نے کئی ایک مُعاون مقرر کر رکھے تھے جو اُس کی ہدایات کو اپنا دستور العمل سمجھتے۔ اور یہ خود اُن کے ہر ایک کام کی نظر ثانی کرتا۔ لکھنے کے لئے منشی مقرر تھا۔ جس کا فرض تھا کہ جو کچھ کوپر کہے اُسے قلمبند کرتا جائے۔ اس طریق عمل سے اور کاموں کے لئے بھی وقت نکل آتا تھا۔ اُس کے خاص کمروں میں خود اُس کے اور اُس کے مددگاروں کے بغیر اور کوئی داخل نہ ہونے پاتا۔ اُس نے جب اپنا مطب براڈ بازار میں تبدیل کر لیا تو اُس کی آمدنی میں نمایاں بیشی ہو گئی۔ مثلاً پہلے بالاوسط پندرہ ہزار پونڈ سالانہ تھی۔ اور بعد میں اکیس ہزار پونڈ سالانہ ہو گئی۔ ایک متموّل تاجر اُسے اپنی اور اپنی خاندانی نگہداشت کے عوض میں چھ سو پونڈ سالانہ نذر کرتا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے پتھری نکالنے کے لئے اُسے ایک ہزار گنی یعنی سولہ ہزار روپے کے قریب فیس دی تھی۔ اُسے ہر ایک طبّی مشورہ کی فیس کم از کم پانچ گنی ملتی تھی۔ علاج معالجہ میں صرف چند دواؤں سے کام لیتا تھا۔ ۱۸۱۳ء میں کوپر "رائل کالج آف سرجنز" میں تشریح نسبتی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ مگر چونکہ وہ جانوروں

کی تشریح سے آشنا واقف نہ تھا جتنا انسانی جسم کی بناوٹ سے آشنا تھا۔ اس لئے اُس نے جانوروں کی چیر پھاڑ کے تجربات حاصل کرنے کے لئے اپنے سونے کا وقت کم کر دیا۔ اور نیند کا بہت سا وقت اسی میں صرف کرنے لگا۔ ان تجربات میں معاونوں سے بھی بہت کام لیتا تھا۔ آخر یہ نتیجہ ہُوا کہ وہ اس علم میں بھی ماہر ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد اُس نے استعفا دے دیا۔

دوسرے سال ماہ مئی میں اُس نے شریانی رسولی کے متعلق ایک نہایت خطرناک جراحی عمل کیا۔ اس عمل میں اُس نے اورطہ یعنی شاہ رگ باندھ دیا۔ اور رسولی کو کاٹ کر نکال ڈالا۔ اور معمول کو کلوروفارم بھی نہیں سنگھایا تھا۔ اس اپریشن کی خوبی اور صفائی کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ اس مریض کی حالت اس قدر نازک تھی کہ کسی ڈاکٹر کو عمل جراحی کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ۱۸۲۰ء میں جارج چہارم نے کوپر کو ایک عمل جراحی کرنے کے لئے طلب کیا۔ اس سے پیشتر وہ لارڈ لورپول کا سرجن تھا۔ اور گاہے گاہے آپریشن یا معالجہ کیا کرتا۔ پہلے تو اُس کو فرمان شاہی کی تعمیل میں تامل ہُوا۔ بعد میں گیا اور آپریشن میں کامیاب ہُوا۔ جس کے صلہ میں اُس نے نائٹ کا مستقل و موروثی خطاب دیا گیا۔

۱۸۲۲ء میں سر آسٹلے کوپر لندن کے کالج جراحاں کا ممتحن بن گیا۔ اسی سال میں اُس نے ایک مشہور کتاب جوڑوں کے اُترنے اور ہڈیوں کے ٹوٹ جانے کے متعلق لکھی۔ جس کی قیمت صرف لاگت ادا کرنے کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ ۱۸۲۵ء میں کوپر سینٹ ٹامس ہسپتال لندن کی لیکچر دینے کی اسامی سے مستعفی ہو گیا۔ اُس نے اپنے بھتیجے اور ایک اور ڈاکٹر کو جو دونو اُس کے معاون تھے۔ تشریح کے اُستاد مقرر کرانا چاہا۔ اور کوشش بھی کی مگر وہ ناکام رہے۔ آخر گائی ہسپتال سے متعلق ایک اور ڈاکٹری سکول قائم ہو گیا۔ جہاں ان دونو کو جگہ مل گئی۔ کوپر کی شہرت روز بروز بڑھتی گئی۔ وہ کبھی کبھی لیکچر دیا کرتا۔ تو طلبا کثرت کے ساتھ آتے۔ اس کے بعد وہ گائی ہسپتال کا طبی مشیر (مشورہ دینے والا ڈاکٹر) مقرر ہُوا۔ اس نے وہاں ایک

عجائب خانہ مقرر کردیا۔ ۱۸۲۷ء میں وہ کالج جراحاں کا پریسیڈنٹ منتخب ہوا۔ سر آسٹلے کوپر تقاضائے عمر سے زیادہ وقت اپنے اُس قصبہ میں صرف کرتا جہاں اُس کی زمین تھی۔ باغوں کو دیکھتا جانور پالتا اور اُن کی دیکھ بھال میں لگا رہتا۔ لنگڑے اور بیمار گھوڑے خرید کر اُن کی پرورش اور علاج کرتا۔ جو اُن میں سے اچھے ہو جاتے اُنہیں فروخت کر کے فائدہ اُٹھاتا اور جو بیکار ہو جاتے اُن پر تجربات کیا کرتا۔

۱۸۲۸ء میں اُس نے دوسری شادی کی اور اُسی سال بادشاہ کا سارجنٹ سرجن مقرر ہوا اور ولیم چہارم کی تخت نشینی کے وقت تک اس عہدہ پر رہا۔ اُس زمانے میں چونکہ اُسے ہسپتال اور کالج میں لیکچر وغیرہ نہیں دینے پڑتے تھے اس لئے زیادہ تر چیر پھاڑ اور کتابیں تصنیف کرنے میں ہی مشغول رہتا۔ اُس نے کئی مفید اور قابل قدر کتابیں تصنیف کیں۔ ۱۸۳۶ء میں دوسری دفعہ وہ کالج جراحاں کا پریسیڈنٹ منتخب ہوا۔ اس جوان ہمت ڈاکٹر نے بڑھاپے میں بھی چیر پھاڑ کے کام کو نہ چھوڑا تھا۔ سیر و سیاحت کے دوران میں مشہور ہسپتالوں کے دیکھنے کو جاتا اور نامی جرّاحوں سے ملاقات کرتا۔ ایک جگہ پر چند روز سے زیادہ نہ ٹھہرتا۔

اس فاضل ڈاکٹر کو ۱۸۳۷ء میں شہر ایڈنبرا کی آزادی اور وہاں کی یونیورسٹی سے ایل ایل ڈی کی آنریری ڈگری عطا ہوئی۔ اس سے پہلے آکسفورڈ سے بھی اُسے ڈی سی ایل کی ڈگری مل چکی تھی۔ وہ مرتے دم تک تشریح و جراحی کی تحقیقات کرتا رہا اور ۱۸۴۰ء میں سینہ کی تشریح کے متعلق ایک مشہور کتاب لکھی۔ جس میں امراض سینہ کا مفصل حال درج ہے۔

یہ مشہور محقق بالآخر ۱۸۴۱ء کو انتقال کر گیا۔ اُس کی نعش گائی ہسپتال کے قریب دفن کی گئی۔ اور سینٹ پال کے گرجہ کے احاطہ میں اُس کا بت نصب کیا گیا۔ اُس کی یادگار میں ایک طبی انعامی مضمون بھی مقرر ہوا تھا۔ کوپر نے اپنی زندگی کے زمانے میں اور بہت سے مفید کاموں کے علاوہ ایک یہ کام بھی کیا تھا کہ اُس کی توجہ سے تشخیص مرض کے لئے استقراء سے کام لینے کا طریقہ رائج ہو گیا۔

اُس نے اس طریق سے تشخیص کرنے کے بعد سادہ علاج کرنے اور اس میں بھی اصول قدرت کو مدنظر رکھنے کی ہدایات پر بہت زور دیا ہے۔ اُس کے زمانے سے پیشتر علاج بذریعہ جراحی کو نہایت خطرناک سمجھا جاتا تھا۔ اور مریض و معالج دونو کو کسی عمدہ نتیجہ کا یقین نہ ہوتا تھا۔ مگر گوپر نے اِس پریکٹس پر اس قدر قابو پالیا کہ اُس نے مریضوں کے دلوں میں اُمید اور اعتماد پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

یہ قابل قدر وجود عمر بھر بنی نوع انسان کی بہتری کی کوششیں کرتا رہا۔ نہایت تیز فہم۔ اصول کا پابند۔ محنتی اور مستعد شخص تھا۔ کسی امیدوار کو مایوس نہ کرتا۔ وہ علم کا شائق اور اُس کی تحصیل میں ہر وقت منہمک رہتا تھا۔

(۴۷۴) رابرٹ کاخ KOCH Robert Koch (ڈاکٹر)

رابرٹ کاخ جس نے بیکٹریالوجی (علم جراثیم امراض) کی بُنیاد ڈالی اور اپنی زندگی میں اُسے ترقی دینے کی کوششیں کرتا رہا۔ دسمبر ۱۸۴۳ء کو قصبہ کلوس تل واقعہ علاقہ ہنوور (جرمنی) میں پیدا ہوا تھا۔ اُس نے ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ کے سکول میں حاصل کی۔ اور بعد ازاں گوٹنجن کی یونیورسٹی میں داخل ہُوا۔ جہاں نامی اُستادوں کی نگرانی میں چند سال تک ڈاکٹری کا مطالعہ کرتا رہا۔ تحصیل علم وفن سے فارغ ہونے اور یونیورسٹی سے باقاعدہ سند حاصل کر لینے کے بعد اُس نے والنسٹائن میں اپنا مطب جاری کر دیا۔ اُس کی طبیعت محنت کی نہایت خوگر۔ اور اُس کا دل نئی باتیں دریافت کرنے کا بے حد شائق تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے اپنا کام شروع کرتے ہی فرانس کے نامور محقق پاسٹیور (پاسٹر) کی تحقیقات سے تحریک پذیر ہو کر جراثیم اور اُن کے تعلیقاتِ امراض کی تحقیقات اور مشاہدت کے بعد مرض نملہ (انتھریکس) کے کیڑے دریافت کیئے۔ سات سال کے مسلسل و متواتر تجربات نے اُسے یہ مشتہر کرنے کے قابل بنا دیا کہ ڈِفتھیریا (خناق وبائی) کا علاج ٹیکہ کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔ یعنی اس مرض کے دفعیہ کے لیئے ٹیکہ بہترین علاج ہے۔

۱۸۸۰ء میں وہ برلن کی کمیشن حفظان صحت کا رکن منتخب ہُوا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ وہاں کے میڈیکل سکول کا اُستاد بنایا گیا۔ اس سے پانچ سال بعد ۱۸۸۵ء میں برلن یونیورسٹی کا پروفیسر ہو گیا۔ اور صیغۂ حفظان صحت کا منتظم بھی اسی کو مقرر کیا گیا۔ جراثیم کی مسلسل تحقیقات سے اُسے بہت کچھ تجربہ ہو گیا تھا۔ مائعات غلیظ مقامات اور گلی سڑی چیزوں کے اندر ننھے ننھے جراثیم معلوم کرتے رہنے کی بدولت اُس نے ٹبرکل (سل ودق) کے جراثیم بھی دریافت کر لئے۔ اور پے در پے تجربات سے اُن کے وجود کو پایۂ ثبوت تک پہنچایا۔ جس سے طبّی دُنیا میں ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو گیا۔ اور اس دریافت کی وجہ سے رابرٹ کاخ کو غیر فانی شہرت نصیب ہوئی۔

۱۸۸۳ء میں وہ مصر اور ہندوستان کو آیا اُسے یہ معلوم کرنا مقصود تھا کہ ایشیائی ہیضہ کی اصلیت کیا ہے نیز وہ کن کن اسباب سے پیدا ہوتا اور پھیلتا ہے۔ کچھ عرصہ کے مشاہدہ اور تحقیقات نے اُس پر روشن کر دیا۔ کہ یہ ہیضہ واؤ کی شکل کے کیڑوں سے پیدا ہوتا ہے۔ اور انہی کی وجہ سے اُس کی اشاعت ہوا کرتی ہے ؂

۱۸۹۰ء میں اُس نے ٹبرکلین (Tuberculin) (سلّین وہ مادہ جو مرض سل کے دفعیہ کے لئے پچکاری سے جلد کے اندر داخل کیا جاتا ہے) کی دریافت کا اعلان کیا۔ اور یہ امر بھی مشتہر کر دیا کہ اس سے سل کے کیڑوں کا قلع قمع ہو سکتا ہے۔ اس سے نہ صرف خود کاخ کو بلکہ دوسرے ڈاکٹروں کو بھی یہ توقع تھی کہ اس سے تپ دق و سل اور دیگر وہ امراض جو جراثیم سلیہ سے لاحق ہو جاتے ہیں علاج پذیر ہو جائینگے۔ مگر افسوس کہ یہ توقع پوری نہ ہوئی۔ ہاں اتنا فائدہ ضرور ہُوا کہ جراثیم سلیہ کے وجود کا پتہ لگانے میں بہت آسانی ہو گئی۔ مثلاً جن جانوروں کا ہم گوشت کھاتے یا دودھ پیتے ہیں آیا اُن میں سلی جراثیم کا وجود تو نہیں؟ ٹبرکلین سے اس امر کا صحیح اندازہ لگانے یا تیقن حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو انسان یا حیوان کے جسم میں بذریعہ جلدی پچکاری داخل کر دیتے ہیں۔ اگر وہاں آبلہ پڑ جائے تو یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ اُس کے جسم میں جراثیم سلیہ ضرور موجود ہیں۔ اس اعتبار سے کاخ کی یہ دریافت

واقعی قابل قدر ہے۔ لیکن یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ ٹیوبرکلین سل و دق کے دفعیہ کے لئے حکمی علاج ہے ۔

۱۹۰۱ء میں ٹیوبرکلوسس کی ماہیت اور اس سے متعلقہ عوارضات پر غور کرنے کے لئے ماہرین فن کی جو کانگریس منعقد ہوئی تھی۔ اُس میں اس فاضل ڈاکٹر نے ایک محققانہ مضمون پڑھتے ہوئے یہ مسئلہ پیش کیا کہ انسانوں اور حیوانوں میں جراثیم سلیہ یکساں نہیں ہوتے۔ اِس لئے اگر دودھ پینے یا گوشت کھانے سے کسی جانور کے جراثیم ہمارے جسم میں چلے بھی جائیں تو اُن سے اس قدر ضرر کا اندیشہ نہیں ہوسکتا جس قدر مدقوق انسان کے پاس بیٹھنے اور اُس کی چھوئی ہوئی چیزوں کے کھانے پینے سے ہوسکتا ہے۔ لیکن وہ اس دعوٰے کو پوری طرح ثابت کرنے سے قاصر رہا۔ اِس لئے برطانیہ کی طرف سے مزید تحقیقات کے لئے ایک جداگانہ کمیشن مقرر ہوا۔ جس نے کچھ عرصہ تک تفتیش و مشاہدات کرنے کے بعد یہ بات قرار دی کہ جانوروں کے جراثیم سلیہ انسان کو ضرور متاثر کرسکتے ہیں۔ کمیشن مذکور نے اس کے ثبوت میں بہت سی نظریں بھی پیش کیں۔ مگر کاخ نے اِس سے اتفاق نہ کیا اور اپنے نظریہ پر قائم رہا۔ اور اس خاص مسئلہ میں اُستاد اور شاگرد بھی باہم مختلف رہے ۔

۱۸۹۱ء میں وہ برلن کے بیکٹریالوجیکل انسٹیٹیوٹ (دارالتعلیم جراثیمی) کا مہتمم مقرر ہُوا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ جراثیم کی اصلیت اور اُن سے پیدا ہونے والے امراض کی تحقیقات کرے۔ ۱۸۹۶ء میں رابرٹ کاخ جنوبی افریقہ کو گیا۔ اس سفر کی علت یہ تھی کہ چارپاؤں کے مہلک مرض انڈرپسٹ (وبائے حیوانی) کی ماہیت معلوم ہو۔ چنانچہ وہاں جاکر وہ چند ماہ تک رہا اور مختلف مقامات پر جاکر اس موذی مرض کی تفتیش کی۔ آخرکار اُس کی حقیقت معلوم کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کے بعد اُس کے انسداد کا طریقہ بھی دریافت کرلیا۔ جس سے اُس نے جنوبی افریقہ والوں پر بہت بڑا احسان کیا۔ اور ہزارہا جانوروں کی جانیں بچائیں۔ ۱۹۰۳ء میں جب جنوبی افریقہ کے اندر مویشیوں میں ایک خوفناک اور مُہلک وبا نمودار ہوئی تو وہاں کے حکام نے

ڈاکٹر کاخ کو پھر بُلایا۔ اور اُسے اِس مرض کی ماہیت اور تدابیر انسداد پر غور کرنے کے لئے مامور کیا۔ جس میں وہ خاطر خواہ طور پر کامیاب ہُوا ؂

۱۸۹۷ء میں جب ہندوستان کے طول و عرض میں طاعون نمودار ہُوا تھا اُس وقت بھی یہ محقق ایک تحقیقاتی ڈاکٹری کمیشن کے سرگروہ کی حیثیت سے یہاں آیا تھا۔ اُس نے اس مرض کی اصلیت اور اسباب اشاعت کے دریافت کرنے کے لئے جا بجا تحقیقات اور مشاہدات کئے۔ پھر اسی سال جرمن گورنمنٹ کی فرمائش کے مطابق ملیریا کی تحقیقات کرنے اور اُس کے استیصال (بیخکنی) کی تجاویز سوچنے کے لئے وہ جرمن مشرقی افریقہ کو گیا۔ موسمی بخار کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے اُس نے دُور دُور کا سفر کیا۔ اور دنیا کے ان ممالک اور حصص میں کچھ مدت تک رہا جہاں خاص موسموں میں ملیریا بخار نہایت زور سے پھیلتا ہے ؂

۱۹۰۶ء کو وہ مشرقی افریقہ میں مرض النوم یعنی سونے کی بیماری کے متعلق تحقیقات کرنے کو گیا۔ جس میں ڈیڑھ سال کامل مصروف رہا۔ ۱۹۰۴ء میں فرانس کی اکیڈمی آف سائنس (انجمن علوم تجربیہ) کا ممبر منتخب ہُوا۔ جو اس وقت ایک غیر معمولی امتیاز سمجھا جاتا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں اُس نے اپنی طبی تحقیقات و انکشافات کی وجہ سے مشہور نوبل پرائیز حاصل کیا۔ کاخ نے اپنی دریافتوں سے بنی نوع انسان کو بے حد فائدے پُہنچائے اور اس طرح ایک پائدار اور غیر فانی شہرت حاصل کی۔ یہ شخص بیکٹریالوجی (علم الجراثیم) کا مشہور ترین ماہر تھا ؂

مئی ۱۹۱۰ء میں بمقام بیڈن جرمنی اس مشہور عالم کا انتقال ہُوا۔ اُس نے اپنی زندگی میں اپنی تحقیقات کے متعلق کئی ایک کتابیں لکھیں جن کا ترجمہ یورپ کی مختلف زبانوں میں ہوا اور اسطرح پر اُس کی قابل قدر تحقیقات کے نتائج سے مہذب دنیا کو پورا پورا فائدہ پُہنچا ؂

۴۴۸ کوریگن | CARRIGAN Sir Dominic Carrigan | (ڈاکٹر)

جان کوریگن دسمبر ۲ ۱۸۰۲ء کو ڈبلن میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ ایک تاجر تھا۔ اس نے

سینٹ پیٹرک کالج واقع مے نوتھ میں تعلیم پا کر وہاں کے ایک ڈاکٹر کی شاگردی اختیار کی
اُستاد نے فوراً بھانپ لیا کہ اُس کا شاگرد ہونہار، محنتی اور ذہین ہے۔ چنانچہ اُس نے
اُس کے باپ سے سفارش کی کہ وہ اپنے بیٹے کو ایڈنبرا کے میڈیکل سکول میں داخل
کرے۔ لیکن جان کے باپ نے اُسے ڈبلن کے ایک ہسپتال میں بھیج دیا جہاں وہ
ڈاکٹروں کی زیرِ نگرانی تشخیص۔ علامات اور طریقہ علاج کی عملی تعلیم حاصل کرنے لگا۔
اُس وقت ڈاکٹر طلباء کو مریضوں کے کمروں میں لے جا کر بیماریوں کی مختلف صورتیں اور علاج
کی کیفیت بتایا کرتے تھے۔ ایڈنبرا یونیورسٹی سے اُس نے ۱۸۲۵ء میں ڈگری حاصل کی ۔

اُن دنوں تشخیص و علاج امراض کا علم ترقی کر رہا تھا۔ کوریگن کی طبیعت بھی اُس
طرف مائل ہوئی۔ چنانچہ وہ ڈبلن جا کر ایک شفاخانہ کا ڈاکٹر مقرر ہو گیا۔ اور اپنی زندگی کو
اس علم کی تحقیقات و ترقیات کے لئے وقف کر دیا۔ ۱۸۳۲ء میں اُس نے اپنی تحقیقات
اور غور و فکر کے نتائج ایڈنبرا کے طبی رسالہ میں شائع کئے۔ اس مضمون کا عنوان "اورطہ کے
دہانہ کی مستقل کشادگی" تھا۔ اس کے شروع میں وہ لکھتا ہے "جتنی کتابیں امراض قلبی
کے متعلق میری نظر سے گذری ہیں۔ اُن میں اس بیماری کا کہیں ذکر نہیں پایا جاتا۔
اس ہے وہ کمی اس مضمون میں پوری کی جاتی ہے۔ یہ ایک عام بیماری ہے۔ قلب کے
فعل میں جتنے نقص پیدا ہو جاتے ہیں اُن کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے۔ اس کی علامات
اور ترقی کی حالت عجیب قسم کی ہے اس لئے یہ بیماری خاص توجہ کی محتاج ہے۔ اورطہ
کے دہانہ پر جو ڈھکنا خود بخود کھلنے اور بند ہونے والا پایا جاتا ہے۔ جب وہ اپنا کام
اچھی طرح سے نہیں کرتا۔ تو جو خون اُس کے دہانے پر آتا ہے رُک جاتا۔ اور پھر لوٹ کر
بائیں بطن قلب کے اندر چلا جاتا ہے ۔

کوریگن نے اپنی تحقیقات کے دوران میں یہ بھی دیکھا۔ کہ اس میں نبض کی بھی
عجیب حالت ہو جاتی ہے۔ سر گردن اور بازوؤں میں وہ تیزی کے ساتھ چلتی محسوس ہوتی
ہے۔ دل کی ہر ایک حرکت بھی بدلتی رہتی ہے۔ جلد کے نیچے وہ نہایت نمایاں نظر آتی
ہے۔ بعض دفعہ وہ اپنی پوری حرکت کے بعد یکا یک بند ہو جاتی ہے۔ اس حالت کو

طبی اصطلاح میں ذوالفترہ کہتے ہیں۔ جس طرح پانی زور کے ساتھ بہتے بہتے بند ہو جاتا ہے نبض کی حالت بھی بعینہٖ وہی ہوتی ہے۔ یہ اورطہ کے وہانہ کی بیماری کے لئے ایک مخصوص علامت ہے جو اکثر مریضوں میں دیکھی جا چکی ہے۔

یہ محقق سالہا سال تک افعال قلبی کی تحقیقات میں مصروف رہا۔ مچھلیوں اور رینگنے والے جانوروں کے دلوں پر بھی اس نے بیسیوں تجربے کئے۔ اس نے ڈبلن کے میڈیکل رسالے میں قلب کی حرکتوں اور آوازوں پر ایک عمدہ مضمون لکھ کر شائع کیا تھا۔ اُس زمانے میں مطب کے محدود ہونے کی وجہ سے وہ تقریباً تمام وقت مطالعہ اور تحقیقات میں صرف کیا کرتا۔ اُس نے انگلستان کے ڈاکٹروں کی سوانح عمریاں جو ایک مشہور کتاب کی شکل میں ہیں پڑھیں۔ اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ "ہم اپنے پیشہ میں استقلال اور محنت شاقہ ہی سے کامیاب ہونے کی امید کر سکتے ہیں۔ نامی ڈاکٹروں کے مغرورانہ برتاؤ سے ہماری ہمت پست نہیں ہونی چاہیئے"۔

کوریگن نے پہلے تو شفاخانہ کی نوکری چھوڑ دی۔ پھر حمیات (بخاروں) کے دارالعلاج اور ایک دوسرے ہسپتال کا ڈاکٹر بن گیا۔ آئرلینڈ کے کالج اطبّاء نے اُس کی اعلےٰ قابلیتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اسی وجہ سے جب فیلوشپ میں اُس کا نام پیش ہوا تو اُسے منتخب نہ کیا گیا۔ مگر اس کی تلافی بعد میں بے حد خوش اسلوبی کے ساتھ کر دی گئی کہ اُس کو مسلسل پانچ سال تک اُسی کالج کا پریسیڈنٹ بنایا جاتا رہا۔ اور اُس کا مجسمہ تراش کر کالج مذکور میں نصب کیا گیا۔

۱۸۳۳ء میں اُس نے کارمائکل میڈیکل سکول میں عملی طب پر لیکچر دینے شروع کئے۔ اِدھر اُس کا مطب بھی پھیلنے لگا۔ سنہ ۱۸۴۰ء میں وہ کارخانجات کے شفاخانوں کا ڈاکٹر مقرر ہوا اور اس ڈیوٹی کو چھبیس سال تک ادا کرتا رہا۔ اپنے کام کا چارج لیتے ہی اُس نے بخاروں کے علاج اور ماہیت پر لیکچر دینے شروع کر دئے۔ جو نہایت دلچسپی کے کانوں سے سُنے گئے اور ۱۸۵۳ء میں اُنہیں کتاب کی صورت میں شائع کر دیا گیا۔ ان لیکچروں میں اس امر پر بہت زور دیا گیا ہے کہ ٹائیفائیڈ (محرقہ اسہالی) اور ٹائیفس

(محرقہ دماغی) میں بہت سا فرق ہے ٭

۱۸۴۱ء میں یہ متبحر فاضل کوئین یونیورسٹی ڈبلن کی سینیٹ کا ممبر بنایا گیا۔ اا
تیس سال کے بعد وائس چانسلر مقرر ہوا۔ ۱۸۴۹ء میں اُسے ڈبلن یونیورسٹی کی طرف
ایم۔ڈی کی آنریری ڈگری عطا ہوئی۔ وہ قومی تعلیم کی سرکاری انجمن کا کمشنر بھی مق
ہوگیا۔ دوسری طرف اُس کے مطب کو بے انتہا فروغ ہوا۔ سینکڑوں مریض اُس ک
پاس مشورہ اور معالجہ کے لئے آیا کرتے جس سے اُس کی آمدنی بھی کئی سال تک نو ہز
پونڈ سالانہ تک رہی۔ ۱۸۶۶ء میں اُس کی قابل قدر خدمات کے صلہ میں سرکار کی طر
سے اسے نائٹ کا مستقل و موروثی خطاب عطا کیا گیا۔ اس کے بعد وہ آئرلینڈ کی طر
سے ملکہ وکٹوریہ کا مستقل طبیب بھی رہا ٭

سر جان کوریگن ۱۸۵۵ء سے لیکر مرتے دم تک جنرل میڈیکل کونسل کا ممبر رہا
اُس نے ڈاکٹری طریقۂ تعلیم پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ اُسے بہت ترقی دی اور اُس ک
معیار نہایت اعلےٰ قائم کر دیا۔ فن مناظرہ میں بھی وہ اُستاد کامل مانا جاتا تھا۔ دوراا
گفتگو میں اپنے مخالفوں کی ہنسی بھی اُڑا دیا کرتا۔ جس سے وہ سخت ناراض ہوجا
با ایں ہمہ اُسے عام طور پر لوگ ہر دلعزیز اور خوش مزاج آدمی کہتے تھے۔ ۱۸۶۸ء میں
اُس نے پارلیمنٹ کی ممبری کے لئے کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ لیکن اس کے بع
۱۸۷۰ء میں کثرت رائے سے وہ منتخب ہوا۔ اور ۱۸۷۴ء تک شہر ڈبلن کی نیابت ک
رہا۔ کوریگن اگرچہ طبیعی طور پر قوی ہیکل اور صحیح المزاج آدمی تھا۔ مگر آخری چند برس اُ
نقرس کے مرض سے سخت تکلیف ہوئی۔ اور بالآخر فروری ۱۸۸۰ء میں فالج کے دو
سے وہ انتقال کر گیا۔ اس محقق نے دل کی بیماریوں کی تحقیقات اور اُن کے علاج ک
لئے بہت سا نام پیدا کیا تھا۔ اور وہ اپنے زمانے کا نہایت ممتاز اور ہشیار ڈاکٹر تھا
اُس کی تحقیقات کے نتائج اور اصول آج تک مقبول ہیں۔ اور اُنہیں کے مطابق
عمل کیا جاتا ہے ٭

(۴۴۹)　**کنولی**　KNOLLEY
John Knolley　(ڈاکٹر)

جان کنولی ۱۷۹۴ء میں ضلع لنکا شائر (انگلستان) میں پیدا ہُوا تھا۔ ابھی بہت چھوٹی عمر تھی کہ اُس کے سر سے باپ کا سایۂ عاطفت اُٹھ گیا۔ اُس کی ماں نہایت ہوشیار نیکبخت اور سمجھ دار عورت تھی۔ جس نے اُسے نہایت اچھی طرح سے تربیت کیا۔ جان کنولی نے کئی سال بعد اس بات کو تسلیم کیا تھا۔ کہ اُس کی کامیابیوں کی اصلی وجہ اُس کی ماں کی ابتدائی تربیت تھی۔ لڑکپن میں اُس نے فرانسیسی زبان کو اچھی طرح حاصل کیا تھا۔ اور ایک فرانسیسی فلاسفر کی مشہور کتاب "علم انسانی کی ابتداء" کا اُس کے دماغ پر بہت گہرا اثر ہُوا۔ ابھی اُس کی عمر بیس سال کے اندر ہی تھی کہ وہ شہر گلوسگو کا پاگل خانہ دیکھنے کو گیا۔ اُسی وقت سے اسے مرض جنون کی تحقیقات کا شوق پیدا ہُوا جو عمر بھر رہا *

اٹھارہ سال کی عمر میں وہ ملیشیا سیاہ میں افسر مقرر کیا گیا اور کئی برس تک اسی عہدے پر رہا۔ ۱۸۱۶ء میں اُس نے شادی کر لی۔ اور فرانس کو چلا گیا۔ اِس سے دوسرے سال یعنی ۱۸۱۷ء میں ڈاکٹر بننے کے ارادہ سے وہ اڈنبرا کی یونیورسٹی میں داخل ہُوا۔ وہاں اُس نے طالب علمی ہی کے زمانے میں بہت شہرت حاصل کی حتیٰ کہ تعارف بڑھنے سے وہاں کی کالج سوسائٹی کا پریسیڈنٹ بنایا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ایم۔ ڈی کی سند حاصل کر کے اُس نے مانچسٹر میں مطب کرنا شروع کر دیا۔ وہاں اس کا ڈاکٹر فوربس سے ہو گیا۔ جو بعد میں سر جان فوربس کے لقب سے ملقب ہُوا۔ ۱۸۲۳ء میں کنولی شکسپیر کے مولد (جائے پیدائش) کو گیا۔ جہاں اُس نے میڈیکل رسالوں میں کئی ایک قابل قدر مضامین شائع کرائے۔ اور ایک ڈاکٹری کی علمی قاموس کے لئے بھی کئی ایک مفید اور عمدہ مضامین مرتب کئے۔ یہاں پر وہ پہلے تو میونسپل کمشنری اور پھر شہر کی حکومت پر فائز ہو گیا۔ اور ایک سرکاری شفا خانہ قائم کیا اور ۱۸۳۵ء میں اُس کمیٹی کا صدر بنا جو شکسپیر کے مقبرہ کی حفاظت کے لئے مقرر ہوئی تھی *

اِس کے بعد ۱۸۲۷ء میں کنولی یونیورسٹی میں علمی طب کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔

اور چار سال تک اس خدمت کو انجام دیتا رہا۔ پھر کچھ عرصہ بعد لنڈن کو اپنے مذاق کے مطابق نہ پاکر اُس نے وہاں سے نقل مکان کیا اور وارک میں طرح اقامت ڈالی جنون کے مسئلہ کی طرف کئی برسوں سے اُس کی توجہ مبذول تھی اُس نے اُس کے متعلق اپنے ملک سے باہر جاکر بھی تحقیقات کی تھی۔ اور پانچ سال تک ضلع وارک کے پاگل خانہ کا معائنہ کرتا رہا۔ اُس نے ایک مرتبہ لندن یونیورسٹی کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ "وہ پاگل خانے میں طلباء کو مریضوں کی حالت دکھا دکھا کر مرض جنون پر لیکچر دینے کا خواہشمند ہے" مگر یونیورسٹی نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنون کی عملی اور تجربی تعلیم تیس سال کے طویل عرصہ تک بند رہی۔ ۱۸۳۰ء میں اس محقق نے جنون کی علامات پر ایک کتاب لکھی۔ جس میں پاگلوں کی اصلاح اور اُن کی حفاظت کے متعلق کئی ایک مفید تجاویز پیش کیں۔ اُس نے جنون اور دیگر ذہنی طاقتوں کی شکایات میں خاص مابہ الامتیاز ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ اور یہ لکھا کہ پاگلوں کو تو پاگل خانے کے اندر بند کر دیا جاتا ہے مگر اُسی قسم کے دوسرے مریض کھلے اور آزاد پھرتے رہتے ہیں۔ کنولی نے اس امر پر بہت رنج کا اظہار کیا کہ طلبہ کو پاگل خانے کے اندر جاکر جنون کی مختلف حالتوں سے کافی واقفیت حاصل کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ اور سند حاصل کرنے کے بعد اُس سے مریض کے جنون یا عدم جنون کی نسبت رائے طلب کی جاتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:۔

"آج کل کے نامی ڈاکٹر مریض کی حالت دیکھے بغیر اُسے بند رکھنے کی ہدایت کر دیتے ہیں۔ اور عدالتوں میں جاکر بعض آدمیوں کے پاگل ہونے کی نسبت اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں مگر اُس وقت سے پیشتر اُنہیں اُس شخص کی حالت اور حرکات وسکنات کا کوئی مشاہدہ حاصل نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں کس قدر غضب ہے کہ عدالت اُن کی رائے کے مطابق اپنا فیصلہ صادر کر دیتی ہے۔ حالانکہ اس قسم کی رائے ایمانداری اور حقیقت پر مبنی نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ ایک ڈاکٹر کسی مجنوں کو قید کرنے سے پہلے اُس کا معائنہ کرتا ہے۔ لیکن اُس کے پاگل پن کا تصوّر اُس کے

دل میں پہلے ہی سے جما ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے مریض کی ذہنی حالت کو ہر پہلو سے معائنہ کئے بغیر اُس کے حق میں جنون کا فیصلہ دیکر بیچارے کو ناحق مصیبت میں پھنسا دیتا ہے"۔

اس بسیط اور جامع کتاب میں قوائے ذہنی کی جبلی کوتاہیوں۔ عقل و ادراک کی طبعی کمزوریوں اور دیگر خصوصیات کا مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ اصل جنون اور دیگر عقلی کمزوریوں کے متعلق نہایت محققانہ بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ پاگلوں کی نگہداشت اور اُن کے علاج کی نسبت ضروری ہدایات درج کی ہیں۔ اُس زمانے کے ڈاکٹروں نے کنوٗلی کے خیالات سے اتفاق نہیں کیا۔ کیونکہ وہ پُرانی لکیر کے فقیر اور پارینہ خیالات کے بیحد اسیر تھے۔ ۱۸۳۹ء میں وہ ہان ول کے پاگل خانہ کا ڈاکٹر مقرر ہوا۔ جو انگلستان کا سب سے بڑا پاگل خانہ تھا۔ وہاں کے دیوانوں کی حالت کو نہایت غور کے ساتھ دیکھتا رہا اور بالآخر اس نتیجہ تک پہنچا کہ "اُنہیں بند رکھنے سے بہت نقصان پہنچتا ہے"۔ ہان ول کے پاگل زراعت اور دیگر مشاغل میں مصروف رکھے جاتے تھے۔ ڈاکٹر کنوٗلی کے ہمخیال بہت کم ڈاکٹر تھے۔ جس وقت اُس نے ہان ول کے پاگل خانے کا چارج لیا تھا۔ اُس وقت وہاں کُل آٹھ سو پاگل تھے جس میں سے چالیس ایسے بھی تھے جنہیں بیڑیوں اور زنجیروں سے باندھ کر رکھا جاتا تھا۔ لیکن کنوٗلی نے اُسی وقت سے اُن کی یہ پابندی اُٹھا کر سہ ماہی رپورٹ میں لکھ دیا تھا کہ کوئی پاگل پا زنجیر نہیں ہے۔ ایسا کرنے میں اگرچہ اُسے انتظامی طور پر بہت سی دقت پیش آئی۔ مگر اس جدت سے مریضوں کو بے حد فائدہ پہنچا۔ اُن کا علاج کیا گیا اور تندرست ہو گئے۔ اُن میں سے کئی ایک باندھ رکھنے کو اپنی رسوائی اور توہین خیال کرتے تھے۔

اس فاضل محقق نے پاگل خانے اور اُس کے مریضوں کی حالت سے جو کچھ تجربات اور نتائج حاصل کئے تھے۔ اُن کو ۱۸۴۶ء میں ڈاکٹری رسالہ لینسٹ میں شائع کر دیا گیا۔ اور ۱۸۴۷ء میں اُس نے گورنمنٹ کو پاگل خانوں کے انتظام کی طرف متوجہ کیا۔ یہ ڈاکٹر ایک مدت تک رات دن پاگلوں کی دیکھ بھال میں مصروف رہا اور اپنی

سکونت بھی پاگل خانے کے بالکل قریب رکھی۔ لیکن جب دس سال کی طویل چھان بین سے پورا اطمینان حاصل ہوگیا تو ہفتہ میں صرف دو مرتبہ جانے لگا۔ وہ اپنا بہت سا وقت پاگلوں کے درمیان گذارتا۔ اور اُن کی حالت درست کرنے کی جانب رات دن توجہ لگائے رکھتا۔ اُس کی تمام عمر اسی کام میں گذر گئی۔ پاگلوں کے ساتھ نہایت نرمی اور مہربانی کا برتاؤ رکھتا اور اُنھیں خوش کرنے کی کوشش کرتا۔ کیونکہ اُس کے خیال میں اُن کی حالت درست کرنے کے لیئے یہ بہترین تدبیر تھی ۔

کنو کی ایک جلدی عارضہ میں مُبتلا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ رات کو دیر تک جاگتا اور دن کو بیشتر افسردہ خاطر رہتا۔ ۱۸۵۲ء میں اُس نے ہاون ول کے پاگل خانے سے اپنا تعلق قطع کرلیا۔ اُس کے دوستوں اور دوسرے لوگوں نے حُسن خدمات کے صلہ میں اُسے نقرئی تھال اور اُس کی تصویر تیار کرکے دی۔ جسے اُس نے خوشی کیساتھ قبول کیا۔

پاگل خانہ کی نوکری سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی وہ رفاہ عام کے کاموں سے بہت کچھ دلچسپی لیتا رہا۔ اُس نے طبقۂ وُسطیٰ (درمیانہ درجہ) کے لیئے ایک پاگل خانہ قائم کرایا۔ طلبہ کے لیئے ذہنی امراض کے مریضوں کی حالت دیکھ کر مطالعہ کرنے کا موقع بہم پہنچایا۔ اور فاتر العقل آدمیوں کے لیئے ایک جُداگانہ پاگل خانے کی بُنیاد ڈالی۔ اُس کا زیادہ تر وقت ان ایّام میں مطب کے لیئے وقف تھا۔ بیشتر ذہنی بیماریوں کا علاج کیا کرتا۔ اُسے خود وجع المفاصل اور درد ریح کا عارضہ لاحق رہتا۔ بُڑھاپے کے وقت ان امراض نے اور بھی زور پکڑا۔ رفتہ رفتہ اُس کے دماغی قوائے بالکل سلب ہوگئے۔ اور وہ اُن چند کتابوں کو جن کی تالیف و تصنیف میں مصروف تھا مکمل نہ کرسکا۔ ۱۸۵۶ء میں اُس نے پاگل پن کے علاج پر ایک معرکۃ الآراء کتاب شائع کی جس نے اُس کی شہرت کو چار چاند لگا دئے ۔

آخر کار ۱۸۶۶ء میں اس بے نظیر محقق نے فالج میں مُبتلا ہو کر اس جہاں سے کوچ کیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ طبی دُنیا میں اس سے زیادہ مفید کام اور قابل قدر دریافتیں شائد ہی کسی کے نام سے منسوب کی جاسکتی ہوں ۔

(۶۵۰)　کے　KAYE John Kaye　(ڈاکٹر)

جان کے جس کا لاطینی نام کیئس تھا۔ ۶۔ اکتوبر ۱۵۱۰ء کو ناریچ انگلستان میں پیدا ہوا تھا۔ سترہ سال کی عمر میں وہ گونولی ہال کی تعلیم گاہ میں داخل ہوا۔ اُس نے یونانی کی دو مشہور ترین کتابوں کا لاطینی میں ترجمہ کر کے بہت شہرت حاصل کی ۳۳-۱۵۳۲ء میں بی۔ اے کی ڈگری پائی۔ تھوڑے عرصے کے بعد اپنے ہی کالج کا فیلو منتخب ہوا۔ اس کے دو سال بعد ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا۔

۱۵۳۹ء میں اٹلی گیا۔ جہاں پیڈوا کی یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ اور مونٹینس کی نگرانی میں طب کا مطالعہ کرنے لگا۔ وہاں اُس نے ویسالیئس کے ساتھ ایک مکان میں رہائش اختیار کی۔ جس نے بعد میں علم تشریح کے متعلق بہت کچھ مال حاصل کیا۔ جان کے نے ۱۵۴۱ء میں اس یونیورسٹی سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی۔ اگلے سال سے وہیں پر ارسطاطالیس کی یونانی کتابوں کی بابت لیکچر دینے شروع کئے۔ جن کے لئے وینس کے رؤسا نے ایک خاص رقم معین کر رکھی تھی۔ ایک سال کے بعد اُس نے اٹلی کے تمام کتب خانوں کی سیر کی۔ اور بہت سے قلمی نسخے جمع کئے۔ جن سے اُس کا مقصد یہ تھا کہ جالینوس اور سلسوس کی تصانیف کو صحت کے ساتھ ترتیب دیکر شائع کیا جائے۔

اس کے بعد فرانس اور جرمن کی سیر کرتا ہوا انگلستان کو لوٹ گیا۔ کیمبرج پہنچ کر ایم۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے والوں میں شامل ہو گیا۔ اور وہیں مطب جاری کر دیا۔ اس کے علاوہ شروزبری اور ناریچ میں بھی وہ کامیابی سے ڈاکٹری کرتا رہا۔ رفتہ رفتہ اس کی شہرت اس قدر ترقی کر گئی کہ وہ ایڈورڈ ششم کا خاص طبیب مقرر ہو گیا۔ اس کے بعد ملکہ آلزبتھ اور ملکہ میری کا بھی یہی ڈاکٹر بنایا گیا۔ پھر ۱۵۴۷ء میں کالج الاطباء کا فیلو بنا۔ بعدہٗ اسے دوا ور عہدے اور اعزاز حاصل ہوئے۔

۱۵۵۲ء میں اُس نے ایک چھوٹی سی کتاب پسینہ کی بیماری پر۔ جو ۱۵۵۱ء میں

شہر شروزبری کے اندر پھیل گئی تھی۔ لکھی۔ اور بعد میں اس نے اس کتاب میں کچھ اضافہ کرکے اُسے لاطینی زبان میں شائع کیا۔ اس کتاب میں اُس نے بیماری مذکور کی ماہیت اور علامات کو نہایت صفائی کے ساتھ بیان کیا۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ جوڑوں کی شدید بیماری ہے۔ اس میں بدبودار پسینہ نکلتا ہے۔ اعضاء میں سخت درد بیہوشی، نبض میں تیزی، وغیرہ وغیرہ پسینہ کی بیماری کے بڑے بڑے علامات ہیں"۔ اسی کتاب میں اُس نے بسیار خوری (زیادہ کھانا) کے رواج کو بھی خوب آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ جو اُس کی اعلےٰ اخلاقی جرأت پر دلالت کرتا ہے۔ اس محقق کے خیالات اپنے زمانے سے بہت کچھ آگے تھے۔ اُس نے غسل کی تعریف کی اور ہر روز غسل کرنے والوں کو بہت کچھ سراہتا رہا۔ اور جسمانی ورزش کی بڑی نہایت تاکید کی ہے۔ اُس نے لوگوں کو اس طرف نہایت زور سے توجہ دلائی۔ کہ ان کو کم از کم اپنے جسم کی اتنی احتیاط کرنے کی تو ضرورت ہے۔ جتنی کہ وہ اپنے اونٹ یا گھوڑے کی احتیاط کیا کرتے ہیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ اُس نے نیم حکیموں اور اناڑی طبیبوں پر بھی لے دے کی ہے۔

۱۵۵۵ء میں ڈاکٹر کے کالج الاطباء کا پریزیڈنٹ منتخب ہوا۔ اور ۱۵۶۱ء تک اسی عہدہ پر رہا۔ اس زمانے میں اُس نے کالج کی ترقی کے لئے انتہائی جدوجہد کی اُس کی کارروائیوں کے کتابوں کی صورت میں چھپوا کر رکھنے کا اہتمام کیا۔ اُس کے آرائشی سامان میں خاطر خواہ اضافہ کرنے کے علاوہ اُس کا ایک خاص نشان مقرر کردیا۔ اُس کے حقوق و مراعات کی نگہداشت کے لئے بہتر سے بہتر انتظامات کئے۔

ڈاکٹر کے نے انگلستان میں جو سب سے نرالی بدعت پیدا کی وہ انسانی بدن کی چیر پھاڑ تھی۔ اٹلی سے واپس آنے کے تھوڑا ہی عرصہ بعد جراحوں کے مدرسہ میں علم تشریح بھی پڑھانا شروع کیا۔ ۱۵۶۲ء میں اس نے ملکہ الزبتھ سے اس قسم کا ایک خاص حکم نافذ کرایا کہ ہر سال دو مجرموں کی نعشیں چیر پھاڑ کے واسطے کالج الاطباء کو ملا کریں۔ اور کالج کے تمام اراکین کو ہدایت کی گئی کہ طلباء کو جسم چیر کر

دکھائے اور اُس کے مختلف حصّوں پر لیکچر دئے جائیں۔ اور اس سے انکار کرنے والے کو جرمانہ کی سزا دی جایا کرے۔ کیس نے چیر پھاڑ کے خرچ کے لئے ایک فنڈ بھی کھولا تھا۔

جان کیس کو عمر بھر تحصیل علم کا شوق رہا۔ کیمبرج سے چند سال اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے باعث اُسے خاص اُنس پیدا ہو گیا تھا۔ اُس نے سخت عدیم الفرصت اور مصروف ہونے کے باوجود گون ول ہال کو بہت کچھ ترقی اور شہرت دی حتیٰ کہ اُسے کالج کے درجہ تک پہنچا دیا۔ اُس کے سرمایہ میں اضافہ کیا۔ اُس کی عمارت کو وسیع بنوایا۔ نیز بیس وظائف اور تین فیلوشپ قائم کیں۔

بادشاہ فلپ اور ملکہ میری کے خاص شاہی فرمان کے مطابق کیس نے ۱۵۵۷ء میں گون ول اور کیس کالج کے لئے جدید ضوابط مرتب کئے۔ دوسرے سال وہ اُس کالج کا پرنسپل مقرر ہوا اور کیمبرج سے ایم۔ ڈی کی ڈگری یافتوں کے گروہ میں شامل کیا گیا۔ مگر اُس نے کچھ معاوضہ یا مشاہرہ لینے سے انکار کر کے ایک نیک مثال قائم کی اور کالج کی ترقی کا باعث ہوا۔ آخری وقت تک اِس خدمت کو برابر انجام دیتا رہا۔ اُس نے کالج اطبا کی پریسیڈنسی چھوڑ کر کیمبرج کی اُس عمارت کو جو کالج کے متعلق بن رہی تھی۔ مکمل کر دیا۔ ۱۵۶۲-۶۳ء اور ۱۵۷۱ء میں وہ پھر کالج آف فزیشنس کا پریسیڈنٹ مقرر ہوا۔ ڈاکٹر کیس بڑا مستعد اور قابل آدمی تھا۔ وہ ہر وقت کسی نہ کسی مفید مشغلہ میں لگا رہتا۔ اُس کے کئی ایک دشمن بھی پیدا ہو گئے تھے۔ وہ تین فیلو جن کو اُس نے اپنے کالج سے نکال دیا تھا۔ اُس پر دہریت اور مسیحی مذہب کی مخالفت کا الزام لگاتے تھے۔ چونکہ وہ مختلف المذہب بادشاہوں کا طبیب بھی عرصہ تک رہا اس لئے بھی اُس پر لامذہب ہونے کا احتمال کیا گیا۔ ایک طرف رومن مذہب کی کئی کتابیں اُس کے پاس موجود تھیں اور دوسری طرف پروٹسٹنٹ لوگوں کا ذکر آبرو ریز انداز سے کرتا تھا۔ ان وجوہ سے وائس چانسلر نے ایک بشپ کے ایما سے اُس کی کتابوں کو جلا دیا۔ اِس پر ڈاکٹر کیس سخت ناراض ہوا اور مخالفین کو اُن الفاظ سے یاد کیا جس کے وہ مستحق تھے۔

۱۸۵۷ء میں ڈاکٹر کے نے ایک کتاب برطانیہ کے کتوں کی بابت لکھی۔ جس میں نہایت عالمانہ ڈھنگ اختیار کیا گیا تھا۔ اس کتاب میں کتوں کی مختلف اقسام پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس کو بے حد قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا اور بعد میں ایک نامور محقق نے اُسے برطانیہ کے تذکرۂ حیوانات میں شامل کر لیا۔ یہ کتاب دوسری دفعہ ۱۸۸۰ء میں بھی طبع کرائی گئی۔ جان کے نے جالینوس۔ سلسوس اور بقراط کی مشہور کتابوں کے ترجمے شائع کئے اور کئی ایک مسودے چھوڑ مرا۔ اُس نے "طریقہ شفا" پر بھی ایک بسیط کتاب لکھی جس میں جالینوس اور مونٹینس کے اصول وطریقہ علاج کی تقلید کی ہے

کہا جاتا ہے کہ اُس نے اپنے مرنے کے دن کی نسبت پہلے ہی سے پیشگوئی کر رکھی تھی۔ چنانچہ اُس نے ۲۴۔ جولائی ۱۵۷۳ء کو اپنی قبر آپ تیار کرائی اور ۶۲ سال کی عمر پا کر اسی مہینے کی ۲۹ تاریخ کو لنڈن میں انتقال کیا۔ مگر اُس کی نعش کیمبرج میں دفن کی گئی ہے

(۴۵۱) گائی { GUY W. A. Guy } (ڈاکٹر)

ولیم آگسٹس گائی جس نے صحت عامہ کی ترقی کے لئے بے انتہا کوششیں کیں ۱۸۱۰ء کو چچسٹر (انگلستان) میں پیدا ہوا تھا اُس کے آباؤ اجداد تین پشت سے ڈاکٹری پیشہ چلے آئے تھے۔ پہلے اُس نے کرائسٹس ہسپتال لنڈن میں ڈاکٹری کی تعلیم شروع کی۔ پھر پانچ سال گائی ہسپتال کی پڑھائی کی۔ اُس نے ۱۸۳۱ء میں "دمہ" پر بہترین مضمون لکھ کر۔ لنڈن کی میڈیکل سوسائٹی کا اعلےٰ درجہ کا انعام حاصل کیا۔ پھر کیمبرج میں داخل ہُوا۔ ہیڈلبرگ (جرمنی) اور پیرس میں دو سال تک تعلیم حاصل کر کے اُس نے ۱۸۳۷ء میں ایم۔ بی کی ڈگری حاصل کی +

ولیم گائی ۱۸۳۸ء میں کنگس کالج لنڈن میں جورس پروڈنس (طب قانونی) کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ اور چند ماہ بعد اُس کالج کے متعلقہ ہسپتال کا اسسٹنٹ ڈاکٹر بن گیا اُسے شمار و اعداد قائم کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اس لئے ایک انجمن میں شامل ہوا اور ۱۸۴۳ء میں اُس کا آنریری سکریٹری مقرر ہو گیا۔ ۱۸۴۴ء میں شہری آبادی کی تفتیش صحت کی

کمیٹی کے سامنے لندن کے "قانون مطابع" کے بارہ میں یہ شہادت دی کہ اہل مطبع کو امراض سینہ لاحق ہوجاتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ وہ خراب اور متعفن ہوا ہے جو بالعموم مطابع (چھاپہ خانے) کے اندر پائی جاتی ہے۔ اُس نے خود بھی شہر والوں کی صحت کو ترقی دینے کے لئے ایک انجمن قائم کی۔ جس میں وہ اپنے پرزور لیکچر اور مضامین سناتا رہا۔ اور ملک وقوم کے سچے خیرخواہوں کو "حفظان صحت" کی اصلاح پر مائل کرتا رہا۔ زیادہ تر زور وہ اس پہلو پر دیتا ہے کہ مکانوں میں ہوا۔ اور روشنی کی آمد و رفت کے لئے کوئی عمدہ انتظام ہونا چاہیئے۔ بدر روؤں کی تعمیر کی ضرورت اور نان بائیوں کی صحت کی طرف بھی عوام کی توجہ مائل کی۔ شفاخانوں کی اموات پر مدلل بحث کی۔ اس کے علاوہ کئی اہم مباحث کی طرف حکام اور دیگر با اثر لوگوں کو توجہ دلائی۔ اس کے بعد ۱۸۷۳ء میں وہ انجمن شمار و امداد کا پریسیڈنٹ مقرر ہوا۔ اس نے جتنے مضامین رسالے اور کتابیں لکھی تھیں اُن کا شمار بہت زیادہ ہے اور اس مختصر میں گنجائش کی کمی ہے۔ لندن کے کالج الطباء میں اس نے ہارنوے۔ لوم لی اور کرون کے یادگاری لیکچر دئے۔ اس کے بعد اُس نے ایک مشہور کتاب لکھ کر مزید شہرت حاصل کی۔ گائی کے بقائے نام کی کفالت کرنے کو اُس کے حفظان صحت کی اصلاح اور اشاعت علم طب قانونی" کی ترقی وغیرہ مفید کارنامے کافی ہیں۔

(۴۵۲) گریگری { GREGORY James Gregory } (ڈاکٹر)

جان گریگری ۱۷۲۴ء میں بمقام سکاٹ لینڈ پیدا ہوا۔ اس کا باپ جیمز گریگری ایک مشہور محقق تھا۔ دوربین کی ایجاد کا سہرا اسی کے سر ہے۔ طب اُس کا خاندانی پیشہ تھا۔ جب جان کے باپ کا انتقال ہوگیا اُس کی عمر سات سال سے زائد نہ تھی۔ ابتدائی تعلیم شہر ابرڈین میں حاصل کی۔ اور ۱۷۴۱ء کو ایڈنبرا میں داخل ہوا۔ جہاں اُس نے منرو کلاں۔ سن کلیئر اور روتھر فورڈ جیسے علماء کی نگرانی میں مطالعہ کیا۔

۱۷۴۵ء و ۱۷۴۶ء میں لندن (ہالینڈ) میں جاکر آل بی نس سے طبی تعلیم حاصل کی۔

ایبرڈین سے ایم۔ڈی کی ڈگری اُسے اُس وقت ملی جب وہ اپنے ملک میں نہ تھا۔ سفر سے واپس آیا تو فلسفہ کا پروفیسر منتخب ہُوا۔ اور تین سال تک ریاضیات علم الاخلاق اور فلسفہ طبعی پر لیکچر دیتا رہا۔ ۱۷۴۹ء میں اس اسامی سے بدیں خیال سبکدوش ہوگیا کہ کچھ عرصہ تک اپنے کو طب کے مطالعہ میں مشغول و مصروف بنا سکے۔ ۱۷۵۲ء میں اُس کی شادی ایک بڑے رئیس کی بیٹی سے ہوگئی جو اپنے حسن و جمال اور فہم و فراست کی وجہ سے خاص شہرت رکھتی تھی۔ اس شادی کے جہیز میں بھی بہت سا مال و متاع ہاتھ آیا۔ جب اُس نے معلوم کیا کہ ایبرڈین میں نامی گرامی ڈاکٹروں کے مقابلہ میں مطب کا فروغ پانا محال ہے تو وہ ۱۷۵۴ء میں لنڈن کو چلا گیا۔ کیونکہ وہاں اُس کو اپنے پرانے دوستوں کی مدد سے کامیاب ہونے کی امید تھی۔ چنانچہ کئی ایک نامور اور با اثر آدمیوں سے اُس کا تعارف ہوگیا۔ اور بہت جلد رائل سوسائٹی کا فیلو منتخب ہُوا۔ اگرچہ اس شہر میں کامیابی کی کامل توقع تھی۔ مگر بڑے بھائی کے فوت ہوجانے کے باعث اُسے ۱۷۵۶ء میں ایبرڈین کو واپس جانا پڑا۔ جہاں پہنچتے ہی وہ طب کا پروفیسر مقرر ہوگیا۔ اس شہر میں وہ ۱۷۶۴ء تک مطب کرتا اور لیکچر دیتا رہا۔ اسی اثناء میں اُس نے ایک کتاب بھی شائع کی جس میں عالم حیوانات کا انسان کی قوائے اور حالت سے موازنہ کیا گیا ہے۔ پھر وہ ایڈنبرا میں چلا گیا۔ اور ۱۷۶۶ء میں ڈاکٹر روتھرفورڈ کے انتقال پر اُس کی جگہ پروفیسر منتخب ہُوا۔ اسی سال میں سکاٹ لینڈ کی جانب سے وہ شاہ انگلستان کا طبیب خاص بنایا گیا۔ اوائل میں وہ طب عملی پر لیکچر دیتا رہا۔ پھر کلن کے ساتھ مل کر یہ قرار پایا کہ وہ ایک سال طب نظری اور دوسرے سال طب عملی کی تعلیم دیا کرے۔ اس کے لیکچر بہت عام فہم سادہ۔ اغلاق اور دقت سے معرا ہُوا کرتے تھے۔ اور اسی میں اُن کی عام مقبولیت کا راز ہے۔ اُس نے ڈاکٹروں کی خوبیوں اور اُن کے فرائض پر بعض قابل قدر لیکچر دئے تھے۔ جن کی وجہ سے اُس نے خاص شہرت حاصل کی۔ بعد میں اُن لیکچروں کو کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا۔ اور وہ نہایت پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھے گئے۔ چنانچہ

اُن کی فروخت سے جو فائدہ ہوا۔ وہ ایک ذہین اور محنتی طالب علم کو دے دیا گیا۔ ۱۷۷۲ء میں اُس نے ایک اور کتاب "طب عملی کے اصول" کے عنوان سے لکھی۔ جس کی نہایت قدر کی گئی۔ پھر اُس نے "باپ کا ورثہ لڑکیوں کے لئے" کے نام سے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی اور بہت ہی تھوڑے عرصہ میں اُس کے کئی ایڈیشن نکل گئے۔ اِس تصنیف کی وجہ سے مرنے کے بعد اُس کی بہت شہرت ہوئی۔ ذیل میں اُس کا تھوڑا سا اقتباس دیا جاتا ہے:۔

"بے وقوف سے شادی نہ کرنا" دوسرے جانوروں کی تربیت ہو سکتی اور اُن کو حسب منشا رہایا جا سکتا ہے۔ مگر بے وقوف کبھی درست نہیں بن سکتا۔ وہ اپنے نکمے جذبات اور بیہودہ خواہشات سے ہدایت پذیر ہو کر گمراہ رہتا ہے۔ وہ عقل کا دشمن ہے اور اُس کی شکل سے اُس پر وحشت سوار ہو جاتی ہے۔ بے وقوف میں سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اُس کی حکومت (اقتدار) کی وجہ سے ہر وقت جلتا رہتا ہے۔ اُس کو راہ راست پر لانا دشوار ہے۔ وہ ہر روز سخت حماقتوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ جس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے زعم فاسدہ میں یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ میں بھی کچھ کر سکتا ہوں۔ جاہل آدمی نیک اور وفادار شوہر نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی بیوی کی طرف سے ہمیشہ بدظن رہتا ہے۔ کیونکہ اُس کا ذاتی تجربہ صرف نکمی اور بداخلاق عورتوں تک محدود ہوا کرتا ہے۔ اگر صاحب اولاد ہو تو اپنی بیوی اور بچوں کو خوفناک اور مہلک امراض میں مبتلا کر دیتا ہے"۔

جان گریگری نہایت سمجھ دار اور فیاض طبیعت شخص تھا۔ اُس کی گفتگو نہایت موثر ہوتی۔ اُس کی شرافت۔ سادگی اور شائستگی قابل توصیف تھی۔ وہ اپنے شاگردوں پر نہایت مہربانی کرتا۔ ہر وقت اور ہر ایک ممکن طریقہ سے اُن کی امداد کرنے کو تیار رہتا۔ سکاٹ لینڈ کے مشہور فلاسفر ڈیوڈ ہیوم سے اُس کی بہت گہری دوستی تھی۔ اِس کے علاوہ دیگر مشاہیر عہد سے اُس کا تعارف تھا۔ اس فاضل ڈاکٹر نے فروری ۱۷۷۳ء کو نقرس میں مبتلا ہو کر یکایک انتقال کیا۔ یہ شکایت اُسے گاہے گاہے تکلیف دیا کرتی

بھی آخر پچاس سال کی عمر پاکر اس کے حملہ سے جانبر نہ ہو سکا۔

(۴۵۳) **گریگری جان** GREGORY John Gregory (ڈاکٹر)

جیمز گریگری جان گریگری اول کا بیٹا تھا۔ ۱۷۵۳ء میں بمقام ایبرڈین اُس کی پیدائش ہوئی۔ اُس نے ابتدائی تعلیم اڈنبرا میں حاصل کی اور بعد میں تھوڑا عرصہ آکسفورڈ میں بھی پڑھتا رہا۔ اُسے السنہ قدیمہ (پرانی زبانوں) کا بڑا شوق تھا۔ جس کی وجہ سے اُس نے لاطینی میں معقول دستگاہ بہم پہنچائی تھی۔ جیمز اڈنبرا میں ڈاکٹری تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ کہ ۱۷۷۳ء میں اُس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ اُس نے اپنے باپ کے لیکچروں کو مکمل کرنے میں ایسی قابلیت ظاہر کی تھی کہ باپ کی اسامی اُسی کے لئے مخصوص کر دی گئی۔ ۱۷۷۴ء میں اُس نے ایم۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اور اُس کے بعد فرانس۔ جرمنی وغیرہ میں تعلیم پاتا رہا۔ ۱۷۷۶ء میں جب اُس کی عمر تیئیس سال کی تھی وہ "انسٹی ٹیوٹ آف میڈیسن" کا پروفیسر مقرر ہوا۔ دوسرے سال سے اُس نے مریضوں کی اصل حالت دکھا دکھا کر تعلیم دینی شروع کی اور اسی طریق پر وہ بیس سال تک لیکچر دیتا رہا۔ ابتداً اُس کی پریکٹس بہت محدود تھی۔ مگر جب اُس کے طلبہ تحصیل علم سے فارغ ہو کر مطب کرنے لگے تو وہ اکثر مریضوں پر اُسے بلا کر مشورہ کرتے۔ چند سال بعد کلن کا انتقال ہو جانے پر اُس کے مطب کو نہایت فروغ نصیب ہوا۔ اپنی عمر کے آخری حصہ میں وہ سکاٹ لینڈ کا ایک نہایت مشہور ڈاکٹر سمجھا گیا۔ اِس زمانے میں اُس کا مطب بھی سب سے زیادہ رونق پذیر تھا۔

۱۷۸۰ء سے ۱۷۸۲ء تک کے درمیانی اوقات میں گریگری نے لاطینی زبان میں "عملیات طب" پر ایک کتاب لکھی۔ جس کی دور دور تک شہرت ہو گئی اُسے نہ صرف برطانیہ کے ڈاکٹروں نے پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا بلکہ تمام برِاعظم یورپ کے اطبّاء نے بھی اُس کی نہایت قدر کی اور اُسے طب کی اعلےٰ ترین

میں شمار کرنے لگے۔ چنانچہ ایک بالکل محدود عرصہ میں اُس کے متعدد ایڈیشن نکل گئے اس کتاب کا سب سے زیادہ قابل قدر وہ حصہ ہے جس میں بیماریوں کے طریقۂ علاج پر بحث کی گئی ہے ۱۷۹۰ء میں وہ کلن کے انتقال پر اُس کا جانشین مقرر کیا گیا۔ طب عملی کی تعلیم دیتا رہا اور مرتے دم تک اسی میں مصروف رہا۔ بحث و مباحثہ کے شوق کے ساتھ اُس کی خاص استعداد بھی رکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مختلف قسم کی علمی بحثوں اور جھگڑوں میں اُلجھ گیا جنہوں نے اُس سے پہلے بھی کئی ایک ڈاکٹروں کی زندگی برباد کر دی تھی۔ ڈاکٹر گریگری نے اسی قسم کی بحثوں پر کئی ایک کتابیں اور رسالے شائع کئے۔ ہم اس موقعہ پر اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر انہیں اوقات میں وہ اپنے علم اور دماغ سے طبی تحقیقات کا کام لیتا تو یقیناً بنی آدم کو اُس کی ذات اُس کے علم اور اُس کی قابلیت سے بہت فائدے پہنچتے۔

"انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" آٹھویں ایڈیشن میں ڈاکٹر آلی سن اُس کے متعلق لکھتا ہے:۔ "گریگری کی گفتگو سے اُس کی ذہانت" دلیری و بے باکی، اور ارادہ کی استقامت نمایاں تھی۔ وہ دوستوں سے مروت کا برتاؤ کرتا تھا۔ وہ نہایت فیاض طبع اور عالی حوصلہ شخص تھا۔ عوام کی واہ واہ اور تحسین و آفرین کی پرواہ نہ کرتا۔ بلکہ بعض دفعہ اس سے بگڑ جاتا۔ بحث میں کبھی ہار نہ مانتا۔ بلکہ اپنے مخالفوں کو حوالہ جات اقتباسات اور ظریفانہ تقریروں سے حیران بنا دیتا تھا۔"

گریگری اپنے لیکچروں میں عمدہ مفید اور قابل عمل باتوں پر زور دیا کرتا تھا۔ اُس کا یہ مقولہ تھا کہ "سب سے اچھا وہ طبیب ہے جو اس بات کے اندازہ کرنے پر قادر ہے کہ میں کیا کر سکتا ہوں اور کیا نہیں کر سکتا۔" اُس کے زمانے میں پیتھالوجی (علم الامراض) بہت بُری حالت میں تھی۔ اس وجہ سے وہ دوسرے ڈاکٹروں کے خیالات اور قیاسات کو قابل قدر نہ سمجھتا تھا۔ لیکن وہ بیماریوں کی تشخیص اور علامات کی بناء پر اُن کی رفتار ترقی کی نسبت صحیح اندازہ کرنے کی اعلیٰ قابلیت رکھتا تھا۔ اور دوا کے فعل و اثر کو بھی نہایت قابل لحاظ سمجھتا۔ وہ اس بات کا

سخت مخالف تھا کہ ایک ڈاکٹر کا علاج جاری ہو اور دوسرے سے علاج یا نسخہ تجویز کرایا جائے۔ جب کسی مریض کو افاقہ ہونے کی امید نہ ہوتی تو وہ دوا تجویز کرنے کی تائید کرتا۔ یہ لائق ڈاکٹر اس خیال کا بھی مؤید تھا کہ سوزشی امراض میں فصد کھولنا بہتر ہے۔ نیز امراض مزمنہ کے دوران کی روک تھام کے لئے پیش بندی کرنا بہت مفید ہوتا ہے۔ وہ مے نوشی کا مخالف تھا۔ تکان نہ پیدا کرنے والی ورزش اور بے فکری سے مشاغل ذہنی میں مصروف رہنے کا بڑا حامی تھا۔

وہ نہایت برجستہ اور مسلسل تقریر کرسکتا تھا۔ اور غضب کا حافظہ رکھتا تھا۔ جب کسی مریض اور اس کے مرض کی علامات کو دیکھ لیتا تو بھولتا نہ تھا۔ مریض کے نام ہی سے اس کی بیماری کی خصوصیات بیان کر دیتا تھا۔ طلبہ کو اس سے اس قدر محبت تھی کہ وہ اس پر جان نثار کرنے کے لئے تیار رہتے۔ اس نے اپنی شگفتہ دلی خوش مزاجی اور بذلہ طرازی سے لیکچروں کو واضح کرنے کی قابلیت سے ان کے دلوں کو اپنا مسخر اور گرویدہ بنا رکھا تھا۔ وہ نہایت مستعد اور مستقل مزاج ہونے کے علاوہ انتہا درجہ کا ذہانت کو بھی تھا۔ مریضوں کے رشتہ داروں یا دوستوں کو اپنے صحیح خیال اور رائے سے نہایت بے تکلفی کے ساتھ مطلع کر دیتا تھا۔ اپنے ہم پیشہ معاصروں سے بھی بیحد اخلاق اور مہربانی سے پیش آتا۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں وہ ایڈنبرا کے اندر نہایت آزاد رائے اور زبردست ڈاکٹر تسلیم کیا جاتا تھا۔

جیمز گریگری اکثر کہا کرتا تھا کہ ڈاکٹری میرا پیشہ ہے جس سے سلسلہ معاش وابستہ ہے مگر مابعد الطبیعیات میری زندگی کی تفریح اور سہارا ہے۔ مشہور فلسفر جان ریڈ نے قوائے ذہنی پر جو مضامین لکھے تھے۔ وہ گریگری اور ڈگل سٹوارٹ کے نام سے موسوم کئے تھے۔ علم السنہ کا شوق اس کی طبیعت میں خاص طور پر ودیعت کیا گیا تھا۔ چنانچہ ۱۷۸۷ء میں اس نے اس کے متعلق ایک مدلّل اور محقق مضمون ایڈنبرا کی انجمن فلسفہ کے سامنے پڑھا تھا۔ ۱۷۹۲ء میں اس کے فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ دو جلدوں میں شائع کیا گیا۔ جن میں آزادی اور ضرورت کے پرانے مسائل سے

بحث کی گئی تھی۔ چونکہ وہ زیادہ تر فلسفی مباحث کی اُدھیڑ بُن سے دلچسپی رکھتا تھا اس لئے اُس نے ڈاکٹری کے متعلق کوئی نئی دریافت کرنے سے اپنے ملک و قوم کو فائدہ نہیں پہنچایا۔ اس کے چوتھے لڑکے جیمز نے کیمسٹری (علم کیمیا) میں کمال درجہ کی مہارت حاصل کر لی تھی۔ وہ جرمنی کے مشہور فلاسفر لی بگ کا دوست۔ نیز اُس کے کیمسٹری کے خطوط کا مترجم اور ایڈنبرا یونیورسٹی میں کیمسٹری کا اُستاد تھا۔ ڈاکٹر جیمز گریگری نے اپریل ۱۸۲۱ء کو اس جہان فانی سے رحلت کی +

(۶۹۴) **گریوز** { GROVES Robert James Groves } (ڈاکٹر)

رابرٹ گریوز ۱۷۹۵ء یا ۱۷۹۶ء میں پیدا ہوا تھا۔ اُس نے ابتدائی علوم سے فارغ ہو کر ڈاکٹری کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اور ڈبلن کی یونیورسٹی سے ۱۸۱۸ء میں ایم۔ بی کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد وہ اعلےٰ سکولوں میں پڑھتا رہا۔ لنڈن سے براعظم یورپ کو نقل گیا۔ وہ کئی ایک مشہور میڈیکل سکولوں میں تعلیم پائی پھر ایڈنبرا میں داخل ہوا۔ اسی طرح تین سال کے عرصے تک اپنے وطن ڈبلن (آئرلینڈ) سے باہر پھرتا رہا۔ اُسے زبانوں کی تحصیل میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ ایک دفعہ آسٹریا میں اُس کا پروانۂ راہداری کھو یا گیا تو اُسے جرمن زبان میں پوری مہارت رکھنے کی وجہ سے پولیس نے جرمن جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا۔ اور دس روز تک قید رکھا۔ ۱۸۲۱ء میں گریوز ڈبلن کو واپس آگیا اور آتے ہی بہت کچھ نام اور عزت حاصل کر لی۔ اُس سال وہ میتھ ہسپتال کا ڈاکٹر بنایا گیا۔ چند خیر خواہان ملک سے مل کر اپنے شہر میں ایک میڈیکل سکول کھولا۔ اُن ایام میں مریضوں کی حالت دیکھ کر علامات معلوم کرنے کی کوشش نہ کی جاتی تھی۔ ایڈنبرا کے ڈاکٹروں کا طریقۂ تعلیم بھی گریوز کو پسند نہ آیا۔ اُس زمانے میں طلباء کو بطور خود تحقیقات کرنے کی ہدایت نہ کی جاتی تھی۔ اور نہ انہیں اُس کی خاص تربیت ہوتی تھی۔ اُنہیں مرض کی علامات اور علاج عملی طور پر نہ سکھایا جاتا تھا۔ اور بیماروں کے علاج میں بھی اُن سے مدد نہ لی جاتی تھی۔ وہ صرف کتابوں کو

پڑھ کر ڈگریاں حاصل کر لیتے تھے۔ اِس فاضل محقق نے میتھ ہسپتال میں ابتدائی لیکچر دیتے ہوئے کہا " موجودہ حالت میں تجربہ بہت سی جانیں ضائع کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اِس بات کو پوشیدہ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہر سال بیسیوں جانیں اِسی جہالت اور ناتجربہ کاری کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ جو بالعموم طبقۂ غرباء کی تعداد کو کم کرتی ہیں۔ مگر اس کا تدارک بہت محال نظر آتا ہے"

گریوز نے ان خرابیوں کو محسوس کرتے ہوئے مروجہ طریقوں کو نظرانداز کر دیا اور اپنا انوکھا ڈھنگ اختیار کیا۔ اُس نے اوپر کی جماعت کے چند ہشیار لڑکوں کو چند مریضوں کے علاج اور اُن کی نگہداشت پر مقرر کر دیا۔ اور اُنہیں یہ ہدایت کی کہ مختلف امراض کو ابتداءً ترقی اور موجودہ حالت کو مشاہدہ کے بعد قلمبند کرو۔ پھر اُن بیماروں کو خود دیکھا۔ اور طلباء نے جو کچھ اُن کے مرض کی وجہ اور علامات کے متعلق لکھا تھا۔ اُسے اپنے مشاہدہ کے ساتھ ملا کر جہاں غلطی نظر آئی اُسے اُن کے ذہن نشین کر دیا۔ اُس کا تعلیم میں ہمیشہ یہی دستور رہا۔ وہ لیکچر روم میں تشخیص مرض کی رفتار۔ اُس کے بعد کے رُخ اور علاج پر بحث کرتا۔ ایک طالب علم ایک بیمار کو دیکھ کر نسخہ لکھتا۔ پھر اُستاد اُسے دیکھتا اور جہاں غلطی پائی جاتی اُس کی اصلاح کر دیتا۔ گریوز نے اپنے شفاخانہ میں لڑکوں کو سکھانے کا یہی طریقہ پسند کیا تھا۔ اور اس سے طلباء کو بے حد فائدہ پہنچا۔

جس طرح اور نئی باتوں کی ابتداءً مخالفت ہوا کرتی ہے۔ اُسی طرح اس محقق کے مذکورہ بالا طرزِ عمل کی بھی نہایت سختی کے ساتھ مخالفت ہوئی۔ دوسرے ڈاکٹروں نے کھلیوں میں اُڑایا اور آوازے کسے۔ لیکن وہ اپنے فن کا کامل اُستاد اور طلیق اللسان اسپیکر (تقریر کرنے والا) تھا وہ اپنی موثر تقریر سے سُننے والوں کی توجّہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا۔ اور اپنے مطالب کو اُن کے دلوں پر خوب نقش کر دیتا۔

اس کے بعد ڈاکٹر گریوز کو "ڈبن کالج آف فزیشن" اور کنگس کالج کا فیلو منتخب ہُوا۔ پھر وہ "انسٹی ٹیوٹ آف میڈیسن" (مدرسۂ طبیہ) کا پروفیسر بنایا گیا۔ اِس عہدہ

کا چارج لیتے ہی اُس نے فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) کو رواج دیا۔ ۱۸۲۶ء سے
۱۸۲۸ء تک کے اثنائے زمانے میں اُس نے ڈبلن کے مشہور میڈیکل رسالے میں
فزیالوجی کے متعلق کئی ایک مفید مضامین شائع کرائے۔ جن کے عنوان "خصوصیات
"اتفاق ہستی" "مزاج و اشتہا" "قوت لمس" وغیرہ تھے۔ مگر مصنف ہونے کی حیثیت سے
جس قدر شہرت اُسے نصیب ہوئی ہے۔ وہ اُس معرکۃ الآرا تصنیف کی بدولت ہے
جو اُس نے ۱۸۴۳ء میں طب عملی کے متعلق لکھی۔ اس کتاب کی بہت کچھ قدر کی گئی
اور کئی ایک غیر زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہوئے ۱۸۴۳ و ۱۸۴۴ء میں وہ "آئرش کالج آف
فزیشن" کا پریسیڈنٹ مقرر ہوا۔ اور ۱۸۴۹ء میں رائل سوسائٹی لندن کا فیلو بنایا
گیا۔ اُس کے تجربات کا یہ نتیجہ تھا کہ محرقہ اسہالی اور محرقہ دماغی دو مختلف بخار نہیں
ہوتے۔ اُس کا ایک یہ بھی قول ہے کہ مریض کا فصد کھولنے یا خوراک نہ دینے کا
طریقۂ علاج معقول نہیں ہے۔ بخلاف اس کے اُس نے اس امر پر زور دیا ہے کہ
مریضوں کو عمدہ اغذیہ اور محرکات دیگر تقویت دینی چاہیئے۔

گریوز نے اپنے درسی لیکچروں میں اسباب ہیضہ اور اُس کی تاریخ و ابتدا سے
بحث کی ہے۔ اُس نے سر توڑ کوششوں سے جا بجا مشاہدات کا خاص انتظام کیا۔
حال میں جو بین الاقوام سائنسی کانگریس قائم ہوئی ہے وہ ایک حد تک اُسی کی
مساعی جمیلہ کی مشکور ہے۔ اگر اُس کی زندگی چندے اور وفا کرتی۔ تو وہ بہت سے
اچھے کام انجام دیتا۔ وہ اپنے تلامذہ (شاگردوں) سے جو دنیا کے تقریباً تمام حصوں
میں پھیلے ہوئے تھے۔ برابر خط و کتابت جاری رکھتا۔ ڈاکٹری مباحث کے علاوہ اور
کئی قسم کے علمی مضامین رسالوں اور اخباروں میں لکھا کرتا۔ ایک دفعہ کسی شخص کا جو
مریض تھا علمی و ادبی کام خود کیا اور اُس کے خاندان کو احتیاج سے بچایا۔
بالآخر اُس نے جگر کے ایک مرض میں مبتلا ہو کر مارچ ۱۸۵۳ء میں انتقال کیا۔

ڈاکٹر سٹوکس نے جو گریوز کا شاگرد تھا۔ اُس کی نسبت یہ الفاظ قلمبند کئے ہیں
قدرت اُس پر بہت مہربان تھی۔ وہ دراز قامت اور وجیہ آدمی تھا۔ گفتگو میں

اُس کا کوئی مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ اُس کے معلومات مختلف النوع اور وسیع و صحیح تھے۔ وُہ باتوں باتوں میں دوسروں کی غلط فہمی کی ایسے ڈھنگ میں تصحیح کر دیتا۔ کہ اُنہیں ناگوار بھی نہ ہوتا۔ وہ بڑا با مروّت اور نیک دل آدمی تھا۔ اگر کوئی اُس کے اوپر ذرا سا احسان بھی کرتا تو بے حد شکر گزار ہوتا۔ وہ راستبازی کا شیدا تھا۔ اور اُن لوگوں سے ملنے کا روادار نہ تھا جو سچ کو جھوٹ میں مخلوط کر دینے کے عادی ہیں۔ وہ انتہا درجہ کا ظریف مزاج اور خوش مزاج تھا۔ حاضر جوابی میں بعض اوقات دل شکن باتیں بھی کہہ دیتا تھا۔

(۴۵۵) گل GULL Sir William Withey Gull (ڈاکٹر)

ولیم گل ۳۱۔ دسمبر ۱۸۱۶ء کو کلفور سپ ولی سوگن ضلع اسیکس (انگلستان) میں پیدا ہوا تھا۔ ابتدائی تعلیم سیخ کے طور پر پائی اور بعد میں گائی ہسپتال لندن میں ڈاکٹری سیکھنے لگا۔ اس ہسپتال سے ولیم کو کچھ ایسا اُنس ہو گیا کہ وہ پندرہ برس تک اُس کے اندر یا اُس کے قرب میں رہا۔ ۱۸۴۱ء سے اُس نے لندن یونیورسٹی کی طرف سے ایم.بی کی ڈگری حاصل کی۔ اور پانچ برس بعد اُسی یونیورسٹی سے ایم ڈی کی سند بھی پائی۔ اسی سال وہ کالج اطباء کا فیلو منتخب ہُوا۔ دوسرے سال تعلیم گاہ شاہی میں پروفیسر آف فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) مقرر ہُوا۔ اور کامل دو برس تک اس عہدہ کے فرائض انجام دیتا رہا۔

ایم ڈی کی ڈگری لینے کے بعد ڈاکٹر گل گائی ہسپتال کے طلبہ کی تعلیمی امداد کے لئے مقرر ہو گیا۔ اُن کا میڈیکل اتالیق معین ہُوا ۱۸۴۳ء میں اُس نے علم طبیعی پر لیکچر دینے شروع کئے۔ اس کے بعد ۱۸۴۶ء میں گائی کے میڈیکل سکول میں تشریح نسبتی اور فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) کا پروفیسر منتخب ہُوا ۱۸۴۳ء میں وہ اُس زنانہ پاگل خانہ کا سپرنٹنڈنٹ بنایا گیا جو بیس پاگل عورتوں کے واسطے مخصوص تھا۔ اس لئے اُسے پاگل خانے کے پاس سکونت اختیار کرنی پڑی۔ اور ڈاکٹر کنولی کا تعارف

بھی حاصل ہوا۔ جو پاگلوں کے طریقہ علاج اور پاگل خانوں کی اصلاح کے لئے نہایت مشہور شخص تھا۔ گل نے اس سے پاگلوں کے علاج کا طریقہ سیکھا۔ اور اُسے پاگل عورتوں پر ایسی کامیابی کے ساتھ آزمایا کہ بالآخر سب پاگل عورتیں اچھی ہوکر اپنے اپنے گھروں کو چلی گئیں۔ اسی اثناء میں وہ گائی ہسپتال کا معاون ڈاکٹر مقرر ہوا۔ اور رفتہ رفتہ وہاں کا انچارج ڈاکٹر بن گیا۔ اس ہسپتال میں اس نے پڑھانے کا ایک نرالا ڈھنگ اختیار کیا۔ یعنی طلباء کو مریضوں کی اصلی حالت دکھا کر تشخیص علامات اور طریقہ علاج سکھاتا تھا۔ اور اسی وجہ سے اس نے کچھ نام بھی پیدا کیا۔ سنہ ۱۸۵۹ء میں وہ ایک اور ڈاکٹر کی معاونت میں علم الادویہ کی تعلیم دینے لگا۔ اور سنہ ۱۸۶۷ء تک اسی میں مصروف رہا۔ اس کے بعد وہ پروفیسری سے دست بردار ہو گیا۔ کیونکہ اس کی پریکٹس بہت بڑھ گئی تھی۔ لیکن تاہم ضروری معاملات میں اس سے مشورہ ضرور کیا جاتا تھا۔ اور اس فرض کو بھی وہ دیر تک ادا کرتا رہا؛

گل کی حذاقت اور غیر معمولی دانائی کی بہت جلد قدر ہوئی اور اس کے مطب کو اتنا فروغ ہوا کہ نئی باتوں کے دریافت کرنے کی بالکل فرصت نہ ملی۔ جس سے میڈیکل سائنس (فن طب) اس کے طبی اکتشافات سے محروم ہو گیا۔ مگر بایں ہمہ جو کچھ بھی اس نے لکھا بہت کچھ قابل قدر ہے اور غور و فکر کرنے والوں کو اس میں مستقل فوائد کا سامان مل سکتا ہے۔ اس نے لقوہ پر سنہ ۱۸۴۹ء میں گلسٹنی لیکچر تحریر کئے۔ مراق اور دیوانگی دماغ پر متعدد مضامین لکھے۔ رینالڈس کے نظام طب پر بھی اعلیٰ درجہ کے مقالے مرتب کئے۔ گائی ہسپتال کی سنین ۵۶ و ۵۷ و ۵۸ اور سنہ ۱۸۶۱ء کی رپورٹوں میں نصف جسم کے فالج پر نہایت عالمانہ مضامین شائع کئے۔ اس کے علاوہ عصبی جوع الکلب اور جبلی جنون کے متعلق محققانہ بحثیں کلینکل سوسائٹی کی کارروائیوں کی کتاب میں لکھیں۔ اس نے ڈاکٹر بیلی کی شمولیت میں کالج اطباء کے لئے ہیضہ کے متعلق جو رپورٹ لکھی۔ اور ڈاکٹر سٹلن کی شرکت میں شریانی عروق شعریہ (خون کی بال جیسی باریک رگوں) کی ابتری پر جو مضمون مرتب کیا۔ ان کو نہایت قدر کی نگاہوں سے

دیکھا جاتا ہے۔ جو لوگ اِن مسائل سے کما حقہٗ واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں اُن کو اِن مضامین کا مطالعہ کرنا ضروری ہے ؛

۱۸۶۱ء میں ڈاکٹر گل نے ہنٹیرین سوسائٹی کے سامنے ایک بڑا فصیح لیکچر دیا۔ جس میں اس امر کی معقولیت کو پایہ ثبوت تک پہنچایا کہ "خاص قسم کے امراض کا خصوصی علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ ۱۸۶۸ء میں برٹش ایسوسی ایشن کے سامنے اُس نے علم الادویہ کے اُس تعلق پر۔ جو اُسے مرض کی حالت کے ساتھ ہے۔ نہایت فاضلانہ تقریر کی۔ فن ڈاکٹری میں ترقی کرنے کے ساتھ ساتھ علمی دنیا میں اُس کی عزت و شہرت بھی بڑھتی گئی۔ وہ یونیورسٹی کی سینٹ کا ممبر بن گیا۔ اس کے بعد ۱۸۵۹ء سے ۱۸۶۱ء تک کالج الطباء کا محاسب مقرر ہُوا۔ پھر ۱۸۷۲ء و ۱۸۷۳ء میں بھی اسی عہدہ پر مامور رہا۔ ۱۸۶۳ و ۱۸۶۴ء میں کالج مذکور کا مشیر بنایا گیا۔ اُس کو آکسفورڈ کی یونیورسٹی سے ایک خاص علمی ڈگری عطا ہوئی۔ اور اس سے دوسرے سال رائل سوسائٹی نے اُسے اپنا فیلو انتخاب کیا۔ ۱۸۸۰ء میں کیمبرج یونیورسٹی اور ۱۸۸۲ء میں اڈنبرا یونیورسٹی سے ایل ایل ڈی کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۸۷۳ء میں وہ "جنرل میڈیکل کونسل" کا شاہی رکن مقرر ہُوا اور اسی منصب پر ۱۸۸۳ء تک بحال رہا۔ ۱۸۷۱ء کو ولیعہد بہادر کی علالت کے زمانے میں وہ بھی معالج رہا تھا جس کے صلہ میں دوسرے سال اُسے بیرونٹ کا موروثی خطاب عطا کیا گیا۔ اور ملکہ معظمہ مرحومہ کا خاص ڈاکٹر مقرر ہُوا ؛

شراب خواری کے اسباب کی تفتیش کے لیے ۱۸۷۷ء میں جو خاص کمیٹی مقرر ہوئی تھی۔ اُس کے سامنے سر ولیم گل نے یہ شہادت دی تھی کہ الکحل (شراب) دوائی اعتبار سے ایک گھٹیا درجہ کی چیز ہے۔ یہ صرف اس وجہ سے کارآمد ہے کہ نظام اعصاب پر تخفیف درد وغیرہ کے متعلق اِس کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔ مگر کوئی تحریکی اثر نہیں پڑتا۔ ہر روز سینکڑوں آدمی اسی شراب کے زہریلے اثر سے ہلاک ہوتے ہیں۔ مگر افسوس کہ شراب پینے والے اس کے قاتل اثر سے بے خبر ہیں۔ اُس نے آہستہ آہستہ ترک شراب کے متعلق رائے دی۔ وہ کہتا ہے کہ زہر ہلکی مقدار میں کھانا مفید نہیں ہے۔ اگر اس زہر

کے خوفناک اثر سے بچنا چاہتے ہو تو شراب کو فوراً چھوڑ دو۔ وہ اپنی نسبت بیان کرتا ہے کہ جب میں کثرت کار سے تھک جاتا ہوں تو کشمش کھا لیتا ہوں۔ شراب کو بالکل نہیں چھوتا۔ وہ دماغی کام کے لئے شراب کو مضر خیال کرتا تھا۔ زندہ جانوروں کی چیر پھاڑ اور اُن پر تجربے کرنے کا حامی تھا۔ اور اسے حیوان اور انسان دونوں کے لئے ایک مفید فعل سمجھتا تھا۔ اُس کا قول تھا کہ بظاہر جانوروں کو دکھ دینا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر اُس سے بھی زیادہ یہ مذموم امر ہے کہ لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے ہزارہا انسانوں اور حیوانوں کو اُن امراض کے حوالے کر دیا جائے۔ جن کی روک تھام انسانی تدبیر سے ہو سکتی ہے۔ اُن لوگوں پر افسوس ہے جو اسے غلط فہمی سے بیرحمی خیال کرتے ہوئے۔ اس مفید علم کی ترقی کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں ؂

(۴۵۹) لارنس { LAWRENCE Sir William Lawrence } (ڈاکٹر)

ولیم لارنس جولائی ۱۷۸۳ء کو بمقام سرن سسٹر۔ انگلستان میں پیدا ہوا تھا۔ اُس کا باپ برسوں تک سرجن رہا۔ گلوسٹر میں ابتدائی تعلیم حاصل کر کے ۱۷۹۹ء میں مشہور زمانہ ڈاکٹر ابرنیتھی کا شاگرد بنا۔ اور اُسی کی خدمت میں رہنے لگا۔ تین سال کے بعد ابرنیتھی نے اُسے اپنا معاون مقرر کیا۔ جب وہ طلبہ کو لیکچر دیتا۔ تو یہ چیر پھاڑ کے تجربے دکھاتا۔ بارہ برس کا طویل عرصہ اسی حالت میں گزرا۔ ۱۸۰۵ء میں وہ لنڈن کے کالج جراحاں کا ممبر بنایا گیا۔ اور ۱۸۱۳ء میں بارتھولومیو ہسپتال میں اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوا۔ اسی برس وہ رائل سوسائٹی کا فیلو بھی انتخاب کیا گیا ؂

۱۸۰۱ء کو اُس نے پروفیسر مرے متوطن اپسالہ کی مشہور و مفید لاطینی کتاب کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ اِس بے نظیر تصنیف میں نظام شریانی کا مفصل اور واضح ذکر ہے۔ اس کے بعد ۱۸۰۶ء میں اُس نے ایک انعامی مضمون علاج فتق پر لکھ کر کالج جراحاں کا انعام حاصل کیا۔ جو شائع ہوتے ہی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا۔ اُس کی اِس قدر قدر کی گئی کہ تھوڑے ہی عرصے میں کئی بار چھپ اور بک گیا۔

علاوہ ازیں لارنس نے فن جراحی اور تشریح کے متعلق متعدد مضامین لکھے۔ جن میں کئی ایک اڈنبرا کے طبی رسالے میں بھی شائع ہوئے۔ اُس نے اخراج سنگ مثانہ (پتھری نکالنے) کے متعلق تحقیقات کی اور اس امر پر نہایت وثوق ظاہر کیا کہ "چاقو سے چیر کر پتھری نکالنا بہترین طریقہ ہے"۔ ۱۸۱۴ء میں وہ مورفیلڈس میں "شفاخانہ علاج چشم" میں سرجن مقرر ہوا۔ اور دوسرے برس برائیڈول اور بتھلم کے شاہی شفاخانوں کا محاسب مقرر ہوا۔ ۱۸۱۵ء میں وہ لندن کے "کالج جراحاں" میں تشریح اور فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) کا پروفیسر انتخاب کیا گیا۔

ڈاکٹر ابرنتھی نے ۱۸۱۶ء میں ہنٹر کے "نظریۂ حیات" کی توضیح کی لارنس نے اپنے لیکچروں میں اُس کے خلاف رائے دی۔ اور اُس میں اس قسم کے خیالات ظاہر کئے جو اُن خیالات کے نقیض تھے۔ جو جان کو گوشت اور پوست کے ڈھانچہ سے بالکل الگ قرار دیتے ہیں۔ اُس پر ابرنتھی نے اپنے فزیالوجی کے لیکچروں میں جواب دیا۔ دوسرے سال ۱۸۱۸ء میں اول الذکر نے آخرالذکر کی تردید ایسے مخالفانہ انداز سے کی کہ اُستاد اور شاگرد کے درمیان عداوت و عناد کا بیج بو دیا گیا۔ ۱۸۱۶ء میں نسبتی تشریح اور فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) کی تمہید میں لارنس کے لیکچر شائع ہوئے اور اُس کے بعد ۱۸۱۹ء میں۔ فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) زوآلوجی (علم الحیوانات) اور انسان کی طبیعی تاریخ پر اُس کے لیکچروں کا مجموعہ طبع کرایا گیا۔ ڈاکٹر ابرنتھی نے اپنے لیکچر گاہ میں اُس پر بعض الزام لگائے کہ "لارنس اُس عہدہ کی جس پر اُسے "کالج جراحاں" نے مقرر کیا ہے۔ توہین کر رہا ہے۔ کیونکہ وہ ایسے خیالات کی ترویج میں کوشش کرتا ہے۔ جس سے ملک و قوم کو سخت قسم کے نقصانات پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ وہ اُن قیود و قواعد کو توڑنے کے درپے ہے۔ جن پر بنی آدم کی فلاح موقوف ہے۔ لیکن لارنس نے بے حد بے باکی اور ہشیاری سے ان الزامات کی تردید کی اور نہایت سرگرمی کے ساتھ اپنے خیالات کی حمایت کرتا رہا۔ درحقیقت وہ اس قسم کی مباحث میں اپنے پیشرو اطباء سے اور علم الحیوۃ کے روشن خیال علماء سے علیحدہ رائے

پر نہ چلتا تھا۔ عام لوگوں نے اُسے ناحق بدعنی قرار دیا۔ اُس کے دامن خیالات کی ۱۸۲۰ء میں ایک رسالہ کے اندر خوب دھجیاں اڑائی گئیں۔ بلکہ رفتہ رفتہ اِس علمی بحث پر مذہبی رنگ چڑھا دیا گیا اور اُس کو اِلحاد (بے دینی) کا فتویٰ دے دیا گیا۔ بالآخر اُسے برائڈول اور بتھلم کے شفاخانوں سے مستعفی ہونے کے لئے مجبور کیا گیا۔ مگر اُس نے استعفاء دینے کی بجائے۔ ان خیالات سے توبہ کی اور اپنی کتاب "انسان کی طبعی تاریخ"، خرید کر امریکہ بھیج دی۔ کیونکہ وہاں اُس کی اشاعت معیوب و ممنوع نہ تھی ◆

لارنس اور آبرنیتھی کے باہمی تنازع میں اُن کے ماتحت و مداح لوگ بھی طرفدارانہ حیثیت سے شامل ہو گئے تھے۔ جس کے باعث ایک نیا میڈیکل سکول کھولا گیا جہاں وہ اور اُس کے ہمخیال تعلیم دیتے رہے۔ ۱۸۲۸ء میں لارنس بارتھولومیو ہسپتال لندن میں ابرنیتھی کی جگہ جراحی پڑھانے کو مقرر ہوا۔ "شفاخانہ امراض چشم" میں دیر تک رہنے کی وجہ سے اُسے آنکھوں کی بیماریوں میں نہایت ماہر سمجھا جاتا تھا۔ اُس نے ۱۸۳۰ء میں آنکھوں کے امراض زہری (آتشکی و سوزاکی امراض چشم) پر۔ اور ۱۸۳۳ء میں آنکھوں کے معمولی عوارض پر ایک عمدہ کتاب لکھی۔ ۱۸۳۶ء میں اُس نے جراحی کے متعلق اپنے لیکچروں کا مجموعہ شائع کیا۔ جو بے حد قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے مضامین اور کتابیں شائع کیں۔ جن کا تذکرہ عدم گنجائش کی وجہ سے قلم انداز کیا جاتا ہے ◆

سر جیمز پیجٹ براڈسپی ولیم لارنس کے شاگرد تھے۔ اُنہوں نے اپنے اُستاد کی نسبت ایام طالب علمی میں لکھا تھا کہ "اُس کے معلومات کا ذخیرہ بہت بڑا ہے۔ وہ بے حد محنتی ہے۔ اُس کے قوائے آخذہ نہایت اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ اس سے کچھ عرصہ بعد سر جیمز ممدوح نے یہ بھی لکھا۔ کہ "لارنس گفتگو میں بہت ہشیار ہے۔ اپنے مافی الضمیر (دل کی بات) کو تمثیلات کے ذریعہ سے خوب واضح کرتا ہے۔ کبھی کبھی دوسروں کی باتوں کو ہنسی میں اُڑاتا ہے۔ اُس کی عام تقریریں بے حد متانت کو لئے ہوئے ہوتی ہیں اُسے زبان پر انتہائی عبور حاصل ہے۔ اور اُس سے کام لینا بھی اُسی کا حصہ ہے

اُس کی طرزِ تحریر سلاست- اور دلچسپی کی وجہ سے نظیر نہیں رکھتی- اُس میں کسی قسم کی صنعت اور بناوٹ کی جھلک نظر نہیں آتی- وہ اپنے پیشہ کا یکتا اُستاد ہے- اور یہ سب ایسی بدیہی باتیں جن میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا ؎

"کالج جراحاں" لندن کے اندرونی انتظام و اصلاح کے متعلق جو شور و غل اخبار لینسٹ نے مچایا تھا- اُس میں لارنس بھی اُس کا ہمنوا (ہم آواز) بن گیا- اور اُس کے پُرانے ڈھانچے کے خلاف نہایت سختی کے ساتھ نکتہ چینی کی- جس کا خاتمہ کالج کے ارباب حل و عقد کی طرف سے یوں کر دیا گیا کہ اُسے بھی انتظامی کمیٹی کا ممبر بنا لیا گیا- اِس تدبیر نے یہاں تک اثر دکھایا کہ وہ قدیم ہمخیالوں کو بھی بُرا بھلا کہنے لگا- اور بقیہ عمر میں وہ اسی اصول کی پابندی کرتا رہا ؎

لارنس دو دفعہ "کالج جراحاں" کا پریسیڈنٹ منتخب ہُوا- اُس نے ہنٹر کی یادگار میں لیکچر دیا- جس کے دوران میں نہ صرف انتظامی کمیٹی کی کارروائی کو حق بجانب قرار دیا بلکہ اُس کی مدح سرائی بھی کی- مگر یہ تقریر اُس کی اعلےٰ فصاحت و بلاغت کا نمونہ اور اُس کی بہترین قابلیت کا معیار ثابت ہوئی ؎

۱۸۶۵ء میں اُس کی قوت جسمانی صلب ہونے لگی- اور نصف جسم کے فالج کے دوسرے دورہ نے جو "کالج کونسل ہال" میں واقع ہُوا تھا اُسے بہت کچھ بدحال کر دیا- مگر آخر دم تک ہوش و حواس میں فرق نہ آیا- وہ اپنی زندگی میں ملکہ معظمہ کا خاص سرجن ہُوا اور دیر تک رہا- پھر سارجنٹ سرجن ہو گیا- وفات سے تین ماہ پیشتر اُسے نائٹ کا مستقل خطاب عطا ہُوا تھا- لارنس بڑا مستعد با ہمت اور چُست چالاک آدمی تھا- بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے وعدہ کا بڑا پابند تھا- مرتے دم تک اُس کی توانائی قائم رہی- اور چلتا پھرتا دنیا سے رخصت ہو گیا- یہ فاضل ڈاکٹر عقلی خوبیوں کے لحاظ سے بہت بڑے رتبہ کا انسان تھا- اُس کی قابلیتیں اعلےٰ درجہ کی تھیں طرزِ تحریر بہت مدلّل- واضح اور عام فہم تھی- بولنے میں وہ اپنا ثانی نہ رکھتا تھا- جرّاحی اعمال میں اس کے کام کی صفائی شہرۂ آفاق تھی- وہ اپنے عزیزوں اور دوستوں

سے ہمیشہ مروت اور مہربانی کا سلوک کرتا تھا۔ اُس کا مطب نہایت وسیع تھا اور وہ ہر قسم کے سہل و دشوار امراض کے علاج کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔

(۴۵۷) **لجلاج** (حکیم)

خلیفہ منصور عباسی کا شاہی طبیب تھا اور نہایت حاذق و تجربہ کار۔ وہ اخیر وقت میں خلیفہ منصور کے سفر حج میں اُس کے ساتھ تھا۔ ایک دن کسی دوست سے حالت سرور میں پیشینگوئی کی کہ خلیفہ جس قدر بوڑھا ہوتا جاتا ہے مزاج کی گرمی اس میں خشکی بڑھا رہی ہے۔ مزید براں اُس نے اب حج کے لئے سر منڈایا ہے اور اُس پر خوشبو لگایا کرتا ہے۔ اگر یہی حالت چند روز قائم رہی اور وہ میری فہمائش کو نہ مانا تو راستہ ہی میں اُسے اِس طرح کا مرض لاحق ہوگا کہ مکہ مکرمہ تک شائد ہی زندہ پہنچے۔ چنانچہ اُس کی یہ بات بالکل سچ نکلی۔ منصور مقام فید میں خشکی دماغ کا شاکی ہوا اور مکہ مکرمہ پہنچتے ہی فوت ہوگیا۔

(۴۵۸) **لسٹر** { LISTER Sir Joseph Lister } (ڈاکٹر)

لارڈ (سر جوزف) لسٹر ۱۸۲۷ء میں پیدا ہوا تھا۔ اُس نے ۱۸۴۷ء میں لندن کی یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اور پھر اُسی کے شعبۂ طب میں داخل ہوگیا۔ اس کے بعد ۱۸۵۲ء میں ایم۔ بی کی ڈگری پائی۔ اِس ڈگری کے اولین امتحان میں "تشریح" اور "علم النباتات" کے متعلق اعلےٰ مہارت رکھنے کی وجہ سے۔ اور جراحی کے آخری امتحان میں بہتر ثابت ہونے کے باعث اُسے وظیفہ اور طلائی تمغے عطا کئے گئے۔ اسی سال میں وہ شاہی کالج اطبا کا فیلو بنایا گیا اور ۱۸۵۵ء میں اُس نے ایڈنبرا یونیورسٹی سے بھی ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی۔

لسٹر نے فراغت تعلیم کے بعد فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) کے اُن جزئیات کی تحقیقات شروع کردی جن کا طب اور اعمال جراحی کے ساتھ نہایت قریبی اور گہرا

تعلق تھا۔ اُس نے محققانہ طبیعت رکھنے کی وجہ سے عالم شباب ہی میں کافی نام پیدا کر لیا تھا۔ اُس نے فن جراحی کے متعلق کئی ایک اچھوتے مضامین لکھ کر فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) میں اپنی کامل مہارت کا ثبوت دیا تھا۔ اگر وہ اس کے بعد انٹی سیپٹک (دافع تعفن) تراکیب کی ایجاد نہ بھی کرتا۔ تاہم مذکورہ بالا تحریریں اُس کی عالمگیر شہرت کے لئے کافی تھیں۔ سنہ ۱۸۵۳ء میں اُس نے آئرس (آنکھ کا طبقہ عنبیہ) کی انقباضی قوت کی ساخت کے متعلق تحقیقات شروع کی۔ پھر جلد کی عضلاتی ساخت کیموس کے بہاؤ۔ اور غیر اختیاری عضلات کے ریشوں کی باریک ساخت پر غور کرنے لگا۔ اور اپنی دماغی و عقلی کوششوں کے نتائج کو ایک علمی رسالہ میں شائع کرادیا۔ سنہ ۱۸۵۷ء میں اُس نے رائل سوسائٹی کے ہاں کئی مضامین بھیجے۔ جن میں سے ایک کے اندر اعصاب انتشاعی سے اُن کا تعلق ظاہر کیا۔ دوسرے سال ایک مضمون نظام عصبی کے اُن حصوں پر تھا جو شریانی انقباض کو تحریک دیتے ہیں لیکن "سوزش کے ابتدائی منازل" پر اُس نے بعد میں جو دو مضامین لکھے۔ اور "انجماد خون" پر بیادگار کرون سنہ ۱۸۶۳ء میں جو لیکچر دیا۔ اُن کو نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔

یہ فاضل محقق چند سال تک ایڈنبرا کے خاص میڈیکل سکول جراحی کا معلم رہا بعد میں گلاسکو یونیورسٹی میں جراحی کا پروفیسر اور شاہی شفاخانہ کا جراح مقرر ہوا۔ ان اہم اور ممتاز عہدوں کے دوران میں اُسے اپنے ضروری فرائض کی انجام دہی کے متعلق بعض اس قسم کے حالات اور واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے وہ اس مسئلہ پر غور کرنے کی طرف رجوع ہوگیا کہ آپریشن کے بعد زخم کو ایسے طریقہ سے باندھا جائے کہ اُس میں گلنے سڑنے اور دیگر تبدیلات کے مضر اثرات پیدا نہ ہونے پائیں۔ سنہ ۱۸۶۰ء میں اُس کے شفاخانہ کے اندر جراحی کا ایک خاص صیغہ کھولا گیا۔ اگرچہ اُس کی عمارت ہر طرح سے حفظان صحت کے مطابق بنوائی گئی تھی۔ لیکن وہ سخت مضر صحت ثابت ہوئی۔ اُس میں سرخ بادہ۔ پائیمیا (خون میں پیپ پڑ جانا) اور ہاسپٹل گینگرین (غانغرایا ہسپتالی

وغیرہ امراض نہایت سرعت کے ساتھ نمودار ہو گئے خصوصاً اس عمارت کے نچلے حصہ میں رہنے والے مریضوں کو سخت نقصان پہنچا۔ لسٹر چند سال تک اس امر کا مشاہدہ کرتا رہا کہ مردوں کے لئے مخصوص وارڈ ہیں جن مریضوں کے زخم کھلے رہتے ہیں وہ ہسپتال کی آب و ہوا کے باعث اور بھی بُری صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور جن مریضوں کو یہ حالت پیش نہیں آتی۔ وہ کسی قسم کی مزید تکلیف میں مبتلا نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ تمام مذکورۃ الصدر شکایات سے بری رہتے ہیں۔ انہیں دنوں شفاخانہ کی مہتمم جماعت کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ شہری آبادی کی ترقی کو مدنظر رکھتے ہوئے شفاخانہ میں مریضوں کے لئے معقول تعداد میں چارپائیاں بہم پہنچائی جائیں لسٹر نے اپنے زیر تحویل وارڈوں میں چارپائیاں بڑھانے کی مخالفت میں نہایت پُرزور آواز اٹھائی ؂

کبھی کبھی بعض وارڈوں میں اس قدر موتیں واقع ہوا کرتی تھیں کہ ان کو کچھ عرصہ کے لئے بند کرنا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ ان میں ایک ایسا مرض پھیل گیا جس سے کثیر التعداد مریض ہلاک ہو گئے۔ اس وقت بعض ڈاکٹروں نے اس کی اصلی وجہ دریافت کرنے کے لئے سرگرم کوششیں کیں۔ آخر یہ بات ظاہر ہوئی کہ نچلے حصہ کے دو مردانہ وارڈوں کے نیچے چند فٹ کی گہرائی میں مُردوں کے بہت سے تابوت ہیں۔ جو ۱۸۴۹ء کی وبائے ہیضہ میں وہاں دفن کئے گئے تھے۔ اور ان کی حالت میں زیادہ تغیر واقع نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ ان کے کپڑے تک پہچانے جاتے ہیں۔ اس پر حیرت ظاہر کی گئی کہ مرض نے اس سے بھی زیادہ خطرناک صورت کیوں اختیار نہ کی۔ اس خوفناک دریافت کے بعد لسٹر نے ۱۸۶۷ء میں۔ برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن کے اجلاس منعقدہ ڈبلن میں ایک لیکچر دیتے ہوئے بیان کیا۔ کہ گذشتہ نو ماہ کے دوران میں جن مریضوں پر انٹی سیپٹک (دافع عفونت) دوا کا تجربہ کیا گیا وہ حمی عفنیہ۔ سرخ بادہ اور غانغرایا سے بالکل بچے رہے۔ اور ان میں ایک موت بھی واقع نہیں ہوئی ؂

شفاخانہ کی مہتمم جماعت نے اس قسم کے مضر صحت اثرات کو دور کرنے کے لئے

تمام ممکن کوششیں کیں۔ اور تا بامکان اُن میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مردوں پر بہت سا ان بجھا چونہ اور کار بالک ایسڈ ڈال کر انہیں جلا دیا گیا۔ کیونکہ گلی سڑی نعشوں کو ایک جگہ سے اُکھیڑ کر دوسری جگہ دفن کرنے میں سخت عفونت پھیلنے کا اندیشہ تھا۔ پھر اُس زمین پر خشک مٹی کی ایک موٹی تہ جمائی گئی اس کے علاوہ دیگر کئی ایک تجاویز اس مُضر اثر کے دفعیہ کے لئے عمل میں لائی گئیں۔ شفاخانہ کے قریب رومن کیتھولک گرجا کا احاطہ تھا جہاں غرباء کی نعشیں دفن ہُوا کرتی تھیں اس وجہ سے بھی اس شفاخانے کے بُہت مریض ہلاک ہوتے تھے۔ لیکن ڈاکٹر لسٹر نے زخموں پر چھڑکنے کے لئے جو دافع عفونت مرکبات ایجاد کئے تھے وہ بے حد مفید اور کارآمد ثابت ہوئے۔

۱۸۶۴ء میں اُس کو یہ سُن کر تعجب ہُوا کہ کارلیسل شہر کی بدر روؤں میں بدبُو دُور کرنے کے لئے تھوڑی مقدار میں کاربالک ایسڈ ڈالا جاتا ہے۔ اور اُس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ شہر کے گندے پانی سے سیراب ہونے والے کھیتوں کی عفونت زائل ہو جاتی ہے۔ اور اب اُن کھیتوں یا چراگاہوں میں چرنے والے مویشیوں کو انتھراکس (نملہ) کی جو بیماری ہو جایا کرتی تھی لاحق نہیں ہوتی۔ یہ فاضل محقق کچھ عرصہ سے زخم میں پیپ پڑنے کے مسئلہ پر غور و فکر کر رہا تھا اُس نے خیال کیا کہ اس عقدہ کے حل ہونے میں اس قسم کے دافع تعفُّن جوہر سے ضرور مدد ملیگی۔ چنانچہ اسی سے کمپونڈ فریکچر (کسر مرکب) کے علاج میں اُس کو کاربالک ایسڈ سے کام لینے کی تحریک ہوئی۔

مارچ ۱۸۶۵ء میں اُس نے اپنے ایجاد کردہ انٹی سپٹک (دافع عفونت جوہر) کو گلاسکو کے شفاخانہ میں رائج کیا۔ اوائل میں یہ دوا صرف کسر مرکب اور دمامیل میں استعمال ہوتی تھی۔ لیکن ۱۸۶۷ء کے بعد ہر قسم کے جراحی اعمال میں مستعمل ہو گئی۔ اس کے بعد اُس نے پاسٹیور کے مسئلہ جراثیم کا مطالعہ شروع کیا اور اُس کے متعلق تجربات پر غور کرتا رہا۔ جس سے اُس کو اپنے دافع عفونت مرکب کی اختراع میں بہت کچھ مدد ملی۔ اُس نے خود کئی ایک تجربے کئے اور اس امر کے دریافت کرنے کی کوشش کی

کہ سڑاند کس وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ آخر وہ بہت سے غور و تامل کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ زخموں کی سڑاند میں ننھے ننھے کیڑے ہوا کرتے ہیں جو خوردبین کے سوا نظر نہیں آتے۔ اور زخموں کے اندر جو مادہ گل سڑ جاتا ہے وہ کرۂ ہوا کے نہایت ننھے ننھے جراثیم سے متولد (پیدا) ہوتا ہے۔ پروفیسر ٹنڈل کے تجربات سے یہ بات ثابت ہو چکی تھی۔ کہ روئی ہوا کے باریک کیڑوں کو سرایت کرنے سے روکتی ہے۔ اس سے نیز ڈاکٹر مریڈتھ (متعلقہ میڈیکل سروس ہندوستان) کے اشارات سے اُس کو روئی باندھ کر ہوائی جراثیم کو روکنے کی تدبیر سوجھی۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس نظریہ کو مدنظر رکھتے ہوئے خود روئی ہوائی جراثیم سے بری رہ سکتی ہے؟ اس لئے اُس کو پہلے پاک کر لینے کی ضرورت ہے۔ اس کا انسداد و انتظام لسٹر نے کاربالک ایسڈ کے استعمال سے کیا۔ جس کے اثر سے زخموں میں سڑاند پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کے متعلق سب سے پہلا مضمون اُس نے طبی رسالہ لنسٹ میں شائع کرایا تھا جس کے متعلق فاضل اڈیٹر کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

"پروفیسر لسٹر نے جو خیال کمپونڈ فریکچر (کسر مرکب) کے علاج میں کاربالک ایسڈ کے استعمال کی نسبت قائم کیا ہے۔ اگر وہ مزید تجربات اور تحقیقات سے معقول اور صحیح ثابت ہو جائے تو اس سے جو عظیم فائدہ اہل ملک کو پہنچیگا اُس کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔ اگرچہ پروفیسر ممدوح نے موسیو پاسٹیور کے اکتشافات پر اپنے اصول علاج کی بنیاد قائم کی ہے۔ لیکن کسر مرکب اور کھلے ہوئے پھوڑوں اور دیگر اقسام کے زخموں کے معالجہ میں کاربالک ایسڈ سے بکامیابی کام لینا اُسی کا حصہ ہے"

عمل جراحی کے بعد خون میں زہر مل جانے کا ایک بڑا خطرہ محسوس کیا جاتا تھا بعض جراح ہرچند نہایت صفائی کے ساتھ عمل کرتے۔ مگر مابعد کے اثر کو روکنا اُن کے اختیار سے باہر ہوتا۔

سر جیمز یجٹ نے ۱۸۶۲ء میں یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ کہ حُمّیٰ عفینہ کے مریضوں کو ایسی جگہ رکھنے سے بہت فائدہ ہوتا ہے جہاں تازہ اور صاف ہوا کی بلا روک ٹوک آمد و رفت ہو۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ کمرہ کے اندر کی ہوا میں بیماری کے جراثیم زیادہ

پائے جاتے ہیں۔ اور باہر کی تازہ ہوا میں اُن کا وجود بہت کم ہوتا ہے۔ مگر لسٹر نے یہ تجویز کی کہ کیڑوں کو زخم تک پہنچنے ہی نہ دیا جائے۔ اور جو پہلے سے موجود ہوں اُن کو ہلاک کر دیا جائے۔ تازہ ہوا کی درآمد قطعی مسدود رہے۔ چنانچہ ذیل کی تمثیل میں اس مسئلہ کے متعلق کافی وضاحت موجود ہے۔

۳۱ دسمبر ۱۸۶۳ء کو ایک چند روز کے بچھڑے پر اسی محقق کے قاعدہ کے مطابق تجربہ کیا گیا۔ چمڑے کی باریک نسوں سے بھی کام لیا گیا اُن کو کاربالک ملے ہوئے پانی میں چار گھنٹے تک تر رکھا گیا۔ زخم کے اردگرد کے بال صاف کر دئے گئے۔ السی کے تیل میں کاربالک ایسڈ ملا کر اس کو مقام ماؤف پر ملا تاکہ کسی قسم کے جراثیم رہنے نہ پائیں۔ جن کی وجہ سے زخم میں سڑاند پیدا ہو جاتی ہے۔ اسپنجوں کو بھی کاربالک اور پانی کے مخلوط میں تر کر کے نچوڑا گیا۔ دوسرے تمام آلات کو بھی اسی مرکب میں دھویا گیا۔ یہاں تک کہ پٹی باندھنے والے نے اپنے ہاتھوں کو بھی اسی سے صاف کیا۔ اور تانت کے تار کو بھی جس سے زخم سیا گیا تھا۔ اسی لوشن (غسول) کو زخم کے اندر بھی ڈالا گیا۔ بخیہ کرتے ہوئے تار کا ایک سرا اندرونی مواد کے اخراج کے لئے کھلا رکھا گیا۔ تاکہ زخم کو سینے میں جو خون نکلے۔ اُسی کے ساتھ مل کر جراثیم داخل نہ ہو جائیں۔ سلائی کے بعد ایک دبیز کپڑے کی چوڑی پٹی اُس کے اوپر باندھی گئی۔ جو مرکب مذکور میں بھگو لی گئی تھی۔ اور وہ اس قدر چوڑی تھی کہ زخم کے اردگرد دور تک پھیل گئی۔ اس کے بعد ایک گدی رکھی گئی تاکہ پٹی اپنی جگہ سے سرکنے نہ پائے۔ پھر اُس پر گٹا پرچہ لگایا گیا تاکہ باہر سے کوئی چیز اندر کی پٹی تک نہ پہنچ سکے۔ ایک ہفتہ تک السی کا تیل اور کاربالک ایسڈ کا مرکب پٹی پر ڈالا جاتا رہا۔ پھر تین روز تک پٹیوں کو بالکل نہ ہلایا گیا۔ بعد ازاں سب پٹیاں وغیرہ اتار دی گئیں۔ زخم بالکل خشک اور کسی قدر سخت ہو گیا تھا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اُس بچھڑے کو مار کر دیکھا گیا تو تانت کے تار جاندار ساخت میں منتقل پائے گئے۔ اس قسم کے تجربات سے یہ معلوم ہو گیا کہ جانوروں کی نسیں دافع عفونت مرکب کے ساتھ مل کر بیحد مفید اور کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔

اوائل میں جو روئی کی ہلکی گدی زخموں پر لگائی جاتی تھی اُسے اُس کے وزن کے ½ حصہ کاربالک ایسڈ میں تر کر لیا جاتا۔ زخم کی سطح اور اُس کے اردگرد کی جگہ کو کاربالک ایسڈ ملے ہوئے پانی سے دھو لیا جاتا تھا۔ پھر روغن سے چرب کیا ہوُا ریشم کا ٹکڑا زخم کے برابر طول و عرض میں لگا دیا جاتا۔ تاکہ پٹیاں خشک ہو کر چپک نہ جائیں۔ اس کے بعد باریک ململ کی پٹی دوہرا کر لگائی جاتی مگر اُس کو بھی پہلے کاربالک لوشن میں تر کر لیتے۔ اِن سب چیزوں کے اوپر روئی کا ایک بڑا گالا لوشن مذکور میں بھگو کر باندھ دیتے اس صورت سے اگرچہ کاربالک تو اُڑ جاتا۔ مگر روئی کی گدی مدت تک زخم کو ہوائی جراثیم کے اثر سے محفوظ رکھتی۔

اِس کے بعد روئی کی بجائے اینٹی سپٹک گاز (دافع تعفن باریک ململ) تیار کی گئی۔ یعنی باریک ململ کو کاربالک ایسڈ کے سولیوشن میں تر کر کے خشک کر لیا گیا۔ اس گاز کی کئی ایک تھیں زخم کے اوپر لگائی جاتیں۔ اگر زخم یا پھوڑے کے اندر کسی قسم کے جراثیم نہ ہوتے یا باہر سے اُن کے داخل ہونے کا کوئی امکان نہ ہوتا تو چاہے اُس سے کتنا ہی مادّہ کیوں نہ خارج ہو رہا ہو۔ محض اسی قدر حفاظت کفایت کرتی تھی۔

اگر کسی حادثہ یا ضرب سے زخم ہوتا۔ اور اُس کے علاج کے لئے نشتر کے پاس جاتے۔ تو یہ ضروری بات تھی کہ اُس میں گرد اور اُس کے ساتھ ہی ہوائی کیڑے وہاں تک جاتے جاتے داخل ہو جاتے۔ اس لئے ڈاکٹر ممدوح کا دستور تھا کہ پہلے زخم کو کسی دافع تعفن لوشن (غسول) سے دھو لیتا۔ جب آپریشن کرتا۔ تو ایسے کمرے میں کرتا۔ جس کی ہوا کو خاص خاص اینٹی سپٹک (دافع عفونت) تدابیر سے صاف کر لیا جاتا۔ یعنی دواپاش کے ذریعہ سے کاربالک ایسڈ کو سارے کمرے کے اندر چھڑکا دیا جاتا۔ اس لوشن میں ایک حصہ کاربالک ایسڈ اور سو حصہ پانی ملایا جاتا تھا۔ اس طریق سے جو پھوڑے چیرے جاتے اور اُن کا مواد نکالا جاتا۔ اُن کے اندر کسی قسم کی نئی عفونت سرایت نہ کرنے پاتی۔ اور کئی ایک لاعلاج اور صعب بیماریوں کا کامیابی سے علاج ہو سکتا تھا۔

لسٹر نے شریانوں کے باندھنے میں بھی وہ ید طولے حاصل کیا تھا جو اس کے زمانے سے پہلے غیر ممکن تھا۔ اُس نے ٹانگ ہاتھ وغیرہ اعضاء نیز پتھری۔ رسولی اور دنبل شکم کو کئی دفعہ ایسی صفائی سے کاٹ کر رکھ دیا کہ جان کا اندیشہ کبھی لاحق نہیں ہوا۔ اس کے ہاتھوں سے اکثر خطرناک اعمال جراحی انجام پاتے تھے مگر اموات کا وقوع شاذ و نادر ہوتا تھا۔ سنائل گنگرین یعنی غانغرایائے شیخوخی کا علاج پہلے محال تھا لیکن اس قابل محقق کے اکتشاف سے اُس میں بھی حوصلہ افزا کامیابی ہونے لگی اس کے زمانے میں حمیٰ عفنیہ۔ غانغرایا (مزار پڑنا) اور سُرخ بادہ وغیرہ امراض شفاخانوں سے تقریباً معدوم ہو گئے تھے۔ اس طریقہ میں تھوڑے عرصہ سے اس قدر ترمیم ہو گئی ہے کہ کاربالک کی بجائے "کروسیبوسبلی میٹ" (دار چکنہ) کو البومن یعنی زلال کے ساتھ ملا کر ایک محلول تیار کیا جاتا ہے اور اُس میں تر کر کے سوتی جالی بنائی جاتی ہے۔ مگر آلات اسفنج اور جلد وغیرہ کو اُسی طرح کاربالک سے صاف کیا جاتا ہے۔ اگرچہ آیندہ محقق مذکور کی قائم کردہ بنیادوں پر کتنے بڑے عالیشان محل تیار ہو جائیں۔ لیکن اس سے انکار کرنا مشکل ہو گا کہ زخموں میں جراثیم کے دخل کا انسداد اُسی کی اختراع و ایجاد ہے۔ جو اُس کے بقائے نام کا بہترین وسیلہ ہے ❖

۱۸۸۰ء میں رائل سوسائٹی لندن سے اُسے شاہی تمغہ عطا ہوا۔ اور ۱۸۷۵ء میں اس نے خمیری تبدیلیوں کے نظریہ جراثیم پر ایک عالمانہ مضمون لکھ کر ایڈنبرا کی رائل سوسائٹی سے انعام حاصل کیا تھا۔ ۱۸۸۳ء میں اُسے نائٹ کا موروثی خطاب ملا۔ کیمبرج۔ ایڈنبرا اور گلوسگو کی یونیورسٹیوں نے اُس کو ایل ایل ڈی۔ کی اعزازی ڈگریاں عطا کیں۔ آکسفورڈ کی یونیورسٹی سے ایک اور علمی ڈگری حاصل ہوئی۔ چند سال تک شفاخانہ متعلقہ کنگس کالج کا سرجن بھی رہا۔ ۱۸۷۷ء میں اُسی کالج کے اندر عملی علم جراحی کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ اور ۱۸۹۳ء کو اس عہدہ سے مستعفی ہو گیا۔ ۱۸۹۶ء میں برٹش ایسوسی ایشن کا پریسیڈنٹ منتخب ہوا۔ ۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۰ء تک رائل سوسائٹی لندن کا بھی پریسیڈنٹ رہا۔ جس کو بہترین اعزاز سمجھا جاتا ہے ❖

۱۸۹۷ء میں سر جوزف لسٹر کو بیرن کا خطاب دیا گیا۔ اُس نے کئی ایک کتابیں بھی لکھی ہیں۔ اور علمی رسائل میں اُس کے محققانہ مضامین ایک مسلسل انداز سے شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس فاضل شخص نے اپنے قابل قدر انکشافات سے بنی نوع انسان کی ایسی خدمات انجام دی ہیں جن کو زمانہ کی گردش صفحۂ تاریخ سے محو نہیں کر سکتی۔ اعمال جرّاحیہ کے بعد زخموں اور پھوڑوں کے اندر سڑاند کے پیدا ہو جانے سے بیچارے مریضوں کو بیحد تکلیف ہوا کرتی تھی اور اسی وجہ سے اُن کے اندر بکثرت اموات واقع ہوتی تھیں۔ مگر لارڈ لسٹر کی محققانہ جدوجہد نے اس مصیبت کو ہمیشہ کے لئے دور کرکے اہلِ دُنیا پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ نہ صرف برطانیہ کی حدود ہیں بلکہ دُنیا کے دیگر حصوں میں بھی نہایت عزّت واحترام کے قابل سمجھا گیا۔ اُسے یونیورسٹیوں کی طرف سے مختلف علمی ڈگریاں عطا کی گئیں۔ وہ نہایت نیک نیت رحم دل۔ سادہ طبع اور شریف آدمی تھا۔ وہ فروری ۱۹۱۲ء کو اس دنیا سے رخصت ہُوا ٭

(۷۵۹) لسٹن LISTON Rebert Liston (ڈاکٹر)

رابرٹ لسٹن جسے فن جراحی میں کمال حاصل تھا۔ اکتوبر ۱۷۹۴ء کو سکاٹ لینڈ میں پیدا ہُوا۔ اُس کا باپ پادری جلیل القدر عالم اور گوناگون خوبیوں کا مجموعہ تھا۔ لسٹن چودہ سال کی عمر میں ”مکتبی تعلیم“ سے فارغ ہو کر ایڈنبرا کی یونیورسٹی میں داخل ہُوا اور دو سال تک لاطینی یونانی اور ریاضیات کی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ لاطینی میں مضمون نگاری کے لئے اُس نے انعام بھی حاصل کیا۔ اس زمانے میں اُس کو فن جہازرانی کے سیکھنے کا نہایت شوق تھا۔ مگر اُس کے باپ نے اُدھر سے روک کر اُسے ڈاکٹری کے مطالعہ کی ترغیب دلائی۔ چنانچہ اس شوق نے آخر عمر تک اُس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اس کے علاوہ کرکٹ اور فٹ بال وغیرہ ورزشی کھیلوں کا بھی وہ خاص طور پر شائق تھا۔ جو حفظانِ صحت کے معاون ہو سکتے ہیں ٭

لسٹن نے ۱۸۱۰ء میں ڈاکٹر بارکلے کے زیر نگرانی۔ طبی کورس کا مطالعہ شروع کیا

اور بہت جلد اپنے نامور اُستاد کی نظروں پر چڑھ گیا۔ ڈاکٹر بارکلے علم تشریح کا بہت بڑا فاضل اور ماہر تھا۔ جب اُس نے ہونہار طالب علم کی توجہ اور محنت کو دیکھا اور اُس کی علمی ترقی کی رفتار نہایت تیز پائی تو اُسے اپنا معاون مقرر کر لیا۔ لائق شاگرد ۱۸۱۵ء تک اس کام کو نہایت جفاکشی۔ عرقریزی اور ہشیاری سے انجام دیتا رہا۔ یہی وجہ تھی کہ بعد میں اُسے فن جراحی کی مہارت کے باعث بہت شہرت اور وقعت حاصل ہوئی۔

۱۸۱۵ء میں لسٹن اڈنبرا کے شاہی شفاخانہ میں ہوس سرجن بنایا گیا۔ جہاں اُسے مُردوں کی چیر پھاڑ کا عمدہ موقع مل گیا۔ ۱۸۱۶ء کو لندن چلا گیا اور وہاں "سینٹ جارج ہسپتال" میں کئی ماہ تک پڑھتا رہا۔ یہاں اُسے فاضل اور نامور ڈاکٹر ابرنیتھی کے لیکچروں میں شریک ہونا بھی نصیب ہوتا رہا۔ ۱۸۱۸ء میں اس نے "کالج جراحاں" لندن اور اڈنبرا سے ڈپلومے (سندات) حاصل کیے اور آخر الذکر شہر میں مطب کھولا۔ نیز تشریح کی تعلیم دینے میں اپنے پُرانے اُستاد کی مدد کرنے لگا۔ اسی اثناء میں اُستاد اور شاگرد میں کسی وجہ سے تنازع ہو گئی۔ اور لسٹن ۱۸۱۸ء میں اپنے طور پر طبی تعلیم دینے لگا۔ اس کے بعد ۱۸۲۳ء میں اُس نے تشریح کی بجائے فن جراحی سکھانا شروع کر دیا۔ وہ اس اسکول کی آمدنی کا بڑا حصہ خود لیتا اور باقی اپنے مددگاروں کو دیا کرتا تھا۔ اُس کے مددگاروں میں سائم نامی ایک اور قابل ڈاکٹر تھا۔ جس کے ساتھ اُس کے حریفانہ برتاؤ رہتے۔ ایک دوسرے سے جلتے رہنے کی وجہ سے دونوں کی رفاقت نبھ نہ سکی۔ اور بالآخر سائم نے اپنا تعلق سکول سے قطع کر لیا۔

لسٹن نے ایک چھوٹی سی کتاب علم تشریح کے متعلق شائع کی اور کئی ایک نہایت خطرناک اور دشوار جراحی اعمال انجام دیکر بےحد شہرت حاصل کی۔ اعضاء کے قطع کرنے اور پتھری نکالنے میں اُسے خاص مہارت تھی۔ اِن ایام میں لندن کے شاہی شفاخانہ کا انتظام ٹھیک نہ تھا۔ اُس نے نوجوان ہونے کے باوجود اُس کی اصلاح کا بیڑا اُٹھا لیا۔ شفاخانہ مذکور کے مہتمموں اور سرجنوں نے اُس کی پیش کردہ اصلاحی تجاویز کی بہت زور کے ساتھ مخالفت کی جس سے ایک مسلسل بحث شروع ہو گئی۔ کبھی مریض

وہاں کے طریقۂ علاج سے ناخوش ہو کر لسٹن کے مطب میں آ گئے۔ شاہی شفاخانہ مذکور کے ارکان نے اُس پر مریضوں کے ورغلانے کا الزام لگایا اور اس پر نہایت اصرار کیا۔ کہ آئندہ جو مریض ادھر سے ناراض ہو کر اُس کے پاس جایا کریں وہ اُن کا علاج نہ کیا کرے۔ لسٹن اس بات پر کچھ التفات نہ کرتے ہوئے اپنا کام کرتا رہا۔ اور اُن کے الزام کی تردید میں صاف طور پر کہہ دیا کہ "میں نے تمہارے مریضوں کو کبھی نہیں بہکایا بلکہ وہ خود تمہارے ناملائم سلوک سے تنگ آ کر میرے پاس آئے ہیں"۔

اس کے بعد شاہی شفاخانہ کے ڈاکٹروں نے اُس کے طلبا سے کہا کہ اگر تم ڈاکٹر لسٹن کے طریقۂ جراحی پر عمل کرو گے تو امتحان میں کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔ دوسری طرف لسٹن نے بھی بڑی ہشیاری اور قابلیت کے ساتھ یہ امر ثابت کر دیا کہ اُن ڈاکٹروں میں جو شفاخانہ مذکور کے اندر مامور ہیں کئی ایک نالایق محض ہیں۔ اُس نے خداداد حذاقت و دانائی کی وجہ سے شفاخانہ کے مہتمموں کے دلوں پر اپنی علمی فوقیت اور جراحی قابلیت کا نقش اچھی طرح سے جما دیا۔ چنانچہ وہ ۱۸۲۷ء میں شاہی شفاخانہ کا سرجن مقرر ہو گیا۔

ایڈنبرا کی یونیورسٹی میں فن جراحی کی ایک جگہ خالی ہوئی تو اُس نے بھی اُس کے حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ اُس کا اثر اور رسوخ محدود تھا۔ اس لئے ناکام رہا۔ ۱۸۳۴ء میں لندن چلا گیا وہاں کے ایک عظیم الشان سرکاری شفاخانہ کا ڈاکٹر اور یونیورسٹی کالج میں عملی جراحی کا اُستاد مقرر ہوا۔ ۱۸۳۳ء میں اُس نے ایک کتاب "اصول جراحی" کے نام سے شائع کی جو اس قدر مقبول ہوئی کہ کئی مرتبہ چھپی اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئی۔ اور اُس کی اشاعت سے لسٹن کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ اس کے بعد ۱۸۳۷ء میں اُس کی ایک کتاب "عملی جراحی" چھپی، جس میں بیشتر اُس کے اپنے ہی تجربات درج تھے۔ اُس کی بھی عام طور پر بہت قدر کی گئی۔ اُس کی تصنیفات خوبی تحریر کی وجہ سے پسندیدہ نہ ہوئی تھیں بلکہ اُن کی سب سے بڑی خوبی اعمال جراحی اور دیگر مطالب کی صحت اور درستی پر منحصر ہوتی تھی۔

وہ ایک نہایت قوی ہیکل۔ چُست و چالاک۔ مستقل مزاج متحمل۔ دلیر اور تیز فہم تھا۔ ایک نظر میں اصل حالت کو بھانپ لیتا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں نہایت صفائی تھی اور تشریح نیز پیتھالوجی (علم الامراض) کا کامل اُستاد تھا۔ بڑے بڑے خوفناک اور نازک آپریشن وہ بیحد دلیری اور صفائی سے کیا کرتا۔ عمل جراحی کرنے سے پہلے اُس کے ہر ایک پہلو کو سوچ لیتا۔ آڑے وقتوں میں اعلےٰ درجہ کی احتیاط اور عاقبت اندیشی کا ثبوت دیتا۔ انہی باتوں سے وہ اپنے ہمعصر جراحوں سے سبقت لے گیا تھا۔

اُس نے اَنُوْرِسما۔ ہوا کی نالی میں سوراخ کرنے۔ سنگ مثانہ کاٹ کر یا توڑ کر نکالنے اور اعضاء کاٹنے کے طریقہ پر متعدد مضامین لکھے اُس نے کئی نئے آپریشن اپنے خاص ڈھنگ سے کئے۔ اور وہی طریقہ دوسروں نے بھی اختیار کیا۔ بعض عملوں میں پُرانے طریقہ کی ترمیم کی۔ اُس نے ٹیڑھے پاؤں کے واسطے ایک نئی قسم کی جوتی وضع کی اور خلع (جوڑ اُترنے) کا امکان کم کر دیا۔ ایک شخص کے کولھے کی ہڈی دو سال سے اپنی جگہ کو چھوڑ چکی تھی مگر اُس نے بہت جلد درست کر دی۔ انگلیوں کے پوروں کی ہڈی چڑھانے کا بھی نیا طریقہ اختیار کیا۔ ٹوٹے ہوئے اعضاء کو باندھنے کے لئے نرالی قسم کی سپلنٹ (چپٹیاں) وضع کیں۔ اور پلاسٹک آپریشن یعنی مصنوعی ناک وغیرہ بنانے میں بھی جدت کا ثبوت دیا۔ وہ ران کو ایک ہی ہاتھ سے قطع کر دیتا۔ چنانچہ وہ بائیں ہاتھ سے شریان کو دبا رکھتا اور اپنے دائیں ہاتھ سے کاٹ چھانٹ کرتا۔ صرف ایک ہوس سرجن سے اِس قدر مدد لیتا کہ وہ مریض کے عضو کو تھامے رکھے اور شرائین کو باندھتا رہے۔ وہ مرض کو دیکھتے ہی یہ امر دریافت کر لیتا کہ اُس کے لئے کس قسم کے آپریشن اور کس حد تک احتیاط درکار ہے۔ تشریح کا مطالعہ آخر وقت تک برابر کرتا رہا۔

ایک دفعہ لسٹن نے ایک ایسے مریض کی ران پر عمل جراحی کیا۔ جو ایڈنبرا یونیورسٹی میں "عملی جراحی" کا پروفیسر تھا۔ اُس کی کٹی ہوئی ہڈی میں ایک شریان سے بہت خون بہنے لگا۔ چونکہ شریان مذکور ہڈی کے درمیان تھی۔ اِس لئے اُسے باندھنا دشوار تھا۔ قابل جراح نے اُسی وقت جراحی چاقو سے میز کی لکڑی کا ایک ٹکڑا کاٹا۔ اور اُسے مخروطی

شکل میں تراشکر شریان کے اندر ٹھونس دیا۔ جس سے فوراً خون بند ہوگیا۔ یہ واقعہ اُس کی اعلےٰ حذاقت اور قوت اختراع پر دلالت کرتا ہے ✤

اُس لائق محقق نے طریقۂ علاج میں بھی اصلاح کی۔ دوسرے ڈاکٹر آپریشن کے بعد مریضوں کے زخموں کو کئی کئی روز تک پٹیاں اور پولٹیس وغیرہ باندھتے رہتے ہیں اور مختلف قسم کی دوائیں استعمال کرتے رہتے ہیں۔ مگر اُس نے ان سب تدابیر کو غیر ضروری ٹھہرایا اور صرف طبیعت پر چھوڑ دینے کو ترجیح دی ✤

۱۸۴۰ء میں اُسے ایڈنبرا کے شاہی کالج جراحاں کی کمیٹی کا ممبر منتخب کیا گیا۔ اور مارچ ۱۸۴۶ء میں اسی کا ممتحن مقرر ہوا۔ جوں جوں اُس کی شہرت میں ترقی ہوتی گئی۔ اُس کا مطب بھی وسعت پذیر ہوتا گیا۔ بعض دفعہ وہ ایسے ایسے کام کر گزرتا جن کی دوسروں کو ہرگز جرأت نہ ہوتی تھی۔ وہ غربا اور اہل حاجت کا ہمدرد تھا اُن کی ہر ممکن طور پر دستگیری کرتا۔ اُس کی طبیعت شُستہ دل حق پسند اور راستباز تھا۔ اگرچہ اُس کے اطوار کسی قدر ناہموار تھے۔ مگر وہ مجلسی رسم ورواج کی فضولیات سے بیزار ہوتا تھا۔ نمائش ونمود کا دشمن تھا۔ مصیبت زدہ اور آزردہ دل لوگوں سے ہمیشہ ملائمت اور نرمی کا برتاؤ کرتا۔ اعلےٰ طبقہ کے اشخاص اور شُستہ مذاق لیڈیوں کے ساتھ بہت کچھ ادب واخلاق کے ساتھ پیش آتا۔ وہ جس قدر اپنے ہمرنگ دوستوں سے محبت ومروت کا برتاؤ کرتا اُسی قدر چھوٹے اور دون ہمت آدمیوں کو نفرت اور حقارت سے دیکھتا۔ اجنبیوں سے یکلخت بے تکلف نہ ہوتا۔ اگرچہ ڈاکٹر سائم کے ساتھ دیرینہ عداوت تھی مگر بالآخر کئی سال کے بعد پھر دوستی ہو کر خط وکتابت کا سلسلہ جاری ہوگیا ✤

لسٹن کا انتقال اینیوریزم آف دی ایے آرٹا (اور طہ کے انورسما) میں مبتلا ہونے سے دسمبر ۱۸۴۷ء میں ہوا۔ جس کی تشخیص اُس کی زندگی میں نہ ہوسکی۔ اس مرض کا اصلی سبب اُس کی دوڑ دھوپ۔ محنت۔ اور جفاکشی کو قرار دیا گیا۔ اور اُس کی موت بھی ناگہانی طور پر یکایک واقع ہوئی ✤

(۴۶۰) لطف اللہ گیلانی (حکیم)

علم طب میں اِس فاضل طبیب کی حذاقت مشہور اور مسلّم تھی۔ نہایت صاحب مطالعہ شخص تھا ۔

(۴۶۱) لِناکر LINACRE Thomas Linacre (ڈاکٹر)

ٹامس لِناکر پندرھویں صدی کا نہایت مشہور طبیب تھا۔ وہ ہنری ہفتم کے بیٹے شہزادہ آرتھر کا ڈاکٹر اور اتالیق تھا۔ لندن کے شاہی کالج اطباء کی بنیاد اسی نے ڈالی تھی۔ جو برطانیہ کی پہلی طبیّ انجمن تھی۔ اور ڈاکٹری پیشہ کو عزت و امتیاز دینے کے لئے سب سے پہلے اُسی نے کوشش کی تھی۔ اُس نے کئی ایک طبی کتابیں لکھی ہیں جو مستقل قدر و قیمت اور نہ مٹنے والی وقعت و شہرت رکھتی ہیں۔ دینیات میں بھی اُسے عالم جید مانا جاتا تھا غرضیکہ وہ گوناگون اوصاف کا مجموعہ تھا ۔

یہ مشہور ڈاکٹر سنہ ۱۴۶۰ء کو قصبہ کنٹربری انگلستان میں پیدا ہوا تھا۔ ابتداً اپنے ہاں کے نیم دینی مدرسہ میں تعلیم پائی۔ جس کا مہتمم ولیم سیلنگ نامی ایک عالم تھا۔ اُس نے سنہ ۱۴۸۴ء میں ٹامس کو آل سولس کالج کا فیلو منتخب کیا۔ آکسفورڈ میں اُس کا اُستاد ایک اطالوی عالم تھا جو یونانی کا بڑا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد لِناکر نے خود تعلیم دینی شروع کر دی۔ پھر سیلنگ کے ساتھ اٹلی کو چلا گیا۔ وہاں جا کر اپنے اُستاد الاُستاد سے ملا۔ اور یونانی زبان سیکھی۔ اس اثناء میں کئی ایک بڑے بڑے آدمیوں سے تعارف پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد پیڈوا کی یونیورسٹی سے ایم ڈی کی ڈگری حاصل کر کے انگلستان کو واپس آیا اور آکسفورڈ میں سکونت اختیار کی۔ یہاں اُس نے ایک یونانی کتاب کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔ یہی پہلا انگریز تھا۔ جو یونانی کا عالم ہوا۔ سنہ ۱۵۰۱ء میں اُس کی رسائی دربار شاہی تک بھی ہو گئی۔ اس کی کیفیت یوں ہے کہ جب شہزادہ آرتھر آکسفورڈ میں تعلیم پاتا تھا۔ وہاں وہ لِناکر کی نگرانی میں پڑھتا رہا

بعدہٗ جب اُس کی شادی ایک ہسپانی شہزادی سے ہوگئی تو اُس کی صحت اور تعلیم کی خدمت اسی فاضل طبیب کے سپرد کی گئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ محل شاہی کا بھی خاص طبیب مقرر ہوگیا تھا۔ مگر جب شہزادہ کا انتقال ہوگیا۔ تو اُس نے اُن خدمات سے سبکدوش ہوکر مطب جاری کر دیا۔ اور مطالعہ کتب میں وقت بسر کرنے لگا۔ ہنری ہشتم کی تخت نشینی پر اُس کا خاص ڈاکٹر بھی وہی مقرر کیا گیا۔ اُسے دربار سے اس قدر انعام واکرام ملا کہ فکر معاش سے فارغ ہوگیا۔ اُس وقت سے لِناکر نے الٰہیات اور دینیات کا ازسرِنو مطالعہ شروع کر دیا۔ جسے اُس نے ادبیات کی ترویج کے جوش میں چھوڑ رکھا تھا تھوڑے عرصہ کے بعد مسیحی اصولوں کی صداقت کا قائل ہوکر اُس نے زمانے کے رواج کے مطابق پادری بننے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ایک شہر اُس کے حوالہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد دینیات کے اور اعلےٰ عہدوں پر بھی ممتاز ہُوا۔ مگر اس شعبۂ خاص میں اُس نے کچھ زیادہ نام نہیں پیدا کیا۔ وہ مختلف قسم کی مصروفیتوں میں بھی طبی مطالعہ سے غافل نہیں رہا۔

آکسفورڈ کی یونیورسٹی میں ایک دفعہ اُس نے ایک لیکچر پڑھا۔ جس سے اُس کی بُہت کچھ عزت افزائی ہوئی یونیورسٹی کے اراکین نے اُس کے لئے ایک ایڈریس پیش کیا۔ اُس میں اُس کی علمیت اور فضیلت کی بڑی تعریف کی گئی تھی۔ اُس زمانے میں ڈاکٹری کی ترقی کے لئے ایک سب سے بڑا وسیلہ جالینوس کی تصنیفات کے ترجمے اور شرحیں تھیں۔ لِناکر نے سب سے پہلے ارسطو کی مکمل تصانیف کو لاطینی میں ترجمہ کیا۔ اور اس علمی خدمت میں دو اور نامور علماء کو بھی شریک کیا۔ مگر افسوس ہے کہ یہ ترجمے شائع نہیں ہوسکے۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر اُس نے جالینوس کی کتابوں کو ترجمہ کا لباس پہنانا شروع کیا۔ اسی سلسلہ میں سب سے پہلی کتاب "حفظ صحت" کے عنوان سے پیرس میں شائع ہوئی اور ہنری ہشتم کی نذر کی گئی۔ ۱۵۱۹ء میں اس کی کتاب "طریقۂ شفابخشی" چھپی اور وہ بادشاہ ممدوح کے نذر کی گئی۔ ۱۵۲۱ء میں "اخلاط" اور "افعال طبعی" وغیرہ رسالے شائع کئے گئے۔ اور ۱۵۲۳ء میں نبض پر ایک کتاب لکھی۔ یہ سب تصنیفات

بڑے بڑے نامی بشپوں (اسقفوں۔پادریوں) کے ناموں سے معنون کی گئیں۔ لِنا کر نے علمِ طب کی جو سب سے بڑی خدمت کی وہ یہ تھی کہ اُس نے "لندن" میں "کالج اطباء" کی بنیاد ڈالی جس کے تمام مصارف اُس نے اپنی گرہ سے ادا کئے۔ ۱۵۱۸ء میں اس کے لئے شاہی فرمان حاصل کیا گیا۔ جس کی رو سے اُس کے مقاصد۔ حقوق اور مراعات مقرر ہوئے۔ انتظامی اختیارات بھی کالج کے اپنے ہاتھ میں دئے گئے۔ اِس فرمان میں جو کوتاہیاں تھیں اُن کو ہنری ہشتم کے اُس خاص فرمان نے دور کر دیا جو ۱۵۲۳ء میں صادر ہوا تھا۔ اِس فرمان میں یہ بھی قرار دیا گیا تھا کہ جب تک کسی طبیب کو شاہی کالج اطباء کا پریسیڈنٹ اور کمیٹی امتحان لیکر سند نہ دے وہ مطب نہیں کر سکتا۔ اس سے پیشتر بشپ (اسقف۔پادری) اور اُن کے معاون ڈاکٹروں کو پریکٹس کرنے کی اجازت دیا کرتے تھے۔ قیام کالج کے بعد بھی یہ اختیار بدستور بشپوں ہی کے سپرد رہا۔ مگر وہ اجازت نامہ دینے سے پہلے لائق اور ہشیار ڈاکٹروں کو بلا کر استصواب کر لیا کرتے تھے۔ لِنا کر جیسا کہ اُس کو استحقاق حاصل تھا اس کالج کا پہلا پریسیڈنٹ منتخب ہُوا۔ اور مرتے دم تک اُسی عہدہ پر رہا۔ پہلا جلسہ لِنا کر کے سکونتی مکان پر منعقد کیا گیا۔ اُس کے بعد اُس نے اپنے مکان کا ایک خاص حصّہ کالج کے جلسوں کے لئے وقف کر دیا۔ اور ۱۸۶۰ء تک یہ جگہ کالج مذکور کی ملکیت میں رہی ؞

اُس نے کیمبرج اور آکسفورڈ میں کئی ایک پروفیسریوں کی بنیاد قائم کی اور اُن کے اخراجات اپنی گرہ سے ادا کئے۔ اس تجویز نے ۱۵۲۴ء میں عملی صورت اختیار کی۔ یعنی ایک کمیٹی اس غرض سے بنائی گئی۔ کہ وہ لائق آدمیوں کو پروفیسر مقرر کرے۔ اور اُس جائداد کی آمدنی سے جو لِنا کر نے وقف کی ہے۔ اُن کے مشاہرے ادا کرے۔ اس بہترین اور مفید انتظام کا مقصد صرف یہ تھا کہ بقراط اور جالینوس کی مشہور کتابوں کو طلباء کے سامنے شرح اور مفصل طور پر بیان کیا جائے۔ اور اُن کے طبی اصول نہایت وضاحت کے ساتھ سمجھائے جائیں۔ لیکن اس میں عام ناقدر دانی کی وجہ سے کامیابی نہ ہوئی۔ عوام کو اُن تبدیلیوں کی طرف توجہ نہ تھی جو علوم میں ہو رہی تھیں۔ یہ فاضل شخص زبان کا عالم

گرامر کا ماہر اور طب کا حاذق تھا۔ اُس نے کئی مایوس العلاج بیماروں کا شفا بخش علاج کیا۔ وہ نہایت تیز فہم۔ نیکدل اور خدا ترس آدمی تھا۔ ہر قسم کی رزالت سے دور رہتا تھا۔ مروت اور لطف اُس کے خاص شعار تھے۔ اپنے طلباء پر نہایت مہربان۔ اور ذہین و فطین لڑکوں کی ہر طرح دستگیری کرتا تھا ٭

آخر کار عرصہ سے سنگ مثانہ کے مرض میں شدت کے ساتھ مبتلا تھا۔ اکتوبر ۱۵۲۴ء کو اس نے مثانہ کی سوزش سے انتقال کیا۔ اس مرض کی وجہ سے وہ اپنے کئی ارادوں کو تکمیل تک نہ پہنچا سکا ٭

۴۶۲ لُوفَس (حکیم)

بقراط و جالینوس کے مابین جو زمانہ یونان میں فن طب کے مجتہد عالموں سے خالی گزرا ہے اُس وقت اس حکیم کے علاج کا شہرہ دور دور تک پہنچا تھا۔ اور اگرچہ وہ بقراط کا مقلد تھا لیکن کمال فن میں بہت ناموری حاصل کی تھی ٭

۴۶۳ لزرس LIZARS John Lizars ڈاکٹر

جان لزرس کی شہرت فن جراحی کی مہارت۔ طریقہ تعلیم کی خوبی اور تالیف و تصنیف کی عمدگی کے باعث ہے۔ لیکن اُس کے مشہور معاصرین لسٹن اور سائم کی ناموری نے اُس کے نام کو چمکنے نہیں دیا۔ اُس نے مشہور اور قابل ڈاکٹر جان بیل کی نگرانی میں ڈاکٹری تعلیم حاصل کی تھی ۱۸۰۸ء میں تحصیل علم کے بعد اُس کو سند عطا ہوئی۔ اور بہت جلد صیغہ بحری میں سرجنی کے عہدہ پر مقرر ہو گیا۔ اس اثناء میں ڈاکٹر اکس میتھ کے بیڑہ کے ساتھ ہسپانیہ اور پرتگال کے ساحلوں پر نمایاں خدمات انجام دیں۔ اور ۱۸۱۵ء کو بحری ملازمت چھوڑ کر اڈنبرا کو واپس چلا گیا اور وہاں وہ ایک میڈیکل سکول میں تشریح اور جراحی کی تعلیم ڈاکٹر ابلن کے ساتھ مل کر دینے لگا۔ مگر کچھ عرصہ بعد شرکت کو ترک کر دیا اور تنہا جراحی اور تشریح پر لیکچر دیتا رہا۔ چونکہ وہ اپنے لیکچر نہایت محنت

اور جانفشانی سے تیار کرتا تھا۔ اس لئے اُس کے طلبہ کو بہت فائدہ پہنچتا۔ اور وہ جوق جوق اُس کے پاس چلے آتے۔ اُس کی جماعت میں طلباء کی تعداد ڈیڑھ سو تک پہنچ گئی تھی۔ جس وقت ایڈنبرا کے "کالج جراحاں" نے یہ شرط لگا دی کہ ایک شخص صرف ایک ہی مضمون پڑھائے۔ اُس نے تشریح پڑھانے کا کام اپنے بھائی الگزنڈر کے سپرد کر دیا اور خود صرف جراحی کا معلم رہا۔ ۱۸۳۱ء میں اُسے "کالج جراحاں" نے فن جراحی کا پروفیسر مقرر کیا۔ اس سے پہلے وہ شاہی شفاخانہ کا سرجن تھا۔ وہ لِسٹن کی نسبت عمر اور تجربہ دونو کے اعتبار سے فائق تھا۔ مشکل اور نازک آپریشنوں کو کامیابی کے ساتھ انجام دینے کے لئے اگرچہ دونو مشہور تھے لیکن لزرس بعض آڑے وقتوں میں زیادہ استقلال دلیری اور دلجمعی سے کام کرنے کا اہل تھا ۔

اُس نے "نظام فن جراحی" کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ مگر اُس کی عالمگیر شہرت کا وسیلہ وہ رنگین تصویریں ہوئیں جنہیں تشریح کے متعلق مع کیفیات اس نے دو جلدوں میں شائع کیا۔ یہ سب تصاویر جسم کی چیر پھاڑ کرنے کے بعد اُس نے خود بنائی تھیں۔ دماغ اور نظام اعصاب کی تصویریں خوبی اور صناعی کے لحاظ سے زیادہ قابل داد خیال کی جاتی ہیں۔ اس کتاب کی اُس زمانے میں بیحد قدر کی گئی۔ اور آیندہ کے لئے اُس کی وقعت اور قبولیت مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ کالج سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد اُس نے اپنا مطب جاری کیا۔ اور مئی ۱۸۶۱ء میں بمقام ایڈنبرا اُس کا انتقال ہو گیا ۔

مارس (حکیم) (۴۶۴)

اکجیلی اس کا لقب "تاسلس" تھا۔ بقراط کے بعد اور زمانۂ جالینوس سے قبل ہوا ہے۔ تاسلس اوّل نے طبی لٹکوں اور ٹونے ٹوٹکوں پر جو کتابیں تالیف کی تھیں۔ وہ ایک زمانہ میں اس لئے جلا دیگئیں کہ یہ پُر فریب کارروائی نابود اور موقوف ہو جائے۔ لیکن مارس کو کسی طرح ایک نسخہ اُس فن کی کتابوں میں سے مل گیا اور اُس نے ٹوٹکوں

کے ذریعہ علاج کرنا شروع کردیا۔ مارس کا قول تھا کہ صحیح اور اصلی طب یہی شعبدہ بازی کا نام ہے اور اس کے سوا تمام علاج کے طریقے فضول ہیں۔ وہ لوگوں کو بہکا کر قیاس و تجربہ پر اعتقاد کرنے سے باز رکھنا چاہتا تھا۔ اور اُس نے اُسی ایک کتاب سے جو اُس کے ہاتھ لگی تھی ٹوٹکے اور شعبدہ بازی کی کئی کتابیں مرتب کرلیں اور اُن کو ملک میں جابجا پھیلا دیا۔ چنانچہ ہر ایک طبیب کے پاس جو اُس کا ہمعصر تھا یا اُس کے بعد میں ہوا۔ وہ کتابیں ضرور ہوتی تھیں مگر اُن طبیبوں میں سے کوئی کوئی مارس کی تحقیقات کو مانتا تھا اور بہت سے اُس کے مخالف تھے۔ یہاں تک کہ حکیم جالینوس کا زمانہ آیا اور اُس نے مارس کے اقوال کی تردید کرکے اُس کی مولفہ کتابیں تلاش کرائیں اور جلوادیں۔ اور اس طرح جالینوس نے ٹونوں اور ٹوٹکوں کا طریق علاج نابود کردیا ۔

(۴۶۵) مارقس (حکیم)

یہ طبیب یونان کے اُن اطبا میں سے ہے جو کہ بقراط و جالینوس کے مابین گزرے ہیں۔ اس کا لقب "عاشق العلوم" تھا۔ کیونکہ اس کو علم کا بیحد شوق تھا۔

(۴۶۶) ماریطوس (حکیم)

بقراط و جالینوس کے زمانوں کے مابین اُن ایام میں گزرا ہے جو کہ مجتہد فن طبیبوں سے خالی قرار دئے گئے ہیں۔ وہ دواؤں کا اچھا علم رکھتا تھا اور "دوازدہ بروج" کہلانے والے اطبا میں سے پانچواں شخص ہے ۔

(۴۶۷) ماسرجویہ (حکیم)

یہ طبیب شہر بصرہ میں رہتا تھا۔ ذی علم۔ یہودی مذہب اور سُریانی الاصل تھا۔ اہرن بن اعین کتاب جو فن طب میں تھی اُس کا عربی میں سُریانی سے اسی نے ترجمہ کیا تھا۔ زکریا رازی مشہور مسلمان طبیب اپنی کتاب "الحاوی" میں جہاں "قال الیہودی"

لکھتا ہے وہاں اُس کی مراد اسی سے ہوتی ہے۔ یہ عہد بنی اُمیہ میں بہت کامیابی کے ساتھ مطب کرتا رہا اور کئی مفید کتابیں ترجمہ اور تالیف کیں۔ ایک بیاض۔ ایک کتاب غذا کے بیان میں۔ اور ایک کتاب امراض چشم میں اس کی تالیف ہیں ۔

(۴۶۸) ماسرجیس (حکیم)

یہ سُریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کرتا تھا۔ اس کی یہ کتابیں مشہور ہیں ۔

(۱)۔ کتاب کھانوں کی قوت اور اُن کے فوائد و نقصانات کے بیان میں ۔

(۲)۔ کتاب جڑی بوٹیوں کی قوت اور اُن کے فوائد و نقصانات کے ذکر میں ۔

ماسرجیس مشہور طبیب بھی تھا ۔

۴۶۹ ماسویہ (حکیم)

جُورجیس کے شفاخانہ واقع جندی ساپور میں دوا بنانے پر ملازم تھا۔ تیس سال وہیں کام کرتا رہا۔ بیماروں کی خدمت۔ اُن کو دوا دینا۔ اور ہر قسم کی ادویات بنانا خوب جانتا تھا۔ اَن پڑھ تھا کسی زبان کا ایک حرف بھی پڑھنا نہیں جانتا تھا مگر اپنے کام میں اس قدر ہشیار ہو گیا کہ جبرئیل بن بختیشوع نے اس کو اپنی خدمت میں رکھ لیا۔ اور اس کی خاطر کرنے لگا۔ ماسویہ ایک لونڈی پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ وہ لونڈی جبرئیل نے اس کی خاطر سے آٹھ سو درہم میں خرید کر اس کے حوالہ کی۔ اُسی کے بطن سے اس کا بیٹا یوحنا پیدا ہوا۔ اور دوسرا لڑکا میخائیل بھی ۔

جبرئیل دربار خلافت میں پہنچ گیا اور خلیفہ رشید کا معالج خاص مقرر ہوا تو اس بات کی خبر سُن کر ماسویہ نے کہا "یہ ابوعیسیٰ عزت کے آسمان پر جا بیٹھا اور ہم اُسی بیمارستان میں پڑے ہیں"۔ جبرئیل کو اُس کے ایسا کہنے کی خبر ملی وہ ناراض ہوا اور چونکہ شفاخانہ اُسی کا تھا لہٰذا ماسویہ کو نکلوا کر اُس کی تنخواہ وغیرہ بند کر دی۔ بیکاری اور مفلسی نے ستایا۔ ماسویہ بغداد پہنچا تاکہ جبرئیل سے اپنی گستاخی پر معافی مانگے۔

عرصہ تک اُس کے دروازہ پر پڑا رہا۔ داخلہ کی اجازت ہی نہ ملی۔ جب جبرائیل سوار ہوکر نکلتا ماسویہ دور سے اُس کو دعائیں دیتا مگر وہ کچھ بھی توجہ نہ کرتا۔ آخر بہت تنگ آگیا تو رومیوں کے محلہ میں گیا۔ اور پادری سے کہنے لگا کہ مجھے خانقاہ میں کوئی جگہ دیجئے تاکہ کچھ کما کر اپنے گھر تک جانے کے قابل ہو جاؤں" ابو عیسیٰ تو مجھ سے بات نہیں کرتا اور نہ راضی ہوتا نظر آتا ہے" پادری نے کہا "تم تین سال شفاخانہ میں رہے۔ کچھ طب بھی نہ سیکھی" ماسویہ "کیا خوب! میں نے کچھ بھاڑ جھونکا ہے۔ جناب میں طبیب ہوں۔ کحال ہوں۔ اور زخموں کا بخوبی علاج کر سکتا ہوں"

پادری نے اُسے ایک صندوق دواؤں کا دیکر حرم سرائے خلافت کے دروازہ پر بٹھا دیا۔ جس جگہ ماسویہ بیٹھتا تھا وہ مقام "فضل بن الربیع" خلیفہ ہارون الرشید کے کے حاجب کے مکان سے قریب تھا۔ بیمار اُس کے پاس آنے لگے اور اُسے کچھ آمدنی ہو چلی۔ اتفاق سے فضل بن الربیع کا ایک خادم درد چشم اور آشوب میں مبتلا ہوا جبرئیل نے وہ کحال خاص اپنے تربیت کردہ معالجہ کے واسطے بھیجے۔ لیکن اُن کے علاج سے فائدہ کی جگہ تکلیف بڑھتی گئی اور درد نے بیمار کو ایسا مضطرب بنایا کہ وہ مدہوش ہو کر محل سے باہر نکل آیا اور سڑک پر ماسویہ کو بیٹھا دیکھ کر اُس سے کہنے لگا "بڈھے! یہاں کیا کرتا ہے۔ اگر کچھ علاج آتا ہو تو میری دوا کر ورنہ یہاں سے اُٹھ جا" ماسویہ "جناب! نہایت اچھا علاج کرتا ہوں" خادم "پھر چل میرا علاج کر" اور اُسے اپنے ساتھ محل میں لے گیا۔ بیمار کو درد سے وہ تکلیف تھی کہ نیند نہیں آتی تھی۔ ماسویہ نے کچھ دوا آنکھ میں لگائی۔ اور کسی قدر روغن کی سر پر مالش کی۔ بیمار کو معاً نیند آگئی اور وہ سو گیا۔ صبح کو بیدار ہوا تو آنکھ اچھی خاصی تھی۔ ماسویہ کے لئے ایک خوان پر تکلف کھانوں کا اور کچھ درہم و دینار نقد آدمی کے ہاتھ بھیج اور پیام دیا کہ روزانہ کھانے کا خوان تجھ کو ملتا رہیگا۔ نقد دینار ماہوار ملینگے۔ ماسویہ خوشی سے رو پڑا۔ آدمی جو پیام اور انعام لایا تھا۔ سمجھا کہ اس نے یہ انعام تھوڑا خیال کیا ہے۔ کہنے لگا "تم رنجیدہ نہ ہو! تم کو اور بہت کچھ ملیگا۔ ماسویہ "جناب من! خدا محسن کی عمر دراز کرے

میرے لئے بھی بہت ہے بشرطیکہ مستقل ملتا رہے ؛

اِس کے کچھ دن بعد خود فضل کی آنکھ آشوب کرآئی۔ جبرئیل نے دو کحال اُس کے علاج پر مامور کئے۔ وہ بے سُود علاج کرتے رہے۔ فضل کا خادم اپنے معالج ماسویہ کو لے گیا اور رات کو اُسے خفیہ طور پر بلوایا۔ ماسویہ نے شام سے ایک تہائی رات گزرنے تک فضل کی آنکھوں میں سرمہ ڈالا اور پھر دست آور دوا پلا دی۔ جس سے معاً آرام آگیا۔ صبح کو جبرئیل فضل کی مزاج پرسی کے لئے آیا۔ فضل نے اُس سے ماسویہ کا ذکر نہایت تعریف کے ساتھ کیا۔ جبرئیل نے کہا "جناب! وہ تو میرے یہاں دواساز تھا۔ نالائق سمجھ کر میں نے اُسے نکال باہر کیا وہ طب اور علاج کیا جانے۔ امتحان لینا ہو تو بلوائیے میرے سامنے سب قلعی کھل جائیگی"

فضل نے ماسویہ کو بلوایا اور وہ بے تکلف آکر جبرئیل کے برابر بیٹھ گیا۔ جبرئیل سمجھا تھا کہ ماسویہ اُس کو دیکھ کر شرمائیگا اور عاجزی کریگا۔ اب اُس کو اپنے برابر بیٹھے دیکھ کر جل گیا اور بولا "ماسویہ! تم طبیب کب سے ہو گئے" ماسویہ "میں طبیب کب نہ تھا۔ تیس برس شفاخانہ میں کون کام کرتا رہا۔ تم مجھ سے یہ کہتے ہوئے شرماتے بھی نہیں"۔ جبرئیل زرد پڑ گیا۔ سخت شرمندہ ہُوا۔ اور پھر ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا بلکہ اُٹھ کر چلا گیا۔ اب فضل کی سرکار سے ماسویہ کی تنخواہ ساٹھ درہم ماہوار نقد۔ دو گھوڑے سواری کے۔ اور اُن کا خرچ مقرر ہو گیا۔ ایک مکان رہنے کو ملا۔ اور پانچ غلام خدمت کو۔ فضل نے کہا کہ وہ اپنے بال بچوں کو بھی بلوا لے۔ چنانچہ زادِ راہ دیا اور ماسویہ اپنی بیوی اور بیٹے یوحنّا کو لے آیا ؛

اِس واقعہ کے بعد خلیفہ رشید کی آنکھیں دُکھنے آئیں۔ فضل نے ماسویہ کی سفارش کر کے دربارِ خلافت میں اُس کی رسائی کرا دی۔ خلیفہ نے ماسویہ سے دریافت کیا "تم فقط کحال ہی ہو یا اور بھی کچھ علاج جانتے ہو؟" ماسویہ "امیر المومنین! تیس سال کی مدت دراز تک بیمارستان میں کام کر کے یونہی کب ممکن تھا" خلیفہ "اچھا میری آنکھ دیکھو" ماسویہ نے آنکھ دیکھتے ہی کہا۔ ابھی پچھنا لگانے والا بلوائیے

حجام آیا۔ ماسویہ نے خلیفہ کی دونو پنڈلیوں پر پچھنے کرائے اور اُس کی آنکھ میں کچھ دوا ٹپکائی۔ دو دن میں خلیفہ کو بالکل صحت ہوگئی۔ اب کیا تھا۔ ماسویہ کو دو ہزار درہم ماہوار تنخواہ ملنے لگی۔ ایک لاکھ درہم سالانہ خرچ خانگی کے لئے اور کئی مزرعے جاگیر میں ملے۔ مگر باوجود اس بات کے کہ اب ماسویہ درباری طبیب ہونے میں جبرئیل کا ہم پلہ ہوگیا تھا۔ اُس کی تنخواہ کم تھی۔ جبرئیل دس ہزار درم تنخواہ اور لاکھوں درم انعام واکرام پایا کرتا تھا۔

اتفاق سے خلیفہ کی بہن بانو علیل ہوگئی۔ جبرئیل علاج کر تھکا۔ کچھ فائدہ نہ ہوا آخیر میں ماسویہ کو علاج کا حکم ملا۔ اُس نے جبرئیل سے مریضہ کا حال اور علاج کی تفصیل دریافت کی۔ جبرئیل بتاتا تھا اور ماسویہ کہتا جاتا کہ۔ علاج نہایت معقول ہے۔ تدبیر مناسب ہے۔ سب کچھ سُن کر آخر میں کہا کہ وہ خود مریضہ کو دیکھنا چاہتا ہے۔ خلیفہ نے اُسے ساتھ لیا اور اپنی بہن کو دکھایا۔ نبض وغیرہ دیکھ کر ماسویہ محل سے باہر آیا۔ اُس نے خلیفہ سے کہا۔ "امیرالمؤمنین! حضور کو عمر خضری نصیب ہو۔ آپ کی بہن پرسوں رات کو نصف شب سے پہلے تین ساعت کے مابین کسی وقت دُنیا سے گزر جائیگی"۔ جبرئیل یہ بات سُن کر بول اٹھا "امیرالمؤمنین! یہ جھوٹا ہے آپ کی ہمشیرہ تندرست ہوکر عرصہ تک زندہ رہیگی"۔

خلیفہ نے کہا "اچھا ہم اس کے قول کو آزماتے ہیں"۔ یہ کہہ کر حکم دیا کہ ماسویہ ایوان خلافت کے کسی حجرہ میں نظر بند رہے۔ ماسویہ نے جو وقت مریضہ کی وفات کا مقرر کیا تھا ٹھیک اُسی وقت اُس نے دم توڑ دیا خلیفہ نے بہن کے جنازہ کی تکفین و تدفین سے فارغ ہوتے ہی سب سے پہلے ماسویہ کو بلوایا اور اُس کی عزت و تنخواہ بڑھا کر اُسے جبرئیل کا ہم پلہ بنادیا۔

۷۷۰ مانطیاس (حکیم)

یونان کا نامور طبیب اور بقراط کی کتابوں کا شارح تھا۔ اس کا ظہور بقراط سے

بعد اور جالینوس سے قبل کے زمانہ میں ہوا ہے ؂

(۴۷۱) مُبارک بن سلامۃ (حکیم)

مبارک بن ابی الخیر سلامۃ بن مبارک بن رحموں۔ مصر ہی میں پیدا ہوا۔ اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ فاضل طبیب تھا۔ اس کی تصنیف صرف ایک مختصر مقالہ حُمرہ کے بیان میں ہے جس کا نام الشقفۃ والحمرۃ ہے ؂

(۴۷۲) مُبَشّر بن فَاتِک (حکیم)

امیر محمود الدولۃ ابو الوفاء المبشّر بن فاتک۔ الآمری مصر کے اعلیٰ طبقہ کے امراء میں سے نہایت ذی علم۔ شائق مطالعہ و تصنیف۔ علم دوست۔ اور مباحث علمیہ کا دلدادہ تھا۔ جن علماء کی صحبت سے مبشّر بن فاتک نے فیض اُٹھایا منجملہ اُن کے ایک ابن الہیثم بھی ہے۔ اس سے مبشّر بن فاتک نے علم ہیئت اور علوم ریاضیہ میں کئی کتابیں پڑھیں۔ اور ایک اور عالم شیخ ابی الحسین معروف بہ ابن الآمدی۔ کی صحبت سے علوم حکمیہ اور کسی قدر طب کا فیض اُٹھایا پھر تکمیل ابا الحسن علی بن رضوان سے کی منطق وغیرہ علوم حکمیہ میں مبشّر بن فاتک کی کئی قابل قدر تصانیف ہیں۔ وہ خود لکھنے اور کتابوں کی نقل کرنے کا بھی شائق تھا۔ اس کے جمع کردہ کتب خانہ میں بہت سی کتابیں خاص اسی کے قلم کی نقل کردہ موجود تھیں۔ مبشّر بن فاتک درس بھی دیتا تھا۔ اُس کے شاگردوں میں ایک سر برآوردہ ذی فضل شخص ”ابو الخیر سلامۃ بن رحموں“ مشہور آدمی ہوا ہے۔ اور مبشّر بن فاتک کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ کتاب الوصایا والامثال الموجز من محکم الاقوال ؂
(۲)۔ کتاب مختار الحکم و محاسن الکلم ؂
(۳)۔ کتاب البدایۃ۔ فی المنطق ؂
(۴)۔ کتاب فی الطب ؂

(۴۷۳) مَتّیٰ بن یُونَان (حکیم)

ابو بشر متّی بن یونان۔ دیر قنی کا باشندہ اور مرماری اسکول کا تربیت یافتہ تھا

اس نے قویری۔ یُوحنّا۔ بنیامین۔ یحییٰ مروزی۔ اور ابی احمد بن کرنیب کے سامنے شاگردی کا زانو تہ کیا۔ یہ اپنے زمانہ کا سرآمد منطق داں اور اس فن کا بے مثل عالم تھا۔ اس نے سُریانی سے عربی زبان میں ایک منطقی شرح کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ مذہبًا عیسائی تھا۔ روز شنبہ ۱۱۔ رمضان المبارک ۳۲۸ھ کو بغداد میں فوت ہُوا۔

متی بن یونان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ مقالہ ان مقدمات کے بیان میں جن کے ساتھ اپنی کتاب آنا لوطیقا (تصورات) کو شروع کیا ہے۔

(۲)۔ کتاب المقائیس شرطی پیمانوں اور مقیاسوں کے بیان میں۔

(۳)۔ فرفوریوس کی کتاب الیساغوجی کی شرح

(۴۷۴) محمد بن تملیج (حکیم)

صاحب وقار۔ بھاری بھرکم آدمی اور طب۔ نحو۔ زباندانی۔ شعر۔ اور تاریخ وحدیث کا ماہر تھا۔ خلیفہ الناصر کا شاہی طبیب رہا اور اس کے فرزند المستنصر کا زمانہ بھی پایا۔ الناصر کے عہد میں بعض مقامات کی حکومت اور قضاءت کے عہدوں پر بھی مامور رہا۔ خلیفہ المستنصر اس کو بہت مانتا تھا۔ جب اُس نے شہر قرطبہ کی جامع مسجد میں آگے کی طرف سے توسیع کی تو خدمت نگرانی تعمیر ابن تملیج ہی کو سپرد ہوئی۔ اس نے بڑی دیانت و امانت کے ساتھ عمارت کا تکملہ کرایا۔ محراب کی دیوار پر سنہرے حروف میں اُس کا نام لکھا ہُوا ہے اور تاریخ تعمیر درج ہے کہ "یہ عمارت ۳۵۸ھ میں محمد بن تملیج کے ہاتھوں بحکم خلیفہ الحکم اموی تمام ہوئی"۔

ابن تملیج کی تصانیف میں صرف ایک طبی کتاب ہے۔

(۴۷۵) محمد بن ثواب موصلی (حکیم)

ابو عبداللہ محمد بن ثواب بن محمد "ابن الثلاج" کے نام سے مشہور ہے۔ خاص شہر موصل کا رہنے والا تھا۔ فن طب میں اچھا فاضل اور علم و عمل دونو لحاظ سے باخبر تھا۔

وہ طب میں احمد بن ابی الاشعث کا شاگرد رشید ہے۔ استاد ہی کی خدمت میں مطب کرتا رہا اور وہیں علاج میں بھی نامور ہوا۔

(۷۷۶) محمد بن عبدالملک زیّات (حکیم)

اگرچہ ایک روغن فروش تھا۔ لیکن علم و فضل کا بیحد قدر دان۔ تقریباً ماہانہ دو ہزار دینار مترجمین کتب کو عطا کیا کرتا تھا۔ اسی وجہ سے متعدد کتابیں محض اسی کے نام پر معنون کرکے ترجمہ کی گئی ہیں۔ یونانی زبان کی کتابیں بھی اس کے لئے ترجمہ ہوئیں۔ اور بڑے بڑے اطبّاء کی ایک جماعت نے اس کے نام سے معنون کرکے کتابیں ترجمہ کی ہیں۔ ان مترجمین میں۔ یوحنا بن ماسویہ۔ جبرئیل بن بختیشوع۔ بختیشوع بن جبرئیل بن بختیشوع۔ داؤد بن سرابیوں۔ سلمویہ بن بنان۔ الیسع۔ اسرائیل بن ذکریا۔ ابن الطیفوری۔ اور حبیش بن الحسن۔ شامل ہیں۔

(۷۷۷) محمد بن عبدون الجبلی العذری (حکیم)

۳۴۷ھ میں اندلس سے ممالک مشرق کی طرف طلب علم کے شوق میں سفر کیا۔ اور صرف شہر بصرہ تک گیا۔ بغداد میں نہ داخل ہوا۔ بصرہ سے واپس ہوکر مصر کے شہر فسطاط میں آیا اور وہاں کے شفاخانہ میں مہتمم مقرر ہوگیا۔ یہاں اس نے طب میں خوب مہارت بہم پہنچائی۔ اور ایسی اعلےٰ لیاقت پیدا کی کہ اکثر طبّی اُصول کے نقائص دور کرنے میں کامیاب ہوا۔ شیخ ابوسلیمان محمد بن طاہر بن بہرام سجستانی ثم البغدادی کی خدمت میں فن منطق کی تحصیل کرتا رہا اور اس میں بھی کمال حاصل کیا۔ پھر ۳۶۰ھ میں اندلس واپس گیا اور المستنصر باللہ اور اس کے بیٹے المؤید کے درباروں میں طبّی خدمات انجام دیتا رہا۔

وہ طبابت میں مشغول ہونے سے قبل اچھا ہندسی اور حساب دان تھا حساب کے قاعدہ تکسیر (کسرات) میں اس کی ایک نہایت اچھی کتاب ہے۔ ابن البغونش

طلیطلی کہتا ہے کہ جس زمانہ میں وہ قرطبہ کے اندر طالب علمی کر رہا تھا اُس وقت وہاں طب کے علم و عمل میں اُس کو ابن عبدون سے بڑھ کر تو کیا اُس کے مقابلہ کا بھی کوئی شخص نہ نظر آتا ۔

محمدؐ ابن عبدون کی تصانیف میں صرف فن حساب کی ایک کتاب "التکسیر" نامی ہے ۔

(۴۷۹) محمد بن فتح طملون (حکیم)

عمران بن ابی عمرو کا آزاد کردہ غلام تھا۔ فطری ذہانت اور قابلیت کی مدد سے خود ہی طبیب ہو گیا۔ اور ایسا کہ اپنے زمانہ کے تمام اطباء پر فوقیت لے گیا۔ آزادی کے ساتھ مطب کرتا تھا۔ دربار کی ملازمت کئی مرتبہ پیش ہوئی لیکن معافی مانگ کر انکار ہی کرتا رہا۔ شہر کے تمام معززین بلکہ ملک کے امرا اور ذی وجاہت سب اسی کی طرف رجوع لایا کرتے تھے۔

اِس کا ایک نادر علاج یہ مشہور ہے کہ حکومت اندلس کے وزیر عبداللہ بن بدر کا بیٹا "محمد" نامی جلدی بیماری میں مبتلا ہوا۔ اُس کے تمام بدن میں پھنسیاں ہو گئیں۔ بہت سے اطباء وزیر کے پاس موجود تھے۔ طملون بھی انہی میں تھا۔ وزیر نے تمام طبیبوں کو باہمی مشورہ سے دوا تجویز کرنے کا حکم دیا۔ ہر شخص کچھ نہ کچھ کہتا۔ مگر طملون خاموش بیٹھا تھا۔ وزیر نے اس سے دریافت کیا کہ تم کیوں چپ ہو۔ کچھ تم بھی کہو۔ طملون نے جواب دیا "میرے پاس ایک مرہم ہے۔ آپ اجازت دیں تو وہ لگا دوں۔ امید ہے کہ آج ہی تمام زخم اچھے ہو جائینگے۔" وزیر نے خوش ہو کر کہا "کیا خوب! نیکی اور پوچھ پوچھ۔ جلد لاؤ۔" طملون گھر گیا اور ایک ڈبیہ مرہم کی لے آیا جو بیمار کے تمام بدن پر لگا دی گئی۔ اور اُسی دن اُس کے تمام زخم خشک ہو کر اچھے ہو گئے۔ وزیر نے خوش ہو کر طملون کو بہت کچھ انعام دیا۔ اور دوسرے اطباء کو کچھ بھی نہ ملا ۔

محمد بن محمد بن ابی طالب (دیکھو ابوالخطاب)

(۴۸۰) محمدؒ بن موسیٰ منجّم (حکیم)

مشہور مسلمان حساب دان شاکر بن موسےٰ کے فاضل اور نامور فرزندوں میں سے ایک یہ بھی تھا۔ اس نے اور اُس کے دیگر لائق بھائیوں نے علم ہندسہ۔ ریاضیات کی تحصیل اور ان علوم میں قابل قدر تصانیف کرنے کی وجہ سے بڑا نام حاصل کیا۔ محمدؒ بن موسیٰ حنین بن اسحٰق کے ساتھ بڑی فیاضی کا سلوک کیا کرتا تھا۔ حنین نے اس کے لئے بہت سی طبّی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا ۔

(۴۸۱) محمدؒ اکبر ارزانی (حکیم)

فرخ سیر کے عہد میں یہ فاضل حکیم پیدا ہوا۔ محمدؒ اکبر ارشان شاہ نام تھا۔ کہتے ہیں جب طب کی تحصیل کا شوق ہوا۔ فارسی پڑھی تھی۔ لیکن عربی نہ جانتا تھا۔ اطبّائے عصر سے اس علم کے پڑھانے کی استدعا کی جو بے انتہا اصرار کے باوجود بھی عربی نہ جاننے کی وجہ سے نامنظور ہوئی۔ اُس کی رگِ غیرت کو جنبش ہوئی اور کمر ہمت باندھ کر عربی زبان کے حاصل کرنے میں مشغول ہوگیا۔ عربی میں تحصیل طب کے بعد تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اپنی ابتدائی وقت کو مدِنظر رکھ کر ایک کتاب کے سوا سب کتابیں فارسی ہی میں لکھیں ۔

اِس فاضل طبیب کی تصانیف یہ ہیں :۔

(۱)۔ طب اکبر جو شرح اسباب کا ترجمہ مع فوائد ہے

(۲)۔ مفرح القلوب ترجمہ قانونچہ مع تشریح ۔

(۳)۔ قرابادین قادری ۔

(۴)۔ مجربات اکبری ۔

(۵)۔ میزان الطب ۔

(۶)۔ حدود الامراض ۔

(۴۸۲) مرقس (حکیم)

اُن بارہ طبیبوں میں جو علم ادویہ کے بڑے واقف کار اور بانی تھے ساتواں فرد ہے۔

یہ اور اُس کے دیگر ساتھی اپنی نفع رسانی خلائق کے لحاظ سے "دوازدہ بروج" کہے جاتے تھے۔ بقراط سے بعد۔ اور جالینوس سے قبل ہُوا ۞

(۴۸۴۳) مرکی سَن MURCHISON Charles Murchison (ڈاکٹر)

چارلس مرکی سَن ۱۸۳۰ء میں بمقام جزیرہ جمیکا (غرب الہند) پیدا ہُوا۔ اس کا باپ ڈاکٹر تھا۔ چارلس ۱۸۴۵ء کو ابرڈین یونیورسٹی میں داخل ہُوا۔ اور ۱۸۴۷ء و ۱۸۴۸ء کو اڈنبرا میں ڈاکٹری کی تعلیم پاتا رہا۔ وہاں اُس نے اپنے شوق۔ ذہانت اور محنت کی وجہ سے کئی ایک انعام اور وظائف حاصل کئے۔ ۱۸۵۰ء میں وہ ساتھم کا ہُوس سرجن مقرر ہو گیا۔ اور ۱۸۵۵ء میں اُس نے ڈاکٹری کی اعلےٰ سند حاصل کی۔ اس کے متعلق اُس نے حسب قاعدہ رسولیوں کی ماہیت پر ایک مضمون لکھا۔ اس کے بعد ڈبلن اور پیرس وغیرہ میں تعلیم پاتا رہا۔ بالآخر کیمسٹری کا پروفیسر مقرر ہو کر کلکتہ کو گیا۔ جہاں اُس نے تجربات اور کیمیائی مسائل کی تشریح و توضیح کے لئے بہت کچھ نیکنامی حاصل کی۔ پھر انگریزی مہم کے ساتھ برہما کو چلا گیا۔ اور وہاں کی آب و ہوا اور امراض کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک کتاب لکھی ۞

۱۸۵۵ء میں وہ انگلستان کو واپس لوٹ گیا۔ اور لنڈن کے "کالج اطبّاء" کا ممبر بنایا گیا۔ ویسٹ منسٹر کے شفاخانہ کا طبیب اور سینٹ میری ہسپتال میں تشریح کے تجربے کرنے کو مقرر ہُوا۔ دوسرے سال "کنگس کالج" کے متعلقہ ہسپتال کا معاون ڈاکٹر مقرر ہُوا۔ مگر ۱۸۶۰ء میں اس عہدہ سے مستعفی ہو گیا۔ اِس سے پہلے ۱۸۵۶ء میں لنڈن کے "شفاخانہ حمیات" کا مددگار مقرر ہُوا۔ اِس دوران میں اُس نے امراض تخمیریہ کی ماہیت کے متعلق تحقیقات کی۔ جس میں وہ خود بھی محرقہ دماغی کے اندر مُبتلا ہو گیا۔ اِس تکلیف سے اُس کا دل ہمیشہ کے لئے کمزور ہو گیا۔ اور مرتے دم تک اُس کا ازالہ نہ ہو سکا ۞

۱۸۶۲ء میں مرکی سن نے "برطانیہ کے مسلسل بخارات پر ایک کتاب لکھی۔ اُس میں زیادہ تر اُس نے محرقہ دماغی۔ محرقہ اسہالی اور حمّی القحطی پر روشنی ڈالی ہے۔

اور اس کے علاوہ بخاروں کی تاریخ۔ اُن کی جغرافیائی کیفیت۔ اُن کے پیدا ہونے کی وجہ۔ اُن کی علامات۔ اور طریقۂ علاج نیز دیگر امور سے بسوط بحث کی ہے۔ اُس کا اُن کی نسبت یہ خیال تھا کہ یہ امراض غلیظ اور گندہ مقامات سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کا انسداد بھی ممکن ہے۔ ڈاکٹر بڈ نے محرقہ کے متعلق یہ رائے قائم کی تھی کہ یہ ایک قسم کے کیڑوں سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر مرکی سن کو اس سے اختلاف رہا۔ اُس نے یہ خیال ظاہر کیا ہے۔ کہ محرقہ غلاظت کے سبب سے ہر جگہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اُس کی یہ کتاب نہایت فاضلانہ اور مستند سمجھی گئی۔ پہلی دفعہ جس قدر چھاپی گئی ہاتھوں ہاتھ اُٹھ گئی۔ اس کا جرمن زبان میں بھی ترجمہ ہُوا۔ لیکن چونکہ وہ اُس کے دوسرے ایڈیشن کو زیادہ عمدہ اور مکمل بنانا چاہتا تھا۔ اس لئے ۱۸۷۳ء تک طبع ثانی کی نوبت نہ آئی۔ طبع اوّل میں ۲۷۰۳ مریضوں کا جو ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۷ء تک لنڈن کے شفاخانۂ حمیات میں داخل ہوئے تھے۔ ذکر تھا۔ مگر دوسرے ایڈیشن میں ۲۸۰۶۳ مریضوں کے جو ۱۸۴۸ء سے ۱۸۷۰ء تک شفاخانہ مذکور میں علاج کے لئے آئے۔ حالات درج کئے گئے۔ اس کتاب کے مکمل کرنے میں غیر معمولی استقلال اور محنت شاقہ سے کام لیا گیا تھا۔ ملازمت اور مطب سے جو وقت بچتا تھا۔ اُسے اس پر صرف کیا جاتا تھا۔ مرکی سن کی عمر چالیس سال کے قریب ہوگی جب وہ لنڈن کے نامی گرامی ڈاکٹروں میں شمار کیا جانے لگا۔ اب اُس کے مطب کو بھی بہت رونق نصیب ہوئی۔ اور مرتے وقت تک اُس کی شہرت اور کامیابی میں ترقی ہوتی گئی ۔

۱۸۶۸ء میں مرکی سن نے جگر کے اُن امراض پر ایک کتاب شائع کی جو اُس نے مطب اور شفاخانہ کے دوران میں مشاہدہ کئے تھے۔ ۱۸۷۷ء میں اُس کے دوسرے ایڈیشن میں اُس نے کرون کے یادگاری لیکچروں کو جو "جگری شکایات" پر تھے شامل کر دیا۔ ۱۸۷۱ء میں وہ "سینٹ ٹامس کے شفاخانہ" کا پورا ڈاکٹر اور "علم الادویہ" کا لیکچرار مقرر ہُوا۔ اس کام کے لئے وہ نہایت موزون تھا۔ وہاں اُس کی غیر معمولی قابلیت پوری خوبی کے ساتھ ظاہر ہوئی۔ ۱۸۷۷ء میں جب اُس نے پیتھالوجیکل سوسائٹی کے

پریسیڈنٹ کی حیثیت سے افتتاحی لیکچر دیا۔ تو اُس کی بہترین صلاحیت کا اور بھی ثبوت ملا۔ وہ بہت خوبیوں کا آدمی تھا۔ وہ بڑا علم دوست۔ محنتی۔ بُردبار اور نیک مزاج تھا۔ علم نباتات علم حیوانات۔ کیمسٹری اور جیالوجی (علم طبقات الارض) میں کافی دسترس رکھتا تھا۔ وہ اپریل ۱۸۷۹ء میں اس جہان سے رحلت کر گیا۔ اُس کی موت کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یکایک دل کی حرکت کے بند ہوجانے سے واقع ہوئی تھی۔ وہ اس مرض میں کئی برسوں سے مبتلا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مریض اُس کے کمرے سے مشورہ کر کے باہر نکلا اور دوسرا اندر جانا چاہتا تھا۔ کہ ناگہاں اُس کے دل کی حرکت بند ہوگئی۔ وہ اپنے ہم پیشہ لوگوں سے بھی ہمیشہ مروّت کا سلوک کرتا۔ اور حتے الامکان اُن کی مدد کرتا تھا۔ دوستوں سے بہت اچھا برتاؤ کرتا۔ اُس کی طبیعت کم سخنی کی طرف مائل تھی۔ ہر ایک کام کو سوچ سمجھ کر کرتا۔ اُس کا قد میانہ۔ بدن مضبوط۔ سر بڑا۔ پیشانی کشادہ آنکھیں خوبصورت اور چمکیلی تھیں۔

(۴۸۴) مَرْوَان بِن جَنَاح (حکیم)

یہودی تھا۔ علم منطق سے خاص رغبت رکھتا تھا۔ اور عربی زباندانی میں وسیع المعلومات تھا۔ فن طب میں اعلیٰ درجہ کا ماہر اور عمدہ معالج تھا۔ اس کی تصانیف میں سے صرف ایک کتاب "کتاب التلخیص" پائی جاتی ہے اس میں مفرد دواؤں کا حال۔ فن طب میں استعمال ہونے والے اوزان و پیمانے۔ وغیرہ بہ تفصیل بیان کئے ہیں۔

(۴۸۵) مِسْکَوَیْہ (حکیم)

ابو علی احمد بن مسکویہ۔ نہایت عالی مرتبت فیلسوف و حکیم۔ فاضل طبیب تجربہ کار معالج۔ اور طب کے اصول و فروع کا اچھا جاننے والا تھا۔ فلسفہ و حکمت کے علاوہ علوم نجوم و ہیئت و منطق و ادب میں بھی اعلیٰ پائگاہ رکھتا تھا۔ لیکن طبیعت کا میلان فلسفۂ اخلاق کی طرف غالب تھا۔ اس لئے اسی میں زیادہ اشتغال رکھا۔ ابو علی بن سینا

شیخ الرئیس کا ہمعصر اور اُس کے مقابلہ کا فیلسوف و حکیم ہے۔ اس کی تصانیف میں سے طب کے متعلق دو کتابیں۔ ایک شربتوں کے اور دوسری مطبوخات یعنی جوش دی جانے والی دواؤں کے بیان میں ہیں۔ اور زیادہ مشہور کتاب فلسفۂ اخلاق کی وہ سب سے پہلی کتاب ہے جو ایک مسلمان فیلسوف و حکیم نے لکھی۔ یعنی کتاب تطہیر الاعراق فی تہذیب الاخلاق ؛

(۴۸۶) مسیح الملک شیرازی (حکیم)

حکیم نجم الدین عبداللہ بن شرف الدین حسن کا تربیت یافتہ۔ درویش منش اور پاک اعتقاد تھا۔ علم و عمل طب میں ممتاز درجہ رکھتا تھا۔ دکن سے ہندوستان آیا۔ اور شہزادہ سلطان مراد کے ساتھ گجرات کی طرف گیا۔ آخر مالوہ میں پہنچ کر فوت ہوگیا ؛

(۴۸۷) مظفر اُردستانی (حکیم)

چھوٹی عمر میں شاہ طہماسپ کا طبیب مقرر ہوا۔ نہایت ذہین اور پاکیزہ اطوار جوان تھا۔ بیماروں کے علاج میں اُس کے ہاتھ کو نہایت مبارک سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ علمیت ایسی زیادہ نہ تھی لیکن تجربہ اور دست شفا نے اس کمی کی تلافی کردی تھی ؛

(۴۸۸) مغنس حمّصی (حکیم)

یہ حکیم ملک شام کے شہر "حمّص" کا باشندہ تھا۔ تحصیل کمال کے شوق میں "یونان" آیا اور وہیں مقیم ہوگیا۔ اس نے نوے سال عمر پائی۔ اور "کتاب البول" پیشاب کے بیان میں اسی کی تصنیف ہے پیشاب کی رنگتوں سے امراض کی شناخت کا اصول اس کتاب میں درج ہے ؛

(۴۸۹) میکنزی MCKENZIE Morell Mackenzie (ڈاکٹر)

موریل میکنزی ۷۔ جولائی ۱۸۳۷ء میں بمقام قصبہ لیٹن سٹون (اسکاٹ لینڈ)

میں پیدا ہوا تھا۔ اُس کا باپ بھی ڈاکٹر تھا۔ نہایت بالغ خرد۔ دانا اور فلاسفر تھا۔ اُسے مابعد الطبیعیات اور ذہنی امراض کی تحقیقات کا بیحد شوق تھا۔ چنانچہ اُس نے نظام امراض کا جو جنون کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ علاج کرنے میں خاص مہارت اور شہرت حاصل کی۔ اور وہ ۱۸۵۱ء میں فوت ہوا۔ اُس کے پسماندوں میں ۹ بچے اور ایک بی بی رہی۔ مگر مالی ترکہ بہت کم تھا۔

موریل میکنزی کو ڈاکٹر گریک نے تعلیم دلائی۔ اُسے علم الحیوانات سے بہت دلچسپی تھی۔ بچپن ہی سے اُس کی طبیعت کا رجحان ڈاکٹری کی طرف تھا۔ مگر چونکہ حالات مخالف تھے اس لئے سولہ سال کی عمر میں شہر کارن ہل میں بیمہ کمپنی کے ہاں کلارک ہو گیا۔ اگرچہ اُس نے وہاں کچھ نہ کچھ ترقی کی۔ مگر ڈاکٹر بننے کا خیال اُس کے دل سے نہ گیا۔ بالآخر ایک رشتہ دار کی مدد سے اُس نے ڈاکٹری پڑھنا شروع کر دی۔ اور لندن کے شفاخانہ میں داخل ہو گیا۔ ایک طرف تو ہسپتال میں پڑھنا اور دوسری طرف انٹرنس کے امتحان کی تیاری کرتا رہا۔ ۱۸۵۸ء میں لندن کے "کالج جراحاں" کا ممبر منتخب ہوا۔ اور اسی سال تین مضامین میں بڑی کامیابی کے ساتھ ایم بی کی ڈگری حاصل کی۔ لندن کے شفاخانہ سے فن جراحی کی عمدہ قابلیت کی وجہ سے سنہری تمغہ پایا۔ اس کے بعد اُسے مریضوں کے ساتھ اخلاق۔ مہربانی اور بُردباری کا سلوک کرنے کے باعث ایک اور طلائی تمغہ ملا۔ پھر وہ لندن کا شفاخانہ چھوڑ کر پیرس کو گیا۔ اور وہاں ایک سال تک نامی گرامی ڈاکٹروں کی نگرانی میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ بعد میں وائنا (آسٹریا) کو گیا اور علم الامراض کے ایک مشہور ماہر سے درس لیتا رہا۔ سینہ۔ حلق اور آنکھ کے امراض کا علم خاص خاص ماہروں سے پڑھا۔ وہ پسٹ (ہنگری) میں اس غرض سے پہنچا کہ امراض حلق کو دیکھنے کے اُس آلہ کا استعمال سیکھے جو وہاں کے ایک ڈاکٹر نے اختراع کیا تھا۔ اس کے بعد اٹلی میں جا کر چند ماہ تک مصروف مطالعہ رہا۔ وہاں سے واپس آکر لندن کے ہسپتال کا رزیڈنٹ میڈیکل آفیسر مقرر ہوا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ بعد اُس کا رجسٹرار بن گیا۔ اُس نے وہاں پر لیرنج سکوپ (حنجرہ بین) سے کام

لینا شروع کیا۔ جن مریضوں کا علاج آلہ مذکورہ کے وسیلہ سے کیا جاتا اُن کا ذکر میڈیکل رسالوں میں شائع کرایا جاتا۔ ۱۸۶۲ء میں اُس نے لندن یونیورسٹی سے ایم۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ؂

۱۸۶۳ء میں میکنزی نے "امراض حنجرہ" پر ایک محققانہ مضمون لکھ کر شاہی کالج جراحاں لندن سے ڈاکٹر جیکسن کا یادگاری انعام حاصل کیا۔ اپنے ہم پیشہ دوستوں کی تاکید اور صلاح سے میکنزی نے اپنے مطالعہ کے لئے امراض حلق کو مخصوص کیا۔ اس کے بعد اُس نے لندن کے مغربی حصہ میں مطب جاری کیا اور وہاں کے بیماروں کا علاج کرنے کے لئے ایک ہسپتال بھی قائم کرایا۔ ۱۸۶۶ء جس سے خلق خدا کو بہت فائدہ ہوا۔ ۱۸۶۶ء میں وہ لندن کے ہسپتال کا اسسٹنٹ ڈاکٹر مقرر ہوا۔ اور اُس کے احباب نے یہ تجویز کی کہ اس ہسپتال میں علاج امراض حلق کے لئے ایک خاص شعبہ کھلوا کر اُس کے سپرد کر دیا جائے مگر اُس نے یہ کہکر انکار کر دیا۔ کہ میں جب تک شفاخانے میں ہوں ہر قسم کے امراض کے معالجات کرونگا۔ لیکن با ایںہمہ اُس نے شفاخانہ کے متعلقہ میڈیکل کالج (مدرسہ طبیہ) میں امراض حلق پر لیکچر دینا منظور کر لیا۔ اور وہاں تین سال تک فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) پر بھی لیکچر دیتا رہا۔ آخر مطب کے زیادہ وسعت پذیر ہو جانے کی وجہ سے اُس کو ہسپتال کی نوکری ترک کرنی پڑی ؂

ڈاکٹر میکنزی نے اپنے فن میں بہت نام پیدا کیا۔ اُس نے خصوصی ڈاکٹروں کے حقوق کی وکالت اور حفاظت بھی شروع کی۔ اس سے پیشتر یہ دستور تھا کہ لندن کے شفاخانہ کے سنڈے فنڈ (اتواری چندہ) سے خاص ہسپتال مستفید نہ ہو سکتے تھے۔ اُس نے اس کے خلاف آواز اُٹھائی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک علیحدہ خزانچی مقرر کر دیا گیا۔ اور اُس کے انتظامی ضابطہ میں بہت کچھ ردّ و بدل ہوا۔ اس فاضل ڈاکٹر نے اپنی اعلےٰ دستگاہ اور بہترین مہارت کی وجہ سے غیر ملکوں میں بھی بہت عزت حاصل کی تھی۔ چنانچہ وہ امریکہ کی لیرنگوارجیکل ایسوسی ایشن (انجمن مبحث الحنجرہ) یعنی امراض حلق پر بحث کرنے والی انجمن کا فیلو منتخب ہوا۔ اُس نے حلق کی بیماریوں

کے علاج کے لئے کئی ایک نئے آلات خود وضع کئے اور مروجہ آلات میں مناسب ترمیم بھی کی۔ اُس نے "امراض حلق میں حنجرہ بین کا استعمال" "امراض حلق پر مضامین" "خناق" "کاہی بخار" اور "امراض حلق و ناک" وغیرہ پر کتابیں بھی لکھیں۔

میکنزی نے اپنے زمانے میں جو کچھ کیا اُس سے یہ امر بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے فن کا کامل ماہر تھا۔ اُس کے مفید کاموں کی وجہ سے اُس کے ہموطن تہ دل سے شکر گزار ہیں۔

(۴۹۰) منجم بن الفوّال (حکیم)

یہودی اور سرقسطہ کا رہنے والا تھا۔ فن طب میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ منطق اور دیگر علوم فلسفہ میں بھی اچھی دستگاہ تھی۔ اس کی تصنیف ایک کتاب "کنز المقل" نامی سوال و جواب کے پیرایہ میں ہے۔ اس میں قوانین منطق اور اصول طبیعیات کو اجمالی طور پر بیان کیا ہے۔

(۴۹۱) منرو (اوّل) MONRO (i) Alexander Monro (ڈاکٹر)

الیگزنڈر منرو ۱۶۹۷ء کو بمقام لندن پیدا ہوا۔ اُس کا باپ فوجی ڈاکٹر تھا۔ چونکہ الیگزنڈر اپنے باپ کا ایک ہی بیٹا تھا۔ اس لئے باپ نے اُس کی ذہانت و فطانت کا اندازہ کرتے ہوئے اُس کی تعلیم و تربیت کا خاص انتظام کیا۔ شروع میں وہ لندن میں پڑھا۔ پھر کچھ عرصہ تک پیرس اور لنڈن (ہالینڈ) میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اور ڈاکٹری میں اعلےٰ دستگاہ پیدا کی۔ ایام طالب علمی ہی میں الیگزنڈر نے علم تشریح کی خاص قابلیت اور کمال کا ثبوت دیا۔ لندن اور پیرس وغیرہ مقامات میں اُس نے اپنے اُستادوں کو اپنی غیر معمولی ذکاوت کا قائل بنا لیا تھا۔

منرو بائیس سال کی عمر میں علم تشریح کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اُس نے اِس جگہ پر مقرر ہوتے ہی اعلان کر دیا کہ لیکچروں کی تشریح تصاویر کے وسیلہ سے کی جائیگی۔ اُس کے

باپ نے اُسے اطلاع کئے بغیر "کالج جراحاں" ایڈنبرا کے پریسیڈنٹ، فیلوز اور دیگر قابل ڈاکٹروں کو لیکچر میں آنے کی خاص درخواست کی۔ جب لیکچرار ہال میں آیا تو وہاں بڑے بڑے نامور اُستادوں اور ماہروں کو موجود دیکھ کر اُسے ایسی گھبراہٹ ہوئی کہ جن خیالات کو وہ بیان کرنا چاہتا تھا سب بھول گیا۔ لیکن چونکہ وہ نہایت ذکی الطبع اور ہشیار شخص تھا اس لئے اُس نے اس نازک موقع پر اپنی تیار کردہ تصاویر کا ذکر شروع کردیا۔ تھوڑی دیر میں اپنے آپ کو سنبھال کر نہایت روانی کے ساتھ بولنے لگا جس سے حاضرین اُس کی قدرت تقریر کے قائل ہوگئے۔ اُسے فن جراحی اور علم تشریح پر کافی عبور حاصل تھا۔ اس لئے اکثر طلباء اُس کے لیکچروں میں شریک ہونے لگے اور اُن کی تعداد تھوڑے ہی عرصہ میں ڈیڑھ سو تک پہنچ گئی۔ رفتہ رفتہ برطانیہ کے طول و عرض میں اُس کی شہرت ہوگئی۔ اور ہر حصہ ملک سے طلباء آنے لگے ۱۷۲۲ء میں وہ مستقل پروفیسر مقرر ہو کر باستقلال کام کرنے لگا۔

اب اُسے یہ مشکل پیش آئی کہ چیر پھاڑ کے لئے مردے دستیاب نہ ہوتے۔ اُس کی طالب علمی کے زمانے میں یہ دقت نہ تھی مگر ایڈنبرا میں اُس کے ملازم ہونے سے پہلے ہی یہ بات مشہور ہوچکی تھی کہ ڈاکٹر قبروں سے مُردے نکال کر لے جاتے ہیں۔ اگرچہ اس زمانے میں بھی ایک خاص شاہی فرمان کے ذریعہ سے مجسٹریٹوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ مجرموں کی نعشیں سرجنوں کو دی جایا کریں۔ لیکن آئے دن اس قسم کی لاشیں کہاں مہیا ہوسکتی تھیں۔ اس لئے ان کا بالعموم قحط رہتا تھا۔ بایں ہمہ منرو نے اس مابالاحتیاج کی بہمرسانی کا انتظام کرلیا اور ۱۷۲۵ء میں یونیورسٹی کی عمارت میں سے ایک کمرہ چیر پھاڑ کے تجربے دکھانے کے لئے مخصوص کرالیا۔ وہاں وہ انسانوں کے علاوہ جانوروں کے اجسام بھی چیر کر دیکھا کرتا۔ اور مختلف اعضاء کے مختلف امراض کی تشریح کیا کرتا۔ نعشوں پر آپریشن کئے جاتے اور زخمی مقامات پر مرہم پٹی کی جاتی۔ اور افعال الاعضاء کے متعلق طلباء کو باریک باریک نکات سمجھائے جاتے تھے۔ اسی ڈھنگ سے وہ چالیس سال تک تعلیم دیتا رہا۔

ایڈنبرا میں کوئی بڑا شفاخانہ موجود نہ تھا۔ منرو نے وہاں کے ایک با اثر شخص کو اپنا ہمخیال بنا کر یہ انتظام شروع کر دیا۔ اُس کے لئے ضروری سامان کی فراہمی یوں ہوئی کہ پتھر، چونہ اور لکڑی وغیرہ تاجروں نے دی۔ اِن کو شہر تک پہنچانے میں کسانوں نے مدد کی معماروں اور نجاروں نے مفت کام کرنا منظور کیا۔ مزدوروں نے مہینہ میں ایک روز بلا اُجرت خدمت کی اسی طرح سے یہ شفاخانہ بلا صرف تیار ہو گیا۔ اس کے مکمل ہو جانے پر اُس نے مریضوں کی بیماریاں اور اُن کے علامات دکھا دکھا کر طلباء کو پڑھانا شروع کیا۔ نعشوں کی چیر پھاڑ کے موقع پر وہ خود موجود رہ کر شاگردوں کو اپنے امتحان اور مشاہدہ کے نتائج لکھوا دیتا۔ اور اُن کو سکھانے کے لئے ہر وقت تیار رہتا۔ مطب میں نہایت پابندی اور احتیاط سے کام لیتا۔

۱۷۲۶ء میں اُس نے مبحث العظام (ہڈیوں کی بحث) پر ایک کتاب شائع کی اور غیر زبانوں میں بھی اُس کا ترجمہ ہو گیا۔ اس کے بعد اعصاب کے متعلق ایک کتاب لکھی پھر کئی ایک مسلسل مضامین اور متواتر تحقیقات کے نتائج شائع کئے۔ اُس نے تشریح نسبتی کے متعلق ایک اور مشہور کتاب چھپوائی جس میں جانوروں کے بدن کی ترکیب کے ذریعہ سے انسانی جسم کی توضیح کی گئی تھی۔ اس کتاب میں ایک سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں جو باتیں مندرج ہیں وہ آج کل کی تحقیقات کے عین مطابق ہیں۔

اُس نے چارپایوں کے دو اقسام بیان کئے ہیں (۱) گوشت خور (۲) سبزی خور۔ پرندوں کو اناج کھانے والوں اور کیڑے مکوڑے کھانے والوں میں تقسیم کیا ہے۔ مچھلیوں کو شُشدار (پھیپھڑے والیاں) اور غیر شُشدار (بلا پھیپھڑے والیاں) پر بانٹتا ہے۔ اُس نے بیان کیا ہے کہ جن مچھلیوں میں پھیپھڑے ہوتے ہیں وہ چارپایوں سے بہت کچھ مختلف پائی جاتی ہیں۔

منرو نے مثانہ اور مقعد کے پھوڑے سے جولائی ۱۷۶۷ء میں انتقال کیا۔ اُس کا قد میانہ۔ اور جسم مضبوط تھا۔ وہ نہایت سادہ طبع۔ بامروت اور خلیق شخص تھا۔ بچوں کو بہت پیار کیا کرتا۔ ۱۷۴۵ء کو جب وہ میدان کارزار میں گیا۔ تو وہاں بلا امتیاز

ہر ایک کی خبر گیری کرتا رہا۔ سب مجروحوں کے زخموں پر نہایت مہربانی اور ہمدردی سے مرہم پٹی کی اور اُن کی تکالیف کو دور کرنے کے لئے نہایت محنت اور عرقریزی کے ساتھ سرگرم کوششیں کیں ؏

(۴۹۲) منرو (دوم) MONRO (ii) Alexander Monro (ڈاکٹر)

الیگزنڈر منرو (دوم) منرو اول کا بیٹا تھا۔ مئی ۱۷۳۳ء کو پیدا ہوا۔ اسے لڑکپن ہی سے علم تشریح کا شوق تھا۔ اپنے باپ کو چیر پھاڑ کا کام کرتے ہوئے دیکھ کر اسے بھی اُدھر توجہ ہوئی اور کچھ عرصہ کے بعد نعشوں کی چیر پھاڑ میں باپ کا ہاتھ بٹانے لگا۔ اُس نے اس قدر جلد ترقی حاصل کی کہ اپنے باپ کی جگہ اُن لڑکوں کو لیکچر دینے لگا۔ جو طلباء کی کثرت کے باعث صبح کے وقت شامل نہ ہو سکتے تھے۔ اس میں بھی اُس نے نہایت مستعدی کا ثبوت دیا۔ اور لڑکوں کو شوق و محنت سے پڑھا کر اتنی نیکنامی حاصل کی کہ اُس کے باپ نے میونسپل کمیٹی سے درخواست کی کہ "میرے لڑکے الیگزنڈر کو میرا معاون اور مددگار مقرر کیا جائے۔ اگر یہ ممکن ہو تو میں اُسے یورپ کے بہترین میڈیکل سکولوں اور کالجوں میں تعلیم دلاؤنگا" میونسپل کمیٹی نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ اور الیگزنڈر ایڈنبرا میں پڑھنے لگا۔ ۱۷۵۵ء میں اُس نے وہاں سے ایم۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد مزید تحصیل کے لئے لنڈن۔ لیڈن۔ پیرس اور برلن کے میڈیکل کالجوں میں گیا۔ لنڈن میں مشہور ڈاکٹر ولیم ہنٹر کے زیر نگرانی پڑھتا رہا۔ برلن میں جرمن کے نامور ماہر تشریح میکل کے گھر میں رہا۔ اور اُس سے نہایت شوق اور جفاکشی سے اس علم کو حاصل کیا ؏

۱۷۵۸ء میں تین سال کے بعد الیگزنڈر منرو ایڈنبرا میں واپس آیا۔ تو اُس کے باپ نے خود اپنی اسامی سے سبکدوش ہو کر اپنا کام اُس کے سپرد کر دیا۔ اُس نے وہاں خون کے مسئلہ پر انوکھے خیالات کی تعلیم دینا۔ اور باپ کے خیالات کی تردید کرنا شروع کر دی۔ چونکہ اُس کی تقریر کا ڈھنگ عالمانہ اور منطقیانہ تھا اس لئے وہ اپنے

خیالات کو طلباء کے ذہن پر نہایت خوبی کے ساتھ نقش کر دیتا۔ اُس کے پہلے لیکچر سے سامعین پر بجلی کا سا اثر ہوا۔ اور اُس کی مہارت فن کا عام طور پر اعتراف کیا گیا وہ پچاس سال تک اسی کام میں مصروف رہا اور شاندار کامیابیاں حاصل کیں اُس کی علمیت اور طریقہ تعلیم کا تھوڑے ہی عرصہ میں دور دور تک شہرہ ہو گیا۔ اور اُس کی کلاس میں طلباء کی تعداد رفتہ رفتہ چار سو تک پہنچ گئی ؁

اب الیگزنڈر منرو نے کالج میں پڑھانے کے علاوہ مطب بھی شروع کر دیا۔ اور بہت جلد اُس کا شمار ایڈنبرا کے جلیل القدر اطباء میں ہونے لگا۔ مشہور ڈاکٹر جیمز گریگری اُس کی نسبت یہ الفاظ لکھتا ہے:۔ "وہ نہ صرف نصف صدی تک میڈیکل اسکول کا سرگروہ رہا۔ بلکہ مطب میں بھی اپنے معاصر ڈاکٹروں سے ممتاز تھا۔ اگرچہ وہ آپریشن نہ کیا کرتا تاہم جراحی کے مشکل اعمال میں اُس سے مشورہ کیا جاتا تھا۔" اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ تشریح میں کامل مہارت رکھنے کی وجہ سے نہایت خوبی کے ساتھ اس مضمون کا درس دیتا تھا۔ اور اُس کی عالمگیر شہرت کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی تھی ؁

۱۷۷۷ء میں فن جراحی کا ایک جداگانہ پروفیسر مقرر کرنے کی تجویز پیش ہوئی۔ مگر الیگزنڈر نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ جراحی میرے ہی مضمون کا ایک جزو اور اسی میں شامل ہے۔ بالآخر اُسے کامیابی ہوئی۔ اس فاضل تشریح داں کا یہ دعوےٰ تھا کہ اُس نے نظام غدد لمفاویہ کے متعلق کئی ایک ضروری اور اہم انکشافات کئے ہیں اور اُس کا یہ دعوےٰ ایک بڑی حد تک درست بھی تھا۔ اُس نے نظام اعصاب کی ساخت اور افعال کی نسبت جو باتیں مشاہدہ سے معلوم کی تھیں۔ اُنہی کی بناء پر نامور طبیب سر چارلس بیل کی توجہ دماغی اعصاب کے پانچویں جوڑے کے عقدہ اور نخاعی اعصاب کی ابتداء کی طرف منعطف ہوئی۔ اور اُس نے اُن کے متعلق کئی نئی باتیں دریافت کیں ؁

۱۷۵۸ء میں جب منرو برلن میں تھا۔ اُس نے غدو دجاذبہ پر ایک نے بردست

مضمون شائع کیا تھا۔ اور شائع کرنے سے کچھ عرصہ پہلے اس کی ایک نامور ڈاکٹر سے نظر ثانی بھی کرائی تھی۔ اُس میں وہ لکھتا ہے کہ :۔

" غدود جاذبہ اپنا جُداگانہ نظام رکھتی ہیں۔ ان کا شرائین واوردہ سے کوئی قریبی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ ان کا علاقہ جسم کے ان سیلز (خلیّات) اور کیوی ٹیز (تجاویف) سے ہے جن میں رطوبات جمع رہتی ہیں۔ غدود جاذبہ کا ایک یہ کام بھی ہے کہ وہ اُن طوبات کے پتلے حصہ کو جذب کرکے باقیماندہ کو جسم کے اندر گردش کرنے کی تحریک کریں۔ اُس نے تجربے اور نظیریں پیش کرکے یہ بھی ثابت کیا کہ جب کوئی مضر و تلخ شے جلد کے مساموں پر لگائی جاتی ہے یا اس قسم کا کوئی مادّہ خانہ دار جھلّیوں میں چلا جاتا ہے تو اس حصّہ کے نیز وسط جسم کے غدود پھول جایا کرتے ہیں اور اُن میں درد ہونے لگتا ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہُوا کہ وہ مُضر مادہ غدود جاذبہ کے وسیلہ سے جذب ہوجاتا ہے "

منرو نے سب سے پہلے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ رسولیوں میں جو ہڈیاں اور سخت عضلات جذب ہوجاتے ہیں اُس کی وجہ دباؤ ہُوا کرتا ہے۔ اُس نے دماغ۔ آنکھ کان اور مچھلیوں کے پنجر کی ترکیب اور اُن کے اعضاء کے افعال پر بہت سی تحقیقات اور مشاہدہ کے بعد کئی ایک قابل قدر کتابیں لکھیں۔ جن کی وجہ سے گذشتہ زمانے میں علم تشریح کو بہت کچھ ترقی نصیب ہوئی۔ لیکن اُس کی طرز تحریر ایسی دلچسپ اور لطف انگیز نہیں جیسی کہ ہاروے اور سڈنم کی تھی۔ وہ لطیف چٹکلے اور چھوٹی چھوٹی کہانیاں بہت جانتا تھا۔ وہ اپنے زمانے کے اُن تمام مشہور ڈاکٹروں سے جو ایڈنبرا میں رہتے تھے۔ خوب واقف تھا۔ اُس کو تھیٹر سے بہت دلچسپی تھی۔ باغبانی کا اس قدر شائق تھا کہ اُس نے اپنے ایک قطعہ زمین پر ایک نہایت خوبصورت باغ لگا رکھا تھا۔ جس میں خود پودے لگایا کرتا۔ اور کبھی کبھی وہاں اپنے دوستوں کے ساتھ جاکر ہنسی خوشی میں وقت گذارتا تھا ؁

منرو اپنے وقت کا بڑا پابند تھا اُس نے ہر ایک کام کے لئے ایک خاص وقت مقرر کر رکھا تھا۔ مرتے دم تک اُس کی محنت اور جفاکشی کی وہی کیفیت رہی جو عالم شباب

میں تھی۔ اُس کے ہر ایک لیکچر میں کوئی نہ کوئی انوکھی بات ضرور ہوتی۔ ڈاکٹر جینر نے جب ٹیکہ لگانے کا مادہ دریافت کیا اور اُسے تجربات سے مفید ثابت کر دیا تو منرو نے بھی اُس سے کام لینا شروع کیا۔ اور اپنے ہاتھ سے کئی بچوں کو ٹیکا لگایا۔ وہ متوسط قد اور مضبوط نیز ورزشی جسم کا آدمی تھا۔ اُس کا سر بڑا۔ پیشانی کشادہ نیز اُبھری ہوئی اور گردن چھوٹی تھی ۱۷۹۸ء میں اُس کا لڑکا بھی اس قدر ہشیار ہو گیا کہ لیکچر دینے میں اُس کی مدد کرنے لگا۔ وہ ۱۸۰۹ء تک تو تعلیم بھی دیتا رہا مگر اس کے بعد اُس نے مطب کرنا بھی چھوڑ دیا۔ اور اکتوبر ۱۸۱۷ء کو مرض اپوپلکسی (سکتہ) میں مبتلا ہو کر اس جہان فانی سے ملک عدم کو روانہ ہو گیا۔

(۴۹۳) مَنْصُوْر بِنْ بَاْنَاس (حکیم)

یہ قیضا الرہاوی کے طبقہ کا مترجم۔ اور سُریانی زبان میں بہ نسبت عربی کے زیادہ ماہر تھا۔

(۴۹۴) مَنْکہ ہِنْدِی (حکیم)

فن طب کا ماہر۔ علاج میں صاحب دسترس اور تشخیص الامراض میں کامل ہونے کی وجہ سے ممتاز تھا۔ فیلسوف و حکیم بھی ایسا تھا کہ سینکڑوں میں ایک گنا جاتا۔ علمائے و حکمائے ہند کے علوم پر پوری طرح قادر۔ اور زبان سنسکرت و فارسی دونوں کا ادیب ماہر تھا۔ شاناق ہندی کی "کتاب السموم" کا فارسی میں اسی نے ترجمہ کیا۔ منکہ خاندان عباسیہ کے نامور خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں ہندوستان سے اس دربار کی علمی قدر دانی کا شہرہ سُن کر عراق آیا۔ اور دربار میں رسائی حاصل کی۔ پہلے یہ "اسحٰق بن سلیمان بن علی ہاشمی" سے ملا۔ جو سادات عرب کا ممتاز فرد اور بغداد کا مقتدر رئیس تھا۔ اور پھر رفتہ رفتہ اپنی علمی قابلیت کے شہرت پذیر ہونے پر دربار خلافت میں بھی پہنچ گیا۔ چونکہ منکہ اپنی مُلکی علمی زبان سنسکرت کا عالم و ادیب ہونے کے علاوہ فارسی زبان پر بھی پوری قدرت رکھتا تھا اس لئے دربار میں اس کی خاص قدر و منزلت

ہوئی اور حکماء و اطبائے ہند کے علمی خزانوں کو فارسی زبان کے مخزن میں منتقل کرنے کی خدمت اس کو تفویض ہوئی ❖

منکہ کے دربار خلافت میں آنے کے متعلق ایک روایت یہ مشہور ہے کہ ایک بار خلیفہ ہارون الرشید سخت بیمار ہوا۔ تمام درباری اطباء اور ملک عراق و ایران کے نامور حکماء علاج کر تھکے کوئی افاقہ نہیں ہوتا تھا۔ آخر "ابو عمر عجمی" نامی ایک شخص نے کہا کہ ملک ہند میں منکہ نامی ایک اعلیٰ درجہ کا حاذق طبیب۔ فیلسوف۔ اور عبادت گزار ساد ھو ہے۔ اگر امیر المؤمنین اُس کو بلوائیں تو ممکن ہے کہ خداوند کریم اُس کے ہاتھوں جناب کو شفا مرحمت کرے۔ چنانچہ خلیفہ رشید نے منکہ کو ہندوستان سے بعزت و اکرام تمام بلوایا اور اُس کے معالجہ سے تندرست ہوگیا۔ منکہ دربار کے اطباء میں داخل کیا گیا۔ اور بہت کچھ مشاہرہ اُس کے واسطے مقرر ہوا ❖

منکہ کو بغداد میں آئے ہوئے کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک روز وہ بازار میں سیر کرنے گیا۔ راستہ میں اُس نے دیکھا کہ ایک عطائی دوا فروش اپنی چادر بچھائے اور اُس پر بہت سی جڑی بوٹیاں پھیلائے دوا فروخت کر رہا ہے۔ اُس وقت وہ شخص ایک معجون کا مرتبان ہاتھ میں لئے ہوئے اُس کے فوائد بیان کر رہا تھا اور کہتا تھا۔ "یہ دوا دائمی تپ۔ چوتھیا۔ دوجاری۔ تیجاری۔ درد پشت۔ درد زانو۔ بواسیر غلبۂ ریاح گٹھیا۔ درد چشم۔ درد شکم۔ درد سر۔ درد نیم سر۔ بار بار پیشاب آنے۔ فالج۔ لقوہ۔ رعشہ وغیرہ وغیرہ تمام بیماریاں جو انسان کو لاحق ہوتی ہیں سب کو نافع ہے"۔ اُس چرب زبان دوا فروش کا بیان منکہ خود تو سمجھ نہ سکا لیکن اپنے ساتھیوں سے اُس کا مفہوم معلوم کر کے مسکرایا اور کہا "اس شخص نے یہ عجیب مغالطہ کردیا ہے کہ عرب کا بادشاہ جاہل ہے"۔ لوگوں نے دریافت کیا یہ کیونکر؟ منکہ نے کہا "اس لئے کہ اُس نے ایسے ہمہ داں شخص کے اپنے یہاں موجود ہوتے ہوئے خواہ مخواہ رقم کثیر خرچ کر کے مجھے علاج کے لئے بلوایا۔ میرا وطن۔ میرے بال بچے۔ دوست احباب سب مجھ سے چھڑائے۔ اور اب ہزاروں روپے ماہوار میری تنخواہ پر خرچ کر رہا ہے۔ کیوں نہ اس فاضل شخص کا علاج کیا جو ایک

دوا سے سارے جہاں کے روگ دور کرنے کا دعوےٰ کر رہا ہے۔!!! اور اگر یہ جھوٹا ہے تو بادشاہ کی بیوقوفی کا ثبوت یوں ملتا ہے کہ وہ اس کو قتل کر کے ہزاروں بندگان خدا کی جان کیوں نہیں بچاتا۔ جو اس کے جال میں پھنسکر ہلاک ہوتے ہیں۔ بحالیکہ اس کا قتل کر ڈالنا اگر گناہ بھی ہو تو صرف ایک خون ہوگا اور اس کی زندگی ہزاروں کا خون کر چکی اور کر رہی ہے اور آئندہ بھی کریگی۔ اس سے بڑھ کر دین اور حکومت میں خرابی وکمزوری کا کیا نشان ہوسکتا ہ

(۴۹۵) موڈزلے MAUDSLEY Henry Maudsley (ڈاکٹر)

ہنری موڈزلے جس نے طب کے مسائل پر فلسفہ کی روشنی میں بحث کرنے کی وجہ سے خاص شہرت حاصل کی تھی۔ فروری ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوا۔ اپنے قصبہ میں ابتدائی تعلیم پاکر یونیورسٹی کالج لنڈن میں داخل ہوا۔ اور ۱۸۵۶ء میں ایم۔ بی کی ڈگری حاصل کی۔ دوسرے سال ایم۔ ڈی کی تیاری شروع کردی ۱۸۵۹ء سے ۱۸۶۲ء تک وہ مانچسٹر کے شاہی شفاخانہ "برائے علاج جنون" کا طبیب مقرر رہا۔ اور اس دوران میں دو بار بھی وہیں رہی ہے۔ اس کے بعد لنڈن کو چلا گیا اور وہاں اپنے پرانے کالج میں طب قانونی کا پروفیسر بن گیا۔ پھر مغربی لنڈن کے ہسپتال کا طبی مشیر مقرر ہوا ہ

۱۸۶۳ء میں موڈزلے نے ایک فاضلانہ مضمون "مسئلہ ہستی" پر لکھ کر مشہور ڈاکٹری رسالہ "برٹش اینڈ فارن میڈیکل ریویو" میں شائع کرایا۔ جس سے اس کی غیر معمولی قابلیت اور فلسفیانہ طبیعت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس مضمون میں اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان کے قوائے عقلیہ اس کی جسمانی طاقتوں کے پہلو بہ پہلو بڑھتی ہیں۔ اس نے یہ توقع بھی ظاہر کی تھی کہ افلاطون کے فلسفۂ تخیل اور بیکن کے اصول مادّیہ میں تطبیق پیدا ہو جائیگی۔ کیونکہ ان دونو کے خیالات ایک ہی سچائی کے دو پہلو ہیں ہ

۱۸۶۷ء میں اس نے عقل کی خصوصیات۔ فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) اور

اُس کی ماہیت ۔ نیز پیتھالوجی (علم الامراض) پر ایک کتاب شائع کی تھی۔ اس کتاب میں اُس نے مظاہر عقلیہ پر صرف فزیالوجی کے اصول کے مطابق بحث کی ہے۔ اور مابعد الطبیعی استدلال کو دانستہ نظرانداز کر دیا ہے۔ فلسفۂ ذہن کے کئی مبہم مسائل کو واضح کرنے کے لئے ذہن غیر سلیم کی بہت سی نظیریں اور کیفیتیں پیش کیں۔ اس کے علاوہ اُس نے علمائے مابعد الطبعیات و علم النفس کی خام خیالیوں کی بھی نہایت مستعدی اور استقلال سے تردید کی۔ جس کی وجہ سے اُس کی عام طور پر مخالفت ہوئی کیونکہ ناتجربہ کاری اور نوجوانی کے اقتضاء سے بعض جگہوں پر اُس سے فروگذاشتیں بھی ہوئی تھیں۔ بااینہمہ اُس کی یہ تصنیف بحیثیت مجموعی قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئی۔ اور دوسرے سال اُس کا دوسرا ایڈیشن بھی چھپا۔

۱۸۶۷ء میں اُس نے پھر اسی کتاب کو بعض ترمیمات کے بعد "علم النفس" کے نام سے شائع کیا۔ اس میں اُس نے موجودہ علوم مسلمہ کی روشنی میں اعصاب کے افعال اور ترکیب پر بحث کی۔ اور انہیں شعور۔ تخیلات۔ تاثرات اور جذبات کے ظاہر کرنے کے طبعی وسائل قرار دیا۔

۱۸۷۰ء میں اُس کو گلسٹن کے یادگاری لیکچر دینے کے لئے منتخب کیا گیا اور اُس نے کالج اطبا لندن میں اس کے متعلق چند لیکچر دیئے۔ جو بعد میں "جسم و عقل" کے عنوان سے شائع کئے گئے۔ پہلے لیکچر میں اُس نے بیان کیا کہ عقل کا جسمانی صحت پر کیا اثر ہوتا ہے۔ دوسرے لیکچر میں اُن عقلی امراض پر بحث کی۔ جو طبعی اسباب کی مدد سے نسلاً بعد نسلٍ ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ کہ ذہنی بیماریوں کا عصبی امراض کے ساتھ کیا علاقہ ہے۔ تیسرے لیکچر میں امراض ذہنی کا ذکر کرتے ہوئے اس امر پر روشنی ڈالی کہ جسمانی تکالیف کا ذہنی افعال پر بھی بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔

اسی اثناء میں موڈزلے کو کئی ایک مقدمات میں شہادت دینے کا اتفاق ہوا۔ جس کی وجہ سے اُسے یہ خیال ہوا کہ کئی ایسی ذہنی بیماریاں ہوتی ہیں جن کے باعث مریض کو اُس کے کاموں کے لئے ذمہ دار نہیں گردانا جا سکتا۔ اگرچہ وہ اپنے

کاموں کی نوعیت سے واقف ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ۱۸۶۴ء میں اُس نے "جنون و جُرم" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا تھا۔ ۱۸۷۲ء میں اسی رسالہ کو ترمیم و ازدیاد کے بعد "ذہنی بیماری میں ذمہ داری" کے نام سے مکرر چھپوایا۔ پھر ۱۸۷۹ء میں "امراض ذہن" کی بحث کو جداگانہ کتاب کی صورت میں شائع کیا۔ اس کتاب میں نیند۔ خواب دیکھنا سوتے میں چلنا پھرنا۔ وغیرہ حالات پر مفصّل گفتگو کی گئی ہے۔ اس کے بعد جنون کے اسباب اور علامات لکھ کر یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ یہ مرض تو ایک ہے مگر اس کے ظہور کی صورتیں مختلف ہیں۔ پھر اُن مریضوں کی مختلف حالتوں کا ذکر ہے جو دوران مطب میں مشاہدہ کی گئیں ٭

۱۸۸۳ء میں اُس نے "جسم اور ارادت" پر ایک اور کتاب لکھی جس کے بڑے بڑے مباحث کا ذکر کرنے کی تو اس مختصر میں گنجائش نہیں لیکن مصنف کی اعلےٰ عقلمندی اور ذہانت کا نمونہ دکھانے کے لئے ذیل میں کسی قدر اقتباس درج کیا جاتا ہے:۔

"کائنات کے اندر ہمیں اضداد کی جنگ آرائی نظر آتی ہے۔ قوت کشش کے مقابلہ میں قوت دفع ہے۔ ایک قوت کیمیائی اجزاء کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے۔ دوسری اُس کے نقیض ہے اور انہیں ایک دوسرے سے الگ کرتی ہے۔ ایک طرف کون (بننا) اور دوسری طرف فساد (بگڑنا) ہے۔ تحویل قوت کے برعکس انتشار قوت ہے۔ اسی طرح محبت و نفرت۔ رنج و راحت۔ خود غرضی و ایثار وغیرہ سب کیفیتیں موجود ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ قدرت کے اندر نفرت اور عداوت کی بھی ویسی ہی ضرورت ہے جیسی کہ محبت اور ایثار کی۔ یہ سب لازم و ملزوم اور مفید ہیں۔ کیونکہ کائنات کے اندر قوت کشش اور اُس کی نقیض قوت دفع اپنے اپنے محل پر بے فائدہ نہیں۔ بلکہ انہی کی بدولت کارخانۂ عالم کا نظام قائم ہے ٭

یہ فاضل محقق ۱۸۶۹ء میں کالج اطباء لندن کا فیلو منتخب ہُوا۔ پھر "میڈیکل سائیکولاجیکل ایسوسی ایشن" انجمن مباحث طبیہ و نفسانیہ کا پریسیڈنٹ رہا۔ اور ۱۸۹۹ء میں ایڈنبرا کی یونیورسٹی سے اُسے ایل ایل ڈی کی ڈگری عطا ہوئی ٭

اُس کی مشہور کتاب "امراض ذہنی" کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۹۵ء میں شائع ہوا۔ "اسباب فطری اور مافوق الطبعی مظاہر" کا تیسرا ایڈیشن ۱۸۹۷ء میں چھپا۔ اُس کے بعد زندگی۔ ذہن اور کردار کے متعلق ۱۹۰۲ء میں نیز شیکسپیر کے ڈراموں پر ۱۹۰۵ء میں قابل قدر کتابیں لکھیں۔ علاوہ ازیں وہ ۱۸۶۲ء سے ۱۸۷۸ء تک "جرنل آف منٹل سائنس" یعنی رسالۂ علم النفس کا ایڈیٹر رہا جو نہایت مشہور رسالہ تھا۔ اس کی کتابوں سے جہاں اور بیشتر فوائد حاصل ہوئے وہاں ایک بہت بڑا نفع یہ بھی پہنچا کہ اُن کے وسیلہ سے ڈاکٹروں کو امراض ذہنی کی طرف توجہ کرنے کی تحریک پیدا ہوئی۔ موڈزلے کو جس قدر نیکنامی اور شہرت نصیب ہوئی ہے۔ وہ اُن تحقیقات کی وجہ سے ہے جو اُس نے امراض ذہنی کے متعلق کی ہیں۔

(۴۹۶) موسیٰ بن اسرائیل کوفی (حکیم)

یہ ابراہیم بن مہدی کا طبیب تھا۔ اگرچہ اپنے معاصرین میں علم و فضل کے اعتبار سے کم تھا لیکن علم مجلس میں مشاق ہونے کے سبب بڑی عزت و منزلت حاصل کی۔ خوش بیان۔ علم نجوم و تاریخ کا عالم۔ اور بذلہ سنج تھا۔ اُس کی ولادت ۱۲۹ھ میں اور وفات ۲۲۲ ہجری میں ہوئی۔

(۴۹۷) موسیٰ بن خالد (حکیم)

یہ ترجمان تھا۔ اس نے بہت سی کتابیں منجملہ جالینوس کی سولہ مشہور کتب کے ترجمہ کی ہیں۔ اور دیگر کتب بھی۔ ترجمہ کی خوبی اور کتب کی کثرت میں حنین کا ہم پلہ تو کیا اُس کا پاسنگ بھی نہ تھا۔

(۴۹۸) موسیٰ بن سیّار (حکیم)

ابو ماہر کنیت۔ موسیٰ نام۔ یوسف بن سیار کا بیٹا۔ مشہور حاذق اور اعلےٰ درجہ کا تشخیص کنندہ اور کامل طبیب تھا۔ فن طب بہت اچھا جانتا تھا۔ اس کی تصانیف میں سے

ایک مقالہ فصد کے بیان میں ہے۔ اور اس نے حنین بن اسحٰق کی کتاب قرابادین پر کچھ زائد حواشی چڑھائے ہیں۔

(۴۹۹) موسیٰ بن عازار (حکیم)

الاسرائیلی (یہودی) فن طب کی مہارت اور تشخیص مرض و حذاقت میں مشہور و ممتاز تھا۔ معزالدین اللہ مصر کے فاطمی خلیفہ کی خدمت میں رہا۔ موسیٰ بن عازار کا بیٹا اسحٰق بن موسیٰ طبیب تھا۔ اور وہ بھی معزّ کے دربار میں طبی خدمت پر مامور رہا نیز خلیفہ کا مقرب رہا اور اُس کے بعض مُلکی عہدوں پر مقرر ہُوا۔ مُعزّ الدین اللہ۔ اسحٰق پر اتنی عنایت و مہربانی کرتا تھا کہ اُس نے اس کو اپنے خانگی انتظام کا بالکل مالک و مختار سا بنا دیا تھا۔ مگر اسحٰق کی زندگی نے وفا نہ کی۔ وہ ماہ صفر ۳۶۳ھ میں فوت ہو گیا۔ معزّ کو اسحٰق کے مرنے کا نہایت صدمہ گزرا۔ کیونکہ اسحٰق کی خدمتگزاری اور وفاداری اُس کے دل میں گھر کر گئی تھی۔ پھر معزّ نے بنظر پرورش اسحٰق متوفی کی جگہ اُس کے بھائی اسمٰعیل بن موسیٰ اور اسحٰق کے فرزند یعقوب کو اپنی خدمت میں لے لیا۔ موسیٰ بن عازار اُس وقت تک بقید حیات تھا۔ موسیٰ کا ایک بیٹا عون اللہ نامی مُسلمان ہو گیا تھا۔ وہ اپنے بھائی اسحٰق کی وفات سے ایک دن قبل دُنیا سے رحلت کر چکا تھا۔ موسیٰ کی تاریخ وفات کا پتا نہیں چلتا۔ اس کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ کتاب المعزّی فی الطبیخ۔ پخت طعام کے بیان میں۔

(۲)۔ مقالہ فی السّعال کسی شائق علم کے سوال پر بطور جواب کے یہ مقالہ لکھا تھا۔ اس میں تر کھانسی کا مفصّل بیان ہے۔ (۳)۔ کتاب قرابادین۔

(۵۰۰) موفق الدّین ابوالخیر (حکیم)

مہذب الدین کا بھائی اور ابی حلیقہ کا فرزند۔ آنکھوں کے علاج اور کحالی میں بے مثل تھا۔ طب میں اچھی طرح مہارت پیدا کی تھی۔ بیس سال کی عمر ہونے سے

پہلے ہی ایک کتاب سرمہ سازی کے بیان میں تصنیف کی۔ بیحد ذہین۔ ذکی اور ہوشیار طبیب تھا۔

(۵۰۱) موفق الدین المنفاخ (حکیم)

حکیم و یکتا عالم ابو الفضل اسعد بن حلوان۔ اصل میں شہر معرّہ کا باشندہ تھا۔ فن طب میں کمال و انتہا حاصل کرنے کے بعد ملک الاشرف موسیٰ کا درباری طبیب مقرر ہوا اور کئی سال اُس کی خدمت میں رہا۔ بعد ازاں ملازمت ترک کر دی۔ اس نے ۶۴۲ھ میں بمقام حماۃ وفات پائی۔

(۵۰۲) موفق الدین بن المطران (حکیم)

موفق الدین ابو نصر اسعد بن ابی الفتح الیاس بن جرجس المطران۔ حکیم اور علم و فضل میں امام وقت تھا۔ اپنے زمانہ کا سردار حکماء اور سرتاج علماء شمار ہوا ہے۔ بڑا فیاض و صاحب کرم تھا۔ فن طب میں علم و عمل ہر لحاظ سے نہایت ماہر اور یگانۂ عصر تھا۔ علاج بے نظیر کرتا اور حذاقت کا وصف خداداد رکھتا تھا۔ علم ادب۔ نحو اور زباندانی میں امام زمانہ شیخ تاج الدین ابی الیمن زید بن الحسن الکندی کا شاگرد تھا اور ان علوم میں ممتاز درجہ پایا تھا۔

موفق الدین ابن المطران دمشق میں پیدا ہوا اور وہیں نشو و نما پائی۔ اس کا باپ بھی طبیب تھا اور اچھا طبیب۔ اُس نے علم طب کے حصول کے لئے بہت سے ممالک کا سفر کیا۔ خصوصاً ممالک روم (یونان) میں جا کر عیسوی مذہب کے علوم اچھی طرح حاصل کئے۔ پھر عراق میں آیا اور امین الدولہ بن التلمیذ سے مل کر اس سے علم طب حاصل کیا۔ مدت تک ابن التلمیذ کے ساتھ مطب کرتا رہا۔ اور طب میں نام پیدا کر کے دمشق کو واپس آیا جہاں وفات تک مطب کیا۔

موفق الدین ابن المطران نہایت تیز طبع۔ خوش بیان۔ اور علمی مشاغل میں سرگرمی سے منہمک رہنے والا شخص تھا۔ اُس کی بہت سی تصانیف اُس کے فضل و دانش پر گواہ ہیں۔ یہ کتابیں علوم طب اور دیگر علوم میں ہیں۔ موفق الدین نے علم طب کی تحصیل

ابن النقاش سے کی تھی۔ وہ حسین و نازنین جوان تھا۔ لباس فاخرہ کا شائق تھا۔ ملک الناصر صلاح الدین یوسف بن ایوبؒ فاتح بیت المقدس کا طبیب خاص رہا اور اُس کے عہد میں خوب عزت و منزلت حاصل کی۔ سلطان ممدوح نے اُس کو اپنا حاجب مقرر کردیا تھا۔ اور عام اہل ملک کی طبی خدمت کا حکم دے رکھا تھا۔ بیش قرار تنخواہ مقرر تھی اور انعام واکرام اوپر سے بہت کچھ مل جایا کرتا۔ سلطان صلاح الدینؒ بڑا فیاض تھا۔ اُس کے اہل دربار عطایائے سلطانی سے مالا مال ہوتے رہتے تھے۔ یوں بھی لوگ اُس کے پاس آتے رہتے اور وہ اُن کو اپنے جود وکرم سے مالا مال کرتا رہتا۔ چنانچہ جس وقت یہ نامور سلطان دنیا سے عالم فانی کی طرف سفر کر گیا اسکے خزانہ میں ایک کوڑی بھی نہ نکلی۔

سلطان صلاح الدینؒ کو ابن المطران سے حسن اعتقاد تھا۔ اور ابن المطران اس قدر بدمزاج اور متکبر واقع ہوا تھا کہ بعض اوقات اُس کا غرور حماقت کے درجہ تک پہنچ جاتا۔ لیکن سلطان صلاح الدین اُس کا تہ دل سے قدردان تھا۔ وہ کبھی ناخوش نہ ہوتا بلکہ ابن المطران کو مزید انعام واکرام سے خوش رکھتا تاکہ وہ اُس کی خدمت خلوص کے ساتھ کرتا رہے۔ ایک مرتبہ سلطان نے دیکھا کہ فوجی کیمپ میں ایک سرخ خیمہ استادہ ہے۔ جس کے تمام لوازم سرخ بانات کے ہیں اور اُس پر پرچم شاہی لہرا رہا ہے۔ چونکہ سلطان بھی اسی رنگ کے خیمہ میں رہا کرتا تھا۔ اُس کو حیرت ہوئی کہ کون اُس کا مدمقابل پیدا ہوگیا جو اُسی کے لشکر میں اس شان وشکوہ سے رہتا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ خیمہ ابن المطران کا ہے۔ سلطان کو بے ساختہ حکیم کی بے عقلی پر ہنسی آگئی اور اُس نے حکم دیا کہ اس خیمہ کا پاخانہ اُکھاڑ کر دوسرے رنگ کا پاخانہ اُس کی جگہ لگا دیا جائے۔ ابن المطران کو یہ خبر ملی تو آپ بیحد ناراض ہوئے اور سلطان سے روٹھ کر دربار میں جانے سے رُک گئے۔ مگر سلطان نے انعام واکرام عطا فرما کر پھر منا لیا اور سمجھایا کہ تمہاری یہ حرکت خلاف اصول تھی۔ غنیم کے قاصد ہر وقت لشکر میں آتے رہتے ہیں اُن کو دھوکا ہوتا اور وہ تمہارے پاس جا پہنچتے۔ جس سے میری شان میں فرق آتا۔

مگر باوجود اس تکبر اور بدمزاجی کے تحصیل علم کے موقع پر استادوں کی قدر و منزلت میں کمی نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اُن کے سامنے اُسی ادب سے جاتا جو ایک ہونہار طالب علم کا شیوہ ہے۔ مطالعہ کا بیحد شائق تھا۔ اپنے ہاتھ سے کتابیں نقل کیا کرتا۔ نہایت خوشخط تھا۔ اور ہر وقت کتاب ساتھ رکھتا حتّٰی کہ بارگاہ سلطانی میں بھی بغیر کتاب لئے ہوئے نہ جاتا۔ جہاں موقع ملا اور کتب بینی میں مصروف ہوگیا۔ کتب خانہ اچھا جمع کر لیا تھا۔ اس میں بہت نادر کتابیں تھیں۔ لیکن لاولد مرنے کی وجہ سے اُس کی وفات کے بعد یہ قیمتی ذخیرہ فروخت کر ڈالا گیا۔

ابن المطران موفق الدین کے دو بھائی اور بھی تھے اور وہ بھی اچھے طبیب تھے۔ ان میں سے ایک کا نام "ہبتہ اللہ بن الیاس ہے۔ موفق الدین ابن المطران ۵۸۶ھ میں بمقام دمشق فوت ہُوا۔ اور مرنے سے ایک سال قبل مشرف باسلام ہو گیا تھا۔

موفق الدین ابن المطران کی تصانیف حسب ذیل ہیں:-

(۱)۔ کتاب بستان الاطباء و روضۃ الالباء۔ اس کتاب کی غرض تالیف یہ تھی کہ جس قدر نادر و کار آمد طبی باتیں اُسکے تجربہ میں آئیں۔ نظر سے گزریں۔ اور استادوں سے سنی گئی تھیں سب کو اُس میں جمع کر دے۔ اس کتاب کے دو حصے تھے۔ اور یہ ناتمام رہی۔

(۲)۔ المقالۃ الناصریہ فی حفظ الامور الصحیۃ۔ حفظان صحت کے متعلق سلطان صلاح الدینؒ کے نام پر یہ کتاب لکھی اور بہت اچھی تالیف ہے۔

(۳)۔ المقالۃ النجمیۃ فی حفظ الصحۃ۔ یہ کتاب تدابیر حفظان صحت میں بے نظیر تالیف ہے۔ ابن المطران نے یہ کتاب سلطان صلاح الدین کے والد نجم الدین بن ایوب کے لئے لکھی مگر جب اُس سے کچھ انعام نہ ملا اور وہ تالیف کتاب سے قبل ہی مر گیا تو اُس کے بیٹے سلطان صلاح الدین کے نام سے نامزد کر دی۔

(۴)۔ کسداتیمن کی کتاب الادویہ کا اختصار۔

(۵)۔ لغز (معمّا) در حکمت۔

(۶)۔ کتاب علی مذہب دعوت الاطباء۔

(۷)۔ کتاب ادویہ مفردہ یہ ناتمام رہی حالانکہ

ابن المطران کا ارادہ اس کو بے مثل کتاب بنانے کا تھا۔

(۸) کتاب آداب طب الملوک۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت ابن المطران مرا تھا اُس کے بہت سے مسودے تھے جو تمام تصانیف کے ذخیرے تھے۔ مگر اُس کے بھائیوں نے سب کو غارت کر دیا۔

(۵۰۳) موفق الدین عبد السلام (حکیم)

طبیب و حکیم۔ اور اعلیٰ درجہ کا عالم تھا۔ علم و فضل کے علاوہ طبیعت نہایت عمدہ پائی تھی۔ خوش مزاج۔ ملنسار۔ سخی۔ دوست پرور۔ مہمان نواز۔ اور صاحب اخلاق حمیدہ تھا۔ اصل میں شہر حماۃ کا رہنے والا تھا۔ مگر پھر دمشق کو اپنی اقامت گاہ بنا کر وہیں مقیم ہو گیا۔ یہیں اُس نے حکیم مہذب الدین عبد الرحیم بن علی اور دیگر مشہور زمانہ اساتذۂ فن سے علم طب کی تحصیل درجۂ کمال تک پہنچائی۔ پھر اُس نے شہر حلب کا سفر کیا اور وہاں بھی اپنے علم کا دائرہ وسیع کرتا رہا۔

موفق الدین عبد السلام ملک الناصر یوسف بن محمد بن غازی فرمانروائے حلب کا درباری طبیب تھا۔ اسی فرمانروا نے جب دمشق پر حملہ کر کے یہ شہر فتح کر لیا تو حکیم موفق الدین عبد السلام بھی دمشق میں چلا آیا۔ اور سلطان کے مزاج میں خوب رسوخ حاصل کیا۔ پھر جب تاتاریوں نے دمشق پر حملہ کرنا چاہا اور یہ خبر ملک میں مشہور ہوئی تو حکیم موفق الدین دمشق کو چھوڑ کر مصر چلا گیا اور کچھ مدت وہیں مقیم رہا۔ ازاں بعد ملک المنصور حکمران حماۃ نے موفق الدین عبد السلام کو اپنے دربار میں بلا لیا اور یہ حکیم پھر اسی سلطان کی خدمت میں رہا۔ سلطان اُس پر بیحد مہربان تھا اور کثیر انعام و اکرام سے اسکو خوش رکھا کرتا تھا۔

(۵۰۴) موفق الدین عبد العزیز (حکیم)

شیخ و امام وقت اور زبردست عالم تھا۔ نام و نسب یہ ہے۔ موفق الدین عبد العزیز بن عبد الجبار بن ابی محمد السلمی۔ نہایت مخیر۔ صاحب کرم۔ بامروت۔ اور رحم دل تھا۔

بیماروں پر حد سے زیادہ مہربانی کیا کرتا۔ خاصکر غریب اور ضعیف الحال مریضوں کی طرف اتنی توجہ رکھتا کہ خود انہیں دیکھنے جاتا۔ اُن کے لئے دوائیں بھیجتا اور خرچ سے اُن کی مدد کیا کرتا تھا۔ وہ بڑا دیندار۔ خندہ پیشانی۔ اور ہر دلعزیز شخص تھا۔

موفق الدین عبدالعزیز ابتداءً شہر دمشق کے مدرسہ امینیہ میں علوم دین کا مدرس رہا۔ بعد میں اُس کو علم طب کی تحصیل کا شوق پیدا ہوگیا۔ اور اُس نے الیاس بن مطران سے اس علم کو حاصل کر کے معالجہ اور تشخیص امراض میں بہت کچھ مہارت پیدا کی اور ناموری پائی۔ حتےٰ کہ اپنے زمانہ کے بہترین اطباء میں شمار ہونے لگا اور شائق علم طلبہ کو طب کا درس بھی دینا شروع کیا۔ دمشق کے بیمارستان کبیر میں جو ملک العادل نورالدین محمود بن زنگی نے قائم کیا تھا معالج رہا۔ ازاں بعد ملک العادل ابی بکر بن ایوب کا شاہی طبیب مقرر ہوا اور کئی سال اُس کی خدمت میں رہ کر انعام کثیر سے مالامال ہوا۔

موفق الدین عبدالعزیز ۶۰۴ھ میں بمقام دمشق قولنج کے عارضہ میں مبتلا ہوکر فوت ہوگیا۔ اور جبل قاسیون میں مدفون ہوا۔ اُس کی ولادت ۵۵۰ھ کے قریب کسی سال میں ہوئی تھی۔ اور وفات کے وقت اس کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔

موفق الدین عبداللطیف بغدادی (دیکھو بغدادی)

(۵۰۴) موفق الدین یعقوب (الحکیم)

ابن سقلاب مذہباً عیسائی اور اپنے زمانہ میں جالینوس کی کتابوں کا بے نظیر عالم تھا۔ ان کتابوں کا اُس نے اس قدر مطالعہ کیا تھا کہ تمام مسائل اُس کے نوک زبان پر چڑھے ہوئے تھے۔ کوئی طبّی مسئلہ اُس کے روبرو پیش کیا جائے وہ اُس کا جواب جالینوس کے قول کی سند پر دیتا تھا اور خود جالینوس کی عبارت ہی جواب میں بیان کر دیتا۔ اور بتاتا کہ جالینوس نے یہ بات اپنی فلاں کتاب کے فلاں صفحہ اور سطر میں لکھی ہے۔ وہ یونانی زبان پر خوب قادر تھا اور اُس سے عربی میں اچھا ترجمہ کر سکتا تھا۔

حکیم یعقوب علاج بھی بہت اچھا کرتا تھا۔ پہلے تو وہ مرض کو سمجھنے پر زور دیتا

اور جب مرض سمجھ لیا کرتا تو اُس کا معالجہ بالکل جالینوس کے قرار دادہ اصول پر کرتا۔ صرف ضرورت وقت اور مناسبت موقع کے لحاظ سے طرز علاج میں اپنی رائے شریک کر لیتا تھا۔ ورنہ یہ بھی نہیں۔ حکیم یعقوب شیخ مہذب الدین عبدالرحیم بن علی کا ہمعصر اور اُسی کے ساتھ دربار ی اطباء میں شامل تھا۔ دونوں میں اکثر علمی بحث رہا کرتی۔ حکیم عبدالرحیم بن علی خوش تقریر تھا۔ مگر حکیم یعقوب کا جواب مدلل ہوتا اور وہ کبھی بغیر سوچے سمجھے کچھ نہ کہا کرتا۔

حکیم یعقوب کی ولادت شہر بیت المقدس میں ہوئی تھی۔ وہ بچپن میں کئی سال تک اسی شہر میں رہا۔ شہر قدس شریف میں ایک فیلسوف عالم تھا جو دیر السیق میں رہا کرتا۔ وہ علم طبیعیات کا بہت بڑا ماہر تھا۔ یعقوب نے اُس سے طبیعیات۔ ہندسہ۔ نجوم اور چند دیگر علوم پڑھے تھے۔ نجوم کے متعلق اُس کے احکام عجیب و غریب اور بیجد صحیح ہوا کرتے۔ بیت المقدس ہی میں اس نے شیخ ابی منصور عیسائی المذہب طبیب سے علم طب پڑھا اور اُس کے ساتھ مطب کیا۔

حکیم یعقوب بڑا عاقل۔ صائب الرائے۔ دانا دل۔ بیدار مغز۔ اور نہایت بردبار و با وقار شخص تھا۔ جب وہ ملک المعظم عیسے بن ابی بکر بن ایوب کا طبیب خاص تھا تو سلطان مذکور نے اُس کی حسن تدبیر کے خیال سے یہ ارادہ کیا کہ کوئی سلطنت کا ذمہ داری کا عہدہ اُسکی تفویض میں دے۔ مگر حکیم یعقوب نے اس بات سے انکار کر دیا اور صرف مطب و علاج ہی میں مشغول رہنا پسند کیا۔ حکیم یعقوب کو نقرس کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ اِس حالت میں بھی ملک المعظم اُسے اپنے ساتھ ہی رکھتا اور اُس کی معذوری کا لحاظ کر کے اُس کی سواری کے لئے پالکی مقرر کر دی تھی۔ بیش قرار وظیفہ اور بالائی انعام و اکرام سے اُس کی خاطر داری کیا کرتا۔ ایک دن ملک المعظم نے حکیم یعقوب سے کہا "تم اپنے پیر کی بیماری کا خود کیوں علاج نہیں کرتے ؟" حکیم یعقوب نے جواب دیا "جہاں پناہ ! لکڑی جب سخت ہو جاتی ہے پھر اُس کے درست کرنے میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔

ملک المعظم عیسےٰ بن ابی بکر کی وفات کے بعد حکیم یعقوب اُس کے جانشین اور فرزند ملک الناصر کے دربار میں رہا۔ مگر اب پیرانہ سالی اور معذوری کے سبب کوئی خدمت اُس سے نہیں لی جاتی تھی۔ وظیفہ اُس کا بحال تھا۔ ایک مدت تک وہ یونہی زندگی بسر کرتا رہا۔ اور آخر ۶۲۵ھ میں بمقام دمشق فوت ہوگیا ۔

(۵۰۶) موفق الدین یعقوب السامری (حکیم)

ابو یوسف یعقوب بن غنائم۔ نام و نسب۔ اپنے وقت کا جلیل القدر حکیم۔ یکتائے روزگار عالم اور سرآمد اطباء تھا۔ دمشق میں پیدا ہوا۔ وہیں نشوونما اور تعلیم و تربیت پائی۔ فن طب میں خاص کمال حاصل کیا۔ علوم حکمیہ میں فاضل یگانہ تھا۔ اور طب کی علمی و عملی شقوں کا ماہر۔ معالجہ میں مشہور اور بیماروں کی دلدہی اس کی معروف صفت تھی۔ دست شفا خدا داد تھا۔ اور حفظ صحت کے اصول بہت اچھے جانتا تھا۔ درس و تدریس کا شائق تھا اس کے حلقۂ درس اور مطب سے بکثرت شائقان علم و فن مستفید ہوئے۔ تصانیف میں اعلےٰ درجہ کی دستگاہ رکھتا تھا۔ اس کی تصنیف کردہ کتابیں حسن عبارت۔ خوبی فصاحت و بلاغت میں اپنی آپ نظیر ہیں ۔

موفق الدین یعقوب کی تصانیف حسب ذیل ہیں :۔

(۱)۔ کلیات قانون شیخ کی شرح۔ اس میں اُس نے امام رازی کے وہ اقوال بھی جمع کردئے ہیں جو اُنہوں نے اپنی شرح کلیات میں لکھے تھے۔ اور پھر جو کچھ قطب الدین مصری نے اُس پر جرح و قدح کی وہ اور دیگر حکماء کے اقوال بھی درج کرکے اخیر میں سب کے کلام کو جانچا اور محاکمہ کیا ہے۔ اس کتاب کی تصنیف میں موفق الدین نے بڑی محنت و دماغ سوزی کی ہے ۔

(۲)۔ نجم الدین ابن المنفاخ کے اُن شکوک کا حل جو اُس نے کلیات پر وارد کئے ہیں ۔

(۳)۔ کتاب المدخل الی علم المنطق۔ والطبیعی والالٰہی ۔

یہ جید فاضل اور ماہر حکیم ماہ رمضان ۶۸۱ھ میں فوت ہوا ۔

(۵۰۷) موفق بن شوبہ (حکیم)

اعلیٰ درجہ کا عالم اور فاضل طبیب۔ اور اسرائیلی یعنی یہودی تھا۔ طبی معالجات کی خوبی اور امراض چشم کے علاج میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ جراحی کا بھی ماہر تھا۔ مزاج میں زندہ دلی اور ظرافت غالب تھی۔ خوش خلق۔ شاعر۔ اور لہو ولعب کا شائق تھا۔ ملک الناصر صلاح الدین بن ایوب کا طبیب خاص رہا اور اُس کے دربار میں اچھی عزت ومنزلت حاصل کی ۔

اخیر عمر میں ایک آنکھ جاتی رہی۔ اس کے یک چشم ہونے کا قصہ حیرت خیز ہے۔ دمشق کا ایک مسلمان صوفی خوبشانی نامی ملقب بہ النجم حد درجہ کا بدمزاج زاہد خشک اور بڑا متعصب تھا۔ نجم الدین ایوب اور اسد الدین دونوں بھائیوں سے جو خاندان ایوبی کے نامور رکن تھے خوبشانی کی بڑی دوستی تھی۔ اسد الدین کے ساتھ وہ دمشق سے مصر میں آیا اور وہاں دارالوزارت کے نزدیک ایک مسجد میں فروکش ہوا جو بعد میں اُسی کے نام سے مشہور ہوگئی۔ خوبشانی کی بدزبانی کا یہ عالم تھا کہ قصر امارت کے لوگوں کو آرام وعیش کی زندگی بسر کرتے دیکھ کر اُنہیں بُرا بھلا کہا کرتا۔ اور بجائے اس کے کہ خدا کی یاد کرتا اپنا تمام وقت ارکان دولت کو گالیاں دینے میں ضائع کر دیتا۔ کسی غیر مُسلم کا سوار ہو کر اُس کے روبرو نکلنا قہر تھا۔ خوبشانی اس قدر برہم اور اخلاق ورواداری سے دور ہو جاتا کہ اُس غیر مسلم کو خواہ وہ کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو مار ڈالنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ۔

ابن شوبہ کی شامت جو آئی یہ ایک دن سوار ہو کر اُس کی مسجد کی طرف چلا گیا۔ پھر کیا تھا۔ خوبشانی نے آو دیکھا نہ تاؤ ایک پتھر کھینچ مارا جو ابن شوبہ کی آنکھ میں لگا اور غریب کی آنکھ نکل پڑی۔ اُس وقت سے وہ یک چشم ہو گیا تھا ۔

ابن شوبہ نے ۵۷۹ ہجری میں بمقام قاہرہ وفات پائی ۔

(۵۰۸) موہوب بن ظافر (حکیم)

ابوالفضل موہوب بن ظافر بن جابر السکری۔ باپ دادا کی بہترین یادگار اور فن طب کا فاضل واقفکار تھا۔ شہر حلب میں مقیم رہا۔ اس کی تصنیف سے ایک کتاب "اختصار کتاب المسائل حنین بن اسحٰق" ہے۔

(۵۰۹) مہذب الدین بن ہبل (حکیم)

ابوالحسن علی بن احمد بن علی بن ہبل۔ بغداد کا باشندہ۔ اور "الخلاطی" کے نام سے بھی مشہور ہے۔ فن طب کے علمی و عملی شقوں۔ اور علم حکمت و فلسفہ میں علامۂ وقت اور یگانۂ زمانہ تھا۔ علم ادب و شاعری میں بھی امتیاز خاص رکھتا تھا۔ حافظ قرآن بھی تھا۔

بغداد ہی کے محلہ باب الازج میں ۲۳۔ ذی القعدہ ۵۱۵ھ کو پیدا ہوا۔ وہیں پرورش اور تعلیم و تربیت پائی ادب۔ طب۔ اور ہیئت کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد شہر موصل میں چلا گیا اور اخیر وقت تک وہیں اقامت اختیار کی۔ جب وہ موصل میں تھا اُس وقت آرمینیا کے بادشاہ نے اُسے اپنی خدمت میں بلایا۔ چنانچہ وہ شہر خلاط میں جو آرمینیا کا پایۂ تخت تھا گیا۔ اور عرصہ دراز تک وہاں رہا۔ پھر وہاں سے ماردین میں چلا آیا اور امیر بدرالدین لؤلؤ کے پاس ایک زمانہ تک مقیم رہا۔ بدرالدین لؤلؤ۔ امیر ناصرالدین بن ارتق کا بہت بڑا درباری سردار تھا اور اُس کی ماں کا شوہر ثانی ناصرالدین اس وجہ سے کہ اُس کی ماں نے بدرالدین سے عقد کر لیا تھا اُس کا دشمن تھا۔ چنانچہ آخر موقع پاکر ناصرالدین نے بدرالدین کو قتل کر دیا اور اُس کے بھائی امیر نظام کو بھی زندہ نہ چھوڑا تاکہ ان دشمنوں کے خطرہ سے محفوظ ہو جائے۔

بدرالدین لؤلؤ۔ اور امیر نظام قتل کر دئے گئے تو مہذب الدین اپنے وطن موصل میں چلا آیا اور اُس سرمایہ سے جو اُس نے شاہ آرمینیا وغیرہ کے دربار سے جمع کیا تھا آرام کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اب اُس کی عمر ۵۷ سال کی ہو چکی تھی اور آنکھ

کی روشنی نزول الماء کے مرض سے جاتی رہی تھی۔ اسی وجہ سے اپنے گھر کے سوا کہیں آتا جاتا نہ تھا۔ درس بھی وہیں دیا کرتا ۔

اُس نے ۱۴۔ محرم سنہ ۶۱۱ھ کو موصل ہی میں وفات پائی۔ شہر کے باہر باب المیدان کے نزدیک معافی بن عمران کے مقبرہ کے اندر علامہ قرطبی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

اُس کی تصانیف میں حسب ذیل کتابیں ہیں :۔

(۱)۔ کتاب المختار۔ طب میں ۔

(۲)۔ کتاب طب الجمالی۔ اُس نے یہ کتاب وزیر جمال الدین محمد "جواد" کے لیئے تصنیف کی تھی۔ اور المختار کی تصنیف سے وہ سنہ ۵۰۶ھ میں فارغ ہوا تھا ۔

(۵۰۹) مہذب الدین ابو سعید محمد بن ابی حلیقہ (حکیم)

اپنے زمانہ کا یکتا عالم اور کامل حکیم تھا۔ قاہرہ میں پیدا ہوا۔ سن ولادت سنہ ۶۲۰ھ ہے اپنے باپ ابی حلیقہ کے زیر سایہ پرورش اور تربیت پائی۔ اور اسی سے علم طب اور دیگر علوم کی تحصیل کی۔ علم و فضل اور طب کے علم و عمل میں یگانۂ عصر تھا۔ اخلاق و اوصاف میں بےمثل۔ یار نواز۔ علم دوست۔ قدر دان ہنر واقع ہوا تھا۔ ملک الظاہر بیبرس صالحی کا طبیب خاص رہا اور بہت کچھ جاہ و منزلت پائی۔ سلطان موصوف کے وقت میں مشرف باسلام ہو گیا۔ اور اسلامی نام "محمد" رکھا گیا۔ سلطان اس کو معتمد سمجھتا تھا اور بہت انعام و اکرام عطا کرتا رہتا۔ اس کی تصنیفات میں صرف ایک کتاب فن طب کے متعلق ہے ۔

(۵۱۰) مہذب الدین احمد بن الحاجب (حکیم)

مشہور طبیب اور فن طب میں فاضل تھا۔ علوم ریاضیہ۔ ادب۔ اور نحو و نجبرہ میں بھی مہارت رکھتا تھا دمشق میں پیدا ہوا۔ وہیں ابتدائی تعلیم و تربیت پائی۔ فن طب مہذب الدین ابن النقاش سے حاصل کیا اور مدت تک اُس کی صحبت میں رہا۔

جس زمانہ میں یہ طلب علم کر رہا تھا اُس وقت شہر موصل میں شرف الدین طوسی اپنے زمانہ کا یکتائے روزگار حکیم اور فیلسوف تھا۔ ابن الحاجب اور اسی کے ساتھ حکیم موفق الدین بن عبدالعزیز دونوں نے دمشق سے بایں قصد موصل کا سفر کیا کہ حکیم شرف الدین طوسی کے خرمن علم کی خوشہ چینی کریں۔ مگر موصل میں پہنچ کر ان کو معلوم ہوا کہ وہ جس کی تلاش میں وہاں آئے ہیں وہ اپنے وطن شہر طوس (ایران) کو چلا گیا ہے۔ ایک مدت تک دونوں تشنگان علم و کمال موصل میں پڑے رہے اور اس کے بعد موفق الدین بن عبدالعزیز شہر آربل کو چلا گیا جہاں فخر الدین ابن الدہان منجم رہتا تھا اور اُس سے علم ہیئت و نجوم کی تحصیل کی۔ ابن الدہان نے ایک زیچ تیار کی تھی جو نہایت صحیح تھی۔ موفق الدین نے اُس کو مصنف ہی سے پڑھا اور بخوبی حل کیا۔

ابن الدہان منجم ابی شجاع کے نام سے مشہور تھا اور اس کا لقب تھا "ثعلب" یہ در اصل بغداد کا باشندہ تھا مگر موصل میں اس نے اقامت اختیار کر لی تھی بیس سال کامل اس شہر میں رہنے کے بعد وہ دمشق میں آ گیا جہاں سلطان صلاح الدین اور دیگر علم دوست رئیسوں کی جماعت نے ابن الدہان کا بہت اعزاز و اکرام کیا۔ سلطان نے تیس دینار ماہوار اُس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اور وہ آرام سے دمشق میں رہنے لگا۔ ابن الدہان بڑا دیندار پابند اوقات عابد و زاہد تھا۔ دمشق کی مشہور جامع مسجد میں ہر سال چار مہینے کامل گوشہ نشین رہا کرتا تھا۔ بلکہ اس سے بھی زائد۔ چنانچہ اسی کی خاطر سے وہاں ایک مقصورہ الکلاسہ میں بنا دیا گیا تھا۔ ابن الدہان کی بہت سی تصانیف ہیں

(۱)۔ از انجملہ ایک زیچ جو صحت و خوبی میں مشہور ہے۔

(۲)۔ کتاب المنیر فرائض میں۔

(۳)۔ کتاب غریب الحدیث۔ کی دس جلدیں۔

(۴)۔ کتاب فی الخلاف المجدول۔ بطور تقویم الصحت کے اس میں جدولوں کے اندر مسائل بیان کئے ہیں۔ وہ ہمیشہ کام میں مصروف رہا تھا۔ دمشق سے وہ حج کرنے گیا اور واپسی کے بعد بغداد میں آ کر فوت ہو گیا جہاں اپنے والدین کے پہلو میں دفن ہوا۔ ابن الدہان چالیس سال کے بعد وطن میں واپس آیا تھا۔

مہذب الدین ابن الحاجب بڑا محنتی اور علم کا شائق تھا۔ علم ہندسہ میں اُس کی نظر نہایت وسیع تھی۔ طب میں نام پانے سے پہلے وہ جامع مسجد دمشق کے گھنٹہ گھر میں کام کرچکا تھا بعدازاں جب طب میں شہرت پائی تو اس کام میں سربرآوردہ ہوگیا۔ ملک العادل نورالدین محمود بن زنگی کے بیمارستان کبیر کا طبیب رہا۔ پھر حماۃ کے فرمانروا تقی الدین عمر کا خاص طبیب مقرر ہوا۔ اور اُس کے پاس اُس کی وفات تک حماۃ میں رہا۔ تقی الدین عمر فوت ہوگیا تو مہذب الدین ابن الحاجب دمشق کو واپس چلا آیا اور بعدازاں وہ ملک مصر کو گیا جہاں سلطان صلاح الدینؒ کی طبی خدمت کرتا رہا۔ اس کی وفات کے بعد دوبارہ شہر حماۃ میں آیا اور ملک المنصور کا طبیب خاص مقرر ہوگیا۔ اور دو سال اس خدمت پر رہکر حماۃ ہی میں بعارضۂ استسقاء فوت ہوگیا ❊

(۵۱۱) مہذب الدین بن النقاش (حکیم)

ابوالحسن علی بن ابی عبداللہ عیسےٰ بن ہبۃ اللہ النقاش۔ شیخ وقت اور امام زمانہ نہایت اعلےٰ درجہ کا عالم تھا۔ بغداد میں پیدا ہوا۔ وہیں نشوونما پائی۔ عربی زباندانی اور ادب کا زبردست فاضل تسلیم ہوتا تھا۔ فارسی زبان کا خوب ماہر تھا اور اس زبان میں اچھی طرح بول سکتا تھا۔ فن طب میں" اجل امین الدولہ ہبۃ اللہ بن صاعد بن تلمیذ" کی شاگردی کی اور اُسی کے ساتھ مطب کیا۔ علم حدیث کی سماعت بغداد میں ابی القاسم عمر بن الحسین کی اور خود اُس کے بھی کئی۔ شاگرد ہوئے ہیں۔ مہذب الدین کا باپ ابوعبداللہ عیسےٰ بن نقاش پارچہ فروشی کی دکان کرتا تھا ❊

مہذب الدین بن النقاش نے دمشق میں آکر اپنا مطب کھول دیا اور علاج کرنا شروع کیا۔ چونکہ طبیعت مناسب پائی تھی اور علم طب میں یگانۂ روزگار تھا مریضوں کو نفع ہونے لگا اور بہت جلد اس کا مطب چمک اُٹھا۔ ساتھ ہی حلقۂ درس بھی قائم کردیا تھا اور بہت سے طلبہ اُس سے پڑھا کرتے تھے۔ کچھ زمانہ بعد اُس نے ملک مصر کا سفر کیا اور ایک مدت تک قاہرہ میں ٹھہر کر دوبارہ دمشق میں واپس آیا ❊

مہذب الدین بن النقاش ملک العادل نورالدین محمود بن زنگی کا طبیب خاص اور میر منشی بھی رہا ہے کیونکہ وہ اعلےٰ درجہ کا انشا پرداز تھا اور اُس کے لکھے ہوئے خطوط و فرامین بہت فصیح و بلیغ ہیں۔ ملک العادل کے تعمیر کردہ بیمارستان کبیر میں بھی طبی خدمت انجام دیتا رہا۔ پھر جب سلطان صلاح الدین دمشق پر قابض ہو گیا تو مہذب الدین اُس کے دربار میں بھی بارسوخ اور طبی خدمت پر مامور ہو گیا۔

مہذب الدین بڑا فیاض اور خلق سے اچھا سلوک کرنے میں بے نظیر شخص تھا۔ تمام زندگی رفاہ خلق اللہ کے کاموں میں بسر کردی شادی وغیرہ کچھ نہیں کی۔ دمشق میں ۱۲ محرم ۵۷۴ھ کو فوت ہو گیا۔ اور جبل قاسیون کے مقدس مقبرہ میں مدفون ہے۔

مہذب الدین عبدالرحیم بن علی۔ دخوار (دیکھو دخوار)

(۵۱۴) مہذب الدین یوسف بن ابی سعید (حکیم)

شیخ وقت امام زمانہ۔ عالم یگانہ الصاحب مہذب الدین یوسف بن ابی سعید بن خلف السامری طبیب نامور۔ فاضل متبحر۔ اور وزیر مدبر تھا۔ علوم حکمیہ میں کمال حاصل کیا اور فن طب کی مشق بہم پہنچائی۔ ادب اور آداب میں بے مثل اور علماء کے اعلےٰ طبقہ میں شمار ہوتا تھا۔ نیک نفس۔ بامروت۔ محبتی اور اعلےٰ درجہ کا صائب الرائے تھا۔

فن طب میں حکیم ابراہیم السامری شمس الحکماء۔ شیخ اسمٰعیل بن ابی الوقار۔ اور مہذب الدین بن النقاش کی شاگردی کی تھی۔ علم ادب میں تاج الدین الکندی کے خرمن علوم کا خوشہ چیں رہا تھا۔ طبی اعمال اور معالجات میں وہ ید طولیٰ حاصل کیا کہ رشک اقران ہوا۔ اُس کے کئی معرکہ کے علاج مشہور ہیں۔ از انجملہ ایک یہ ہے کہ ملک العادل ابی بکر بن ایوب کی بہن "ست الشام" کو جگری بیچش لاحق ہو گئی تھی اکثر نامور اطباء کا علاج ہوا مگر فائدہ نہ ہو سکا۔ مہذب الدین یوسف نے اُس کی نبض دیکھ کر کافور کا استعمال تجویز کیا۔ تاکہ مرض کی حدت کم ہو اور طبیعت درست ہو صلاح اس سے پہلے بیر ول خون مریضہ کے براز میں نکلتا تھا۔ کافور کا شربت انار اور شیرہ حب الآس کے ساتھ

دبا تھا کہ خون رک گیا اور جگر کی گرمی اصلاح پذیر ہوگئی۔ اس کے بعد مریضہ بہت جلد صحتیاب ہوئی ٭

مہذبُ الدین یوسف بن ابی سعید عزالدین فرخ شاہ بن شاہان شاہ بن ایوب کا طبیب خاص رہا اور اُس کے بعد اُس کے بیٹے ملک الامجد مجدالدین بہرام شاہ کا درباری طبیب مقرر ہُوا۔ اس بادشاہ کے عہد میں مہذبُ الدین کو بڑا رسوخ حاصل ہُوا اور وہ طبابت سے ترقی کر کے مشیر اور پھر وزیر مقرر ہُوا۔ اس کا بخت اس قدر مساعد تھا کہ روز بروز بادشاہ کی نظر عنایت اُس کے حال پر بڑھتی ہی گئی اور آخرکار وہ وزیر اعظم اور سلطنت کے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا ٭

مگر مثل مشہور ہے کہ "ہر کمالے رازوالے" اس عزت و منزلت کا انجام اچھا نہ نکلا۔ مہذبُ الدین نے کنبہ پروری پر کمر باندھی۔ دمشق سے اپنے عزیزوں کو بعلبک میں بلوا کر سلطنت کے معزز عہدوں پر مامور کر دیا۔ وہ ظلم و ستم کرنے لگے اور خیانت کے مرتکب ہُوئے۔ بادشاہ کے پاس شکائتیں آتی رہیں۔ پہلے اُس کو خیال نہ ہوا۔ اور جب بہت کان بھر گئے تو ایک مرتبہ ہی مہذبُ الدین اور اُس کے تمام رشتہ داروں کو گرفتار کر کے اُن کے مال و متاع کو ضبط کرا لیا۔ وزیر مہذبُ الدین قید میں پڑا سڑتا رہا۔ اُس کی دولت و ثروت سب ضبط ہوگئی۔ اور جب وہ اخیر میں رہا کیا گیا تو فقر و فاقہ کی حالت میں دمشق کو چلا آیا۔ جہاں اُس نے ماہ صفر ۶۲۴ھ میں وفات پائی ٭

وزیر مہذبُ الدین یوسف بن ابی سعید کی تصنیف صرف ایک کتاب "شرح توراۃ شریف" ہے

(۵۱۳) میخائیل بن ماسویہ (حکیم)

یوحنا کا بھائی اور خلیفہ مامون کا معالج تھا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ دو سو سال قبل کے اطبّاء ہی کی بات قبول کرتا اور اُس کے ادھر کے طبیبوں کا قول ہرگز تسلیم نہیں کرتا تھا۔ خلیفہ مامون اس کو جبرئیل بن بختیشوع سے بڑھ کر مانتا تھا۔ اسی لئے دیگر ہمعصروں میں ممتاز اور سرفراز رہا ٭

(۵۱۴) مینز ذیطوس (حکیم)

بقراط کے بعد۔ اور جالینوس سے قبل یونان میں یہ حکیم جڑی بوٹیوں کے خواص کا ماہر اور اُن کے تجربات کا شائق مانا گیا ہے۔

(۵۱۵) مبساوش (حکیم)

اس کا لقب "مُقسِمُ الطِبّ" تھا۔ بقراط اور جالینوس کے زمانوں کے مابین حدِ فاصل زمانہ میں اس کا ظہور ہوا۔ اور اس نے فن طب کو متعدد اقسام پر تقسیم کرنے کی وجہ سے وہ لقب پایا جو کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔

(۵۱۶) میلن دوم (حکیم)

عہد بقراطی و جالینوسی کے مابین حد فاصل زمانہ کا مشہور طبیب ہے۔

(۵۱۷) مینس (حکیم)

یہ آٹھ نامور یونانی بانیان فن طب میں سے تیسرا شخص تھا۔ غورس کی وفات کے ۶۰۵ سال بعد اس کا ظہور ہوا۔ اس نے ۴۸ سال عمر پائی ۴۶ سال تک گمنامی میں رہ کر پھر نام و نمود حاصل کی۔ اور ۲ سال اپنے علم و کمال سے خلق خدا کو نفع پہنچاتا رہا۔ مینس اور غورس کے مابین جو زمانہ گزرا ہے اُس میں بھی بہت سے اچھے حاذق طبیب یونان میں پیدا ہوئے تھے۔

مینس نے اپنے پیشرو اطباء کے علمی مسائل اور اقوال پر غور کر کے اُن کی جانچ کی تو اُسے معلوم ہوا کہ صرف تجربہ ہی پر طب کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے لہٰذا اُس نے قیاس کا اُس کے ساتھ اضافہ کیا۔ اور یہ نظریہ قرار دیا کہ تجربہ کو بغیر قیاس سے مدد لئے ہوئے استعمال نہ کرنا چاہیئے اور جو اس مسئلہ کی خلاف ورزی کریگا وہ غلطی کا

مرتکب ہوگا۔ نیز اُس کا فعل خطرہ سے خالی نہ رہیگا۔
میںنس نے چار لائق شاگرد اپنی یادگار میں چھوڑے جو تجربہ اور قیاس دونوں پر
عمل کرتے اور نفع رسانی خلق میں مصروف رہتے۔

(۵۱۸) بنادریطوس (حکیم)

اس کا لقب "ساہر" یعنی شب بیدار تھا۔ غالباً راتوں کو کثرت مطالعہ میں بسر کرنے
کی وجہ سے یہ لقب پایا۔ بقراط و جالینوس کے زمانوں کے مابین اس کا ظہور ہوا تھا۔

(۵۱۹) نجیب الدین ابو حامد محمدؒ بن علی بن عمر سمرقندی (حکیم)

یہ فاضل اور ممتاز طبیب تھا۔ اس کی کئی ایک جلیل القدر کتابیں اور مشہور تصانیف
ہیں۔ جب تاتاری حملہ آوروں نے شہر ہرات کو فتح کر کے قتل عام مچایا تو یہ بھی سب
لوگوں کے ساتھ انہی وحشی غارتگروں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ یہ وحید العصر عالم امام
فخر الدینؒ کا معاصر تھا۔
نجیب الدین سمرقندی کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-
(۱)۔ کتاب اغذیۃ المرضیٰ۔ اس کتاب کی تقسیم ایسی رکھی ہے کہ ہر قسم میں ایک ایک مرض
کے بیمار کی ضروری غذاؤں کا بیان دیا گیا ہے۔
(۲)۔ کتاب الاسباب و العلامات۔ یہ کتاب اس نے خود اپنے لئے جمع اور مرتب کی تھی اور اسکو
شیخ الرئیس بوعلی سینا کی کتاب القانون معالجات البقراطیہ۔ اور کامل الصناعۃ سے نقل کیا تھا۔
(۳)۔ کتاب قرابادین کبیر۔
(۴)۔ کتاب قرابادین الصغیر۔

نجم الدین ابن اللبودی (دیکھو ابن اللبودی)

نجم الدین بن المنفاخ (دیکھو ابن العالمہ)

(۵۲۰) نساروس (حکیم)

یہ طبیب فلسطین کا باشندہ تھا۔ اور جالینوس سے پہلے گذرا ہے۔ جالینوس نے اِس کے اقوال اپنی ادویۂ مرکبہ کی کتابوں میں نقل کئے ہیں ۔

غرضیکہ بقراط اور جالینوس کے مابین جو زمانہ فاصل تھا اُس میں بہت سے طبیب یونان میں ہو گئے تھے۔ اور یہ اطباء اپنے پیشرو نامور طبیبوں کی تقلید کرنے کے سوا خود کسی نئے مسئلہ کی ایجاد میں نامور نہیں ہوئے اس لئے ہم صرف اُن کے نام ذیل میں درج کئے دیتے ہیں :-

غالس حمصی۔ کسانوقراطیس۔ قرطالس۔ دیوجالس طبیب۔ اس کا لقب الفرانی تھا۔ اسقلیبیاذس دوم۔ بقراطیس حوانشی۔ لاوَن طرسوسی۔ آریوس طرسوسی۔ قیمن حرانی موسقوس باشندۂ ایتھنز۔ قلیدس۔ اس کو داہ نما سے گمراہاں کہا جاتا تھا اور اُس کا مشہور نام یہی تھا۔ آیراقلیس معروف بہ ہادی۔ بقطروس۔ ثرواوس۔ مانطیاس فصاد۔ ثناقراطیس عین زربی۔ انطیباطرس نصیبینی۔ خروسبس معروف بہ فتی (جوانمرد) آریوس معروف بالمساد۔ فیلون طرسوسی۔ فاسبیون مصری۔ طولس اسکندرانی۔ آولینس ستقورس ملقب بالمطاع۔ اس کے مطاع سے ملقب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ جس مرض میں جو دوا استعمال کرتا وہی کارگر ہو جاتی۔ گویا ادویات اُس کی مطیع محکوم وارادہ تھیں۔ اور تامور باشندہ حران۔ یہ تمام اطباء مرکب ادویہ کے ماہر تھے۔ جالینوس نے اپنی کتابوں میں ان کی ترکیب ادویہ کو اخذ کیا ہے۔ اور اُس نے مذکورہ سابق اطباء یعنی اَبواس اور آشجانس وغیرہ کی مجربہ دواؤں سے بھی فائدہ اُٹھایا ہے ۔

(۵۲۱) نسطاس بن جریج (حکیم)

مذہباً عیسائی اور طب کا اچھا عالم تھا مصر کے امرائے اخشیدی کے عہد میں عروج پایا۔ صاحب تصنیف ہے۔ ایک کتاب کناش یعنی مجموعۂ علاجات یا بیاض مطب۔

اور دوسرا ایک رسالہ قارورہ کے ذکر میں اس کی یادگار ہیں ۔

(۵۲۲) نضر بن حرث بن کلدۃ الثقفی (حکیم)

یہ رسول اللہ صلعم کا خالہ زاد بھائی تھا۔ باپ کی طرح تحصیل علم کے شوق میں اس نے بھی اکثر ملکوں کا سفر کیا۔ مکہ وغیرہ میں بڑے بڑے فاضل علماء کی صحبت اٹھائی۔ عیسائی اور یہودی علماء کی خدمت میں رہا کاہنوں کا رفیق بنا۔ اور فلسفہ وعلوم قدیمہ اور حکمت کی تحصیل میں محنت کرتا رہا۔ طب کی تعلیم باپ سے حاصل کی۔ چونکہ بنی ثقیف کا قبیلہ بنو امیہ کا ہم عہد اور دوست تھا اس واسطے نضر ابو سفیانؓ کے ساتھ کفر وشرک کی حالت میں رسول خدا صلعم کا سخت دشمن رہا۔ بد بخت نضر کو اپنے علم وکمال کا غرور تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ نبوت ورسالت مؤید من اللہ کو حاصل ہوتی ہے۔ اسے خیال تھا کہ اپنے ظاہری علم کے وسیلہ سے وہ نبوت کے آسمانی علم کو مغلوب بنا لیگا۔ اس لئے حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت گستاخی کیا کرتا۔ آپ کو بیحد اذیت پہنچاتا۔ اور اہل مکہ کی محفلوں میں آپ پر منہ آتا رہتا۔ اس طرح اصلی بدبختی نے اس کا دامن نہ چھوڑا اور ۲ھ ہجری کے معرکہ بدر کبریٰ میں جہاں نصرت الٰہی نے بے سروسامان قلیل التعداد مسلمانوں کو مشرکین مکہ کی کثیر اور سامان حرب وضرب سے آراستہ جماعت پر فتح نمایاں مرحمت کی۔ نضر بھی جنگی قیدیوں میں پکڑا گیا۔ اور حضرت رسول خدا صلعم نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ جناب شیر خدا علی مرتضیٰ نے اپنی شمشیر آبدار سے نضر کی گردن اڑا دی اور یوں اس کو خداوند کریم اور اس کے پاک رسول سے عناد کرنے کا نتیجہ مل رہا ۔

(۵۲۳) نظیف رومی (حکیم)

یہ پادری اور دیندار شخص متعدد زبانوں میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے یونانی سے عربی زبان میں کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ فن طب میں اچھا فاضل گنا جاتا تھا

عضدالدولہ نے اس کو اپنے شفاخانہ میں جو اُس نے بغداد میں بنوایا تھا مامور کیا تھا۔ مگر وہ خود اس کو منحوس خیال کیا کرتا اور تمام مخلوق اس سے بیحد محبت کرتی تھی ۔

ایکبار یہ عجیب واقعہ ہوا کہ عضدالدولہ کا کوئی سپہ سالار بیمار تھا۔ عضدالدولہ نے نظیف کو حکم دیا کہ اُسے جاکر دیکھے اور علاج کرے۔ نظیف اُس سپہ سالار کو دیکھ کر چلا آیا تو سپہ سالار نے فوراً اپنا ایک معتمد خادم شاہی حاجب کے پاس بھیج کر دریافت کرایا کہ "بادشاہ اُس کی نسبت کیا خیال رکھتا ہے؟ اگر کچھ مزاج شاہی اُس کی طرف سے برہم ہو تو براہ کرم اُس کے لئے واپسی کی اجازت حاصل کر دیں تاکہ وہ دربار سے دور چلا جائے اور شاہی عتاب سے محفوظ رہے"۔ حاجب اس پیام کو سن کر حیرت زدہ ہوا۔ پیام لانے والے خادم سے دریافت کیا کہ آخر سپہ سالار نے یہ امر کیوں دریافت کیا ہے۔ اس کی وجہ تو بتاؤ۔ خادم نے کہا "حضور والا! میں اور تو کچھ جانتا نہیں۔ لیکن اتنا معلوم ہے کہ حکیم نظیف صاحب میرے آقا کو دیکھنے گئے تھے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ بادشاہ نے اُن کو سپہ سالار صاحب کی مزاج پرسی کا حکم دیا ہے"۔ حاجب اس بات کو سُن کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ لطیفہ اُس سے بھی عرض کیا۔ عضدالدولہ اُس کو سُن کر ہنس پڑا۔ اور حاجب کو حکم دیا کہ بہت جلد سپہ سالار کے پاس جاکر اُس کو تسکین دو۔ اور کہو کہ بادشاہ تمہاری طرف سے کوئی خیال نہیں رکھتا بلکہ تم پر بے حد مہربان ہے پھر اُس کے واسطے خلعت ہفت پارچہ بھی ارسال کیا۔ حاجب کو پہلے بھیجنے کا مدعا یہ تھا کہ بیمار سپہ سالار کی مزاج پرسی کرے اور اُس کا دل بہلائے۔ سپہ سالار کی پریشانی اس برتاؤ کو دیکھ کر دور ہوگئی اور پھر وہ ہمیشہ نظیف سے بے حد محبت کرتا رہا ۔

(۵۲۴) واٹسن WATSON Sir Thomson Watson (ڈاکٹر)

"ٹامس واٹسن" مارچ ۱۷۹۲ء کو انگلستان میں پیدا ہوا۔ اُس کا باپ "جوزف واٹسن" "کلم ٹن" ڈیون شائر میں رہتا تھا۔ پہلے وہ ایک گرامر سکول میں تعلیم پاتا رہا۔ بعدہ ۱۸۱۱ء میں کیمبرج گیا۔ اور وہاں "سینٹ جانس کالج" میں داخل ہوا۔ جہاں کئی ایک

امتحان نہایت کامیابی کے ساتھ پاس کئے۔ اور پھر اُسی کالج کا فیلو بن گیا۔ ایک شرط کے مطابق اُسے ڈاکٹری پڑھنے کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ ۱۸۱۹ء میں لندن کے بارتھولومیو ہسپتال میں داخل ہُوا۔ اور ڈاکٹر ایبرنیتھی کی نگرانی میں تعلیم پانے لگا۔ ۱۸۲۰ء و ۱۸۲۱ء میں اُس نے ایڈنبرا میں میڈیکل لیکچر سُنے۔ اور ۱۸۲۲ء میں مطب کا اجازت نامہ کیمبرج سے حاصل کیا۔ مگر پھر بھی اُس نے درس و تدریس کو نظرانداز نہیں کیا۔ اس لئے اپنے زیرنگرانی بعض طلباء کو بھی تعلیم دیتا رہا۔ ۱۸۲۵ء میں ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد لندن میں مطب جاری کیا۔ اور ایک ہی محلہ میں ستاون سال تک رہا۔ شادی کرنے کے چند ہی سال بعد اُس کی بیوی کا انتقال ہو گیا جس کا قلق اُس کے دل سے عمر بھر نہ مٹا ۔

واٹسن نے شروع ہی میں اپنے کارناموں سے بعض ایسے آثار ظاہر کئے تھے جس سے اُس کے جاننے والوں کو یہ خیال ہو گیا تھا۔ کہ وہ آگے چل کر ایک نہایت نامور اور مشہور شخص ہو گا۔ ۱۸۲۷ء میں وہ "مڈل سیکس" ہسپتال کا طبیب منتخب ہُوا۔ ۱۸۲۸ء میں یونیورسٹی کا کالج کھلتے ہی وہ عملی علم ڈاکٹری کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ اور ۱۸۳۱ء کو اُس نے اپنی ملازمت "کنگس کالج لنڈن" کی طرف منتقل کرا لی۔ جہاں وہ "میڈیکل جورس پروڈنس" (طبِ قانونی) پڑھانے لگا۔ اس زمانے میں اُس کا مطب کچھ ایسا ترقی پذیر نہ تھا۔ ۱۸۳۱ء میں اُس نے طبّی مضامین لکھنے شروع کئے۔ جو "میڈیکل گزٹ" میں ساتھ کے ساتھ بھی چھپتے رہے اور بعد میں ایک کتاب کی صورت میں بھی شائع ہوئے۔ ۱۸۳۶ء میں وہ "کنگس کالج لنڈن" میں علم ادویہ کے اصول و عمل سکھانے کے لئے پروفیسر مقرر ہُوا۔ اس سے چند ماہ بعد اُس نے اُن شہرۂ آفاق لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا جن کی وجہ سے وہ علمی دُنیا میں نہایت نامور ہو گیا۔ ۱۸۴۴ء میں یہ لیکچر دو جلدوں میں شائع کئے گئے۔ اس کتاب کو ڈاکٹری کی ایک نہایت مستند اور معرکۃ الآرا تصنیف سمجھا جاتا ہے جس وقت یہ شائع ہوئی تھی مصنف اور چھپوانے والے دونوں کو بہت بڑا نفع حاصل ہُوا تھا ۔

اُس کا مطب اس قدر وسیع ہوگیا تھا کہ ۱۸۴۷ء میں "کنگس کالج" سے اور ۱۸۴۳ء میں "مڈل سیکس ہسپتال سے اُس کو علٰحدگی اختیار کرنی پڑی۔ اس اثنا میں ایک اور نامور ڈاکٹر نے مطب چھوڑ دیا اور واٹسن کئی سال تک لندن کا سب سے اعلیٰ ڈاکٹر سمجھا جاتا رہا۔ ۱۸۶۶ء میں اُسے نائٹ کا موروثی خطاب عطا ہوا۔ اور ۱۸۷۰ء میں اُسے ملکہ وکٹوریہ کا مستقل ڈاکٹر مقرر کیا گیا۔ کالج الاطباء نے ۱۸۶۲ء میں اس کو پریسیڈنٹ بنایا۔ اور اس عہدہ پر وہ متواتر پانچ سال تک رہا۔ ۱۸۶۵ء میں کلینیکل سوسائٹی کا وہ اول پریسیڈنٹ بنایا گیا۔ اور ۱۸۵۹ء میں رائل سوسائٹی کا فیلو منتخب ہوا۔ اس کے علاوہ دیگر کئی انجمنوں میں پریسیڈنٹی وغیرہ عہدوں پر ممتاز رہا *

سر ٹامس واٹسن کے لیکچروں کی عالمگیر شہرت کا راز دریافت کرنے اور اُن کی خوبی کا اندازہ کرنے کے لئے ذیل کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے "جب میں یہ کہتا ہوں کہ ڈاکٹری مطالعہ بے حد دلچسپ ہے۔ اس سے خدا کی صنعت کاری ظاہر ہوتی ہے آپ یہ خیال نہ کیجئے کہ میں اپنے مطلب سے دور اور بحث سے خارج ہوگیا ہوں۔ اس شاندار سبق کو آپ نظر انداز نہ کیجئے اس میں قدرت کا ایک مقصد ہے۔ اُن کی بات کو ہرگز قبول نہ کیجئے جو اس سے چشم پوشی کی صلاح دیتے ہیں۔ انسان کا ڈھچر ایک نہایت عجیب و غریب صنعت کا نمونہ ہے۔ ہر ایک جوڑ ہر ایک ہڈی۔ ہر ایک عضو۔ سے متعلق خاص خاص مقصد رکھے گئے ہیں۔ وہ اعضاء صرف موجودہ ضروریات ہی میں کار آمد نہیں ہیں بلکہ آئندہ کے کام کرنے کو بھی وضع کئے گئے ہیں۔ چاہے فلاسفر لوگ اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوں مگر میں قائل ہوں۔ اور دن رات اس کے نمونے میرے دیکھنے میں آتے ہیں"

ڈاکٹری پیشہ کی بابت وہ کہتا ہے کہ:۔

"ڈاکٹری پیشہ کا مقصد بنی آدم کی خدمت کرنا ہے شخصی دوستی دشمنی۔ قومی عناد و پرخاش اور ملکی جھگڑوں بکھیڑوں کا اس میں کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ دُکھ اور بیماری کا انسداد اس کا فرض منصبی ہے۔ ایک طبیب کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ

کوئی واجب طور پر مُوکھ پار ہا ہے یا غیر واجب طور پر۔ بہرحال بلا تامل فائدہ پہنچانا اُس کا فرض ہے۔ اس میں کسی کے مذہب اور عقیدہ کو بھی دخل نہیں۔ یہ ایک رحم اور نیکی کا وسیلہ ہے جس سے طبیب اور مریض دونوں کا بھلا ہوتا ہے۔ زندگی کا کچھ بھروسہ اور اعتماد نہیں ہے۔ انسان بہت کم عرصہ یہاں رہ کر اگلے جہاں کو چلد بیتا ہے۔ وقت ہوا کی رفتار سے گذر رہا ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی زیادہ ہو لیکن ہماری ذہنی خواہشوں اور اخلاقی ضرورتوں کے مقابلے میں زیادہ نہیں ۔

ان لیکچروں کی بیحد قدر ہوئی اور اُن کی ہزارہا جلدیں مصنف کی زندگی ہی میں فروخت ہوگئیں۔ چونکہ سائینس روز بروز ترقی کر رہی ہے۔ اور نئی نئی باتیں دریافت ہو رہی ہیں۔ اس لئے وہ ان لیکچروں کے ہر ایڈیشن پر ترمیمات کرتا رہا۔ اُس نے اپنی زندگی کے اندر نئی روشنی میں پانچ مرتبہ اپنے خیالات کی صحت کی ۔

اِس قابل ڈاکٹر کا ۱۸۸۲ء میں اپنے بیٹے کے گھر انتقال ہُوا۔ اُس نے مرنے سے پہلے ۱۸۷۹ء میں "امراضِ اختیاریہ کا دفعیہ" کے عنوان سے ایک چھوٹی سی کتاب اور شائع کی۔ اُس کی وفات کے چار پانچ روز بعد ڈاکٹر چارلس ولیٹ نے اُس کی نسبت "میڈیکل گزٹ" میں حسب ذیل تحریر چھپوائی تھی :-

"مرحوم کسی غیر معمولی عقل و دانش کا مدعی نہ تھا۔ اور نہ کوئی اہم انکشاف اُس کے نام سے وابستہ ہے۔ مگر بایں ہمہ اُس کے معاصرین میں اُس سے زیادہ عالم۔ اُس سے زیادہ قادر الکلام۔ اُس سے زیادہ فصیح و بلیغ تقریر کرنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ بالاتفاق اعلےٰ درجہ کے اطباء کا بہترین نمونہ تھا۔ اُس کی عقلی اور اخلاقی خوبیوں کی وجہ سے اُس کی نسبت عام رائے بہت اچھی تھی۔ وہ انتہا درجہ کا صائب الرائے اور سلیم الطبع شخص تھا۔ اُس کو ہر وقت حق اور راستی کی جستجو رہتی۔ اُس میں اغلاط کو جان لینے کا مادہ قدرتی طور پر ودیعت کیا گیا تھا۔ وہ ہر ایک معاملہ کے نشیب و فراز پر کمال احتیاط سے نظر ڈالتا تھا ۔

ایک ہفتہ کے بعد اسی اخبار میں ایک اور ڈاکٹر نے اُس کی نسبت یہ رائے ظاہر کی کہ :-

"علمی اور انسانی دنیا میں جو کچھ واقع ہوا۔ سر ٹامس واٹسن اُس سے بیگانہ نہ تھا۔ مشاہیر عہد میں کوئی ایسا نہ تھا جو اُس سے علاج و استصواب کا ملتجی نہ ہوا۔ وہ اگرچہ صلح پسند نہ تھا۔ مگر اصول اور حق کو بے اصولی اور باطل پر قربان کرنے کا الزام اُس پر کسی طرح نہیں لگایا جا سکتا۔ وہ حق پسند تھا اور اُلجھے ہوئے مسائل کے سلجھانے میں اصول کی پیروی کو نظر انداز نہ کرتا تھا۔ اُس کی نظر بہت وسیع تھی وہ شکل دیکھتے ہی آدمی کی گہری شناخت حاصل کر لیتا تھا۔ ان تمام خوبیوں کی بدولت وہ اپنے ہمچشموں میں سب سے ممتاز تھا۔"

سر ٹامس نے مطب چھوڑنے کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ مگر تاہم تحقیقات کے کام سے غافل نہ تھا۔ چنانچہ اس کا ثبوت وہ چھوٹی سی کتاب پیش کرتی ہے جو اُس نے اپنی وفات سے تین سال پہلے شائع کی تھی۔

(۵۲۵) ولیمز WILLIAM Charles J. B. William (ڈاکٹر)

چارلس ولیمز ایک پادری کا بیٹا تھا۔ اُس کی پیدایش کا صحیح سال تو معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن وہ انیسویں صدی کے پہلے عشرہ میں پیدا ہوا تھا۔ ابتداً وہ گھر ہی میں تعلیم پاتا رہا۔ اُسے سائنس اور طب کا شوق۔ ماں کی تربیت کے اثر سے جو ایک جراح ڈاکٹر کی بیٹی تھی حاصل ہوا تھا۔ اُس کی غیر معمولی ذکاوت و ذہانت کے آثار شروع ہی سے نمایاں ہونے لگے تھے۔ لڑکپن میں اُس نے علم طبیعی کے دو رسالے پڑھے جنہوں نے اُس کی ایجادی قوتوں کو یکلخت تحریک کر دی۔ چنانچہ اُس نے برق پیدا کرنے کی دو کلیں۔ لیڈن جار کی ایک برقی بیٹری۔ والٹک پائل اور کئی ایک چھوٹی چھوٹی دوربینیں۔ خردبینیں۔ کلیڈوسکوپ (مختلف اشکال والوں کے دیکھنے کا آلہ) وغیرہ اشیاء خود تیار کر لیں۔ ٹامسن کی کیمسٹری تصنیفات کے مطالعہ سے اُس کو وسیع پیمانہ پر کیمیاوی تجربات کرنے کی تحریک ہوئی جس سے اُس کا علم اس قدر بڑھ گیا۔ کہ اُس نے ایڈنبرا میں داخل ہونے کے بعد خاطر خواہ ترقی کر لی۔

سکاٹ لینڈ کے مشہور مسیحی عالم دینیات ڈاکٹر چارلس کی فلکی تصنیفات کے پڑھنے سے اُس کی توجہ فلکیات کی طرف مائل ہوئی۔ اس کے علاوہ یہ شوق اُس کے لئے موروثی بھی تھا۔ چنانچہ اُس نے ایک دوربین لیکر مشاہدات کا کام شروع کردیا۔ اور اُس میں کسی قدر کامیابی بھی حاصل کی۔ وہ کھیل کود کے ورزشی اعمال میں اپنے احباب سے سبقت لے جاتا تھا۔ ایک دفعہ اُس نے خود دو ایسی لکڑیاں تیار کیں جن کے زینوں پر پاؤں رکھ کر زمین سے بارہ فٹ کی بلندی پر آدمی کھڑا ہو سکتا۔ اس پر چڑھ کر وہ لوگوں کے مکانات کی کھڑکیوں سے اندر کو جھانکا کرتا تھا۔ نیچرل ہسٹری (علم الحیوانات) سے دلچسپی رکھنے کی وجہ سے اُس نے گھریلو جانوروں کی بابت نہایت غور کے ساتھ تحقیقات کی۔ وہ ایسی صفائی سے اُن کی آوازوں کی نقل کیا کرتا کہ وہ اُس کے پاس دوڑے چلے آتے ؎

۱۸۲۰ء میں چارلس ایڈنبرا کی یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ جہاں کیمسٹری کے مشہور عالم ہوپ اور منرو ثالث سے تشریح پڑھنے لگا۔ اُن کے بعد دوسرے نامور اُستادوں سے بھی تعلیم پاتا رہا۔ پھر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد کیمیائی فزیالوجی کی طرف مائل ہوا۔ اور اُس نے حرارت غریزی اور عملِ تنفس کی بڑے شوق سے تحقیقات کی۔ تازہ ترین کیمیاوی انکشافات سے واقفیت حاصل کی اور مسلسل تجربات کے بعد یہ ظاہر کیا۔ کہ اگر خون حیوانی جھلّی میں بند کرکے جسم سے باہر رکھا جائے اور اُس پر ہوا کا اثر بھی ہوتا ہو تو شریانی اور وریدی خون کی رنگت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ حیوانی تھیلیوں کے مسامدار ہونے اور رقیق چیزوں کو اپنے اندر جذب کرنے کے مسئلہ کی طرف جس کے متعلق پروفیسر گرام نے بہت سی مدت اور محنت صرف کی ولیمز نے ۱۸۲۳ء میں توجہ کی۔ اس کے بعد اُس نے حرارت غریزی کی ابتدا کے متعلق تحقیقات کی۔ پھر احتراق کے متعلق غور کیا اور اس پر بہت سے مفید خیالات ظاہر کئے۔ ۱۸۲۴ء میں اُس نے اس مضمون کو وسعت دیکر ڈگری حاصل کرنے کا خاص علمی مبحث بنا لیا ؎

سنہ ۱۸۲۴ و ۲۵ء میں اُس نے نظام اعصاب کے متعلق چارلس بیل کے لیکچر سُنے جو لنڈن کے کالج جراحاں میں دئے گئے تھے۔ پھر متعدد شفا خانوں میں جراحی اعمال کو دیکھتا رہا۔ اور اسی سال پیرس کو چلا گیا۔ جہاں اُس نے فرنچ ادبیات کے علاوہ روغنی اور آبی نقاشی بھی سیکھی اور اس میں بہت جلد ترقی کی۔ پھر فرانس کے نامور ڈاکٹروں سے فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) کی تعلیم پائی۔ فرانسیسی محقق ڈاکٹر لے نک نے اگرچہ مسماع الصدر (آلہ) کے ذریعے سے امراض سینہ کی تشخیص کرنے کے لئے بہت نام پیدا کیا۔ مگر اُس کا علم الصوت زیادہ عمیق اور جامع نہ تھا۔ بعض وقت جو آوازیں وہ سینے میں سُنا کرتا اُن کی تشریح کرنے سے قاصر رہتا۔ ڈاکٹر چارلس ولیمز نے صوت کے قاعدہ سے اُسے حل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اُس نے سنہ ۱۸۲۹ء میں امراض سینہ کے طبعی نشانات معقول پر ایک کتاب لکھی۔ جس میں سٹیتھوسکوپ (آلہ مسماع الصدر) کی ترکیب اور استعمال کے متعلق کئی ایک نئی تجاویز پیش کیں۔ جب وہ فرانس سے لنڈن واپس آیا۔ تو ملکہ معظمہ کے خاص ڈاکٹر سر جیمز کلارک سے اُس کا تعارف ہو گیا۔ اور اسی اثناء میں ایک بہت بڑے رئیس سے بھی ملاقات ہو گئی جس کی وجہ سے اُسے بہت فائدہ پہنچا۔ اُس کی کتاب نہایت مشہور ہو گئی اور آج تک اُس کے کئی مسائل مستند سمجھے جاتے ہیں۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں اُس نے لندن کے اُس حصہ میں سکونت اختیار کی جسے پکاڈلی کہتے ہیں۔ جب وہ "رائل انسٹی ٹیوشن" کا ممبر بنایا گیا تو مشہور ماہر برقیات فراڈے سے بھی اُس کی ملاقات ہوئی۔

اِس کے بعد اُس نے "قاموس طب عملیہ" کے لئے امراض سینہ میں آوازوں کے ذریعہ تشخیص کرنے کے متعلق کئی ایک عمدہ ترین مضامین لکھے۔ ایک مضمون میں نزلہ کے علاج کے لئے فاقہ کشی یعنی جسمانی رطوبات کو خشک کرنا تجویز کیا۔ سوزش کے مقام پر لگانے کے لئے ان ادویات کی تشریح کی۔ جو سوزش کا مقابلہ کرتی ہیں اور استعمال کا اصل طریقہ بتایا۔ اس کے ساتھ ہی سانس اُلٹ جانے کے متعلق بڑی خوبی سے توضیح کی۔

مختلف مصروفیتوں کی وجہ سے اُس کا مطب نہایت محدود رہا۔ ۱۸۳۳ء میں اُس کی کتاب "امراض سینہ" دوسری بار شائع ہوئی۔ اس ایڈیشن میں اُس نے تندرستی اور بیماری کی حالت میں قلب کی آوازوں پر ایک خاص باب ایزاد کیا تھا۔ اُس فاضل محقق نے سالہا سال تک ان آوازوں کی ماہیت پر غور کرنے کے بعد بالآخر تجربات سے ثابت کر دیا کہ پہلی آواز دل کے بطونی عضلات کے سکڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور دوسری آواز شریانی خون کے ردّ فعل کے باعث دل کے ہلالی کواڑوں کے بھنچنے سے واقع ہوتی ہے۔ اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن مختلف ناموں سے شائع ہوا اور اُسے ایسی مقبولیت نصیب ہوئی کہ امریکہ میں بھی چھاپا گیا۔ نیز جرمنی اور سویڈن کی زبانوں میں بھی اُس کے ترجمے کر دئے گئے۔ اسی سال میں وہ لندن کی رائل سوسائٹی کا فیلو منتخب ہوا۔

۱۸۳۶ء میں اُس سے درخواست کی گئی کہ وہ مدرسۂ علم تشریح منعلقہ سینٹ جارج ہسپتال لنڈن میں "امراض سینہ" پر لیکچر دے۔ ۳۷-۱۸۳۶ء میں وہ ہارورے اور ویسٹ منسٹر سوسائٹیوں کا پریزیڈنٹ بنایا گیا۔ اس کے بعد ۱۸۳۷ء میں اُس نے "برٹش ایسوسی ایشن" کی کمیٹی کے واسطے "اصواتِ قلبیہ" (دل کی آوازیں) کی رپورٹ تیار کی۔ جس میں اپنے اُن تجربات کا بھی ذکر کیا جو اُس نے دل کی آوازوں کے متعلق بہم پہنچائے تھے۔ ۱۸۳۵ء میں اُس نے مسلسل تجربات سے یہ امر ثابت کر دیا کہ دل کے مختلف خانوں کے کواڑوں کی بیماریوں کی شناخت یہ ہے کہ سُریلی رَویں مختلف اطراف میں پھیلتی اور پھر سینہ کی دیواروں سے ٹکراتی ہیں۔ بُنیاد اور چوٹی کی دھیمی آوازوں کا نظریہ اس سے پیشتر قائم کیا گیا تھا۔ جسے وِلیمز نے ۳۷-۱۸۳۶ء میں توسیع دیکر مکمل بنانے کی کوشش کی۔

۱۸۳۹ء میں وہ یونیورسٹی کالج لنڈن کے لئے علم الادویہ کا پروفیسر منتخب ہوا۔ اور بعد میں کالج کے متعلقہ ہسپتال کا ڈاکٹر مقرر کیا گیا۔ اس زمانے میں اُس کی مصروفیت بہت کچھ بڑھ گئی تھی۔ لیکچر دینا۔ پھر جماعتوں کا امتحان لینا۔ ہر روز شفاخانے میں

جاکر مریضوں کو دیکھتا اور ہفتہ میں ایک مرتبہ بیماروں کی حالت دکھاکر طلباء کو لیکچر سُنایا کرتا۔ اُس نے مُردوں کی نعشوں کے امتحان کے لئے ایک خاص کمرہ تیار کرایا۔ اُس کی جماعت میں دو ہزار لڑکے تعلیم پاتے تھے۔ اُس کے عالمانہ لیکچروں کی وجہ سے اس اسکول کو بیش از پیش ترقی نصیب ہوئی سنہ ۱۸۴۲ء میں اُس نے ایک اور ڈاکٹر کی شرکت میں کئی ایک تجربے کئے اور یہ امر ثابت کردیا۔ کہ قصبات الریہ (چھوٹی ہوائی نالیوں) میں عضلاتی انقباض ہوجایا کرتا ہے اور اس کی تصدیق میں یہ دلیل پیش کی کہ دمہ کی بیماری میں اگر اُن پر بلاڈونا اور اسٹرامونیم (تاتورہ) لگایا جائے تو وہ سُکڑ نہیں سکتے۔

کالج اطباء میں گلسٹنی لیکچر دیتے ہوئے ڈاکٹر ولیمز نے خون کے انصباب اور اجتماع نیز التہاب پر جو مدلل بحث کی تھی۔ یہ سنہ ۱۸۴۰ و ۴۱ء میں ان کے تجربات میں مصروف رہا۔ اور اُس نے جو خیالات ظاہر کئے تھے پچیس سال بعد وہ صحیح ثابت ہوئے۔ اُس کا یہ دعوے تھا کہ کسی خاص حصہ بدن میں خون کے توارد کا طبعی سبب شرائین کا بڑھ جانا ہوتا ہے۔ "جب مینڈک کے پاؤں کو خوشبودار پانی میں تر کیا جاتا ہے تو اُسکی شرائیں پھول جاتی ہیں اور اس کا صحیح معائنہ خوردبین کے وسیلہ سے ہوسکتا ہے اُس وقت شرائین کا خون نہایت زور سے عروق شعریہ کی طرف بہنے لگتا ہے جس سے اُن کا نیز اوردہ کا حجم۔ بڑھ جاتا ہے۔ اور تمام عروقی جال (بلکہ وہ عروق بھی جن میں پیشتر خون کے دانے بھی داخل نہ ہوسکتے تھے) اپنے اندازہ سے زیادہ پھیل جاتا ہے۔ اور اُن میں خون کی رو نہایت سُرعت اور تیزی کے ساتھ چلنے لگتی ہے"

اسی فاضل محقق کی سرگرم کوششوں سے امراض سینہ کے لئے ایک خاص شفاخانہ کھولا گیا۔ اور اُسی کو اُس شفاخانہ کا طبی مشیر مقرر کیا گیا۔ اب اُس میں روز افزوں ترقی ہورہی ہے اور صدہا مریض سل اور دق کے وہاں رہتے ہیں۔

سنہ ۱۸۴۳ء میں اُس نے ایک کتاب "کلیات طب" کے نام سے شائع کی جس میں فزیالوجی (افعال الاعضاء) اور پتھالوجی (علم الامراض) کے مطابقت میں علاج

کے لئے ایک نیا تحقیقی طریقہ وضع کیا گیا ہے جسکو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا امریکہ میں اُس کو نہایت مستند سمجھا گیا۔ سر جیمس پجٹ اور سر جیمز سمسن نے اُس کی بڑی تعریف کی۔ اور اُس کے متعدد اڈیشن شائع ہوئے ؂

۱۸۴۶ء میں لنڈن میں پیتھالوجیکل سوسائٹی قائم ہوئی اور ولیمز اُس کا پہلا پریسیڈنٹ قرار پایا۔ ۱۸۴۹ء میں صحت کے خراب ہوجانے کی وجہ سے اُس نے پروفیسری چھوڑ دی۔ اُدھر مطب کو بھی بہت کچھ وسعت ہو گئی تھی۔ اسی سال میں اُس نے ایک مضمون لکھ کر یہ امر ثابت کیا کہ "امراض سینہ" میں مچھلی کا تیل بہت مفید چیز ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی ایک ڈاکٹر نے اس دوا کو پھیپھڑے کے امراض سل کے لئے تجویز کیا تھا۔ مگر اُس نے اُس کو سینکڑوں مریضوں پر آزمایا۔ اور عملی طور پر اُس سے فائدہ اُٹھایا۔ "کاڈلور آئل" (روغن جگر ماہی) جو آج کل عام طور پر رائج ہے۔ اُس کے فوائد کی دریافت اور ترویج کی نیکنامی کا سہرا ڈاکٹر ولیمز کے سوا کسی کے سر نہیں بندھ سکتا۔ ۱۸۷۳ء میں وہ میڈیکل وکراجیکل سوسائٹی کا پریسیڈنٹ منتخب ہوا۔ اور اس عہدہ پر دو سال تک کام کرتا رہا۔ ۱۸۷۴ء میں وہ ملکہ وکٹوریہ کا خاص طبیب مقرر ہوا۔ ۱۸۷۵ء میں سب کاروبار چھوڑ کر ایک قصبہ میں رہنے لگا۔ وہاں ملکی مشاہدہ اور دینی مطالعہ میں غور و فکر کرتا رہا چند سال تک اسی حالت میں زندگی بسر کرکے اس جہان فانی سے رحلت کر گیا۔ اُس محقق کا نام بنی نوع انسان کی بہتری و بہبودی کے کاموں میں مصروف رہنے کی وجہ سے تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ روشن حروف میں لکھا رہیگا۔ اور اُس کی نہ مٹنے والی یاد اُسے زندۂ جاوید بنائے رکھیگی ؂

(۵۲۶) ویلز WELLS Sir T. Spencer Wells (ڈاکٹر)

ٹامس سپنسر ویلز جس نے عورتوں کے مبیض پر عمل جراحی کرنے کے فن کو از سر نو رائج کیا۔ ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ تک ابتدائی حالت میں اُس نے ضلع یارک

کے ایک ڈاکٹر کی شاگردی کی۔ بعد میں شہر لیڈز کے ایک ڈاکٹر سے تعلیم حاصل کرتا رہا۔ وہاں اُسے دو اور نامی ڈاکٹروں کے لیکچر سُننے کا بھی موقع ملا۔ جو وہاں کے شفاخانے کے متعلق درس و تدریس کا کام کرتے تھے۔ سنہ ۱۸۳۷و۳۸ء میں وہ ڈبلن کو گیا۔ جہاں سٹوکس اور گریوز کے لیکچر سُننے اور ڈاکٹری مسائل کے معقول نکات حاصل کئے۔ پھر لندن واپس آیا اور سینٹ ٹامس کے شفاخانہ میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ یہاں اُس نے پوسٹ مارٹم (تشریح بعد وفات) کے مشاہدات سے متعلق اعلےٰ رپورٹ کرنے پر انعام حاصل کیا۔ سنہ ۱۸۴۱ء میں "کالج جراحان" لنڈن کا ممبر بنایا گیا۔ پھر بحری فوجی بیڑے میں اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوا۔ اور چھ سال تک مالٹہ کے بحری ہسپتال میں رہا ؂

سنہ ۱۸۵۳ء میں وہاں سے واپس آکر لندن میں مطب جاری کیا۔ پھر سامریٹ شفاخانہ میں ملازم بھی ہوگیا۔ جو زنانہ معالجات کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ اس ہسپتال میں اُسے سب سے پہلے عورتوں کے امراض کا مطالعہ کرنے میں معقول دستگاہ حاصل ہوئی۔ اس عمدہ موقع ملنے کے باعث بعد میں اُسے معالجۂ نسواں کے متعلق خاص شہرت نصیب ہوئی ؂

قدیم الایام سے عورتوں کے مبیض (بیضہ دان) میں مختلف قسم کے امراض پیدا ہوتے چلے آتے تھے۔ بعض حالتوں میں اُن کے اندر رسولیاں پیدا ہوجاتی۔ اور رسولیوں میں پانی بھر جاتا تھا۔ لیکن اُن کا کوئی بہتر علاج دستیاب نہ ہوا تھا صرف چیر کر پانی نکال دیا جاتا۔ جس کا انجام عموماً خطرناک صورت پیدا کرتا۔ سترھویں صدی کے اختتام اور اٹھارھویں کے شروع میں بعض ڈاکٹروں نے چند طریقے اختراع کئے۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ پیٹ کے سامنے کی دیوار کو شگاف دیکر مریض خصیۃ الرحم کو نکال دیا جاتا۔ سنہ ۱۷۶۲ء میں ولیم ہنٹر نے ایک طریقہ ظاہر کیا جس سے یہ عمل بلا خوف و خطر ہوسکتا تھا۔ پھر سنہ ۱۷۸۵ء میں جان ہنٹر نے خصیۃ الرحم کے نکالدینے کی صلاح دی۔ اس کے بعد سنہ ۱۷۹۸ء میں ایک فرانسیسی ڈاکٹر نے بھی اس مرض کے متعلق عمل جراحی کی تائید کی۔ اگرچہ اُسے خود کوئی ایسا آپریشن کرنے کا موقع نہ ملا۔ جان بیل نے سنہ ۱۷۹۴ء میں بمقام ایڈنبرا اپنے طلباء کو لیکچر دیتے ہوئے اِن رسولیوں کو قطع و برید

کے ذریعے سے دور کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ مگر بیضہ دان کو کاٹنے کے لئے سب سے پہلا آپریشن جان بیل کے ایک امریکن شاگرد افرائم میکڈونل نے ۱۸۰۹ء میں بمقام کنٹکی ایک ادھیڑ عورت پر کیا تھا۔ لیکن انگلستان میں اُس کو رواج دینا آسان کام نہ تھا۔

سر سنفیر ویلز لکھتا ہے کہ "چونکہ اس زمانے میں جن مریضوں پر آپریشن کئے جاتے تھے اُن کا انجام بالعموم خطرناک ہوا کرتا تھا۔ اس لئے لوگ اعمال جراحی کی مضرتوں کو جھیلنے کی نسبت صبر کے ساتھ تکلیف اُٹھاتے رہنے کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ چنانچہ اس کی نظیر اب بھی دور افتادہ دیہاتی لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ انہیں یہ کہنا کہ کلوروفارم کے استعمال سے آپریشن بے تکلیف اور سہل ہو جائیگا۔ لاحاصل تھا۔ کیونکہ حد سے زیادہ خائف ہونے کی وجہ سے اِس قسم کی باتوں کا اُن پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا"

بیان کیا جاتا ہے کہ گلاسگو کے ایک جرّاح ڈاکٹر رابرٹ ہوسٹن نے ایک عورت پر آپریشن کیا اور اُس کے رحم کے اندر سے رسولی نکالی۔ چونکہ ڈاکٹر موصوف کا طریقہ عمل آج کل کے قطع خصیۃ الرحم کے عمل سے بہت کچھ مشابہ تھا۔ اس لئے آپریشن نے کامیاب انجام حاصل کیا اور اس کے بعد وہ مریضہ صحت پا کر سولہ[16] سال تک زندہ رہی۔ اسی طرح امریکہ کے اکثر ڈاکٹروں نے میکڈونل کی تقلید کی مگر مخذرات کے مروّج نہ ہونے کی وجہ سے اُس کا عام رواج نہ ہوا۔ اڈنبرا لیزرس نے ۱۸۲۵ء میں خصیۃ الرحم کے دو آپریشن کئے جن میں سے ایک میں کامیابی ہوئی اور دوسرے میں ناکامی۔ اس کے بعد لنڈن میں ایک ڈاکٹر نے ۱۸۲۷ء میں ایک آپریشن کرنا چاہا۔ مگر بعض موانع کی وجہ سے نہ کرسکا۔ اور طبعی طور پر وہ مریضہ بلا آپریشن اچھی ہو گئی۔ ۱۸۳۶ء میں ایک اور ڈاکٹر نے ایک عورت پر کامیاب آپریشن کیا۔ جس کے بعد عورت نے متعدد بچے جنے۔ اس کے علاوہ اور شہروں کے ڈاکٹروں نے بھی اس مرض کا آپریشن کے ذریعہ سے علاج کرنا شروع کیا اور اُس کا عام طور پر رواج ہوتا گیا۔ بعض ڈاکٹروں نے اس فن میں خاص مہارت پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔ کئی طریقے وضع کئے جن سے آپریشن میں سہولت اور درد میں تخفیف پیدا ہوگئی

۱۸۴۸ء میں ایک ڈاکٹر نے بتیس عورتوں کے آپریشنوں کی کیفیت شائع کی جن میں دس مرگئیں اور بائیس صحتیاب ہوئیں۔ یہ جراح برسوں اس عمل کے ذریعہ سے علاج کرتا رہا اور اس کے آپریشنوں میں پچھتر فیصدی کامیابی ہوتی رہی۔

سر سپنسر ویلز اپنے زمانے کے ڈاکٹروں کی آراء اور میلان سے واقف تھا چنانچہ ۱۸۴۸ء میں اس نے خصیۃ الرحم کو قطع کرنے کے خلاف رائے ظاہر کی ۱۸۵۳ء میں ایک اور ڈاکٹر سے اس کی شناسائی ہوئی جس نے لندن کے ایک شفاخانے میں مبیض کے آپریشن شروع کر رکھے تھے۔ چنانچہ ایک آپریشن میں ویلز بھی اس کے ساتھ شریک ہوا۔ زیر عمل مریضہ فوت ہوگئی اور اس ڈاکٹر نے اس قسم کے آپریشن کرنے سے ہاتھ اٹھالیا۔

جنگ کریمیا کے آغاز میں ویلز میدان کارزار کو گیا۔ تو اس نے وہاں جاکر یہ تجربہ حاصل کیا کہ پیٹ پر چاہے کتنی ہی سخت ضرب کیوں نہ آئے اگر جسم عمدہ اور دیگر حالات موافق ہوں تو آدمی صحتیاب ہو سکتا ہے۔ وہاں اس نے یہ بھی دیکھا کہ گولوں اور گولیوں کے ان زخموں کو جن سے بکثرت خون جاری تھا۔ جب انہیں صاف کرکے باندھا گیا تو خون بند اور مجروح تندرست ہوگیا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ لندن آکر ایک شفاخانہ میں ملازم ہوگیا۔ ۱۸۵۸ء میں اس نے پہلی مرتبہ خصیۃ الرحم پر آپریشن کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اپنے سابق استاد کی صلاح سے اسے ناتمام چھوڑا اور دوسری دفعہ اسی کی اعانت سے اس کو مکمل کیا۔ وہ اپنے ابتدائی تجربات کے متعلق لکھتا ہے کہ۔

جب میں نے مبیض (بیضہ دان) کے آپریشن شروع کیے تو مجھے مشکلات کا سامنا ہوا۔ پہلے ہی آپریشن کے ناکام ثابت ہونے پر مجھے یہ اندیشہ لاحق ہوگیا۔ کہ اس محنت کا ثمر بدنامی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اگر عورتوں کی دردناک حالت اور ان کی استدعا مجھے مجبور نہ کرتی۔ تو اس فن کے ہرگز درپے نہ ہوتا اور اس طرح سے ان کی مصیبت میں کوئی تخفیف نہ ہوتی۔ اس زمانے کے میڈیکل جرائد (اخبارات) عملاً و اصولاً اس عمل کے مخالف تھے۔ اور بڑے بڑے ڈاکٹر بھی اس کے خلاف آواز اٹھاتے تھے۔ اور جنہوں نے اس کو شروع بھی کیا تھا وہ بھی مایوس ہوکر دستکش

ہو گئے تھے۔ ۱۸۵۸ء میں ویلز نے تین عورتوں کے مبیض (بیضہ داں) پر عمل جراحی کیا۔ اور تینوں میں کامیابی ہوئی۔ اس کے بعد وہ ایک آپریشن میں پھر ناکام رہا اس لئے اس نے جانوروں پر مشق کرنی شروع کر دی۔ جس سے آپریشن کے طریقہ میں پہلے کی نسبت بہت کچھ اصلاح ہو گئی۔ ۱۸۵۹ء میں اس کے گیارہ آپریشنوں میں سے پانچ کا خوفناک انجام ہوا۔

۱۸۶۰ء میں ایک ڈاکٹر نے ایک کتاب "مبیض کے امراض" کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ جس سے اس قسم کے آپریشنوں میں بہت مدد ملی۔ اور اس پر بہت مفید اثر پڑا۔ اسی کتاب کے وسیلہ سے اکثر غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ کلوروفارم کی بجائے بائی کلورائڈ آف میتھلین سے کام لیا گیا۔ جس سے بہت عمدہ نتائج نکلے۔ اس بات کی خاص طور پر احتیاط کی گئی کہ آپریشن کے وقت متعدی امراض کے کیڑے خصیۃ الرحم تک نہ پہنچنے پائیں۔ اور آپریشن کنندہ ڈاکٹر پوسٹ مارٹم (نعشیں پھاڑنے) کے کمرے میں یا کسی اور ایسی جگہ نہ گیا ہو جہاں متعدی امراض کے جراثیم پھیلے ہوئے ہوں۔ آپریشن کے کمرے کی ہوا کو صاف رکھنے اور کپڑوں و آلات جراحیہ کو پاک کر لینے میں خاص کوشش کی جاتی۔

۱۸۶۴ء میں ویلز نے اپنے ذاتی تجربات کی کیفیت شائع کی۔ اس سال میں اس نے ۱۱۴ عورتوں پر آپریشن کئے۔ ان کے علاوہ ۱۸۷۲ء میں پانچ سو عورتوں کا اور ۱۸۸۲ء میں ایک ہزار اکتھر عورتوں کا حال شائع کیا۔ شروع میں اس قسم کے اعمال سے ۳۴ فیصدی شرح اموات تھی۔ جو ۱۸۸۲ء میں صرف گیارہ فیصدی رہ گئی۔ اس محقق جراح نے اپنی کوششوں کی وجہ سے ہر سال اس طرح اموات میں نمایاں کمی دکھلائی۔

ایبرڈین کے ایک ڈاکٹر کی مساعی حسنہ سے نقصان جان کی تعداد ساڑھے تین فیصدی تک پہنچ گئی۔ رفتہ رفتہ یورپ کے دیگر نامور جراحوں نے بھی مبیض (بیضہ داں) کے آپریشن کا طریقہ اختیار کر لیا اور اس سے بہت عمدہ نتائج پیدا ہوئے۔

۱۸۶۵ء میں ویلز کو خیال ہوا کہ خصیۃ الرحم کے آپریشن سے جانیں ضائع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہسپتال کے اندر کی ہوا جراثیم کی موجودگی کی وجہ سے خراب ہوتی ہے۔ اور اُس کے ساتھ زخم کے اندر جراثیم سرایت کر جاتے ہیں۔ اُس نے اس کا تدارک کرنے کے لئے سلفر اور سلفائٹ کے استعمال پر زور دیا۔ اُس وقت جوزف لسٹر کا دافع تعفّن مرکب زیادہ رواج پذیر نہ تھا۔ لیکن جب وہ زیادہ رائج ہوگیا تو ویلز نے بھی اپنے آپریشنوں میں اُس سے کام لینا شروع کیا۔ اور اُس کا بیان ہے کہ اس طریق سے ہزارہا عورتیں قبل از وقت موت سے بچ گئیں۔ اور ہمیشہ بچتی رہینگی۔ اس فن کو اس قدر فروغ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ عملی جراحی کے تمام شعبوں پر سبقت لے گیا۔ اس جراحی اکتشاف کی بدولت باریطون اور اور پیٹ کی جھلی کے آپریشنوں میں بھی بہت مدد ملی۔ اور بڑے بڑے مشہور جراحوں نے اسی طریقہ سے فائدہ اُٹھانا شروع کیا۔ اگرچہ ابتداءً اسے ناممکن العمل خیال کیا جاتا تھا مگر بالآخر اسی میں کامیابی ہوئی۔

یہ محقق ڈاکٹر صرف جراحی کو ترقی دینے کا خواہشمند تھا۔ بلکہ اُس نے امراض کے انسداد اور دفعیہ کی نسبت بھی بڑی بڑی امیدیں ظاہر کی تھیں۔ اور صحیح تشخیص کی نسبت تحقیقات کرنے کے بعد وہ نئے طریقے اور اصول وضع کرنے کی تاکید کیا کرتا تھا۔ وہ ایک معقول عرصہ تک لندن کے "کالج جراحان" کا ممبر رہا۔ اور ۱۸۸۳ء میں اُس کا پریسیڈنٹ منتخب ہوا۔ ۱۸۸۷ء میں اُسے نائٹ کا موروثی خطاب عطا کیا گیا۔ اُس فاضل ڈاکٹر اور بنی نوع انسان کے سچے خیرخواہ نے "عملی جراحی" اور "تشخیص امراض" کے علاوہ ملکی اور شہری انتظام کی طرف بھی کافی توجہ کی۔ وصوبوں سے جو خرابیاں لاحق ہوتی ہیں اُن کے دفعیہ کی تجاویز وضع کیں۔ جہازی مسافروں کی صحت کا عمدہ انتظام کرایا۔ شفاخانوں کی عمارات کو قواعد حفظ صحت کے مطابق بنوایا۔ اور اُن کی نظامی حالت میں بھی مناسب ترمیمات کیں۔ اس کے بعد مُردوں کی نعشوں کے ٹھکانے لگانے پر غور کرتا رہا۔ اُس کی رائے میں مردوں کو گاڑنے کی نسبت

اُن کا جلا دینا بہتر تھا۔

سرسنپر ویلز نے ۱۸۹۵ء میں انتقال کیا۔ خصیۃ الرحم کے کامیاب آپریشن کا طریقہ وضع کرنے میں اُس کو نہایت پائدار شہرت حاصل ہوئی اور درحقیقت اس اکتشاف سے اُس نے فرقہ نسواں پر ایک استمراری احسان کیا ہے۔

(۵۲۷) ہارون بن موسیٰ الاشیونی (حکیم)

نامور اور ماہر فن اطباء میں سے تھا۔ اس کی نیک دلی اور امانت داری کا زمانہ قائل رہا۔ دستی اعمال یعنی جراحی میں بہت چابک دست اور مشہور تھا۔ ناصر اور مستنصر کے درباروں میں طبی خدمات پر مامور رہا۔

(۵۲۸) ہاروے HARVEY William Harvey (ڈاکٹر)

ولیم ہاروے قصبہ فوکسٹن (انگلستان) میں اپریل ۱۵۷۸ء کو پیدا ہوا تھا۔ اُس کا خاندان ایک آسودہ حال خاندان تھا چنانچہ اُس کے پانچ بھائی لنڈن کے ذی عزت تاجروں میں شمار کئے جاتے تھے۔ کچھ عرصہ تک ابتداءً اُس نے کنٹربری میں تعلیم حاصل کی۔ اور ۱۵۹۳ء کو "گونِ وِل" میں اور اُس کے بعد "کیس کالج" میں داخل ہوا۔ جہاں ۱۵۹۹ء تک مسلسل پڑھتا رہا۔ بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اٹلی کی مشہور یونیورسٹی "پیڈوا" میں جاکر ایک نہایت ماہر علم تشریح ڈاکٹر کے خیالات اور علمیت سے فائدہ اُٹھانے لگا۔ وہاں سے پانچ سال کے بعد اُسے ایم۔ ڈی کی سند عطا ہوئی۔ اُس نے اپنی محنت۔ ذہانت۔ لیاقت اور علمیت کی وجہ سے اُستادوں کو اپنا طرفدار بنا لیا۔ جب وہ انگلستان میں واپس آیا۔ تو اُسے کیمبرج یونیورسٹی سے مطب کرنے کی اجازت عطا کی گئی۔ اور اُس نے لنڈن میں جاکر پریکٹس شروع کر دی۔

۱۶۰۷ء میں وہ "کالج اطباء" کا فیلو بنایا گیا۔ اور ۱۶۰۹ء میں لنڈن کے "بارتھولومیو ہسپتال" میں وہ فزیشن (طبیب) کی اسامی پر مقرر ہو گیا۔ اس عہدہ

کے لئے اُس نے خاص شاہی خطوط حاصل کئے تھے۔ ہاروے نے اپنے پیشہ میں بہت جلد شہرت حاصل کرلی ۔

۱۶۱۵ء کو کالج اطباء میں وہ لوم لینی یادگاری لیکچر دینے کے لئے مقرر کیا گیا۔ اُس زمانے میں یہ عہدہ مدت العمر کے لئے ہوا کرتا تھا۔ بہرحال وہ اپریل ۱۶۱۶ء سے لیکچر دینے لگا۔ اِن لیکچروں میں اُس نے دل دوران خون کی نسبت اپنے اُن خیالات کا اظہار کرنا شروع کیا جن کی وجہ سے اُس کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ چنانچہ ۱۶۲۸ء میں وہ کتابی صورت میں شائع کئے گئے ۔

ہاروے کا یہ خیال کوئی انوکھا خیال نہ تھا کہ خون شرائین میں بہتا ہے۔ اُس سے پہلے سروِیٹس (سرویطوس) کی یہ رائے تھی کہ خون پھیپھڑوں میں سے ہوکر دل کے دائیں حصہ سے نکلتا اور بائیں حصہ کو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ شریانوں اور عروق شعریہ کے ذریعہ سے تمام بدن میں پھیل جاتا ہے۔ یہ ایک پرانا خیال ہے کہ بطون قلب کے اندر جو پردہ ہے وہ چھلنی کی طرح سوراخ دار ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے شریانی اور وریدی خون میں اختلاط واقع ہوسکتا ہے۔ مگر ویسلیوس اُسے غلط ثابت کرچکا تھا۔ اسی خیال کے مطابق یہ مانا جاتا تھا کہ یہ دونو قسم کا خون دماغ۔ سینہ اور پیٹ کے اندر جمع ہوکر اسی راستہ سے دل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ جدھر سے کہ وہ آیا تھا جس سے مقصود یہ ہے کہ اندر سے تازہ اور صالح خون جس پر جسم کے تمام افعال منحصر ہیں تمام اعضاء کے مختلف حصوں میں پہنچ سکے ۔

سرویطوس کا یہ خیال تھا کہ سینہ کی شرائین اور اوردہ کے درمیان براہ راست تعلق ہے۔ اور "جوہر حیات" یعنی خون دل کے بائیں بطن میں پیدا ہوتا ہے اور پھیپھڑے اُس کی تولید میں اعانت کرتے ہیں۔ مگر ان اُمور سے کہ خون دل سے نکل کر شرائین کے اندر کس قوت کے ذریعہ سے داخل ہوتا ہے اور دل کے انقباضی افعال کیا ہیں۔ سرویطوس بالکل بے بہرہ تھا۔ ہاں وہ اس قدر ضرور مانتا تھا کہ بطن کسی نامعلوم وجہ سے پھیل کر جوہر حیات یعنی خون کو جذب کرلیتے ہیں

علاوہ ازیں دیگر محقق ڈاکٹروں نے بھی اس کے متعلق تحقیقات کی اور مختلف نظریئے قائم کئے جن کے ذکر کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ اس لئے یہاں صرف ہاروے کے اُس انکشاف پر اکتفا کی جاتی ہے جو اُس نے مسئلہ دوران خون کے متعلق قلمبند کیا ہے۔

ہاروے نے اپنی کتاب "حرکت قلبی اور خون" کی پہلی فصل میں لکھا ہے:۔

"جب میں نے زندہ جانوروں پر عمل کر کے دل کی حرکت اور دوران خون کا مسئلہ حل کرنا چاہا۔ اور مجھے یہ خواہش ہوئی کہ میں براہ راست اس کا مشاہدہ کروں تو مجھے اس قدر دقتیں پیش آئیں کہ ایک عالم کا یہ قول پیش نظر آگیا کہ "دل کی حرکت کو صرف خدا ہی جانتا ہے۔" لیکن اس پر بھی میں ہمیشہ استقلال اور صبر کے ساتھ متواتر کام کرتا رہا اور جانوروں پر عمل کر کے دل اور خون کی حرکت کو بغور دیکھتا رہا۔ آخر کار میرا یہ خیال ہوا کہ میں اس راز کا پتہ لگا لوں گا۔"

اسی کتاب کی دوسری فصل میں وہ قلب کی عضلاتی ساخت کی نسبت لکھتا ہے:۔

"حرکت قلب ایک خاص قسم کے کلی تمدد پر منحصر ہے یعنی اُس کے ریشوں میں انقباض اور انبساط (سکڑنا۔ پھیلنا) کا واقع ہونا ہے جس سبب سے وہ فعلیت کی حالت میں سیدھا۔ سخت اور منقبض ہو جاتا ہے۔ یہ حرکت بعینہٖ اُن عضلات کی سی ہوتی ہے جو نسوں اور ریشوں کے سکڑنے کی وجہ سے قوی اور سخت ہو جاتے ہیں۔ جس طرح وہ فعلیت کی حالت میں فربہ اور اُبھرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ یہی حال دل کا بھی ہے۔ قلب کا تمدد۔ اُس کی نوک کے دیوار سینہ پر لگنے سے آواز کا پیدا ہونا۔ بطون قلب کے سکڑنے سے اس کی دیواروں کا موٹا ہو جانا اور اس میں خون کا زور سے خارج ہونا یہ سب باتیں ایک ہی وقت میں ظاہر ہوتی ہیں۔"

آگے چل کر اُس نے بیان کیا ہے کہ نبض کی حرکت جو شریانوں میں پائی جاتی ہے، وہ بھی بطون قلب کے انقباض پر ہی منحصر ہے۔ جب بائیں بطن کا سکڑنا بند ہو جاتا ہے تو نبض شریانوں کے اندر محسوس نہیں ہوتی۔ دل کے دو نو اذان

ایک ساتھ سکڑتے ہیں۔ مگر بطون کے انقباضی فعل میں ذرا سا وقفہ ہوا کرتا ہے۔ اور وہ سے شرائین میں خون کا منتقل کرنا قلب کا دائمی فعل ہے۔ جو خون دائیں بطن سے نکل کر پھیپھڑوں میں جاتا ہے۔ وہ پھیپھڑوں کے مساموں سے ہوکر بائیں بطن میں داخل ہوجاتا ہے۔ خون کے دل سے نکل کر شریانوں میں جانے اور شریانوں سے لوٹ کر قلب میں پہنچنے کے عمل کی تشریح کرنے میں اُسے دقت پیش آئی اور اُسے "دائرہ کی حرکت" قرار دیتے ہوئے یہ بیان کیا کہ اُس کا چکر مسلسل چلتا رہتا ہے۔

ہاروے کا تخمینہ ہے کہ ایک گھنٹہ میں جس قدر خون دل سے گذر جاتا ہے۔ اُس کا وزن تمام جسم کے خون سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ اور بدن کے ہر حصہ میں خون کا دورہ ہونے کی یہ وجہ بیان کی کہ وہ شریانوں سے آوردہ میں اور آوردہ سے اُن کے خود بخود بند ہونے والے ڈھکنوں کے باعث دل میں واپس آجاتا ہے۔

اس محقق کا دل و دماغ سائنس کے ساتھ بہت کچھ مناسبت رکھتا تھا۔ وہ ہر ایک امر کی صحت دریافت کرنے کے لئے تجربہ اور مشاہدہ سے مدد لیا کرتا۔ علم تشریح کو وہ پُرانے ڈاکٹروں کی کتابوں سے نہیں بلکہ نعشیں چیر چیر کر سکھایا کرتا تھا۔ طلباء کو فلاسفروں اور محققوں کے خیالات ہی نہیں سناتا تھا۔ بلکہ قدرت کے کارخانے سے نمونے دکھا کر سمجھاتا تھا۔ وہ ہر حال میں مشاہدات قدرت پر زور دیا کرتا۔ جو کتاب اُس نے ولادت کے متعلق لکھی اُس میں بھی اُس نے یہی تاکید کی ہے۔ کہ تقلید کرنے کے لئے صرف قاعدۂ قدرت کو مقدم رکھا جائے اور سُنی سُنائی باتوں کی تصدیق علمی اور تجربی تحقیقات سے کی جائے۔

دل کی حرکت اور دورۂ خون پر ہاروے نے جو کتاب شائع کی اگرچہ علمی اور تحقیقی پہلو سے وہ نہایت اعلےٰ پایہ رکھتی تھی۔ مگر اُس کی وجہ سے اُس کے پیشہ کو بہت نقصان پہنچا۔ کیونکہ عوام نے اُسے مخبوط الحواس قرار دیا۔ شاہی دربار میں اُس کو اعلےٰ رسوخ حاصل تھا اور دیگر بڑے بڑے آدمی بھی اُسے ادب و عزت کی

نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۶۱۸ء میں وہ جیمز اوّل شاہ انگلستان کا خاص طبیب مقرر ہُوا اور ساتھ ہی یہ وعدہ ہُوا کہ پانچ سال کے بعد اُسے مستقل شاہی طبیب قرار دیا جائیگا۔ لیکن اس عہدہ پر وہ ۱۶۳۰ء میں چارلس اول کے وقت مقرر کیا گیا۔

۱۶۲۸ء میں وہ کالج اطباء لنڈن کا خزانچی بنایا گیا۔ مگر وہ خود ہی بہت جلد اُس سے دستکش ہوگیا۔ ۱۶۳۰ء میں وہ بارتھولومیو ہسپتال میں مددگار طبیب مقرر ہُوا اور اس سے تھوڑا ہی عرصہ بعد بادشاہ نے اُسے حکم دیا کہ وہ نوجوان ڈیوک لینا کس کے ساتھ براعظم یورپ کو جائے۔ اُس نے فرمان شاہی کی تعمیل کی۔ دو سال کے بعد جب واپس آیا تو ۱۶۳۲ء میں دربار شاہی کا ڈاکٹر مقرر کیا گیا۔ ۱۶۳۶ء میں لارڈ ارنڈل کے ہمرکاب اسے شہنشاہ جرمنی کے دربار میں جانا پڑا۔ اسی ضمن میں اُسے جرمنی کے بڑے نامور اور قابل ڈاکٹروں کو دوران خون کے متعلق اپنا نظریہ سمجھانے کا اچھا موقع مل گیا۔ نورن برگ میں اُس نے عام جلسے میں اس مسئلہ کو ثابت کر دیا۔ انگلستان واپس جانے کے بعد وہ پھر چارلس اوّل کی مہموں میں شریک ہُوا اور اسکاٹ لینڈ کو چلا گیا۔ لیکن درباری سازشوں میں اس لئے شریک نہ ہوسکا کہ اُن دنوں وہ طبی اور فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) تحقیقات میں مصروف رہتا تھا۔ خانہ جنگی کے موقع پر بھی وہ بادشاہ کی خدمت میں رہا۔ اور ایک مشہور ترین معرکہ میں بھی موجود تھا۔

مسئلہ ولادت پر ہاروے کی کتاب ۱۶۵۱ء میں طبع ہوئی تھی۔ اُس نے سالہا سال تک اس بارہ میں تحقیق کی کہ بچہ رحم کے اندر کس طرح بنتا اور نشو و نما پاتا ہے۔ اِس دوران میں وہ اپنی تفتیش اور غور کے نتائج کو حوالہ قلم کرتا رہا۔ چنانچہ بعد میں اُنہیں نتائج کے مجموعہ کو کتاب کی شکل میں طبع کرا دیا۔

اُس نے مرغی کے انڈے کے تجربات سے بچہ پیدا ہونے کے عمل کو بیان کیا اور یہ اصول قائم کیا کہ پودے اور جانور بیضہ سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔ ہاروے کو ارسطو کے اس خیال سے اتفاق تھا کہ ادنےٰ قسم کے جانور بے جان مادہ سے پیدا ہوتے ہیں اور اُسی سے پرورش پاکر بڑھتے اور اُسے جاندار مادہ میں بدل دیتے ہیں۔ اور

وہ رفتہ رفتہ ایسی صورت اختیار کر لیتا ہے جو مادہ میں پائی جاتی ہے۔ یہ خیال ہاروے کے زمانے میں بدعت خیال کیا گیا تھا۔ مگر ۱۷۵۹ء میں کاسپر ولف نے اُسے بدلائل معقول اور صحیح ثابت کیا۔

اگرچہ خوردبین کے موجود نہ ہونے سے اُس فاضل محقق کی تحقیقات نامکمل رہیں لیکن باایں ہمہ اُس نے قابل قدر کام کیا ہے۔ وہ رسولی کو رفع کرنے کے لئے بڑی شریان کو باندھ دیتا ہے۔ "پھیپھڑوں کی بابت وہ کہتا ہے کہ ہوا نہ تو غذا کا کام دیتی ہے اور نہ جسم کے اندرونی حصوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ہے" ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس محقق کا دماغ نہایت اعلیٰ اور علمی تحقیقات کی خاص طور پر صلاحیت رکھتا تھا۔ اگر اُسے کیمسٹری (کیمیا) کے متعلق کافی علم ہوتا تو وہ نہ معلوم کون کونسی ایجادیں کر ڈالتا۔

جن ایام میں "ولادت" پر اُس کی کتاب شائع ہوئی اور کتاب "دل اور خون کا دورہ" براعظم یورپ میں شہرت حاصل کر رہی تھی جس کی وجہ سے بڑے بڑے محقق ڈاکٹر اُس کے نظریہ کو تسلیم کر چکے تھے۔ اُس زمانے میں وہ لنڈن کے کالج اطباء میں ڈاکٹر لوم لین کے یادگاری لیکچر دیا کرتا اور وہ ۱۶۵۶ء تک اس قابل قدر خدمت کو انجام دیتا رہا چنانچہ منتظمین کالج نے اُس کی حُسن خدمات کے صلے میں کالج کے اندر اُس کا مجسمہ بنوا کر نصب کیا۔ ستمبر ۱۶۵۴ء میں ہاروے کو اُس کالج کا پریسیڈنٹ منتخب کیا گیا مگر اُس نے دوسرے روز انکار کر دیا۔ ۱۶۵۶ء میں لیکچر دینے کا کام بھی ترک کر دیا۔ جس کی وجہ اُس کی ناتوانی اور ضعف تھا جو اُسے سالہا سال مرض نقرس میں مبتلا رہنے سے لاحق ہو گیا تھا۔

اس قابل اور فاضل ڈاکٹر نے جون ۱۶۵۷ء کو اسی سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اپنی تمام کتابیں۔ مسودات اور کاغذات نیز دیگر کئی چیزیں ایک وصیت کے ذریعہ سے کالج کو دیدیں۔ اُس کے متعلق ایک اہل الرائے ڈاکٹر لکھتا ہے "اُس بے مثل شخص کی پرائیویٹ (نجی) زندگی۔ اُس کی شہرت اور نیکنامی کے عین مطابق تھی۔ وہ خوش مزاج۔ صاف دل اور راستی شعار آدمی تھا۔ اُس کی طبیعت ادنے جذبات اور اَرذَل خواہشات سے بالاتر تھی۔ وہ دوسروں کی لیاقت کا قدرداں۔ اور اپنی

فضیلت کے اظہار کا خواہشمند نہ تھا۔ وہ اپنے مخالفوں سے اچھا برتاؤ کرتا۔ اُس کے لب پر جب اُن کا ذکر آتا۔ شایستہ اور مودّبانہ طریقہ سے آتا۔ اپنے ہم پیشہ لوگوں سے بھی بہترین سلوک روا رکھتا۔ اس فاضل محقق کا قد چھوٹا۔ چہرہ گول اور بال سیاہ تھے۔

ہاروے نے اپنے زمانے میں تین علوم (۱) تشریح نسبتی۔ (۲) فزیالوجی (علم افعال الاعضاء)۔ (۳) علم الادویہ کے خاص اصول وضع کئے اور اُن کی مہارت میں وہ امتیاز حاصل کیا جو اُس وقت کسی دوسرے ڈاکٹر کو نصیب نہیں ہوا۔ غور اور مشاہدہ سے اُس کو نہایت محبت تھی اور زیادہ تر اندھیرے میں بیٹھ کر سوچا کرتا تھا۔ اُس نے اپنے زمانے کے رواج کے مطابق سب کتابیں لاطینی زبان میں لکھی تھیں۔

(۵۲۹) ہال HALL Morshall (ڈاکٹر)

مارشل ہال فروری ۱۷۹۰ء کو قصبہ بسفرڈ ضلع ناٹنگم (انگلستان) میں پیدا ہوا۔ اُس کا باپ نور باقی کے کارخانہ کا مالک اور ایک ہشیار آدمی تھا۔ یہی وہ پہلا شخص تھا جس نے سب سے پہلے لٹھے خاصے کی دھلائی میں کلورین سے کام لیا۔ مارشل ابتدائی حالت میں ناٹنگم کے اسکول میں داخل ہوا۔ لیکن وہاں اُس نے کسی غیر معمولی ذہانت اور طباعی کا ثبوت نہیں دیا۔ لاطینی زبان کو بھی نہ سیکھا۔ ہاں فرنچ میں اچھی دستگاہ حاصل کر لی تھی۔ چودہ سال کی عمر میں وہ یارک کے ایک دواساز کا شاگرد بن گیا۔ مگر اُس سے تھوڑے ہی عرصہ میں اُس کی طبیعت اُکتا گئی۔ اور ایک نوعمر طالب علم دوست کے ساتھ ملنے جُلنے کے اثر سے اُس کو بھی ڈاکٹری کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوگیا۔ چنانچہ اس پر ماں باپ نے بھی رضامندی ظاہر کی۔ اور وہ اکتوبر ۱۸۰۹ء کو اڈنبرا میں جا کر داخل ہوگیا۔ جہاں اُس نے بہت جلد علم الادویہ اور کیمسٹری (کیمیا) میں معقول مہارت پیدا کر لی۔ اور یہ بات ظاہر کی کہ میں نے اس میں کامل بننے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔

اُس نے بہت جلد علم تشریح میں کافی لیاقت حاصل کی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ

ہیں اپنی غیر معمولی رسائی ذہن اور قابلیت کا سکہ بٹھادیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ۱۸۱۱ء میں وہاں شاہی طبی انجمن کا پریسیڈنٹ منتخب کیا گیا۔ وہ اڈنبرا میں تین سال تک پڑھتا رہا۔ اور اس دوران میں ایک لیکچر سے بھی غیر حاضر نہیں رہا۔ اُس کی نسبت ایک ڈاکٹر کے یہ الفاظ ہیں کہ:۔ وہ نہایت محنتی اور دل لگا کر سیکھنے والا تھا۔ اُس کی تنومندی اور توانائی ایسی اعلیٰ تھی کہ اُس نے مرتے دم تک مصروفیت اور کام کو نہیں چھوڑا۔

۱۸۱۲ء میں ہال نے ڈاکٹری کی سند حاصل کی اور فوراً ہی شاہی شفاخانہ کا ہوس سرجن مقرر ہوگیا۔ جس سے اُس کو ڈاکٹری تحقیقات کے شوق کو پورا کرنے کا خاطرخواہ موقع مل گیا۔ تشخیص امراض میں وہ نہایت محنت کیا کرتا۔ دوسرے سال اُس نے اپنی خوشی سے تشخیص امراض کے اصول و قواعد پر لیکچر دئیے جو ۱۸۱۶ء کو ایک کتاب کی صورت میں شائع ہوئے۔ اور نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھے گئے۔ وہ ہسپتال کے اندر طلباء کی ہمیشہ سرپرستی اور دستگیری کرتا رہا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ اوّل سے آخر عمر تک نہایت پاکباز اور شستہ طبع انسان ثابت ہوا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ بیہودہ اور ناہموار آدمیوں سے اُس نے کبھی میل جول نہیں رکھا۔

ہال ۱۸۱۴ء میں پیرس کو گیا اور وہاں کا میڈیکل اسکول دیکھا۔ اِس کے بعد گوٹنجن (جرمنی) کو جو چھ سو میل کا فاصلہ تھا پیدل روانہ ہوگیا۔ پھر برلن پہنچا اور وہاں کے میڈیکل اسکولوں کو دیکھا۔ ۱۸۱۵ء میں واپس ناٹنگم آکر اپنا مطب جاری کیا۔ اور تھوڑے سے عرصہ میں اوّل درجہ کے ڈاکٹروں میں شمار ہونے لگا۔ اسی سال اُس کی کتاب تشخیص امراض شائع ہوئی۔ جس کی وجہ سے اس کی حذاقت اور علمیت کی بڑی قدر کی گئی۔ اور بعد میں یہی کتاب اُس کی عالمگیر شہرت کے لئے سنگ بنیاد ثابت ہوئی۔ بڑے بڑے نامور ڈاکٹروں نے اُس کی مدح سرائی کی۔ اور اُسے اس فن کی ایک مستند کتاب تسلیم کیا۔ مارشل ہال نے نہایت وسیع مشاہدے مسلسل تجربے اور کامل غور کے بعد اس کتاب کو لکھا تھا۔ اس میں بیماریوں کے مختلف اقسام کا ذکر کرنے کے علاوہ ہر ایک نوع کے خصوصی علامات فرداً فرداً بیان کئے گئے ہیں۔

دوسرے سال اُس نے عصبی اور صفراوی امراض پر ایک کتاب شائع کی اور ۱۸۱۲ء میں فصد کھولنے کے رواج کو ایک کتاب میں نامعقول اور مذموم عمل سے تعبیر کیا۔ اس سے دو سال بعد اُس نے ایک کتاب امراض کے علامات اور تاریخ پر لکھی جو بیماریوں کی شناخت کے لئے بیحد کارآمد ثابت ہوئی۔ اُس کے علاوہ پھر ۱۸۲۴ء میں اُس نے "خون ضائع ہونے کے نتائج" پر ایک محققانہ مضمون شائع کیا۔ اُس سے پہلے نشتر کو بکثرت استعمال کیا جاتا تھا۔ مثلاً اگر سر میں یا جسم کے کسی دوسرے حصہ میں درد ہوتا۔ یا آنکھوں کو روشنی اور کانوں کو شور ناگوار گذرتا تو اُسے فوراً سوزش سے منسوب کرکے فصد کھلوائی جاتی۔ لیکن مارشل ہال نے پے درپے ان مسائل پر جو سلسلہ مضامین لکھا اُس سے اُس کو نہایت شہرت حاصل ہوئی اور فصد کھولنے کا رواج بھی منسوخ ہوگیا ۞

۱۸۲۵ء میں وہ ناٹنگم کے ہسپتال کا ڈاکٹر مقرر ہوا۔ جس سے قرب وجوار میں اُس کا مطب بہت پھیل گیا۔ اور اُس کی مصروفیت کی انتہا نہ رہی۔ جب وہ کسی مریض کو دیکھنے جاتا تو اُس کے خیال میں ایسا مستغرق ہوتا کہ اپنے اردگرد کے تمام حالات سے آنکھ بند کرلیتا۔ گھر میں یا تو کیمیاوی تجربات کرتا رہتا۔ یا کتابیں پڑھنے میں مصروف رہتا۔ خوشی اور تفریح کے جلسوں میں شرکت کرنے کی نسبت بیماروں کی دیکھ بھال کو ترجیح دیتا۔ غریبوں کا علاج مُفت کرتا۔ وقت میں کفایت شعاری کرنے کی غرض سے دیہات وقصبات میں گھوڑے پر سوار ہوکر جایا کرتا ۞

بائیبل ہر وقت اُس کی میز پر دھری رہتی۔ جو اُس کی خدا ترسی اور دینداری کا ثبوت ہے۔ اس بات کا وہ اکثر اپنے ملاقاتیوں سے ذکر کیا کرتا کہ "خدا نے انسانی جسم کی ترکیب میں اپنی بے حد دانائی اور بے مثال حکمت کا اظہار فرمایا ہے" ۞

ہال کی یہ دیرینہ تمنا تھی کہ وہ لنڈن کو اپنا مسکن بنائے۔ اور اُس کے متعلق بعض مشہور ڈاکٹروں کی یہ پیشگوئی بھی تھی کہ اگر وہ لنڈن میں سکونت اختیار کریگا۔ تو پانچ سال میں سب ڈاکٹروں پر سبقت لے جائیگا۔ چنانچہ ۱۸۲۶ء کو

وہ لنڈن آگیا اور وہاں بود و باش اختیار کرلی۔ پہلے سال اُس کے مطب کی آمدنی آٹھ سو پونڈ ہوئی۔ جو اُس کی کامیابی کا بہترین ثبوت تھا۔ اُس کے بعد ۱۸۲۹ء میں اُس نے عورتوں کی بیماریوں کے متعلق ایک کتاب شائع کی۔ جس میں تصاویر بھی دیں۔ یہاں آکر بھی اُس نے فصد کھولنے کے خلاف متعدد لے علے مضامین لکھے جن کا اثر اُس کے مطب پر بہت اچھا پڑا۔

رائل سوسائٹی لنڈن کا فیلو بننے کے خیال سے اُس نے دوران خون کی تحقیقات شروع کی اور خوردبینوں کے وسیلے سے مینڈکوں کے شفاف حصوں میں خون کا بہاؤ دیکھنے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ خون میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں اور جسمانی بافتیں جو غذا جذب کرتی ہیں۔ وہ اُن عروق شعریہ (بال کی سی باریک رگیں) کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ جو اوردہ اور شرائین کے درمیان واقع ہیں۔ آخر اُس نے اپنی تحقیقات کے نتائج کو ایک مضمون کی شکل میں رائل سوسائٹی کے سامنے پیش کیا۔ لیکن باوجودیکہ جرمن کے ایک نامور ماہر فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) نے اُس کو ایک غیر معمولی دلچسپی کا مضمون تسلیم کیا لیکن سوسائٹی کے ممبروں نے اُسے اپنے رسالہ میں شائع نہ کیا۔ دوسرے سال اُس نے ایک اور مقیہ مضمون سوسائٹی مذکور کو دیا جو منظور کیا گیا۔

اس کے بعد "حیوانات کے خواب میں چونکنے" کے مسئلہ کی طرف اُس کی توجہ مبذول ہوئی۔ چنانچہ اس پر بھی اُس نے ایک مضمون لکھا جسے رائل سوسائٹی نے قبولیت کی نظروں سے دیکھا۔ اُس کے تجربات میں ایک عجیب بات یہ تھی کہ اُس نے موسم سرما میں ایک آلہ کے ذریعے سے چمگادڑ کا ٹمپریچر اُسے جگائے بغیر دریافت کیا۔ فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) کے تجربے کرنے کے لئے اُس نے بہت سے جانور جمع کر رکھے تھے۔ حتی الامکان اگرچہ اُسے بیرحمی سے نفرت تھی مگر تاہم زندہ جانوروں پر اُسے اس قسم کے تجربے کرنے پڑے جن سے انسانوں اور حیوانوں کے فائدہ کی بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک دفعہ اُس کے اُن مضامین کا ایک حصہ

چھپایا گیا جو رائل سوسائٹی نے مسترد کر دئے تھے مگر وہ خود اُنہیں اپنے طور پر طبع کرا سکا تھا۔ اُس نے نئے سرے سے تجربات بہم پہنچا کر اُس حصّہ کو از سر نو مرتب کیا ۱۸۳۲ء میں وہ رائل سوسائٹی کا فیلو بنا۔ اور چند مضامین فصد کھولنے پر لکھے۔ اس کے علاوہ دیگر طبی مضامین پر بھی عمدہ تحریریں اُس کے قلم سے نکلیں۔ یہاں ہم خاص طور پر صرف اُن مضامین کا ذکر کرینگے جن کی وجہ سے اُس کو عالمگیر شہرت نصیب ہوئی۔

مارشل ہال نے حرام مغز (نخاع) کی حرکات معکوسہ کے انکشاف سے بڑا نام پیدا کیا۔ وہ نیوٹ یعنی ایک چھوٹے جاندار کے پھیپھڑے میں دوران خون کا عمل دیکھ رہا تھا۔ کہ اُسے اس قسم کی دریافتوں کا خیال پیدا ہوا۔ اُس کا سر دھڑ سے جدا کر دیا گیا تھا۔ بعد میں اُس کی دُم بھی کاٹ دی گئی۔ وہ بیان کرتا ہے کہ میں نے لوئیں کے سرے سے بیرونی انٹگومنٹ (خانہ دار جلد) کو چھوا تو اُس میں حرکت ہوئی اور مختلف تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ مگر اُس کی وجہ کیا تھی میں نے حرام مغز کو نہیں چھیڑا تھا۔ بلکہ ایک جلدی عصب کو چھوا تھا۔ اور یہ حرکت حرام مغز کے اثر سے پیدا ہوئی تھی۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب حرام مغز کو برباد کر دیا گیا تو اُس کی حرکت بھی بند ہو گئی۔ عضلی عصب کے وسیلہ سے اس حرکت کا اثر عضلات تک پہنچا۔ مگر اُن کو الگ کر دینے پر یہ حرکت معکوس بند ہو گئی۔ جو اس حرکت کا بہترین ثبوت ہے۔ اس سے پیشتر نظام اعصاب کے افعال و اعمال کی نسبت بہت کم حال معلوم تھا۔ سر چارلس بیل نے صرف اس قدر دریافت کیا تھا کہ حِس اور حرکت کے عصبی ریشے الگ الگ ہیں۔ نیز وہ ریڑھ اور دماغ کے مختلف حصوں میں پہنچتے ہیں۔ سر چارلس موصوف نے اس دریافت کو مختلف تجربوں سے پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا تھا۔ اس کے متعلق دوسرے ڈاکٹروں نے بھی تجربات کئے تھے۔ مگر ہال اُن سب سے بڑھ کر رہا۔ جو بات اُس کے ذہن میں آئی وہ اور کسی کے خیال میں نہ آئی تھی۔ آنکھ کے بلا ارادہ بند ہونے۔ نگلنے۔ حلق میں کسی چیز کے اٹکنے سے قے کرنے اور کھانسنے وغیرہ افعال کی سب سے پہلے اُسی نے تشریح کی۔ اور نظام اعصاب کے

ضرر پہنچنے سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں اُن کی توضیح بھی اسی محقق نے کی ہے۔ اُس نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ اگر حرام مغز اور سر حرام مغز کو ضرر نہ پہنچا ہو تو چاہے دماغ پر فالج بھی گر جائے اُس کی حیوانی حرکت قائم رہ سکتی ہے۔ اُس نے اِن تمام حرکات کو حرکات معکوسہ قرار دیا ہے ۔

ان اکتشافات کے بعد سالہا سال تک وہ اُن کو معقولیت کا جامہ پہنانے اور عملی صورت دینے میں مصروف رہا۔ اور اُس کے وقت کا ایک بہت بڑا حصّہ اسی کی نذر ہوتا رہا۔ یہ اکتشاف ۱۸۳۲ء کو وقوع میں آیا اور اسی سال "انجمن تحقیقات حیوانات" کے سامنے اِس کے متعلق مضمون پڑھا گیا۔ دوسرے سال رائل سوسائٹی کے لئے بھی ایک مضمون لکھا گیا جو اُس کے رسالہ میں بھی شائع ہوا۔ پھر اُس کا ترجمہ جرمن زبان میں بھی ہوا۔ مگر انگلستان کے مشہور ڈاکٹروں نے ان دریافتوں کی کچھ قدر نہ کی بلکہ مارشل ہال کو بدعتی قرار دیا ۔

۱۸۳۷ء میں اُس نے رائل سوسائٹی کے سامنے اسی اکتشاف کے متعلق ایک اور مضمون پڑھا۔ مگر وہ رپورٹ میں درج نہ ہوا۔ اس کے بعد اُس نے ایک کمیٹی کے سامنے تجربے دکھانے کا خیال ظاہر کیا۔ لیکن یہ درخواست بھی مسترد کر دی گئی۔ دو چار جرائد (اخبارات) کے سوا باقی تمام میڈیکل رسائل نے ہال کے خیالات کی سخت مخالفت کی۔ اِن میں سے ایک رسالہ تو برسوں تک اُس کے اکتشافات پر زہر اُگلتا رہا۔ بعض نے کہا کہ یہ کوئی انوکھی اور نئی دریافت نہیں ہے۔ اِس کے لئے پرانی ڈاکٹری کتابوں سے حوالے تلاش کئے گئے۔ بعض نے اِن دریافتوں کو اپنی کوششوں سے منسوب کرتے ہوئے ہال پر سرقہ کا الزام لگایا۔ ۱۸۴۷ء میں اُس نے ایک اور مضمون رائل سوسائٹی کے پاس بھیجا جو پہلے کئی مضامین کی طرح مسترد کر دیا گیا۔ مگر بااین ہمہ وہ بدستور تحقیقات میں مصروف رہا مخالفوں سے ڈر کر خاموش ہو جانے کی بجائے اُن کو برابر جواب دیتا رہا۔ اور جو غلط فہمیاں اُسکے خیالات کی نسبت پھیلائی جاتی تھیں اُن کی تردید و تصحیح کرتا رہا ۔

تحقیقات و مشاہدات کی وجہ سے ہال کو عصبی امراض کی بہت اچھی واقفیت ہوگئی تھی اور اُس کے دیگر ہم پیشہ اس کے مقابلہ میں ان بیماریوں کے اکثر دقائق سے بے خبر تھے۔ اس لئے اس کا مطب بھی زیادہ فروغ پذیر ہوگیا۔ اکثر لوگ مشورہ کرنے کے لئے اُس کے مکان پر بھی آتے اور بہت سے لوگ اپنے مکان پر بلاکر علاج کراتے۔ یہ محقق اس قدر عدیم الفرصتی کے باوجود بھی تحقیقات کے کام سے غافل نہیں رہا۔ ۱۸۴۷ء میں اُس نے علم طب پر ایک کتاب شائع کی جس میں بہت سے طبی مسائل کو نہایت عمدہ طریقے سے بیان کیا اور وہ بیحد مقبول ہوئی۔ اس کتاب کی ایک فصل میں اُس نے یہ امر ظاہر کیا کہ تپ دق میں الکحل کا لوشن بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ جس سے کئی بیماروں کی جانیں بچ گئیں۔ ایک اور فصل میں "طبیعت اور مرض" کے متعلق بحث کی جو ہر ایک فطرت انسانی اور طب کے محقق کے لئے بہی دلچسپ اور مفید ثابت ہوئی۔

اس محقق نے اگرچہ عالمگیر شہرت حاصل کر لی تھی۔ مگر لنڈن کے شفاخانوں میں اُسے جگہ نہیں ملی۔ صرف میڈیکل اسکولوں میں پڑھاتا رہا۔ ۱۸۳۴ء سے ۱۸۳۶ء تک "اسٹڈرس گیٹ" کے میڈیکل اسکول میں رہا۔ پھر دو سال تک سڈنم کالج میں جو یونیورسٹی کالج کے پاس ہی واقع ہے۔ لیکچر دئے۔ اس کے بعد ۱۸۴۲ء سے ۱۸۴۶ء تک وہ میڈیکل اسکول متعلقہ سینٹ ٹامس ہسپتال لنڈن میں امراض عصبی پر لیکچر دیتا رہا۔ اور اُن میں مفلوجوں کی تصویریں دکھا دکھا کر اپنے بیان کو واضح کرتا۔ کبھی کبھی اپنے طلباء کو حاضری (ناشتہ) کھلانے کے لئے اپنے گھر بھی بُلایا کرتا۔ اور وہاں اُن غریب مریضوں کو جو اُس کے گھر میں زیر علاج رہتے دکھایا کرتا۔ وہ طلباء سے بہت محبت کیا کرتا۔ جس کی وجہ سے اُن کے دلوں میں اُس کی بڑی عزت تھی نیز وہ اُسکے لیکچروں کو بڑی توجہ سے سُنا کرتے تھے۔

۱۸۴۱ء میں مارشل ہال کالج الطباء لنڈن کا فیلو بنایا گیا۔ اور دوسرے سال اُس نے گلسٹن کے یادگاری لیکچروں کا سلسلہ شروع کردیا۔ پھر ۱۸۵۰ء سے

۱۸۵۱ء تک وہ گروُن کے یادگاری لیکچر دیتا رہا۔ جن میں اُس نے اپنے عصبی انکشافات اور نظام عصبی کے امراض پر نہایت وضاحت کے ساتھ بحث کی۔ اور اُس کے ساتھ ہی اُن کے طریقۂ علاج پر بھی روشنی ڈالی۔ برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن کے قیام اور ترکیب میں اُس نے نمایاں حصہ لیا۔ اور اُس کی انتظامی کمیٹی کا رکن منتخب ہوا۔ وہ نیک کاموں میں نہایت گرمجوشی سے حصہ لیا کرتا تھا۔ مثلاً اُس نے ریل کی کھلی گاڑیوں کو صحت کے لئے سخت مُضر قرار دیا۔ سپاہیوں کو کوڑوں کی سزا دینے کے دستور کو وحشیانہ ٹھہرایا اور ثابت کیا کہ اس سے اعصاب کو ضرب اور دل کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ اُس نے ایک رسالہ کے ذریعہ سے یہ تجویز پیش کی کہ لنڈن کی بدررو کا میلا پانی دریائے ٹیمز کی طرف نکال دینا چاہئے۔ جس پر اُس کے عملی صورت میں لانے کی تجاویز اختیار کی گئیں ؞

یہ محقق سیر و سیاحت کا بھی از حد شائق تھا۔ یورپ کے کئی ممالک اور پُرفضا مقامات کی سیر کی۔ ۱۸۵۳ء میں امریکہ کو گیا۔ اور اپنی آنکھوں سے غلاموں کی حالت کا معائنہ کیا۔ اُس نے اہل امریکہ کی درخواست پر وہاں لیکچر بھی دئے۔ جن میں اپنے انکشافات کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ اس براعظم میں اُس کی شہرت دیر سے پھیل چکی تھی۔ اِس لئے اُس کی بہت کچھ عزت کی گئی۔ ایک سال کے بعد واپس آکر اُس نے "غلامی" پر ایک کتاب لکھی۔ جس میں اُس کے انسداد کے متعلق کئی تجاویز بیان کیں۔ ۱۸۵۴ء سے ۱۸۵۵ء تک وہ پھر براعظم یورپ کے سفر میں رہا۔ شہر رومہ میں پہنچ کر اُس نے عبرانی زبان سیکھنی شروع کی۔ اور اپنی ذہنی ذکاوت اور قابلیت کا ثبوت دیا۔ موسم گرما میں پیرس گیا۔ اور وہاں فرانسیسی زبان میں ایک کتاب نظام نخاعی (حرام مغز) پر لکھی۔ وہاں وہ فرانسیسی دار العلوم کا ممبر بھی منتخب ہوا۔ ۱۸۵۵ء کے اواخر میں وہ انگلستان واپس آگیا۔ اور غرقی کی نگہداشت پر ایک کتاب لکھی۔ اُس میں جو طریقہ اُس نے سانس کے بحال کرنے کے لئے تجویز کیا تھا وہ بعد میں اُسی کے نام سے مشہور ہوگیا ؞

ہال کچھ عرصہ سے گلے کے مرض میں مبتلا تھا۔ چنانچہ اُس کی تکلیف وفات سے کچھ عرصہ پیشتر بہت بڑھ گئی۔ خون آتا اور کوئی چیز کھائی نہ جاتی۔ بلکہ کئی کئی روز تک بھوکے رہنے سے ضعف بڑھتا جاتا۔ مگر وہ بڑے صبر و استقلال سے اُسے برداشت کرتا بالآخر چند ماہ کی ناقابل برداشت تکلیف کے بعد اُس فاضل محقق نے اگست ۱۸۵۷ء میں اس جہان سے رحلت کی۔ لیکن اُس کی تمام عقلی و ذہنی قوتیں دم واپسین تک برقرار رہیں ۔

مارشل ہال بڑا دیندار۔ خداترس۔ رحم دل۔ نیک طینت۔ شستہ خیال اور شائستہ طبع آدمی تھا۔ اُس کی عقلی قوتیں مختلف حیثیتوں سے نہایت اعلےٰ قسم کی واقع ہوئی تھیں۔ وہ بیحد جفاکش۔ تحقیقات میں منہمک۔ اور ہمیشہ اپنی علمیت بڑھانے کا خواہشمند رہتا تھا۔ اُس کا چال چلن نہایت پاک وصاف تھا اور اُس نے تا دمِ آخر اُس کی پاکیزگی کو قایم رکھنے میں کامیابی حاصل کی ۔

(۵۳۰) **ہالینڈ** { HOLLAND Sir Henry Holland } (ڈاکٹر)

ہنری ہالینڈ اکتوبر ۱۷۸۸ء کو انگلستان کے ایک قصبہ میں پیدا ہوا۔ اُس کی نانی چارلس ڈارون کے دادا کی بہن تھی اس لئے اُس کے خاندانی تعلقات بہت اعلےٰ اور وسیع تھے۔ پہلے اُس نے نیوکیسل میں تعلیم پائی۔ لڑکپن ہی سے اُس کی طبیعت کا میلان سیاحت کی طرف پایا جاتا تھا۔ وہ اپنے شہر کے قرب جوار میں پیدل ہی سیر کرتا رہتا۔ سنہ ۱۸۰۳ء میں برسٹل کے قریب ایک قصبہ کے سکول میں داخل ہوا۔ جہاں اُس نے اپنی غیر معمولی ذہانت کا ثبوت دیا۔ اس کے بعد اُس نے السنہ قدیمہ کا مطالعہ بھی شروع کر دیا اور اُن میں کافی نام پیدا کیا۔ پھر اُس کا ارادہ ہوا کہ تجارت کا پیشہ اختیار کرے۔ اس لئے لورپول میں ایک سوداگر کے کارخانے میں ملازم ہوگیا۔ سنہ ۱۸۰۵ء میں اُس کا یہ خیال ہوگیا کہ ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی جائے چنانچہ وہ گلاسگو یونیورسٹی میں داخل ہوگیا۔ وہاں ولیم ہملٹن فلاسفر سے اُس کی دوستی ہوگئی۔

اور اُس کے خیالات کا ہالینڈ پر بہت گہرا اثر ہُوا۔ نوعمری کے زمانے میں اُس نے اپنی ادبی قابلیت کا بھی ثبوت دیا۔ چنانچہ حُکام نے اُسے ہدایت کی کہ اپنے ضلع کے زراعت پیشہ لوگوں کے متعلق شمار و اعداد مرتب کرے۔ تو اُس نے نہایت خوش اسلوبی سے اس کی تعمیل کی جس کے صلے میں اُسے تین ہزار روپے عطا کئے گئے۔

۱۸۰۶ء میں وہ ایڈنبرا کے میڈیکل سکول میں داخل ہُوا۔ پھر لنڈن کے میڈیکل سکولوں اور ہسپتالوں میں بھی تعلیم پاتا رہا۔ ۱۸۱۱ء میں اڈنبرا سے ڈگری حاصل کی اور ۱۸۱۲ء کو سر جارج مکنزی نیز رچرڈ برائٹ کے ساتھ آئسلینڈ کو چلا گیا۔ اڈنبرا میں مشہور ناول نویس والٹ اسکاٹ۔ ڈگل سٹولاٹ اور فرانسس جیفری وغیرہ مشاہیر عہد سے اُس نے تعارف پیدا کر لیا۔ اس زمانے میں چونکہ وہ نابالغ تھا اس لئے کالج اطباء نے اُسے مطب کی سند عطا نہ کی اور وہ دوبارہ برّاعظم یورپ کی سیاحت کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس سفر میں اُس نے گمنام اور غیر معروف علاقے بھی دیکھے۔ واپس آکر اپنی سیاحت کے حالات ایک عمدہ کتاب کی شکل میں شائع کئے۔ پرتگال میں اُس نے فوجی ہسپتال دیکھے اور وہاں سے تجربہ حاصل کیا۔ ۱۸۱۴ء میں شہزادی کیرولین کا خاص ڈاکٹر مقرر ہو کر اُس کے ساتھ یورپ کی سیر کو گیا۔ یہ بڑی ذمہ داری کا کام تھا مگر اُس نے اپنے متعلقہ فرائض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔

اِس کے بعد وہ ۱۸۱۶ء میں رائل سوسائٹی کا فیلو بنایا گیا۔ اُس رسوخ کی وجہ سے جو اُس کو بڑے بڑے آدمیوں کے ساتھ حاصل تھا۔ اُس کا مطب کافی طور پر فروغ پذیر ہُوا۔ اور چار سال بعد اُس کی سالانہ آمدنی بارہ سو (۱۲۰۰) پونڈ ہو گئی۔ پھر اُس نے یہاں تک ترقی کی کہ اُس کی خواہش کے مطابق مطب کی آمدنی پانچ ہزار پونڈ سالانہ تک پہنچ گئی۔ اُس نے اپنی عمر میں لڑکوں کو پڑھانے یا ہسپتال کی ملازمت کا کام اپنے ذمہ نہیں لیا صرف مطب کرتا رہا۔ وہ اپنے زیر علاج مریضوں کو کھانے پینے کے متعلق سخت ہدایات نہ کرتا تھا۔

ہالینڈ نے دو شادیاں کیں۔ ۱۸۳۷ء میں وہ ملکہ معظمہ کا خاص طبیب مقرر ہُوا

اور ۱۸۴۳ء میں ملکہ وکٹوریہ کے شوہر شہزادہ البرٹ کا بھی مستقل ڈاکٹر متعین ہوا ۱۸۴۱ء میں لارڈ پامرسٹن نے اُسے نائٹ کا موروثی خطاب دینا چاہا مگر اُس نے قبول نہ کیا۔ لیکن ۱۸۵۲ء میں اُس نے ملکہ وکٹوریہ کا مستقل طبیب مقرر ہو کر دوسرے سال نائٹ کا خطاب قبول کر لیا۔ اُس سے کچھ عرصہ بعد اُس نے مطب کرنا ترک کر دیا۔ اور محض سیر و سیاحت یا ملاقاتوں میں مصروف رہا۔ مرنے سے کچھ مدت پہلے اُس نے مملکت روس کی سیر کی۔ اس سفر میں اُس کا بھائی ہمرکاب تھا۔ لوٹتے وقت فرانس ہوتا ہؤا انگلستان آ گیا۔ اکتوبر ۱۸۷۳ء میں اُس نے پچاسی سال کی عمر پا کر انتقال کیا۔

سر ہنری ہالینڈ نے آسٹریلیا کے سوا سب ممالک کی سیر کی۔ اُسے سیاحت کا بے حد شوق تھا۔ وہ منطقہ باردہ شمالیہ میں بھی گیا۔ عجائبات کے دیکھنے کی خواہش خبط کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ وہ دریاؤں کے ساتھ ساتھ سینکڑوں میل تک دہانہ یا منبع کی طرف چلا جاتا۔ پہاڑوں۔ دریاؤں۔ جھیلوں۔ وادیوں گڑوں اور گھاٹیوں وغیرہ قدرتی مناظر کو نہایت دلچسپی کے ساتھ دیکھا کرتا۔ سیر و سیاحت سے دوسرے درجہ پر اُسے لکھنے کا شوق تھا۔ اُس کے مضامین اسکاٹ لینڈ اور برطانیہ کے مشہور رسائل میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ ان میں زیادہ تر ڈاکٹری مسائل پر روشنی ڈالی جاتی تھی۔

سر ہنری کا قد میانہ اور بدن چھریرا تھا۔ اُس کے چہرے سے کوئی غیر معمولی ذہانت ظاہر نہ ہوتی تھی۔ مگر وہ نہایت ذہین اور مستند شخص تھا۔ اُس نے میڈیکل سائنس کے متعلق کوئی ایسی نئی بات دریافت نہیں کی جو اُسے غیر معمولی شہرت کا مستحق ٹھہرا سکے۔ لیکن اپنے زمانے کے تمام بڑے بڑے لوگوں سے واقف اور تمام پریسیڈنٹوں اور مدبروں سے وہ آشنا تھا۔ برطانیہ کے تمام وزراء۔ بادشاہوں اور شہزادوں کا معالج رہا۔ اُس نے دنیا کے تمام حصوں کی سیر کی اگر وہ چاہتا اور کوشش کرتا تو کسی نہ کسی انکشاف کے ذریعے سے مشہور ڈاکٹروں کے زمرہ میں شامل ہو سکتا تھا۔

(۵۳۱) **ہُرمُس** (حکیم)

اُن طبیبوں میں سے تواں شخص ہے جن کو دواؤں کی شناخت۔ ترتیب اور ترکیب۔ کا بانی مانا گیا اور "دوازدہ بروج" کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔

(۵۳۲) **ہِلال بن اَبی ہِلال حِمصی** (حکیم)

یہ صحیح ترجمہ کرنے والا تھا۔ لیکن فصیح و بلیغ عبارت لکھنے سے قاصر ہ

(۵۳۳) **ہلفرڈ** { HALFORD
Sir Henry Halford } (ڈاکٹر)

سر ہنری ہلفرڈ جو ڈاکٹر جینکی کا معاصر تھا اکتوبر ۱۷۶۶ء کو پیدا ہوا۔ اُس کا باپ جیمز واگن ڈاکٹر تھا اور لیسٹر میں مطب کیا کرتا تھا۔ اُس کے دو اور بیٹے بھی تھے جن میں سے ایک تو برطانیہ کا خاص سفیر ہو کر صوبجات متحدہ امریکہ کو گیا تھا۔ اور دوسرا ایک نہایت مشہور کالج کا پرنسپل تھا۔ تیسرا بیٹا یہی سر ہنری تھا۔ غرض کہ یہ سب بھائی مشہور اور نامور تھے۔ اور یہ بات اُن کے باپ کی دانائی پر دال ہے ؎

۱۷۸۵ء میں ہنری ہلفرڈ نے آکسفورڈ سے بی اے پاس کیا۔ اور تین سال کے بعد ایم۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ پھر اڈنبرا میں چند ماہ تک ڈاکٹری کا مطالعہ کیا اور اُس کے بعد شہر لیسٹر میں اپنے باپ کے ساتھ مطب کرتا رہا۔ ۱۷۹۲ء میں لنڈن گیا اور وہاں اُن دوستوں کی طفیل جو آکسفورڈ میں اُس کے ساتھ پڑھتے تھے اُس کا مطب فروغ پا گیا۔ پہلے اُس نے ایک ہزار پونڈ قرض لے کر اپنا کام شروع کیا اُس کے اعلےٰ کیرکٹر اور علمیت کی وجہ سے دوسرے ہی سال اُس کو مڈل سیکس ہسپتال کا طبیب منتخب کیا گیا۔ ۱۷۹۴ء میں وہ کالج اطباء کا فیلو بھی بنایا گیا۔ ۱۷۹۵ء میں اُس کی شادی ایک رئیس کی بیٹی سے ہوئی۔ جس سے اُس کے رسوخ اور عزت میں اور بھی ترقی ہوگئی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ نہایت نامور

اور مشہور ہوگیا۔ یہ اُس کی خوش نصیبی تھی کہ وہ ۱۷۹۳ء کو ستائیس سال کی عمر میں وہ شاہ انگلستان کا خاص طبیب مقرر کیا گیا۔ اور ۱۸۰۰ء میں اُس کا مطب اِس قدر وسیع ہوگیا کہ اُسے ہسپتال کی نوکری سے کنارہ کرنا پڑا۔ اِس سے تھوڑا عرصہ بعد اُس کی ماں کی چچیری بہن کے فوت ہو جانے سے اُس کو ایک بہت بڑی رقم ورثہ میں ملی۔ اور اُس نے بروئے قانون باپ کا نام بدل کر خالو کا نام اختیار کیا مثلاً ہنری ووگن کی بجائے ہنری ہلفرڈ کہلانے لگا۔ اسی سال میں اُس کو بادشاہ کی طرف سے نائٹ کا مستقل اور موروثی خطاب بھی عطا کیا گیا۔

بادشاہ سر ہنری ہلفرڈ پر بہت مہربان تھا چنانچہ اُس نے یہ عہد لے رکھا تھا کہ وہ سخت علالت کی حالت میں اُسے چھوڑ نہ جائیگا۔ بلکہ عند الضرورت ڈاکٹر ہبرڈن۔ اور ڈاکٹر بیلی کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیگا۔ سر ہنری جارج سوم۔ جارج چہارم۔ ولیم چہارم اور ملکہ وکٹوریہ کے علاوہ دیگر اراکین خاندان شاہی کا بھی معالج رہا۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ ہلفرڈ نہایت حاذق اور قابل ڈاکٹر تھا۔ کہتے ہیں کہ تشخیص امراض میں ڈاکٹر بیلی اس سے زیادہ ماہر تھا اور علاج میں یہ اُس سے بڑھا ہُوا تھا۔ نسخہ ایسا تجویز کرتا کہ فوراً تکلیف دور ہو جاتی۔ وہ نہایت تیز فہم۔ سمجھدار اور خواص الادویہ کا بڑا ماہر تھا۔ بیلی کے انتقال کے بعد جب تک وہ زندہ رہا تمام ڈاکٹروں کا سرگروہ سمجھا جاتا رہا۔ کالج اطباء لنڈن میں مسلسل بیس سال تک اُس کا اثر و اقتدار رہا۔ ۱۸۲۰ء سے ۱۸۴۴ء تک کالج مذکور کی پریسیڈنٹی اسی کے ذمے رہی۔

ڈاکٹری کو پیشہ کی حیثیت سے شروع کرتے ہی سر ہنری ہلفرڈ کو غیر متوقع کامیابی نصیب ہوئی تھی اس لئے وہ تحقیقات میں مصروف نہ ہو سکا۔ اور نہ کوئی ایسی اعلےٰ کتاب تصنیف کر سکا جو مستقل قدر و قیمت رکھتی ہو۔ اُس کی تصانیف میں زیادہ تر قابل قدر وہ ایڈریس ہیں جو اُس نے کالج اطباء کے جلسوں میں دئے تھے اِن میں اُس کی اعلےٰ قابلیت اور شستگی تحریر کا نمونہ نظر آرہا ہے۔ اُس نے

"بعض جسمانی امراض کا اثر ذہن پر" "جنون کا معیار" "نقرس" "زمانۂ قدیم وجدید کے بعض ناموروں کی وفات کے اسباب" "عورتوں کے سنِ یاس کی بیماری" "ٹانگ کا سفید ورم" "درد ابرد (عصابہ)" وغیرہ عنوانوں سے قابل قدر مضامین مرتب کئے تھے اگرچہ اُس نے آنے والی نسلوں کے لئے کوئی مفید کام نہیں کیا لیکن وہ اپنے زمانے کے لئے بہت کچھ کر گیا ہے۔ اُس کے قوائے عقلیہ کے اعلےٰ ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ ضرور کہنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے حریف ڈاکٹر بیلی کی طرح ڈاکٹری کے جملہ شعبوں پر حاوی نہ تھا۔ اس نامور اور قابل ڈاکٹر کا انتقال ۱۸۴۲ء میں ہوا ۔

(۵۳۴)	ہنٹر (۱)	HUNTER William Hunter	(ڈاکٹر)

ولیم ہنٹر مئی ۱۷۱۸ء کو سکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے اور بھی نو بھائی بہنیں تھیں۔ جن میں عمر کے لحاظ سے یہ ساتویں درجہ پر تھا۔ جب وہ چودہ سال کا ہُوا تو گلاسکو میں پڑھنے کو داخل ہو گیا اور پانچ سال تک وہاں پڑھتا رہا۔ اس کے باپ کا منشاء تو یہ تھا کہ اُسے پادری بنائے۔ لیکن اس کی طبیعت ڈاکٹر کلن کے ساتھ میل جول ہونے کی وجہ سے ڈاکٹری تعلیم کی طرف مائل ہوئی۔ چنانچہ اُس نے ۱۷۳۷ء میں ڈاکٹر موصوف کی شاگردی اختیار کر لی۔ اور تین سال تک اُس کی زیر نگرانی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اس کے بعد یہ تجویز ہوئی کہ اُس کو اڈنبرا اور لندن میں کچھ عرصہ تک پڑھنا چاہئیے۔ پھر اپنے اُستاد کے مطلب میں اُس کے ساتھ مل کر کام کرے ۔

اُستاد کی تجویز کے مطابق ۱۷۴۰ء سے ۱۷۴۱ء تک وہ منرو اول کی نگرانی میں علم تشریح پڑھتا رہا۔ پھر لنڈن جا کر ایک ڈاکٹر کا جو آسٹی آلوجی (مبحث العظام) پر ایک کتاب مرتب کر رہا تھا معاون بن گیا۔ مگر قضارا وہ ڈاکٹر اُس کتاب کو ناتمام چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ اور اُس کے بیٹے کی تعلیم بھی ولیم ہنٹر ہی کے سپرد ہوئی ۔

ہنٹر نے چیر پھاڑ کے کام میں بہت جلد مہارت حاصل کر لی۔ اور سینٹ جارج ہسپتال کے سرجن کا شاگرد بن گیا۔ اس کے بعد ۱۷۴۳ء میں اُس نے اتصالی

ٹریوں کے امراض اور ترکیب پر ایک مضمون مرتب کر کے رائل سوسائٹی کو بھیجا۔ اور تشریح کی تعلیم دینے کے لئے تیاری کرنے لگا۔ سنہ ۱۷۴۶ء میں اُسے جراحی پر لیکچر دینے کے لئے مقرر کیا گیا۔ اور اُس کے بعد اُس سے تشریح پڑھانے کی بھی درخواست کی گئی۔ وہ اِس ڈیوٹی کی انجام وہی میں کامیاب ہوگیا۔ ابتدائی لیکچر کے وقت اُسکے پاس کامل کو اس کی فیس کے ہزار گیارہ سو روپے جمع ہوگئے۔ جو اُس نے قابل امداد دوستوں کی اعانت میں صرف کر دئے۔ اور اسی وجہ سے دوسرے کو اس کے اعلان میں تاخیر واقع ہوئی۔ اگرچہ اس میں اُسے کچھ نقصان پہنچا لیکن آئندہ کے لئے اسے ایک مفید سبق مل گیا۔ سنہ ۱۷۴۷ء میں وہ "کالج جراحاں" کا ممبر بنایا گیا۔ اور موسم گرما میں براعظم یورپ کی سیاحت کے لئے روانہ ہوا۔ واپس آکر "مڈل سیکس ہسپتال لنڈن" میں فن قابلہ کا ڈاکٹر مقرر ہوگیا۔ اس عہدہ میں اُس نے اپنی علمی قابلیت اور اخلاقی افضلیت سے بہت جلد کامیابی حاصل کی۔ سنہ ۱۷۵۰ء میں اُس کو گلاسگو یونیورسٹی سے ایم۔ ڈی کی ڈگری ملی۔

سنہ ۱۷۵۵ء میں وہ "کالج اطباء" اور "میڈیکل سوسائٹی لنڈن" کا ممبر بنا۔ اس کے بعد اُس نے اورطہ کے انورسما کی تاریخ لکھی۔ جس کی پہلی جلد سنہ ۱۷۵۵ء میں میڈیکل سوسائٹی کی طرف سے شائع کی گئی۔ اُس نے انورسما کے بارہ میں خود مشاہدات کئے اور کئی نئی باتیں دریافت کیں۔ اس کے بعد اُس نے کئی ایک مضامین امراض نسوان اور فن قابلہ کے متعلق مرتب کر کے سوسائٹی مذکور کو دئے۔

سنہ ۱۷۶۲ء میں ولیم ہنٹر نے "طبی تفسیریں" شائع کیں۔ جن میں منرو (دوم) پر یہ حملہ کیا کہ "جن انکشافات کا اُسے دعوٰے ہے میں نے وہی باتیں چند سال پیشتر لیکچروں کے ضمن میں اپنے طلباء کو سکھائی تھیں"۔ اس کے بعد ان دونو بھائیوں میں بھی اسی امر کے متعلق تکرار رہی۔ جان ہنٹر مدعی تھا کہ یہ اُس کی دریافتیں ہیں اور ولیم ہنٹر اُنہیں اپنی طبائی اور ذہن رسا سے منسوب کرتا تھا۔ مگر جب ان دونو بھائیوں میں نفاق ہوگیا تو ہنٹر نے سنہ ۱۷۶۳ و ۱۷۶۴ء میں اپنے لیکچروں کے اندر کھلم کھلا

اِس بات کو تسلیم کیا کہ "میں ان خیالات کے لئے اپنے چھوٹے بھائی کا شکر گذار ہوں" حقیقت یہ ہے کہ جان ہنٹر اپنے بڑے بھائی کی نگرانی میں چیر پھاڑ کرتا رہا۔ جب بڑا بھائی تشریح یا جراحی پر لیکچر دیتا تو چھوٹا بھائی نعشیں چیر کر طلباء کو دکھلاتا اور لیکچر کے مطلب کو واضح کرتا جاتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عام تربیت۔ اہم معلومات لیکچر دینے کے طرز اور مطب کے ڈھنگ وغیرہ امور میں ہر حیثیت سے ولیم کو جان پر فوقیت اور امتیاز حاصل ہے۔ چھوٹے کو بڑے کی ہر حالت میں عزت کرنی ضروری تھی مگر اس نفاق کا برا ہو کہ حقوق کو پامال کرنا اِس کا شیوہ مستمرہ ہے۔

ولیم دیگر بڑے بڑے موجد ڈاکٹروں کی اعلےٰ ذہانت کو بھی خوشی سے تسلیم نکرتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ اُس نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "ہاروے کی طبعی ذکاوت کسی فائق درجہ کی مستحق نہیں ٹھہرتی کیونکہ دوسرے لوگوں کی بڑی بڑی تحقیقات کے بعد اُس کے لئے کوئی معتدبہ کام باقی نہ تھا" "دوران خون" کے متعلق جس حد تک اُس کی دریافت ہے۔ اُس کے لئے کسی غیر معمولی ذہانت و فطانت کی ضرورت نہ تھی۔

اپنے چھوٹے بھائی سے علیٰحدہ ہونے کے بعد اُس کا مطب انتہائی ترقی کو پہنچ گیا۔ فن قابلہ میں اُس کی مہارت یہاں تک مسلم ہو چکی تھی کہ ۱۷۶۲ء میں ملکہ کے لئے بلایا گیا اور اس سے دو سال بعد ملکہ کا خاص طبیب مقرر ہوا۔ اِس کے بعد اُس کا مطب یہاں تک فروغ پذیر ہوا کہ اُسے چیر پھاڑ اور لیکچر دینے کی بھی فرصت نہ ملتی۔ بالآخر اُس نے اپنے ایک طالب علم کو پہلے پہل معاون اور بعد میں حصہ دار بنالیا۔ مگر ۱۷۷۰ء میں اُستاد شاگرد میں کسی وجہ سے ناچاقی سی ہوگئی جس کی وجہ سے اشتراکی کاروبار موقوف کر دیا گیا۔

ڈاکٹر ہنٹر ۱۷۶۸ء میں رائل سوسائٹی لنڈن کا فیلو منتخب ہوا۔ اور رائل اکیڈیمی میں تشریح کا سب سے پہلا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ وہ اس خدمت کو نہایت محنت اور جانفشانی سے انجام دیتا۔ اور اس فن میں وہ نقاشی و سنگتراشی سے نہایت کامیابی کے ساتھ کام لیتا رہا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اُس کو "انجمن اطباء" کا جواب لنڈن کی

میڈیکل سوسائٹی کہلاتی ہے۔ پریسیڈنٹ انتخاب کیا گیا۔

جو کتاب اس فاضل محقق کی شہرت کا سب سے بڑا باعث تھی وہ ۱۷۵۱ء میں شروع ہو کر ۱۷۷۴ء میں مکمل اور طبع ہوئی۔ اس میں رحم کی رنگین تصویریں بھی دی گئی تھیں یہ کتاب اُس نے بیحد عرقریزی اور کاوش سے لکھ کر بادشاہ کی نذر کی تھی۔ اس کے اندر اُس نے اپنے بھائی کی قابلیت اور اعانت کا بھی اعتراف کیا۔ مگر جان ہنٹر اس سے کچھ خوش نہ ہوا۔ اس سے پانچ سال بعد ۱۷۸۰ء میں جان نے ایک مضمون لکھ کر رائل سوسائٹی کے پیش کیا۔ جس میں اُن انکشافات کو جنکی نسبت اُس کے بھائی نے اعلان کیا تھا۔ اپنی طرف منسوب کیا۔ اس معاملہ میں ایک عرصہ تک دونوں کے درمیان بحث ہوتی رہی۔ اس وجہ سے رائل سوسائٹی نے دونوں کے مضامین شائع نہ کئے اور مسوّدوں ہی کی شکل میں الماری پر رکھ دئے۔ تشریح کے متعلق جن حالات اور تصاویر کی ابتداء ولیم ہنٹر نے کی اُنہیں ۱۷۹۴ء میں اُس کے بھانجے بیلی نے تکمیل تک پہنچایا۔

اس تحقیقات کے دلدادہ ڈاکٹر نے طبی عجائبات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بہم پہنچایا تھا۔ اور اُس کے کل مصارف اپنی جیب سے ادا کئے تھے۔ اُس نے تشریح کی تعلیم دینے کے لئے ایک خاص سکول کھولنے کی تجویز کی اور وزیر اعظم کو اس مضمون کی درخواست بھیجی کہ اگر سرکار زمین عطا کرے تو میں سات ہزار پونڈ کے صرف سے عمارت اور سامان بہم پہنچانے کے لئے تیار ہوں۔ اور ایک اُستاد کے مشاہرہ کے لئے ایک رقم ہمیشہ کے لئے بھی دیا کرونگا۔ لیکن یہ درخواست کسی وجہ سے مسترد ہو گئی۔ جس پر اُس نے خود اہتمام شروع کر دیا۔ اور زمین خرید کر ایک عمارت بنوائی سکول کے لئے خاص کمرے تیار کرائے۔ اس سکول میں رکھنے کے لئے انسانی اور حیوانی ڈھچروں کے کئی ایک نمونے اُس کے اپنے پاس موجود تھے۔ کئی ایک دوسرے ڈاکٹروں سے خریدے اور بہت سے اُس کے ڈاکٹر دوستوں نے تحفۃً دئے تھے۔

اُس کو زمانۂ قدیم کے جانوروں کی ہڈیاں۔ نایاب کتابیں اور اُس کے جمع کرنے کا بھی خاص شوق تھا۔ اسی وجہ سے اُس کے کتب خانے میں نہایت بیش قیمت اور نایاب لاطینی و یونانی کتابیں تھیں۔ ہنٹر نے اپنے طبّی عجائب خانہ کے متعلق اپنے بھائی کی بجائے بھانجے کے نام وصیّت کی۔ جس نے کچھ عرصہ کے بعد اُسے گلاسگو یونیورسٹی کے سپرد کرتے ہوئے نگہداشت کے لئے آٹھ ہزار پونڈ نقد بھی دئیے۔

آخری عمر میں ہنٹر کو نقرس کی بیماری لاحق ہوگئی تھی لیکن اس پر بھی وہ برابر مطب کرتا رہا۔ بلکہ ۱۷۸۳ء تک وہ لیکچر دینے اور مطب کرنے سے دستکش نہ ہُوا۔ ایک دفعہ اُس نے نقرس کی سخت تکلیف اور جسم کی بیحد کمزوری میں فن جرّاحی کا افتتاحی لیکچر دیا مگر تھوڑی دیر بعد ایسا بے ہوش ہُوا کہ پھر نہ سنبھلا۔ بیماری کے دنوں میں اپنے بھائی کے زیر علاج رہا۔ آخر ۳۰۔ مارچ ۱۷۸۳ء کو وہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہوگیا۔

ولیم ہنٹر وجیہ۔ میانہ قد اور سُبک تن آدمی تھا۔ اُس نے تمام عمر شادی نہیں کی کفایت شعاری اور سادہ طبعی اُس کی طبیعت میں داخل تھی۔ اُس کو بالعموم لیکچروں کی تیاری میں حد سے زیادہ انہماک رہتا تھا۔ اُس کی خوراک نہایت سادہ اور زندگی پرہیزگارانہ تھی۔ تفریح و تفنن کا مطلق شوق نہ رکھتا تھا۔ مرتے وقت اپنی تمام جائداد بھانجے کو دیدی۔ لیکن اُس نے بعد میں اپنے ماموں یعنی ہنٹر کے بھائی کو واپس کردی۔ ڈاکٹر ہنٹر اپنی بہن مسز بیلی کے لئے سو پونڈ سالانہ کی آمدنی وقف کر گیا۔ اور اُس کی بیٹیوں کو دو دو ہزار پونڈ نقد دیا۔

(۵۳۵) ہنٹر (۲) HUNTER John Hunter (ڈاکٹر)

جان ہنٹر ولیم ہنٹر کا چھوٹا بھائی تھا۔ اور فروری ۱۷۲۸ء میں پیدا ہُوا۔ اس کی ولادت کے وقت باپ کی عمر ستّر سال کی تھی۔ جان دس سال کی عمر میں باپ کے دست شفقت سے محروم ہوگیا۔ چونکہ یہ سب سے چھوٹا بچہ تھا اِس لئے ماں

اسے سب سے زیادہ عزیز رکھتی تھی۔ اسی وجہ سے وہ اُس کو کسی کام کے لئے مجبور کرنے اور کھیل کود سے باز رکھنے کو گوارا نہ کرتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ سکول میں داخل تو ہُوا۔ مگر جلدی ہی چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ السنۂ قدیمہ (پُرانی زبانوں) کے علم سے محروم رہ گیا۔ جسے وہ تمام عمر محسوس کرتا رہا۔ سترہ برس کی عمر میں اپنی بہن کے ہاں گلاسگو گیا۔ جس کا شوہر گھر کے نفیس سامان بنانے کا کام کرتا تھا۔ یہ بھی اُس کے کارخانے میں کام کرنے لگا۔ اُس کو پڑھنے لکھنے کی نسبت ہاتھ سے کام کرنے کا زیادہ شوق تھا۔ اُس وقت اُس کی بہن مالی مشکلات میں مُبتلا تھی۔ جان نے اُس کی مدد کرنے میں بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔ چنانچہ اپنے شہر میں واپس آ گیا۔

اُس کے لڑکپن کے حالات تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔ کوئی واقعہ اور کوئی بات ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ خود اپنی غیر معمولی قوائے عقلیہ سے واقف تھا۔ یا جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ آئندہ ایک عالمگیر شہرت حاصل کرنے والا ہے۔ اُس کے ابتدائی حالات سے اتنا ضرور پتہ ملتا ہے کہ وہ دیہاتی کھیلوں کا بہت شائق تھا۔ بیکاری سے تنگ آ کر اُس کا ارادہ ہُوا کہ لنڈن جا کر اپنے بھائی ولیم کو چیر پھاڑ کے کام میں مدد دے۔ چنانچہ ستمبر ۱۷۴۸ء کو وہ لنڈن جا پہنچا۔ بھائی نے اُسے بازو کی عضلات چیر پھاڑ پر لگا دیا۔ اُس نے اِس کام کو نہایت اچھی طرح سے کیا۔ اس کے بعد وہ اپنے بھائی کے لیکچر کے وقت چیر پھاڑ کرنے لگا۔ جس میں توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی موسم سرما کو اسی طرح اپنے بھائی کے پاس چیر پھاڑ کے کام میں بسر کیا لیکن گرمیوں کے آتے ہی "چلسی ہسپتال" میں داخل ہو گیا۔ اور ایک قابل ڈاکٹر کی نگرانی میں ڈاکٹری سیکھنے لگا۔ دوسرے سال اُس کے بھائی ولیم ہنٹر نے اُسے طلباء کو عملی چیر پھاڑ سکھانے پر مقرر کر دیا اور خود لیکچر دینے لگا۔ ۱۷۵۱ء میں اُس کو بارتھولومیو ہسپتال لنڈن میں داخل کر دیا گیا۔ جہاں ایک نہایت مشہور جرّاح فن جرّاحی سکھاتا تھا۔ اس کے بعد ۱۷۵۴ء میں "سینٹ جارج ہسپتال لنڈن" میں پڑھنے لگا۔ اور ۱۷۵۶ء میں وہ چند ماہ تک اس ہسپتال میں ہوس سرجن کی جگہ پر بھی کام کرتا رہا۔ وہ ڈاکٹری کی سند حاصل

کرنے کے لیے ۱۷۵۵ء میں تھوڑے عرصہ کے لئے آکسفورڈ میں بھی داخل ہوا تھا لیکن لاطینی اور یونانی سے متنفر ہونے کے باعث وہاں سے چلا آیا تھا۔ پھر کچھ عرصہ تک اپنے بھائی کے ساتھ شریک ہو کر بھی کام کرتا رہا۔ لیکن جب اُس کی عدم موجودگی میں اُسے لیکچر دینے پڑے تو اُس کی ابتدائی تعلیمی کمزوری اور بھی نمایاں ہوئی اور اُسے سخت دقت محسوس ہوئی ؎

جان نے چیر پھاڑ اور تشریح میں کامل دستگاہ پیدا کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اس لیئے وہ رات دن اسی کوشش میں محو رہنے لگا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ اس میں اپنے بھائی پر نہ صرف سبقت لے گیا۔ بلکہ کئی ایک نئی باتیں بھی دریافت کیں۔ جن کے متعلق اوّل اوّل تو اُس کے بڑے بھائی ولیم ہنٹر نے اعتراف نہ کیا مگر بعد میں رفتہ رفتہ اُن کا ذکر اپنے لیکچروں میں کرنے لگا۔ اور اُن اکتشافات کو اُس سے منسوب کیا۔ جان کی دریافتوں میں سے ایک تو ناک کے سونگھنے والے اعصاب کا جال تھا۔ دوسری پانچویں عصب کی شاخوں کے متعلق تھی۔ جسے پیشتر کسی نے دریافت نہ کیا تھا۔ تیسری بچہ والے رحم کے اندر شرائین کے سراغ لگانے کے بارہ میں۔ اور چوتھی یہ بات تھی کہ پرندوں کے اندر بھی عروق جاذبہ پائی جاتی ہیں ؎

جان نے جب یہ محسوس کیا کہ میرے اکتشافات کی خاطر خواہ داد نہیں دی جاتی اور اُنہیں میرا بھائی اپنے ساتھ منسوب کرتا ہے تو وہ اگرچہ بہت آزردہ خاطر ہُوا۔ لیکن پھر بھی چیر پھاڑ کا کام نہایت شوق اور مستعدی سے کرتا رہا۔ جس سے اُس کے بڑے بھائی کو کافی مدد ملتی رہی اور بہت سی نایاب چیزیں اُس نے اپنے ریخ کے عجائب خانے میں جمع کر لیں ؎

اِس کے بعد جان حیوانات کی تشریح کی طرف مائل ہُوا۔ اُسے اپنی تحقیقات کے دوران میں یہ بات معلوم ہوئی کہ جو ساختیں انسان کے جسم میں پیچیدہ واقع ہوئی ہیں وہ جانوروں میں سادہ اور قدرے مختلف ہیں۔ نیز اُن کی وجہ سے انسانی تشریح اور فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔

اس لئے اُس نے کئی ایک جانوروں کے جسم چیرے اور اُن میں جو حصے زیادہ دلچسپ نظر آئے اُنہیں اپنے پاس رکھ لیا۔ آئندہ کے لئے اُس نے چڑیا گھر کے مہتمم سے یہ انتظام کیا کہ جس قدر جانور مریں اُن کی نعشیں اُسے دی جایا کریں۔ وہ عمدہ اور نایاب قسم کے جانوروں کو تاجروں سے بھی خرید لیا کرتا اور اُسے دوست بھی ہدیۃً بھیجا کرتے تھے۔ اس طرح اُس کے پاس ایک بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ ۱۷۶۰ء میں وہ فوج کا سرجن مقرر ہوا اور دوسرے سال ایک فوجی مہم کے ساتھ غیر ممالک کی طرف چلا گیا پھر ۱۷۶۲ء میں اُسے پرتگال میں انگریزی لشکر کے ساتھ رہنا پڑا۔ جس سے فوجی جراحی میں اُس کا تجربہ بہت وسیع ہو گیا۔ جب تک وہ باہر رہا علم تشریح نسبتی کا مطالعہ برابر کرتا رہا۔

اُس نے یہ بات معلوم کرنے کے لئے کہ ہائبر نیشن (سو کر موسم سرما گزارنا جیسے کہ کچھ گذارتا ہے) کی حالت میں جانوروں کو غذا ہضم ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس لئے گرگٹوں پر اس طرح تجربے کئے۔ کہ اُن کے پیٹ میں گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور کیڑے داخل کر دئے پھر اُنہیں سرد جگہ میں رکھا۔ بعد میں جب دیکھا تو یہ چیزیں ویسی کی ویسی غیر منہضم حالت میں برآمد ہوئیں۔ پھر اس تجربہ کے درپے ہُوا کہ مچھلیاں قوت سماعت رکھتی ہیں یا نہیں۔ چنانچہ ایک تالاب کے کنارے پر جس میں کسی امیر نے پالتو مچھلیاں رکھی تھیں۔ بندوق چلا کر امتحان کیا۔

۱۷۶۳ء میں اُس نے اپنے وطن میں آکر مطب جاری کیا۔ مگر چونکہ اس میں کامیابی کی کوئی فوری صورت نظر نہ آئی اس لئے اپنے طور پر فن جرّاحی اور علم تشریح کی تعلیم دینی بھی شروع کر دی۔ مگر ادھوری علمیت کی وجہ سے اپنے خیالات کو اچھی طرح سے لڑکوں کے ذہن نشین نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ اُس کے اطوار و عادات بھی اچھے نہ تھے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اُس کی ناکامی کے اسباب میں ایک بہت بڑا سبب یہ بھی تھا۔

۱۷۶۷ء میں اُس کی ایڑی کی نس کٹ گئی اس سے اُس کو خیال پیدا ہوا کہ

اِس کے کٹنے کے اسباب و علاج پر غور کیا جائے۔ چنانچہ اُس نے اپنا علاج آپ کیا وہ ایڑی کو ہمیشہ اُٹھائے رکھتا اور عضلہ کو اس خیال سے کہ تنکر ٹوٹ نہ جائے کسی رول سے دبائے رکھتا تھا۔ اس کے متعلق اُس نے کتوں پر بھی تجربات کئے۔ ایک کتے کو لیکر اُس کی وہی نس کاٹ دیتا پھر اُس کا علاج کرتا۔ بعد میں اُسے مار ڈالتا۔ اُنہی کے تجربات سے اس قسم کے علاج کا رواج ہو گیا۔ چنانچہ تنکڑے اور بگڑے ہوئے جوڑوں کا علاج اسی نس کو کاٹ کر کیا جاتا ہے۔

اسی سال وہ رائل سوسائٹی کا فیلو منتخب ہوا اور یہ وہ امتیاز تھا جس سے اُس کا بڑا بھائی مدت العمر محروم رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کے قابل قدر انکشافات کا محققوں اور عالموں کے دلوں پر گہرا اثر پڑا تھا۔ اس کے بعد ۱۷۶۸ء میں وہ شاہی کالج جراحان لنڈن کا ممبر منتخب ہوا۔ اور اسی اثناء میں اپنے بڑے بھائی کی کوشش سے سینٹ جارج ہسپتال کا ڈاکٹر بھی مقرر ہوا۔ ۱۷۷۱ء میں اُس نے "انسان کے دانتوں کی تاریخ طبیعی" شائع کی جو مدت تک ایک مستند کتاب تسلیم ہوتی رہی۔ اس کے دوسرے حصہ میں دانتوں کے امراض کا ذکر تھا۔ جو ۱۷۷۸ء میں شائع ہوا۔ پھر اُس نے ۱۷۷۲ء میں رائل سوسائٹی کے سامنے اِس مسئلہ پر ایک معرکۃ الآرا مضمون پڑھا کہ "مرنے کے بعد عمل ہضم کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔" اُس نے اپنے مضمون میں بیان کیا کہ مُردہ بافتوں پر عروق معدہ کا خاص اثر ہوتا ہے۔ اس تحریر سے اُس کی بہت شہرت ہو گئی۔ پھر یکے بعد دیگرے مختلف مسائل پر متعدد مضامین لکھ کر رائل سوسائٹی کے پیش کئے۔ جس سے اُس کی وسیع قابلیت پر روشنی پڑتی ہے۔ اُن مضامین میں سے بعض ان عنوانوں پر ہیں "نباتات اور حیوانات سے حرارت کس طرح پیدا ہوتی ہے" "غریق کی بحالی" "جنین پر چیچک کا اثر" "مچھلیوں کی قوت سمع" وغیرہ۔

۱۷۹۴ء میں ایک فاضلانہ مضمون بیربوٹ کی غاروں اور اُن کے اندر کی پُرانی ہڈیوں پر تھا۔ وہ جس مسئلہ پر قلم اُٹھاتا بہترین طریقہ سے اُس پر بحث کرتا۔ پہلے اصول کلیۃ قائم کرنے کے لئے اُس کے متعلق مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا۔

غرض سننے یا پڑھنے والوں کے دل پر ہر ایک ممکن طریقہ سے اپنے مطلب کو نقش کر دیتا اور یہ بات مضمون نگار کے وسعت معلومات پر دلالت کرتی ہے۔

جان ہنٹر وقت کا بے انتہا پابند تھا اور یہ پابندی اُس کی طبیعت میں نقص کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ گھر پر مریضوں کو دیکھنے کا ایک خاص وقت مقرر تھا جب وقت ختم ہو جاتا تو باقی آدمیوں کو چھوڑ کر باہر چلا جاتا۔ پھر باہر والوں کو صلاح و مشورہ دیتا۔ کھانے میں اس قدر پابند تھا کہ اُس نے نوکر کو حکم دے رکھا تھا کہ چاہے میں گھر میں ہوں چاہے باہر۔ چار بجے شام کو کھانا میز پر لگا دیا جائے۔ وہ شراب سے کئی سال تک پرہیز کرتا رہا۔

۱۷۷۲ء میں جراحی کے علم اور اصول پر طلباء کی ایک جماعت کو لیکچر دینا شروع کیا۔ اور یہی شاید پہلا موقع تھا کہ علمی اور عملی تعلیم کو محققانہ طریقہ پر انگلستان میں رواج دیا گیا۔ اُس نے اپنے لیکچروں میں بیان کیا کہ سرجن (جراح) کے لئے تشریح اور فزیالوجی ہی ضروری نہیں۔ بلکہ پیتھالوجی (ماہیت امراض) کا جاننا بھی اُسی قدر ضروری اور مفید ہے۔ چنانچہ اُس نے اپنے خاص مضامین کو واضح کرتے ہوئے اُن میں سے ہر ایک علم کو استعمال کیا جس سے اُس کی وسعت علم پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے۔ لیکن با ایں ہمہ وہ اپنے خیالات ادیبانہ رنگ سے بول کر ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے وہ اپنے مضامین کو ہمیشہ لکھ کر پڑھا کرتا۔ جو اُس جیسے عالم کے لئے سخت قباحت تھی۔

۱۷۷۶ء میں جان ہنٹر بادشاہ کا خاص طبیب مقرر ہوا۔ اسی سال میں اُس نے "غریق" کی نسبت ایک مضمون لکھ کر رائل سوسائٹی کے سامنے پیش کیا۔ جس میں اُس نے بتایا کہ ڈوب کر مرنے یا صرف دم بند ہو کر مرنے والے میں کیا کیا علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ اس دوران میں اُس کو کروُن کے یادگاری لیکچر بھی دینے پڑے جو حرکت عضلات کے متعلق تھے۔ وہ اسی مسئلہ پر ۱۷۸۲ء تک لیکچر دیتا رہا۔ مگر وہ کتاب کی صورت میں شائع نہیں ہوئے۔

۱۷۷۳ء میں اُسے دل کا ایک ایسا عارضہ لاحق ہوا جس میں اُس کی حرکت

پون گھنٹہ تک تقریباً بند رہی اور سخت قسم کا درد اٹھا۔ اس کے بعد دورہ کم ہو گیا مگر ۱۷۸۳ء کے بعد دردِ دل کے عارضہ نے زیادہ زور پکڑا۔ پھر یہ نقشہ رہا کہ جب کوئی تشویش یا غم پیدا ہوتا۔ دورہ عارض ہو جاتا۔ ۱۷۷۶ء میں اس کے ساتھ دُوار یا دوران سر کی بیماری بھی لاحق ہو گئی۔ جس کی بظاہر یہ وجہ ہوئی کہ اُسے اپنے ایک دوست کے لئے ضمانت کی ایک بہت بڑی رقم ادا کرنی پڑی جس میں اپنے روپے کے علاوہ قرض لیکر بھی شامل کرنا پڑا۔

اُس نے ۱۷۷۸ء میں دانتوں کی بیماریوں پر ایک اور کتاب شائع کی ۱۷۷۹ء میں ایک مضمون "خنثے" کے عنوان سے لکھ کر رائل سوسائٹی کو نذر کیا ۱۷۸۰ء میں جان اور ولیم کے درمیان رحم اور مشیمہ کے دوران خون پر بحث چھڑی جس سے باہم سخت ناچاقی ہو گئی۔ اس سے تھوڑا عرصہ بعد بڑے بھائی کا انتقال ہو جانے سے اُس کو سخت قلق پیدا ہوا۔

ذیل کے قصہ سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ جان ہنٹر کو عجائبات کے جمع کرنے کا کس قدر شوق تھا۔

"آئرلینڈ میں ایک اوبرین نامی دیو ہیکل آدمی تھا۔ اس عجائب پرست محقق نے اُس کی نعش حاصل کرنے کا عزم کیا۔ مگر اوبرین اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد اُس کی نعش چیر کر دیکھی جائے۔ نعش کے طالب نے آئرلینڈ کے چند ڈاکٹروں سے اس قسم کا ساز باز کیا کہ اُس شخص کی نعش زمین میں گاڑنے کی بجائے سمندر میں پھینکوائی جائے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ ۱۷۸۳ء میں جب اوبرین مر گیا۔ تو ہنٹر نے نعش گاڑنے والے سے یہ انتظام کیا کہ اثنائے راہ میں جب باقی لوگ کھانے پینے میں مشغول ہوں۔ نعش کو کسی مکان کے اندر بند کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور نعش کو تابوت سے نکلوا کر ہنٹر اپنے مکان کو لے گیا۔ اور فوراً اُس کا پوست گوشت اُتار کر ہڈیوں کے ڈھانچہ کو عجائبات کے کمرے میں رکھوا دیا۔ اس اہتمام پر اُسے پانچ سو پونڈ خرچ کرنے پڑے۔ اُس کے عجائب خانہ پر اُن اشیاء کے علاوہ جو مفت تحفہ اور ہدیہ کے طور پر دستیاب ہوئی تھیں اُس کا اپنا ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا۔

۱۷۸۵ء میں ہنٹر نے ایک نہایت نازک آپریشن کرنے سے خاص شہرت حاصل کی۔ یہ گھٹنے کی پچھلی جانب کی شریانی رسولی میں اُس کے باندھنے کا عمل تھا۔ اس آپریشن کا خیال ایک ہرن پر تجربہ کرنے سے پیدا ہُوا تھا۔ اس کے بعد ۱۷۸۶ء میں وہ صیغہ سپاہ کا ڈپٹی سرجن جنرل مقرر ہُوا۔ اس سے چار سال بعد سرجن جنرل اور ہسپتالوں کا انسپکٹر بنایا گیا۔ ۱۷۸۶ء میں اُس نے ایک کتاب امراض زہری (آتشک و سوزاک) پر بھی شائع کی تھی جو بیحد قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئی۔ اسی اثناء میں اُس نے وہ تمام مضامین جو رائل سوسائٹی کے پیش کئے گئے تھے ایک کتاب کی صورت میں طبع کرا دئے تھے۔ بلکہ اُن میں چند نئے مضامین کا اضافہ بھی کر دیا تھا۔ یہ سب قابل قدر تحریریں اُس کی تحقیقات کے مفید نتائج کو ظاہر کرتی ہیں ÷

۱۷۸۷ء میں اُس کو تاریخ طبعی کی دریافتوں کے صلے میں رائل سوسائٹی کی طرف سے ایک تمغہ عطا کیا گیا۔ وہ اپنے طلباء پر اس قدر مہربان تھا کہ جب اُن میں سے کوئی مطب کرنے لگتا۔ تو وہ معمولی مریضوں کو اُس کے پاس بھیج کر حوصلہ افزائی کرتا۔ ۱۷۹۲ء میں "سینٹ جارج ہسپتال" کے مہتمموں اور ڈاکٹروں سے اُس کی تکرار ہوگئی وہ کہتا تھا کہ سرجن (جرّاح) کے لئے فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) لازمی ہے۔ مگر وہ خود اس سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے اُس کے دلائل کی معقولیت کو نہ سمجھ سکتے تھے۔ اس لئے جھگڑے میں طوالت ہوگئی:۔ ۱۶۔ اکتوبر ۱۷۹۳ء کو مہتمموں کا ایک جلسہ ہُوا۔ جس میں ہنٹر نے تقریر کی۔ اُس کی تقریر کے دوران میں ایک شخص نے کہہ دیا کہ "تم محض بکواس کرتے ہو۔ تمہارا خیال بالکل لچر ہے۔" اس سے ہنٹر کو سخت رنج ہُوا اور تقریر کو بند کر کے دوسرے کمرہ میں چلا گیا۔ جہاں وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ اُس وقت ایک ڈاکٹر نے سنبھالا۔ وہاں اُس کا بھانجا ڈاکٹر بیلی اور اُس کا معاون ہوم بھی موجود تھا۔ ہر چند اُسے ہوش میں لانے کی کوششیں کی گئیں مگر کوئی تدبیر سودمند نہ ہوئی۔ اور اُسی وقت موت واقع ہوگئی ÷

جان ہنٹر متوسط القامت۔ تنومند اور قوی الجسم تھا۔ سادہ لباس پہنا کرتا تھا۔ اُس نے

عجائبات کے سوا ترکہ میں کچھ نہ چھوڑا تھا۔ ۱۷۹۹ء میں اُس کے عجائب خانہ کو خریدنے کے لئے پارلیمنٹ نے پندرہ ہزار پونڈ منظور کئے۔ حالانکہ ہنٹر نے اُس کے مہیا کرنے پر ستر ہزار پونڈ صرف کئے تھے۔ بہرحال کالج جراحاں نے اُسکی نگہداشت کا ذمہ اُٹھایا ۔

یہ فاضل ڈاکٹر انتہا درجہ کا راستباز۔ ایماندار۔ فیاض۔ خلیق اور نیک دل آدمی تھا۔ ۱۷۷۱ء تک اُس کی سالانہ آمدنی ایک ہزار پونڈ رہی اس کے بعد پانچ ہزار اور آخر عمر میں چھ ہزار پونڈ تک پہنچ گئی تھی۔ اُس کی محققانہ طبیعت کی وجہ سے اُس کا پیشہ نہایت ترقی پذیر ہو گیا تھا۔ وہ فرصت کا وقت عموماً تحقیقات میں صرف کیا کرتا۔ اور اسی طرح اُس نے کئی نئی باتیں دریافت کرنے سے خاص شہرت حاصل کی تھی ۔

(۵۳۶) ہنٹن HINTON James Hinton (ڈاکٹر)

جیمز ہنٹن ۱۸۲۲ء کو ایڈبگ (انگلستان) میں پیدا ہُوا۔ اُس کے گیارہ بھائی بہنیں تھیں۔ اُس کا باپ ایک پادری اور اُس کی ماں نہایت دانا۔ عالی حوصلہ اور شریف عورت تھی۔ جیمز نے اپنے عجیب و غریب اور اعلےٰ مذاق اپنی ماں سے ورثہ میں حاصل کئے تھے ۔

وہ بچپن ہی سے نہایت نیک مزاج اور ہر امر کے کھوج لگانے کا شائق تھا۔ اُس نے اپنے بھائی بہنوں کے کھیل ترتیب دینے میں خاص شہرت حاصل کی تھی۔ اُس کے ماں باپ نے اپنے بچوں کو خاص طور پر ہدایت کر رکھی تھی کہ وہ اپنے اردگرد کی چیزوں۔ اور چرند پرند کو خوب غور سے دیکھا کریں۔ اور ماں نے مذہبی تعلیم دیکر اُن کے دل میں خدا کا خوف پیدا کیا تھا ۔

اسکول میں اُس نے کسی غیر معمولی ذہانت کا ثبوت نہیں دیا۔ ابتداً زبانی باتوں کو فوراً یاد کر لیتا مگر کچھ عرصہ کے بعد یہ خاصہ جاتا رہا۔ اُس کا باپ مالدار نہ تھا اس لئے اُس کو زیادہ تعلیم نہ دلا سکا بلکہ ایک تاجر کے ہاں خزانچی کے عہدہ پر ملازم کرا دیا۔ وہ اپنے اردگرد کے حالات سے بُہت جلد اثر پذیر ہوتا جس کی

وجہ سے وہ اپنے ہم جنسوں کی تکالیف کو رفع کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا۔ ایک سال کے بعد یہ نوکری چھوڑ کر وہ ایک بیمہ کمپنی کے ہاں ملازم ہوگیا۔ رات کو مختلف مباحث و مسائل کا مطالعہ کیا کرتا۔ اُسے ظاہرداری سے بہت نفرت تھی۔ اچھا لباس پہننے کی چنداں پروا نہ کرتا صرف صفائی اور تن پوشی سے سروکار رکھتا۔ وہ غور اور بحث کے ذریعے ہر ایک بات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ؏

اِس زمانے میں جیمز عموماً غور و فکر اور مطالعہ و مشاہدہ میں مستغرق رہتا تھا۔ اسی اثنا میں اُسے یہ احساس پیدا ہُوا کہ عورتوں پر ناحق ظلم روا رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ اُس نے جہاز کی ملازمت کا ارادہ کیا۔ لیکن ایک ڈاکٹر نے اُسے ڈاکٹری پڑھنے کی صلاح دی اور وہ بیس سال کی عمر میں بارتھولومیو ہسپتال لنڈن میں داخل ہوگیا۔ وہاں تھوڑے عرصہ میں کافی ترقی کرنے کے بعد ایک "مسافر جہاز" کا ڈاکٹر مقرر ہوکر چین کی طرف چلا گیا۔ پھر کچھ مدت کے بعد واپس آکر ڈاکٹری کی سند حاصل کی۔ اور "کالج جراحان" لنڈن کا ممبر بنکر سنہ ۱۸۴۲ء میں ایک جراح ڈاکٹر کی نگرانی میں مطب شروع کردیا ؏

چند ماہ کے بعد پھر ایک جہاز کا سرجن ہوکر جمیکا کو گیا۔ سیرالیون سے کثیر التعداد غلام اُدھر کو جارہے تھے۔ یہ اُن کا انچارج ہوگیا۔ وہاں ایک سال تک رہا اور سنہ ۱۸۵۱ء میں نیو آرلینز (امریکہ) کے راستے سے وطن کو آیا اور غلاموں کی اصلی حالت سے واقفیت حاصل کی ؏

سنہ ۱۸۵۰ء میں اُس نے کانوں کی جراحی اور علاج شروع کیا۔ اور رفتہ رفتہ اُس میں بہت سی شہرت پائی۔ اُس نے اپنی ماں کے بہرہ پن کو پچکاری کے ذریعہ سے دور کیا۔ اس کے بعد اور کئی آدمیوں کا علاج کیا اور کامیاب ہُوا۔ پھر ایک ہسپتال میں کانوں کے علاج کے لئے کچھ وقت صرف کرتا رہا۔ لیکن اُس کا مطب کچھ زیادہ فروغ پذیر نہ ہُوا۔ وہ کانوں کی ساخت اور اُن کے امراض کے متعلق اپنے مطالعہ کو ہمیشہ بڑھاتا رہا اور اس کے متعلق ایک مشہور ڈاکٹر کو بھی کچھ عرصہ تک مدد دی ؏

سنہ ۱۸۵۶ء میں اُس نے فزیالوجی (علم افعال الاعضاء) اور علم الاخلاق کے متعلق

اپنے ابتدائی مضامین شائع کئے۔ پھر "فزیکل مارفالوجی" پر ایک مضمون ۱۸۵۸ء میں لکھا۔ جس میں یہ خیال ظاہر کیا کہ پودوں اور جانوروں کا نمو زیادہ اُس طرف ہوتا ہے جدھر اُن کو بہت کم رکاوٹ پیش آتی ہے۔ بعد میں ہربرٹ سپنسر نے اسی خیال پر اپنے اصول اولیہ میں بہت لمبی چوڑی بحث کی ہے۔ ۱۸۵۹ء میں اُس نے "انسان اور اُس کا مسکن" کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی جس کو نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ اس کے بعد اُس نے مطب کو چھوڑ کر لکھنے پڑھنے کو اپنا پیشہ ٹھہرا لیا اور ایک چھوٹا سا مکان لیکر رہنے لگا۔

اُس نے "کارن ہل میگزین" میں جس کا ایڈیٹر ٹھیکرے مشہور ناول نویس تھا۔ "فزیالوجیکل معمہ جات" کے عنوان سے کثیر التعداد مضامین لکھے۔ جو بعد میں "لائیف ان نیچر" کے عنوان سے شائع کئے گئے۔ پھر اسی میگزین میں "صحت کی نسبت خیالات" بھی شائع ہوتے رہے۔ اس حالت میں بھی اُس نے کانوں کے معالجات کو نہیں چھوڑا۔ چنانچہ ۱۸۶۳ء کو وہ "گائی ہسپتال" میں کانوں کے علاج کا سرجن مقرر ہوا۔ اور فلسفہ سے کنارہ کش ہو کر از سر نو ڈاکٹری کی طرف مائل ہو گیا۔

اُس کا مطب روز بروز وسیع ہوتا گیا۔ اور ۱۸۶۶ء میں نامور ڈاکٹر ٹائن بی کی وفات کے بعد اُس کی جگہ پر مقرر ہو گیا۔ ہنٹن کی گفتگو کا ڈھنگ نہایت مؤثر تھا سُننے والوں کے دلوں کو تسخیر کر لیا کرتا۔ اُس کا دل نہایت اثر پذیر اور دماغ فلسفیانہ واقع ہوا تھا۔ وہ قدرت کو محسوسات کا مسکن سمجھنے کی بجائے اُسے خدا کی ہستی کا مظہر تصور کرتا۔ وہ قوانین قدرت کو حکمت الٰہی کا آئینہ خیال کرتا۔

۱۸۶۹ء میں اُسے کانوں کے معالجہ میں اس قدر کامیابی اور شہرت حاصل ہوئی کہ ایک دن شام کے وقت ایک بڑے ڈاکٹر نے اُسے فلسفیانہ مشاغل میں مصروف ہونے کی صلاح دی۔ چنانچہ چھ سال کے بعد اُس نے پھر قلم اٹھایا اور فلسفیانہ مضامین لکھنے شروع کئے۔ خیالات کا تسلسل شروع ہو جاتا تو خطوں اور چٹھوں وغیرہ پر لکھ ڈالتا۔ ان منتشر خیالات کو اُس نے فائدہ اُٹھانے کی غرض سے طبع کرایا۔ اور اُسکی

وفات کے بعد بھی اِن مضامین سے دو تین کتابیں مرتب ہوگئیں۔

جیمز ہنٹن نے مطب کو چھوڑنے کے بعد کانوں کی جراحی پر ایک کتاب مرتب کی۔ جو بیحد مفید اور کارآمد مانی گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک کتاب اٹلس (کان کی اندرون جھلی کے امراض) پر لکھی۔ اس کے بعد ۱۸۷۴ء میں وہ سب کاموں سے دستکش ہوکر صرف ادبی اور فلسفی مشاغل میں وقت دینے لگا۔ اس زمانے میں اُس کا کام یہی تھا کہ مطالعہ کرتا۔ سوچتا رہتا اور میگزینوں میں مضامین لکھتا۔ ۱۸۷۵ء میں ذہنی مشاغل کی کثرت کے باعث اُسے (سُہر) کا عارضہ ہوگیا۔ اس لئے وہ جزیرہ آزورز واقعہ بحر اوقیانوس کو چلا گیا۔ جہاں دسمبر ۱۸۷۵ء کو سوزش دماغ میں مبتلا ہوکر فوت ہوا۔ اس فاضل ڈاکٹر نے بنی آدم کی بہتری کے تجاویز سوچتے سوچتے جان دیدی۔ جن کتابوں کو مسودات کی شکل چھوڑ گیا تھا اور اُسکے مرنے کے بعد شائع ہوئیں اُن سے اُس کے فلسفیانہ اور مذہبی خیالات پر نہایت تیز روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ وہ ۱۸۷۹ء میں "سوچنے کا ہنر" ۱۸۸۱ء میں مذہب اور فلسفہ اور ۱۸۸۴ء میں "قانون کی عدم تعمیل اور آئندہ زمانے کا قانون" کے ناموں سے چھاپی گئیں۔ اگرچہ وہ ذکاوت کے لحاظ سے غیر معمولی آدمی نہ تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ نہایت دانا اور حکیمانہ دل و دماغ رکھتا تھا۔

(۵۳۷) یحیٰی بن اسحٰق (حکیم)

اچھا معالج اور اعلےٰ درجہ کا دواساز تھا۔ خلیفہ عبد الرحمٰن الناصر کے اوائل عہد میں موجود تھا۔ خلیفۂ مذکور کا وزیر اور کئی صوبوں پر اُس کی طرف سے گورنر بھی رہا۔ کچھ دنوں تک بطلیموس کا سپہ سالار بھی رہ چکا تھا۔ خلیفہ ناصر اُس پر بہت اعتماد رکھتا تھا۔ حرم سرائے خلافت میں کوئی اُس سے پردہ نہ کرتا۔ اور وہ تمام بیگمات کا علاج کرنے جاتا تھا۔ یحیٰی مشرف باسلام ہوگیا تھا۔ لیکن اُس کا باپ اسحٰق عیسائی ہی رہا۔ یحیٰی نے ایک کتاب طب میں لکھی ہے جس کی پانچ ضخیم جلدیں ہیں۔ اور

اُس میں رومی اطباء کے مذہب کی پیروی کرتا رہا ہے۔

ایکبار خلیفہ کے کان میں سخت درد ہوا۔ یحیٰی اُن دنوں بطلیموس پر حاکم مقرر تھا۔ دیگر اطباء کے علاج سے کچھ نفع نہ ہوا تو اُس کو طلب کیا گیا۔ قاصد بلانے گیا۔ یحیٰی نے اُس سے پوچھا کہ کیوں طلبی ہوئی ہے۔ قاصد نے مرض کا حال کہا۔ یحیٰی بطلیموس سے روانہ ہوا اور راستہ میں ایک عیسائیوں کا کنیسہ ملا جہاں شب باش ہونا تھا۔ یحیٰی کو علاج کی فکر تھی۔ یہ خیال کرکے کہ گوشہ نشین راہب اکثر مجرب علاج کے ماہر ہوتے ہیں اُس نے ایک بہت ہی عمر رسیدہ راہب سے دریافت کیا کہ اگر اُس کو کوئی کارگر علاج درد گوش کا معلوم ہو تو بتائے۔ راہب نے بتایا کہ کبوتر کا تازہ خون کان میں ڈالنا بیحد مفید اور تیر بہدف علاج ہے۔ چنانچہ یحیٰی نے خلیفہ کا علاج اسی سے کیا اور فوراً آرام ہو گیا۔

اسکی تصانیف میں صرف ایک ہی کتاب فن طب میں ہے جس کا بیان اوپر گزر چکا

(۵۳۸) یحیٰی بن بطریق (حکیم)

حسن بن سہل خلیفہ مامون عباسی کے وزیر کے ملازمین کے زمرہ میں داخل تھا عربی جیسی چاہئے نہیں جانتا تھا۔ اور نہ یونانی زبان کا پورا ماہر تھا۔ ہاں صرف لاطینی زبان جو اُس کی مادری زبان تھی اچھی جانتا تھا۔ اور اُس وقت میں رومی قوم جس زبان کو بولتی اور اُس میں لکھتی پڑھتی تھی اُس کا اچھا ماہر تھا۔ اِس زبان کے حروف باہم ملا کر لکھے جاتے تھے۔ یعنی قدیم یونانی زبان کی طرح ہر ایک جُدا جُدا نہیں لکھا جاتا تھا۔

(۵۳۹) یحیٰی بن عدی (حکیم)

ابوزکریا کنیت یحیٰی نام۔ عدی بن حمید بن زکریا کا بیٹا جو مشہور منطقی تھا۔ یحیٰی اپنے زمانہ میں فن حکمت و فلسفہ کا امام مانا گیا۔ ابی بشر متی بن یونان کا شاگرد رشید تھا معلم ثانی ابو نصر فارابی۔ اور چند دیگر فلاسفۂ وقت سے بھی فیض حاصل کیا۔

اپنے زمانہ کا یکتا فاضل تھا۔ مذہبًا عیسائی تھا اور فرقۂ یعقوبیہ سے متعلق۔ مترجم نہایت اچھا تھا۔ سُریانی زبان سے عربی میں اس کے کئی تراجم ہیں۔ لکھتے ہیں بہت تیز دست تھا۔ بکثرت کتابیں اس کی خود لکھی ہوئی ملتی ہیں۔ اُس کا خود یہ قول ہے کہ وہ رات دن میں ایک سو ورق تک لکھ لیا کرتا تھا۔

یحییٰ بن عدی کا آخیر وقت ہوا تو اُس نے وصیت کی کہ اُس کی قبر پر یہ دو شعر لکھ دیئے جائیں:۔

رُبَّ مَیْتٍ قَدْ صَارَ بِالْعِلْمِ حَیًّا　　وَمُبْقًی قَدْ مَاتَ جَہْلًا وَعَیًّا

بہت سے مُردے علم کے ذریعے سے زندہ جاوید ہو گئے۔ اور اکثر زندہ آدمی نادانی و بے مائگی علم کی وجہ سے مر گئے

فَاقْتَنُوا الْعِلْمَ کَیْ تَنَالُوا خُلُوْدًا　　لَا تَعُدُّوا الْحَیٰوۃَ فِی الْجَہْلِ شَیْئًا

اِس لئے تم علم حاصل کرو تا کہ ابدی زندگی پاؤ۔ اور نادانی میں زندہ رہنے کی کوئی حقیقت نہ سمجھو

یحییٰ بن عدی کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱)۔ رسالہ اُن دلیلوں کو توڑنے کے لئے جو شیخ الرئیس نے افعال کو مخلوق الٰہی اور بندوں کی کمائی ماننے والوں کی تائید میں قائم کی تھیں۔

(۲)۔ کتاب طوبیقا (تصدیقات) مصنفۂ ارسطو کی شرح۔

(۳)۔ مقالہ بحوث اربعہ کے بیان میں۔

(۴)۔ مقالہ سیاست نفس کے بیان میں۔

(۵)۔ مقالہ فن منطق میں۔

(۶)۔ مقالہ رؤس ثانیہ کے پانچ مطالب کے ذکر میں۔

(۷)۔ کتاب فوائد باہ اور اُس کی مضرتوں کے ذکر میں۔

(۸)۔ اس میں طریق استعمال قوت باہ کا بھی مفصل بیان کیا ہے۔ یہ کتاب سلطان کے مصاحب خاص شریف ابی طالب ناصر بن اسمٰعیل مقیم قسطنطنیہ کی فرمائش پر لکھی تھی۔

یحییٰ بن عیسےٰ بن علی بن جزلہ (دیکھو ابن جزلہ)

(۵۴۰) یحییٰ نحوی (حکیم)

یہ حکیم اسکندریہ کا رہنے والا۔ اپنے زمانہ کا بہت نامور فیلسوف۔ ادیب۔ اور طبیب تھا۔

اس کی مہارت فلسفہ و منطق میں بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اور علم نحو (قواعد زباندانی) میں خاص لیاقت رکھنے کے باعث "غراماطیقی" (نحوی) کہلاتا تھا۔ اس طبیب و فیلسوف کے حسب و نسب کا حال کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی مشہور علمی یا دولتمند گھرانے کا رکن نہ تھا۔

یحییٰ نحوی کے ابتدائی حالات صاحب طبقات الاطباء نے یوں لکھے ہیں کہ ابتدا میں وہ ایک ملاح تھا۔ اور اپنی کشتی کی آمدنی سے گذر اوقات کیا کرتا۔ علم کا قدرتی شوق اُس کو اس بات کی ترغیب دیتا تھا کہ جب کبھی دارالعلم اسکندریہ کے طلبہ اُس کی کشتی پر سوار ہوتے اور وہ باہم علمی گفتگو کرتے تو یحییٰ نہایت غور سے اُن کی باتیں سُننا اور اُن سے فائدہ اٹھاتا رہتا۔ اس طریقہ سے اُس کا شوق علم بڑھتا رہا۔ اور معلومات میں بھی اضافہ ہوا۔ جس وقت قوت غور و فوائد علم کے جاننے میں ترقی ہوئی تو اُس نے اپنی آئندہ زندگی پر رائے قائم کرنے کی غرض سے سوچا کہ اب وہ کیا کرے۔ آیا اُسی جہازرانی اور ملاح کی ذلیل زندگی بسر کرے یا علم و کمال کی تحصیل میں مصروف ہو۔ یحییٰ نے خیال کیا کہ اُس کی عمر چالیس سال سے تجاوز کر گئی ہے۔ اس عرصہ میں اُس نے ایک ملاح رہنے کے سوا کوئی اور کام نہیں سیکھا ہے۔ نہ وہ کچھ پڑھا لکھا ہے۔ پس کیونکر ممکن ہے کہ اُس کو علم حاصل ہو سکے۔ وہ اسی بات کو سوچ رہا تھا کہ اتفاقاً اُس کی نظر ایک چیونٹی پر گئی۔ کمزور چیونٹی ایک کھجور کی گٹھلی کو بلندی پر چڑھائے جانے میں سرگرم تھی۔ وہ جیسے ہی کچھ اوپر چڑھتی فوراً بھاری گٹھلی کے بوجھ سے تھک کر پھر نیچے گر پڑتی۔ چیونٹی بار بار اپنے ارادہ میں ناکامیاب ہونے کے باوجود برابر جدّ و جہد کرتی رہی اور صبح سے لیکر شام تک اُس نے اپنی کارروائی کا سلسلہ قائم رکھا۔ اگرچہ وہ گرتی اور ناکام رہتی تھی لیکن پھر سنبھل کر چڑھتی اور ہر مرتبہ میں پہلی دفعہ کی نسبت سے کچھ بلندی پر پہنچ جاتی تھی۔ یحییٰ کو چیونٹی کی یہ جدّ و جہد کچھ ایسی حیرت انگیز اور عجیب معلوم ہوئی کہ وہ تمام دن اُسی کی سیر میں محو رہا۔ اور آخر کار جب اُس نے دیکھ لیا کہ کس طرح بے حیثیت چیونٹی اپنی کوشش میں کامیاب

ہوئی اور کھجور کی گٹھلی کو جو اُس کی جسامت سے سو حصہ بڑھ کر جسیم اور وزنی تھی اپنی بل میں کھینچ ہی لے گئی تو اُس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ کوشش و محنت کے سامنے دنیا میں کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ جس طرح یہ ناتواں چیونٹی مسلسل جد و جہد سے اپنے مدعا میں کامیاب ہوئی ایسے ہی میں بھی حصول علم کی سعی و محنت میں کامیاب ہونگا۔

یحییٰ نے دل میں ٹھان لیا کہ وہ ضرور علم حاصل کریگا۔ اُس نے فوراً اپنی کشتی فروخت کر ڈالی اور اسکندریہ کے دار العلم میں داخل ہو گیا۔ وہاں اُس نے پہلے علم نحو یعنی زباندانی کے قواعد کی تحصیل شروع کی۔ پھر بتدریج زباندانی، منطق اور دیگر ابتدائی علوم میں کمال حاصل کیا۔ چونکہ پہلے اُس نے علم نحو شروع کیا تھا اور اُس میں اچھی مہارت حاصل کی تھی لہذا وہ نحوی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ تحصیل علم سے فراغت پا کر اُس کو قدیم حکما اور مصنفین کی کتابوں پر شرحیں لکھنے کا شوق ہوا اور اس میدان میں اُس نے شہرت و ناموری حاصل کی۔ پھر وہ اسقفون (دینی علماء) کے حلقہ میں داخل ہوا۔ اور شہر خلکدونیہ کے چوتھے مجمع اساقفہ میں شامل ہو گیا۔ اور اس جماعت کا سرگروہ بنکر "اونوشیوس" کے لقب سے مشہور ہوا۔

یحییٰ نحوی کے اُستاد کا نام "ساواری" تھا۔ ابن الندیم اپنی کتاب الفہرست میں لکھتا ہے کہ یحییٰ نحوی شروع زمانہ میں مصر کے کسی کنیسہ کا اسقف اور عیسائیوں کے فرقۂ یعقوبیہ میں شریک تھا۔ مگر بعد ازاں اُس کو نصارے کے اعتقاد تثلیث کی کمزوری محسوس ہوئی اور اُس نے اس عقیدہ سے کنارہ کشی کی۔ مصر کے دیگر اساقفہ نے اُس سے اس بارہ میں بہت کچھ مناظرہ و مباحثہ بھی کیا اور چاہا کہ اُسے پھر تثلیث کا قائل بنائیں۔ لیکن اُس نے تمام مخالفین کو قائل و معقول کر کے اُن پر غلبہ حاصل کیا۔ اور اپنے خیال پر جما رہا۔ انجام کار مصر کے یعقوبی اساقفہ نے اُس کو بے دین بنا کر اپنے جرگہ سے خارج کر دیا اور یحییٰ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

یحیٰی کا نام ادتوشیوس لفظ سعید (نیک بخت) کا مُرادِف ہے۔ چونکہ وہ بہت بڑا ماہر طبیب اور حکیم تھا اس لئے اُس کے خارج از مذہب کئے جانے کے بعد بھی یعقوبی المذہب عیسائی اُس کو ملک بدر کرنے کی طرف مائل نہ ہوئے کیونکہ انہیں اُس کی ضرورت بہرحال تھی۔ چنانچہ اب بھی یحیٰی نحوی کو شہر قسطنطنیہ میں رہنے دیا گیا اور وہ وہاں اپنا مطب کر کے مخلوقِ خدا کو فیض پہنچاتا رہا۔

شہنشاہ مرقیان جس کے زمانہ میں یحیٰی نحوی کو اُس کے سابق ہم مذہبوں نے شرکت کنیسہ سے محروم بنا دیا تھا۔ فوت ہو گیا تو اُس کی جگہ شہنشاہ اسطیریوس مشرقی روم کا فرمانروا ہُوا۔ یہ بادشاہ تخت نشینی کے کچھ ہی دن بعد سخت بیمار پڑا اور تمام اطباء علاج سے عاجز آ گئے تو آخرکار یحیٰی نے اُس کا علاج کیا اور بہت جلد اُسے صحت حاصل ہو گئی۔ شہنشاہ نے خوش ہو کر کہا "مانگ کیا مانگتا ہے؟"

یحیٰی نحوی "جہاں پناہ! فلاں اُسقف میرا دشمن ہے۔ اُس نے قسطنطنیہ کے سطریرک افلاتیوس سے کہہ سُن کر مجھے بے خطا اور زبردستی کنیسہ میں داخلہ سے محروم کرا دیا۔ اب میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ میرا انصاف فرمائیے اور اِس ذلّت سے مجھ کو نجات دلوائیے"۔

شہنشاہ اسطیریوس نے اسکندریہ کے سطریرک دیوسقوروس اور انطاکیہ کے بطریرک یوانیس کو دربار میں طلب کیا۔ دیوسقوروس تیرہ اسقفوں کو ساتھ لیکر پایۂ تخت میں آ گیا۔ مگر انطاکیہ کا بطریرک جلد حاضر نہ ہو سکا۔ شہنشاہ نے دیوسقوروس سے کہا کہ دو باتوں میں سے ایک امر پر راضی ہو یعنی یا یہ منظور کرے کہ اُس کو قتل کیا جائے۔ اور یا انعام و اکرام لیکر ادتوشیوس کو کنیسہ میں داخل ہونے کی اجازت دے۔ دیوسقوروس نے آخری شرط پسند کی اور یحیٰی کو محرومیِ کنیسہ سے آزادی دلوائی اس کارروائی کے بعد یحیٰی کا دشمن اُسقف قسطنطنیہ سے نکل گیا اور اُس نے اپنے عقیدہ کی اشاعت سے ملک میں فساد اور مذہبی اختلاف کی تخم پاشی شروع کر دی دیوسقوروس کو بھی اس واقعہ کے بعد سے یحیٰی کے ساتھ خاص جنبہ داری کا خیال

ہوگیا تھا اور وہ تادم مرگ اُس کا حامی رہا۔

یحییٰ نحوی اسلامی فتح مصر کے وقت اسکندریہ میں موجود تھا۔ عمرو بن العاص رضؓ فاتح مصر نے اسکندریہ پر تسلّط پایا تو یحییٰ اُن کے پاس آیا تھا۔ اُنھوں نے یحییٰ کی بہت کچھ تعظیم و تکریم کی اور عزت کے ساتھ اُسے اپنے برابر جگہ دی۔

یحییٰ نحوی کی تصانیف میں بہت سی کتابیں ہیں۔ اُن میں سے زیادہ حصہ ارسطاطالیس اور جالینوس کی کتابوں پر شرحیں ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱)۔ ارسطو کی کتب انالوطیقیا اوّل۔
(۲)۔ قاطیغوریاس۔
(۳)۔ انالوطیقیا دوم۔
(۴)۔ طوبیقا۔
(۵)۔ السماع الطبیعی۔
(۶)۔ الکون والفساد۔
(۷)۔ اور ما یال بو یر اُس نے مفید شرحیں لکھیں۔

جالینوس کی حسب ذیل کتابوں پر شرحیں تحریر کیں۔

(۱)۔ الفرق۔
(۲)۔ الصناعۃ الصغیرہ۔
(۳)۔ النبض الصغیر۔
(۴)۔ اغلوقن۔
(۵)۔ الاسطقسات۔
(۶)۔ المزاج۔
(۷)۔ القوی الطبیعیۃ۔
(۸)۔ التشریح الصغیر۔
(۹)۔ العلل والاعراض۔
(۱۰)۔ تعرف علل الاعضاء الباطنۃ۔
(۱۱)۔ النبض الکبیر۔
(۱۲)۔ الحمیات۔
(۱۳)۔ البحران۔
(۱۴)۔ ایام البحران۔
(۱۵)۔ حیلۃ البرء۔
(۱۶)۔ تدبیر الاصحاء۔
(۱۷)۔ منافع الاعضاء۔

اِن کے علاوہ جالینوس کی حسب ذیل کتب کے اہم مسائل کا خلاصہ الگ الگ تیار کیا ہے۔

(۱)۔ کتاب التریاق۔
(۲)۔ کتاب الفصد۔
(۳)۔ تناہی اجسام و قوت اجسام۔
(۴)۔ ایک کتاب چھ مقالوں کی اسطاطالیس کی تردید میں۔
(۵)۔ ایک مقالہ نسطورس کی تردید میں۔

(۶)۔ دو مقالوں کی ایک کتاب ناواقف جاہلوں کی تردید میں ۔
(۷)۔ ایک مقالہ دوسرے اشخاص کی تردید میں۔
(۸)۔ ایک مقالہ بیان نبض میں ۔
(۹)۔ دیوجانس قلس افلاطونی کے ۱۸ مسائل کی شرح۔
(۱۰)۔ فرفوریوس کی کتاب ایساغوجی پر شرح۔
(۱۱)۔ یہ کتابیں بھی یحیی نحوی کی دماغ سوزیوں کے نتائج ہیں ۔

(۵۴۱) برغانس (حکیم)

"دوازدہ بروج" نام پانے والے طبیبوں میں سے آٹھواں شخص ہے ۔

(۵۴۲) یزید بن زید (حکیم)

"خلیفہ مامون الرشید کے درباری اطباء میں اچھا لائق طبیب اور ذی علم شخص تھا۔ امیر ابراہیم بن مہدی کی خدمت میں بھی رہا۔ ایک معزز عرب سردار جس کا نام ثمامہ عبسی قعقاعی تھا مرض اسہال میں گرفتار ہوا۔ رات دن میں سو سو مرتبہ اجابت ہوتی درد شکم سے بے چین تھا۔ یزید بن زید خلیفہ کے ساتھ اُس کی عیادت کو گیا۔ مریض بے حس و حرکت پڑا تھا۔ یزید اُس کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر معالج طبیب کو بلوا کر اُس سے دریافت کرتا رہا کہ کیا کیا دوائیں دی ہیں۔ طبیب سب دواؤں کے نام گنا چکا تو یزید پھر غور میں پڑ گیا اور کچھ دیر سوچ کر بولا "بس اب ایک دوا اور باقی ہے۔ اگر اُس سے فائدہ ہو گیا تو سمجھو مریض کو صحت ہو گئی۔ اور خدا نے چاہا تو ضرور نفع ہوگا۔" مریض نے اُس کی بات سُن کر آنکھیں کھول دیں اور بیتابی سے پوچھا "وہ کون سی دوا ہے؟" یزید۔ شربت اصطمخیقون" مریض "جلد منگاؤ۔ میں اُسے پیوں گا۔" یزید نے اپنی کمر سے رومال نکالا اُس میں کچھ دوائیں تھیں۔ شربت کی شیشی نکال کر پانی میں ڈالا اور ثمامہ کو پلا دیا۔ دوا پیٹ میں پہنچتے ہی مریض کو سخت قراقر ہونے لگا۔ یزید تو خلیفہ کے ساتھ چلا گیا مگر ایک اپنا خادم چھوڑ گیا کہ مریض کا حال کہلا بھیجے۔ دن کو بہت سے دست آئے صبح سے

دوپہر تک ۵۰ پھر دوپہر سے شام تک ۲۰۔ اور رات کو صرف تین دست آئے۔ شب کو مریض سو یا بھی اور صبح کو یزید اُسے دیکھنے گیا تو مریض بیدار ہوا۔ اُسے سخت بھوک معلوم ہو رہی تھی۔ یزید نے یخنی جوزۂ مرغ پلائی اور پرہیزی غذا بتا کر واپس آ گیا۔ دو دن میں مریض بالکل تندرست تھا۔

(۶۴۳) یعقوب بن اسحٰق کندی (حکیم)

یہ ملک عرب کا نامور فیلسوف اور شاہان عرب کی اولاد میں سے ہے۔ ابو یوسف کنیت۔ یعقوب۔ نام۔ اسحٰق بن الصباح کا بیٹا اور نسبًا قحطانی تھا۔ اس کا باپ اسحٰق بن صباح۔ خلیفہ مہدی اور خلیفہ رشید عباسیؒ کے عہد میں کوفہ کا کلکٹر اور حاکم ضلع مقرر رہا۔ یعقوب کا جدِ اعلیٰ جو اس کے اوپر نسب میں چوتھے درجہ پر تھا اُس کا نام اشعث بن قیسؓ ہے اور وہ رسول عربی صلعم کا ایک مشہور صحابی ہے۔ اشعث بن قیسؓ قبول اسلام سے پہلے قوم کندہ کے بادشاہ تھے۔ خدمت نبوی صلعم کی حاضری کا شوق غالب آیا سلطنت و حکومت سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اور دولتِ دارین حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

بصرہ میں پیدا ہوا اور ابتدائی پرورش پائی۔ ہوش سنبھالتے ہی تحصیل علم کا شوق بغداد لے گیا۔ جہاں اہل علم و کمال کا جمگھٹ تھا۔ وہاں علم و ادب کے سرچشموں سے سیراب ہوا۔ طب اور فلسفہ میں نام پیدا کیا۔ علم حساب۔ منطق۔ موسیقی۔ ہندسہ طبائع اعداد (جبر و مقابلہ) اور علم نجوم میں اچھی مہارت پیدا کی۔ وہ مسلمانوں میں اپنے زمانہ کا یکتا فیلسوف تھا۔ اس نے اپنی تالیف و تصنیف میں حکیم ارسطاطالیس کی تقلید کی ہے۔ بہت سی کتابیں تالیف کیں جو مختلف علوم و فنون میں ہیں۔ بادشاہان وقت کی خدمت میں عزت و حرمت پر فائز رہا۔ فلاسفہ کی بہت سی کتابیں اس طرح ترجمہ کیں کہ ان کے مشکل مقامات کی بخوبی توضیح و تسہیل کر دی۔ بڑی طویل بحثوں کا چند آسان ترکیب کے فقروں میں خلاصہ کر دیا۔ اور ان کی گتھیاں سلجھا گیا۔

عہد اسلام کے چار بہترین مترجم مانے گئے ہیں ۔

(۱)۔ حنین بن اسحٰق عبادی ۔	(۳)۔ ثابت ابن قرۃ حرانی ۔
(۲)۔ یعقوب بن اسحٰق کندی ۔	(۴)۔ عمر بن فرخان طبری ۔

بغداد میں ایک نامور محدث ابو معشر جعفر بن محمد بلخی تھے۔ اُن کو یعقوب بن اسحٰق سے سخت کاوش تھی۔ عوام کو اس کے خلاف یہ کہہ کر بھڑکایا کرتے کہ یعقوب بن اسحٰق کندی لامذہب اور فلاسفہ یونان کے علوم میں مستغرق ہے۔ یعقوب نے دیکھا کہ اس مخالف کی زبان بند کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہوگا کہ اُس کو اپنے دام میں لایا جائے۔ ایک دوست کو ابو معشر کے پاس بھیجا اور اُسے سمجھادیا کہ ابو معشر کو علوم ریاضیات کے شعبۂ علم ہندسہ وحساب کا شوق دلائے۔ یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ ابو معشر نے ہندسہ وحساب سیکھنا شروع کیا۔ وہ ان میں کامل تو نہ ہوا مگر کچھ مناسبت ہوگئی۔ پھر اُس کو علم نجوم کا شوق پیدا ہوگیا۔ اور یوں کندی اُس کی عداوت کا شکار ہونے سے بچ رہا کیونکہ یہ علم اُسی قسم کا تھا جن کی وجہ سے ابو معشر۔ کندی پر بے دینی کا الزام عاید کرتا رہتا تھا۔ ابو معشر نے ۴۷ برس کی عمر میں علم نجوم کی تعلیم حاصل کی۔ وہ اس فن میں اچھا ماہر ہوگیا احکام صحیح نکالتا تھا۔ خلیفہ مستعین عباسی پر ایک حکم قبل از وقت لگانے کے باعث ابو معشر کو سزائے تازیانہ بھی ملی تھی۔ اُس کا یہ حکم بعد میں ٹھیک تو اُترا مگر اُسے سزا مل چکی تھی۔ اس وجہ سے وہ کہا کرتا "ایک ٹھیک حکم بھی نکالا تو اُس کے صلہ میں مار کھائی۔ یہ اچھا علم ہے۔" ابو معشر نے ایک سو سال سے زائد عمر پاکر دنیا سے رحلت کی۔ وہ شہر واسط (عراق) میں پیدا ہوا تھا ۔

مشہور مسلمان ہندس موسیٰ بن شاکر کے دونو لائق بیٹے محمد اور احمد جو فن انجینئری کے بہت بڑے ماہر تھے۔ اُن کو یعقوب بن اسحٰق کندی سے عداوت پیدا ہوگئی۔ یہ دونو قدرتاً کسی کی علمی شہرت وعظمت کو ٹھنڈے دل سے پسند نہیں کرتے تھے۔ خلیفہ متوکل عباسی کے دربار میں تقرب پاتے دیکھ کر اُن کی طبعی شرارت محرک ہوئی کہ اُسے بھی زک دیں۔ سند بن علی نامی ایک اپنے دوست کو دربار خلافت میں بھیج کر

ایسی چال چلی کہ یعقوب۔ متوکل کے دربار سے نکال دیا گیا۔ پھر اُن کی تحریک سے متوکل نے اُس کو سزا سے تازیانہ بھی دی اور اُسے بغداد سے نکلوا دیا۔ محمد اور احمد نے کندی کی تمام کتابیں ضبط کر کے اپنے گھر میں رکھ لیں اُن کو ایک علیحدہ کتب خانہ میں رکھا اِس کتب خانہ کا نام بھی کندیہ مشہور ہوُا۔ سند بن علی نے خلیفہ متوکل کو رصد خانہ بنوانے کا شوق دلایا۔ اور اس کام کا بیحد دلدادہ بنا دیا۔ پھر اُس نے خلیفہ سے کہہ سُن کر محمد اور احمد۔ کو نہر جعفری کے کھدوانے کا کام دلوایا۔ محمد اور احمد نے اِس نہر کی کھُدائی اور تیاری کی خدمت مصر کے ایک انجینئر احمد بن کثیر فرغانی۔ کو سپرد کی احمد بن کثیر بڑا وسیع المعلومات عالم تھا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ عملی میدان میں عِلمی حیثیت سے بہت پیچھے تھا۔ اُس نے مصر میں ایک نیا مقیاس یعنی موسم کو جانچنے کا آلہ بنایا تھا۔ لیکن حالت یہ تھی کہ جو کام وہ کرتا کبھی پورا نہ اُترتا۔ نہر کی تیاری میں بھی اُس سے یہ غلطی ہوئی کہ اُس نے نہر کا دہانہ بہ نسبت اُس کی تمام لنبائی کی سطح کے نیچا رکھ دیا۔ اب یہ خرابی آپڑی کہ دہانہ میں پانی آجاتا مگر نہر خشک پڑی رہتی خلیفہ متوکل نے اس خرابی کی بازپرس محمد اور احمد سے کی۔ اور سند بن علی کو بغداد سے طلب کیا تاکہ اُسے نقص کی تحقیقات پر مامور کرے۔ محمد اور احمد کو معلوم تھا کہ سند بن علی اُن کی قلعی کھول دیگا۔ موت کا خطرہ اُن کی جان خشک کرنے لگا۔ خلیفہ متوکل نے سند بن علی سے ارشاد کیا کہ محمد اور احمد نے مجھ سے تیری بہت کچھ برائیاں بیان کی ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس نہر کی تیاری میں میری کثیر رقم ان دونو نے تلف کر دی۔ اب تو تحقیق کر کے بتا کہ اِن سے کیا غلطی ہوئی ہے۔ میں ان کو قتل کی سزا دونگا۔ یہ گفتگو محمد اور احمد کے سامنے ہوئی۔ اب ان کی اور بھی بُری گت بنی۔ یہ سخت بدحواس ہوئے۔ دربار سے سند بن علی کے ساتھ باہر آئے تو اُس کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ کہنے لگے "ابا الطیب! اب تم ہی ہماری جان و آبرو بچا سکتے ہو۔ شریف آدمی قدرت پا کر بدلا نہیں لیا کرتے۔ ہم نے غلطی کی مگر ہم اُس کے معترف ہیں۔ اور گو یہ عذرِ گناہ بدتر از گناہ ہے۔ تاہم اب تم ہماری جان بچاؤ اور ہم پر رحم کھاؤ"

سند بن علی نے کہا "تم کو بخوبی معلوم ہے کہ کندی سے مجھے کیسی عداوت ہے مگر میں اس بات کو کبھی نہیں پسند کرتا کہ تم نے اُس کی کتابیں ضبط کر لی ہیں۔ اگر تم اُس کو کتابیں واپس دیدو تو میں تمہارے بچاؤ کی تدبیر کر دونگا" محمد اور احمد نے کندی کی کتابیں اُس کو بھجوا کر وصولیابی کی رسید منگالی۔ اور سند بن علی کے پاس بھیج دی۔ سند بن علی نے رسید دیکھ کر ان کو اطمینان دلایا۔ اور وعدہ کیا کہ اُن کی غلطی پر پردہ ڈالیگا۔ اُس نے کہا "اب دریائے دجلہ کے چڑھاؤ کا زمانہ آتا ہے۔ چار مہینے تمہاری غلطی کسی پر ظاہر نہ ہوگی۔ حساب نجوم سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ اسی اثنا میں فوت ہوجائیگا۔ لہذا تم بے فکر رہو۔ میں اُس سے کہے دیتا ہوں کہ نہر ٹھیک بنی ہے۔ اس میں کوئی غلطی نہیں۔ اگر منجموں کا قول صادق ہے تو خلیفہ کی وفات ہم تینوں کو بچا لیگی۔ ورنہ تمہارے ساتھ میری بھی خیر نہیں۔ کیونکہ دریائے دجلہ کا اُتار شروع ہوتے ہی نہر کا عیب کھُل جائیگا۔ اور پھر ہم سب پر حرف آئیگا۔ سند بن علی ان کو مطمئن کر کے خلیفہ کے پاس گیا۔ اور حسب وعدہ خلیفہ سے کوئی غلطی نہ ہونے کی تصدیق کر دی۔ دجلہ کی طغیانی اُس کے قول کی صداقت ثابت کر گئی۔ اور اس واقعہ کے دو ماہ بعد خلیفہ متوکل قتل کر دیا گیا جس کی وجہ سے محمد اور احمد کی جان بھی بچ رہی۔

کندی کی تصانیف منطق میں زائد ہیں۔ لیکن اُن میں نقص یہ ہے کہ وہ منطق کی اصلی شق صنعت تحلیل کسی کتاب میں بیان نہیں کرتا۔ حالانکہ اسی کا جاننا ضروری اور کارآمد ہے۔ قاضی صاعد نے لکھا ہے کہ "کندی کی تصانیف میں اُس کے بہت سے فاسد اور بے ویتی کے اقوال موجود ہیں" مگر ابن الندیم بغدادی اپنی کتاب الفہرست میں قاضی صاعد کے اس قول کو بیجا بتاتا ہے۔

کندی کے چار زبردست شاگرد اُس کی کتابوں کو نقل اور مسودات کے صاف کرنے پر مامور رہتے تھے۔ ان کے نام نفطویہ۔ حسنویہ۔ سلمویہ۔ ہیں اور چوتھے کا نام بھی اسی قافیہ پر تھا جو یاد نہیں آتا۔

احمد بن الطیب بھی اُس کا ایک نامور شاگرد تھا۔

کندی کے چند حکمت آمیز اقوال حسب ذیل ہیں:-

"طبیب کو خدا تعالٰے سے ڈرنا لازم ہے جس طرح وہ یہ پسند کرتا ہے کہ اُس کی نسبت کہا جائے۔ فلاں آدمی اُس کے ہاتھ سے صحتیاب ہُوا۔ ویسے ہی طبیب کو اس بات سے ڈرنا بھی واجب ہے کہ کسی کو اچھی طرح علاج نہ کرنے سے مار ڈالنے کا ملزم نہ گردانا جائے"

"عقلمند سمجھتا ہے کہ اُس کے علم سے زیادہ علم دنیا میں موجود ہے لہذا وہ تواضع کے ساتھ اور زائد علم حاصل کرتا ہے۔ اور جاہل گمان کیا کرتا ہے کہ اُس کے علم سے آگے کوئی علم نہیں۔ اس واسطے لوگ اُس کو بُرا جانتے ہیں"

کندی اپنے بیٹے ابو العباس کو وصیت کرتا ہوا کہتا ہے:-

"جانِ پدر! باپ پرورش کرنے والا ہے۔ بھائی گلے کا پھندا۔ چچا غم کا ذریعہ ماموں وبالِ جان۔ بیٹیا بارِ خاطر۔ اور عزیز و اقارب عقارب یعنی بچھو ہوتے ہیں۔ "نہیں" کہنے سے بلا ٹلتی ہے۔ اور "ہاں" کہنے سے آفت و مفلسی آتی ہے۔ گانا سننا سخت برسام کا مرض ہے۔ کیونکہ آدمی مست ہو کر بیجا فیاضی دکھاتا۔ اور جو کچھ پاس ہو سب خرچ کر کے محتاج بن جاتا ہے اس کے بعد جب ہوش آتا ہے تو ناداری کا صدمہ جان کھاتا اور اُسے بیمار ڈال کر موت کے مُنہ میں جھونک دیتا ہے اشرفی کو بخار کا مرض ہے۔ اگر تو اُسے خرچ کریگا تو وہ مر جائیگی۔ درہم (چاندی کا سکہ) قیدی ہے۔ جہاں اُس کو قید سے نکالا اور وہ بھاگا۔ اور سب لوگ بیکار ہیں۔ تو اُن کی چیز توڑ لے۔ مگر اپنی چیز کی حفاظت رکھ۔ جھوٹی قسم کھانے والے کی بات کبھی نہ مان کیونکہ وہ سچ کہنے کا عادی نہیں ہوتا"

اگر کندی کی یہ وصیت درست ہے تو اس میں کلام نہیں کہ ابن الندیم کا اُس کو بخل و کنجوسی سے منسوب کرنا صحیح ہے۔

تصانیف:- کندی نے صدہا کتابیں اور رسالے تصنیف و تالیف کئے ہیں۔ اُن میں سے زیادہ تر فلسفہ۔ ریاضیات۔ فلکیات۔ ہیئت۔ ہندسہ۔ نجوم۔ ادب

منطق۔ علم المرایا والمناظر۔ اصطرلاب۔ دھوپ گھڑی کی ساخت۔ ماہیت علم واقسام علم۔ وغیرہ علوم وفنون ومباحث پر لکھی گئی ہیں۔ جن کا مفصل ذکر موجب طوالت ہوگا۔ ہم اس مقام پر صرف اپنی کتاب کے حسب حال فن طب کی تالیفات کا تذکرہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں :۔

(۱)۔ رسالہ علم طب میں بقراط کی تحقیقات ومسائل پر ٭

(۲)۔ رسالہ غذا کے بیان میں اس میں مہلک دواؤں کا بھی ذکر ہے ٭

(۳)۔ رسالہ اُن بخارات کے بیان میں جو خلاے عالم کی اصلاح کرتے ہیں اور اُسے وبائی جراثیم سے پاک بناتے ہیں ٭

(۴)۔ رسالہ بدبوؤں سے شفا دینے والی دواؤں کے بیان میں ٭

(۵)۔ رسالہ ادویہ کے اسہال اور اخلاط کے انجذاب کے بیان میں ٭

(۶)۔ رسالہ در بیان مرض نفث الدم ٭

(۷)۔ رسالہ حفظ صحت ٭

(۸)۔ رسالہ زہروں کے علاج میں ٭

(۹)۔ رسالہ سخت مہلک اور گرم بیماریوں کے بیان میں ٭

(۱۰)۔ رسالہ جسم انسانی کے اعضاء رئیسہ کی تعیین میں ٭

(۱۱)۔ رسالہ کیفیت دماغ کے بارہ میں ٭

(۱۲)۔ رسالہ مرض جذام کے ذکر میں اور اُس سے شفا دینے والی دوائیں بھی اس میں مذکور ہیں ٭

(۱۳)۔ دیوانہ کُتّے کے کاٹنے کا علاج ایک علیحدہ رسالہ میں درج کیا ہے ٭

(۱۴)۔ رسالہ اُن امراض کے بیان میں جو بلغم کی زیادتی سے پیدا ہوتے ہیں ٭

(۱۵)۔ مرگ ناگہانی کی علت ٭

(۱۶)۔ درد معدہ اور نقرس کے بیان میں ایک رسالہ ٭

(۱۷)۔ رسالہ اقسام بخار کے بیان میں ٭

(۱۸)۔ رسالہ علاج طحال کے ذکر میں جو کہ سوداوی امراض کے سبب بڑھ جاتا ہے ٭

(۱۹)۔ رسالہ در بیان اجسام حیوانات جبکہ بحالت زندگی اُن میں فساد واقع ہو ٭

(۲۰)۔ رسالہ تیاری غذا کے ذکر میں ٭

(۲۱)۔ رسالہ ترکیب پخت طعام ٭

(۲۲)۔ رسالہ در بیان زندگی ٭

(۲۳)۔ کتاب مجرب دواؤں کے بیان میں ٭

(۲۴)۔کتاب قرابادین ⁂
(۲۵)۔رسالہ جس میں فساد اخلاط اور جن بھوت کے سایہ سے پیدا ہونے والے جنوں کا فرق دکھایا ہے ⁂
(۲۶)۔رسالہ قیافہ شناسی کے ذکر میں ⁂
(۲۷)۔رسالہ اس بیان میں کہ قاتل زہروں میں علت مہلک آسمانی اثر ہوتا ہے ⁂
(۲۸)۔جالینوس کی کتاب ادویہ مفردہ کے اہم مسائل ⁂
(۲۹)۔رسالہ اس میں رنج و غم دور کرنے کی تدبیریں بتائی ہیں ⁂
(۳۰)۔رسالہ گونگے کا علاج کرنے کے بارہ میں ⁂
(۳۱)۔رسالہ تشخیص امراض و علامات کے ذکر میں ⁂

اور اُن کے علاوہ بکثرت رسالے اور کتابیں مختلف علوم و فنون پر لکھی ہیں۔ چنانچہ اُن میں سے ایک رسالہ خلیفہ معتصم کے بیٹے احمد کے لئے لکھا۔ اس میں ایسی ترکیبیں درج ہیں کہ اُن کے استعمال سے تلوار کی دھار کند نہیں پڑ سکتی۔ کچھ رسائل فلاسفہ کے اُن اقوال کی تردید پر بھی لکھے ہیں جو کسی نہ کسی دینی اعتقاد کے خلاف تھے۔ اور بعض عمدہ رسائل اور کتابیں علم اخلاق میں بھی اُس کی یادگار ہیں ⁂

خصوصًا اس کی تحقیقات علم مرایا و مناظر میں بہت بڑے پایہ کی ہے۔ اُس نے ایک رسالہ میں ایسا آلہ بنانے کی ترکیب لکھی ہے جس سے دور کی نظر آنے والی چیزوں کا یونہی دیکھ کر فاصلہ دریافت کیا جا سکتا ہے ⁂

عطر سازی۔ قمقمہ سازی۔ شیشہ رنگنے۔ لوہے کی قسمیں اور اُس کے فوائد معلوم کرنے۔ اور فلکیات کے متعلق بھی اُس کی قابل قدر تالیفات موجود ہیں۔ خاکر علم الفلک میں تو اُس نے بیسیوں کتابیں اچھی اچھی لکھی ہیں ⁂

یعقوب بن سقلاب (دیکھو موفق الدین بن سقلاب)

(۵۴۴) یوحنا بن بختیشوع (حکیم)

اپنے وقت کا ممتاز اور ماہر طبیب تھا۔ یونانی اور سریانی دونو زبانیں اچھی جانتا تھا موفق باللہ طلحہ بن جعفر المتوکل۔ عباسی خلیفہ کا معتمد طبیب رہا۔ موفق باللہ یوحنا۔ کی

نسبت کہا کرتا کہ "وہ میری تکلیف دور کرنے والا ہے" دربار اور بزم خاص میں اُس کو خلیفہ اپنے قریب بٹھاتا۔ اور ہر طرح اُس کی دلجوئی کرتا رہتا ✽

ایک مرتبہ یوحنا خلیفہ سے شاکی ہوا کہ اُس کی جاگیر کی آمدنی بہت کم وصول ہوتی ہے۔ حکام اور علاقہ دار رقم کو خورد برد کر ڈالتے ہیں۔ خلیفہ نے صاعد کو جو اُس کا وزیر تھا۔ بلوا کر اس بارہ میں جواب طلب کیا۔ مگر ایک مرتبہ کی تنبیہ سے کچھ اثر نہ ہوا دوبارہ یوحنا نے پھر شکایت کی۔ خلیفہ نے کہا۔ اچھا تم اپنے گھر جاؤ۔ میں اس کا انتظام کرتا ہوں۔ پھر صاعد کو بلوایا۔ وہ آیا تو اُس سے کہنا شروع کیا "صاعد! تم جانتے ہو کہ دُنیا میں میرا رفیق۔ راز داں۔ میری جان کا محافظ۔ اور میری تکلیفوں کا دور کرنے والا صرف یوحنا ابن بختیشوع ہے۔ مگر تم پر نہیں معلوم کیا خدا کی پھٹکار ہے کہ اُس کا دل دکھاتے۔ اُسے میری خدمت سے بددل بناتے۔ اور ستا ستا کر چاہتے ہو کہ وہ میرا خیر خواہ نہ رہے"

صاعد "امیر المومنین! خدا کی قسم ہے۔ میں نے اُس سے کوئی بیجا برتاؤ نہیں کیا۔ نہ اُسے کوئی تکلیف پہنچائی۔ دشمنوں نے آپ سے یونہی کچھ لگا دیا ہوگا"

خلیفہ "یوں میں نہیں مانتا۔ تم راشد کو ساتھ لیکر یوحنا کے پاس جاؤ۔ اُس کو راضی کرو۔ اور راضی نامہ لکھا لاؤ۔ تب مجھے یقین آئیگا کہ ہاں تم صاف ہو"

صاعد۔ خلیفہ کے مصاحب راشد کے ساتھ یوحنا کے پاس گیا۔ اور معافی کا خواہاں ہوا۔ یوحنا نے کہا "آپ زبانی تو معافی مانگتے ہیں۔ لیکن علاقہ داروں اور تحصیلداروں کو میری جاگیرات کا مالیہ مقررہ تعداد سے کم بھیجنے کا حکم لکھ دیتے ہیں۔ میری بہت سی اراضی آپ نے ضبط کر لی ہے۔ میں سخت تکلیف اُٹھاتا ہوں۔ مگر آپ اُس کی تلافی نہیں کرتے" صاعد نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ اُس کا نقصان نہ ہونے دیگا۔ بلکہ کاغذ و قلم دوات لیکر یوحنا کی مرضی کے موافق جاگیر کے دیہات کا نقشہ مرتب کر کے اُسے دے دیا۔ اور کہا کہ ان دیہات کی آمدنی میں کبھی ایک حبہ کم نہ ہونے پائیگا۔ اُس وقت یوحنا نے صاعد کو راضی نامہ لکھ دیا اور راشد کے ہاتھ وہ کاغذ خلیفہ موفق کے پاس

بھوا دیا۔ اور اُس کے بعد سے یوحنا کو کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی ٭

یوحنا بن بختیشوع نے بہت سی کتابیں یونانی سے سُریانی زبان میں ترجمہ کی ہیں
اس کی تصنیف صرف ایک کتاب ہے جس کا نام "ما یحتاج الیہ الطبیب من علم النجوم" ہے ٭

(۵۴۵) یوحنا بن سَرابیُون (حکیم)

اِس طبیب کا باپ سرابیون "باجرمی" کا رہنے والا اور اچھا طبیب تھا۔ اُسکے دو بیٹے یوحنا اور داوُد فاضل طبیب نکلے۔ یوحنا بن سرابیون نے جس قدر کتابیں تصنیف کیں وہ سب سُریانی زبان میں تھیں اسکی کتابوں میں سے کناشۃ الکبیر اور کناشۃ الصغیر مشہور ہیں۔ اول الذکر کے ۱۲ مقالے ہیں اور ثانی الذکر کے سات ۳۱۸ھ میں ابی الحسن بن نفیس طبیب کے لئے الحدیثی کاتب نے اس کتاب کا عربی ترجمہ کیا۔ الحدیثی کا یہ ترجمہ اُس ترجمہ سے بلحاظ خوبی عبارت بہت اچھا ہے جو کہ حسن بن بہلول اوانی طبرہانی۔ نے کیا ہے۔ ابوالبشر بن متی بھی اس کتاب کا مترجم ہے ٭

انطیلس۔ برطلادس۔ سندھشار۔ فلمان۔ ابو جریج راہب۔ اوراس۔ بونیوس بیرمرقی۔ سبیور حنا۔ فلاغوس۔ بھی یوحنا بن سرابیون کے معاصر اور اچھے طبیب تھے ٭

(۵۴۶) یوحنا بن ماسَوَیہ (حکیم)

اعلےٰ درجہ کا ذہین۔ فن کا ماہر۔ علاج میں ہوشیار۔ خوش بیان۔ اور مشہور مصنف تھا۔ خلفا کے دربار میں عزت و مرتبت سے بہرہ ور رہا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے حکم سے بہت سی قدیم کتابیں یونانی اور سریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیں۔ مسلمانوں کو عموریہ۔ انقرہ۔ اور دیگر رومی عیسائیوں کے شہر فتح کرنے میں وہاں سے جتنی کتابیں ہاتھ لگیں اُن کو وہ بغداد میں لائے اور ہر زبان کے لائق مترجم مقرر کروئے تاکہ وہ ترجمہ کریں۔ ترجمہ کا ایک خاص محکمہ تھا۔ یوحنا اُس کا افسر اعلےٰ مقرر ہوا۔ ہارون۔ امین۔ اور مامون تین خلفائے کے عہد میں اُس نے یہی کام کیا۔ بلکہ کسی قدر بعد تک بھی۔ اسی کے ساتھ وہ علاج بھی کیا کرتا تھا اور خلیفہ ہارون الرشید

کے وقت سے متوکل علی اللہ کے عہد تک برابر اس کا فرض یہ رہا کہ کھانے کے وقت اُن کے پاس ضرور موجود رہتا۔ خلفاء کی غذا اسی کے مشورہ سے تیار ہوتی اور ہمیشہ اُن کے لئے ہاضمہ۔ معدہ۔ دماغ۔ اعضائے رئیسہ۔ کی مقوی دوائیں اور حرارت غریزی کو بڑھانے والی چیزیں تیار کیا کرتا ٭

وہ لامذہب اور دہریہ تھا۔ اسی وجہ سے اُس میں اخلاقی فضیلت کی بہت کمی تھی۔ اکثر مواقع پر خفیف حرکات کر کے شرمندہ ہوتا۔ کم ظرف بھی تھا۔ جلد اُبل پڑتا۔ اُس نے ۴۔ جمادی الاخری ۲۴۳ھ کو مقام سُرمن رائے میں وفات پائی ٭

تصانیف و تراجم ٭۔ یوحنا نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن کا اجمالی بیان حسب ذیل ہے :۔

(۱)۔ کتاب البرہان یہ ۳۰ باب پر مشتمل ہے ٭

(۲)۔ البصیرۃ ٭

(۳)۔ الکمال ٭

(۴)۔ شجرۂ حمیات ٭

(۵)۔ کتاب الاغذیہ ٭

(۶)۔ کتاب الاشربہ ٭

(۷)۔ المنجح فی الصفات والعلاجات ٭

(۸)۔ الفصد والحجامۃ ٭

(۹)۔ کتاب فی الجذام۔ ایسی نادر تالیف اس باب میں یوحنا سے قبل کسی نے نہیں کی تھی ٭

(۱۰)۔ کتاب الجواہر ٭

(۱۱)۔ کتاب الرجحان ٭

(۱۲)۔ مسہل دواؤں کی ترکیب پر ایک کتاب۔ اس میں ہر ایک مسہل دوا کی خاصیت۔ مصلحات اور منافع کا بیان کیا ہے ٭

(۱۳)۔ کتاب دفع مضار الاغذیہ ٭

(۱۴)۔ کتاب فی غیر ماشی مما عجز عنہ غیرہٗ

(۱۵)۔ کتاب السر الکامل ٭

(۱۶)۔ کتاب در بیان داخلہ حمام۔ اور حمام کرنے کے فوائد و نقصانات کے بیان میں ٭

(۱۷)۔ کتاب السموم و علاجاتہا ٭

(۱۸)۔ کتاب الدیباج ٭

(۱۹)۔ کتاب الازمنۃ ٭

(۲۰)۔ کتاب الطبیخ ٭

(۲۱)۔ کتاب الصداع اس میں اقسام

دردِ سر اور اُن کے اسباب اور تمام
علاجات کا مفصّل بیان کیا ہے۔
یہ کتاب عبداللہ بن طاہر کے لئے
تالیف کی تھی۔ اس میں سر چکرانے
اور دیگر امراض سر کا بیان بھی ہے ؎
(۲۲)۔ ایک کتاب اس موضوع پر کہ اطبّاء
حاملہ عورتوں کا بعض خاص حمل
کے مہینوں میں کیوں علاج نہیں
کرتے ؎
(۲۳)۔ کتاب محنۃ الطبیب ؎
(۲۴)۔ معرفۃ محنۃ الکحالین ؎
(۲۵)۔ دغل العین ؎
(۲۶)۔ کتاب النبض ؎
(۲۷)۔ الصوت والبحّۃ۔ آواز اور گلا
پڑنے کا بیان اس میں کیا ہے ؎
(۲۸)۔ آش جو ؎
(۲۹)۔ مُرّۃ السوداء ؎
(۳۰)۔ علاج عورات عقیمہ اور اُن کا عقر
دور ہونے کی تدبیر ؎
(۳۱)۔ کتاب الجنین ؎
(۳۲)۔ کتاب قواعد حفظ صحت ؎
(۳۳)۔ مسواک اور منجنوں کے بیان میں
ایک خاص کتاب ؎

(۳۴)۔ کتاب المعدہ ؎
(۳۵)۔ کتاب القولنج ؎
(۳۶)۔ النوادر الطبیّہ ؎
(۳۷)۔ کتاب التشریح ؎
(۳۸)۔ کتاب ترکیب استعمال ادویہ
مسہل اور زمانوں اور مزاج کے
لحاظ سے اُن کے پینے کی ترتیب۔
اس میں بتایا ہے کہ مسہل دوا
کس کو۔ کب اور کس حالت میں
دینی چاہیئے۔ اور دوا اپنا عمل نہ
کرے تو اُس کو مدد پہنچانے اور عمل
کرا لینے کا کیا طریقہ ہے۔ پھر بتایا
ہے کہ دست حد سے زیادہ آجائیں
تو اُن کو روکنے کی کیا تدبیر ہونی چاہیئے ؎
(۳۹)۔ ترکیب خلقت انسان۔ اس میں
انسان کے تمام اعضاء۔ اجزاء۔
جوڑ بند۔ ہڈیاں۔ اور رگیں شمار
کرائی ہیں۔ اور بیماریوں کے اسباب
کی شناخت کا طریقہ بتایا ہے۔ یہ
کتاب اُس نے خلیفہ مامون الرشید
کے واسطے تالیف کی تھی ؎
(۴۰)۔ کتاب الابدال۔ یہ چند فصلوں پر
شامل ہے۔ اُس نے حنین بن اسحٰق

کے واسطے یہ کتاب لکھی تھی ۔

(۴۱)۔کتاب در بیان مالیخولیا۔ اور اُسکے اسباب علامات اور علاج بھی اس میں بیان کئے ہیں ۔

(۴۲)۔جامع الطب۔ اس میں فارسی۔ اور یونانی اطباء کی متفقہ رائے سے جو طبی مسائل صحیح تسلیم ہوئے ہیں اُن کو جمع کر دیا ہے ۔

(۴۳)۔کتاب حیلۃ البرء ۔

یوسف الاسرائیلی ابی الحجاج (دیکھو ابو الحجاج)

یوسف بن ابی سعید (دیکھو مہذب الدین یوسف)

یوسف قسیس (الساہر) (دیکھو الساہر)

(۵۴۷) یوسف نصرانی (حکیم)

ماہر طبیب اور دیگر علوم عقلیہ وحکمیہ میں فاضل تھا۔ عزیز باللہ فاطمی خلیفہ مصر کے عہد میں وہ بیت المقدس کا بطریرک (اعلےٰ دینی افسر) مقرر کر دیا گیا اور تین سال آٹھ ماہ اس منصب عظیم پر مامور رہ کر فوت ہو گیا۔ اس کی وفات مصر ہی میں ہوئی جہاں وہ اخیر وقت میں آ گیا تھا ۔

(۵۴۸) یولاس (حکیم)

اطبائے "دوازدہ بروج" میں سے دسواں شخص ہے ۔



آیورویدک (یا) ہندی طب کے مشاہیر

اس مضمون کو محقق طور پر لکھنے کے لئے علاوہ ان کتابوں کے جن کا دیباچہ کتاب میں ذکر کیا جا چکا ہے میں نے انگریزی و سنسکرت کی اور بھی کئی ایک کتابیں پڑھی و سنی ہیں اور اپنے مکرم دوست پنڈت کو براج ہیمراج جی وید وشارد و بھشک رتن - ایم - اے - ایم (ماسٹر آف آیورویدک میڈیسن) ساکن لاہور اور بعض دیگر حضرات سے تبادلہ خیال کرنے کے بعد اس کو مکمل کیا ہے - اردو یا انگریزی میں تو کیا بلکہ خود سنسکرت میں بھی اس مضمون پر اس قدر معلومات آپ کو کسی کتاب میں نہ ملینگی پس میں امید کرتا ہوں کہ اس خدمت کے لئے میرے ہندو اور ہندی بھائی مجھے دعاء خیر سے یاد فرما دینگے ۞

جیسا کہ دیباچہ کتاب کے صفحہ ۴ پر بیان کیا جا چکا ہے ہمارے ہندو بھائی بھی علم آیورویدک کو الہامی مانتے ہیں اور وہ اس کی ابتدا کو برھما جی سے منسوب کرتے ہیں اور اس علم کی تعلیم و اشاعت کا سلسلہ اس طرح پر بیان کرتے ہیں کہ برھما جی سے دکھش پرجاپتی نے اس علم کی تحصیل کی اور دکھش پرجاپتی سے اشونی کمار (یا) نے یہ علم سیکھا اور اشونی کمار سے مہاراج اندر نے سیکھا - لیکن مہاراج اندر سے آگے اس علم کی تعلیم و اشاعت کے متعلق دو مختلف روائتیں ہیں چنانچہ ایک روایت تو یہ ہے کہ مہاراج اندر کے زمانے میں پہلے تو اس علم کو بڑا عروج حاصل ہوا - لیکن جب کچھ مدت بعد اس کو زوال آ گیا تو بہت سے رشی ہمالیہ پربت اکٹھے ہوئے اور انہوں نے باہم مشورہ کر کے بھاردواج رشی سے یہ خواہش کی کہ وہ مہاراج اندر سے اس علم کو سیکھ کر اس کی پرچار یعنی اشاعت کریں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا یعنی مہاراج اندر سے آیورویدک علم کو سیکھ کر دیگر رشیوں کو سکھلایا ان میں سے آتری (آترییہ) رشی نے پھر آگے اپنے چھ شاگردوں اگنی ویش وغیرہ کو یہ علم سکھلایا - اور دوسری روایت یہ ہے کہ مہاراج اندر نے سورگ میں بیٹھے ہوئے ایک دفعہ اس دنیا

پھر نظر ڈالی اور معلوم کیا کہ اس دُنیا میں بہت سے لوگ دکھ درد میں مبتلا ہیں تو اُنھوں نے دیوتاؤں کے ربانی وید (طبی دیوتا) مہاراج دھن وَنتری کو فرمایا کہ وہ دُنیا میں جاکر لوگوں کے دکھ درد کی تکالیف کو دور کریں چنانچہ اُنھوں نے مہاراج اندر کی اس فرمایش کی تعمیل کی اور راجہ بنارس کے ہاں جنم لیکر دیو داس کے روپ میں نمودار ہوکر اس نیک کام کو انجام دیا۔ ان کی ابتدائی پیدائش کا حال بڑا عجیب وغریب ہے۔ جس کی بنا پر بھی ہمارے ہندو بھائی ویدک کو الہامی مانتے ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ برھما جی کی طرح مہاراج دھن وَنتری کو بھی یہ علم الہامی طور پر معلوم تھا ۔

برھما جی سے لیکر بھاردواج تک اور پھر دھن وَنتری تک یہ علم شفاہی یعنی زبانی تھا لیکر بھاردواج کے شاگرد آتریہ نے اور دھن وَنتری کے شاگرد سشرت نے اس کو کتابی یا تحریری علم بنایا کیونکہ سب سے پہلے آتریہ نے علم طب میں اپنی کتاب آتریہ سنگھیتا لکھی اور سشرت نے علم جراحی میں اپنی کتاب سشرت سنگھیتا تحریر کی ۔

اب ہم اس علم کے مشاہیر کا ترتیب وار بیان کرتے ہیں ۔

نوٹ۔ اس مضمون میں ترتیبا بجدی کی بجائے ترتیب زمانی کا لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ مضمون کا تسلسل قائم رہے ۔

(۱) برھما جی

برھما جی[۱] ہندو تثلیث کے رکن اول اور فن شفا یعنی آیورویدک کے بانی مبانی تھے۔ انہوں نے آیوروید رچا کے نام سے جس میں سواد ھیائے اور ہزار ادھیائے کے ایک لکھ شلوک ہیں ایک کتاب تصنیف کی۔ یہ قابل قدر کتاب مضمون حیات کے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے جو کہ زندگی کے گھٹانے اور

[۱] برھما مشتق ہے لفظ برہم سے جس کے معنی ہیں خدا۔ ہندو مذہب میں خدا کو ذیل کے تین مختلف صفاتی ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے: (۱) برھما یعنی خالق (۲) وشنو یعنی رازق اور (۳) مہیش یعنی فنا کنندہ ۔

بڑھانے سے تعلق رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ برھما جی نے پہلے اس کتاب کو ایک سو فصلوں اور ایک لاکھ اشلوکوں میں مرتب کیا تھا مگر جب انہوں نے دیکھا کہ انسانی عمر اور قابلیت اتنی نہیں کہ اس سے پوری طرح مستفید ہو سکے تو اس کا ایک ضروری لحض (خلاصہ) بنا دیا۔ اس کتاب میں امراض کے اسباب و علامات اور طریق علاج کا بالوضاحت ذکر ہے اسے ہندوؤں کی قدیم ترین طبی تصنیف ہونے کا فخر حاصل ہے لیکن اب یہ کتاب نایاب ہے کیونکہ نہ یہ کسی دل پر لکھی ہوئی ہے (یعنی کسی کو یاد نہیں) اور نہ کسی کاغذ پر۔ بعض کہتے ہیں کہ سشرت کے حصۂ نظم میں اسی کتاب کے شلوکوں کی جھلک پائی جاتی ہے۔

اشونی کمار

اشونی کمار دو ہمزاد بھائی تھے جن کے باپ کا نام سورج اور ماں کا نام چھایا تھا۔ یہ ہمزاد رب الشفا یونانیوں کے دیسقوریوں سے ملتے جلتے ہیں۔ کیونکہ انہیں بھی ربانی طبیب و جراح سمجھا جاتا ہے۔ ہندوؤں کی کتب قدیمہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونو بھائی فن جراحی میں ید طولےٰ رکھتے تھے۔ انکی نسبت بڑی عجیب و غریب حکایات مشہور ہیں۔ چنانچہ حکایت (۱) ہے کہ انہوں نے برہم دیو[1] (دکھش پرجاپتی)

[1] برہم دیو نے جس کو دکھش پرجاپتی بھی کہتے ہیں۔ ایکبار ایک یگ کیا جس میں اس نے اپنے داماد مہادیو کو مدعو نہ کیا لیکن مہادیو کی بیوی نے اپنے باپ کے یگ میں بلا بلائے جانے کی خواہش ظاہر کی جس پر مہادیو نے انہیں منع کیا کہ مبادا وہاں جانے پر کسی طرح سے ان کی بے عزتی نہ ہو۔ لیکن اس نے نہ مانا مگر جب وہ وہاں گئی تو اس کے باپ نے اسے کچھ ایسی طعن و تشنیع کی کہ جس سے وہ نہایت برہم و افروختہ ہو کر آگ میں جل کر مر گئی۔ جب مہادیو کو یہ خبر ہوئی تو وہ سخت غضبناک ہو کر وہاں پہنچے اور انہوں نے اپنے سسر دکھش پرجاپتی کا سر کاٹ ڈالا۔ اس پر وہاں کے موجودہ دیوتاؤں نے ان کے غصہ کو فرو کرنے کی کوشش کی اور اشونی کماروں کو بلا کر خواہش کی کہ وہ دکھش پرجاپتی کے کاٹے ہوئے سر کو جوڑ دیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کے کٹے ہوئے سر کو جوڑ دیا۔

کے کٹے ہوئے سر کو جوڑ دیا تھا اور (۲) جب کبھی دیوتاؤں (نیک لوگوں) اور راکھشسوں (بد لوگوں) میں لڑائی ہوتی تھی تو یہ مجروح دیوتاؤں کے زخموں وغیرہ کا علاج و معالجہ کیا کرتے تھے چنانچہ (۳) ایک دفعہ ایک لڑائی میں مہاراج اندر کا بازو ناکارہ ہوگیا تھا مگر ان کے علاج سے وہ بالکل درست ہوگیا اور (۴) چندرمان دیوتا کو راج یکشما (سل و دق) کا جو مرض ہوگیا تھا وہ بھی انہیں کے علاج سے اچھا ہوا تھا (۵) بھگش دیوتا کی نابینا آنکھوں کو انہوں نے درست یعنی بینا کردیا تھا (۶) چون رشی کو جو کہ بوڑھا ہوگیا تھا انہوں نے اُسے اپنے علاج سے جوان بنا دیا تھا۔ (۷) پوشا دیوتا کے چند دانت گر گئے تھے جو انہوں نے لگا دیئے تھے اور (۸)۔ ایک دوشیزہ لڑکی وشپالہ نامی کی کسی لڑائی میں ٹانگ کٹ گئی تھی۔ جس کے بدلے ان طبی دیوتاؤں نے اس کے لوہے کی مصنوعی ٹانگ لگا دی تھی وغیرہ وغیرہ

اشونی کماروں کی علم طب و جراحی میں یہ قابلیت دیکھ کر مہاراج اندر نے اُن سے اس علم کے سیکھنے کی خواہش کی چنانچہ انہوں نے مہاراج اندر کی اس خواہش کو پورا کیا یعنی انہیں یہ علم سکھا دیا۔

آتریؔ

آتریؔ نے بھاردواج سے علم آیورویدک کی تحصیل کی۔ یہ جراحی کی نسبت علم طب میں زیادہ ماہر تھا۔ اس نے کئی ایک کتابیں تصنیف کیں جن میں سے آتریؔ سنگھتا خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ یہ کتاب پانچ حصوں میں منقسم ہے اور اس میں ۴۶۵۰۰ شلوک ہیں۔ ہندی طب میں یہ پہلی لکھی ہوئی کتاب ہے جو معتبر اور مستند مانی جاتی ہے۔ اور مابعد کی اکثر تصنیفات کا ماخذ ہے۔

حکیم آتریؔ کے چھ مشہور شاگرد تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں :-

(۱)۔ اگنی ویش ۔ (۲) بھیل ۔ (۳)۔ جاتوکرن ۔
(۴)۔ پراشر ۔ (۵)۔ ہاریت اور ۔ (۶)۔ کشیر پانی ۔

ان میں سے ہر ایک صاحب تصنیف ہوا ہے چنانچہ اس کے شاگرد رشید اگنی ویش کی مصنفہ کتاب بدان[1] انجن اب تک نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے۔ ہاریت کی مصنفہ کتاب ہاریت سنگھتا بھی ایک نہایت مستند طبی کتاب تسلیم کی جاتی ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آترےؔی نے ہاریت کے سوالوں کے جواب میں یہ کتاب لکھوائی تھی ۔

بعض کا خیال ہے کہ ہاریت سنگھتا اور آترےؔی سنگھتا دونو ایک ہی ہیں لیکن یہ خیال اس وجہ سے ٹھیک نہیں کہ بھاؤ پرکاش کا مشہور مصنف آترےؔی سنگھیا سے چند اشلوک اپنی کتاب میں اقتباسًا درج کرتا ہے جو کہ ہاریت سنگھتا میں موجود نہیں ہیں۔ اور بعض کا خیال ہے کہ موجودہ ہاریت سنگھتا میں چونکہ بہت شدہ اشلوک ہیں اس لیئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ پرانی ہاریت سنگھتا نہیں بلکہ زمانۂ ما بعد میں کسی اور شخص کی بنائی ہوئی ہے ۔

آترےؔی کے مذکورہ بالا دونو شاگردوں کی کتابوں کے علاوہ اس کے تیسرے شاگرد بھیل کی بھی ایک کتاب ملتی ہے جس کا صرف ایک نسخہ موجود ہے۔ باقی ماندہ تین شاگردوں کی تصانیف کا کچھ پتہ نہیں ۔

آترےؔی کا زمانۂ حیات۔ ڈاکٹر ہورنل اپنی انگریزی کتاب "بونز آف دی ہیومن باڈی" (استخوانِ جسمِ انسان) کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ گوتم بدھ کے زمانے میں ہندوستان میں دو مشہور دار العلوم تھے جن میں ہر طرح کے علوم سکھلائے جاتے تھے اور سکھلانے والے شہرۂ آفاق پروفیسر (معلم) ہوتے تھے۔ ان میں علم آیورویدک بھی پڑھایا جاتا تھا۔ چنانچہ اُن میں

---

[1] اس کتاب نے بہت سے انقلابات دیکھے ہیں۔ آج کل یہ اپنی اصلی حالت میں نہیں ملتی بلکہ ایک خلاصہ کی صورت میں ملتی ہے۔ لیکن پتا چلتا ہے کہ گیارھویں صدی مسیحی تک یہ سالم حالت میں رہی ہے کیونکہ چرک کے مفسر چکر پانی دت نے جوّر چکتسا (علاج حمیات) میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ یہ چرک کا ماخذ بھی یہی کتاب مانی جاتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگنی ویش ہی کی یہ کتاب سب سے پہلی ویدک کتاب ہے جو کہ لکھی گئی ہے کیونکہ اس سے پہلے علم آیورویدک شفاہی یعنی زبانی تھا تحریری نہ تھا ۔

ایک دار العلوم یعنی یونی ورسٹی کاشی یا بنارس میں بطرف مشرق واقع تھی
اور دوسری یونی ورسٹی جو پہلی کی نسبت زیادہ مشہور تھی وہ بمقام ٹکسلا[۱]
دریائے جہلم کے کنارے بطرف مغرب واقع تھی چنانچہ اسی یونی ورسٹی میں
گوتم بدھ کے زمانے میں ہندی طب کا بڑا پروفیسر (معلم اعلیٰ) آترے تھا۔
جس سے پایا جاتا ہے کہ وہ غالباً چھٹی صدی قبل از مسیح میں ہوا ہوگا۔ اسی طرح
سے ایک اور انگریز مصنف راک ہل اپنی کتاب لائف آف بدھ (حیات بدھ)
کے صفحہ ۶۵ پر لکھتا ہے کہ ایک مشہور حکیم جیبو کا نامی نے جو کہ بدھ کا ہمعصر
تھا ٹکسلا میں حکیم آترے سے آیور ویدک علم کی تحصیل کی تھی۔ لیکن برخلاف
ازیں ہندی محققین کا خیال ہے کہ آترے نام کے دو مشہور ہندی حکیم (وید)
ہوئے ہیں ایک کرشنا آترے جس کو آترے پنرسو بھی کہتے ہیں۔ یہ حکیم
زمانہ بدھ سے بہت پہلے اور سشرت و چرک سے قبل ہوا ہے۔ اور دوسرے
بھکشک آترے جو کہ زمانہ بدھ میں ہوا ہے اور بدھ مت کی جتنا کا یعنی روایات
میں اسی حکیم آترے کا ذکر ہے۔

پس مذکورہ بالا بیان کو مد نظر رکھ کر میرے خیال میں کرشنا آترے کو
آترے اول اور بھکشک آترے کو آترے ثانی کہنا نہایت موزوں و مناسب ہے۔

دھن ونتری

دھن ونتری طبی دیوتا یا ربانی حکیم سمجھا جاتا ہے۔ جو درجہ ابو طب کو
رومیوں کے نزدیک یا اسقلی بیوس کو یونانیوں کے نزدیک حاصل ہے۔
وہی رتبہ دھن ونتری مہاراج کو ہندوؤں کے نزدیک نصیب ہے۔ اس کی
پیدائش کا حال عجیب و غریب ہے جس کی بناء پر ہی ہمارے ہندو بھائی
اپنی طب کو الہامی مانتے ہیں۔ اس کی پیدائش کا مختصر حال یہ ہے:-

[۱] محکمہ آثار قدیمہ اب اس شہر کے کھنڈرات کو کھدوا کر نکلوا رہے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک[۵۱] مرتبہ دنیا پر کوئی وبائی مرض مسلط ہوگیا (جیسا کہ مرض طاعون چند سالوں سے ہندوستان پر مسلط ہے) یہاں تک کہ دیوتا بھی اس مرض مہلک سے خائف ہوگئے اور وِشنو کے پاس جمع ہوئے کہ ان سے اپنے بچاؤ کی تدبیر پوچھیں۔ وِشنو نے صلاح دی کہ جس طرح سے ہوسکے دودھ کے سمندر کو بلوکر اس میں سے اَمرِت یعنی آبِ حیات حاصل کریں۔ چونکہ یہ کام بڑا کٹھن اور عظیم الشان تھا۔ اس لیئے تمام دیوتاؤں اور راکھشسوں نے اپنی خیر اسی میں سمجھی کہ باہمی رقابتوں اور دیرینہ عداوتوں کو بالائے طاق رکھ دیں اور متفق ہوکر کام کریں۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک عظیم الجثہ سانپ واسوکی نامی کو مَندرہ (بندھیاچل) پہاڑ کے اِرد گرد رسّی کی طرح لپیٹا اور دودھ کے سمندر میں کھڑا کرکے لگے زور زور سے بلونے۔ دُم دیوتاؤں کے ہاتھ میں تھی اور سر راکھشسوں کے ہاتھ میں تھا۔ وِشنو خود ایک بڑے کچھوے کے روپ میں سمندر کی تہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ الغرض دیوتا اور راکھشس ایک عرصۂ دراز تک اس دودھ کے سمندر کو بلوتے رہے اور چونکہ راکھشس سانپ کے پھن کے قریب تھے اس لئے وہ اس کی زہریلی پھنکاروں سے ہمیشہ کے لئے سیاہ فام ہوگئے۔ مگر آخرکار کام انجام کو پہنچا اور بلوئے ہوئے سمندر میں سے چودہ[۱۴] رتن ایک چاند ایک عجیب وغریب درخت (کلپ برکھش) ایک متبرک گائے اور شراب وغیرہ اور سب کے پیچھے سفید پوش دھنونتری[۵۲] مہاراج برآمد ہوئے جن کے ہاتھ میں امرت یعنی آبِ حیات کا پیالہ تھا۔ پھر سمندر سے برآمدہ ان چودہ رتنوں کی دیوتاؤں اور راکھشسوں میں

۵۱۔ یہ ایک استعارہ ہے جس کی افسوس ہے کہ کسی نے درست تشریح نہیں کی ۔

۵۲۔ مہاراج دھنونتری کی تصاویر یا مجسمات ہیں ان کے ایک ہاتھ میں جڑی دکھائی جاتی ہے۔ اور دوسرے ہاتھ میں جونک۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ جسم میں تمام امراض فسادِ ہضم اور فسادِ خون سے پیدا ہوتے ہیں ۔

تقسیم ہوئی تو مہاراج دھن ونتری بمعہ امرت کے دیوتاؤں کے حصہ میں آئے اور ان کے ربانی وید مقرر ہوئے۔ پھر کچھ مدت گزر جانے کے بعد جب ایک بار دیوتاؤں کے راجہ مہاراج اندر نے سورگ سے اس دنیا پر نظر ڈال کر دیکھا کہ یہاں پر بہت سے لوگ دکھ درد میں مبتلا ہیں تو انہوں نے مہاراج دھن ونتری سے فرمائش کی کہ وہ دنیا میں جا کر دردمندوں کے دکھ درد کو دور کریں چنانچہ انہوں نے مہاراج اندر کی اس فرمائش کی تعمیل کی اور راجہ بنارس کے ہاں جنم لیا اور دیوداس کے روپ میں نمایاں ہو کر اس کار خیر کو انجام دیا۔

دیوداس (یا) کاشی راج

جیسا کہ مذکور ہوا دیوداس[1] مہاراج دھن ونتری کا اوتار مانا جاتا ہے۔ چونکہ یہ بنارس یا کاشی کا راجہ تھا اس لئے اس کو کاشی راج بھی کہتے ہیں۔ اس کے باپ کا نام سدیو تھا اس کی شادی مہاراجہ بیبانی کی راجکماری سے ہوئی تھی جس کا نام مادھوی تھا۔

دیوداس یا کاشی راج علم آیورویدک (ہندی طب) میں نہایت کمال رکھتا تھا۔ اس کی طرف بعض بڑے بڑے معرکتہ الآرا علاج منسوب کئے جاتے ہیں اور چونکہ یہ دھن ونتری کا اوتار مانا جاتا ہے اس لئے یہ نہایت قابل تعظیم سمجھا

[1] گرڑ پران کے ۱۳۹ باب ۸ و ۱۱ شلوک میں دیوداس کو دھن ونتری کا اوتار نہیں لکھا بلکہ اس کو دھن ونتری کی چوتھی پشت میں یعنی اس کا پڑپوتا لکھا ہے۔ لیکن سشرت سنگھتا میں دیوداس اور دھن ونتری دونوں کو ایک ہی مانا ہے یعنی دیوداس ہی دھن ونتری تھا۔ لیکن اگر ذرا سوچا جائے تو یہ اختلاف رفع ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں اب تک یہ رسم ہے کہ بہتر شخصیت کے لئے دادا کے نام پر پوتے کا نام رکھ دیتے ہیں یا کسی مشہور آدمی کے نام پر نام رکھ دیتے ہیں۔ پس ممکن ہے کہ دیوداس نے جو کہ روحی تناسخ کا راسخ معتقد تھا اپنے آپ کو دھن ونتری کا اوتار مان کر اس نے اسی کا نام اور وضع اختیار کر لی ہو۔

جاتا ہے ۔

کہتے ہیں کہ دیوداس نہایت عابد وزاہد تھا۔ مریضوں کا علاج معالجہ نہایت دلچسپی اور توجہ سے کیا کرتا تھا اور اپنے شاگردوں کو اپنی مصنفہ کتاب دھن ونتری سنگھتا پڑھایا کرتا تھا ۔

اُس کو یہ بھی فخر حاصل ہے کہ اس کے شاگردوں میں سے سُشرت جیسا نامور جراح (سرجن) ہُوا ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب راجہ دیوداس اپنا راج پاٹ چھوڑ کر بن باسی ہوگیا تو ان کے شاگرد رشید سُشرت نے اپنی مشہور کتاب سُشرت سنگھتا ان کی زبانی لکھی تھی یعنی سُشرت سوال کرتا تھا اور دیوداس جواب دیتے تھے پس ان کے باہمی سوال وجواب کا نتیجہ سُشرت سنگھتا ہے ۔

بعض کہتے ہیں کہ علم الادویہ پر دیوداس کی بنائی ہوئی ایک کتاب ہے جس کو کرت راج نگھنٹو کہتے ہیں لیکن بعض کہتے ہیں کہ راجہ بکرما جیت کے عہد میں ایک اور دھن ونتری وید ہوا ہے اس نے راج نگھنٹو کے نام سے ایک کتاب بنائی تھی ۔

سُشرت

جیسا کہ مہابھارت میں بھی مذکور ہے سُشرت[1] کے باپ کا نام وِشوامتر ہے۔ یہ اپنے باپ سے اجازت لے کر مع اپنے چھ بھائیوں کے علم آیورویدک کی تحصیل کے لئے کاشی گیا جہاں پر مہاراج دیوداس سے اس نے اس علم کی تحصیل کی اور ان کا شاگرد رشید ہُوا ۔

طب کی نسبت سُشرت کو فن جراحی میں کمال تھا بلکہ یہ پہلا شخص ہے جس نے کہ ہندی فن جراحی کے مسائل کو اپنی کتاب سُشرت سنگھتا

[1] سُشرت کا نام وصفی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس لفظ کے معنی ہیں "دل لگا کر سننے والا"۔

ہیں یکجا جمع کر دیا۔ پس آتریؔ و چرک کو عام طور پر طبیب کہا جاتا ہے۔ اور سُشرت کو جرّاح (سرجن) ⁂

سُشرت کا زمانۂ حیات۔ سُشرت کے زمانۂ حیات و وفات پر تاریکی کا گہرا پردہ پڑا ہوا ہے جسے حال کی تحقیقات بھی نہیں اُٹھا سکیں۔ بعض کا خیال ہے کہ سُشرت۔ چرک سے بھی پہلے ہوا ہے (اس بات سے مجھ کو بھی اتفاق ہے جیسا کہ ابھی بتایا جائیگا) شُشت پتھ براہمن جو ویدوں سے دوسرے درجہ کی کتاب ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنّف سُشرت کے مسائل سے واقف تھا۔ اگرچہ اس کتاب کی صحیح تاریخ تاحال دریافت نہیں ہوئی۔ مگر بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ حضرت مسیحؑ سے چند صدیاں قبل لکھی گئی ہوگی ⁂

کاتیاین کی وارتکائیں جو کہ حضرت مسیحؑ سے چار سو سال قبل کی لکھی ہوئی ہیں۔ اُن میں بھی سُشرت کے نام کا ذکر آیا ہے لیکن بقول پی۔ سی رائے بنگالی مصنف "ہسٹری آف ہندو کیمسٹری" (تاریخ کیمیائے ہندی) اِس نام سے سُشرت سنگھتا کے مصنّف کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کے نزدیک چوتھی صدی قبل مسیح میں سُشرت کا نام محض فسانہ ہوگیا تھا جس سے گمان غالب ہے کہ سُشرت اول بہت صدیاں پہلے ہوا ہوگا۔ اب ہم اس کی قابل قدر تصنیف سُشرت سنگھتا کا حال لکھتے ہیں ⁂

سُشرت سنگھتا۔ یہ معلوم کرنا کہ اصل سُشرت سنگھتا (جس کو وِردھ سُشرت بھی کہتے ہیں) کیسی کتاب تھی ایک نہایت مشکل کام ہے کیونکہ سُشرت سنگھتا جو کہ آج کل دستیاب ہوتی ہے یہ بہت کچھ ترمیم و تجدید شدہ ہے خود سُشرت نے سوترا استھان کے تیسرے ادھیائے کے شروع میں لکھا ہے کہ میں نے اپنی کتاب کو پانچ حصص اور ۱۲۰ ابواب میں منقسم کیا ہے۔ بعض اُتّر تنتر جس کے ۶۶ ادھیائے (ابواب) ہیں یہ سب ناگارجن کے لکھے

ہوئے ہیں۔ بقول ڈِلونہ شارح سُشرت "جے جھٹ اور گیاداس وغیرہ شارحین نے بھی سُشرت سنگھتا میں ترمیم کی ہے۔ لیکن جب ہندو دھرم اور بُدھ مت میں لڑائی چھڑی ہوئی تھی تو سُشرت سنگھتا ترمیم ہوکر زیادہ مستند و معتبر کتاب بن گئی۔ اسے ترمیم کرنے والا ایک مشہور و معروف کیمیادان سِدھ ناگارجن نامی تھا۔ جس نے اس کتاب پر ایک اُتر تنتر کا بھی اضافہ کیا ہے۔ یہ ترمیم شدہ کتاب سُشرت سنگھتا کے نام سے مشہور ہوگئی"۔

کیمیادان سِدھ ناگارجن کو سُشرت کی کتاب کا ترمیم کرنے والا خیال کرتے ہیں درحقیقت ڈِلونہ کو غلط فہمی ہوئی ہے اور اس غلط فہمی نے کئی ایک اور محققین کو بھی اشتباہ میں ڈال دیا ہے کیونکہ یہ سِدھ ناگارجن جس کو ناگارجن ثانی کہنا بجا ہے۔ بقول کویراج کنج لال بھشک رتن انگریزی ترجم سُشرت سنگھتا یہ نویں یا دسویں صدی مسیحی میں ہوا ہے اور اُس نے کتاب مذکور کی ترمیم یا تجدید نہیں کی۔ کیونکہ واگ بھٹ اپنی کتاب اشٹانگ ہردے میں بعض مقامات پر سُشرت سنگھتا کی عبارت نقل کرتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب آٹھویں صدی مسیحی سے بہت پہلے اسی صورت میں تھی۔ نیز مادھو اپنی کتاب ندان میں سُشرت سنگھتا کے اُتر تنتر کی عبارت نقل کرتا ہے۔ اس سے بھی مذکورہ بالا خیال کی تائید ہوتی ہے۔ اور بقول پی۔ سی۔ رائے مصنف ہندو کیمسٹری یہ دونوں کتابیں (اشٹانگ ہردے اور ندان) آٹھویں صدی مسیحی میں خلفائے عباسیہ کے عہد میں عربی میں ترجمہ ہو چکی تھیں۔ لہٰذا اکثر محققین اس بارہ میں متفق ہیں کہ ناگارجن اوّل جس نے کہ سُشرت سنگھتا کی ترمیم کی وہ چوتھی صدی قبل از مسیح کے آخر میں زندہ[1] تھا۔ اور اصلی سُشرت سنگھتا (جس کو ورِدھ سُشرت بھی کہتے) اس سے کم از کم دو صدیاں پہلے لکھی گئی ہوگی۔ اور ناگارجن نے جو اسکی

[1] دیکھو کشمیری تاریخ راج ترنگنی۔ ترنگن اوّل شلوک ۱۷۲ و ۱۷۳ ؀

ترمیم و تنظیم کی ہے۔ اس کا زمانہ کم از کم تقریباً دو صدی قبل از مسیح ہوگا۔ لیکن بعض مغربی محققین ناگارجن اوّل کا تیسری صدی قبل از مسیح کے شروع میں ہونا بتاتے ہیں۔ اور سشرت کو ساکھی منی بُدھ کا ہمعصر قرار دیتے ہیں۔ اور جب اس کتاب کی تاریخ تصنیف کے متعلق خود اسی سے اندرونی شہادت لی جاتی ہے تو اس کی وہ سطر جو کہ شریراستھان میں جنین کے نشوونما کے متعلق ہے یعنی سبھوتی[1] گوتم نے کہا کہ شکم مادر میں سب سے پہلے جنین کا دھڑ بنتا ہے" یہ اس اشتباہ میں ڈالتی ہے کہ یہ کتاب مذہب بُدھ کے آغاز میں لکھی گئی ہے۔ لیکن جب ساتھ ہی شونک[2] وغیرہ کی آراء کا حوالہ پایا جاتا ہے تو پھر اس کتاب کی تصنیف کو زمانۂ بُدھ سے چند صدیاں قبل ماننا پڑتا ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اصلی سشرت سنگھتا اتھروید کے کچھ عرصہ بعد تصنیف ہوئی ہوگی کیونکہ اس میں اور دیگر ویدک عالمان علم الجنین کی آراء کا حوالہ دیا گیا ہے اور جب وقت ناگارجن بُدھی سنتو نے اس کو ترمیم کیا تو اس نے احتراماً اپنے ہمعصر سبھوتی گوتم کی رائے کو بھی اس میں داخل کر دیا۔

سشرت اور بقراط۔ بقراط کے مقولات اور سشرت سنگھتا کے بعض مضامین کے اتفاقاً باہم مطابق ہونے کے سبب کئی ایک مغربی محققین یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قدیم ہندی اطباء یونانیوں کے خوشہ چین تھے بلکہ جرمن کے پروفیسر ہیس نے تو سشرت کے نام کے متعلق بھی عجیب نکتہ سنجی کی ہے وہ کہتا ہے کہ سشرت کا نام عربی نام سقراط سے بگڑ کر بنا ہے اور عرب بعض اوقات سقراط کو بقراط یعنی ہیپوکریٹس کا مترادف مان لیتے ہیں۔ اس لئے

[1] سبھوتی گوتم بُدھ کے خاص چیلوں میں ایک چیلہ تھا۔

[2] شونک۔ بیاس کے شمپر وائے یعنی سلسلہ مریدین میں چھٹا آدمی ہے۔ اس نے اتھروید پر شونک سنگھتا لکھی ہے۔

سکر معصہوسد یا حکیم بقراط یونانی کا ہندی نام ہے۔ نیز بقراط شہر کاس کا باشندہ تھا اور سشرت شہر کاشی یا کاسی کا اس سے بھی پہلے خیال کی تصدیق ہوتی ہے" لیکن یورپ ہی کے دیگر بہتر محقق مورخین ایسے خیالات کی تکذیب و تردید کرتے ہیں اور برخلاف انہیں اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ قدیم یونانیوں نے قدیم ہندوؤں سے بعض علوم میں فیض حاصل کیا ہے۔ چنانچہ مسٹر ویبر اپنی کتاب "ہسٹری آف انڈین لٹریچر" (تاریخ ادبیات ہند) میں لکھتے ہیں کہ حکیم فیثاغورث یونانی نے اپنے علم الاسرار اور مابعد الطبیعات کو ہندی برہمنوں سے حاصل کیا ہے۔ لیکن اگر ان دونو قسم کی روایات کو نظرانداز کر دیا جائے اور اس بات پر ایمان لایا جائے کہ خداوند تبارک و تعالے جو حکیم مطلق اپنی حکمتوں کو اپنے مخلوق کالے گورے ہندی و یونانی ہندوں سب کو سکھلاتا ہے۔ اور جس طرح سے دیگر مضامین مثلاً شاعری وغیرہ میں مختلف اشخاص کو توارد ہوتا ہے یعنی ایک ہی مضمون سوجھتا ہے۔ اسی طرح سے ممکن ہے کہ بقراط اور سشرت کو بھی ایک ہی طرح کے بعض مضامین سوجھے ہوں۔ مثلاً کشش ثقل جس کی دریافت کو فخر یورپ حکیم نیوٹن سے منسوب کیا جاتا ہے یا دوران خون جس کی دریافت کا سہرا ڈاکٹر ہاروے کے سر باندھا جاتا ہے یہ مسائل بھی درحقیقت نیوٹن اور ہاروے کی پیدائش سے بہت پہلے ہندی حکماء کو معلوم تھے چنانچہ بھاؤ مشر نے جو ہاروے سے تقریباً ایک صدی پہلے ہوا ہے اپنی کتاب بھاؤ پرکاش میں مرض پانڈو روگ (انیمیا۔ فقر الدم) کے بیان میں ہاریت سنگھتا سے اقتباس کرتے ہوئے دوران خون کا حوالہ دیا ہے۔ اور سشرت سنگھتا میں بھی اس کا بیان ہے۔

سشرت اور چرک۔ اگرچہ محققین کی عام طور پر یہ رائے ہے کہ چرک سشرت سے پہلے ہوا ہے لیکن پُران اس بات کو ثابت کرتے ہیں سشرت مہاراج دھن ونتری زبانی حکیم و موجد طب کا شاگرد ہے اور جیسا کہ گرڈ پُران

سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاراج دَھَن وَنتَری سَت یُگ کے زمانہ میں ہوئے ہیں اس لئے بدیہی ہے کہ اُن کا شاگرد سُشرت بھی اسی زمانہ میں ہوا ہو۔ اور چونکہ چرک نے خود اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ وہ سرجری یعنی جراحی کے ماہر نہ تھے بلکہ وہ امراض جراحیہ کا علاج بھی ادویہ سے ہی کر لیا کرتے تھے۔ اور چونکہ خود چرک نے (شریر ستھان باب پنجم) شکم مادر میں جنین کے نشو و نما کے متعلق دَھَن وَنتَری کی رائے کا حوالہ دیا ہے یعنی وہی جو کہ سُشرت سنگھتا میں مندرج ہے۔ نیز اس نے اعمال جراحیہ کے متعلق (چکتسا استھان باب پنجم) بھی اپنے شاگردوں کو دھن ونتری کے مقلدین (مدرسہ جراحین۔ جس سے مراد سُشرت اور اُس کے تابعین ہے) کا حوالہ دیا ہے۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سُشرت چرک کا پیش رو تھا یعنی سُشرت۔ چرک سے پہلے ہُوا ہے۔

سُشرت سنگھتا کی شرحیں۔ سُشرت سنگھتا کی قدیم ترین شرح بھانومتی کے نام سے موسوم ہے جس کا لکھنے والا چکر پانی دت ہے جو کہ سنہ ۱۰۶۰ء میں زندہ تھا۔ دوسری شرح نبندھ سنگھرا ہے جو کہ ڈلونہ کی لکھی ہوئی ہے جو کہ راجہ سنہپال دیو کے عہد میں ہوا۔ اس راجہ کی سلطنت متھرا کے قرب و جوار میں واقع تھی ڈلونہ نے اپنے سے پہلے شارحین کی شروح سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اور وہ اس بات کا معترف ہے ان شارحین کے نام حسب ذیل ہیں :-

(۱) سجے جیٹ اچاریہ (۲) گیا داس اچاریہ (۳) بھاسکر اچاریہ (۴) مادھو اچاریہ۔ مگر ان کی صحیح تاریخیں معلوم نہیں۔

نبندھ سنگھرا ٹیکا کے قدیم ترین حوالے دو شخص ہمادری اور واچس پتی دیتے ہیں۔ جو غالباً سنہ ۱۲۶۰ء میں ہوئے اور چونکہ ڈلونہ اچاریہ خود چکر پانی دت کا حوالہ دیتا ہے اس سے بھی پایا جاتا ہے کہ وہ سنہ ۱۰۶۰ء اور سنہ ۱۲۶۰ء کے درمیان ہوا ہوگا۔ بالفاظ دیگر بارھویں صدی عیسوی میں۔ ڈاکٹر ہورنل کا خیال ہے کہ گیا داس کی محولہ بالا شرح کا نام نوتن گرنتھ ٹیکا یعنی نو ترمیم تفسیر تھا۔ اور گیا داس غالباً چکر پانی د

کا معصر ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کی شرح کا حوالہ نہیں دیتا ۔

خلیفہ منصور کے عہد میں یعنی ساتویں صدی مسیحی میں سشرت سنگھتا و چرک سنگھتا کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا۔ ابو محمد زکریا رازی نے اپنی کتاب الحاوی کبیر میں سشرت کا بھی ذکر کیا ہے اور بعض مقامات پر اس کی عبارت نقل کر دی ہے۔ اور بقول ڈاکٹر ہنٹر آٹھویں صدی مسیحی میں سشرت کا لاطانی و جرمنی زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا اور اب تو اس کے انگریزی۔ ہندی و اردو تراجم بھی ہو گئے ہیں اس کا انگریزی ترجمہ کویراج کنج لال بھشگ رتن کا اچھا ترجمہ ہے۔ اس کا ایک اردو ترجمہ ویدراج سرداری لال نے لاہور سے شائع کیا ہے۔ اور ایک اردو ترجمہ جو ایک اور وید صاحب کر رہے ہیں عنقریب شائع ہونے والا ہے ۔

چرک

چرک کو شیش[1] یعنی ہزار سر والے سرپ دیو کا جسے تمام علوم خصوصاً علم طب کا مخزن خیال کیا جاتا ہے اوتار بتایا گیا ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ازمنہ قدیمہ میں سانپ دیوتاؤں کی طرح عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور قدیم ترین زمانے سے مصریوں۔ یونانیوں اور دیگر قدیم قوموں نیز ہندوؤں نے ان کو حکمت اور ابدیت کا نمونہ خیال کیا ہے۔ چنانچہ مصر کے قدیم پادری اپنے آپ کو "سرپ دیو کے پُتر" کے لقب سے ملقب کیا کرتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک بھی سانپ دانائی اور ابدیت کا نمونہ تھا۔ قدیم یونانیوں کا بھی غالباً ایسا ہی عقیدہ تھا کیونکہ اسقلی بیوس (یونانی رب الشفا) کے مجسمات میں اس کے عصا پر سانپ لپٹا ہوا دکھایا جاتا ہے۔ اور اس کی بیٹی ہائی جیا (صحت کی دیوی) کی تصاویر میں بھی اس کے ایک ہاتھ میں سانپ دکھایا جاتا ہے۔ حضرت مسیحؑ سے دو ہزار سال پہلے یہودیوں میں سانپ کی پرستش کی جاتی تھی اور ہندوؤں میں تو اب تک ماہ ساون کی پانچویں تاریخ کو ناگ پنچمی برت (روزہ) رکھا جاتا ہے ۔

[1] شیش کے معنی ہیں غیر فانی یا ابدی چونکہ پرمیشر یا خدا کی ذات کے سوا باقی سب چیزیں فانی ہیں اس لئے شیش کو قدرت کاملہ یا ذات غیر فانی بھی کہتے ہیں ۔

چرک علم وید ک کا ایک مشہور ابتدائی مصنف ہے جس نے ہندی طب پر چرک سنگھتا نامی ایک بہت جامع کتاب لکھی ہے۔ بعض محققین کی تحقیقات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ یہ حکیم بنارس کا نہیں بلکہ کشمیر کا رہنے والا تھا۔

اس کے قبل حکیم آترے کے شاگردوں اگنی ویش۔ بھیل۔ جتوکرن۔ پراشر ہاریت اور کشار پانی کی طبی تصانیف مروج تھیں لیکن چرک نے اگنی ویش کی کتاب کو بہترین تصور کر کے اپنی کتاب چرک سنگھتا کی بنیاد اسی پر رکھی یا بالفاظ دیگر اگنی ویش کی کتاب ندان انجن کو ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا۔

چرک کا زمانۂ حیات۔ یہ دریافت کرنا کہ چرک کس زمانے میں ہوا ہے۔ ایک مشکل بات ہے۔ ہندی محققین کا خیال ہے کہ چرک ابتدائی عالم یا آغاز دنیا میں پیدا ہوا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ پانینی نے اپنی آشٹادھائی (کتاب صرف و نحو سنسکرت) کے باب چہارم میں چرک کا ذکر کیا ہے اور پانینی کی اس کتاب پر پاتنجلی کا بھاش یعنی شرح موجود ہے اور پاتنجلی نے چرک پر بھی شرح لکھی ہے اس سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ پاتنجلی کا زمانہ پانینی کے بعد ہو اور پانینی کا زمانہ چرک کے بعد ہو۔ آریہ شاستروں میں لکھا ہے کہ دنیا کے شروع میں برہما پیدا ہوا۔ اس سے وشسٹ اور وشسٹ سے شکتی اور شکتی سے پراشر اور پراشر سے بیاس (ویاس) پیدا ہوا اور بیاس نے پاتنجلی کے یوگ شاستر پر شرح لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پاتنجلی۔ بیاس سے کچھ پہلے یا اسی زمانے میں ہوا ہے اور بیاس برہما کی پانچویں پشت میں تھا جو زیادہ سے زیادہ دنیا کے آغاز سے تقریباً پانچ سو سال بعد موجود ہوگا۔

لیکن یورپین محققین کا یہ خیال ہے کہ آیوروید۔ اتھروید کا اپ وید (ضمیمہ) ہے۔ اور اتھروید و چرک کے زمانے میں بہت بڑا فاصلہ معلوم ہوتا ہے۔ جس کی وسعت ممکن ہے کہ ہزار سال سے بھی زائد ہو۔ اس لئے کہ اتھروید میں علم طب کا اجمالی ذکر ہے۔ امراض کی تقسیم و تشخیص اور انجام مرض وغیرہ

کے متعلق کوئی بحث نہیں۔ برخلاف ازیں چرک سنگھتا میں ان امور کا تفصیلی
ذکر ہے۔ علاوہ ازیں پاتنجلی جو زمانۂ سلف کے چھ[1] مشہور حکمائے ہند میں
سے ایک ہے اور جس کی طرف یوگ شاستر کی تصنیف منسوب کی جاتی ہے
وہ غالباً دوسری صدی قبل از مسیح میں ہوا ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس
نے بھی اپنے زمانے میں چرک سنگھتا کی ترمیم یا درستی کی تھی۔ جس کی تصدیق
چکرپانی دت اور بھوج کی تحریرات سے ہوتی ہے۔ پس اس سے لازمی نتیجہ
نکلتا ہے کہ چرک پاتنجل کا پیش رو ہے ٭

(نوٹ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ چرک پاتنجلی کا پیش رو ہے۔ لیکن
جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہندی محققین پاتنجلی کا زمانہ حیات اس سے بہت
پہلے کا بتاتے ہیں مؤلف) ٭

ایک فرانسیسی محقق مستشرق یعنی ماہر علوم مشرقیہ نے جس کا نام سلوین
لیوی ہے، چینی ذرائع سے یہ پتہ لگایا ہے کہ چرک کے نام کا ایک طبیب راجہ
کنشکا کا روحانی معلم تھا۔ اور راجۂ مذکور ہندوستان کے اندر غالباً دوسری صدی
مسیحی میں راج کرتا تھا۔ لیوی کا خیال ہے کہ یہی چرک مشہور و معروف
چرک سنگھتا کا مصنف ہے۔ لیکن ہم اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار
نہیں ممکن ہے یہ چرک اور ہو۔ اگر ہم صرف اس نام ہی کا لحاظ رکھیں تو بھی
چرک سنگھتا کا مصنف بہت پرانا ثابت ہو سکتا ہے۔ مثلاً ویدوں میں
چرک کا نام بطور کنیت درج ہے اور پانینی نے اپنی کتاب صرف و نحو میں
لکھا ہے کہ چرکوں یعنی تابعین چرک کو اس کنیت سے پکارنے کا کیا قاعدہ
ہے۔ پھر چرک کی کتاب میں ہندی حکمت یا فلسفہ کی جن دو شاخوں یعنی
نیائے اور ویشیشک کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے

---

[1] ہندوؤں میں چھ بڑے رشی (حکیم) ہوئے ہیں۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں:-
(۱)۔ کپل (۲) پاتنجلی (۳) گوتم (۴) کناد (۵) جیمنی (۶) بیاس ٭

کہ چرک سنگھتا ایسے زمانے میں لکھی گئی ہوگی جس زمانے میں فلسفۂ مذکور کی ابتدا تو ہوگئی تھی مگر اس میں وہ شستگی اور لطافت نہ پائی جاتی تھی جسے ہم واضح اور مدلل سوتروں کی صورت میں گوتم کے نیائے شاستر اور کناد کے ویشیشک شاستر میں دیکھتے ہیں۔ محققین گوتم بدھ کا زمانہ تو پانچ سو برس قبل از مسیح قرار دیتے ہیں اور کناد کا زمانہ اس سے بھی چند صدیاں قبل الغرض اس سے بھی چرک کی قدامت پر مہر لگتی ہے۔ ایک اور بات جو خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ وہ یہ ہے کہ چرک اپنی کتاب میں صرف انہیں دیوتاؤں اور منتروں کا تذکرہ کرتا ہے جو کہ ویدوں میں پائے جاتے ہیں لیکن پرانوں کے دیوتاؤں کا اس میں مطلق ذکر نہیں البتہ ایک مقام پر کرشنا اور واسدیو کا حوالہ ہے۔ لیکن یہ درڑبل والے حصے میں ہے نہ کہ اصلی چرک والے حصے ہیں۔ مزید برآں چرک نے انسانی ڈھانچ میں اتنی ہی ہڈیاں (۳۶۰) گنوائی ہیں جو کہ قدیم ویدک زمانے کی کتابوں میں مندرج ہیں۔ اور سن طفولیت کی بالائی حد تئیس سال قرار دی ہے جو کہ زمانہ شجاعت کے اعتقاد کے مطابق ہے۔ الغرض ان سب باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ چرک بلاشبہ پرانوں سے زیادہ پرانا ہے اور جو یورپین محققین اسے کھینچ تان کر زمانۂ مابعد مسیح میں لاتے ہیں وہ درحقیقت سخت مغالطہ کھاتے ہیں۔ چرک سنگھتا۔ یہ کتاب ہندی طب پر ایک جامع مستند اور معتبر کتاب ہے کہتے ہیں کہ خود چرک اس کتاب کو مکمل نہ کرسکا کیونکہ اس کا آخری حصہ جو ایک ثلث کے قریب ہے وہ کپتی بل کے بیٹے درڑبل کا جو کشمیر کا رہنے والا تھا لکھا ہوا ہے۔ کیونکہ چرک سنگھتا کے آٹھ استھان (حصص) ہیں جن میں سے بقول چکر پانی دت (شارح چرک) چھٹے حصے چکتسا استھان کے سترہ ابواب اور ساتویں (سدھ استھان) و آٹھویں (کلپ استھان) کے تمام ابواب درڑبل کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں (بلکہ خود چرک میں بھی اس کا حوالہ پایا جاتا ہے۔

دیکھو چرک سیدھ استھان باب ۱۲ ۔ اشلوک ۵ ۷ مؤلف) ان حصص کی تیاری میں وِرڈبل خود کہتا ہے کہ میں نے اپنے وقت کی بہت سی موجودہ کتب سے مدد لی ہے۔ پس ممکن ہے کہ اس میں اگنی ویش کی اصل کتاب بھی شامل ہو مگر اس حصہ کے بڑے بڑے ماخذ اشٹانگ ہردے مصنفہ واگ بھٹ اول اور ندان مصنفہ مادھو وغیرہ معلوم ہوتے ہیں۔ وِرڈبل نے چرک سنگھتا کی صرف تکمیل ہی نہیں کی بلکہ اُس نے چرک کے مرتبہ حصہ پر بھی نظرثانی کی ہے۔ چنانچہ چرک کے گیارھویں اور تیرھویں صدی مسیحی کے شارحین مثلاً چکرپانی دت اور وجے رکشت وغیرہ جب چرک سنگھتا کے ابتدائی ابواب کی شرح کرنے لگتے ہیں جو کہ خود چرک کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں تو وہ ایک کشمیری شرح کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔ جس سے اُن کی مراد غالباً اس نظرثانی سے ہے جو وِرڈبل نے چرک کے مرتبہ حصے پر کی تھی۔ مزید براں جب شارحین مذکور چرک سنگھتا کے آخری حصص کا کہیں حوالہ دیتے ہیں تو وِرڈبل کو ان کا مصنف ٹھہراتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت کے طبی مصنفین و مؤلفین خوب جانتے تھے کہ وِرڈبل نے چرک سنگھتا کی تکمیل میں کہاں تک محنت اُٹھائی ہے +

چرک سنگھتا کے تراجم۔ خلفائے عباسیہ کے عہد میں جب بہت سی ویدک کتب کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا اُس وقت چرک سنگھتا بھی کتب مترجمہ میں شامل تھی۔ ابو محمد زکریا رازی نے اپنی کتاب الحاوی اور دیگر کتب میں چرک کا بھی ذکر کیا ہے۔ بلکہ بعض مقامات پر اُس کی عبارت نقل کر دی ہے۔ لیکن یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ چرک کا پہلے پہلوی زبان میں ہی ترجمہ ہوا تھا۔ پھر عبداللہ بن علی نے اُس پر ایک شرح لکھی اور اُس فارسی

ترجمہ کو عربی کا لباس پہنایا گیا۔ بقول ڈاکٹر ہنٹر آٹھویں صدی مسیحی میں چرک اور سسشرت کا لاطینی اور جرمنی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ اور اب انگریزی میں ان کا ترجمہ موجود ہے۔ بلکہ حال میں سردارمی لعل وید راج کی طرف سے چرک کا اُردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے ؎

چرک سنگھتا کی شرحیں۔ چرک سنگھتا پر چکرپانی دت نے ایک شرح لکھی ہے جس کا نام "چرک تات پریے ٹیکا" یعنی "چرک کی شرح" یا "آیوروید دیپکا" یعنی "طب عامہ پر روشنی" ہے۔ اس کا مصنف غالباً سنہ ۱۰۶۰ء میں ہوا تھا۔ یہ شرح مستند ہے۔ مگر سالم نہیں ملتی ناکمل ملتی ہے ؎

دیگر شرحیں (۱) ہیم چندر (۲) ہریس چندر (۳) واسو چندر بھی ہیں لیکن مذکورہ بالا شرحوں کے علاوہ جلپ کلپ تر و نام کی شرح پنڈت گنگا دھر کبیر رتن (بنگال) نے بنائی ہے جو بہت مشکل ہے لیکن اس کا حصہ علاج اچھا ہے۔ مگر اکثر ویدوں کی یہ رائے ہے کہ انہوں نے بعض مقامات پر اشتباہات کئے ہیں ؎

پاتنجلی

یہ ہندوستان کا جلیل القدر فاضل علم کیمیا کا بہت بڑا ماہر تھا۔ پانینی کی اشٹادھیائی کی مہابھاشیہ یعنی شرح لکھنے سے اس کی بہت شہرت ہو گئی تھی غالباً اس متبحر وید کا زمانہ حیات دوسری صدی قبل از مسیح میں تھا۔ شو داس چکرپانی دت کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ پاتنجلی لوہ شاستر یعنی علم الحدید کا یگانہ اُستاد تھا۔ خود چکرپانی دت نے لکھا ہے کہ غالباً اس لایق وید نے بھی چرک

کی اصل کتاب کی اصلاح و ترمیم میں کچھ حصہ لیا ہے ؛
بھوج اپنی کتاب نیائے سُوا تیکا میں پا تنجلی کو طبیب جسمانی و حکیم روحانی کے خطاب سے مخاطب بناتا ہے۔ یہ عالی مرتبہ فاضل ہندوستان کے چھ مشہور اور قدیم حکماء میں سے ہے۔ اور اسے یوگ شاستر کا مصنف مانا گیا ہے۔ اِس کے فلسفۂ یوگ میں بھی علم کیمیا کی جھلک برابر پائی جاتی ہے ؛

ناگارجن

یہ قابل ویدو۔ اصل برہمن لیکن بودھ مذہب کا پیرو تھا اور اس کو ہندو کیمسٹری کے قدیم مشہور ترین مصنفین میں شمار کیا جاتا ہے۔ تاریخی روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فاضل وید اپنے علم و فضل اور مہارت کیمیا کے اعتبار سے شہرت کے آسمان کا روشن ستارہ تھا۔ مذہبی طور پر بعض خارق عادت امور بھی اس کی طرف منسوب کئے جاتے تھے۔ بودھ مذہب کی ادبیات میں بھی جا بجا اِس کا ذکر آیا ہے۔ ذیل میں ہم اس کے مختصر سوانح زندگی درج کرتے ہیں۔ جو بعض تبتی تصانیف اور تارا ناتھ کی "ہسٹری آف بدھ ازم" سے ماخوذ ہیں ؛
وِدر بھ دیش میں ایک دولتمند برہمن رہتا تھا۔ مگر اولاد نرینہ سے محروم تھا۔ اُسے ایک خواب میں معلوم ہوا کہ اگر وہ سو برہمنوں کو کھانا کھلائیگا اور دکشنا دیگا تو اُس کے بے چراغ گھر میں فرزند نرینہ کا دیا روشن ہو جائیگا۔ چنانچہ اُس نے سو برہمنوں کو کھانا کھلایا اور دکشنا دی۔ نیز پرمیشور کے حضور میں دعائیں اور التجائیں کرتا رہا یہاں تک کہ دس ماہ گذر نے پر اُس کے دل کی مُراد بر آئی۔ برہمن مذکور نے بڑے بڑے وِدوان (عالم) پنڈت اور جوتشی بلوائے

اور اُنہیں اپنے بیٹے کی جنم پتری یا زائچہ بنانے پر مامور کیا۔ اُنہوں نے حساب لگا کر بتایا کہ یہ لڑکا ویسے تو صاحب نصیب ہے مگر سات دن سے زیادہ زندہ نہ رہیگا۔ یہ سُن کر والدین پر رنج و غم اور مایوسی کی گھٹا چھا گئی۔ مگر جوتشیوں نے پھر سے حساب لگا کر بتایا کہ اگر سو بھُوکوں کو اور کھانا کھلایا جائے تو بچہ سات سال تک زندہ رہ سکیگا۔ اور اس کے بعد موت اٹل ہے۔ چنانچہ والدین نے ایسا ہی کیا۔ جب ساتواں سال اختتام کے قریب پُہنچا تو والدین پر پھر رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور اُنہوں نے کچھ عرصہ کے لئے چند خدمتگاروں کے ساتھ اپنے لختِ جگر کو کسی جنگل میں بھیج دیا تاکہ اُس کی بے وقت موت کا ہیبتناک نظارہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں ۔

اِس طرح سے وہ لڑکا (ناگارجن) اپنی زندگی کے آخری ایام پورے کر رہا تھا کہ ایک دن مہا بُدھی ستو بھیس بدل کر اُسے ملا اور کہا کہ اگر تم موت کے پنجے سے بچنا چاہتے ہو تو مگدھ دیش کے اندر نالندرہ کے مندر میں چلے جاؤ۔ چنانچہ ناگارجن اُس مشہور و معروف واہڑہ کی طرف چلا گیا اور مندر کے دروازے پر پُہنچ کر اُس نے چند گیت گائے۔ اُس وقت نالندرہ کا گدی نشین مہنت شری سَرو بُھدر تھا اُس نے ناگارجن کو واہڑہ بھکشو بنا دیا۔ مہنت مذکور کی آخری عمر میں ملک کے اندر سخت کال پڑا جس کی وجہ سے مندر کے مہنت بھی آشفتہ حال ہونے لگے منتظمین کو سخت فکر لاحق ہوئی کہ اس آسمانی مصیبت کا کیا علاج کریں۔ کھانے کی چیزیں جان سے بھی زیادہ مہنگی ہوگئیں اور روپے کی قلت نے منتظمین کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ کسی نہ کسی طرح وافر روپیہ جمع کریں اور مندر کے متعلقین کو فقر و فاقہ سے بچائیں۔ چنانچہ اس خیال کو لیکر اُنہوں نے ناگارجن کو آمادہ کیا کہ سمندر کے ایک جزیرہ میں جائے۔ جہاں ایک سن رسیدہ

کیمیا گر ہے اُس سے تمام وکمال علم کیمیا سیکھ کر واپس آئے۔ جزیرہ مذکور ایسی جگہ واقع تھا کہ وہاں تک اُس کیمیا گر کے سوا کسی کی رسائی دشوار تھی۔ مگر ناگارجن نے اپنے علم کی طفیل ایک جادو کے درخت سے دو پتّے توڑ لئے اور اُن پر بیٹھ کر سمندر کو عبور کرتا ہوا جزیرہ میں جا پہنچا۔ کیمیا گر اُس کو دیکھ کر سخت متعجب ہوا۔ کیونکہ اُس کا مسکن عام انسانوں کی دسترس سے پرے تھا۔

بزرگ کیمیا گر نے ناگارجن سے پوچھا کہ وہ کس طرح جزیرہ میں پہنچا۔ اُس نے اصل واقعہ سُنا دیا اور اُس کے ساتھ ہی نہایت ادب سے اپنے آنے کی غرض وغایت بھی کہدی۔ جادو کے دو پتّے جو اُس کے پاس تھے اُن میں سے ایک اُسے دکھلایا دوسرا کشکول میں چھپائے رکھا۔ پھر موقع پاکر ناگارجن نے عرض کی کہ اُسے کیمیا کی وِدیا (علم) سکھلا دی جائے۔ بُڈھا کیمیا گر اس پر تو راضی ہو گیا لیکن اُس نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ کیمیا کا علم سیکھ کر جزیرہ مذکور سے واپس چلا جائے اور دوسروں کو بھی اس فن سے واقف بنائے۔ چنانچہ اُس نے خیال کیا اگر میں ناگارجن سے جادو کا پتّہ لے لوں گا۔ تو وہ ہرگز واپس جانے کے قابل نہیں رہیگا۔ اِس بنا پر اُس نے شرط لگادی کہ اگر ناگارجن جادو کا پتّہ دے دے تو کیمیا کی ودّیا (علم) سیکھ سکتا ہے۔ ودّیا کے خواہشمند نے اس شرط کو قبول کر لیا اور سیکھتا رہا۔ جب اُسے کیمیا میں اعلےٰ درجہ کی مہارت حاصل ہوگئی تو دوسرے پتّے کی مدد سے جو چھپا رکھا تھا اپنے وطن کو واپس آگیا۔ اور اُس نے سونا بنا بنا کر بہت سی دولت جمع کر لی اور قحط کے دنوں میں تمام بھکشوں کی پرورش کرتا رہا۔ اُس نے بہت سے مناور ومعابد بنوائے اور طبیعیات۔ ویدک۔ نجوم اور کیمیا وغیرہ علوم پر

پر اکثر کتابیں لکھیں۔ جب سرو بھدر کا انتقال ہوا تو یہ جلیل القدر منصب ناگارجن کو ہی تفویض کیا گیا۔ جسے اُس نے نہایت قابلیت اور تن دہی کے ساتھ نباہا۔ اسی اثناء میں اُس نے فلسفہ کی تکمیل بھی کی ؎

اِس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ناگارجن جہاں وید ک۔ نجوم اور کیمیا گری میں یکتا تھا وہاں سحر او شعبدہ بازی میں بھی ید طولےٰ رکھتا تھا۔ رس رتن سمُوچے میں اُسے زمانہ قدیم کے "۲۷ کیمیا گروں میں سے ایک شمار کیا گیا ہے۔ "رس رتناکر" "اروگیہ منجری" اور "ککشاپٹ" وغیرہ اُس کی قابل قدر تصانیف میں سے ہیں ؎

بقول وِٹرندہ ناگارجن پہلا شخص ہے جس نے کجلی کا رواج ڈالا۔ اعمال تقطیر و تکلیس کا موجد بھی یہی مانا جاتا ہے۔ چکر پانی دت نے تحریق آہن میں اُس کی قابلیت کا لوہا مانا ہے ؎

ایک عربی مورخ البیرونی جو ۱۰۱۷ء سے ۱۰۳۰ء تک ہندوستان میں مقیم رہا۔ لکھتا ہے کہ "ناگارجن کیمیا گری میں طاق و شہرۂ آفاق اور سومنات کے قریب ایک گاؤں دیہک کا باشندہ تھا۔ اُس نے فن کیمیا گری پر ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی لیکن وہ نادر الوجود ہوگئی ہے۔ غالباً وہ مجھ سے ایک صدی پہلے ہوا ؎

لیکن البیرونی کا یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اول البیرونی ہندوستان کے شمالی مغربی حصہ میں رہا اور اُن روائیتوں کو جمع کرتا رہا جو زبان زد خلائق تھیں۔ لیکن اُس وقت اُس نواح میں بُدھ مذہب کا نام ونشان تک مٹ چکا تھا۔ اور صحیح صحیح واقعات کا دستیاب ہونا سخت مشکل

ہوگیا تھا۔ اِس کے علاوہ "ہیون سانگ" چینی سیّاح کی روایت سے
بھی اس بیان کی تکذیب ہوتی ہے یہ سیّاح ۶۲۹ء سے کئی برس بعد تک
ہندوستان کے ایسے صوبہ میں مقیم رہا جو بُدھ مذہب کا گہوارہ تھا۔ اُس نے
ناگارجن کے متعلق صحیح یادداشتیں قلمبند کی ہیں اُس کی علمیت و فضیلت
کی بہت تعریف و توصیف کی ہے۔ اور اُسے راجہ ست واہن کا مقرب
بتلایا ہے۔ یہ راجہ علاقہ کوشالہ پر حکمران تھا جو اُڑیسہ کے جنوب مغرب میں
واقع اور دریائے مہاندی کے بالائی سرچشموں سے سیراب ہوتا ہے؛
لیکن اُس کا عہد حکومت صحت کے ساتھ مشخص نہیں ہوتا۔ ست واہن۔
سا۔ واہن۔ شالی واہن۔ یا شت واہن وغیرہ علے الاختلاف اللغات۔
خاندانی خطاب معلوم ہوتا ہے اور بعض ذرائع سے پتہ ملتا ہے کہ اس خطاب
کے راجے ۷۳ برس قبل مسیح سے ۲۱۸ء تک دکن کی سرزمین پر
حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک ست واہن جس کا خاص
نام غالباً "یجّن شری ست کرنی" تھا شاید ۱۷۲ء سے ۲۰۲ء تک
دکن کے تخت پر متمکن رہا اور یہی راجہ ناگارجن کا ہمعصر معلوم ہوتا
ہے۔ سنسکرت کے علم ادب میں اسے علوم و فنون کا مُربّی بتلایا گیا
ہے۔ ناگارجن نے اپنا مکالمہ راجہ مذکور کے ساتھ "رس رتناکر" میں
لکھا ہے۔ جس میں زیادہ تر کیمیا ہی کے متعلق گفتگو ہے۔ اِس ماہر
کیمیاگر کی ایک اور اہم تحریر دوستانہ رقعہ کی صورت میں ہے۔
جو راجہ ست واہن کے نام لکھا گیا تھا اور جس کا نام سنسکرت
میں "سوہر دلیکھ" ہے۔ لیکن اس کا وجود مفقود ہے۔ البتہ
چینی اور تبتی زبانوں میں اس کے تراجم پائے جاتے ہیں۔

ناگارجن کی ایک سوانح عمری چینی زبان میں بھی لکھی گئی ہے۔ جس کی تاریخ ۴۰۱ء یا ۴۰۹ء ہے۔

کشمیری تاریخ یعنی "راج ترنگنی" میں لکھا ہے کہ ناگارجن راجہ کنشکا کا ہمعصر تھا۔ یہ راجہ کشمیر کے ایک حصہ پر راج کرتا تھا اور غالباً بدھ کے راج پاٹ چھوڑنے کے ۱۵۰ برس بعد پیدا ہوا تھا۔ لیکن راجہ کنشکا کا عہد حکومت ایک مختلف فیہ امر ہے اور "راج ترنگنی" کی تاریخ صحیح نہیں۔ اکثر محققین کا اجتماع اس بات پر ہے کہ راجہ مذکور کا عہد حکومت بدھ کے نروان حاصل کرنے کے ۴۰۰ برس بعد شروع ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا واقعات کی بناء پر زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ناگارجن کا زمانہ حیات دوسری صدی مسیحی کو قرار دیا جائے یا یوں کہا جائے کہ وہ ۱۵۰ء کے قریب مندر نالندرہ کی گدی پر متمکن ہوا۔

ہندی مصنفین میں ایک اور روایت بھی مشہور ہے۔ وہ یہ کہ سشرت کی کتاب کو نیا جامہ پہنانے والا ناگارجن ہی تھا۔ جس کی تصدیق سشرت سنگھتا کے ایک شارح ڈلونہ نامی کی تحریر سے یوں ہوتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "جب بدھ مت اور ہندو دھرم میں لڑائی شروع تھی۔ اس وقت سشرت کی کتاب نے ترمیم و اصلاح کے بعد ایک مشرح اور مستحسن صورت اختیار کی اور اس کا ترمیم و شرح کرنے والا ایک بدھ کیمیا دان ناگارجن نامی تھا۔ جس نے کتاب مذکور پر اُتر تنتر یعنی ضمیمہ کا اضافہ بھی کیا اور اس وقت سے اس کا نام سشرت سنگھتا قرار پا گیا"۔

ممکن ہے کہ وِنٹرنِٹز کا خیال صحیح ہو۔ اس امکان کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ سُشرت سنگھتا پر کچھ اضافہ کرنا ناگارجن جیسے ہمہ داں شخص ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ ڈاکٹر ہورنل بھی موجودہ سشرت سنگھتا کی اندرونی شہادت سے پتہ لگاتا ہے کہ کتاب مذکور دوسری صدی مسیحی میں ترمیم ہوئی ہے"۔

لیکن یہاں ایک اور شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ناگارجن کو کیمسٹری اور اس کے اعمال میں جو کمال حاصل تھا اُس کی کوئی جھلک سشرت اور چرک کی کتابوں میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ یہ دونوں کتابیں اُس کے زمانے میں یا اُس کے بعد نئے قالب میں آئی ہیں (نوٹ۔ اس لئے جیسا کہ سشرت سنگھتا کے بیان میں (صفحہ ۸۲۹) تحریر کیا جا چکا ہے درحقیقت دو ناگارجن ہوئے ہیں۔ ایک تو دوسری یا تیسری صدی قبل از مسیح ہوا ہے جس نے سشرت سنگھتا کی ترمیم کی اور دوسرا یہ کیمیا دان ناگارجن ہوا ہے جس کو بعض محققین نے نویں یا دسویں صدی مسیحی میں لکھا ہے۔ مؤلف)۔

ناگارجن کو ہندی رسائن کا کامل ماہر سمجھا جاتا ہے اور جابجا کیمیا کے اعمال میں اُس کا حوالہ آتا ہے۔ علاوہ ازیں بعض عجیب و غریب باتیں اُس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ ایک انگریز محقق اُس کی کیمیا دانی کی ان الفاظ میں تعریف کرتا ہے "ناگارجن بُدھ مذہب کا پیرو اور دواؤں کو مرکب کرنے میں بہت مشاق تھا۔ اُس نے ٹکیہ یا گولی کی صورت میں ایک دوا بنائی تھی جس سے اُس کی عمر کا پیمانہ کئی سو سال بڑھ گیا۔ اس پر طرہ یہ کہ قوائے دماغی و جسمانی میں سرمو فرق نہ آیا۔ راجہ ست واہن نے بھی اس رسائن یا اکسیر سے حصہ لیا تھا"۔

پھر ایک مقام پر یوں لکھا ہے کہ "ناگارجن نے تمام بڑے بڑے پتھروں کو ایک عجیب و غریب اور اعلےٰ مطبوخ میں ڈبو کر سونے میں تبدیل کر دیا"۔

ناگارجن کے زمانے میں ہندوستان کے طول و عرض میں ہسپتال اور شفا خانے قائم ہو رہے تھے۔ اور پتھروں کے مینار بھی نصب کئے جاتے تھے جن پر خاص خاص امراض کے نسخے کندہ کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ان میں بمقام پاٹلی پتر یعنی پٹنہ میں

بھی ایک ایسا مینار نصب تھا جس پر بقول چکرپانی دت اور ورندہ ناگارجن نے سرمہ کا ایک عمدہ نسخہ کندہ کرایا تھا +

بریدھ واگ بھٹ

واگ بھٹ اوّل چرک اور سشرت کے بعد ہندی طب کا قابل استاد اور ماہر مصنف مانا جاتا ہے۔ یہ سندھ کا باشندہ ہے۔ دکن کے بعض حصص میں جب مرور زمانہ نے چرک اور سشرت کی یاد کو کسی قدر محو کر دیا تو واگ بھٹ اوّل کو علم الابدان کا ملہم سمجھا جاتا تھا +

اس کے زمانے میں "چرک سنگھتا" غیر مکمل حالت میں تھی لیکن "سشرت سنگھتا" کے ساتھ "اُتّر تنتر" کا ضمیمہ شامل ہو گیا تھا۔ اس مستند وید نے امراض چشم کا حال سشرت سنگھتا کے طرز پر لکھا ہے۔ اور چرک سنگھتا میں ویسا بالکل ذکر نہیں اس فاضل وید کی تصنیف جو ملک میں فی زمانہ رائج ہے "اشٹنگ ہردے" کے نام سے مشہور ہے۔ جس کے لفظی معنے "آیور وید کے آٹھ اعضا کا دل" یا دوسرے الفاظ میں "آٹھ حصوں کا لب لباب" ہیں۔ مصنف کا اصلی منشاء اس کتاب کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ رائج الوقت طریقہائے علاج کو باہمی اختلافات سے پاک اور ملا کر ایک بنا دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر محققین "اشٹنگ ہردے" کو طبعزاد تصنیف کا درجہ نہیں دیتے۔ بلکہ اُن کی رائے ہے کہ اس نے چرک و سشرت کی کتابوں سے علے الخصوص اور "بھیل" و "ہاریت" کی کتابوں سے علے العموم خوشہ چینی کی ہے اور جرّاحی کے متعلق چند ترمیمات کے سوا کوئی خاص اضافہ نہیں کیا +

اس میں شک نہیں کہ اس کتاب میں امراض چشم کی تقسیم ایک نئے طریق پر کی گئی ہے۔ نیز معدنی مرکبات کا استعمال نباتی ادویہ کے پہلو بہ پہلو بتایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک مقام پر ضمناً سیماب کا بھی ذکر ہے جس سے صاف طور پر

پارہ کے کسی مُرکّب کی طرف اشارہ نہیں پایا جاتا۔ البتہ چند معدنی ادویہ کا تذکرہ اس انداز سے موجود ہے جس سے اس امر پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ کہ واگ بھٹ اوّل کیمیاوی اعمال کا ماہر اور اُن کا سب سے پہلا رواج دینے والا تھا۔ "اشٹنگ ہردے" کا مُصنّف اُس کے ابتدائی سلام میں بُودھ یا اُس کی کسی مورتی کو مخاطب کرتا ہے اور اس سے اُس کے عقائد پر کسی حد تک ضرور روشنی پڑتی ہے۔ جنوبی ہندوستان کے ذی علم پنڈتوں میں یہ روایت عام طور پر مشہور ہے کہ واگ بھٹ اوّل اوائل میں برہمن تھا۔ لیکن ایک بدھ پروہت کی ترغیب پر اپنی عمر کے آخری حصّہ میں بُدھ کا پیرو ہوگیا۔ اُس کی کتاب کے مُطالعہ سے بھی بُدھ مذہب کی طرف اُس کا رجحان پایا جاتا ہے۔

اس لائق وید کا زمانہ اگرچہ بہت کچھ مختلف فیہ ہے، لیکن اس قدر مسلّم ہے کہ چرک اور سشرت کے بعد ہوا ہے۔ کیونکہ اُس کی تالیف "اشٹنگ ہردے" میں چرک سنگھتا اور سشرت سنگھتا کے صرف حوالے ہی نہیں بلکہ بعض عبارتیں بلفظہا موجود ہیں۔ موجودہ سشرت سنگھتا کا ضمیمہ بھی اس سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ اشٹنگ ہردے میں امراض چشم کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ عام طور پر موجودہ سشرت سنگھتا سے ملتا جُلتا ہے۔ امراض کی تقسیم کے سوا کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ واگ بھٹ نے آنکھ کی بیماریوں کی تعداد ۹۴ بتائی ہے۔ مگر سشرت کے اُتر تنتر میں ۷۶ لکھی ہے۔ اور یہی تعداد نسبتہً زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اگر ناگارجن کا زمانہ دوسری صدی عیسوی قرار دیا جائے تو چونکہ واگ بھٹ اُس سے کئی صدیاں پیچھے ہوا ہے اس لئے غالباً اُس کا زمانہ ساتویں صدی مسیحی کے آغاز میں ہوگا۔ ایک بودھ مذہب چینی جاتری آئی تسنگ نامی جو ۶۷۵ء سے ۶۸۵ء تک نالندہ کے مندر واقع صوبہ بہار میں مقیم رہا۔ اپنی ایک کتاب "رسوم و رواجات بدھ مذہب" میں لکھتا ہے کہ "ہندی طب کی آٹھ شاخیں جو پہلے آٹھ

مختلف کتابوں میں موجود تھیں تھوڑا عرصہ ہوا کہ ایک شخص نے اُن کا بہترین نچوڑ ایک کتاب کی صورت میں جمع کر دیا ہے۔ اور ہندوستان کے پانچوں حصوں (تمام ملک) میں اسی کتاب کو دستور العمل سمجھا جاتا ہے"۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ واگ بھٹ کی کتاب ہندی طب کی آٹھوں شاخوں کا مجموعہ ہے تو یہی ماننا پڑتا ہے کہ چینی جاتری آئتسنگ کا اشٹنگ ہردے ہی کی جانب اشارہ ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو یقیناً واگ بھٹ اور آئتسنگ کے درمیان کوئی طویل زمانہ حائل نہ تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان دونوں کی اثناء مدت کو بہت قلیل بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اشٹنگ ہردے کے تیار ہونے اور تمام ہندوستان میں پھیل کر مستند سمجھے جانے کے لئے برسوں درکار ہیں۔ فی الجملہ واگ بھٹ اوّل کا زمانۂ حیات تقریباً ۶۲۵ء قرار دینا زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

اس خیال کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ناگارجن کے بعد تشریح وجرّاحی کا جو متزائد انحطاط شروع ہوا۔ اور جس کی شہادت سشرت سنگھتا کے بعد کی تمام مولّفات سے ملتی ہے۔ واگ بھٹ بھی اُس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اگر بدن کی ہڈیوں کے بحث میں سشرت سنگھتا اور اشٹنگ ہردے کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ اوّل الذکر کے مصنّف کو استخوانی ڈھانچ سے حیرت انگیز واقفیت تھی مگر بخلاف ازیں مُؤخّر الذّکر کے مصنّف کا طرز بیان اغلاط اور متضاد خیالات سے مملو ہے جس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کے زمانے میں عملی تشریح کا سیکھنا سکھانا تقریباً بند ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس کے چند سو سال بعد جب واگ بھٹ ثانی نے اپنی سنگھتا مرتّب کی تو اس نے ہڈیوں کی بابت صرف اسی قدر بیان پر اکتفا کی کہ جسم انسان میں کل ۳۶۰ ہڈیاں ہیں۔ آخر تشریح کی جانب سے اس بے التفاتی کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو امراض جرّاحی طریق پر علاج پذیر ہو سکتے ہیں اُن کی طرف معالجین کو توجہ نہ رہی۔

سشرت سنگھتا میں اُنتر تنتر کے اندر موتیا بند کا عمل خاص طور پر شرح وبسط

کے ساتھ درج ہے۔ لیکن اشٹنگ ہردے میں اس ضروری مبحث کو چنداں اہمیت نہیں دی گئی۔ اور بعد کے مؤلفین مثلاً مادھو۔ درڈبل اور واگ بھٹ ثانی وغیرہ نے تو اس قسم کے عملیات جراحیہ کا ذکر تک نہیں کیا۔ ان آخرالذکر مؤلفوں کے زمانہائے حیات ساتویں صدی مسیحی سے لیکر نویں صدی مسیحی تک ہیں۔ اور واگ بھٹ اوّل۔ ناگارجن نیز مذکورۂ بالا تینوں مؤلفوں کے درمیانی زمانے میں ہوا ہے۔ لیکن واگ بھٹ کا زمانہ ناگارجن کے مقابلہ میں مؤلفین مذکور کے زیادہ قریب ہے۔ ان امور کی تطبیق سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ واگ بھٹ اوّل ساتویں صدی مسیحی کے آخر میں ہوا ہے ؛

ایک محقق گنتی کا خیال ہے کہ یہ لائق وید مسیح سے دوسو برس پہلے ہوا۔ اسی طرح راج ترنگنی میں لکھا ہے کہ واگ بھٹ مذکور راجہ جے سنگھ (۱۱۹۶ء ۱۲۱۸ء) کے عہد میں موجود تھا۔ مگر یہ دونوں اقوال پایۂ صداقت سے گرے ہوئے ہیں۔ راج ترنگنی کا بیان اس بناء پر بھی ناقابل اعتبار ہے کہ اس کے ایک انگریزی ترجمہ میں جو سٹین صاحب نے کیا ہے۔ اس کا مطلق ذکر نہیں ؛

مادھو

اس کو مادھوکر بھی کہتے ہیں۔ مادھو یا مادھوکر کتاب "مادھو ندان" کا (جس پر چکرپانی دت نے اپنی کتاب شرح چرک کی بنیاد رکھی ہے) مصنف ہے۔ جو علم تشخیص پر اب تک ایک مستند تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ یہ عالی دماغ وید درڈبل سے پہلے ہوا ہے اور اس کی تصدیق دو امور سے ہوتی ہے (۱) امراض چشم کے شمار کرنے کا طریق۔ یعنی ناگارجن نے آنکھوں کی بیماریوں کی تعداد ۷۶ بتلائی ہے اور واگ بھٹ اوّل نے انہیں بیماریوں کو نئے طریق پر تقسیم کرنے سے ۹۴ بتلایا ہے۔ مادھو سشرت ثانی کی جماعت بندی کو واجب التسلیم قرار دیتے ہوئے پلکوں کی دو بیماریاں بڑھا کر امراض چشم کی تعداد ۷۸ لکھتا ہے۔ واگ بھٹ ثانی

واگ بھٹ اول کی تقسیم کو صحیح مانتا ہے۔ مگر وریڈبل ان سب کی اوسط نکال کر امراض چشم کی تعداد ۹۶ ٹھیرا تا ہے۔ یہ امر متحقق نہیں ہو کہ وہ ان سب سے مختلف نتیجہ پر کیونکر پہنچا۔ غالباً اُس نے واگ بھٹ کی تعداد ۹۴ کو جو ناگارجن کی تعداد ۷۶ سے مطابقت رکھتی ہے۔ پیش نظر رکھکر دو بیماریاں پلکوں کی جن کا مادھو نے ذکر کیا ہے بڑھا لیں۔ اس سے بدیہی طور پر ثابت ہے کہ مادھو۔ وریڈبل کا پیش رو ہے۔ (۲) چرک سنگھتا کے کشمیری نسخہ کے متعلق۔ یعنی وجے رکشت مادھوندان کی شرح موسومہ بہ مدھوکوش میں بعض ایسے جملوں کی شرح کرتا ہے جو مادھو نے اصل چرک سنگھتا میں سے لئے ہیں اور وہی جملے موجودہ چرک سنگھتا کے کشمیری نسخہ میں اختلاف کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ مادھو نے جن جملات کو لکھا ہے وہ چرک کے اپنے لکھے ہوئے ہونگے اور اُس وقت وریڈبل نے چرک سنگھتا کی نظر ثانی نہ کی ہوگی ؛

یہ بالکل صحیح ہے کہ مذکورہ بالا استدلالات کی زنجیر میں ہر ایک کڑی یقینی طور پر مضبوط نہیں تاہم گمان غالب یہی ہے کہ مادھو۔ وریڈبل اور واگ بھٹ ثانی کے پہلے ہوا ہے۔ اس کے علاوہ خلفاے عباسیہ کے عہد میں "ندان" کا ترجمہ ہونے سے بھی یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتا ہے کہ مادھو کی کتاب آٹھویں صدی مسیحی میں ضرور موجود تھی۔ اگرچہ اس سے پہلے کی نسبت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ غرضکہ اس بات پر محققین کا اتفاق ہے کہ مادھو ساتویں یا آٹھویں صدی عیسوی میں گزرا ہے ؛

"ندان" کی دو شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں سے ایک کا نام "مدھوکوش" (شہد کا مخزن) ہے یہ شرح وجے رکشک اور اُس کے شاگرد شری کنٹھ دت کی مشترکہ محنت کا نتیجہ ہے۔ دوسری شرح "آتنک درپن" (آئینۂ امراض) ہے جسے واچسپتی نے مرتب کیا ہے۔ موخر الذکر شارح نے اپنی شرح کی تحریر میں مدھوکوش سے بہت کچھ مدد لی ہے جس کا وہ خود بھی معترف ہے۔ وجے رکشک غالباً

سنہ ۱۲۴۲ء میں ہوا ہے اور واپس پہنچی سنہ ۱۲۶۷ء میں ؀

دَرِڑبَل

یہ ہندی حکیم کشمیر کا باشندہ تھا۔ اور اس کے باپ کا نام حکیم کپی پل تھا۔ وہ خود اپنی سکونت کی نسبت چرک سنگھتا کے آٹھویں ستھان کے انجام پر کہتا ہے کہ "میں پنچندہ (پانچ ندیوں کے جائے اتّصال) کا رہنے والا ہوں۔ ہندوستان میں دریاؤں کے اتّصال کی جگہ کو متبرّک خیال کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر ایسے مقامات پر تیرتھ بنا لئے جاتے ہیں۔ اور جہاں کہیں دو یا زیادہ دریا ملتے ہوں اُسے پنچندہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت بھی ملک بھر میں کئی ایک پنچندہ پائے جائینگے۔ زمانۂ قدیم میں ایک پنچندہ دریائے جہلم اور سندھ کے مقام اتّصال پر واقع تھا جسے زمانے کے زبردست ہاتھ نے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جہاں آجکل پانترنیور کا گاؤں واقع ہے۔ اسی جگہ پر کسی زمانے میں پنچندہ تھا۔ پانترنیور کے لفظی معنے بھی پانچ ندیوں کے ہیں۔ موضع مذکور ان دونوں دریاؤں کے قدیم مقام اتّصال کے بالکل قریب واقع ہے۔ شاید نویں صدی کے دوسرے نصف کے بعد دریاؤں کی رُخ گردانی سے مقام اتّصال بدل گیا تھا۔ اُس زمانے میں وہاں راجہ روانتی ورمن کا راج تھا۔ غالباً دَرِڑبل اسی پُرانے پنچندہ کا باشندہ تھا ؀

چرک اپنی کتاب کو غیر مکمّل حالت میں چھوڑ گیا تھا۔ کئی سو سال بعد دَرِڑبل نے اُس کی تکمیل کی۔ موجودہ چرک سنگھتا آٹھ ستھانوں پر مشتمل ہے جن میں سے بقول چکرپانی دت چھٹے ستھان کے سترہ باب نیز ساتواں اور آٹھواں ستھان بتمامہ دَرِڑبل سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ اس فاضل وید نے چرک سنگھتا کو نئے قالب میں ڈھالتے وقت متعدد موجودہ کتابوں سے مدد لی ہے۔ ممکن ہے کہ اُس وقت جبکہ وہ اس کام میں مصروف تھا اگنی ویش کی اصل کتاب بھی موجود

ہو مگر اُس کے سب سے بڑے مآخذ "اشٹانگ ہردے" مؤلفہ واگ بھٹ اوّل اور "ندان" مولفہ مادھو معلوم ہوتے ہیں۔ چرک سنگھتا کے باقی حصہ کی تکمیل کے علاوہ دَرِڑبل نے اُس حصۂ کتاب پر بھی نظر ثانی کی جو خود چرک نے لکھا تھا۔ مگر اس زمانے میں عام طور پر درڑبل کی محنت کی کوئی داد نہیں دیتا اور موجودہ چرک سنگھتا کو چرک ہی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

اس بات کے معلوم ہونے کے بعد کہ چرک سنگھتا کی تکمیل میں "اشٹانگ ہردے" اور "مادھوندان" سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ یہ امر صاف طور پر متحقق ہو جاتا ہے کہ دَرِڑبل واگ بھٹ اوّل اور مادھو کے بعد ہوا ہے۔ اور واگ بھٹ ثانی سے پہلے۔ واگ بھٹ ثانی اپنی کتاب "اشٹانگ ہردے سنگھتا" میں سوترستھان کے اندر لکھتا ہے کہ چرک سنگھتا میں سشرت سنگھتا کی نسبت امراضِ چشم کو زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ نہیں لکھا گیا۔ امراض مذکور درڑبل کے لکھے ہوئے حصہ میں آئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چرک سنگھتا واگ بھٹ ثانی سے پہلے مکمل ہو چکی تھی۔ قطع نظر اس سے واگ بھٹ ثانی بعض اوقات درڑبل کے اُن اشعار کا تتبع کرتا ہے۔ جن میں موخر الذکر نے واگ بھٹ اول کے چند مضامین شعر کو نظم کیا ہے۔ اس کے علاوہ اَرُن دت واگ بھٹ ثانی کی شرح میں بالوضاحت لکھتا ہے کہ دَرِڑبل کی مکمل کردہ چرک سنگھتا سے واگ بھٹ ثانی نے ایک شعر اخذ کیا ہے جس سے معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔

شعر یعنی شلوک مذکور دربارۂ علاج اسہال ازمن چرک سنگھتا کے اُنیسویں باب کے شروع میں ہے۔ اس میں درڑبل نے واگ بھٹ اوّل کی کتاب کے حصہ جراحیہ میں سے ایک مضمون کو لیکر نظم کی صورت میں مختصر بنا یا ہے۔ چونکہ شلوک مذکور میں واگ بھٹ اوّل کی بعض مستعملہ اصطلاحات اور محاورات بعینہ موجود ہیں۔ اس لئے اس میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ درڑبل نے مضمون مذکور واگ بھٹ اوّل سے مستعار لیا تھا۔ پھر واگ بھٹ ثانی کے محض درڑبل کے

اشعار کو پیش نظر رکھکر اُن کا خلاصہ اپنی کتاب میں درج کرنا ظاہر ہے کیونکہ اُس میں واگ بھٹ اوّل کے مصطلحات اور خاص محاورات نہیں ملتے۔ برعکس اس کے وِرِنڈبل کے تین اشعار (شلوک) جن میں سے ایک مذکورہ بالا شلوک بھی ہے۔ واگ بھٹ ثانی کی کتاب میں بلاکم وکاست موجود ہیں ٭

محققین کا قول ہے کہ مادھو۔ ساتویں یا آٹھویں صدی مسیحی میں گزرا ہے اور واگ بھٹ ثانی آٹھویں یا نویں صدی میں ہوا ہے مگر وِرِنڈبل ان دونوں کے درمیانی زمانے میں۔ بہرحال ان تمام خیالات کی بنا پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں مؤلفین ساتویں سے نویں صدی مسیحی تک یکے بعد دیگرے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان کوئی طویل عرصہ نہیں گزرا ٭

واگ بھٹ ثانی

واگ بھٹ اوّل کے کئی سو سال بعد واگ بھٹ ثانی پیدا ہوا۔ اس نے بھی اپنے پیشرو ہمنام کی طرح اشٹنگ ہردے کی طرز پر ایک کتاب تالیف کی۔ چونکہ یہ بھی ویسی ہی خلاصۃ الطب تھی۔ اس لئے اُس کا نام بھی اشٹنگ ہردے سنگھتا رکھا گیا۔ واگ بھٹ ثانی۔ مادھو اور وِرِنڈبل دونوں کے بعد ہوا ہے اور اس نے اپنی کتاب میں اُن کے حوالے دئے ہیں۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اس کا زمانۂ حیات نویں صدی عیسوی تھا۔ اس فاضل وید کی کتاب پر ارُن دتّ نے ایک شرح لکھی ہے جس کا نام "سروانگ سندری" ہے۔ یہ شارح غالباً ۱۲۲۰ء میں ہوا ہے ٭

وِرِنڈہ

"یہ ہندی حکیم اپنے زمانے کا نہایت مشہور اور نامور فاضل تھا۔ اس کی ایک تصنیف "سِدّھ یوگ" چکر پانی دتّ کی کتاب کا ماخذ ہے۔ جہاں تک معلوم

ہو سکتا ہے یہ ویدچکر پانی دتؔ سے یا یوں کہئے کہ ۱۰۶۰ء سے ایک دو صدیاں پہلے گزرا ہے۔ موخر الذکر کی رائے ہے کہ وَرِندہ ایک مُستند مصنّف تھا ؛

بھاسکر بھٹ

یہ مؤلّف طب اور قابل وید چکر پانی دتؔ سے کچھ عرصہ پہلے ہوا ہے غالباً اس کا زمانۂ حیات دسویں صدی عیسوی ہوگا۔ اس نے تشریح میں ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام "ششریر پدمنی" ہے۔ اس کے لفظی معنے ہیں "کتب تشریح کے درمیان کنول" بھاسکر بھٹ نے انسانی ڈھانچ کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے اُس کا ماخذ سُشرت سنگھتا کے وہ مسائل ہیں جن کی واگ بھٹ اوّل نے اصلاح کی تھی ؛

چکر پانی دتؔ

یہ ویدک مصنّف سنہ ۱۰۶۰ء میں زندہ تھا۔ اس نے چرک سنگھتا اور سُشرت سنگھتا پر شرحیں لکھی ہیں۔ اوّل الذکر کی شرح کا نام "تاتپریہ ٹیکا" یا "آیوروید دیپکا" اور موخر الذکر کی شرح کا نام "بھانومتی" ہے۔ اس کا صرف ایک حصّہ نہایت غیر مکمّل صورت میں پایا گیا ہے۔ عام طور پر لوگ اس سے واقف نہیں۔ یہ وید ایک متبحر فاضل تھا۔ ان شروح کے علاوہ اس کی ایک اور تصنیف بھی ہے جو اسی کے نام چکرؔ سے موسوم ہے۔ واگ بھٹ اوّل کے زمانے میں معدنی ادویہ کا استعمال شروع ہو گیا تھا جسے رفتہ رفتہ چکر پانی دت کے زمانے میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی تھی حتّٰی کہ کوئی ہندی حکیم (وید) ایسا نہ تھا جس کے معمولات معدنیات سے خالی ہوں ؛

اگرچہ اس فاضل وید کو برہمنی مذہب کا معتقد بتلایا جاتا ہے۔ لیکن اُس کی اپنی تحریروں سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ اُس کا طبعی رُجحان بُدھ مذہب کی

طرف تھا۔ چنانچہ اُس نے ایک مقام پر مگدھ دیش کو مہابُدھی کا ملک لکھا
ہے اس کے علاوہ اور مقامات پر بھی بُدھ کے متعلق تعظیمی اور ارادتمندانہ الفاظ
اُس کے قلم سے نکلے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اُس کا باپ راجہ نیا پال کا
شاہی طبیب (وید راج) ہوا ہے جس کی تخت نشینی کا زمانہ تقریباً ۱۰۶۰ء تھا ؛
چکر پانی دت ناگارجن کو ایک مستند مصنف بتاتا ہے۔ اگرچہ چرک سُشرت
اور واگ بھٹ کے نقش قدم پر چلنا اُس کا نصب العین تھا لیکن اس سے انکار
نہیں کیا جا سکتا کہ وہ تنتروں کے اثر سے بھی ضرور متاثر تھا۔ ایک مقام پر ناگارجن
مذکور اپنی کتاب میں اودیہ کی تاثیر کو بڑھانے کے لئے بعض پُراسرار تنتر (دعائے شفا)
پڑھنے کی سفارش کرتا ہے ؛
چکر پانی دت چرک سُشرت اور واگ بھٹ کے علاوہ وِرِنڈہ کی کتاب سے
بھی بہت کچھ امداد لیتا ہے۔ جو غالباً اُس سے ایک دو صدیاں پیشتر گزرا ہے ؛

بھاؤ مِشر

یہ قابل وید ۱۵۵۰ء میں شمالی ہند کے اندر زندہ تھا۔ اور اپنے زمانے
میں سربرآوردہ وید ہونے کے علاوہ شاستروں کا فاضل خیال کیا جاتا تھا۔ اس
نے بھاؤ پرکاش کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے جس میں بہت سی جڑی
بوٹیوں کا ذکر اور سُشرت سنگھتا کے انداز پر تشریحی مسائل ہیں۔ کہا جاتا ہے
کہ اس فاضل ہندی حکیم (وید) کے باپ کا نام لٹک مشر تھا ؛
بھاؤ مِشر نے اپنی کتاب میں اپنے پیشرو اطبّا کی پریکٹس کا خلاصہ
بھی درج کر دیا ہے۔ اس کی تحریر کی صفائی اور ترتیب کی خوبی نے قدیم مصنفوں
کے مشتبہ اور متنازعہ مقامات پر نہایت خوش اسلوبی سے روشنی ڈالی ہے۔
اس میں کچھ شک نہیں کہ اس ہندی طبیب کے طرز بیان سے آیورویدک
لٹریچر کی آخری بہار نظر آتی ہے۔ یہ متبحر وید بنارس کا باشندہ تھا اور اسکے

حلقۂ درس میں تقریباً چار سو طالب علم شامل ہوا کرتے تھے ؎

شارنگ دھر

یہ لائق وید مادھو کے بعد غالباً آٹھویں صدی مسیحی میں ہوا ہے۔ اسکی تالیف "شارنگ دھر سنگھتا" نہایت مشہور کتاب ہے جو عام طور پر درس و تدریس میں بھی داخل ہے۔ اس میں علم طب کے بعض شعبوں پر بحث کی گئی ہے اس کی ایک شرح بھی ہے جس کا نام "آڈھملی" ہے ؎

تمت بالخیر



مخزن الحکمت

(یا)

گھر کا ڈاکٹر و حکیم

یہ علم ڈاکٹری و طب یونانی کی ایک نو تصنیف باتصویر قابل دید عام فہم اور مفید خاص و عام کتاب ہے جو کہ اب بار سوم نہایت مفید اضافوں کے ساتھ طبع ہو کر شائع ہوئی ہے۔

(۱) طبع سوم کی یہ مخزن حکمت طبع دوم کی مخزن حکمت کی نسبت تقریباً ڈیوڑھی اور طبع اوّل کی مخزن حکمت کی نسبت تقریباً دوگنی ہے اور بالکل از سر نو لکھی ہوئی اور ان دونوں سے بدرجہا بہتر ہے لیکن اُن کی قیمت کی نسبت اس کی قیمت صرف ایک روپیہ زیادہ ہے۔

(۲) اس کتاب میں تمام امراض کے ڈاکٹری و طبی اور مشہور اردو ناموں کی مطابقت نہایت تحقیق و صحت سے کی گئی ہے اور چند جدید امراض کے جو نئے نام وضع کئے گئے ہیں وہ علم اللغت کے اصولوں پر مبنی ہیں اور یہ اس کتاب کی ایک خاص خوبی ہے۔

(۳) ہر مرض کا ڈاکٹری علاج اور تمام متعدی امراض کا حفظ ماتقدم جس وضاحت سے اس کتاب میں لکھا گیا ہے نیز تمام کثیر الوقوع اور خطرناک امراض کا جس قدر واضح اور مفصل بیان اس کتاب میں کیا گیا ہے اس قدر اردو کی کسی میڈیسن (کتاب کلیات طب یا علم و عمل طب) میں تو کہاں اس سے دگنی قیمت کی کسی انگریزی میڈیسن میں بھی نہیں کیا گیا۔ اس بارہ میں اگر کسی صاحب کو شک ہو تو چند کتب کا اس سے ضرور مقابلہ کرکے اپنی اطمینان کر لیں۔

مخزن حکمت کو سرکاری انعام

پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی یعنی صوبۂ پنجاب کی درسی کتب وغیرہ کی سرکاری کمیٹی نے **مخزن حکمت** کو اُردو زبان کے لٹریچر میں ایک نہایت مفید اضافہ تسلیم کرکے پنجاب گورنمنٹ سے اس کی قدر دانی کی سفارش کی چنانچہ حضور نواب لفٹنٹ گورنر بہادر دام اقبالہ نے ازراہ قدر دانی اس کو مبلغ دو سو روپے انعام مرحمت فرمایا ہے۔

اس کتاب کی ایک ایک جلد انڈیا آفس لنڈن اور برٹش میوزیم لنڈن کے سرکاری کتب خانوں میں بھی رکھی گئی ہے۔

مختصر فہرست مضامین مخزن الحکمت طبع سوم

دیباچہ کتاب جس میں نامی گرامی ڈاکٹروں حکیموں وغیرہ کی تقریظیں ہیں از یکم تا ۴۲ صفحات
اس کتاب کے تین حصے ہیں جن کے ابواب کی تفصیل حسب ذیل ہے

حصۂ اول

	صفحہ		صفحہ
باب ۱۔ تشریح جسم انسان	۱	باب ۲۔ علم حفظ صحت	۹۷
باب ۳۔ تیمار داری	۲۲۲		

حصۂ دوم

باب ۱۔ تعریف طب و صحت و مرض	۲۵۳	ڈاکٹری و طبی اوزان و پیمانے	۲۶۱
مقدار خوراک دوا بہ نسبت عمر	۲۶۲	طریق نسخہ نویسی	۲۶۳
باب ۲۔ متعدی امراض یعنی چھوت کی بیماریاں	۲۶۵	باب ۳۔ امراض خون و امراض عامہ	۷۰۸/۱۹–۹۶ *
باب ۴۔ دماغ و نخاع اور پٹھوں کی بیماریاں	۷۰۹	باب ۵۔ آنکھ کی بیماریاں	۸۵۷
باب ۶۔ کان کی بیماریاں	۹۰۸	باب ۷۔ ناک کی بیماریاں	۹۱۸
باب ۸۔ حنجرہ اور پھیپھڑوں کی بیماریاں	۹۳۳	باب ۹۔ دل کی بیماریاں	۹۸۳
باب ۱۰۔ منہ زبان اور گلے کی بیماریاں	۹۹۳	باب ۱۱۔ معدہ اور آنتوں کی بیماریاں	۱۰۲۹
باب ۱۲۔ جگر اور تلی کی بیماریاں	۱۱۳۷	باب ۱۳۔ گردہ اور مثانہ کی بیماریاں	۱۱۶۲
باب ۱۴۔ سر چہرہ بال و ناخن کی بیماریاں	۱۲۱۳		

حصۂ سوم

باب ۱۔ مردوں کی خاص خاص بیماریاں	۱۲۶۱	باب ۲۔ عورتوں کی خاص خاص بیماریاں	۱۲۹۹
باب ۳۔ حمل اور حاملہ کی بیماریاں	۱۳۴۲	باب ۴۔ ولادت اور زچہ کی بیماریاں	۱۳۷۰
باب ۵۔ ننھے بچے کا رکھ رکھاؤ	۱۳۹۶	باب ۶۔ ننھے بچے کے امراض	۱۴۰۴
باب ۷۔ امراض متعلقہ جراحی	۱۴۲۴	باب ۸۔ اتفاقی حادثات	۱۴۴۳
باب ۹۔ زہر یا ان کے تریاق	۱۴۷۷	فہرست مضامین	۱۵۱۳

حجم کتاب۔ اس کتاب کا حجم ایک ہزار سات سو (۱۷۰۰) صفحات ہے یعنی ۱۶۰۴ صفحہ پر تو یہ کتاب ختم ہوتی ہے لیکن اس کے صفحہ ۷۰۸ و ۷۰۹ کے درمیان ۹۶ صفحات زائد ہیں اور ۴۰ صفحات دیباچہ و سرورق ہیں پس یہ کل ۱۷۰۰ صفحات بنتے ہیں۔

* صفحہ ۷۰۸ و ۷۰۹ کے درمیان ۹۶ صفحات زائد ہیں جن کا نمبر ۷۰۸/۱ تا ۷۰۸/۹۶ ہے۔

سببِ تالیف

مخزن الحکمت

اور

اُس کی مقبولیت

چونکہ دکھ درد اور بیماریاں ہمیشہ انسان کے ساتھ ہیں اور ان کے لئے کوئی وقت [وق]وع مقرر نہیں پھر بعض بیماریاں آناً فاناً ایسی خطرناک صورت اختیار کر لیتی ہیں کہ طبیب [پ]اس نہ ہو تو بیمار کے تلف ہو جانے کا ڈر ہوتا ہے مگر ڈاکٹر یا حکیم کا ہر وقت پاس ہونا مشکل ہے۔ ایسی صورتوں میں اس سے بہتر اور کوئی تدبیر نہیں کہ ایک عمدہ جامع صحیح اور قابل اعتبار [ک]تاب گھر میں موجود ہو جس کی مدد سے سمجھدار آدمی معمولی امراض کا خود علاج کر سکے [اور خ]طرناک امراض میں ڈاکٹر یا طبیب کے آنے تک بیمار کو معقول طور پہ سنبھال سکے۔ بس اسی [غ]رض کے لئے یہ کتاب مخزن الحکمت تالیف کی گئی ہے اور خدا کا شکر ہے کہ یہ ملک کے لئے مفید ثابت ہوئی ہے کہ ہندوستان کے نامور ڈاکٹروں و حکیموں عالموں فاضلوں مشہور اخبارات کے قابل اڈیٹروں اور دیگر مشاہیر عہد کا یہ ایک متفقہ قول ہے کہ "مخزن الحکمت ہر ایک اُردو خواں کے پاس ضرور موجود ہونی چاہیے"

پہلی مرتبہ یہ کتاب سنہ ۱۹۰ء میں چھپ کر شائع ہوئی اور خدا کے فضل و کرم سے یہ مقبول خاص و عام ہوئی۔ پھر سنہ ۱۹۱۰ء میں یہ بہت سے مفید اضافوں کے ساتھ دوبارہ طبع ہوئی اور پبلک نے اس کی پہلے سے بھی زیادہ قدر کی اور طبابت پیشہ حضرات نے بھی اس سے بہت فوائد حاصل کئے چنانچہ یہ ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو کر سنہ ۱۹۱۳ء میں ختم ہو گئی اور تب سے پبلک

حجم کتاب ایک ہزار سات سو (۱۷۰۰) صفحات۔ قیمت:- بلا جلد پانچ روپے۔ مجلد پانچ روپے دس آنے
یہ کتاب ہر ایک کتب فروش سے نیز طبی کتب خانہ جناب شمس الاطباء گمٹی بازار لاہور سے مل سکتی ہے۔

اس کا نہایت بیتابی سے انتظار کر رہی ہے۔ مگر چونکہ ملک کو اس کتاب سے بہت فائدہ پہنچا ہے اور ملک کے ہر حصّہ سے اور اہل ملک کے ہر طبقہ سے مجھے سینکڑوں تعریفی مبارکباد و شکریہ کے خط موصول ہوئے ہیں اس لئے میں نے بھی گذشتہ دو سال کی اپنی مقدور بھر مزید کوشش سے اس کتاب کو پہلے کی نسبت بدرجہا بہتر اور مفید تر بنا دیا ہے۔ چنانچہ اس دفعہ کی یہ کتاب تقریباً تمام ازسرنو لکھی گئی ہے اور زمانۂ حال کی اکثر طبّی ترقیات اور مفید معلومات کا اس میں اضافہ کیا گیا ہے بالخصوص متعدّی یعنی چھوتدار امراض کے متعلق جو نئی نئی باتیں اور مفید علاج معلوم ہوئے ہیں وہ سب اس میں درج کئے گئے ہیں۔ ڈاکٹری علاج میں بہترین مجرّب نسخجات لکھنے کے علاوہ یورپ اور امریکہ کی مفید ترین پیٹنٹ ادویہ بھی تحریر کی گئی ہیں اسی طرح سے طبّی علاج میں بہترین مجرّبات لکھنے کے علاوہ مفرد ادویہ کے استعمال کا اضافہ کیا گیا ہے تاکہ اگر کسی قصبہ یا چھوٹے شہروں میں انگریزی دوا نہ مل سکے تو دیسی دواؤں سے ہی علاج کر لیا جائے۔ مثلاً دیکھو تجاری بخار میں مفرد ادویہ سے علاج صفحہ (۳۵۹)۔

اس کتاب میں تمام کثیر الوقوع امراض بالخصوص تمام متعدّی اور وبائی امراض کا بیان اور ان کا علاج مفصل طور پر تحریر کیا گیا ہے تاکہ خاص و عام اس سے حسب قابلیت و موقع پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں اور ایک ایک مرض کے کئی کئی مفید اور مجرّب نسخے لکھ دئے ہیں تاکہ وقت ضرورت جو ممکن اور میسّر ہو اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ تقریباً ہر ایک مرض اور خصوصاً متعدّی امراض کے علاج میں جو تدابیر حفظ صحت بیان کی گئی ہیں صرف ان پر ہی عمل پیرا ہو کر لوگ طرح طرح کے امراض و عوارض سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

یہ کتاب نہ صرف عام اردو خواں اشخاص کے لئے ہی مفید ہے بلکہ وسیع اور جدید ڈاکٹری و طبّی معلومات کے لحاظ سے ڈاکٹروں و حکیموں کے لئے بھی از بس مفید ہے اور درس تدریس و مطالعہ کے لئے یہ بہترین مجموعہ ڈاکٹری و طب یونانی ہے اسی لئے اس کتاب کو جناب عمدۃ الحکماء حکیم حاذق و زبدۃ الحکماء متعلقہ پنجاب یونیورسٹی ملحقہ اسلامیہ کالج لاہور کے نصاب تعلیم میں داخل کیا گیا ہے۔ نیز ہندوستان کے بعض مدارس طبّیہ میں بھی یہ پڑھائی جاتی ہے۔

اس کتاب کی قدر دانی یہی ہے کہ آپ اپنے دوستوں اور واقفوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیں تاکہ ملک میں اس کی عام اشاعت ہو۔ والسّلام مؤلف

مخزن حکمت کے متعلق بعض نامور ڈاکٹروں حکیموں و دیگر مشاہیر کے اقوال

"مخزن حکمت کی ایک جلد ہر ایک اُردو خواں کو اپنے پاس ضرور رکھنی چاہیے"

ڈاکٹر کرنل ذوالنور احمد (ایم۔ ڈی) (ڈی پی ایچ) (آئی۔ ایم۔ ایس) ریٹائرڈ دہلی

"مخزن حکمت اُردو خواں پبلک کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوگی"

ڈاکٹر میجر سید حسن بلگرامی (ایم۔ ڈی) (ڈی پی ایچ) (آئی۔ ایم۔ ایس) ریٹائرڈ لندن

"مخزن حکمت کی قدر دانی کی میں خاص و عام کو بڑے زور سے سفارش کرتا ہوں"

جناب ڈاکٹر کرنل اللہ جوایا مشیر طبی اعلیٰحضرت امیر کابل و چیف میڈیکل آفیسر افغانستان

"مخزن حکمت ایک نہایت ہی مفید تصنیف اور طب خانگی پر بہترین کتاب ہے"

جناب ڈاکٹر بی ایل ڈھینگرا (ایم۔ ڈی) چیف میڈیکل آفیسر ریاست جیند

"مخزن حکمت طبابت پیشہ و غیر طبابت پیشہ سب کے لئے ایک بہت مفید کتاب ہے"

جناب ڈاکٹر بلدیو سنگھ (ایم۔ ڈی، ڈی۔ پی ایچ) ڈاکٹر خاص حضور مہاراجہ صاحب نابھہ

"مخزن حکمت ہر ایک اُردو خواں اور ہر ایک حکیم و ڈاکٹر کو اپنے پاس رکھنی چاہیے"

جناب ڈاکٹر سید محمد وارث (ایم۔ ڈی) رئیس لکھنو

"مخزن حکمت کا ہر ایک گھرانے میں موجود ہونا نہایت مفید و ضروری ہے"

جناب خان بہادر ڈاکٹر محمد ماشاء اللہ (ایف۔ آر۔ سی۔ ایس) سابق پروفیسر میڈیکل سکول آگرہ حال سول سرجن آگرہ

"مخزن حکمت اُردو خواں اصحاب کے لئے ایک نہایت کارآمد و مفید کتاب ہے"

جناب خان بہادر ڈاکٹر امیر شاہ صاحب آنریری مجسٹریٹ لاہور

"مخزن حکمت عام اُردو خواں اشخاص کے لئے ایک مفید کتاب ہے"

جناب رائے بہادر ڈاکٹر بیلی رام صاحب سابق معلم تشریح میڈیکل سکول لاہور

"مخزن حکمت اُردو خواں اصحاب کے لئے ایک نہایت مفید و کارآمد کتاب ہے"

جناب خانصاحب ڈاکٹر دیوان علی صاحب سابق معلم سرجری میڈیکل سکول لاہور حال سول سرجن ملتان

"مخزن حکمت سے عام اُردو خواں نیز حکیم و ڈاکٹر بہت ہی فائدہ اُٹھائیں گے"

جناب ڈاکٹر ڈی۔ رائے صاحب ایم۔ آر۔ سی۔ ایس لندن

"مخزن حکمت ایک مفید عام کتاب ہے۔ مجھے امید ہے کہ پبلک اسکی قدر کرکے لائق مصنف کی داد دیگی"

جناب حاذق الملک حکیم محمد اجمل خانصاحب سکرٹری مدرسہ طبیہ دہلی و رئیس اعظم دہلی

"مخزن حکمت اپنی مجموعی خوبیوں کے سبب ہندوستان کیلئے ایک نفع رساں کتاب ہے"

جناب شفاء الملک حکیم رضی الدین صاحب خان بہادر فیلو پنجاب یونیورسٹی و آنریری مجسٹریٹ دہلی

"مخزن حکمت کی امید ہے کہ پبلک ضرور قدر کریگی اور اطباء کیلئے بھی بہت مفید ثابت ہوگی"

جناب حکیم حاجی محمد عبدالعزیز خاں صاحب مرحوم مغفور بانی مدرسہ تکمیل الطب شہر لکھنؤ

"مخزن حکمت اس قابل ہے کہ ہر ایک گھر میں اس کا ایک نسخہ موجود رہے"

جناب حکیم نظیر حسن صاحب خان بہادر و آنریری مجسٹریٹ شہر لکھنؤ

"مخزن حکمت ہندوستانی طبی تصنیف میں درحقیقت ایک بے نظیر کتاب ہے"

جناب مولانا حکیم نورالدین صاحب سابق مشیر طبی حضور مہاراجہ صاحب بہادر والی کشمیر

"مخزن حکمت ایک نہایت ہی کارآمد و فائدہ بخش تصنیف ہے۔ اپنی آپ ہی نظیر ہے"

جناب مولانا حکیم محمد حبیب الرحمٰن احمد صاحب مشیر طبی حضور نواب صاحب بہادر والیٔ ڈھاکہ

"مخزن حکمت تمام اردو خواں حضرات کے لئے بہ نسبت حکیموں و ڈاکٹروں کے نہایت ہی مفید ہے"

جناب عمدۃ الحکماء حکیم غلام مصطفےٰ صاحب ایم اے۔ ایل لیکچرار طب یونانی پنجاب یونیورسٹی لاہور

"مخزن حکمت ایک نعمت عظمےٰ ہے اس کو گھر میں رکھیں تو وقت ضرورت اس سے بہت کچھ مدد ملیگی"

جناب نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب سکرٹری مدرسۃ العلوم علی گڑھ

"مخزن حکمت کی ایک جلد ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی کے کتب خانہ میں ضرور ہونی چاہیئے"

جناب آنریبل جسٹس مولوی محمد شاہ دین صاحب خان بہادر جج چیفکورٹ (پنجاب)

"مخزن حکمت کا ہندوستان کے ہر ایک گھر میں موجود ہونا از بس ضروری ہے"

جناب آنریبل سر ملک محمد حیات خانصاحب کے سی۔ آئی۔ ای ممبر کونسل حضور وائسرائے ہند

"مخزن حکمت ایک نہایت ہی مفید کتاب ہے، ہر گھر میں اس کا ہونا ضروری ہے"

جناب آنریبل مولوی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ ای پریزیڈنٹ کونسل آف ریجنسی بہاولپور

"مخزن حکمت کی نسبت میں وثوق سے کہ سکتا ہوں کہ یہ ایک نہایت ہی قابل قدر تصنیف ہے"

جناب آنریبل میاں محمد شفیع صاحب سی۔ آئی۔ ای بیرسٹر ایٹ لاء ممبر کونسل حضور وائسرائے ہند

تاریخ الاطباء

مؤلفہ "شمس الاطباء" حکیم و ڈاکٹر غلام جیلانی "خانصاحب"
مصنف و مؤلف "مخزن حکمت" و "مخزن الادویہ ڈاکٹری" وغیرہ

اس کتاب میں شرق و مغرب کے متقدمین و متأخرین مشاہیر اطباء یعنی حکیموں ڈاکٹروں اور ویدوں کی زندگی کے صحیح صحیح حالات نیز ان کی طبی خدمات و تجربات اور نئی نئی دریافتوں کا نہایت سلیس اُردو میں بالوضاحت بیان کیا گیا ہے جس سے آپ کو بخوبی معلوم ہو جائیگا کہ زمانہ گذشتہ کے بعض مشاہیر اطباء نے علم طب پر کیا کیا احسانات کئے ہیں اور ہمیں ان کا کس قدر ممنون رہنا چاہیئے ۔

جہاں تک میں خیال کرتا ہوں آج تک اردو اور خصوصاً طبی اُردو لٹریچر میں اس قسم کی کوئی جامع تاریخی کتاب موجود نہ تھی جس میں کہ مشرق و مغرب کے مشاہیر اطباء کی زندگی کے صحیح حالات معلوم ہو سکیں نیز ان کے قابل قدر کارناموں کا علم ہو سکے۔ اس لئے میں نے مختلف زبانوں کی کتب تاریخ و سیر کے وسیع مطالعہ کے بعد اس کتاب کو تالیف کیا ہے جس میں کہ زمانہ سلف کے سر برآوردہ اور ماہرین فن حکماء و اطباء کے سوانح حیات کو سلیس اُردو میں قلمبند کیا ہے تاکہ ان کے نتیجہ خیز مطالب سے بالعموم مستفاد ہوں ۔

علم تاریخ کے جہاں اور سینکڑوں فوائد ہیں ہاں اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ زمانہ گذشتہ کے مشاہیر کی نیک نامی اور شہرت کا علم ہونے سے زمانۂ حال کے عقلمند اور تیز فہم لوگوں کے دلوں میں بھی ان فضائل کے حاصل کرنے کی خواہشیں اور اُمنگیں پیدا ہوتی ہیں جن کی وجہ سے کہ متقدمین نے اس قدر ناموری اور شہرت حاصل کی تھی۔ پس یہ ایک ہی اتنا بڑا فائدہ ہے جس سے کہ انسانی زندگی میں حیرت ناک انقلابات پیدا ہو سکتے ہیں خصوصاً موجودہ زمانے میں جبکہ فضول بلکہ مخرب اخلاق ناولوں یا قصص کی کثرت اشاعت سے ملک کا عام مذاق نہایت قابل افسوس طور پر بگڑا ہوا ہے صحیح و مفید مذاق کی تاریخیں اور سوانح عمریاں شائع کرنا درحقیقت لٹریچر کی ایک اہم ترین خدمت ہے ۔

میں خداوند کریم کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ میری اس ناچیز خدمت یعنی اس کتاب کی تالیف و اشاعت کو اہل فضل و اکابر ملک نے بالخصوص اور دیگر اہل علم حضرات نے بالعموم پسندیدگی اور قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور گورنمنٹ عالیہ نے بھی اسکی قدر دانی فرما کر میری حوصلہ افزائی کی ہے ۔
اس کتاب کے متعلق ملک کے بعض نامی گرامی فاضل حضرات نے جو اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ آپ ذرا اُس کو بغور ملاحظہ فرمائیں :-

تاریخ الاطباء مؤلفہ شمس الاطباء پر ملک کے بعض مشاہیر افاضل و اکابر کی آراء

تاریخ الاطباء کو سرکاری انعام

پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی یعنی صوبہ پنجاب کی درسی کتب کی سرکاری کمیٹی نے تاریخ الاطباء کو اردو زبان کے لٹریچر یعنی علم ادب میں ایک مفید اضافہ تسلیم کر کے پنجاب گورنمنٹ سے اس کی قدردانی کی سفارش کی چنانچہ جناب مستطاب اجل و اکرم نواب لفٹنٹ گورنر بہادر دام اقبالہم نے ازراہ قدردانی اس کتاب کو مبلغ دو سو روپے انعام مرحمت فرمایا ہے۔ اس کتاب کی ایک ایک جلد انڈیا آفس لنڈن (محکمۂ ہند لنڈن) اور برٹش میوزیم لنڈن (عجائب خانہ برطانیہ لنڈن) کے سرکاری کتب خانوں میں بھی رکھی گئی ہے جو اس کے مؤلف کے لئے باعث امتیاز و افتخار ہے۔

جناب نواب ذوالفقار علی خان صاحب بہادر سی ایس آئی سابق وزیر اعظم ریاست عالیہ پٹیالہ و ممبر کونسل حضور وائسرائے بہادر ہند فرماتے ہیں:-

"تاریخ الاطباء مؤلفہ شمس الاطباء کے بعض مقامات کو میں نے شوق سے پڑھا ہے۔ قابل مؤلف نے اس کتاب کو نہایت محنت و قابلیت سے لکھا ہے۔ یہ کتاب اردو لٹریچر میں درحقیقت ایک بیش قیمت اضافہ ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ جناب شمس الاطباء کی دیگر مفید عام تصانیف مثلاً مخزن حکمت وغیرہ کی طرح یہ کتاب بھی مقبول خاص و عام ہوگی اور ہر علم دوست اشخاص بالعموم اور ڈاکٹری طبابت یا ویدک پیشہ حضرات بالخصوص اسے اپنے کتب خانوں کی زینت بنائیں گے میں اس تالیف لطیف کے لئے قابل مؤلف کو مبارکباد دیتا ہوں"

جناب خان بہادر شیخ انعام علی صاحب بی اے

ڈسٹرکٹ جج حصار و فیلو آف دی پنجاب یونیورسٹی فرماتے ہیں "جناب شمس الاطباء نے تاریخ الاطباء میں مشرق و مغرب کے مشاہیر اطباء کے مجیب حالات و کارنامے بطریق احسن بیان کر کے اردو لٹریچر میں ایک مفید اضافہ فرمایا ہے۔ اور نہ صرف شائقین علم تاریخ کے لئے بلکہ اپنے ہمعصر اہل طب کے لئے ان کے سامنے اعلیٰ درجہ کی زندگیوں کے نمونے رکھ دیئے ہیں جنکی پیروی کرنے سے وہ اپنے ملک اور بنی نوع انسان کے واسطے نہایت فیض رساں و محسن ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہ کتاب اپنی قسم کی پہلی اور اپنے ہی تصنیف ہے اور جو محنت حکیم صاحب نے اس کتاب کے تیار کرنے میں اٹھائی ہے وہ قابل قدردانی و تحسین ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جس طرح حکیم صاحب موصوف کی پہلی تصنیفات بوجہ ہونے ایک صحیح خزانہ اسرار طبیہ کے قبولیت خاص و عام حاصل کی ہے اسی طرح سے تاریخ الاطباء بھی مقبول خاص و عام ہو کر ہر شریف علم دوست شخص کے گھر کی لائبریری کی زینت ہوگی ہم جناب شمس الاطباء کو انکی اس نمایاں کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں"

حیدر آباد دکن کے سابق چیف جج صاحب

جناب مولانا مولوی محمد ابو الحسن صدیقی بدایونی فرماتے ہیں "جالینوس ثانی جناب شمس الاطباء خانصاحب ڈاکٹر غلام جیلانی لاہوری کی جدید تالیف "تاریخ الاطباء" ایک نہایت دلچسپ کتاب اور اردو لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ ایشیائی و یورپی اطباء متقدمین و متاخرین کی سوانح عمری ایک عالمانہ اور فلسفیانہ پیرایہ میں لکھی گئی ہیں اور علم طب کے متعلق ان کے کارنامے دلچسپ طریقہ سے بیان کیے گئے ہیں اور سبق آموز و نتیجہ خیز حکایات کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ازمنہ قدیمہ میں علم طب کے آغاز و ارتقا کی تاریخ نہایت بلاغت سے بیان کی گئی ہے اور مختلف نظامہائے طبیہ کے متعلق محققانہ بحث کی گئی ہے۔ ہندو اطباء یعنی ویدوں کے حالات جن کے ناموں سے بھی اردو خواں پبلک کو اب تک واقفیت نہ تھی کمال تجسس و تلاش سے بہم پہنچائے گئے ہیں ہم امید کرتے ہیں کہ اردو داں پبلک اس کتاب سے ضرور فائدہ اٹھائیگی"

حجم کتاب نو سو (۹۰۰) صفحات۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ اعلیٰ۔ قیمت بلا جلد تین روپے۔ مجلد تین روپے آٹھ آنے
ملنے کا پتہ: طبی کتب خانہ جناب شمس الاطباء گمٹی بازار لاہور

جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب (ڈی ایس سی) (ریڈنگ) ڈی (سی-آئی-ای) سابق پرنسپل ایم۔ اے او کالج علیگڈھ فرماتے ہیں :- "میں نے کتاب تاریخ الاطباء مولفہ شمس الاطباء کو دیکھا۔ اس میں شک نہیں کہ اردو زبان میں یہ اپنی قسم کی اول کتاب ہے۔ جناب شمس الاطباء نے یہ کتاب لکھ کر ہندوستان پر احسان کیا ہے۔ اس کتاب کے اکثر مقامات سے خود میں نے اپنے مضامین کے لئے فائدہ اٹھایا ہے"

جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا فیلو آف دی پنجاب یونیورسٹی فرماتے ہیں :- "تاریخ الاطباء اردو علم ادب میں ایک نہایت ہی مفید اضافہ ہے۔ جناب شمس الاطباء اپنی تالیفات کو ناظرین کے لئے دلچسپ بنانے میں خاص قابلیت و سلیقہ رکھتے ہیں چنانچہ مخزن حکمت و مخزن الادویہ و طبی ڈکشنری کی تصنیف و تالیف سے ملک میں ان کی بہت شہرت ہو چکی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان کی یہ جدید تالیف یعنی تاریخ الاطباء بھی مقبول خاص و عام ہوگی نہ صرف اس لئے کہ یہ مخزن معلومات ہے بلکہ اس لئے بھی کہ یہ نہایت سلیس و دلچسپ طریق میں لکھی گئی ہے"

جناب ڈاکٹر عظیم الدین احمد صاحب پی ایچ ڈی۔ پروفیسر عربی اورینٹل گورنمنٹ کالج و فیلو آف دی پنجاب یونیورسٹی فرماتے ہیں :- "میں نے "تاریخ الاطباء" مولفہ شمس الاطباء کا مطالعہ کیا۔ مجھے نہایت مسرت ہے اس بات کا معترف ہوں کہ اردو لٹریچر (علم ادب) میں یہ ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ جناب شمس الاطباء جن کی دیگر طبی تصنیفات ملک میں مشہور و مقبول ہو چکی ہیں اپنی اس جدید تالیف کو ناظرین کے لئے دلچسپ بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ میں بلا تامل خاص و عام کو اس کتاب کی قدردانی کی بڑے زور سے سفارش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ فاضل مولف جلد تر کوئی اور ایسی ہی مفید کتاب تالیف فرما کر ہمیں مزید مسرور و مستفیض ہونے کا موقع دینگے"

جناب ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب ایم اے ایل ایل ڈی بیرسٹر ایٹ لا و ایڈووکیٹ چیف کورٹ پنجاب فرماتے ہیں :- "تاریخ الاطباء کے بعض مقامات کو میں نے نہایت خوشی سے مطالعہ کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف میں جس میں کہ مشرق و مغرب کے اطباء کے متقدمین و متاخرین کے سوانح حیات اور کارناموں کا تذکرہ ہے قابل مولف نے نہایت محنت برداشت کی ہے۔ جناب شمس الاطباء نے اس کتاب کی تالیف و اشاعت سے بعض ایسے مضامین پر روشنی ڈالی ہے جو قبل ازیں ہم میں سے بعض کے لئے تاریکی میں تھے۔ مجھے یقین ہے کہ طبابت پیشہ حضرات اس کتاب کی وہ قدر کریں گے جس کی کہ در حقیقت یہ مستحق ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب نہ صرف طبابت پیشہ اصحاب کے کتب خانوں کی زینت ہوگی بلکہ نہایت دلچسپ طبی تاریخی مضامین اور نتیجہ خیز مطالب کے لحاظ سے دیگر با مذاق اہل علم حضرات بھی اس کی قدر کرینگے"

جناب آنریبل صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب بی اے بیرسٹر ایٹ لا آنریری سکرٹری آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علیگڈھ فرماتے ہیں :- "میں نے "تاریخ الاطباء" کے دیباچے اور اکثر حصوں کو دیکھا۔ الحمد للہ کہ اردو زبان کی کم مائگی کے گھٹانے میں اس کتاب کی اشاعت نے بڑی مدد کی ہے میں اس کتاب کو نہ صرف طبی ادب بلکہ اردو علم ادب میں ایک بیش بہا اضافہ سمجھتا اور امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب ہر طرح سے مقبول ہوگی اور جس غرض کے لئے یہ لکھی گئی ہے امید ہے کہ یہ اس کو ضرور پورا کریگی اور اہل فن کو عموماً اور اردو خواں پبلک کو خصوصاً فائدہ پہنچائیگی"

ضخامت کتاب نوسو (۹۰۰) صفحات لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ
قیمت بلا جلد تین روپے مجلد تین روپے آٹھ آنے

ملنے کا پتہ: طبی کتب خانہ جناب شمس الاطباء دہلی بازار لاہور

جناب شمس العلماء مولانا مولوی محمد حسین صاحب فقیہ فارسی
مشن کالج لاہور فیلو آف دی پنجاب یونیورسٹی فرماتے ہیں:

"میں نے جناب شمس الاطباء کی جدید تالیف "تاریخ الاطباء"
کا نہایت شوق سے مطالعہ کیا بعض حکماء و اطباء کے نام ایسے تھے
کہ جنکے حالات کی عرصہ دراز سے خود مجھ کو جستجو تھی چنانچہ
اس کتاب سے جب ان کے حالات معلوم ہوئے تو میں
نے جناب شمس الاطباء کے حق میں دعائے خیر کی۔ یہ کتاب
ویدوں اور ڈاکٹروں کی بھی تاریخ ملک ہندوستان
کے لئے نہایت مفید اور دلچسپ ہے۔ اس تالیف سے اردو
علم ادب میں بہت اچھا اضافہ ہوا ہے اور اس کا فاضل مؤلف
بلا مبالغہ ملک کی طرف سے شکریہ کا مستحق ہے۔ میری رائے
میں کوئی پبلک یا پرائیویٹ لائبریری اس کتاب سے
خالی نہیں رہنی چاہئے اور علمی دائرہ میں اس کی بہت
وسعت ہونی چاہئے چنانچہ سکولوں اور کالجوں کے سالانہ
انعامات میں ایسی کتاب کا بطور انعام تقسیم کرنا بہت
مفید ہوگا۔ میں جناب شمس الاطباء کو ان کی اس جدید
تالیف پر تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں"

جناب شمس العلماء مولانا مولوی محمد عبد الحکیم صاحب
پروفیسر عربی اورینٹل کالج لاہور فیلو آف دی پنجاب یونیورسٹی
فرماتے ہیں: "تاریخ الاطباء" مؤلفہ جناب شمس الاطباء
کو میں نے مختلف مقامات سے بغور مطالعہ کیا۔ دیگر علوم و
فنون کے مصنفین کے حالات زندگی کی کتابیں تو زمانہ
کے ہاتھ میں موجود ہیں۔ لیکن طبی سلسلہ میں ایسی تاریخی کتابیں
نادر الوجود ہیں جن سے سلف و خلف کے مشاہیر اطباء
یعنی حکیموں۔ ڈاکٹروں اور ویدوں کے حالات زندگی
کا علم حاصل ہو سکے بالخصوص طبی اردو لٹریچر میں تو اس
قسم کی کتابوں کا سخت قحط ہے حالانکہ ہمارا ملک ہندوستان
تا وقتیکہ ہر ایک علم و فن کا ذخیرہ اردو لٹریچر میں مہیا نہ
کرے کبھی کمال علمی کا مرتبہ حاصل نہیں کر سکتا۔ جناب ڈاکٹر
غلام جیلانی خانصاحب نے اسی اصول کو مد نظر رکھ کر تاریخ الاطباء
مخزن حکمت اور مخزن الادویہ کو نہایت عرقریزی سے اردو زبان
میں تالیف کر کے اپنی علمی فضیلت کے ثبوت میں پبلک کے
سامنے دستاویز پیش کی ہے جس کے لئے اہل ملک کو
ان کا ممنون الاحسان ہونا چاہئے اور ہر ایک صاحب
علم کو لازم ہے کہ تاریخ الاطباء کو جو ایک نفیس تاریخی
کتاب ہے۔ اپنا انیس بنائے۔

ملنے کا پتہ۔ طبی کتب خانہ جناب شمس الاطباء دہلی دروازہ لاہور

جناب شمس العلماء قاضی سید احمد شاہ صاحب رضوانی
پروفیسر عربی ٹریننگ کالج لاہور فرماتے ہیں:

"تاریخ الاطباء کا بیشتر حصہ بہت ذوق سے مطالعہ کیا گیا
اس کتاب مستطاب میں تمام مشاہیر اطباء ممالک ایشیا
و یورپ اسکندریہ و مصر کے تاریخی حالات نہایت بسط
و تفصیل اور بکمال صحت و تحقیق کے ساتھ بزبان سلیس
اردو لکھے گئے ہیں ایسی جامع اور مستند کتاب جس میں
کہ مشرق و مغرب کے مشاہیر اطباء کے مفصل حالات
ان کی سوانح حیات و تصنیفات و تجارب کا ذکر ہو
اردو زبان میں آج تک کسی نے نہیں لکھی تھی یہ
اس کتاب کو لکھ کر حکیم صاحب علامہ نے اہل ہند پر بڑا
ہی احسان کیا ہے۔ میری رائے میں ایسی نادر اور
بے نظیر کتاب کا مطالعہ تمام اطباء ہند اور حکماء
وطن بلکہ معلمین و متعلمین مدارس طبیہ اور تمام اردو خواں
اصحاب کے لئے نہایت مفید بلکہ ضروری ہے۔ اس کتاب
کی ایک ایک جلد اگر سکولوں اور کالجوں کی لائبریریوں
میں رکھی جائے تو بہت مفید ثابت ہوگی"

جناب مولانا مولوی ظفر علی خان صاحب بی۔ اے
ایڈیٹر اخبار زمیندار لاہور فرماتے ہیں:

اس زمانہ میں جبکہ علمی تنزل نے انتہائی ترقی کر لی ہے کسی علمی
کتاب کی اشاعت بہت ہی مغتنم ہے جس سے کہ علم کو بحیثیت
علم کے فائدہ پہنچ سکے۔ اہل علم "تاریخ الاطباء" کا
فیوضات سے لے سکتے ہیں جو جناب شمس الاطباء حکیم و ڈاکٹر
غلام جیلانی خانصاحب کی تالیف ہے اور جسکی قدر شناسی
میں پنجاب یونیورسٹی نے ان کو درجہ اول کا انعام دو سو روپیہ
مرحمت فرمایا ہے۔ اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جو اس
دلاویز جامعیت کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ جس
طبی دنیا کی کم از کم ایک ہزار سال کی طبی تاریخ پر نہایت شرح
و بسط سے ریویو ہو سکتا ہے۔ فاضل مؤلف نے حکیم ابو الحسن کے
تدبیر و تداوی پر جو روشنی ڈالی ہے وہ اس امر کی واضح
دلیل ہے کہ اطباء عرب اپنی حذاقت سے وہ کام
کرتے تھے جنہیں اعجاز مسیحائی کہتے ہیں شیخ ضیاء الدین ابن القف
کے لکھے ہیں وہ فن سرجری میں مسلمانوں کے انتہائی
کو ظاہر کرتے ہیں۔ ابن رشد کے بیان میں لکھا ہے کہ
کیا تھا اور یورپ میں اسکو قبول عام و بقائے دوام کا تمغہ
ملا۔ غرضیکہ ساری کتاب بیشمار فوائد سے لبریز ہے۔ ہم
خواں پبلک کو اس کتاب کے مطالعہ کی پر زور سفارش کرتے

TAREIKH-UL-ATIBBA

OR

EMINENT DOCTORS

OF THE

EAST AND WEST

ıeir Lives and Their Works

BY

i. H. GHULAM JILANI, K. S., S. A.

' *Khan Sahib* " & *Shams-ul-Ātibba*")

lical Officer, British Consulate, Seistan (Persia);
ber of the Sanitary Council of the Persian Empire,
xaminer in Medicine and Materia Medica.
m/-i-Hazik class, Islamiah College, Lahore)

AUTHOR

OF

zan ul-Adwiah Doctri or Materia Medica.
Makhzan i Hikmat " (Second Edition)
Tareikh i Tibb " (History of Medicine)
d A Dictionary of Drugs (in the Press)

LAHORE.

ted at the Newal Kishore Steam Press,

1913.

 Price Rs. 4 As 8